www.KitaboSunnat.com
هدایۃ القاری
شرح
صحیح البُخاری
(اُردو)
کتاب مواقیت الصلاۃ ـ کتاب السهو
احادیث: 521 - 1236
2
تالیف: اِمام ابُوعبداللہ محمد بن اسماعیل بُخاری
ترجمہ وشرح
فضیلۃ الشیخ حافظ عبدالستار الحماد
دار السلام
DARUSSALAM

ہدایۃ القاری
شرح صحیح البخاری (اردو)
2
www.KitaboSunnat.com

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پرنس عبدالعزیز بن جلاوی سٹریٹ پوسٹ بکس:22743 الریاض:11416 سعودی عرب

فون:00966 1 4043432-4033962 فیکس:4021659 www.darussalamksa.com

Email: darussalam@awalnet.net.sa info@darussalamksa.com

الریاض ● العلیا فون:00966 1 4614483 فیکس:4644945 ● الملز فون:00966 1 4735220 فیکس:4735221
● سویدی فون:00966 1 4286641 ● سویلم فون/فیکس:00966 1 2860422

جدّہ فون:00966 2 6879254 فیکس:6336270 مدینہ منورہ فون:00966 4 8234446,8230038 فیکس:04 8151121

الخُبر فون:00966 3 8692900 فیکس:00966 3 8691551 خمیس مشیط فون/فیکس:00966 7 2207055

ینبع البحر فون:0500887341 فیکس:8691551 قصیم (بریدہ) فون:0503417156 فیکس:00966 6 3696124

امریکہ ● نیویارک فون:001 718 625 5925 ● ہوسٹن:001 713 722 0419 کینیڈا ● نصیرالدین الخطاب فون:001 416 4186619

لندن ● دارالسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز لمیٹڈ فون:0044 20 77252246-0044 20 85394885 ● دارمکہ انٹرنیشنل:0044 0121 7739309

متحدہ عرب امارات ● شارجہ فون:00971 6 5632623 فیکس:5632624 فرانس فون:0033 01 480 52928 فیکس:0033 01 480 52997

انڈیا ● دارالسلام انڈیا فون:0091 44 45566249 موبائل:0091 98841 12041 ● اسلامک بکس انٹرنیشنل فون:0091 22 2373 4180

● ہُدیٰ بک ڈسٹری بیوٹرز فون:0091 40 2451 4892 موبائل:0091 98493 30850 ● ایم ایس براک انٹرپرائزز فون:0091 44 42157847

سری لنکا ● دارالکتاب فون:0094 115 358712 ● دارالایمان ٹرسٹ فون:0094 114 2669197

پاکستان (ہیڈ آفس و مرکزی شوروم)

36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور

فون:0092 42 373 240 34, 372 400 24, 372 324 00 فیکس:042 373 540 72

www.darussalampk.com

اُردو بازار: غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور فون:0092 42 371 200 54 فیکس:042 373 207 03

ڈیفنس: Y بلاک، گول کمرشل مارکیٹ، دکان:2 (گراؤنڈ فلور) ڈیفنس، لاہور فون:0092 42 356 926 10

گلبرگ: دُکان نمبر2، گراؤنڈ فلور، بگ سٹی پلازہ لبرٹی گول چکر، گلبرگ III لاہور فون:0092 42 357 738 50

کراچی مین طارق روڈ، ڈالمن مال سے (بہادر آباد کی طرف) دُوسری گلی، کراچی فون:0092 21 343 939 36 فیکس:0092 21 343 939 37

اسلام آباد F-8 مرکز، ایوب مارکیٹ، شاہ ویز سنٹر فون:0092 51 228 15 13 islamabad@darussalampk.com

---

ملتان 995- انکم ٹیکس آفیسر کالونی، بوسن روڈ۔ ملتان فون:0092 61 622 00 24

فیصل آباد کوہ نور سٹی (پلازہ نمبر 1، دکان نمبر 15) جڑانوالہ روڈ، فیصل آباد فون:0092 41 850 10 44

هِدَايَةُ القَارِي شَرحِ صَحِيحِ البُخَارِي

کتاب مواقیت الصلاۃ... کتاب السہو ⬥ احادیث: 521 — 1236

تالیف

امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ

194-256ھ

ترجمہ و شرح

شیخ الحدیث حافظ عبدالستار الحماد حفظہ اللہ

فاضل مدینہ یونیورسٹی

نظر ثانی تصحیح و تحقیق اور اضافات

حافظ صلاح الدین یوسف — مولانا ابو عبداللہ محمد عبدالجبار — حافظ محمد آصف اقبال

مولانا محمد عثمان منیب — مولانا غلام مصطفیٰ — مولانا محمد ارشد ضیاء

DARUSSALAM
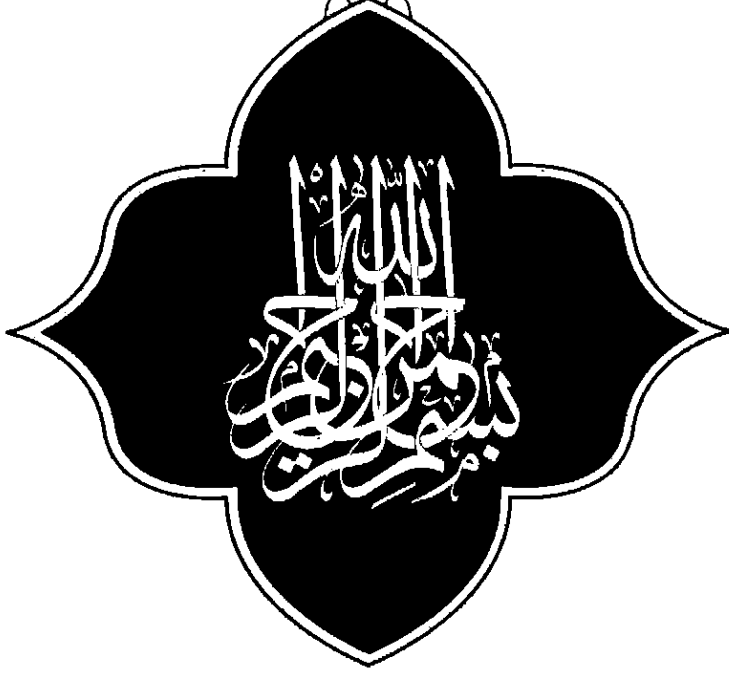
اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
البخاري، ابو عبدالله محمد اسماعيل
هداية القاري بشرح صحيح البخاري مجلد (٢) اردو /.
ابو عبدالله محمد اسماعيل البخاري: عبدالستار حماد . الرياض ١٤٢٧ هـ
ص:٧٢٦ مقاس:١٧×٢٤ سم
ردمك: ٠-٣٩٤-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨
١- الحديث الصحيح ٢-الحديث - شرح أ-الحماد، عبدالستار (محقق) ب. العنوان
ديوي ٢٣٥.١ ١٤٢٧/١٠٢٩٢
رقم الإيداع:١٤٢٧/١٠٢٩٢
ردمك:٠-٣٩٤-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨

فہرست مضامین (جلد دوم)

١٩ [كتاب التهجد] — نماز تہجد سے متعلق احکام و مسائل 627

٢١ ابواب العمل في الصلاة — دوران نماز میں کیے جانے والے اعمال کا بیان [691]

نمازوں کے اوقات کی حکمت واہمیت

اللہ تعالیٰ نے جن وانس کی پیدائش کا مقصد یہ بیان کیا ہے کہ وہ اس کی بندگی کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ [1] "میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔" اس آیت کی رو سے جب ہمارا مقصد پیدائش عبادت ہے تو چاہیے تھا کہ ہمارے تمام اوقات فرشتوں کی طرح مصروف عبادت ہوتے لیکن ہمارے ساتھ علائق دنیوی بھی ہیں جن کے پیش نظر زندگی گزارنے کے لیے فکر معاش اور دیگر لوازمات بھی ضروری ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے ہماری تھوڑی سی عبادت کو پورے اوقات کی عبادت کے برابر قرار دیا ہے۔ چونکہ نماز افضل ترین عبادات سے ہے، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نماز سے متعلق ابواب سترہ کے بعد ایک دوسری شرط اوقات نماز بیان کرتے ہیں۔ اس کے لیے آپ نے مواقیت الصلاة کا عنوان قائم کیا ہے۔ مواقیت میقات کی جمع ہے۔ لغوی طور پر میقات سے مراد وہ وقت یا جگہ ہے جس کے ذریعے سے کسی چیز کی حد بندی کی جائے، مثلاً: یلملم اور قرن منازل وغیرہ حاجیوں کے لیے احرام باندھنے کی میقات ہیں، اسی طرح نمازوں کے اوقات بھی ان نمازوں کے لیے میقات ہیں، لیکن نمازوں کے ان اوقات میں توازن نہیں ہے کیونکہ صبح سے ظہر تک کا طویل عرصہ عبادت سے خالی ہے۔ پھر ظہر سے عشاء تک وقفے وقفے سے نمازیں شروع ہوجاتی ہیں۔ اس کے بعد عشاء سے صبح تک ایک طویل وقت عبادت سے خالی ہے۔ علمائے امت نے اس کی متعدد عقلی وجوہات بیان کی ہیں:

* دن کا آدھا حصہ انسانی ضروریات کے لیے فارغ کردیا گیا ہے اور آدھا حصہ نمازوں میں مصروف کردیا۔ اسی طرح رات کا آدھا حصہ راحت وآرام کے لیے اور عشاء تک اللہ کی عبادت کے لیے مختص کردیا گیا ہے۔
* دن اور رات کے اوقات کو تین حصوں میں تقسیم کردیا گیا ہے۔ ایک تہائی تقریباً 8 گھنٹے معاشی ضروریات کے لیے، دوسرا ثلث، یعنی عشاء تک نمازوں کے لیے، اس کے بعد آخری ثلث راحت وآرام کے لیے ہے۔ مختصر یہ کہ پہلا ثلث ضروریات کے لیے، دوسرا عبادات کے لیے، اس کے بعد آخری ثلث راحت وآرام کے لیے۔ "والثلث کثیر" کے پیش نظر جو ثلث عبادت کے لیے مختص تھا اسے شریعت نے اکثر احکام میں کل کے برابر قرار دیا ہے، اس لیے گویا پورا وقت عبادت کا بھی، معاشی ضروریات کا بھی اور آرام وسکون کا بھی ہے۔ پھر یہ اوقات نماز ایسی حکمت

---

[1] الذاریات 51:56.

سے مقرر کیے گئے ہیں کہ نماز سے جو مقاصد وابستہ ہیں وہ بھی پورے ہوں اور دوسری ذمے داریوں کی ادائیگی میں بھی کوئی خلل نہ پڑے، چنانچہ صبح نیند سے اٹھنے کے بعد صبح صادق کے وقت نماز فجر فرض کی گئی ہے تاکہ اٹھتے وقت پہلا کام اللہ کی بارگاہ میں حاضری اور اظہار بندگی ہو، پھر زوال آفتاب تک کوئی نماز فرض نہیں تاکہ ہر شخص اپنے حالات کے مطابق اپنی دیگر حوائج وضروریات اور ذمے داریوں کو اس طویل وقفے میں سرانجام دے سکے، پھر پورے آدھے دن کے اس طویل وقفے کے بعد نماز ظہر فرض کی گئی تاکہ غفلت یا اللہ کی بارگاہ سے غیر حاضری کی مدت زیادہ طویل نہ ہو۔ اس کے بعد شام کے آثار شروع ہونے لگے تو نماز عصر فرض کر دی گئی تاکہ اصل خاص وقت میں جو اکثر لوگوں کے لیے اپنے کاموں سے فرصت پانے اور تفریحی مشاغل میں ہونے کا وقت ہوتا ہے، اہل ایمان اپنے ظاہر و باطن سے رب قدوس کی بارگاہ میں حاضر ہوکر اس کی عبادت میں مصروف ہوں۔ پھر دن کے اختتام پر غروب آفتاب کے بعد نماز مغرب فرض کی گئی تاکہ دن کے خاتمے اور رات کے آغاز کے وقت اپنے پروردگار کی تسبیح اور بندگی کے عہد کی تجدید ہو۔ اس کے بعد سونے کے وقت سے پہلے نماز عشاء فرض کی گئی تاکہ روزانہ زندگی میں ہمارا آخری عمل نماز ہو۔ پھر ان پانچوں نمازوں کے اوقات میں بھی کافی وسعت دی گئی ہے کہ ہم اپنے وقتی حالات اور ہنگامی ضروریات کے مطابق اول وقت، درمیانے وقت اور آخر وقت میں نماز ادا کرسکیں اگرچہ بہتر، اول وقت نماز پڑھنا ہی ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے تحت صرف اوقات نماز ہی ذکر نہیں کیے بلکہ ان کی اہمیت، فضیلت اور افادیت کو بھی بیان کیا ہے اور اوقات نماز کے بڑے عنوان کے تحت 41 چھوٹے چھوٹے عنوانات قائم کیے ہیں جن میں نماز بروقت پڑھنے کی اہمیت، نماز کے کفارۂ سیئات بننے کی صلاحیت، پھر نماز کو دیر سے ادا کرنے کے بھیانک نتائج سے خبردار فرمایا ہے اور اس حقیقت سے بھی آگاہ کیا ہے کہ نماز ہی ایک ایسی چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے راز و نیاز اور مناجات کے لیے مختص کیا ہے۔ بعض اوقات انسان نیند کی حالت میں یا بھول کر اصل وقت کھو بیٹھتا ہے، اسے نماز کب اور کیسے ادا کرنا ہے؟ اس سلسلے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے قرآنی آیات اور احادیث و آثار سے مکمل رہنمائی فرمائی ہے، جن اوقات میں عبادت نہیں کی جاسکتی وہ بھی تفصیل سے ذکر کیے ہیں۔ الغرض امام بخاری نماز کے اوقات کے علاوہ دیگر آداب و شرائط اور لوازمات بھی زیر بحث لائے ہیں جو یقیناً مطالعے کے دوران میں قاری کی معلومات میں اضافے کا باعث ہوں گے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے تحت 117 احادیث بیان کی ہیں جن میں 36 معلق اور 81 موصول ہیں، پھر 69 مکرر اور 48 خالص احادیث ذکر کی ہیں۔ ان میں تیرہ احادیث کے علاوہ باقی احادیث کو امام مسلم نے بھی اپنی صحیح میں

بیان کیا ہے۔ واضح رہے کہ ان میں تین آثار صحابہ کے علاوہ دیگر تمام روایات مرفوع ہیں۔

الغرض امام بخاری رحمہ اللہ نے ''کتاب المواقیت'' میں اوقات نماز کے علاوہ بے شمار فقہی دقائق اور اسنادی حقائق کو بیان کیا ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ وہ ہماری معروضات کو ذہن میں رکھتے ہوئے کتاب المواقیت کا مطالعہ کریں تاکہ اس عظیم اور نامور محدث کی دِقت فہم اور ندرت فکر سے آگاہ ہوسکیں۔ واللہ یھدي من یشاء إلی سواء السبیل.

نوٹ: واضح رہے کہ ہم نے سرزمین حجاز کے نامور عالم دین فضیلۃ الشیخ العلامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ کے رسالے [مواقیت الصلاۃ] کا اُردو ترجمہ بھی موقع ومحل کے اعتبار سے فوائد میں سمو دیا ہے۔

بِسْمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحْمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

9 - كِتَابُ مَوَاقِيتِ الصَّلَاةِ

اوقات نماز سے متعلق احکام و مسائل

(١) [بَابُ مَوَاقِيتِ الصَّلَاةِ وَفَضْلِهَا]

وَقَوْلِهِ: ﴿إِنَّ ٱلصَّلَوٰةَ كَانَتْ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ كِتَـٰبًا مَّوْقُوتًا﴾ [النساء: ١٠٣] مُوَقَّتًا وَقَّتَهُ عَلَيْهِمْ.

باب: 1- نمازوں کے اوقات اور ان کی فضیلت کا بیان

اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وضاحت: ''بلاشبہ اہل ایمان پر پابندیٔ وقت کے ساتھ نماز کا ادا کرنا فرض ہے۔''

مَوْقُوْتًا کے معنی ہیں: وقت مقررہ پر، یعنی اللہ نے ان کے لیے نمازوں کے اوقات مقرر کر دیے ہیں۔

وضاحت: آیت کریمہ میں دو باتوں کا بیان ہے: ایک یہ کہ نماز فرض ہے۔ دوسرے یہ کہ اسے پابندیٔ وقت کے ساتھ ادا کرنا ضروری ہے، یعنی انھیں ان کے مقرر کردہ اوقات ہی میں ادا کیا جائے۔

٥٢١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ أَخَّرَ الصَّلَاةَ يَوْمًا، فَدَخَلَ عَلَيْهِ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ فَأَخْبَرَهُ أَنَّ الْمُغِيرَةَ بْنَ شُعْبَةَ أَخَّرَ الصَّلَاةَ يَوْمًا وَهُوَ بِالْعِرَاقِ فَدَخَلَ عَلَيْهِ أَبُو مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيُّ فَقَالَ: مَا هٰذَا يَا مُغِيرَةُ؟ أَلَيْسَ قَدْ عَلِمْتَ أَنَّ جِبْرِيلَ صَلَوَاتُ اللهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ نَزَلَ فَصَلَّى، فَصَلَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ، ثُمَّ صَلَّى فَصَلَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ، ثُمَّ صَلَّى فَصَلَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ، ثُمَّ صَلَّى

[521] حضرت ابن شہاب سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ایک دن (عصر کی) نماز کو مؤخر کر دیا تو ان کے پاس حضرت عروہ بن زبیر رحمہ اللہ آئے اور ان سے کہا کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جب عراق میں (گورنر) تھے تو ایک دن ان سے نماز میں کچھ تاخیر ہو گئی۔ حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور ان سے کہا: اے مغیرہ! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ایک دن حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور انھوں نے نماز پڑھی تو رسول اللہ ﷺ نے بھی ان کے ساتھ نماز ادا کی۔ پھر دوسری نماز کا وقت ہوا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے

فَصَلّٰى رَسُولُ اللهِ ﷺ، ثُمَّ صَلّٰى فَصَلّٰى رَسُولُ اللهِ ﷺ. ثُمَّ قَالَ: بِهٰذَا أُمِرْتُ. فَقَالَ عُمَرُ لِعُرْوَةَ: اِعْلَمْ مَا تُحَدِّثُ بِهِ، أَوَ إِنَّ جِبْرِيلَ هُوَ أَقَامَ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ وُقُوتَ الصَّلَاةِ؟ قَالَ عُرْوَةُ: كَذٰلِكَ كَانَ بَشِيرُ بْنُ أَبِي مَسْعُودٍ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيهِ. [انظر: ٣٢٢١، ٤٠٠٧]

ساتھ رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی۔ پھر تیسری نماز کے وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام کی معیت میں رسول اللہ ﷺ نے نماز ادا کی۔ پھر چوتھی نماز کے وقت بھی دونوں نے اکٹھے نماز پڑھی، پھر پانچویں نماز کے وقت حضرت جبریل علیہ السلام نے نماز پڑھی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ ہی نماز ادا کی۔ پھر آپ نے فرمایا: ''مجھے اسی طرح نماز ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔'' حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے عروہ رحمہ اللہ سے فرمایا: آپ ذرا سوچ سمجھ کر بیان کریں، کیا واقعی حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کے لیے اوقات نماز کی نشاندہی کی تھی؟ حضرت عروۃ رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ حضرت بشیر بن ابومسعود اسی طرح اپنے والد ابومسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے تھے۔

فوائد ومسائل: ① کتاب اور باب میں لفظی تکرار نہیں ہے کیونکہ کتاب مواقیت الصلاۃ میں احکام اوقات کا بیان ہے کہ کن اوقات میں نماز پڑھنا مکروہ، کن میں افضل اور کن میں جائز ہے جبکہ باب مواقیت الصلاۃ میں صرف ان اوقات کا بیان ہے جن میں نماز پڑھنا افضل ہے۔ ② امرائے بنوامیہ نماز دیر سے پڑھنے کے عادی تھے لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے اس عادت سے محفوظ رکھا۔ اتفاقاً ایک دن عصر کی نماز میں کچھ تاخیر ہوگئی۔[1] اس تاخیر کی وجہ بھی ایک روایت میں بیان ہوئی ہے کہ آپ مسلمانوں کے اخلاق و اعمال کی اصلاح کے لیے منبر پر تشریف فرما ہوئے اور وعظ کہتے ہوئے نماز عصر میں کچھ تاخیر ہوگئی۔[2] تاہم جب حضرت عروہ بن زبیر نے مذکورہ حدیث سنائی تو نمازوں کے اوقات کی اس قدر اہمیت پر حیران رہ گئے اور حضرت عروہ سے سوال کیا کہ واقعی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ان اوقات کے تعین کے لیے خود عملی طور پر رسول اللہ ﷺ کو تعلیم دی ہے؟ چنانچہ حضرت عروۃ نے باسند حدیث کا حوالہ دیا۔ اس کے بعد پابندیٔ اوقات کا یہ عالم تھا کہ پھر کبھی آپ نے نماز ادا کرنے میں تاخیر نہیں کی جیسا کہ روایات میں اس کی وضاحت ہے۔[3] ③ حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ کا نام عقبہ بن عمرو انصاری ہے جنھوں نے معرکۂ بدر میں شرکت فرمائی۔ ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا امتیازی وصف یہ تھا کہ حاکم ومحکوم کے مناصب سے بالاتر ہوکر ناصحانہ انداز میں فریضۂ دعوت و اصلاح سرانجام دینے کے خوگر تھے، چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے متعین کوفے کے گورنر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ عصر کی نماز میں کچھ تاخیر کی تو حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ نے فوراً ان کی اصلاح فرماتے ہوئے مذکورہ حدیث بیان کی، اور یہی جذبہ حضرت عروہ بن زبیر میں موجزن تھا۔[4]

---

1. صحيح البخاري، بدء الخلق، حديث: 3221. 2 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 394. 3 فتح الباري: 9/2. 4 صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4007.

٥٢٢ - قَالَ عُرْوَةُ وَلَقَدْ حَدَّثَتْنِي عَائِشَةُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ فِي حُجْرَتِهَا قَبْلَ أَنْ تَظْهَرَ. [انظر: ٥٤٤، ٥٤٥، ٥٤٦، ٣١٠٣]

[522] حضرت عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز عصر اس حالت میں پڑھتے تھے کہ دھوپ ان کے حجرے میں ہوتی تھی قبل اس کے کہ (سایہ اس کی) دیواروں پر نمایاں ہو۔

فوائد ومسائل: ① امامت جبرئیل ؑ کی روایت سے تحدید اوقات کی اہمیت ثابت کرنے کے بعد خصوصیت کے ساتھ نماز عصر کی اہمیت اور اس کو اول وقت پڑھنے کی ضرورت کو بیان کیا جا رہا ہے کیونکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ سے نماز عصر ہی میں تاخیر ہوئی تھی۔ چونکہ عصر کی نماز میں وقت مکروہ بھی شامل ہے، اس لیے اسے ادا کرتے وقت احتیاط کی ضرورت ہے، مبادا مکروہ وقت میں داخل ہو جائے۔ امام بخاری ؒ اس حدیث سے نماز عصر کا اول وقت ثابت کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی شرح تراجم بخاری میں لکھتے ہیں: اس سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز عصر ایک مثل سایہ دراز ہونے کے بعد ہوتی تھی، اس لیے کہ اس وقت حجرے کی دیواریں بہت اونچی نہ تھیں، صحن بھی کشادہ نہ تھا، ایسے حجروں میں دیواروں پر دھوپ ایک مثل کے بعد ہی ظاہر ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اول وقت نماز ادا کرنے کو بہترین عمل قرار دیا ہے۔[1] قرآن مجید میں صلاۃ وسطیٰ کی حفاظت کے متعلق خصوصی ارشاد باری تعالیٰ ہے۔[2] حدیث کے مطابق صلاۃ وسطیٰ سے مراد صلاۃ عصر ہے۔[3] ② ہم نے ترجمہ کرتے وقت بریکٹ میں لفظ سایہ کا اضافہ کیا ہے کیونکہ سورج کے نیچے ہونے سے دیواروں کا سایہ اوپر چڑھتا ہے، نیز اس حدیث کے بعض طرق میں اس کی وضاحت بھی ہے جیسا کہ حضرت عائشہ ؓ خود بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز عصر اس وقت پڑھ لیتے تھے کہ دھوپ ابھی میرے حجرے میں ہوتی اور دیواروں کا سایہ ابھی نمایاں نہ ہوتا تھا۔[4]

(٢) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى ﴿مُنِيبِينَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَوٰةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ [الروم: ٣١]

باب: 2- ارشاد باری تعالیٰ: ''اس کی طرف رجوع کرو اور اس سے ڈرتے رہو، نماز کی پابندی کرو اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ۔'' کا بیان

وضاحت: اس آیت میں انابت الی اللہ اور اس کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ ہر نماز کو شرائط وآداب کے ساتھ اس کے مقررہ وقت میں ادا کرنے کا اہتمام ہی انابت الی اللہ کی ضرورت ہے۔ امام بخاری ؒ کا مقصود نماز اور اوقات نماز کی اہمیت بتانا ہے، اس سے بے نماز کے مشرک ہونے پر استدلال امام بخاری ؒ کا مقصود نہیں، صرف تنبیہ کی جا رہی ہے کہ نماز نہ پڑھنا مشرکین کا کام ہے، ہمیں مشرکین کی مشابہت سے احتراز کرنا چاہیے۔

٥٢٣ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبَّادٌ - وَهُوَ ابْنُ عَبَّادٍ - عَنْ أَبِي جَمْرَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ

[523] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: عبدالقیس کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں

① جامع الترمذي، الصلاة، حديث: 170. ② البقرة 2:238. ③ صحيح مسلم، المساجد، حديث: 1426 (628). ④ صحيح البخاري، الصلاة، حديث: 545, 546.

قَالَ: قَدِمَ وَفْدُ عَبْدِ الْقَيْسِ عَلٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالُوا: إِنَّا [مِنْ] هٰذَا الْحَيِّ مِنْ رَّبِيعَةَ، وَلَسْنَا نَصِلُ إِلَيْكَ إِلَّا فِي الشَّهْرِ الْحَرَامِ، فَمُرْنَا بِشَيْءٍ نَّأْخُذُهُ عَنْكَ وَنَدْعُو إِلَيْهِ مَنْ وَّرَاءَنَا، فَقَالَ: «آمُرُكُمْ بِأَرْبَعٍ، وَّأَنْهَاكُمْ عَنْ أَرْبَعٍ: اَلْإِيمَانِ بِاللهِ - ثُمَّ فَسَّرَهَا لَهُمْ - شَهَادَةُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللهِ وَإِقَامُ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءُ الزَّكَاةِ وَأَنْ تُؤَدُّوا إِلَيَّ خُمُسَ مَا غَنِمْتُمْ، وَأَنْهٰى عَنِ الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُقَيَّرِ وَالنَّقِيرِ». [راجع: ٥٣]

حاضر ہوا، انھوں نے عرض کیا: ہمارا تعلق ربیعہ قبیلے سے ہے اور ہم آپ کے ہاں صرف حرمت والے مہینوں میں حاضری دے سکتے ہیں، اس لیے آپ ہمیں ایسی باتوں کی تلقین کریں جن پر ہم خود بھی عمل کریں اور اپنے باقی ماندہ لوگوں کو بھی دعوت دیں۔ آپ نے فرمایا: ''میں تمھیں چار باتوں کا حکم دیتا ہوں اور چار باتوں سے منع کرتا ہوں: اللہ پر ایمان لانا...... پھر اس کی وضاحت فرمائی...... اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، نیز نماز قائم کرنا، زکاۃ دینا اور مال غنیمت سے پانچواں حصہ مجھے ادا کرنا۔ اور میں دُبّاء، حَنْتَم، مُقَیَّر اور نقیر کے استعمال سے منع کرتا ہوں۔''

فوائد و مسائل: ① باب کے ساتھ حدیث کی مناسبت اس طرح ہے کہ آیت مبارکہ میں نفی شرک کو اقامت صلاۃ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور مذکورہ حدیث میں توحید اور اقامت صلاۃ کو اکٹھا بیان کیا گیا ہے، ایمان اور ترک شرک ایک ہی چیز ہے۔[1] ② عرب کے دو خاندان ربیعہ اور مضر دور جاہلیت ہی سے ایک دوسرے کے دشمن چلے آرہے تھے۔ ظہور اسلام کے بعد ربیعہ قبیلہ مسلمان ہوگیا۔ انھیں مدینہ طیبہ آنے کے لیے مضر قبیلے کے پاس سے ہوکر گزرنا پڑتا تھا۔ خونریزی اور باہمی جنگ وقتال سے بچنے کے لیے وہ صرف حرمت والے مہینوں میں ہی سفر کرسکتے تھے کیونکہ ان کا احترام تمام اہل عرب کرتے تھے۔ حدیث میں وفد عبدالقیس نے اپنی اسی مجبوری کا ذکر کیا ہے۔ ③ عرب لوگ شراب کے رسیا تھے اور شراب کے لیے مندرجہ ذیل برتنوں کو استعمال کرتے تھے: * دباء: خشک کدو، جسے صاف کرکے بطور برتن استعمال کیا جاتا تھا۔ * حَنْتَم: سرخی مائل سبز رنگ کا روغنی مرتبان۔ * مقیر: تارکول سے روغن کیا ہوا برتن۔ * نقیر: کھجور کے تنے کو کرید کر تیار کردہ ایک برتن۔ ان برتنوں میں شراب رکھنے سے اس کا نشہ دو آتشہ بلکہ سہ آتشہ ہوجاتا۔ جب شراب کو حرام کردیا گیا تو سد ذرائع کے طور پر ان برتنوں کا استعمال بھی ممنوع کردیا جسے بعد میں منسوخ کردیا کہ ان برتنوں کے استعمال میں اب کوئی حرج نہیں۔ ④ حدیث میں ہے کہ جس نے دانستہ نماز ترک کردی وہ کافر ہوگیا۔[2] امام بخاری رحمہ اللہ آیت کریمہ اور حدیث مذکور سے اس کے معنی متعین کرنا چاہتے ہیں کہ ترک صلاۃ سے انسان حقیقی کافر نہیں بن جاتا بلکہ اس شخص نے کافروں جیسا طرز عمل اختیار کرلیا ہے، اسے چاہیے کہ وہ اپنے اس رویے پر غور کرے۔ واللہ أعلم۔

(٣) بَابُ الْبَيْعَةِ عَلٰى إِقَامِ الصَّلَاةِ

باب:3- اقامت صلاۃ پر بیعت کرنا

[1] عمدة القاري: 9/4. [2] صحيح الترغيب والترهيب، الصلاة، حديث: 575.

وضاحت: یہ بیعت بطور معاہدہ ہے تاکہ اس کی عظمت و اہمیت واضح ہو اور غیر معمولی طریقے سے اس کی ادائیگی کا التزام کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں اسلام پر کاربند رہنے کی بیعت لی جاتی، وہاں امور جزئیہ پر بھی بیعت لینے کا اہتمام ہوتا تھا۔

٥٢٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنَا قَيْسٌ عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: بَايَعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَلَى إِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ. [راجع: ٥٧]

[524] حضرت جریر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے نماز پڑھنے، زکاۃ دینے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر بیعت کی۔

فوائد و مسائل: ① ان ابواب میں نماز اور اوقات نماز کی اہمیت کو بیان کیا جا رہا ہے۔ نماز کا معاملہ اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ اسلام پر بیعت لینے کے بعد نماز کی بروقت ادائیگی کے لیے بیعت لی جاتی۔ اسلام لانے کے بعد بندۂ مسلم کے لیے پہلی ذمے داری نماز کی ادائیگی ہے کیونکہ یہ بدنی عبادات کی اصل ہے، پھر دیانت داری کے ساتھ زکاۃ ادا کرنا ہے کیونکہ یہ مالی عبادات میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے، اس لیے خصوصیت کے ساتھ انھیں ادا کرنے کے متعلق بیعت لی جاتی۔ رسول اللہ ﷺ مخاطب کے حالات پر بھی نظر رکھتے تھے، جس چیز کی اسے ضرورت ہوتی اس کا حکم دیتے۔ ② حضرت جریر بن عبداللہ ؓ اپنی قوم کے سردار تھے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے انھیں ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنے کی تعلیم دی۔ اسی طرح وفد عبدالقیس کا تعلق مجاہدین سے تھا اور کفار مضر سے ان کے معرکے ہوتے رہتے تھے، اس لیے آپ نے انھیں مال غنیمت سے خمس ادا کرنے کی تلقین فرمائی۔

(٤) بَابٌ: اَلصَّلَاةُ كَفَّارَةٌ

باب: 4- نماز (گناہوں کا) کفارہ ہے

وضاحت: نماز اور اوقات نماز کی اہمیت و ضرورت بیان کرنے کے بعد اس کے ثمرات و فوائد سے آگاہ کیا جا رہا ہے کہ اس پاکیزہ عمل سے گناہ دھل جاتے ہیں۔ اگر کسی کے گناہ نہیں ہیں تو نماز رفع درجات کا باعث ہوگی۔ اگرچہ دوسری عبادات بھی کفارہ بننے کی شان رکھتی ہیں، تاہم دیگر عبادات کے مقابلے میں نماز کو اولیت حاصل ہے اور اس میں سب سے زیادہ صلاحیت ہے۔

٥٢٥ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ: حَدَّثَنِي شَقِيقٌ قَالَ: سَمِعْتُ حُذَيْفَةَ قَالَ: كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَقَالَ: أَيُّكُمْ يَحْفَظُ قَوْلَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي الْفِتْنَةِ؟ قُلْتُ: أَنَا، كَمَا قَالَهُ. قَالَ: إِنَّكَ

[525] حضرت حذیفہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ہم حضرت عمر ؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، انھوں نے فرمایا: تم میں سے کس کو فتنے کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا فرمان یاد ہے؟ میں نے عرض کیا: مجھے اسی طرح یاد ہے جس طرح آپ نے فرمایا تھا۔ حضرت عمر ؓ نے فرمایا:

عَلَيْهِ أَوْ عَلَيْهَا لَجَرِيءٌ. قُلْتُ: فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِي أَهْلِهِ وَمَالِهِ وَوَلَدِهِ وَجَارِهِ يُكَفِّرُهَا الصَّلَاةُ وَالصَّوْمُ وَالصَّدَقَةُ وَالْأَمْرُ وَالنَّهْيُ، قَالَ: لَيْسَ هٰذَا أُرِيدُ، وَلٰكِنِ الْفِتْنَةُ الَّتِي تَمُوجُ كَمَا يَمُوجُ الْبَحْرُ؟ قَالَ: لَيْسَ عَلَيْكَ مِنْهَا بَأْسٌ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! إِنَّ بَيْنَكَ وَبَيْنَهَا بَابًا مُّغْلَقًا، قَالَ: أَيُكْسَرُ أَمْ يُفْتَحُ؟ قَالَ: يُكْسَرُ، قَالَ: إِذًا لَّا يُغْلَقُ أَبَدًا، قُلْنَا: أَكَانَ عُمَرُ يَعْلَمُ الْبَابَ؟ قَالَ: نَعَمْ كَمَا أَنَّ دُونَ الْغَدِ اللَّيْلَةَ، إِنِّي حَدَّثْتُهُ بِحَدِيثٍ لَيْسَ بِالْأَغَالِيطِ فَهِبْنَا أَنْ نَّسْأَلَ حُذَيْفَةَ فَأَمَرْنَا مَسْرُوقًا فَسَأَلَهُ فَقَالَ: الْبَابُ عُمَرُ. [انظر: ١٤٣٥، ١٨٩٥، ٣٥٨٦، ٧٠٩٦]

بلاشبہ تم ہی اس قسم کی بات کرنے کے متعلق جرأت کر سکتے ہو۔ میں نے عرض کیا: (آپ نے فرمایا تھا:) انسان کا وہ فتنہ جو اس کے گھر بار، مال واولاد اور اس کے ہمسایوں میں ہوتا ہے، اسے تو نماز، روزہ، صدقہ وخیرات، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مٹا دیتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا مقصد اس قسم کے فتنے کے متعلق معلومات حاصل کرنا نہیں بلکہ میں اس فتنے کے متعلق دریافت کرنا چاہتا ہوں جو سمندر کی طرح موجزن ہوگا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے امیر المومنین! اس فتنے سے آپ کو کوئی خطرہ نہیں کیونکہ اس کے اور آپ کے درمیان ایک بند دروازہ حائل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اچھا یہ بتاؤ کہ وہ دروازہ کھولا جائے گا یا توڑا جائے گا؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ توڑا جائے گا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ گویا ہوئے: تو پھر وہ کبھی بند نہ ہوگا۔ ہم لوگوں نے (حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے) کہا: آیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ دروازے کو جانتے تھے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں! جیسے کل آنے والے دن سے پہلے رات آتی ہے۔ میں نے ان سے ایسی حدیث بیان کی جو چیستان نہ تھی۔ ہم لوگ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے اس دروازے کے متعلق سوال کرنے سے مرعوب تھے، لہٰذا ہم نے (اپنے ساتھی) مسروق سے کہا، چنانچہ انھوں نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے دروازے کی بابت پوچھا تو انھوں نے فرمایا: وہ دروازہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔

فوائد ومسائل: ① أَغَالِيط، أُغْلُوطَة کی جمع ہے۔ اس سے مراد وہ چیز ہے جس کے ذریعے سے کسی دوسرے کو مغالطے میں ڈالا جا سکے۔ اس سے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا مقصود یہ تھا کہ میں آپ کو رسول اللہ ﷺ کی سچی اور کھری باتیں سنا رہا ہوں، اپنی رائے یا اجتہاد سے کوئی بات بنا کر تمھیں کسی مغالطے میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ واقعی حضرات صحابۂ کرام کی یہ شان تھی ...... رضی اللہ عنہم......
② اہل وعیال کے متعلق فتنے سے یہ مراد ہے کہ اپنے اہل خانہ کی خاطر کوئی ایسی بات یا ایسا کام کیا جائے جو شرعاً جائز نہ ہو۔ اولاد کے فتنے سے مراد ان کی محبت میں مبتلا ہو کر کار ہائے خیر سے محروم رہنا ہے۔ مال کے فتنے سے مراد حرام ذرائع سے اس کا حصول اور غلط مصرف پر اس کا استعمال کرنا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّمَآ أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾ ”تمھاری اولاد اور تمھارے

مال تمھارے لیے باعث فتنہ ہیں۔"[1] ③ احادیث کی روشنی میں گناہوں کے معاف ہونے کی تفصیل یہ ہے کہ چھوٹے گناہ وضو کرنے سے ڈھل جاتے ہیں، ان سے بڑے مسجد کی طرف نماز کی نیت سے آنے کی بنا پر معاف ہو جاتے ہیں، پھر پابندئ اوقات اور رعایت خشوع سے نماز پڑھنے کی بدولت گناہ ختم ہو جاتے ہیں، لیکن یاد رہے کہ نماز سے صرف صغیرہ گناہ معاف ہوں گے، کبیرہ گناہوں کی معافی کے لیے توبہ شرط ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا﴾ "ایمان والو! اللہ کے حضور خالص توبہ پیش کرو۔"[2] اگر صرف نماز ادا کرنے اور دیگر اعمال خیر بجالانے سے ہی تمام صغیرہ کبیرہ معاف ہو جاتے ہوں تو توبہ کرنے کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے جس کی طرف باری تعالیٰ نے ہمیں متوجہ کیا ہے۔

٥٢٦ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَجُلًا أَصَابَ مِنِ امْرَأَةٍ قُبْلَةً، فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَأَخْبَرَهُ، فَأَنْزَلَ اللهُ: ﴿أَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ [هود: ١١٤] فَقَالَ الرَّجُلُ: يَارَسُولَ اللهِ! أَلِي هٰذَا؟ قَالَ: «لِجَمِيعِ أُمَّتِي كُلِّهِمْ». [انظر: ٤٦٨٧]

[526] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کسی عورت کا بوسہ لے لیا، پھر وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپ کو اپنے گناہ سے مطلع کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "دن کے دونوں کناروں، یعنی صبح و شام نماز پابندی سے پڑھا کرو اور رات کے کچھ حصوں میں بھی اس کا اہتمام کرو۔ بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں۔" اس شخص نے عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ حکم خاص میرے لیے ہے؟ آپ نے فرمایا: "(نہیں بلکہ) میری تمام امت کے لیے ہے۔"

فائدہ: نماز کی ادائیگی کفارۂ سیئات ہے۔ اس کی وضاحت مندرجہ ذیل حدیث سے بھی ہوتی ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تھا کہ ایک آدمی آیا اور عرض کیا: اللہ کے رسول! مجھ سے ایسا گناہ ہو گیا ہے جس پر شرعی سزا آتی ہے، آپ اسے مجھ پر قائم فرما دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے تفصیلات معلوم نہیں کیں۔ اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا۔ آپ نے نماز پڑھائی۔ وہ آدمی بھی شریک جماعت ہوا۔ نماز سے فراغت کے بعد پھر اس نے کہا کہ مجھ سے ایسا گناہ ہوا ہے جس پر حد لازم ہے۔ آپ کتاب اللہ کو مجھ پر نافذ کریں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "کیا تو نے ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھی؟ عرض کیا: جی ہاں! پڑھ لی ہے۔ آپ نے فرمایا: جا! اللہ تعالیٰ نے تیرا گناہ بخش دیا ہے۔"[3] اس روایت میں جو واقعہ بیان ہوا ہے شارحین نے صاحب واقعہ کے متعدد نام ذکر کیے ہیں۔ علامہ عینی نے چھ نام ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ مذکورہ واقعہ حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے۔[4]

(٥) بَابُ فَضْلِ الصَّلَاةِ لِوَقْتِهَا

باب:5- نماز بروقت پڑھنے کی فضیلت

٥٢٧ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ

[527] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،

① التغابن 15:64. ② التحريم 8:66. ③ صحيح البخاري، الحدود، حديث: 6823. ④ عمدة القاري: 16/4.

قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: الْوَلِيدُ بْنُ الْعَيْزَارِ أَخْبَرَنِي قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا عَمْرٍو الشَّيْبَانِيَّ يَقُولُ: حَدَّثَنَا صَاحِبُ هٰذِهِ الدَّارِ، وَأَشَارَ بِيَدِهِ إِلٰى دَارِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ: أَيُّ الْعَمَلِ أَحَبُّ إِلَى اللهِ؟ قَالَ: «اَلصَّلَاةُ عَلٰى وَقْتِهَا». قَالَ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: «بِرُّ الْوَالِدَيْنِ». قَالَ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: «اَلْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ». قَالَ: حَدَّثَنِي بِهِنَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَلَوِ اسْتَزَدْتُّهُ لَزَادَنِي. [انظر: ٢٧٨٢، ٥٩٧٠، ٧٥٣٤]

انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ سے عرض کیا: اللہ تعالیٰ کو کون سا عمل زیادہ پسند ہے؟ آپ نے فرمایا: ''نماز کی بروقت ادائیگی۔'' انھوں نے عرض کیا: پھر کون سا؟ آپ نے فرمایا: ''والدین سے حسن سلوک۔'' انھوں نے عرض کیا: اس کے بعد کون سا؟ آپ نے فرمایا: ''اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔'' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے اسی قدر بیان کیا۔ اگر میں مزید پوچھتا تو آپ اور بیان فرماتے۔

فوائد و مسائل: ① حضرات صحابۂ کرام، رسول اللہ ﷺ کا انتہائی ادب و احترام کرتے تھے۔ مذکورہ حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس اندیشے کے پیش نظر کہ مبادا آپ اکتا جائیں مزید سوالات سے گریز کیا، حالانکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حصول علم پر بہت حریص تھے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا طرز عمل ہمیں یہ درس دیتا ہے کہ کسی عالم دین سے سوالات کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ کہیں یہ اکتاہٹ میں مبتلا نہ ہو جائے۔ ② بعض دیگر احادیث میں اور اعمال کو افضل قرار دیا گیا ہے؟ دراصل رسول اللہ ﷺ ہر شخص کو اس کی حالت و نفسیات اور استعداد و لیاقت کے مطابق جواب دیا کرتے تھے۔ بعض اوقات حالات کے تقاضے کے پیش نظر جواب مختلف ہو جاتا، مثلاً: ابتدائے اسلام میں جہاد کی زیادہ ضرورت تھی، اس لیے بعض احادیث میں اسے افضل عمل قرار دیا گیا ہے۔ متعدد نصوص سے نماز کا، صدقہ و خیرات سے افضل ہونا ثابت ہے لیکن اگر کوئی مجبور و لاچار آدمی بھوک سے دوچار ہو تو اس وقت اس پر صدقہ کرنا نماز سے افضل قرار پائے گا۔[1] ③ امام بخاری رحمہ اللہ بعض اوقات تراجم کے ذریعے سے کسی مسئلے کا استنباط کرنے کے بجائے صرف حدیث کے معنی متعین کرتے ہیں۔ اس حدیث میں [الصلاة علی وقتها] کے الفاظ سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ نماز وقت سے پہلے ہو سکتی ہے، اس وہم کو دور کرنے کے لیے امام بخاری نے عنوان بایں الفاظ قائم کیا ہے [فضل الصلاة لوقتها] اس کا مطلب یہ ہے کہ حدیث میں لفظ علیٰ، لام کے معنی دے رہا ہے۔

(٦) بَابٌ: اَلصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ كَفَّارَةٌ

باب: 6- پانچوں نمازیں (گناہوں کا) کفارہ ہیں

٥٢٨ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي حَازِمٍ وَالدَّرَاوَرْدِيُّ عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ

[528] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر کوئی نہر جاری ہو جس میں وہ ہر روز

1 فتح الباري : 14/2.

عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَنَّ نَهْرًا بِبَابِ أَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ فِيهِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسًا، مَّا تَقُولُ ذٰلِكَ يُبْقِي مِنْ دَرَنِهِ؟» قَالُوا: لَا يُبْقِي مِنْ دَرَنِهِ شَيْئًا، قَالَ: «فَذٰلِكَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ يَمْحُو اللهُ بِهِ الْخَطَايَا».

پانچ مرتبہ نہاتا ہو تو تم کیا کہتے ہو کہ یہ کام اس پر کچھ بھی میل کچیل چھوڑے گا؟" صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ایسا کرنے سے کچھ بھی میل کچیل باقی نہیں رہے گا۔ آپ نے فرمایا: "پانچوں نمازوں کی یہی مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے سے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔"

فوائد و مسائل: ① مرجیہ نے اس حدیث کے ظاہر سے یہ استدلال کیا ہے کہ افعال خیر سے کبیرہ اور صغیرہ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں لیکن جمہور اہل سنت کا موقف ہے کہ ان سے صرف صغائر معاف ہوتے ہیں کیونکہ اس حدیث میں اگرچہ اطلاق و عموم ہے لیکن دوسری حدیث نے اسے مقید اور خاص کر دیا ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ پانچوں نمازیں، جمعہ جمعے تک اور رمضان دوسرے رمضان تک گناہوں کے لیے کفارہ بن جاتے ہیں بشرطیکہ کبائر سے اجتناب کیا جائے۔[1] جامع ترمذی کی ایک روایت ہے کہ پانچوں نمازیں اور جمعہ جمعے تک، درمیان میں ہونے والے گناہوں کے لیے کفارہ ہیں بشرطیکہ کبائر کا ارتکاب نہ کیا جائے۔[2] ② اس سے پہلے امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک عنوان بایں الفاظ قائم کیا تھا: "نماز، گناہوں کا کفارہ ہے۔" اس سے مراد نماز کا یہ خاصا بتانا مقصود تھا کہ یہ گناہوں کو مٹا دیتی ہے قطع نظر اس کے کہ وہ نماز فرض ہو یا نفل۔ اس مقام پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو کام بندے کے فرائض اور ذمے داری میں شامل ہیں ان کی ادائیگی سے انسان مستحق اجر تو ہو سکتا ہے یا اللہ کی ناراضی سے محفوظ رہتا ہے، اس کے علاوہ مزید انعام واکرام کا سزاوار ہونا ضروری نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ مذکورہ باب اسی وہم کو دور کرنے کے لیے لائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں کسی چیز کی کمی نہیں، فرض نماز میں تو کفارۂ سیئات بننے کی نفل نماز سے زیادہ صلاحیت ہے کیونکہ نفل اعمال سے فرض اعمال کی اہمیت اللہ کے ہاں زیادہ ہے اور فرائض اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہیں جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ میرا بندہ فرائض کی ادائیگی سے جو میرا قرب حاصل کرتا ہے وہ مجھے زیادہ محبوب ہے۔[3] ③ صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں یہ عنوان بایں الفاظ ہے: "پانچوں نمازوں کو اگر بروقت ادا کیا جائے تو گناہوں کا کفارہ ہوتی ہیں، خواہ باجماعت ہوں یا بے جماعت۔" اس عنوان پر بعض حضرات نے اعتراض کیا ہے کہ امام صاحب کو "غیرھا" کے الفاظ نہیں لانے چاہیے تھے کیونکہ ان سے نماز باجماعت کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔ یہ اعتراض برمحل نہیں ہے کیونکہ امام صاحب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر کسی عذر کی وجہ سے نماز باجماعت نہ پڑھ سکے تو انفرادی طور پر ادا کی ہوئی نماز بھی کفارۂ سیئات ہوگی۔ یہ مطلب قطعاً نہیں کہ نماز باجماعت اور بے جماعت دونوں برابر ہیں۔ واللہ أعلم. ④ قبل ازیں صحیح مسلم کے حوالے سے یہ حدیث بیان ہوئی ہے کہ پانچوں نمازیں گناہوں کا کفارہ ہیں بشرطیکہ کبائر سے اجتناب کیا جائے۔ بظاہر یہ حدیث مذکورہ مثال سے متعارض ہے کیونکہ پانچ مرتبہ نہانے سے بالکل میل کچیل نہیں رہے گا، اگر رہے گا تو مقدار میں بہت کم ہوگا، اسی طرح نمازوں کی ادائیگی سے سب

1. صحيح مسلم، الطهارة، حديث: 552(233). 2. جامع الترمذي، الصلاة، حديث: 214. 3. صحيح البخاري، الرقاق، حديث: 6502.

گناہ معاف ہو جائیں گے یا چھوٹے چھوٹے گناہ باقی رہ جائیں گے؟ اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں صغیرہ گناہوں کو میل سے تشبیہ دی گئی ہے، خواہ وہ تھوڑے ہوں یا زیادہ، کبیرہ گناہ زخموں اور اندرونی بیماریوں کی طرح ہوتے ہیں جو صرف توبہ اور انابت الی اللہ سے معاف ہوتے ہیں۔ غسل کرنے سے ظاہری میل کچیل تو دور ہو سکتا ہے اس سے بیماریوں کا علاج ممکن نہیں۔ اسی طرح نماز پڑھنے سے صغیرہ گناہ تو مٹ سکتے ہیں، کبیرہ معاف نہیں ہوں گے۔ ⑤ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ﴾ ''اگر تم کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرو گے تو ہم تمھارے صغیرہ گناہ مٹا دیں گے۔''[1] اس آیت کے پیش نظر مذکورہ حدیث پر ایک اعتراض ہے کہ صغیرہ گناہ تو اجتناب کبائر ہی سے مٹ جاتے ہیں تو نمازیں کس قسم کے گناہوں کا کفارہ ہیں؟ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نمازوں ہی کے ذریعے سے صغیرہ گناہوں کو مٹاتا ہے کیونکہ نماز نہ پڑھنا بذات خود ایک کبیرہ گناہ ہے، اس لیے نمازیں پڑھے بغیر کبیرہ گناہوں سے اجتناب نہیں ہو سکتا۔

(٧) بَابٌ: فِي تَضْيِيعِ الصَّلَاةِ عَنْ وَقْتِهَا

باب: 7- بے وقت نماز پڑھ کر اسے ضائع کرنا

وضاحت: نماز کو بروقت ادا کرنے کی فضیلت اور اس کے کفارۂ سیئات ہونے کی شان بیان کرنے کے بعد اس کے برعکس دوسری صورت کو بیان کیا جا رہا ہے کہ نماز کو بے وقت ادا کرنا اس قدر سنگین جرم ہے کہ ایسی نماز انعام واکرام کے بجائے نمازی کے لیے باز پرس کا باعث ہوگی، نیز اس سے مراد نماز کو وقت مستحب سے مؤخر کر دینا نہیں بلکہ بعد از وقت ادا کرنا ہے۔

٥٢٩ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا مَهْدِيٌّ عَنْ غَيْلَانَ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: مَا أَعْرِفُ شَيْئًا مِمَّا كَانَ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ، قِيلَ: الصَّلَاةُ؟ قَالَ: أَلَيْسَ صَنَعْتُمْ مَا صَنَعْتُمْ فِيهَا.

[529] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ جو باتیں نبی ﷺ کے عہد مبارک میں تھیں، ان میں سے اب میں کوئی بات نہیں پاتا۔ عرض کیا گیا: نماز تو باقی ہے؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس (نماز) کا جو حال تم نے کر رکھا ہے وہ تمھیں معلوم ہے۔

فائدہ: اس روایت میں اختصار ہے۔ تفصیلی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا مذکورہ ارشاد نمازوں کو بے وقت پڑھنے سے متعلق ہے، چنانچہ ابو رافع کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں آج ان چیزوں میں سے کسی ایک چیز کو بھی محفوظ نہیں پاتا جو رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں تھیں۔ ابو رافع نے کہا: اے ابوحمزہ! نماز بھی باقی نہیں ہے؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: کیا تمھیں معلوم نہیں کہ حجاج بن یوسف نے نماز کا کیا حال کر رکھا ہے؟[2] اس روایت کی مزید تفصیل طبقات ابن سعد میں ہے۔ حضرت ثابت بنانی بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے کہ حجاج بن یوسف نے نماز کو مؤخر کر کے پڑھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے تاکہ اس سلسلے میں اسے تنبیہ کی جائے لیکن آپ کے متعلقین نے آپ کو بات کرنے سے روک دیا۔ آپ وہاں سے نکل آئے اور راستے میں اپنے ساتھیوں سے اظہار افسوس کرتے

---

1 النساء 31:4. 2 مسند أحمد: 208/3.

ہوئے کہنے لگے کہ اب رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک کی کوئی بات نظر نہیں آتی، ہاں! ظاہری طور پر شہادتین کا اقرار ضرور موجود ہے۔ ایک آدمی نے کہا: نماز کا اہتمام تو باقی ہے؟ آپ نے فرمایا: تم نے نماز ظہر کو مغرب کے وقت پہنچا دیا ہے۔ کیا رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں نماز کا یہ حال تھا؟ [1]

٥٣٠ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ وَاصِلٍ أَبُو عُبَيْدَةَ الْحَدَّادُ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي رَوَّادٍ أَخُو عَبْدِ الْعَزِيزِ قَالَ: سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ يَقُولُ: دَخَلْتُ عَلٰى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ بِدِمَشْقَ وَهُوَ يَبْكِي فَقُلْتُ لَهُ: مَا يُبْكِيكَ؟ فَقَالَ: لَا أَعْرِفُ شَيْئًا مِّمَّا أَدْرَكْتُ إِلَّا هٰذِهِ الصَّلَاةَ، وَهٰذِهِ الصَّلَاةُ قَدْ ضُيِّعَتْ.

[530] حضرت امام زہری سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں ایک دن دمشق میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ رو رہے تھے۔ میں نے عرض کیا: آپ کیوں رو رہے ہیں؟ انھوں نے فرمایا: اس وقت رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک کی کوئی چیز باقی نہیں رہی، ہاں نماز تھی، اسے بھی اب ضائع کیا جا رہا ہے۔

وَقَالَ بَكْرُ بْنُ خَلَفٍ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ الْبُرْسَانِيُّ قَالَ: أَخْبَرَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي رَوَّادٍ نَّحْوَهُ.

بکر بن خلف نے کہا: ہمیں محمد بن بکر برسانی نے، ان کو عثمان بن ابی روّاد نے اسی طرح حدیث بیان کی۔

فائدہ: دوسری روایات میں اس روایت کی کچھ تفصیل نقل ہوئی ہے کہ ولید بن عبدالملک کے دور حکومت میں حجاج بن یوسف عراق کا امیر تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نمازوں کے متعلق اس کا طرز عمل دیکھا تو حاکم وقت سے اس کی شکایت کرنے کے لیے دمشق پہنچے۔ وہاں پہنچ کر آپ نے دیکھا کہ خود حاکم وقت ولید بن عبدالملک اور اس کے دیگر امراء بھی اوقات نماز کے متعلق تساہل کا شکار ہیں تو حضرت انس رضی اللہ عنہ بہت آزردہ خاطر ہوئے اور حالات کی خرابی دیکھ کر رونے لگے لیکن خلفائے بنوامیہ کے اس طرز عمل سے سارا عالم اسلام متاثر نہیں ہوا تھا۔ مدینہ طیبہ میں نمازوں کے اوقات کی پابندی تھی کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ شام کے سفر سے جب مدینہ منورہ واپس آئے تو انھوں نے اہل مدینہ کو دوران نماز میں تسویۂ صفوف کی طرف متوجہ فرمایا، نیز وہاں کے امیر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تھے جو اوقات نماز کی پابندی کرتے تھے۔ ان سے ایک دن عصر کی نماز میں تھوڑی سی تاخیر ہوگئی تھی تو عروہ بن زبیر نے ابومسعود عقبہ بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت سنا کر اوقات نماز کی طرف توجہ دلائی تھی۔ امیر مدینہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اسے قبول کر کے اصلاح فرمائی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اہل مدینہ کے متعلق اوقات نماز سے مطمئن تھے، صرف صفوں کو سیدھا کرنے کے سلسلے میں ان سے کوتاہی ہو رہی تھی جس کی طرف آپ نے توجہ دلائی۔ [2]

(٨) بَابُ الْمُصَلِّي يُنَاجِي رَبَّهُ عَزَّوَجَلَّ

باب: 8- نمازی اپنے رب سے مناجات کرتا ہے

٥٣١ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا

[531] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا:

1 فتح الباري: 19/2. 2 فتح الباري: 20/2.

هِشَامٌ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا صَلَّى يُنَاجِي رَبَّهُ فَلَا يَتْفِلَنَّ عَنْ يَمِينِهِ، وَلٰكِنْ تَحْتَ قَدَمِهِ الْيُسْرٰى». وَقَالَ سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ: «لَا يَتْفِلُ قُدَّامَهُ أَوْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمَيْهِ». وَقَالَ شُعْبَةُ: «لَا يَبْزُقْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَا عَنْ يَمِينِهِ وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ». وَقَالَ حُمَيْدٌ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «لَا يَبْزُقْ فِي الْقِبْلَةِ وَلَا عَنْ يَمِينِهِ، وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ».

[راجع: ٢٤١]

نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے جب کوئی نماز پڑھتا ہے تو وہ اپنے پروردگار سے مناجات کرتا ہے، اس لیے وہ اپنی دائیں جانب نہ تھوکے، البتہ بائیں قدم کے نیچے تھوک سکتا ہے۔'' اس روایت میں سعید (بن ابی عروبہ) اپنے شیخ حضرت قتادہ سے یہ الفاظ نقل کرتے ہیں: ''نمازی کو اپنے سامنے یا آگے نہیں تھوکنا چاہیے لیکن بائیں جانب یا اپنے قدموں کے نیچے تھوک سکتا ہے۔'' شعبہ کی روایت میں ہے: ''اپنے سامنے یا دائیں جانب نہ تھوکے، بائیں جانب یا قدموں کے نیچے تھوک لے۔'' حمید نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس طرح نقل کیا ہے: ''قبلے کی جانب یا دائیں طرف نہ تھوکے، ہاں! اگر بائیں جانب یا قدموں کے نیچے تھوک لے تو کوئی حرج نہیں۔''

فوائد و مسائل: ① قبل ازیں مقررہ اوقات پر نماز ادا کرنے کی اہمیت و افادیت، نیز وقت مقررہ سے مؤخر کر کے نماز ادا کرنے کی مذمت بیان ہوئی تھی۔ اس باب کا مقصد یہ ہے کہ نماز اللہ کی بارگاہ میں باریابی حاصل کر کے مناجات کا نام ہے جو بہت بڑا اعزاز ہے۔ اس کے لیے مقررہ اوقات کی پابندی ضروری ہے۔ نماز کو مؤخر کر کے ادا کرنا گویا اس اعزاز سے محروم ہونے کے مترادف ہے۔ اللہ کے ہاں یہ ناپسندیدہ عمل ہے کہ بندہ اس کی بارگاہ میں جائے اور اوقات کی نزاکت کا خیال نہ رکھے۔[1] ② اس حدیث میں مناجات کو اجمال کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ دوسری روایات میں اس کی تفصیل ذکر کی گئی ہے، چنانچہ حدیث قدسی میں ہے: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے نماز (مراد فاتحہ) کو اپنے اور بندے کے درمیان تقسیم کر دیا ہے اور بندے کو وہی ملے گا جس کا سوال کرے گا، چنانچہ جب بندہ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میرے بندے نے میری حمد کی۔ اور جب بندہ ﴿اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری ثنا کی۔ اور جب بندہ ﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ جواب دیتا ہے: میرے بندے نے میری عظمت کا اعتراف کیا اور جب بندہ ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان مشترک ہے، اور بندے کو اس کی طلب کردہ چیز ضرور دی جائے گی۔ اور جب بندہ ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اس کا تعلق میرے بندے سے ہے اور بندے کو اس کی طلب کردہ چیز دی جاتی ہے۔''[2] اس بنا پر بندے کو دوران مناجات میں خلاف ادب چیزوں سے احتراز کرنا چاہیے، یعنی اپنے

---

1 فتح الباري: 21/2. 2 صحيح مسلم، الصلاة، حديث: 878(395).

دائیں اور سامنے کی طرف تھوکنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

٥٣٢ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ ابْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اعْتَدِلُوا فِي السُّجُودِ، وَلَا يَبْسُطْ [أَحَدُكُمْ] ذِرَاعَيْهِ كَالْكَلْبِ، وَإِذَا بَزَقَ فَلَا يَبْزُقَنَّ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَا عَنْ يَمِينِهِ، فَإِنَّمَا يُنَاجِي رَبَّهُ». [راجع: ٢٤١]

[532] حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ''سجدہ اچھی طرح اطمینان سے کرو اور تم میں سے کوئی بھی اپنے بازوؤں کو کتے کی طرح نہ بچھائے۔ اگر اسے تھوکنے کی ضرورت ہو تو اپنے آگے اور دائیں جانب نہ تھوکے کیونکہ وہ اپنے پروردگار سے مناجات کر رہا ہوتا ہے۔''

فائدہ: سجدے کی حالت میں انسان اپنے رب کے انتہائی قریب ہوتا ہے، اس لیے نہایت عجز و انکسار کے ساتھ اپنی ہتھیلیوں کو زمین پر ٹکا دیا جائے، نیز اپنی کہنیوں کو زمین سے اوپر اٹھائے رکھے اور انھیں اپنے پیٹ سے بھی دور رکھے۔ اس طرح نہ صرف عجز و انکسار کا اظہار ہوگا بلکہ انسان سستی اور کاہلی سے بھی محفوظ رہے گا۔[1] نمازی کو بحالت نماز سب سے اچھی حالت و ہیئت میں ہونا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ إقعاء الكلب ''کتے کی طرح بیٹھنا''، افتراش السبع ''درندوں کی طرح پاؤں پسار کر بیٹھنا''، بروك البعير ''اونٹ کی طرح بیٹھنا''، نقرة الغراب ''کوے کی طرح ٹھونگیں مارنا'' وغیرہ تمام امور سے منع کیا گیا ہے۔ الغرض نماز میں ہر لحاظ سے سکون و اطمینان، شائستگی و سنجیدگی، خشوع خضوع، بہترین لباس اور حسن ہیئت وغیرہ مطلوب ہیں۔

(٩) بَابٌ: اَلْإِبْرَادُ بِالظُّهْرِ فِي شِدَّةِ الْحَرِّ

باب: 9- گرمی کی شدت میں نماز ظہر ٹھنڈے وقت میں ادا کرنا

٥٣٣، ٥٣٤ - حَدَّثَنَا أَيُّوبُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ: قَالَ صَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ: حَدَّثَنَا الْأَعْرَجُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ وَغَيْرُهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَنَافِعٌ مَوْلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّهُمَا حَدَّثَاهُ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: «إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ، فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ». [انظر: ٥٣٦]

[534,533] حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جب گرمی زیادہ ہو تو نماز ظہر ٹھنڈے وقت پڑھا کرو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کی بھاپ سے ہوتی ہے۔''

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں سے نمازوں کے الگ الگ اوقات بیان کرنا شروع کیے ہیں۔ سب سے

1. عمدة القاري: 26/4.

پہلے نماز ظہر کے وقت کو بیان کیا ہے کیونکہ نمازوں کی ابتدا نماز ظہر سے ہوتی ہے جیسا کہ امامت جبرئیل والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ ② واضح رہے کہ نماز ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ اسے اس وقت پڑھا جائے جب نسبتاً گرمی کم ہو کیونکہ نماز جب پروردگار سے مناجات کا نام ہے تو مناجات کے آداب وقوانین کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، چنانچہ گرمی کی شدت میں نماز پڑھنے سے دو چیزوں کا سامنا کرنا پڑے گا جو مناجات کے منافی ہیں: ✱ ایسی صورت میں سکون قلب میسر نہ ہوگا جبکہ عبادت میں دل جمعی ضروری ہے۔ ✱ گرمی کی شدت، جہنم کی آگ کی بھاپ کی وجہ سے ہے جو غضب الٰہی کی علامت ہے، ایسے وقت میں مناجات کرنا، آداب مناجات کے خلاف ہے۔

٥٣٥ - حَدَّثَنَا ابْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْمُهَاجِرِ أَبِي الْحَسَنِ: سَمِعَ زَيْدَ بْنَ وَهْبٍ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: أَذَّنَ مُؤَذِّنُ النَّبِيِّ ﷺ الظُّهْرَ فَقَالَ: «أَبْرِدْ أَبْرِدْ»، أَوْ قَالَ: «اِنْتَظِرِ انْتَظِرْ». وَقَالَ: «شِدَّةُ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ؛ حَتَّى رَأَيْنَا فَيْءَ التُّلُولِ، فَإِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا عَنِ الصَّلَاةِ». [انظر: ٥٣٩، ٦٢٩، ٣٢٥٨]

[535] حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ کے مؤذن نے (ایک مرتبہ) ظہر کی اذان دینی چاہی تو آپ نے فرمایا: ''وقت کو ذرا ٹھنڈا ہو جانے دو، وقت کو ذرا ٹھنڈا ہو جانے دو۔'' یا فرمایا: ''ٹھہر جاؤ، ٹھہر جاؤ، کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کی بھاپ سے ہوتی ہے۔'' چنانچہ (آپ نے اتنی تاخیر کی کہ) ہم نے ٹیلوں کا سایہ زمین پر پڑتے دیکھا۔ (آپ نے مزید فرمایا:) ''جب بھی گرمی زیادہ ہوا کرے، تم نماز کو ٹھنڈے وقت میں ادا کیا کرو۔''

فوائد ومسائل: ① یہ ایک سفر کا واقعہ ہے جس کی تفصیل حدیث: 539 میں آرہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے گرمی کی شدت میں اذان دینے سے منع فرمایا کیونکہ جب وقت میں گنجائش ہے تو لوگوں کو سخت گرمی میں نماز کے لیے آنے کی دعوت نہ دی جائے۔ انھیں مشقت میں مبتلا کرنا درست نہیں۔ جب شدت ختم ہو جائے تو اذان دی جائے تاکہ نماز کے لیے جمع ہونا دشوار نہ ہو۔ واضح رہے کہ نماز ظہر کو ٹھنڈا کر کے ادا کرنے کا حکم عام ہے، خواہ سفر ہو یا حضر، مسجد میں دور سے آنا پڑے یا قریب سے، سائے کا بندوبست ہو یا نہ ہو کیونکہ ٹھنڈا کر کے نماز ادا کرنے کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ سخت گرمی کے دنوں میں عین دوپہر کے وقت جہنم سانس لیتا ہے جو غضب الٰہی کی علامت ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ عین نصف النہار کے وقت نماز نہ پڑھا کرو کیونکہ یہ ایسی گھڑی ہے جس میں جہنم کو تیز کیا جاتا ہے۔[1] ② اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب نماز پڑھنا رحمت الٰہی کا باعث ہے تو نماز فوراً پڑھنی چاہیے تاکہ غضب الٰہی کے دور ہونے کا سبب بنے؟ اس کا جواب بایں طور دیا گیا ہے کہ جب شارع علیہ السلام خود ہی کسی چیز کی علت بیان کر دیں تو اسے بلا چون وچرا تسلیم کرنا ضروری ہے، خواہ اس کا مفہوم سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔[2]

٥٣٦ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: حَفِظْنَاهُ مِنَ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ

[536] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں: آپ نے فرمایا: ''جب گرمی زیادہ ہو تو

1 صحيح مسلم، المساجد، حديث: 1930(832). 2 فتح الباري: 24/2.

الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ». [راجع: ٥٣٣]

نماز (ظہر) ٹھنڈے وقت پڑھا کرو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کی بھاپ سے ہوتی ہے۔

فائدہ: نماز کو ٹھنڈا کر کے ادا کرنے کا یہ بھی ایک سبب ہے کہ سخت گرمی میں نماز کی ادائیگی تکلیف کا باعث ہے، جس کی وجہ سے خشوع خضوع اور اطمینان وسکون کا حصول دشوار ہوگا جو نماز کی اصل روح ہے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب عین دوپہر کے وقت ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نماز ادا کرتے تو زمین اس قدر گرم ہوتی کہ اس کی گرمی سے بچنے کے لیے ہم کپڑوں پر سجدہ کرتے تھے۔ واضح رہے کہ صلاۃ ظہر کی تاخیر اور اسے ٹھنڈا کر کے ادا کرنے کا حکم اس وقت ہے جب سخت گرمی ہو۔ اس بنا پر سردی کے موسم میں نماز ظہر کو اول وقت ہی میں ادا کرنا مستحب ہے۔[1]

٥٣٧ - «وَاشْتَكَتِ النَّارُ إِلَى رَبِّهَا فَقَالَتْ: يَارَبِّ! أَكَلَ بَعْضِي بَعْضًا، فَأَذِنَ لَهَا بِنَفَسَيْنِ، نَفَسٍ فِي الشِّتَاءِ وَنَفَسٍ فِي الصَّيْفِ، [فَهُوَ] أَشَدُّ مَا تَجِدُونَ مِنَ الْحَرِّ وَأَشَدُّ مَا تَجِدُونَ مِنَ الزَّمْهَرِيرِ». [انظر: ٣٢٦٠]

[537] (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی حدیث کا حصہ ہے کہ) آگ نے اپنے پروردگار سے شکایت کی: اے میرے رب! (گرمی کی شدت سے) میرا ایک حصہ دوسرے کو کھائے جا رہا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسے دو مرتبہ سانس لینے کی اجازت دی۔ ایک سانس سردی کے موسم میں اور دوسرا گرمی کے دنوں میں۔ اس وجہ سے تمھیں موسم گرما میں سخت گرمی اور موسم سرما میں سخت سردی محسوس ہوتی ہے۔

فوائد و مسائل: ① جہنم کا سانس لینا اور شکایت کرنا مبنی بر حقیقت ہے۔ اس کی تاویل کرنا درست نہیں۔ اللہ تعالیٰ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہدہد کو علم وادراک عنایت کر سکتا ہے تو جہنم کو شکایت کرنے اور سانس لینے کی قدرت دینا کیوں کر بعید ہو سکتا ہے جبکہ قرآن کریم نے خود جہنم کی گفتگو بیان کی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَ تَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ﴾ ”اس دن ہم جہنم سے پوچھیں گے: کیا تو بھر گئی؟ تو وہ کہے گی: کیا کچھ اور بھی ہے؟“[2] پھر احادیث میں جنت اور جہنم کے باہمی مکالمے کا بھی ذکر ہے، اس لیے جہنم کے گفتگو کرنے میں کوئی حیرت کی بات نہیں، اللہ تعالیٰ جس چیز کو چاہے قوت گویائی عطا کر سکتا ہے، نیز جہنم کے کئی ایک طبقات ہیں، جہاں اس کا ایک طبقہ انتہائی گرم ہے، وہاں دوسرا طبقہ ناقابل برداشت حد تک سرد بھی ہے۔ اس کا نام طبقۂ زمہریر ہے۔ موسم سرما میں سردی کی شدت اسی کی بدولت ہوتی ہے۔[3] ② اس حدیث پر سائنسی لحاظ سے دو اعتراضات ہیں: ✱ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ گرمی اور سردی کا اصل مرکز جہنم ہے جبکہ سائنسی تحقیقات کی رو سے سردی اور گرمی کا اصل منبع سورج ہے۔ جب سورج زمین کے قریب ہوتا ہے تو گرمی اور جب دور ہوتا ہے تو سردی ہوتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں گرمی اور سردی کی شدت کے ایک باطنی سبب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

1 فتح الباري: 23,22/2. 2 قٓ 30:50. 3 عمدة القاري: 33/4.

اس سے ظاہری سبب کی نفی نہیں ہوتی۔ اس بنا پر حدیث اور سائنس میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ ایک چیز کے متعدد اسباب ہو سکتے ہیں۔ * دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر گرمی و سردی کا سبب جہنم کا سانس لینا ہے تو کرۂ ارض کے تمام علاقوں میں ایک جیسی گرمی یا سردی ہونی چاہیے جبکہ یہ بات مشاہدے کے خلاف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کرۂ ارض پر گرمی و سردی کا کم و بیش ہونا متعدد عوارض کی بنا پر ہے۔ اگر یہ عوارض نہ ہوں تو تمام علاقوں میں گرمی کی حدت اور سردی کی شدت ایک جیسی ہو۔ ان عوارض میں بارش، سایہ دار جنگلات، علاقہ جات کا ساحلی یا صحرائی ہونا اور دیگر عوامل شامل ہیں۔ واللہ أعلم.

٥٣٨ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو صَالِحٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَبْرِدُوا بِالظُّهْرِ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ». تَابَعَهُ سُفْيَانُ، وَيَحْيَى، وَأَبُو عَوَانَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ. [انظر: ٣٢٥٩]

[538] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ظہر کو ٹھنڈے وقت میں ادا کرو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کی بھاپ سے ہے۔'' اس حدیث کی متابعت سفیان (ثوری)، یحییٰ اور ابوعوانہ نے اعمش کے واسطے سے کی ہے۔

فوائد و مسائل: ① نماز کو ٹھنڈا کر کے ادا کرنے کا حکم ظاہری طور پر مندرجہ ذیل حدیث کے مخالف ہے: حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گرم ریت پر نماز پڑھنے کی شکایت کی تو آپ نے ہماری شکایت کا ازالہ نہ فرمایا۔[1] اس تعارض کو مندرجہ ذیل صورتوں سے ختم کیا جا سکتا ہے: * حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو درخواست کی گئی تھی وہ ابراد سے بھی زیادہ تاخیر کی تھی، یعنی زمین کی تپش ختم ہونے تک تاخیر کا مطالبہ تھا، جسے قبول کرنے میں اس بات کا اندیشہ تھا کہ مبادا اس کا وقت ہی نکل جائے، اس لیے مطالبہ تسلیم نہیں کیا گیا، البتہ گرمی کی شدت ختم ہونے تک تاخیر مستحب ہے۔ * حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کی حدیث کو احادیث ابراد کے ساتھ منسوخ قرار دیا جائے، چنانچہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے، فرماتے ہیں: ہم عین دوپہر کے وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے، پھر آپ نے حکم دیا کہ نماز ظہر کو ٹھنڈے وقت میں پڑھا کرو۔[2] امام احمد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ گرمی کی شدت میں نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھنا رسول اللہ ﷺ کا آخری فیصلہ تھا۔[3] بنابریں گرمی کی شدت میں ظہر کو قدرے تاخیر سے پڑھنا مستحب ہے۔ ② اس روایت کو بیان کرنے کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کی تائید کے لیے چند ایک متابعات بھی بیان کی ہیں کہ شدت گرمی میں نماز ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنے کے متعلق حضرت اعمش سے بیان کرنے والے حفص بن غیاث اکیلے نہیں بلکہ ان الفاظ کو حضرت سفیان ثوری، یحییٰ بن سعید قطان اور ابوعوانہ بھی حضرت اعمش سے نقل کرتے ہیں اور یہ متابعات متصل اسناد کے ساتھ کتب حدیث میں موجود ہیں۔[4] ③ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کی احادیث بیان کرتے وقت حسن ترتیب کو ملحوظ رکھا

1 صحيح مسلم، المساجد، حديث: 1406(619). 2 سنن ابن ماجه، الصلاة، حديث: 680. 3 فتح الباري: 23/2.
4 فتح الباري: 27/2.

ہے جوان کی دقت فہم اور بالغ نظری کی دلیل ہے، چنانچہ پہلی حدیث میں مطلق طور پر ابراد کا ذکر ہے۔ دوسری حدیث سے اس ابراد کے متعلق رہنمائی ملتی ہے کہ اسے ٹیلوں کا سایہ ظاہر ہونے تک گوارا کیا گیا ہے۔ اگلی حدیث میں اس سبب کو بیان کیا گیا ہے جس کی بنا پر اس مطلق کو مقید پر محمول کیا گیا ہے۔ آخری حدیث میں اس قید کی وضاحت کی گئی ہے کہ اس سے مراد نماز ظہر ہے۔[1]

(١٠) بَابٌ: اَلْإِبْرَادُ بِالظُّهْرِ فِي السَّفَرِ

باب:10- دوران سفر میں نماز ظہر ٹھنڈے وقت میں پڑھنا

وضاحت: نماز ظہر ٹھنڈے وقت میں پڑھنے کا دارومدار جہنم کی بھاپ یا اس کے جوش مارنے پر ہے، لہٰذا ٹھنڈے وقت کا انتظار کرنے میں سفر وحضر دونوں برابر ہیں۔

٥٣٩ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا مُهَاجِرٌ أَبُو الْحَسَنِ مَوْلًى لِّبَنِي تَيْمِ اللهِ قَالَ: سَمِعْتُ زَيْدَ بْنَ وَهْبٍ عَنْ أَبِي ذَرٍّ الْغِفَارِيِّ قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي سَفَرٍ فَأَرَادَ الْمُؤَذِّنُ أَنْ يُؤَذِّنَ لِلظُّهْرِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَبْرِدْ»، ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يُؤَذِّنَ فَقَالَ لَهُ: «أَبْرِدْ» حَتّٰى رَأَيْنَا فَيْءَ التُّلُولِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ، فَإِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ».

[539] حضرت ابوذر غفاری ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ایک مرتبہ ہم لوگ نبی ﷺ کے ہمراہ سفر میں تھے کہ مؤذن نے نماز ظہر کے لیے اذان دینے کا ارادہ کیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''ابھی ٹھنڈے وقت کا انتظار کرو۔'' اس نے کچھ دیر بعد پھر اذان دینے کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا: ''ابھی ٹھنڈے وقت کا انتظار کرو۔'' تا آنکہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھا۔ اس کے بعد نبی ﷺ نے فرمایا: ''گرمی کی شدت جہنم کی بھاپ سے ہوتی ہے، اس لیے جب گرمی سخت ہو تو نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھا کرو۔''

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: (تَتَفَيَّأُ) تَتَمَيَّلُ. [راجع: ٥٣٥]

حضرت ابن عباس ؓ نے [تَتَفَيَّأُ] کے معنی بایں الفاظ بیان کیے: جب ان کے سائے جھک جاتے۔

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں صراحت ہے کہ اذان دینے والے سیدنا بلال ؓ تھے، انھیں رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ ٹھنڈے وقت کا انتظار کرنے کی تلقین فرمائی۔ صحیح بخاری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ٹیلوں کا سایہ ان کے برابر ہوگیا تو اذان دی گئی۔[2] اس مساوات کا مطلب یہ نہیں کہ ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہونے تک نماز ظہر کا انتظار کیا، بلکہ سَاوٰی کے الفاظ ظَهَرَ کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دوران سفر میں رسول اللہ ﷺ نے نماز ظہر کو عصر کے ساتھ جمع کرنے کے لیے اس کے آخری وقت کا انتظار کیا ہو۔[3] لیکن حدیث میں جمع کرنے کا کوئی اشارہ نہیں ہے۔ بظاہر راوی کا

---

1. فتح الباري: 27/2. 2. صحيح البخاري، الأذان، حديث: 629. 3. فتح الباري: 29/2.

ارادہ حقیقی مساوات بیان کرنا نہیں بلکہ سایہ ظاہر ہونے کو بیان کرنا ہے جیسا کہ حدیث: 535 سے معلوم ہوتا ہے۔ ② بعض ائمۂ کرام نے سخت گرمی کے دنوں میں نماز ظہر مؤخر کرنے کے متعلق یہ موقف اختیار کیا ہے کہ تاخیر اس صورت میں ہوسکتی ہے جب لوگوں کو سخت گرمی میں نماز ادا کرنا دشوار ہو اور نمازیوں کو نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے دور سے مسجد میں آنا پڑے، منفرد کے لیے بہر صورت اول وقت نماز ادا کرنا افضل ہے۔ اسی طرح اگر نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے دور سے نہ آنا پڑتا ہو یا نماز پڑھنے والے ایک مقام پر جمع ہوں یا دور سے آنے کی صورت میں سائے وغیرہ کا اہتمام ہو تو نماز کو مؤخر کرنے سے اجتناب کیا جائے بلکہ اسے اول وقت ہی ادا کرنا چاہیے جیسا کہ امام ترمذی لکھتے ہیں: ''امام شافعی ؒ نے فرمایا کہ نماز ظہر کو ٹھنڈے وقت میں پڑھنے کی ہدایت صرف اس صورت میں ہے جب نمازیوں کو مسجد میں دور سے آنا پڑتا ہو لیکن تنہا یا اپنی قوم کی مسجد میں نماز باجماعت پڑھنے والے کے متعلق میں یہی پسند کرتا ہوں کہ گرمی کی شدت میں بھی نماز ظہر کو مؤخر نہ کیا جائے۔''[1] امام بخاری ؒ کا اس عنوان کے ذریعے سے غالباً اسی موقف کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ گرمی کی شدت میں نماز ظہر کو تاخیر سے ادا کرنے کا حکم سفر و حضر دونوں میں عام ہے اور اس میں کسی طرح کی تخصیص نہیں ہے۔ ③ ابراد کے لیے کوئی خاص حد بیان نہیں ہوئی کہ اس کی انتہا کیا ہے؟ مختلف احوال و ظروف کے پیش نظر اس کا حکم مختلف ہوسکتا ہے، البتہ اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ اسے ٹھنڈا کرتے کرتے اسے اس کے آخر وقت تک نہ پہنچا دیا جائے۔ واضح رہے کہ دوران سفر میں اس وقت نماز کو ٹھنڈا کیا جائے جب مسافر حضرات پڑاؤ کیے ہوئے ہوں، بصورت دیگر جب سفر جاری ہو تو اس وقت جمع تقدیم اور جمع تاخیر دونوں ممکن ہیں۔ ④ امام بخاری ؒ کا یہ اسلوب ہے کہ اگر حدیث میں کوئی ایسا لفظ آجائے کہ وہ یا اس سے ملتا جلتا لفظ قرآن نے استعمال کیا ہو تو قرآن کریم کے لفظ کو ذکر کر کے اس کی لغوی تشریح کر دیتے ہیں، چنانچہ حدیث میں آنے والے لفظ [فَيْئَ التُّلُول] کی مناسبت سے ﴿يتفيأ ظِلالُه﴾[2] کی لفظی تشریح کرتے ہوئے حضرت ابن عباس ؓ کا قول پیش کیا کہ اس کے معنی مائل ہونا ہیں، یعنی سائے کو فئی اس لیے کہتے ہیں کہ یہ پہلے ایک جانب جھکا ہوتا ہے، پھر دوسری طرف مائل ہوجاتا ہے۔

(١١) بَابٌ: وَقْتُ الظُّهْرِ عِنْدَ الزَّوَالِ

باب: 11- ظہر کا وقت زوال آفتاب ہے

وَقَالَ جَابِرٌ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي بِالْهَاجِرَةِ.

حضرت جابر ؓ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نماز ظہر عین دوپہر کے وقت ادا فرماتے تھے۔

وضاحت: حضرت جابر ؓ سے مروی اس حدیث کو خود امام بخاری ؒ نے موصولاً بیان کیا ہے۔ دیکھیے: (حدیث: 560) هَاجِرَه کے لغوی معنی چھوڑ دینا ہیں اور اصطلاحی طور پر عین دوپہر کے وقت کو کہتے ہیں۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ عین دوپہر کے وقت گرمی کی شدت کی بنا پر لوگ کام کاج چھوڑ دیتے ہیں اور قیلولہ کرتے ہیں۔[3]

٥٤٠ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ

[540] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ

---

1 جامع الترمذي، الصلاة، حديث: 157. 2 النحل 16:48. 3 فتح الباري: 30/2.

عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ خَرَجَ حِينَ زَاغَتِ الشَّمْسُ فَصَلَّى الظُّهْرَ، فَقَامَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَذَكَرَ السَّاعَةَ فَذَكَرَ أَنَّ فِيهَا أُمُورًا عِظَامًا، ثُمَّ قَالَ: «مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَسْأَلَ عَنْ شَيْءٍ فَلْيَسْأَلْ، فَلَا تَسْأَلُونِي عَنْ شَيْءٍ إِلَّا أَخْبَرْتُكُمْ مَّا دُمْتُ فِي مَقَامِي هٰذَا». فَأَكْثَرَ النَّاسُ فِي الْبُكَاءِ وَأَكْثَرَ أَنْ يَقُولَ: «سَلُونِي». فَقَامَ عَبْدُ اللهِ بْنُ حُذَافَةَ السَّهْمِيُّ فَقَالَ: مَنْ أَبِي؟ قَالَ: «أَبُوكَ حُذَافَةُ»، ثُمَّ أَكْثَرَ أَنْ يَقُولَ: «سَلُونِي»، فَبَرَكَ عُمَرُ عَلَى رُكْبَتَيْهِ فَقَالَ: رَضِينَا بِاللهِ رَبًّا، وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا، وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا، فَسَكَتَ ثُمَّ قَالَ: «عُرِضَتْ عَلَيَّ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ آنِفًا فِي عُرْضِ هٰذَا الْحَائِطِ، فَلَمْ أَرَ كَالْخَيْرِ وَالشَّرِّ». [راجع: ٩٣]

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ سورج ڈھلنے پر تشریف لائے، ظہر کی نماز ادا فرمائی، پھر منبر پر کھڑے ہوئے، قیامت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس میں بڑے بڑے حوادث ہوں گے۔ پھر فرمایا: ''اگر کوئی شخص کسی چیز کی بابت کوئی سوال کرنا چاہتا ہے تو دریافت کرے۔ جب تک میں اس مقام پر ہوں مجھ سے جو بات دریافت کرو گے میں تمھیں اس کے متعلق بتاؤں گا۔'' لوگ بکثرت گریہ کرنے لگے لیکن آپ بار بار یہ فرماتے: ''مجھ سے پوچھو۔'' اس دوران میں حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور دریافت کیا: میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ''تمھارا باپ حذافہ ہے۔'' پھر آپ نے فرمایا: ''مجھ سے پوچھو۔'' آخر کار حضرت عمر رضی اللہ عنہ (ادب سے) کھڑے ہوئے، دو زانو بیٹھ کر عرض کرنے لگے: ہم اللہ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور حضرت محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہیں، چنانچہ آپ خاموش ہو گئے۔ پھر فرمایا: ''ابھی ابھی دیوار کے اس کنارے سے میرے سامنے جنت اور دوزخ کو پیش کیا گیا تو میں نے جنت کی طرح بہتر اور جہنم کی طرح بدتر کوئی چیز نہیں دیکھی۔''

فوائد و مسائل: ① اس عنوان سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود نماز ظہر کا اول وقت بتانا ہے کہ وہ زوال آفتاب کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے، نیز اس میں اہل کوفہ کا رد ہے۔ ان کے ہاں نماز ظہر کا وقت زوال آفتاب کے فوراً بعد شروع نہیں ہوتا، حالانکہ مذکورہ حدیث واضح طور پر ان کے موقف کی تردید کرتی ہے۔ اہل کوفہ اپنے موقف پر اصرار کرتے ہوئے ان احادیث کو منسوخ یا مرجوح قرار دیتے ہیں، حالانکہ نسخ یا ترجیح کا معاملہ اس وقت ہوتا ہے جب احادیث آپس میں متعارض ہوں لیکن ابراد اور اول وقت نماز پڑھنے کی احادیث میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ مذکورہ حدیث میں نماز ظہر کا اول وقت بیان ہوا ہے جبکہ ابراد (ٹھنڈے وقت میں پڑھنے) کا حکم شدت گرمی کے ساتھ خاص ہے۔[1] ② رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تک میں یہاں ہوں تمھارے سوالوں کا جواب دوں گا۔ یہ ایک وقتی چیز تھی، لہٰذا اس سے رسول اللہ ﷺ کے علم غیب کلی پر استدلال کرنا صحیح نہیں کیونکہ یہ صفت صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ ''کہہ دیجیے! آسمانوں اور زمین کے غیب کو اللہ کے سوا کوئی اور نہیں جانتا۔''[2] قرآن کریم کی متعدد آیات سے پتہ چلتا ہے

---

1 فتح الباري: 30/2. 2 النمل 65:27.

کہ رسول اللہ ﷺ غیب دان نہیں بلکہ یہ صفت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے، نیز حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حاضرین کی طرف سے کیے گئے سوالات کے جوابات دینے کا وعدہ کیا گیا تھا، تو زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ سائلین کی ذہنی پرواز جہاں تک ہوسکتی تھی اتنے ہی علوم عطا فرمائے گئے تھے۔ اور یہ بات تو واضح ہے کہ سائلین کا علم محدود ہے، اس کا علم غیب سے کوئی تعلق نہیں، پھر نبی ﷺ کا یہ فرمانا کہ ''جب تک میں اس مقام پر ہوں سوال کرو'' بھی دلالت کرتا ہے کہ آپ کو علم غیب نہیں تھا۔ ③ حضرت عبداللہ بن حذافہ کو لوگ نسب کے سلسلے میں طعنے دیتے تھے، اس لیے انھوں نے اپنے باپ کے متعلق سوال کیا تاکہ طعنوں کا سلسلہ بند ہوجائے۔ اس وضاحت کے بعد طعن وتشنیع کا سلسلہ تو بند ہوگیا لیکن ان کی والدہ نے اس سوال پر انھیں بہت سرزنش کی، چنانچہ دیگر روایات میں ہے کہ والدہ نے بایں الفاظ نوٹس لیا کہ میں نے تجھ جیسا نافرمان بیٹا نہیں دیکھا۔ کیا تجھے یقین تھا کہ تیری والدہ نے جاہلیت کی عورتوں کی طرح کوئی غلطی نہیں کی تھی۔ اگر رسول اللہ ﷺ کی زبان پر کسی اور کا نام آجاتا تو کس قدر رسوائی ہوتی! تو نے مجمع عام میں اس طرح کا سوال کرکے بڑی نادانی کا ثبوت دیا ہے۔ حضرت عبداللہ ؓ نے جواب دیا: اللہ کی قسم! اگر رسول اللہ ﷺ میرا نسب کسی سیاہ غلام سے بھی ملادیتے تو میں اسے قبول کرلیتا۔[1]

٥٤١ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي الْمِنْهَالِ، عَنْ أَبِي بَرْزَةَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي الصُّبْحَ وَأَحَدُنَا يَعْرِفُ جَلِيسَهُ، وَيَقْرَأُ فِيهَا مَا بَيْنَ السِّتِّينَ إِلَى الْمِائَةِ، وَكَانَ يُصَلِّي الظُّهْرَ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ، وَالْعَصْرَ وَأَحَدُنَا يَذْهَبُ إِلَى أَقْصَى الْمَدِينَةِ رَجَعَ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ، وَنَسِيتُ مَا قَالَ فِي الْمَغْرِبِ، وَلَا يُبَالِي بِتَأْخِيرِ الْعِشَاءِ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ: ثُمَّ قَالَ: إِلَى شَطْرِ اللَّيْلِ. وَقَالَ مُعَاذٌ: قَالَ شُعْبَةُ: ثُمَّ لَقِيتُهُ مَرَّةً فَقَالَ: أَوْ ثُلُثِ اللَّيْلِ.

[انظر: ٥٤٧، ٥٦٨، ٥٩٩، ٧٧١]

[541] حضرت ابوبرزہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نماز فجر ایسے وقت میں پڑھتے کہ آدمی اپنے ہم نشین کو پہچان لیتا۔ اور آپ نماز میں ساٹھ سے سو تک آیات تلاوت فرماتے تھے۔ اور نماز ظہر اس وقت ادا کرتے جب آفتاب ڈھل جاتا۔ اور نماز عصر ایسے وقت پڑھتے کہ اس سے فراغت کے بعد ہم میں سے کوئی مدینے کے آخری کنارے پر واقع اپنی اقامت گاہ میں واپس چلا جاتا لیکن سورج کی دھوپ ابھی تیز ہوتی۔ (راوی نے کہا کہ) حضرت ابوبرزہ نے مغرب کے متعلق جو فرمایا، وہ میں بھول گیا ہوں، نیز تہائی رات تک نماز عشاء کی تاخیر میں آپ کو کوئی پروا نہ ہوتی۔ پھر راوی نے کہا: نصف رات تک مؤخر کرنے میں کوئی پروا نہیں کرتے تھے۔ معاذ کے بیان کے مطابق شعبہ نے کہا: پھر میں اس (ابومنہال) سے ملا تو انھوں نے کہا: (نصف یا) تہائی رات تک مؤخر کرنے میں کوئی پروا نہ کرتے تھے۔

فوائد ومسائل: ① اس روایت سے امام بخاری ؒ کا اصل مقصود نماز ظہر کا اول وقت بیان کرنا ہے کہ نماز ظہر کا وقت

1 صحیح مسلم، الفضائل، حدیث: 6121 (2359).

زوال آفتاب کے بعد شروع ہو جاتا ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ زوال آفتاب کے بعد فوراً نماز ظہر پڑھ لیتے۔ مذکورہ روایت میں سردی اور گرمی کے موسم کا فرق بھی بیان نہیں ہوا۔ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ گرمی کی شدت میں نماز ظہر کو اول وقت کے بجائے اسے ٹھنڈا کر کے ادا کرتے۔ روایت کے مطابق نماز مغرب کے متعلق راوی بھول گیا کہ کس وقت ادا کرتے تھے؟ اس کی وضاحت حضرت جابر بن عبداللہ ؓ کرتے ہیں کہ جب سورج غروب ہو جاتا تو نماز مغرب پڑھی جاتی۔[1] ② نماز فجر میں اسفار، یعنی اس قدر روشنی کہ ایک دوسرے کو پہچانا جا سکے۔ ایسا سلام پھیرنے کے بعد ہوتا تھا جیسا کہ متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے، چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ جب ہم صبح کی نماز سے سلام پھیر کر فارغ ہوتے تو جان پہچان والے کو دیکھتے اور اس کے چہرے سے پہچان لیتے۔[2] جب سلام پھیرنے پر بمشکل اتنی ہی روشنی ہوتی تھی کہ قریب بیٹھا ہوا ساتھی ہی پہچانا جا سکے اور آپ قراءت بھی ساٹھ سے سو آیات تک کرتے تھے تو یقیناً نماز کا آغاز غلس، یعنی منہ اندھیرے میں ہوا کرتا تھا۔ و ھو المقصود. ③ امام کرمانی فرماتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز عشاء کا وقت تہائی یا نصف رات تک ہے جبکہ دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صبح کی نماز سے پہلے پہلے عشاء کی نماز پڑھی جا سکتی ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سونے میں کوتاہی نہیں بلکہ کوتاہی کا مرتکب وہ شخص ہے جس نے دوسری نماز کا وقت شروع ہونے تک نماز نہ پڑھی۔'' ان احادیث میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ مذکورہ حدیث میں نماز عشاء کا مستحب اور افضل وقت بتایا گیا ہے کہ وہ ایک تہائی یا نصف رات تک ہے۔[3] ④ نماز عشاء کے بارے میں وضاحت ہے کہ اس کے متعلق پروا نہیں کی جاتی تھی کہ ایک تہائی رات کے بعد پڑھی جائے یا نصف شب تک ادا کی جائے؟ دراصل نمازیوں کو دیکھا جاتا تھا اگر وہ جلدی نماز کے لیے جمع ہو جاتے تو اسے جلدی ادا کر لیا جاتا اور اگر کسی وجہ سے وہ دیر سے آتے تو نماز عشاء کو نصف رات تک مؤخر کر دیا جاتا جیسا کہ احادیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ اسوۂ مبارکہ منقول ہوا ہے۔[4] نماز عشاء کے آخری وقت کے تعین کی وضاحت آئندہ ہوگی۔

٥٤٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ. قَالَ: حَدَّثَنِي غَالِبٌ الْقَطَّانُ عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْمُزَنِيِّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ رَسُولِ اللهِ ﷺ بِالظَّهَائِرِ سَجَدْنَا عَلٰى ثِيَابِنَا اتِّقَاءَ الْحَرِّ. [راجع: ٣٨٥]

[542] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: جب ہم رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں نماز ظہر ادا کرتے تو گرمی سے بچاؤ کے لیے اپنے کپڑوں پر سجدہ کیا کرتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ کا موقف ہے کہ نماز ظہر کا وقت زوال آفتاب کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں نماز ظہر کو اسی وقت میں ادا کیا جاتا تھا، خواہ اس کے لیے سخت گرمی ہی کو برداشت کرنا پڑتا،

---

1. صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، حديث: 560. 2. صحيح مسلم، المساجد، حديث 1462(647). 3. شرح الكرماني: 190/4. 4. صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، حديث: 565.

چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز ظہر عین دوپہر کے وقت پڑھا کرتے تھے۔[1] نماز ظہر کو ٹھنڈے وقت میں پڑھنے سے متعلقہ احادیث اس کے مخالف نہیں ہیں کیونکہ سخت گرمی میں ٹھنڈا کر کے پڑھنا افضل ہے اور زوال آفتاب کے وقت پڑھنے کی احادیث بیان جواز کے لیے ہیں یا سخت گرمی کے علاوہ دیگر اوقات سے متعلق ہیں۔[2] ② مذکورہ روایت بیان وقت کے سلسلے میں مبہم ہے کیونکہ اس میں یہ بیان ہوا ہے کہ جب ہم ظہر کی نماز پڑھتے تو گرمی کی اتنی شدت ہوتی تھی کہ ہمیں زمین پر سجدہ کرنے کے لیے کپڑا بچھانے کی ضرورت پڑتی۔ دراصل امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے ذوق کے مطابق یہ صحیح روایت ذکر کر کے یہ وضاحت کی ہے کہ اس ابہام کو عنوان اور اس کے تحت ذکر کردہ دیگر روایات کے مطابق زوال آفتاب کے بعد پر محمول کیا جائے۔ علامہ عینی رحمہ اللہ نے عنوان کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت بایں الفاظ بیان کی ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو ظہر کی نماز پڑھتے تھے اس میں گرمی کی شدت ہوتی تھی۔ اس سے سمجھا جاسکتا ہے کہ نماز ظہر اول وقت میں ہوتی تھی، اس لیے کہ یہی وقت سخت گرمی کا ہوتا ہے۔[3]

(١٢) بَابُ تَأْخِيرِ الظُّهْرِ إِلَى الْعَصْرِ

باب:12- نماز ظہر کو وقت عصر تک مؤخر کرنا

٥٤٣ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ ابْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى بِالْمَدِينَةِ سَبْعًا وَّثَمَانِيًا الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ، فَقَالَ أَيُّوبُ: لَعَلَّهُ فِي لَيْلَةٍ مَّطِيرَةٍ؟ قَالَ: عَسَى. [انظر: ٥٦٢، ١١٧٤]

[543] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے مدینہ منورہ میں ظہر اور عصر کی آٹھ رکعتیں اور مغرب وعشاء کی سات رکعتیں (ایک ساتھ) پڑھیں۔ ایوب سختیانی نے کہا: شاید بارانی شب میں ایسا کیا ہو؟ جابر بن زید راوی نے کہا: شاید۔

فوائد و مسائل: ① راویٔ حدیث ابوشعثاء جابر بن زید کا یہ کہنا کہ شاید بارش کی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے ایسا کیا ہو، محل نظر ہے کیونکہ انھیں خود بھی اس پر یقین نہیں، پھر وہ اس توجیہ پر قائم بھی نہیں رہے، چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ میں نے کہا: اے ابوشعثاء! میرا خیال ہے کہ آپ نے ظہر کو مؤخر کیا اور عصر کو مقدم، اسی طرح مغرب کو مؤخر کیا ہوگا اور عشاء کو مقدم۔ ابوشعثاء نے جواب دیا: میرا بھی یہی خیال ہے۔[4] ایک روایت میں صراحت ہے کہ دشمن کے خوف اور بارش کے بغیر رسول اللہ ﷺ نے ان نمازوں کو جمع فرمایا۔[5] نیز بارش کی وجہ سے جمع تقدیم ہوسکتی ہے جمع تاخیر نہیں، جبکہ اس حدیث میں جمع تاخیر کا ذکر ہے۔ معلوم ہوا کہ بارش کی وجہ سے دو نمازوں کو جمع نہیں کیا گیا تھا۔ واضح رہے کہ بادلوں کی وجہ سے بھی ایسا نہیں ہوسکتا کیونکہ ظہر اور عصر میں تو یہ احتمال ہوسکتا ہے لیکن مغرب اور عشاء میں یہ ممکن نہیں، نیز بیماری کی وجہ سے بھی ایسا نہیں ہوسکتا کیونکہ اگر بیماری کی وجہ سے ایسا

1 صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، حديث: 560. 2 فتح الباري: 32/2. 3 عمدة القاري: 41/4. 4 صحيح البخاري، التطوع، حديث: 1174. 5 صحيح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 1633(705).

ہوتا تو رسول اللہ ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ باجماعت ایسا نہ کرتے، اس لیے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تو بیمار نہیں تھے۔ ② دو نمازوں کو جمع کرنے کے کئی اسباب ہیں، مثلاً: بارش، سفر، خوف، بیماری یا کوئی اہم مصروفیت۔ پھر انھیں جمع کرنے کی دو صورتیں ہیں: * جمع حقیقی: ایک نماز کو دوسری نماز کے وقت اس طرح ادا کرنا کہ پہلی نماز کا وقت گزر چکا ہو یا دوسری نماز کا ابھی وقت نہ ہوا ہو، پھر اس کی دو صورتیں ممکن ہیں۔ * جمع تقدیم، یعنی ظہر کے ساتھ عصر اور مغرب کے ساتھ عشاء کی نماز ادا کرنا۔ * جمع تاخیر، یعنی عصر کے ساتھ ظہر اور عشاء کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھنا۔ * جمع صوری: پہلی نماز کو مؤخر کر کے آخری وقت میں اور دوسری نماز کو جلدی کر کے اول وقت میں پڑھ لینا۔ اس طرح بظاہر دونوں نمازیں جمع ہو جائیں گی لیکن انھیں اپنے اپنے اوقات میں ہی ادا کیا جائے گا۔ ③ رسول اللہ ﷺ سے دوران سفر میں جمع تقدیم اور جمع تاخیر دونوں طرح پڑھنا ثابت ہے جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر رسول اللہ ﷺ اگر سورج ڈھلنے کے بعد سفر شروع کرتے تو ظہر اور عصر کو اس وقت پڑھ لیتے۔ اور اگر سورج ڈھلنے سے پہلے سفر شروع کرتے تو ظہر کو مؤخر کر کے عصر کے ساتھ پڑھتے۔ اسی طرح اگر سورج غروب ہونے کے بعد سفر شروع کرتے تو مغرب اور عشاء اسی وقت پڑھ لیتے اور اگر سورج غروب ہونے سے پہلے سفر شروع کرتے تو مغرب کو مؤخر کر کے عشاء کے ساتھ پڑھتے۔[1] نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دوران سفر میں جب سورج ڈھل جاتا تو پڑاؤ کرتے، پھر ظہر اور عصر کو اکٹھا ادا کرنے کے بعد کوچ فرماتے۔[2] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی جمع تقدیم مروی ہے، فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ جب دوران سفر میں ہوا کرتے تو اگر اپنی منزل میں سورج ڈھل جاتا تو ظہر اور عصر کو جمع کر کے سفر پر روانہ ہوتے اور اگر زوال آفتاب سے پہلے روانہ ہوتے تو ظہر کو مؤخر کر کے عصر کے ساتھ پڑھ لیتے، مغرب اور عشاء میں بھی ایسا ہی کرتے تھے۔[3] ان احادیث سے معلوم ہوا کہ دوران سفر میں نمازوں کو جمع کرنے کی دونوں صورتیں جائز ہیں۔ حالات وظروف کے پیش نظر جمع تقدیم اور جمع تاخیر دونوں طرح نماز ادا کرنا جائز ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں۔ ④ سفر کے علاوہ حضر میں بھی دو نمازوں کو جمع کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ کسی اہم ضرورت کے پیش نظر کبھی کبھار ایسا ہو اور اسے عادت نہ بنایا جائے جیسا کہ مذکورہ حدیث سے پتہ چلتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ راویٔ حدیث نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا کیوں کیا؟ تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ ایسا امت کی سہولت کے پیش نظر کیا گیا تا کہ یہ امت کسی تنگی اور مشقت میں مبتلا نہ ہو۔[4] اس رفع حرج کی وضاحت درج ذیل حدیث سے بھی ہوتی ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بصرے میں ظہر اور عصر کی نماز اکٹھی پڑھائی۔ درمیان میں کوئی وقفہ نہ تھا، اسی طرح مغرب اور عشاء کسی وقفے کے بغیر ادا کی اور آپ نے ایسا کسی مصروفیت کی وجہ سے کیا تھا۔ اس کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں ظہر اور عصر کی آٹھ رکعات کسی قسم کے وقفے کے بغیر ادا کی تھیں۔[5] اس مصروفیت کی وضاحت بھی ایک روایت میں بیان ہوئی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ (بصرے میں) عصر کے بعد خطبہ دینا شروع کیا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا اور ستارے چمکنے لگے۔ ایک آدمی دوران خطبہ میں نماز، نماز کی رٹ لگانے لگا۔ آپ نے فرمایا: مجھے سنت نہ سکھاؤ۔ میں نے رسول اللہ

---

1 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 1220. 2 السنن الكبرٰى للبيهقي: 162/3. 3 مسند أحمد: 367/1. 4 مسند أحمد: 223/1. 5 سنن النسائي، المواقيت، حديث: 591.

ﷺ کو ظہر و عصر اور مغرب و عشاء ملا کر پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ راویٔ حدیث حضرت عبداللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ مجھے اس سلسلے میں شبہ پیدا ہوا تو میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور آپ سے اس کے متعلق دریافت کیا، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس بات کی تصدیق فرمائی۔[1] اس سے معلوم ہوا کہ شدید ناگزیر قسم کے حالات کے پیش نظر حالت اقامت میں بھی دو نمازیں جمع کر کے پڑھی جا سکتی ہیں، تاہم سخت ضرورت کے بغیر ایسا کرنا جائز نہیں۔ ہمارے ہاں عام طور پر کاروباری حضرات کا معمول ہے کہ وہ سستی یا کاروباری مصروفیات کی وجہ سے دو نمازیں جمع کر لیتے ہیں، یہ صحیح نہیں۔ بلکہ بعض روایات کے مطابق ایسا کرنا سخت گناہ ہے۔ ناگزیر حالات کے سوا ہر نماز کو اس کے وقت ہی پر پڑھنا ضروری ہے۔ واللہ أعلم. درج بالا وضاحت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حدیث میں دو نمازوں کو جمع کرنا جمع حقیقی ہے، جمع صوری نہیں جیسا کہ بعض اکابر وقت کا دعویٰ ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس رخصت کی وجہ رفع حرج بتائی ہے جبکہ جمع صوری میں واضح طور پر انسان تنگی اور مشکل میں پھنس جاتا ہے۔ عام آدمی کو تو نماز کے ابتدائی اور آخری وقت کا علم ہی نہیں ہوتا جبکہ جمع صوری کی شکل میں ان اوقات کو تلاش کر کے اس انداز سے ادا کرنا ہے کہ پہلی نماز کا وقت ختم ہوتے ہی دوسری نماز کا وقت شروع ہو جائے، ایسا کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ محال ہے۔ بظاہر ایک روایت اس موقف کے خلاف معلوم ہوتی ہے: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے مزدلفہ کے علاوہ کبھی بھی رسول اللہ ﷺ کو نماز بے وقت پڑھتے نہیں دیکھا، چنانچہ آپ نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کو اکٹھا پڑھا تھا اور اگلے دن صبح کی نماز کو (عموی) وقت سے پہلے ادا کیا تھا۔[2] اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ان کا مشاہدہ جملہ حقائق کے مطابق ہو۔ اس سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے میدان عرفات میں عصر کی نماز بھی اس کے وقت سے پہلے ظہر کے وقت ادا کی تھی جسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان نہیں کرتے۔ الغرض شدید ضرورت اور ناگزیر عذر کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی دو نمازوں کو جمع نہیں فرمایا، اس لیے تمام احادیث اپنے اپنے مقام پر درست اور صحیح ہیں، ان میں کوئی تعارض یا اختلاف نہیں۔ واللہ أعلم. اس موقع پر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے عجیب موقف اختیار کیا ہے جو مبنی برحقیقت نہیں۔ لکھتے ہیں: اس حدیث میں صلی بالمدینة کے الفاظ راوی کا وہم ہے کیونکہ یہ واقعہ مدینہ کا نہیں بلکہ تبوک کا ہے۔ راوی نے کہا کہ نمازوں کو جمع کرنے کا واقعہ سفر کے علاوہ پیش آیا، یعنی سیر کا نہیں بلکہ دوران سفر میں بحالت اقامت کا ہے۔ دوسرے راوی نے اسے حضر کا واقعہ سمجھ لیا، اس کے بعد بعض راویوں نے اس کی تعبیر مدینہ سے کر دی، لیکن اس موقف پر اعتراض ہو سکتا ہے کہ اس سے تو ثقہ راویوں پر سے اعتماد اٹھ جائے گا۔ (شرح تراجم بخاری، ملخصاً) لیکن شاہ صاحب کا یہ موقف بالبداہت غلط ہے کیونکہ اگر یہ واقعہ سفر کا ہوتو نماز قصر پڑھی جاتی، یعنی چار رکعت ظہر اور عصر کی اور پانچ مغرب اور عشاء کی جبکہ حدیث میں ہے کہ "رسول اللہ ﷺ نے آٹھ رکعات ظہر اور عصر کی اور سات رکعات مغرب اور عشاء کی ادا فرمائیں، لہٰذا یہ واقعہ تبوک کا نہیں بلکہ مدینہ طیبہ کا ہے اور بیان کرنے میں کسی راوی کو وہم نہیں ہوا۔ واللہ أعلم.

(١٣) بَابُ وَقْتِ الْعَصْرِ

باب:13- نمازِ عصر کا وقت

[1] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، حديث :1636(705). [2] صحيح البخاري، الحج، حديث :1682.

وَقَالَ أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ: مِنْ قَعْرِ حُجْرَتِهَا.

ابواسامہ نے ہشام سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے: (سیدہ عائشہ ؓ کے حجرے سے مراد) ان کے حجرے کا صحن ہے۔

وضاحت: اس تعلیق کے متعلق حافظ ابن حجر ؒ لکھتے ہیں کہ ان الفاظ کا اصل مقام متصل السند حدیث کے بعد ہے جسے امام بخاری آگے بیان کریں گے۔ آپ کا اسلوب بیان بھی اسی طرح ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہشام سے بیان کرنے والے ان کے دو تلامذہ ہیں: انس بن عیاض اور ابواسامہ۔ انس بن عیاض نے جب اس روایت کو نقل کیا ہے تو اس کے الفاظ یہ ہیں کہ دھوپ ابھی میرے حجرے سے نہ نکلی ہوتی تھی، جبکہ ابواسامہ اس روایت کو ان الفاظ کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ دھوپ ابھی ان کے حجرے کے صحن سے نہ نکلی ہوتی تھی۔ تعجیل عصر کے ثبوت کے لیے متصل السند روایت کے مقابلے میں یہ معلق روایت زیادہ واضح ہے۔[1]

٥٤٤ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ لَمْ تَخْرُجْ مِنْ حُجْرَتِهَا. [راجع: ٥٢٢]

[544] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: دھوپ ابھی میرے حجرے سے نہ نکلی ہوتی تھی کہ رسول اللہ ﷺ نماز عصر پڑھ لیتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① عصر کے اول وقت (ایک مثل سایہ) کی تعیین کے لیے امام بخاری ؒ کو اپنی شرائط کے مطابق کوئی حدیث نہ مل سکی، اس لیے انھوں نے ایسی احادیث ذکر کی ہیں جن سے اول وقت کا استنباط ہو سکے اگرچہ امام مسلم ؒ متعدد ایسی احادیث لائے ہیں جو واضح طور پر مقصود پر دلالت کرتی ہیں۔ مذکورہ روایت سے تعجیل عصر کا استدلال امام نووی نے بایں الفاظ نقل کیا ہے: سیدہ عائشہ ؓ کے حجرے کا صحن انتہائی چھوٹا تھا اور اس کی دیواریں اس قدر نیچی تھیں کہ ان کی اونچائی صحن کی پیمائش سے کچھ کم تھی، اس لیے جب دیوار کا سایہ ایک مثل ہوگا تو صحن کی دھوپ بالکل کنارے پر پہنچ جائے گی۔[2] ② اس استدلال کی وضاحت یوں ہے کہ حجرے سے مراد صحن کی چار دیواری ہے، صحن کی پیمائش، چار دیواری سے کچھ زائد تھی، اس لیے ایک مثل کی دھوپ صحن میں رہے گی لیکن دوسری مثل کے شروع ہوتے ہی دیوار پر چڑھنا شروع ہو جائے گی چونکہ عائشہ ؓ کا فرمان ہے کہ نماز سے فراغت کے وقت دھوپ میرے حجرے میں باقی ہوتی تھی، گویا عصر کی نماز مثل ثانی کے شروع ہوتے ہی پڑھ لی جاتی تھی۔[3]

٥٤٥ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ صَلَّى الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ فِي حُجْرَتِهَا، لَمْ يَظْهَرِ الْفَيْءُ مِنْ حُجْرَتِهَا. [راجع: ٥٢٢]

[545] حضرت عائشہ ؓ ہی سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے نماز عصر ادا کی جبکہ دھوپ ابھی میرے حجرے میں باقی تھی اور مکمل طور پر اس میں سایہ نہ آیا تھا۔

---

(1) فتح الباري: 35/2. (2) شرح النووي، حديث: 153،152/5. (3) فتح الباري: 35/2.

٥٤٦ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي صَلَاةَ الْعَصْرِ وَالشَّمْسُ طَالِعَةٌ فِي حُجْرَتِي، لَمْ يَظْهَرِ الْفَيْءُ بَعْدُ. وَقَالَ مَالِكٌ وَّيَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ وَّشُعَيْبٌ وَّابْنُ أَبِي حَفْصَةَ: وَالشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ تَظْهَرَ.

[546] حضرت عائشہ ؓ سے ایک اور روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عصر کی نماز سے فارغ ہو جاتے جبکہ دھوپ میرے حجرے (کے صحن) میں نمایاں ہوتی تھی اور سایہ مکمل طور پر نہ آیا ہوتا تھا۔ امام مالک، یحییٰ بن سعید، شعیب اور ابن ابی حفصہ نے یہ الفاظ بیان کیے ہیں کہ دھوپ کے اوپر چڑھنے سے پہلے پہلے (نماز پڑھ لیتے تھے)۔

فائدہ: حضرت عائشہ ؓ کا حجرہ جس میں رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر ؓ دفن ہیں، مسجد نبوی کے مشرقی جانب واقع تھا جبکہ قبلہ جنوب کی جانب تھا اور اس طرف حضرت حفصہ اور حضرت میمونہ ؓ کے حجرات تھے۔ مغرب کی طرف کوئی حجرہ نہیں تھا۔ مشرقی جانب جنوبی گوشے میں حضرت سودہ، اس کے آگے شمال کی طرف حضرت عائشہ، پھر حضرت فاطمہ اور آخر میں حضرت صفیہ ؓ کا حجرہ تھا جبکہ شمالی جانب حضرت زینب بنت خزیمہ، ان کی وفات کے بعد وہی حجرہ حضرت ام سلمہ کی تحویل میں آ گیا۔ مشرقی جانب ام حبیبہ، حضرت جویریہ اور حضرت زینب بنت جحش کے حجرات تھے۔ حضرت عائشہ ؓ کے حجرے کی اونچائی زیادہ سے زیادہ آٹھ فٹ تھی کیونکہ حضرت حسن بصری کا بیان ہے کہ وہ ہاتھ اٹھاتے تو چھت سے لگ جاتا تھا۔[1]

٥٤٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَوْفٌ عَنْ سَيَّارِ بْنِ سَلَامَةَ قَالَ: دَخَلْتُ أَنَا وَأَبِي عَلَى أَبِي بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ، فَقَالَ لَهُ أَبِي: كَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي الْمَكْتُوبَةَ؟ فَقَالَ: كَانَ يُصَلِّي الْهَجِيرَ الَّتِي تَدْعُونَهَا الْأُولَى حِينَ تَدْحَضُ الشَّمْسُ، وَيُصَلِّي الْعَصْرَ، ثُمَّ يَرْجِعُ أَحَدُنَا إِلَى رَحْلِهِ فِي أَقْصَى الْمَدِينَةِ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ، وَنَسِيتُ مَا قَالَ فِي الْمَغْرِبِ، وَكَانَ يَسْتَحِبُّ أَنْ يُّؤَخِّرَ مِنَ الْعِشَاءِ الَّتِي تَدْعُونَهَا الْعَتَمَةَ، وَكَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيثَ بَعْدَهَا، وَكَانَ يَنْفَتِلُ مِنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ حِينَ يَعْرِفُ الرَّجُلُ جَلِيسَهُ، وَيَقْرَأُ بِالسِّتِّينَ إِلَى الْمِائَةِ. [راجع: ٥٤١]

[547] حضرت سیار بن سلامہ روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا: میں اور میرے والد، حضرت ابو برزہ اسلمی ؓ کے پاس گئے۔ میرے والد نے ان سے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ فرض نمازیں کن اوقات میں ادا کیا کرتے تھے؟ انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز جسے تم لوگ ''پہلی نماز'' کہتے ہو زوال آفتاب پر پڑھ لیا کرتے تھے۔ اور نماز عصر ایسے وقت میں ادا کرتے کہ فراغت کے بعد ہم میں سے کوئی شخص مدینے کے انتہائی کنارے پر واقع اپنے گھر واپس جاتا تو سورج کی آب و تاب ابھی باقی ہوتی۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت ابو برزہ ؓ نے مغرب کے متعلق جو فرمایا، وہ مجھے یاد نہیں رہا۔ (حضرت ابو برزہ ؓ فرماتے ہیں:) رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز جسے تم ''عتمہ'' کہتے ہو، دیر سے پڑھنے کو پسند فرماتے تھے اور قبل ازیں سونے کو اور بعد

[1] طبقات ابن سعد: 117/8.

ازیں باتیں کرنے کو ناپسند خیال کرتے تھے۔ اور جب صبح کی نماز سے فارغ ہوتے تو آدمی اپنے ساتھ والے کو پہچان لیتا تھا۔ اور آپ ﷺ صبح کی نماز میں ساٹھ سے سو آیات تک کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

فوائد ومسائل: ① مذکورہ حدیث میں نماز عصر کے بارے میں جو کچھ بیان ہوا، یہ اس صورت میں ممکن ہے جب نماز عصر کو ایک مثل سایہ ہونے پر ادا کرلیا جائے، چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس حدیث سے مقصود نماز عصر کو اول وقت میں جلدی ادا کرنا ہے کیونکہ دیر سے نماز پڑھنے کے بعد یہ ممکن نہیں کہ دو تین میل سفر کیا جائے اور دھوپ کی تپش ابھی جوں کی توں باقی ہو۔ اس حدیث سے امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے موقف کی تائید ہوتی ہے کہ جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہوجائے تو عصر کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جب تک کسی چیز کا سایہ دو مثل نہ ہوجائے نماز عصر کا وقت شروع نہیں ہوتا۔ یہ حدیث ان کے خلاف ہے۔[1] ② نماز ظہر کو ''اولیٰ'' پہلی نماز اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ دن کی پہلی نماز ہے، نیز جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے نمازوں کے اوقات کے تعین کے لیے امامت کے فرائض سرانجام دیے تھے تو سب سے پہلے ظہر کی نماز ادا کی تھی۔[2] نماز عشاء کو ''عتمہ'' اس لیے کہا جاتا تھا کہ اسے تاخیر سے پڑھا جاتا تھا کیونکہ عتمہ رات کے اس حصے کو کہتے ہیں جو شفق وغیرہ کے غائب ہونے کے بعد شروع ہو، یعنی اندھیرا اچھی طرح چھا جاتا تو اسے ادا کیا جاتا۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں: نماز ظہر کے لیے ''اولیٰ'' کے الفاظ اس بات کی نشاندہی کے لیے ہیں کہ اسے اوّل وقت ہی میں ادا کرنا چاہیے۔ اسی طرح نماز عشاء کے متعلق ''عتمہ'' کے الفاظ سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ اسے تاخیر سے ادا کرنا چاہیے تاکہ ان معانی سے موافقت ہوجائے۔[3] ③ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت میں ہے کہ نماز فجر سے فراغت کے بعد اندھیرے کی وجہ سے عورتوں کو شناخت کرنا ناممکن ہوتا تھا۔[4] یہ حدیث مذکورہ حدیث سے متعارض نہیں ہے کیونکہ جب پاس بیٹھے ہوئے آدمی کو بمشکل پہچانا جاتا تھا تو عورتوں کو جو دور اور چادروں میں لپٹی ہوتیں، پہچاننا واقعی ناممکن تھا۔ واللہ أعلم.

٥٤٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كُنَّا نُصَلِّي الْعَصْرَ ثُمَّ يَخْرُجُ الْإِنْسَانُ إِلَى بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ فَيَجِدُهُمْ يُصَلُّونَ الْعَصْرَ. [انظر: ٥٥٠، ٥٥١، ٧٣٢٩]

[548] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ہم (رسول اللہ ﷺ کے ساتھ) نماز عصر پڑھ لیتے، فراغت کے بعد کوئی شخص قبیلۂ عمرو بن عوف تک جاتا تو انھیں وہاں نماز عصر میں مصروف پاتا۔

فوائد ومسائل: ① امام نووی رحمہ اللہ قبیلۂ عمرو بن عوف کی مدینے سے دوری اور نماز عصر کو دیر سے ادا کرنے کے متعلق

---

1 شرح النووي: 172,171/5. 2 فتح الباري: 37/2. 3 شرح الكرماني: 194/4. 4 صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، حديث: 578.

فرماتے ہیں کہ قبیلۂ عمرو بن عوف مدینہ طیبہ سے تقریباً دو میل کے فاصلے پر تھا۔ چونکہ وہ اپنے کاموں اور کھیتی باڑی میں مشغول رہتے تھے، اس لیے نمازِ عصر کو اوسط وقت میں پڑھا کرتے تھے۔ [1] ② یہ حدیث بھی نمازِ عصر کے اول وقت، یعنی ایک مثل سائے میں پڑھ لینے پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ امام نووی اس حدیث کے تحت بیان کرتے ہیں کہ یہ حدیث احناف کے خلاف حجت ہے جن کا موقف ہے کہ جب تک کسی چیز کا سایہ دو مثل نہ ہو جائے، نمازِ عصر کا وقت شروع نہیں ہوتا۔ علامہ عینی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ تمام احناف کا یہ موقف ہے۔ صرف اسد بن عمرو، امام ابوحنیفہ سے یہ موقف بیان کرنے میں منفرد ہے۔ اس کے علاوہ حضرت حسن ان سے روایت کرتے ہیں کہ عصر کا وقت ایک مثل سایہ ہونے پر شروع ہو جاتا ہے۔ یہی قول ابو یوسف، محمد اور زفر کا ہے۔ امام طحاوی رحمہ اللہ نے بھی اسی کو پسند کیا ہے۔ [2] لیکن عصر حاضر میں احناف کا عمل دو مثل والے موقف پر ہی ہے۔

٥٤٩ - حَدَّثَنَا ابْنُ مُقَاتِلٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا أُمَامَةَ يَقُولُ: صَلَّيْنَا مَعَ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ الظُّهْرَ، ثُمَّ خَرَجْنَا حَتَّى دَخَلْنَا عَلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ فَوَجَدْنَاهُ يُصَلِّي الْعَصْرَ، فَقُلْتُ: يَا عَمِّ! مَا هٰذِهِ الصَّلَاةُ الَّتِي صَلَّيْتَ؟ قَالَ: الْعَصْرُ، وَهٰذِهِ صَلَاةُ رَسُولِ اللهِ ﷺ الَّتِي كُنَّا نُصَلِّي مَعَهُ.

[549] حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ہم نے ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ساتھ ظہر کی نماز ادا کی۔ وہاں سے فراغت کے بعد ہم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ وہ نمازِ عصر پڑھ رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا: چچا جان! یہ کون سی نماز ہے جو آپ نے اس وقت ادا کی ہے؟ فرمایا: یہ عصر کی نماز ہے۔ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ یہ نماز اسی وقت ادا کرتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی نماز کے متعلق حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بایں الفاظ تبصرہ فرمایا ہے کہ میں نے اس نوجوان، یعنی عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے سوا کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا ہے جس کی نماز رسول اللہ ﷺ کی نماز سے زیادہ مشابہت رکھتی ہو۔ [3] حدیث میں مذکورہ واقعہ ان کے خلیفہ بننے سے پہلے کا ہے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے زمانے میں آپ ولید بن عبدالملک کی طرف سے مدینہ کے گورنر تھے اور آپ کے خلیفہ بننے سے پہلے حضرت انس رضی اللہ عنہ وفات پا چکے تھے۔ ممکن ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا نمازِ ظہر کو مؤخر کرنا کسی عذر کی بنا پر ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ امرائے بنو امیہ کی عادت کے مطابق یہ تاخیر ہوئی ہو کیونکہ بنو امیہ کے حکمران نمازوں کو دیر سے پڑھنے کے عادی ہو چکے تھے، لیکن عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے جذبۂ اتباع سنت کے پیش نظر پہلی وجہ زیادہ قرین قیاس ہے۔ واللہ أعلم. ② مذکورہ روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ساتھ پڑھی گئی نمازِ ظہر کے فوراً بعد حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نمازِ عصر ادا کی، اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے نمازِ عصر اول وقت میں ادا کی۔ وھو المقصود. ایک تفصیلی روایت سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے: حضرت علاء بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ ہم لوگ ظہر

1 فتح الباري: 38/2. 2 عمدة الأحكام: 44/4. 3 مسند أحمد: 329/2-330.

کی نماز سے فارغ ہوکر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے لیے ان کے دولت کدے پر حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ بصرے میں رہائش پذیر تھے اوران کا گھر مسجد کے سامنے تھا۔ جب ہم آپ کے پاس گئے تو آپ نے فرمایا: تم نے عصر کی نماز پڑھ لی ہے؟ ہم نے عرض کیا: ابھی تو ہم نماز ظہر سے فارغ ہوکر آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اچھا اب تم نماز عصر پڑھ لو، چنانچہ ہم نے عصر کی نماز ادا کی۔ پھر آپ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ یہ منافق کی نماز ہے کہ وہ بیٹھا ہوا سورج کا انتظار کرتا رہتا ہے حتی کہ جب وہ شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان آجاتا ہے تو اٹھ کر چار ٹھونگیں مار لیتا ہے، اس میں اللہ کا ذکر برائے نام ہوتا ہے۔[1] ③ نماز عصر کے وقت کے متعلق مندرجہ ذیل روایت بھی بہت واضح ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز عصر پڑھائی، نماز سے فراغت کے بعد قبیلۂ بنوسلمہ کا ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ ہمارا ایک اونٹ ذبح کرنے کا پروگرام ہے، ہم چاہتے ہیں کہ آپ بھی اس پروگرام میں شمولیت فرمائیں، چنانچہ ہم رسول اللہ ﷺ کی معیت میں وہاں گئے تو اونٹ ابھی ذبح نہیں کیا گیا تھا، اس کے بعد اسے ذبح کیا گیا، اس کا گوشت کاٹ کر پکایا گیا، پھر ہم نے اسے سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے تناول کیا۔[2] واضح رہے کہ قبیلۂ بنوسلمہ کے گھر مسجد نبوی سے بہت فاصلے پر تھے۔ ایک دفعہ انھوں نے مسجد نبوی کے قریب آنے کی خواہش کا اظہار کیا تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں روک دیا اور فرمایا کہ نماز کے لیے انسان جتنی دور سے چل کر آتا ہے، اسے زیادہ ثواب ملتا ہے۔[3]

٥٥٠ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: حَدَّثَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ حَيَّةٌ فَيَذْهَبُ الذَّاهِبُ إِلَى الْعَوَالِي فَيَأْتِيهِمْ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ، وَبَعْضُ الْعَوَالِي مِنَ الْمَدِينَةِ عَلَى أَرْبَعَةِ أَمْيَالٍ أَوْ نَحْوِهِ. [راجع: ٥٤٨]

[550] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نماز عصر اس وقت پڑھتے تھے جب آفتاب بلند اور تیز ہوتا۔ دریں اثنا اگر کوئی عوالی تک جاتا تو ان کے ہاں ایسے وقت پہنچ جاتا کہ سورج ابھی بلند ہوتا تھا۔ اور عوالی کے بعض مقامات مدینہ منورہ سے کم و بیش چار میل پر واقع تھے۔

فوائد و مسائل: ① عوالی کے متعلق مسافت کی تحدید حضرت امام زہری کی طرف سے ہے، یہ حدیث کا حصہ نہیں۔ عوالی مدینہ منورہ کے گردونواح کا وہ علاقہ کہلاتا تھا جہاں مشرقی جانب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مکانات تھے۔ یہ علاقہ مدینہ طیبہ سے 2 سے 8 میل تک واقع تھا۔ اس کے بالمقابل مغربی جانب کے علاقے کو سوافل کہا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ جب نماز عصر ادا کرتے تو آفتاب ابھی بلند ہوتا اور اس کی آب و تاب میں کمی نہ آئی ہوتی۔ اگر مقتدی حضرات میں سے کوئی عوالی کے علاقے تک جاتا تو بھی سورج بلند ہوتا، اگرچہ پہلے سے کم بلند ہوتا لیکن اس قدر اونچا ضرور ہوتا کہ ابھی اسے بلندی ہی سے تعبیر کیا جاتا۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز عصر پڑھنے میں جلدی کرتے تھے کیونکہ نماز کے بعد چار میل کا فاصلہ طے کرنے کے

1 صحيح مسلم، الصلاة، حديث: 1412(622). 2 صحيح مسلم، الصلاة، حديث: 1414(624). 3 صحيح البخاري، الأذان، حديث: 656.

باوجود سورج کو بلندی ہی سے تعبیر کیا جاتا تھا۔[1] ② ایک روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان منقول ہے، فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ جب ہمیں نماز عصر پڑھاتے تو سورج ابھی سفید اور بلند ہوتا۔ نماز سے فراغت کے بعد میں مدینے کے دوسرے کنارے پر آباد اپنی قوم کے پاس جاتا اور انھیں نماز پڑھنے کے متعلق کہتا کہ ہم تو نماز سے فارغ ہو چکے ہیں آپ بھی ادا کرلیں۔ اس حدیث کے بعد امام طحاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ہم جانتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی قوم سورج کے زرد ہونے سے پہلے نماز ادا کر لیتی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بہت جلد نماز عصر ادا کرلیا کرتے تھے۔[2]

٥٥١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كُنَّا نُصَلِّي الْعَصْرَ ثُمَّ يَذْهَبُ الذَّاهِبُ مِنَّا إِلَى قُبَاءٍ فَيَأْتِيهِمْ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ. [راجع: ٥٤٨]

[551] حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ہم (رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ) نماز عصر ادا کرتے، پھر ہم میں سے کوئی جانے والا قباء تک جاتا، جب اہل قباء کے پاس پہنچتا تو سورج ابھی بلند ہوتا تھا۔

فائدہ: قباء کا علاقہ مدینے سے تین میل کے فاصلے پر عوالی میں سے تھا۔ اس سے پہلے روایت (548) گزری ہے کہ ہم میں سے کوئی آدمی قبیلۂ بنو عمرو بن عوف کے ہاں جاتا۔ یہ قبیلہ قباء کے علاقے میں آباد تھا۔ علامہ کرمانی ان احادیث کے متعلق لکھتے ہیں: ان احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ نماز عصر کو جلد از جلد ادا کر لینا چاہیے کیونکہ نماز عصر پڑھنے کے بعد کئی میل کی مسافت طے کرنا، پھر سورج کی آب و تاب کا قائم رہنا تبھی ہوسکتا ہے جب اس نماز کو ایک مثل سائے کے وقت پڑھ لیا جائے۔ ایسا صرف بڑے دنوں ہی میں ہوسکتا ہے۔[3] ایک حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نماز عصر ادا کرنے کے بعد خود عوالی تشریف لے جاتے تو سورج ابھی بلند ہوتا تھا اور عوالی کے بعض علاقے تین یا چار میل کی مسافت پر تھے۔[4] اس روایت میں امام مالک رحمہ اللہ کے حوالے سے لفظ ''قباء'' آیا ہے۔ اس کے متعلق بعض محدثین نے کہا ہے کہ یہ امام مالک کا وہم ہے کیونکہ امام زہری سے امام مالک کے علاوہ کوئی راوی یہ لفظ بیان نہیں کرتا۔ لیکن درست بات یہ ہے کہ اس لفظ کے بیان کرنے میں امام مالک متفرد نہیں ہیں، پھر جب دیگر روایات میں لفظ عوالی آیا ہے اور قباء بھی عوالی کے علاقہ جات کا ایک حصہ ہے تو لفظ قباء کو وہم سے تعبیر کرنے کے بجائے اسے عوالی کے اجمال کی وضاحت قرار دینا زیادہ موزوں ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے لفظ قباء والی روایت کو دیگر روایات کے بعد بیان کر کے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ امام مالک کی مذکورہ روایت دیگر روایات کی تفسیر ہے۔[5]

(١٤) بَابُ إِثْمِ مَنْ فَاتَتْهُ الْعَصْرُ

باب: 14- اس شخص کا گناہ جس سے نماز عصر جاتی رہی

٥٥٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا

[552] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے،

1 فتح الباري: 39/2. 2 شرح معاني الآثار: 112/1. 3 شرح الكرماني: 196/4. 4 صحيح البخاري، الاعتصام، حديث: 7329. 5 فتح الباري: 40/2.

مَالِكٌ عَنْ نَّافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «اَلَّذِي تَفُوتُهُ صَلَاةُ الْعَصْرِ فَكَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلَهُ وَمَالَهُ».

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص سے نماز عصر فوت ہوگئی، گویا اس کا سب گھر بار اور مال اسباب لٹ گئے۔''

فائدہ: امام بخاری ؒ کے قائم کردہ عنوان سے پتہ چلتا ہے کہ نماز عصر کا فوت ہونا گناہ کا باعث ہے لیکن ایک غیر اختیاری فعل ہے اور غیر اختیاری کام کے سرزد ہونے پر گناہ کا اطلاق نہیں ہونا چاہیے۔ جواب یہ ہے کہ فوات اگرچہ غیر اختیاری طور پر ہوا لیکن جن اسباب کی وجہ سے کوتاہی ہوئی وہ تو اختیاری تھے۔ بالعموم نماز کا فوت ہونا کاروباری مصروفیات اور اہل وعیال میں مشغولیت کی وجہ سے ہوتا ہے، حدیث میں بھی اسی کو بیان کیا گیا ہے۔ امام بخاری ؒ کا مقصود یہ ہے کہ غیر اختیاری ہونے کے باوجود یہ معاملہ معمولی نہیں کہ اس کے متعلق کوتاہی کی جائے، نماز عصر کیا فوت ہوئی کہ اس کا سب کچھ لٹ گیا۔ نماز عصر کو خصوصیت کے ساتھ اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ ایک تو قرآن میں اس کی اہمیت وخصوصیت واضح طور پر بیان ہوئی ہے، پھر پہلی امتوں نے بھی نماز عصر میں کوتاہی کی تھی، اس لیے ہمیں خبردار کیا گیا کہ اس کی ادائیگی کے متعلق خصوصی اہتمام کرنا چاہیے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ نماز عصر تم سے پہلے لوگوں پر بھی فرض کی گئی تھی لیکن انھوں نے تن آسانی کی وجہ سے اس کا حق ادا نہ کیا، اس لیے تم میں سے جو انسان اس کی ادائیگی کا غیر معمولی اہتمام کرے گا، اسے اللہ کے ہاں دگنا اجر دیا جائے گا۔[1] امام ترمذی ؒ نے مذکورہ حدیث کے مضمون کو سہو ونسیان پر محمول کیا ہے، چنانچہ انھوں نے اس حدیث پر بایں الفاظ عنوان قائم کیا ہے: ''نماز عصر سے سہو ہوجانے کا بیان۔'' حافظ ابن حجر نے اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ جب آخرت میں نماز عصر کے اہتمام پر اجر وثواب دیا جائے گا تو اس کے متعلق سہو ونسیان کا شکار ہونے والا انسان اس قدر افسوس کرے گا، گویا اس کے اہل وعیال اور مال واسباب تباہ ہوگئے ہوں۔[2] گویا امام بخاری ؒ نے اخروی حسرت ونقصان کو گناہ سے تعبیر کیا ہے۔ واللہ أعلم.

(١٥) بَابُ مَنْ تَرَكَ الْعَصْرَ

باب: 15- اس شخص کا گناہ جس نے نماز عصر چھوڑ دی

وضاحت: پہلا عنوان نماز عصر فوت ہونے کے متعلق تھا اور مذکورہ باب نماز عصر ترک کرنے کے بارے میں ہے۔ یہ تکرار نہیں کیونکہ پہلے عنوان میں غیر اختیاری طور پر نماز عصر فوت ہونے کا حکم بیان ہوا تھا اور یہ باب اختیاری طور پر نماز عصر چھوڑ دینے سے متعلق ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ غیر اختیاری طور پر نماز عصر فوت ہونے پر انسان کے متعلقات کا نقصان ہے جبکہ اختیاری طور پر نماز عصر چھوڑ دینے سے ذاتی نقصان کی وعید ہے۔

٥٥٣ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ

[553] حضرت ابوملیح سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم ابر آلود دن میں حضرت بریدہ ؓ کے ہمراہ ایک جنگ

(1) مسند أحمد: 397/6. (2) فتح الباري: 42/2.

أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَبِي الْمَلِيحِ قَالَ: كُنَّا مَعَ بُرَيْدَةَ فِي غَزْوَةٍ فِي يَوْمٍ ذِي غَيْمٍ فَقَالَ: بَكِّرُوا بِصَلَاةِ الْعَصْرِ فَإِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «مَنْ تَرَكَ صَلَاةَ الْعَصْرِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ». [انظر: ٥٩٤]

میں شریک تھے، انھوں نے فرمایا: نمازِ عصر جلدی پڑھ لو کیونکہ نبی ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: ''جس نے عصر کی نماز چھوڑ دی، اس کا عمل ضائع ہو گیا۔''

فوائد و مسائل: ① موسم کے ابر آلود ہونے کی بنا پر اندیشہ تھا کہ مبادا تاخیر کرتے ہوئے سورج غروب ہو جائے اور نماز کا وقت نکل جائے۔ پھر یہ بھی خطرہ تھا کہ لوگ خرابیٔ موسم کی وجہ سے انتظامات میں مشغول ہو کر نماز میں دیر نہ کر دیں، اس لیے حضرت بریدہ ؓ نے نمازِ عصر کی ادائیگی کے متعلق غیر معمولی اہتمام کیا، نیز نمازِ عصر کی اہمیت دیگر نمازوں کے مقابلے میں زیادہ ہے کیونکہ اس وقت اعمال اٹھائے جاتے ہیں اور فرشتے بھی اپنی باری تبدیل کرنے کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ لوگ بھی اس وقت خرید و فروخت اور تجارتی لین دین میں مصروف ہوتے ہیں، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس کی بروقت ادائیگی کے متعلق خصوصی حکم دیا ہے اور اس کے چھوڑ دینے پر سنگین وعید سنائی ہے۔ ② معتزلہ کے نزدیک ارتکابِ کبیرہ سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔ وہ اس قسم کی احادیث سے دلیل لیتے ہیں۔ اسی طرح بعض صحابہ نے بھی کہا ہے کہ تارکِ نماز دینِ اسلام سے خارج ہے، جبکہ جمہور محدثین کے نزدیک ارتکابِ کبیرہ سے انسان کافر نہیں ہوتا اور نہ ترکِ نماز سے انسان اپنے ایمان ہی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ﴾ ''اور جو ایمان کے بجائے کفر اختیار کرے گا اس کا عمل ضائع ہو جائے گا۔''[1] اس آیت سے یہ بات نکلتی ہے کہ جس نے ایمان کے بجائے کفر اختیار نہیں کیا اس کے اعمال ضائع نہ ہوں جبکہ حدیث میں نمازِ عصر چھوڑ دینے سے عمل کے ضائع ہونے کی وعید ہے۔ گویا آیت کا مفہوم اور حدیث کا منطوق ظاہری طور پر ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ اس کی علماء نے مختلف توجیہات بیان کی ہیں، مثلاً: ✱ اگر فرضیت کا انکار کرتے ہوئے نماز ترک کی تو اس کا عمل ضائع ہو جاتا ہے۔ ✱ حبطِ عمل سے مراد تشبیہ ہے کہ نمازِ عصر ترک کرنے والا انسان اس قدر محروم و بدنصیب ہے جیسے وہ انسان جس کے تمام عمل ضائع ہو جائیں۔ ③ راجح بات یہ ہے کہ ترکِ نماز کی شدت اور نزاکت کو بیان کرنے کے لیے یہ الفاظ استعمال کیے گئے ہیں تاکہ اس سنگین جرم سے احتراز کیا جائے، اس کا ظاہری مفہوم مراد نہیں ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ ''مومن کو گالی دینا فسق اور اس سے لڑنا کفر ہے''[2] حالانکہ قرآن کریم نے باہمی جنگ و قتال کرنے والوں کو مومن ہی کہا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ اِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا......﴾ ''اگر اہلِ ایمان کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں......''[3] اس قرآنی آیت کی روشنی میں مذکورہ حدیث میں کفر سے مراد حقیقی کفر نہیں۔ اسی طرح حدیث میں حبطِ عمل سے مراد حقیقی حبطِ عمل نہیں بلکہ جرم کی سنگینی اور شدت کو بیان کرنے کے لیے یہ الفاظ اختیار کیے گئے ہیں کیونکہ کفر و شرک اور ارتداد ہی ایسے اعمال ہیں جو اعمال کی بربادی کا سبب بنتے ہیں۔ ④ قرآن کریم کی تصریحات کے مطابق حبطِ اعمال (بربادیٔ اعمال) کے تین بڑے اسباب ہیں: ✱ ایمان کے بعد شرک کا ارتکاب کرنا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا

1. المائدة 5:5. 2. صحيح البخاري، الإيمان، حديث: 48. 3. الحجرات 9:49.

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ ''اگر وہ لوگ، یعنی انبیائے کرام علیہم السلام بھی شرک کرتے تو ان کا سب کیا کرایا برباد ہو جاتا۔''[1] * ایمان لانے کے بعد ارتداد کی روش اختیار کرنا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ ''اور تم میں سے اگر کوئی اپنے دین سے برگشتہ ہو جائے پھر اس حالت میں مر جائے کہ وہ کافر ہی ہو تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا و آخرت میں برباد ہو گئے۔''[2] * رسول اللہ ﷺ کی بے ادبی اور گستاخی کرنا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ﴾ ''اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ اس کے سامنے اس طرح اونچی آواز سے بولو جیسے تم ایک دوسرے سے بولتے ہو، ایسا نہ ہو کہ تمھارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمھیں اس کی خبر بھی نہ ہو۔''[3]

(١٦) بَابُ فَضْلِ صَلَاةِ الْعَصْرِ

باب: 16- نماز عصر کی فضیلت

٥٥٤ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا مَرْوَانُ ابْنُ مُعَاوِيَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ عَنْ قَيْسٍ، عَنْ جَرِيرٍ قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَنَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةً - يَعْنِي الْبَدْرَ - فَقَالَ: «إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هٰذَا الْقَمَرَ، لَا تُضَامُونَ فِي رُؤْيَتِهِ فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَّا تُغْلَبُوا عَلَى صَلَاةٍ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا فَافْعَلُوا». ثُمَّ قَرَأَ: ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ﴾ [ق:٣٩] قَالَ إِسْمَاعِيلُ: افْعَلُوا لَا تَفُوتَنَّكُمْ. [انظر: ٥٧٣، ٤٨٥١، ٧٤٣٤، ٧٤٣٥، ٧٤٣٦]

[554] حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے، آپ نے ایک رات ماہ کامل کی طرف دیکھ کر فرمایا: ''بے شک تم اپنے پروردگار کو (روز قیامت) اسی طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو، اسے دیکھنے میں تمھیں کوئی دقت نہیں ہوگی، لہٰذا اگر تم پابندی کر سکتے ہو تو طلوع آفتاب سے پہلے (فجر کی) اور غروب آفتاب سے پہلے (عصر کی) نمازوں سے مغلوب نہ ہو جاؤ، یعنی پابندی سے انھیں ادا کر سکو تو ضرور کرو۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ''طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو، یعنی نماز پڑھو۔'' (حدیث کے راوی) اسماعیل بن ابی خالد نے کہا: اِفْعَلُوا کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ نمازیں تم سے فوت نہ ہو جائیں، انھیں ضرور پڑھا کرو۔

فوائد و مسائل: ① دوسری نمازوں کے مقابلے میں نماز عصر کی کچھ خصوصیات ہیں، مثلاً: نماز عصر اس امت کے علاوہ دوسری امتوں پر بھی فرض تھی،[4] نیز قرآن کریم میں اسے ﴿الصلاة الوسطى﴾ قرار دے کر اس کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔

---

1 الأنعام 88:6. 2 البقرة 217:2. 3 الحجرات 2:49. 4 مسند أحمد: 397/6.

پھر اس کے فوت ہونے یا اس کے ترک کرنے پر احادیث میں سخت وعید آئی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اب ایک دوسرے پہلو سے اس نماز کی اہمیت کو اجاگر کرنا چاہتے ہیں، پہلے ترہیب تھی، اب اس کی فضیلت بیان کر کے ترغیب کے پہلو کو نمایاں کیا جا رہا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام بخاری کا مقصود نماز عصر کے متعلق فجر کے علاوہ دیگر نمازوں پر فضیلت ثابت کرنا ہے۔[1] اگرچہ اس روایت سے فجر اور عصر دونوں کی فضیلت یکساں معلوم ہوتی ہے کیونکہ رؤیت باری تعالیٰ کی نعمت کے حصول میں دونوں نمازیں مؤثر ہیں، تاہم اس مقام پر نماز عصر کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہے۔ ② اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں نمازوں کی اہمیت بیان کرتے ہوئے سورۂ قٓ کی آیت تلاوت فرمائی لیکن امام بخاری نے نماز فجر کی اہمیت بیان کرتے ہوئے جب اس روایت کو ذکر کیا ہے تو اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورۂ قٓ کی آیت تلاوت کرنے کے بجائے سورۂ طٰهٰ کی آیت: 130 تلاوت فرمائی ہے،[2] جبکہ ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ راویٔ حدیث حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے بطور تائید ان آیات کو تلاوت کیا تھا۔[3] اس سے پتہ چلتا ہے کہ روایت کے آخر میں ادراج (راوی کی طرف سے بطور توضیح اضافہ) واقع ہوا ہے۔ واللہ أعلم. ③ روایات میں وضاحت ہے کہ طلوع و غروب سے پہلے نماز سے مراد فجر اور عصر کی نماز ہے۔[4] نماز فجر اور عصر کے متعلق خصوصی تاکید کی وجہ جہاں ان نمازوں کی دیگر خصوصیات ہیں وہاں یہ بھی ہے کہ ان میں فجر کی نماز اس وقت ادا کی جاتی ہے جب انسان کو نیند بہت پیاری ہوتی ہے اور نماز عصر کے وقت انسان اپنے کاروبار اور کام کاج میں مصروف ہوتا ہے، چنانچہ ان اسباب کے باوجود اگر کوئی ان نمازوں پر خصوصی توجہ دیتا ہے تو دیگر نمازوں کی بالاولیٰ حفاظت کرے گا۔ ④ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں نمازوں کی حفاظت سے آخرت میں رؤیت باری تعالیٰ کی سعادت نصیب ہوگی۔ آخرت میں اہل ایمان کے لیے رؤیت باری تعالیٰ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے اثبات میں بے شمار آیات، متعدد احادیث اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع موجود ہے لیکن معتزلہ، خوارج اور مرجیہ اس کے منکر ہیں۔ منکرین کے دلائل اور ان کے جوابات کتاب التوحید، حدیث: 7434 میں بیان ہوں گے۔ بإذن اللہ.

٥٥٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «يَتَعَاقَبُونَ فِيكُمْ مَلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلَائِكَةٌ بِالنَّهَارِ وَيَجْتَمِعُونَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ وَصَلَاةِ الْعَصْرِ، ثُمَّ يَعْرُجُ الَّذِينَ بَاتُوا فِيكُمْ فَيَسْأَلُهُمْ - وَهُوَ أَعْلَمُ بِهِمْ -: كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِي؟ فَيَقُولُونَ: تَرَكْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ،

[555] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کچھ فرشتے رات کو اور کچھ دن کو تمھارے پاس یکے بعد دیگرے حاضر ہوتے ہیں اور یہ تمام فجر اور عصر کی نماز میں جمع ہو جاتے ہیں۔ پھر جو فرشتے رات کو تمھارے پاس حاضر ہوتے ہیں، جب وہ آسمان پر جاتے ہیں تو ان سے ان کا پروردگار پوچھتا ہے: تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا ہے؟ حالانکہ وہ خود اپنے بندوں سے خوب

① فتح الباري: 45/2. 2 صحيح البخاري، حديث: 573. 3 صحيح مسلم، المساجد، حديث: 1434(633). 4 صحيح مسلم، المساجد، حديث: 1434(633).

وَأَتَيْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ». [انظر: ٣٢٢٣، ٧٤٢٩، ٧٤٨٦]

واقف ہے۔ وہ جواب دیتے ہیں: ہم نے انھیں نماز پڑھتے چھوڑا ہے۔ اور جب ہم ان کے پاس پہنچے تھے، تب بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے۔"

فوائد و مسائل: ① اس روایت میں نماز عصر کی خصوصی فضیلت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ رؤیت سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کا اجتماع فجر اور عصر کی نماز میں ہوتا ہے۔ مگر فرق یہ ہے کہ فجر کی نماز میں جو فرشتے آتے ہیں وہ دن کے فرشتے ہیں اوران کی آمد اپنے مقررہ اوقات میں ہوتی ہے کیونکہ دن صبح صادق سے شروع ہوجاتا ہے اور عصر کے وقت جو فرشتے آتے ہیں ان کی ڈیوٹی رات کی ہے انھیں نماز مغرب میں شریک ہونا ہوتا ہے کیونکہ رات غروب آفتاب کے بعد شروع ہوتی ہے لیکن یہ فرشتے مقررہ اوقات پر آنے کے بجائے قبل از وقت حاضر ہوجاتے ہیں، معلوم ہوا کہ وقت سے پہلے آنے میں نماز عصر کی فضیلت کا دخل ہے۔ وھو المقصود۔ پھر اللہ تعالیٰ کا اپنے مومن بندوں پر کرم و احسان ہے کہ فرشتوں کے اجتماع اور تبدیلی کے لیے جو وقت رکھا ہے اس وقت اہل ایمان نمازوں میں مصروف ہوتے ہیں تاکہ ان کے متعلق خیر و برکت اور بھلائی کی گواہی دیں۔[1] ② اللہ تعالیٰ تو ہر چیز کا علم رکھتا ہے، اس کے باوجود فرشتوں سے سوال کرتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حالت میں پایا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ فرشتوں سے اعتراف کروانا مقصود ہے کہ تخلیق آدم کے وقت ان کا اعتراض درست نہ تھا کہ تو زمین میں ایسی مخلوق پیدا کرنا چاہتا ہے جو وہاں پر فساد اور خون خرابہ کرے گی۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو بتانا چاہتا ہے کہ ان کا موقف درست نہیں تھا، نیز جن بندوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرشتوں سے سوال کرتا ہے، وہ وہی ہیں جن کے متعلق ارشاد ہے: ﴿إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ﴾ "اے شیطان! میرے بندوں پر تو غلبہ حاصل نہیں کر سکے گا۔"[2] اس کے علاوہ فرشتے بھی اہل ایمان کی بابت بہت خیر خواہی کے جذبات رکھتے ہیں کیونکہ جب ان سے سوال ہوا کہ جب تم ان سے جدا ہوئے تو وہ کس حالت میں تھے؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ جب ہم ان کے پاس پہنچے تو نماز پڑھ رہے تھے اور جب وہاں سے واپس آئے تو بھی نماز ہی میں مشغول تھے، یعنی وہ ہر آن اہل ایمان کی عظمت و فضیلت کا اظہار کرنا چاہتے ہیں اور وہ ایسی چیزیں بیان کرتے ہیں جن سے ان کی مغفرت ہو۔ واضح رہے کہ یہ وہی فرشتے ہیں جن کی ڈیوٹی ہی مومنین کے لیے استغفار کرنا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا﴾ "وہ فرشتے اہل ایمان کے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں۔"[3] بہر حال اللہ تعالیٰ کے معزز فرشتے اہل ایمان سے محبت کرتے ہیں اور ان کی بابت خیر خواہی کے جذبات رکھتے ہیں۔[4] ③ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ان فرشتوں سے سوال کرتا ہے جن کی ڈیوٹی صرف رات کی تھی۔ ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دن کے وقت ڈیوٹی دینے والوں سے بھی سوال کیا جاتا ہے، چنانچہ حدیث میں ہے: "فجر اور عصر کی نماز میں دن اور رات کے فرشتے اکٹھے ہوجاتے ہیں، چنانچہ جب نماز فجر میں اکٹھے ہوتے ہیں تو رات کے فرشتے چلے جاتے ہیں اور دن کے فرشتے ڈیوٹی دیتے ہیں اور جب نماز عصر میں اکٹھے ہوتے ہیں تو دن کے فرشتے اوپر چلے جاتے ہیں اور رات کو ڈیوٹی دینے والے موجود رہتے ہیں۔ ان سب سے اللہ تعالیٰ

① شرح الكرماني: 200/2. ② الحجر 42:15. ③ المؤمن 7:40. ④ شرح الكرماني: 200/2.

سوال کرتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حالت میں چھوڑا؟"[1] اس تفصیلی روایت سے معلوم ہوا کہ دن اور رات دونوں قسم کے فرشتوں سے سوال ہوتا ہے اور وہ اہل ایمان کے لیے نماز میں مصروف رہنے کی گواہی دیتے ہیں۔[2] علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ رات کا وقت نیند اور آرام کا ہوتا ہے اور زیادہ تر گناہ بھی اسی وقت ہوتے ہیں، تو جو لوگ رات کے وقت نہ صرف گناہ سے کنارہ کش رہتے ہیں بلکہ عبادت میں اپنے آپ کو مشغول رکھتے ہیں، وہ دن کے اوقات میں بالاولیٰ گناہوں سے اجتناب کرتے ہوئے عبادت میں مشغول رہیں گے۔[3] ④ اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ نماز ایک اعلیٰ ترین عبادت ہے کیونکہ اس کے متعلق سوال وجواب کا ذکر ہے، خاص طور پر نماز فجر اور نماز عصر تو گرانقدر اہمیت وفضیلت کی حامل ہیں کیونکہ ان دونوں کے اوقات میں فرشتوں کے دو گروہ اکٹھے ہوتے ہیں جبکہ دوسری نمازوں میں صرف ایک گروہ ہوتا ہے۔ ان دونوں نمازوں کے اوقات بھی انتہا کی فضیلت رکھتے ہیں، چنانچہ صبح کے وقت رزق تقسیم ہوتا ہے اور شام کے وقت اعمال اٹھائے جاتے ہیں اور انھیں اللہ کے حضور پیش کیا جاتا ہے۔ جو شخص ان اوقات میں اللہ کی عبادت کرے گا اللہ اس کے رزق اور عمل میں برکت فرمائے گا۔[4]

(١٧) بَابُ مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الْعَصْرِ قَبْلَ الْغُرُوبِ

باب: 17- جس نے غروب آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی

وضاحت: اس عنوان کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ وقت عصر کی انتہا بیان کرنا چاہتے ہیں کہ عصر کا وقت غروب آفتاب تک رہتا ہے کیونکہ اوقات نماز کے یہی مناسب ہے۔

٥٥٦ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا أَدْرَكَ أَحَدُكُمْ سَجْدَةً مِّنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَلْيُتِمَّ صَلَاتَهُ، وَإِذَا أَدْرَكَ سَجْدَةً مِّنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَلْيُتِمَّ صَلَاتَهُ». [انظر: ٥٧٩، ٥٨٠]

[556] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی غروب آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالے تو وہ اپنی نماز کو پورا کرلے۔ اور جو شخص طلوع آفتاب سے پہلے فجر کی ایک رکعت پالے تو وہ اپنی نماز کو پورا کرے۔"

فوائد ومسائل: ① عنوان میں رکعت کا ذکر ہے جبکہ حدیث میں ایک سجدے کے پالینے کا بیان ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اس عنوان کے ذریعے سے حدیث کی تشریح کرتے ہیں کہ اس مقام پر سجدے سے مراد رکعت ہے کیونکہ سجدے پر رکعت مکمل ہوتی ہے، اس لیے آخری جز بول کر کل مراد لیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں بعض روایات میں "سجدہ" کے بجائے "رکعۃ" کا لفظ ہے۔[5]

---

1 صحيح ابن خزيمة: 165/1، حديث: 322. 2 فتح الباري: 49/2. 3 شرح الكرماني: 200/2. 4 فتح الباري: 50/2.

5 صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، حديث: 579.

② ادراک کے معنی یہ ہیں کہ ایک رکعت پالینے سے اسے نماز کا وقت مل گیا ہے، اسے چاہیے کہ بقیہ رکعات ادا کر کے اپنی نماز مکمل کر لے جیسا کہ سنن بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ جس نے طلوع شمس سے پہلے صبح کی ایک رکعت پڑھی اور دوسری رکعت طلوع آفتاب کے بعد ادا کی تو اس نے نماز کو پالیا۔ اور اس سے زیادہ صراحت کے ساتھ یہ روایت ہے کہ جس نے غروب آفتاب سے پہلے ایک رکعت پڑھ لی اور بقیہ رکعات کو غروب آفتاب کے بعد ادا کیا تو اس کی نماز عصر فوت نہیں ہوئی۔[1] شاہ ولی اللہ محدث دہلوی شرح تراجم بخاری میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ اگر غروب آفتاب سے پہلے ایک رکعت بھی مل گئی، خواہ باقی رکعات غروب کے بعد پڑھی گئی ہوں تو بھی نماز ہوگئی، اسے قضا ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔ امام بخاری کو اہتمام کے ساتھ بیان کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ امام شافعی نے وقت عصر کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے: * وقت مستحب: زوال آفتاب کے بعد جب کسی چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جائے۔ * وقت جواز قدرے فضیلت کے ساتھ: دو مثل سایہ ہونے تک ہے۔ * مجرد وقت جواز: دو مثل مکمل سایہ ہونے کے بعد دھوپ کے زرد ہونے تک ہے۔ * وقت ضرورت: زردیٔ آفتاب کے بعد درجۂ مجبوری کا وقت ہے۔ اس وقت تک مؤخر کرنے والا نمازی گناہ گار بھی ہوگا۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ اگر نماز وقت ضرورت میں ادا کرے تو اگرچہ اس کا کچھ حصہ ہی کیوں نہ ہو، فریضۂ نماز ادا ہو جائے گا، یہ اور بات ہے کہ تاخیر کی وجہ سے گناہ گار ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ وقت ضرورت تک نماز مؤخر کرنے کے باوجود قضا اور اعادے کی ضرورت نہیں۔ واللہ أعلم.

٥٥٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «إِنَّمَا بَقَاؤُكُمْ فِيمَا سَلَفَ قَبْلَكُمْ مِّنَ الْأُمَمِ كَمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعَصْرِ إِلَى غُرُوبِ الشَّمْسِ؛ أُوتِيَ أَهْلُ التَّوْرَاةِ التَّوْرَاةَ، فَعَمِلُوا بِهَا حَتَّى إِذَا انْتَصَفَ النَّهَارُ عَجَزُوا فَأُعْطُوا قِيرَاطًا قِيرَاطًا، ثُمَّ أُوتِيَ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ الْإِنْجِيلَ، فَعَمِلُوا إِلَى صَلَاةِ الْعَصْرِ ثُمَّ عَجَزُوا فَأُعْطُوا قِيرَاطًا قِيرَاطًا، ثُمَّ أُوتِينَا الْقُرْآنَ فَعَمِلْنَا إِلَى غُرُوبِ الشَّمْسِ فَأُعْطِينَا قِيرَاطَيْنِ قِيرَاطَيْنِ، فَقَالَ أَهْلُ الْكِتَابَيْنِ: أَيْ رَبَّنَا!

[557] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''سابقہ امتوں کے اعتبار سے تمھارا یہاں رہنا ایسے ہے جیسے نماز عصر سے غروب آفتاب تک، چنانچہ اہل تورات کو تورات دی گئی تو انھوں نے دوپہر تک کام کیا، وہ تھک گئے تو انھیں ایک ایک قیراط دے دیا گیا۔ پھر اہل انجیل کو انجیل دی گئی تو انھوں نے نماز عصر تک کام کیا، وہ تھک گئے تو انھیں بھی ایک ایک قیراط دے دیا گیا۔ اس کے بعد ہم لوگوں کو قرآن دیا گیا تو ہم نے غروب آفتاب تک کام کیا، اس پر ہمیں دو دو قیراط دیے گئے۔ پھر اہل تورات اور اہل انجیل دونوں نے عرض کیا: اے پروردگار! تو نے مسلمانوں کو دو، دو قیراط دیے اور ہمیں ایک ایک، جبکہ ہم نے کام ان سے زیادہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ

[1] فتح الباري: 75/2.

أَعْطَيْتَ هٰؤُلَاءِ قِيرَاطَيْنِ قِيرَاطَيْنِ وَأَعْطَيْتَنَا قِيرَاطًا قِيرَاطًا، وَنَحْنُ كُنَّا أَكْثَرَ عَمَلًا، قَالَ اللهُ: هَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِّنْ أَجْرِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ؟ قَالُوا: لَا، قَالَ: فَهُوَ فَضْلِي أُوتِيهِ مَنْ أَشَاءُ». [انظر: ۲۲٦٨، ۲۲٦٩، ۳٤٥٩، ٥٠٢١، ٧٤٦٧، ٧٥٣٣]

نے ارشاد فرمایا: کیا میں نے مزدوری دینے میں تم پر کوئی زیادتی کی ہے؟ انھوں نے عرض کیا: نہیں، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ تو میرا فضل ہے جسے چاہتا ہوں، دیتا ہوں۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے علامہ سندھی لکھتے ہیں: امت محمدیہ کی یہ خصوصیت ہے کہ جو بھی نیکی کا کام غروب آفتاب تک کرے گی انھیں اس کا اجروثواب مکمل صورت میں ملے گا، چنانچہ اس امت کا جو فرد غروب آفتاب سے پہلے نماز عصر پڑھے گا، خواہ ایک رکعت ہی کیوں نہ ہو، اسے پوری نماز کا ثواب ملے گا۔ حدیث کی باب سے یہی مطابقت ہے۔[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ، مہلب کے حوالے سے لکھتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات جزوی کام کرنے پر پورے کام کا اجر دیا جاتا ہے کیونکہ عصر سے لے کر غروب آفتاب تک کام کرنے پر پورے دن کی اجرت عطا کی گئی۔ یہ بالکل ایسے ہے جیسے ایک رکعت پانے والے کو پوری نماز کا ثواب دیا جائے، نیز حدیث میں وہ جز اور عمل جس پر پورا اجر دیا گیا ہے دن کے چوتھائی حصے کا عمل ہے، یعنی نماز عصر سے غروب آفتاب تک کا عمل، دن کا ایک چوتھائی ہے، جس طرح اس چوتھائی وقت میں کام کرنے پر پورا اجر دیا گیا، اسی طرح ایک رکعت پانے والے کو چار رکعت پانے والے کی طرح قرار دیا گیا، گویا مثال اور ممثل لہ میں چوتھائی عمل کو پورا عمل قرار دینے کی بات مشترک ہے۔[2] اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود منتہائے عصر کا بیان ہے کیونکہ حدیث میں دن کو تین حصوں میں تقسیم کر کے اسے تین گروہوں کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے: پہلا حصہ صبح سے دوپہر تک یہود کے حق میں ہے، اس میں دوسرا کوئی شریک نہیں۔ پھر دوسرا حصہ ظہر سے عصر تک اہل انجیل کے حق میں ہے اور اس میں بھی کوئی شریک نہیں۔ پھر تیسرا حصہ عصر سے غروب آفتاب تک کا ہے۔ معلوم ہوا کہ جس طرح ظہر سے عصر تک کا وقت ایک ہے، اسی طرح عصر سے مغرب تک کا وقت بھی ایک رہنا چاہیے۔ اس سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مدعا ثابت ہو گیا کہ عصر کے وقت کی انتہا غروب آفتاب ہے۔ ② کچھ حضرات کا موقف ہے کہ اس حدیث کے پیش نظر عصر کا وقت دو مثل سایہ ہونے پر شروع ہونا چاہیے کیونکہ اہل انجیل نے کہا کہ ہم نے زیادہ کام کیا ہے اور یہ اسی صورت میں درست ہو سکتا ہے جب ظہر سے عصر تک کا وقت، عصر سے مغرب تک کے وقت سے زیادہ ہو۔ اس مفروضے کا جواب علامہ کرمانی نے بایں طور دیا ہے کہ ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ اگر عصر کا وقت ایک مثل پر شروع ہو تو ظہر سے عصر تک کا وقت، عصر سے مغرب تک کے وقت سے کم رہتا ہے۔ اگر ایسا تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی یہ کہاں ہے کہ دونوں گروہوں میں سے ہر گروہ کا کام مسلمانوں سے زیادہ ہے۔ بلکہ دونوں گروہوں کا کام ملا کر مسلمانوں کے کام سے زیادہ ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلے گروہ کا کام زیادہ ہو اور دوسرے کا زیادہ نہ ہو لیکن تغلیباً دونوں گروہوں کے لیے ایک جیسے الفاظ استعمال کر لیے گئے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ کام کے زیادہ ہونے سے وقت کا زیادہ ہونا لازم

1 حاشية السندي: 106/1. 2 فتح الباري: 53/2.

نہیں آتا کیونکہ کم وقت میں زیادہ کام ہوسکتا ہے۔[1] تاریخی اعتبار سے بھی یہ بات ثابت شدہ ہے کہ قلت و کثرت سے مراد وقت نہیں بلکہ کام ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان چھ سو سال کا وقفہ ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ سے اب تک 1432 سال گزر چکے ہیں، اس لیے کام کے زیادہ ہونے سے وقت کا زیادہ ہونا ضروری نہیں۔

٥٥٨ - حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسٰى عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «مَثَلُ الْمُسْلِمِينَ وَالْيَهُودِ وَالنَّصَارٰى كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَأْجَرَ قَوْمًا يَّعْمَلُونَ لَهُ عَمَلًا إِلَى اللَّيْلِ فَعَمِلُوا إِلٰى نِصْفِ النَّهَارِ فَقَالُوا: لَا حَاجَةَ لَنَا إِلٰى أَجْرِكَ، فَاسْتَأْجَرَ آخَرِينَ فَقَالَ: أَكْمِلُوا بَقِيَّةَ يَوْمِكُمْ وَلَكُمُ الَّذِي شَرَطْتُّ، فَعَمِلُوا حَتّٰى إِذَا كَانَ حِينَ صَلَاةِ الْعَصْرِ قَالُوا: لَكَ مَا عَمِلْنَا، فَاسْتَأْجَرَ قَوْمًا فَعَمِلُوا بَقِيَّةَ يَوْمِهِمْ حَتّٰى غَابَتِ الشَّمْسُ، وَاسْتَكْمَلُوا أَجْرَ الْفَرِيقَيْنِ». [انظر: ٢٢٧١]

[558] حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں: ''مسلمانوں، یہودیوں اور عیسائیوں کی مثال اس آدمی جیسی ہے جس نے کچھ لوگوں کو مزدوری پر رکھا کہ وہ رات تک کام کریں۔ انھوں نے دوپہر تک کام کیا اور کہنے لگے: ہمیں تیری مزدوری کی ضرورت نہیں، چنانچہ اس آدمی نے کچھ اور لوگوں کو مزدوری پر رکھا اور کہا: تم دن کا بقیہ وقت کام کرو، تمھیں وہی مزدوری ملے گی جو میں نے طے کی تھی۔ انھوں نے کام کیا حتی کہ جب نماز عصر کا وقت ہوا تو کہنے لگے: تیرا کام تجھے مبارک ہو، ہم نے جو کام کیا ہے اس کی بھی مزدوری نہیں لیتے، چنانچہ اس نے اور لوگوں کو مزدوری پر رکھا جنھوں نے بقیہ دن کام کیا تا آنکہ سورج غروب ہوگیا۔ اس طرح وہ پہلے دونوں گروہوں کی مزدوری کے حق دار بن گئے۔''

فوائد و مسائل: ① گزشتہ احادیث کی طرح اس حدیث میں بھی امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود نماز عصر کا آخری وقت بتانا ہے، چنانچہ حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ کام کی مدت غروب آفتاب ہے اور عصر سے مغرب تک وقت کو ایک وقت قرار دیا گیا ہے، نیز اس وقت کا کام نماز عصر ہی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز عصر کا وقت غروب آفتاب تک ہے۔ پھر اس حدیث میں جو مثال پیش کی گئی ہے اس میں پہلے گروہ سے مراد اہل تورات، یعنی یہودی ہیں جنھیں موسوی شریعت کی پیروی کا حکم دیا گیا تھا، پھر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو ان کے پیچھے چلنے کا حکم دیا گیا، چنانچہ وہ اس سے بھاگ گئے۔ دوسرا گروہ اہل انجیل، یعنی عیسائیوں کا ہے جو عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور اس وقت کی شریعت پر عمل پیرا رہے لیکن جب رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی تو انھیں آپ پر ایمان لانے کا حکم ہوا، انھوں نے اس بات سے انکار کر دیا۔ تیسرے گروہ سے مراد ہم مسلمان ہیں جو رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے اور قیامت تک آپ کی لائی ہوئی شریعت پر عمل پیرا رہنے کے لیے تیار ہوئے۔ واضح رہے کہ ابن عمر اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم کی احادیث میں دو الگ الگ واقعات بیان ہوئے ہیں۔ ان میں اتنی بات تو مشترک ہے کہ تین تین فریق ہیں اور ہر

[1] شرح الكرماني: 202/2.

فریق سے معاملہ الگ الگ ہے لیکن ان میں حسب ذیل فرق ہے: * پہلی روایت میں مدت اجارہ کی صراحت نہیں جبکہ دوسری روایت میں رات تک کی تصریح ہے۔ * پہلی روایت میں ہے کہ پہلے دونوں گروہ کام کرتے کرتے عاجز ہوگئے اور انھیں ایک ایک قیراط دیا گیا جبکہ دوسری روایت میں ہے کہ انھوں نے اجرت لینے سے صاف انکار کردیا۔ * پہلی روایت میں یہود و نصاریٰ کے ان لوگوں کا حال بیان ہوا ہے جو اپنے دور میں دین پر قائم رہے اور اس پر عمل کیا لیکن اس کے منسوخ ہونے سے پہلے فوت ہوگئے اور دوسری حدیث میں ان لوگوں کا حال بیان ہوا ہے جو دین میں تحریف کرنے کے مرتکب ہوئے اور اس سے بے زاری کا اظہار کیا۔ واللہ أعلم.

(١٨) بَابُ وَقْتِ الْمَغْرِبِ

باب:18-نماز مغرب کا وقت

وَقَالَ عَطَاءٌ: يَجْمَعُ الْمَرِيضُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ.

حضرت عطاء رحمہ اللہ نے فرمایا: بیمار آدمی مغرب اور عشاء کو جمع کرسکتا ہے

وضاحت: حضرت عطاء رحمہ اللہ کے اس اثر کو ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف (506/3) میں موصولاً بیان کیا گیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس اثر سے یہ ثابت کیا ہے کہ نماز مغرب کا وقت عشاء تک ہے۔ اگر دونوں نمازوں کے اوقات میں وقفہ ہوتا جس طرح صبح اور ظہر کی نمازوں کے اوقات میں ہے تو مغرب اور عشاء کو جمع کرنا جائز نہ ہوتا۔ غالباً اسی نکتے کی وضاحت کے لیے باب کے آخر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر اور عصر کو ایک وقت میں، اسی طرح مغرب اور عشاء کو ایک وقت میں جمع کر کے ادا کیا۔[1]

٥٥٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مِهْرَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو النَّجَاشِيِّ مَوْلَى رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ - هُوَ عَطَاءُ ابْنُ صُهَيْبٍ - قَالَ: سَمِعْتُ رَافِعَ بْنَ خَدِيجٍ يَقُولُ: كُنَّا نُصَلِّي الْمَغْرِبَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، فَيَنْصَرِفُ أَحَدُنَا وَإِنَّهُ لَيُبْصِرُ مَوَاقِعَ نَبْلِهِ.

[559] حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز مغرب پڑھتے تھے، پھر (فارغ ہونے کے بعد جب) ہم میں سے کوئی واپس جاتا (اور تیر پھینکتا) تو وہ تیر کے گرنے کی جگہ دیکھ لیتا تھا۔

فائدہ: اس حدیث کا تقاضا ہے کہ نماز مغرب کو اول وقت میں ادا کرلینا چاہیے، یعنی ایسے وقت میں پڑھ لی جائے کہ فراغت کے بعد بھی روشنی باقی ہو، چنانچہ ایک حدیث میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا بیان بایں الفاظ نقل ہوا ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز مغرب ادا کرتے، پھر نکلتے اور تیر اندازی کرتے تو ہم پر تیروں کے گرنے کی جگہ پوشیدہ نہ رہتی۔[2] اس کا مطلب یہ ہے کہ مغرب کے بعد فاصلہ طے کر کے بھی اتنی روشنی رہتی تھی کہ تیر گرنے کی جگہ نظر آتی۔[3] ایک روایت میں مزید

1 فتح الباري: 55/2. 2 مسند أحمد: 36/4. 3 فتح الباري: 55/2.

وضاحت ہے کہ کچھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز مغرب پڑھتے، پھر مدینے کے آخری کنارے اپنے گھر لوٹ جاتے، وہاں جا کر تیر اندازی کرتے تو اپنے تیر گرنے کی جگہ کو دیکھ لیتے،[1] یعنی غروب آفتاب کے بعد نماز پڑھتے، پھر اتنی روشنی میں گھر پہنچ جاتے کہ تیر گرنے کی جگہ نظر آتی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ نماز مغرب میں جلدی کرنا ایک پسندیدہ امر ہے۔ رسول اللہ ﷺ غروب آفتاب کے فوراً بعد نماز پڑھتے تھے۔ اسے اس قدر مؤخر نہ کیا جائے کہ آسمان پر ستارے نظر آنے لگیں اور نماز کا وقت نکل جائے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت اس وقت تک فطرت پر قائم رہے گی جب تک نماز مغرب کو ستارے نکلنے تک مؤخر نہیں کرے گی۔''[2]

٥٦٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعْدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ: قَدِمَ الْحَجَّاجُ فَسَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ فَقَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ، وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ نَقِيَّةٌ، وَالْمَغْرِبَ إِذَا وَجَبَتْ، وَالْعِشَاءَ أَحْيَانًا وَّأَحْيَانًا، إِذَا رَآهُمُ اجْتَمَعُوا عَجَّلَ، وَإِذَا رَآهُمْ أَبْطَؤُوا أَخَّرَ، وَالصُّبْحَ - كَانُوا أَوْ - كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّيهَا بِغَلَسٍ. [انظر: ٥٦٥]

[560] حضرت محمد بن عمرو سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب حجاج بن یوسف مدینے آیا (اور نمازوں میں تاخیر کرنے لگا) تو ہم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے (اس کی بابت) دریافت کیا، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ نماز ظہر عین دوپہر کے وقت پڑھتے تھے۔ اور نماز عصر ایسے وقت میں ادا کرتے کہ آفتاب صاف ہوتا تھا۔ اور نماز مغرب (اس وقت پڑھتے) جب آفتاب غروب ہو جاتا۔ اور عشاء کی نماز کبھی کسی وقت، کبھی کسی وقت، یعنی جب آپ دیکھتے کہ لوگ جمع ہو گئے ہیں تو جلدی پڑھ لیتے اور جب آپ دیکھتے کہ انھوں نے آنے میں دیر کی ہے تو نماز کو مؤخر کر دیتے۔ اور صبح کی نماز، صحابۂ کرام یا نبی ﷺ اندھیرے میں پڑھتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی شہادت کے بعد 74ھ میں خلیفہ عبدالملک بن مروان نے حجاج بن یوسف کو مدینے کا گورنر تعینات کیا۔ حرمین کا تمام علاقہ اس کے زیر نگیں تھا۔ خلفائے بنوامیہ کو نمازیں دیر سے پڑھنے کی عادت تھی۔ حجاج بھی انھی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے نمازوں کو بہت دیر سے پڑھتا تھا۔ ان حالات کے پیش نظر چند دردمند حضرات نے سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے نمازوں کے اوقات کے متعلق سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ نماز پنجگانہ کن اوقات میں ادا کرتے تھے؟ تو آپ نے یہ حدیث بیان فرمائی۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود صرف نماز مغرب کا وقت بیان کرنا ہے کہ سورج کی ٹکیہ آنکھوں سے اوجھل ہو جائے تو نماز مغرب کا وقت شروع ہو جاتا ہے بشرطیکہ دیکھنے والے اور سورج کے درمیان کوئی رکاوٹ نہ ہو جیسا کہ بعض روایات میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نماز مغرب اس وقت پڑھتے جب سورج غروب ہو جاتا۔[3] واضح رہے کہ نماز عشاء کے وقت تو

---

1 سنن النسائي، المواقيت، حديث: 521. 2 صحيح ابن خزيمة: 174/1، حديث: 339. 3 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 417.

لوگوں کا خیال رکھا جاتا تھا کہ اگر جمع ہو جاتے تو جلدی پڑھ لیتے، بصورت دیگر ان کے آنے کا انتظار کیا جاتا لیکن صبح کے وقت لوگوں کا انتظار نہ ہوتا بلکہ اسے اندھیرے میں پڑھ لیا جاتا تھا۔[1]

٥٦١ - حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ قَالَ: كُنَّا نُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ الْمَغْرِبَ إِذَا تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ.

[561] حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: آفتاب کے غروب ہوتے ہی ہم نبی ﷺ کے ہمراہ نمازِ مغرب ادا کر لیا کرتے تھے۔

فائدہ: نمازمغرب کا وقت غروب آفتاب ہے جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ نماز مغرب اس وقت پڑھی جاتی جب سورج غروب ہو کر پردوں میں چھپ جاتا۔[2] ایک روایت میں ہے کہ مغرب کی نماز کا وقت، اس وقت ہوتا ہے جب آفتاب غروب ہو کر بالکل غائب ہو جائے اور سرخی غائب ہونے تک رہتا ہے۔[3] غروب آفتاب کے بعد مغرب کی جانب کچھ دیر تک سرخی رہتی ہے جو اکثر موسموں میں تقریباً ایک گھنٹے تک افق پر رہتی ہے۔ اس کے ختم ہونے پر مغرب کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

٥٦٢ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ زَيْدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ سَبْعًا جَمِيعًا وَثَمَانِيًا جَمِيعًا. [راجع: ٥٤٣]

[562] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے (مغرب اور عشاء کی) سات رکعات ایک ساتھ اور (ظہر وعصر کی) آٹھ رکعات ایک ساتھ پڑھیں۔

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نماز مغرب عموماً اول وقت ہی پڑھتے تھے۔ بلاوجہ اتنی تاخیر کرنا کہ ستاروں کا جال آسمان پر پھیل جائے، ناپسندیدہ اور مکروہ فعل ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مقصود یہ ہے کہ اگرچہ نماز مغرب کا اوّل وقت سورج غروب ہوتے ہی شروع ہو جاتا ہے، تاہم اگر کسی دینی مصروفیت کی وجہ سے مغرب میں کچھ تاخیر ہو جائے تو اس کی گنجائش ہے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک تفصیلی روایت میں ہے۔ حضرت عبداللہ بن شقیق فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے عصر کے بعد وعظ کہنا شروع کیا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا اور آسمان پر ستارے نکل آئے۔ آپ نے اپنے وعظ کو جاری رکھا۔ حاضرین میں سے کسی نے کہا: الصلاۃ، الصلاۃ، نماز، نماز، یعنی اس کا وقت جا رہا ہے اسے ادا کر لیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے ڈانٹا اور فرمایا کہ ایسے مواقع پر تاخیر کی جا سکتی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر ظہر وعصر کی آٹھ رکعت اور مغرب وعشاء کی سات رکعات ایک ساتھ پڑھی تھیں۔[4] ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مغرب کا وقت غروب آفتاب سے وقت عشاء تک ممتد رہتا ہے۔ اور اس کا آخری وقت عشاء کے اول وقت سے متصل ہے اور

---

1 فتح الباري: 56/2. 2 صحيح مسلم، المساجد، حديث: 1440 (636). 3 صحيح مسلم، المساجد، حديث: 1385 (612).
4 صحيح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 1636 (705).

درمیان میں کوئی فاصلہ نہیں ہے جیسا کہ بعض نے درمیان میں وقت مشترک نکالنے کی کوشش کی ہے۔ واللہ أعلم.

(١٩) بَابُ مَنْ كَرِهَ أَنْ يُقَالَ لِلْمَغْرِبِ: الْعِشَاءُ

باب: 19- جس نے مغرب پر عشاء کا اطلاق مکروہ قرار دیا

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ جس موقف کے متعلق جزم و وثوق نہیں رکھتے، اسے بَابُ مَنْ کے اسلوب سے بیان کرتے ہیں جیسا کہ مذکورہ بالا عنوان کے متعلق انھوں نے انداز اختیار کیا ہے۔ شاید انھوں نے اس عنوان کے تحت آنے والی حدیث کو مطلق نہی پر محمول نہ کیا ہو بلکہ غلبۂ اعراب سے بچنے کے لیے ہو، حالانکہ الفاظ حدیث میں غلبۂ اعراب سے صاف نہی موجود ہے۔

٥٦٣ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ - هُوَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو - قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنِ الْحُسَيْنِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ بُرَيْدَةَ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ الْمُزَنِيُّ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «لَا تَغْلِبَنَّكُمُ الْأَعْرَابُ عَلَى اسْمِ صَلَاتِكُمُ الْمَغْرِبِ» قَالَ: وَتَقُولُ الْأَعْرَابُ: هِيَ الْعِشَاءُ.

[563] حضرت عبداللہ مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''تمھاری مغرب کی نماز کے نام پر بادیہ نشین غالب نہ آجائیں (کیونکہ یہ دیہاتی نماز مغرب کو عشاء کے نام سے یاد کرتے ہیں)۔''

فوائد و مسائل: ① دیہاتی لوگ نام رکھنے میں برعکس طریقہ اختیار کرتے تھے۔ وہ مغرب کو عشاء کا نام دیتے جبکہ مغرب سے غروب کا اول وقت مراد ہوتا ہے اور عشاء رات کے ابتدائی اندھیرے کو کہتے ہیں جو شفق کے غائب ہونے سے شروع ہوتا ہے، یعنی اول وقت کو آخر وقت کا نام دے دینا، بڑے مغالطے میں ڈال دیتا ہے، اس لیے شریعت نے اس کی اصلاح فرمائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مغرب پر عشاء کا اطلاق کسی حدیث سے ثابت نہیں۔ اگر مغرب پر عشاء کا اطلاق کیا جائے تو اندیشہ ہے کہ مغرب کا اول وقت شفق کا غائب ہونا قرار دے دیا جائے۔ یہ اس لیے بھی منع ہے کہ اس کے دو نقصان حسب ذیل ہیں: * اسلامی زبان کی حفاظت نہ ہو سکے گی۔ * احکام میں التباس ہوگا، حالانکہ دونوں کے احکام الگ الگ ہیں۔ اگر احکام میں التباس نہ ہو اور دیہاتی زبان کے غلبے کا بھی اندیشہ نہ ہو تو منع نہیں ہوگا جیسا کہ مغرب کی نماز کو عشاء اولیٰ اور عشاء کو الآخرہ کہا جائے یا تغلیب کے طور پر دونوں کو عِشاءَین کہہ دیا جائے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ احکام شرعیہ کے بیان میں شرعی اصطلاحات کی پابندی کی جائے۔ مغرب کو مغرب ہی کے نام سے یاد کیا جائے، لفظ عشاء کا اس پر اطلاق نہ کیا جائے کیونکہ ایسا کرنے سے اسلامی نام کے مقابلے میں جاہلیت کا نام فروغ پائے گا اور احکام شرعیہ کا بھی التباس ہو جائے گا۔[1]

(٢٠) بَابُ ذِكْرِ الْعِشَاءِ وَالْعَتَمَةِ وَمَنْ رَآهُ وَاسِعًا

باب: 20- عشاء اور عتمہ کا ذکر اور جس نے اس کے متعلق وسعت اختیار کی

[1] فتح الباري: 58/2.

وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «أَثْقَلُ الصَّلَاةِ عَلَى الْمُنَافِقِينَ الْعِشَاءُ وَالْفَجْرُ». وَقَالَ: «لَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي الْعَتَمَةِ وَالْفَجْرِ»، قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: وَالْاِخْتِيَارُ أَنْ يَقُولَ: الْعِشَاءُ، لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَمِنۢ بَعْدِ صَلَوٰةِ ٱلْعِشَآءِ﴾ [النور:٥٨] وَيُذْكَرُ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ: كُنَّا نَتَنَاوَبُ النَّبِيَّ ﷺ عِنْدَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ فَأَعْتَمَ بِهَا. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَّعَائِشَةُ: أَعْتَمَ النَّبِيُّ ﷺ بِالْعِشَاءِ. وَقَالَ بَعْضُهُمْ عَنْ عَائِشَةَ: أَعْتَمَ النَّبِيُّ ﷺ بِالْعَتَمَةِ. وَقَالَ جَابِرٌ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي الْعِشَاءَ. وَقَالَ أَبُوبَرْزَةَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُؤَخِّرُ الْعِشَاءَ. وَقَالَ أَنَسٌ: أَخَّرَ النَّبِيُّ ﷺ الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ. وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ وَأَبُو أَيُّوبَ وَابْنُ عَبَّاسٍ: صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں: ''منافقین پر عشاء اور فجر کی نمازیں تمام نمازوں سے زیادہ گراں ہیں۔'' نیز آپ نے فرمایا: ''اگر انھیں علم ہو جائے کہ عتمہ اور فجر میں کس قدر ثواب ہے (تو ضرور، ان نمازوں میں حاضر ہوں، خواہ انھیں سرینوں کے بل چل کر آنا پڑے)۔'' ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری کہتے ہیں کہ عشاء کو عشاء کہنا ہی بہتر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے (یہی نام لے کر) فرمایا ہے: ''اور نماز عشاء کے بعد.....'' حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، آپ نے فرمایا: ہم نبی ﷺ کی خدمت میں عشاء کی نماز کے وقت باری باری جایا کرتے تھے تو ایک دن آپ نے عتمہ، یعنی تاریکی میں نماز پڑھی۔ حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے عشاء کی نماز عتمہ، یعنی تاریکی میں تاخیر سے پڑھی۔ بعض نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا کہ نبی ﷺ نے عتمہ دیر سے پڑھی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی ﷺ نماز عشاء (مؤخر کر کے) پڑھا کرتے تھے۔ حضرت ابوبرزہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی ﷺ عشاء کی نماز تاخیر سے پڑھا کرتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے دوسری نماز عشاء دیر سے ادا کی۔ حضرت ابن عمر، حضرت ابوایوب اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے عشاء اور مغرب کی نماز پڑھی۔

وضاحت: پہلے عنوان کے تحت شریعت کے اصطلاحی نام میں تبدیلی کا بیان تھا کہ مغرب پر عشاء کا اطلاق مکروہ ہے جبکہ اس باب میں توسع کا ذکر کیا ہے، یعنی عشاء کو عتمہ کہنے کی گنجائش ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مغرب پر کبھی عشاء کا اطلاق نہیں کیا جبکہ عشاء کے لیے بعض مواقع پر عتمہ کا لفظ استعمال کیا ہے، نیز مغرب کو عشاء کہنے سے التباس کا اندیشہ تھا جبکہ عشاء کو عتمہ کہنے میں کوئی شرعی رکاوٹ نہیں کیونکہ عشاء اور عتمہ ایک ہی چیز کے دو نام ہیں، تاہم بہتر ہے کہ عشاء کو عشاء ہی کہا جائے کیونکہ یہی اس کا شرعی اور اصطلاحی نام ہے۔ اس سلسلے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے چند ایک روایات کا حوالہ دیا جنھیں دوسرے مقامات پر صحیح سند کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے: ان تعلیقات سے امام بخاری یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ نماز عشاء کے لیے کبھی عشاء اور کبھی عتمہ ہر دو ناموں کا اطلاق ہوا ہے، اس لیے ایسے ناموں کے اطلاق کی گنجائش ہے جن

سے کسی بڑی غلط فہمی کا اندیشہ نہیں ہے جبکہ مغرب پر عشاء کے اطلاق کی ممانعت تھی کیونکہ اس میں دو باتیں تھیں: ❀ اسلامی اصطلاح کی حفاظت ❀ احکام شرعیہ میں التباس کا اندیشہ۔ نماز عشاء پر عتمہ کے اطلاق میں پہلا سبب تو موجود ہے لیکن دوسرے سبب، یعنی احکام میں التباس کا کوئی اندیشہ نہیں کیونکہ دونوں کا مصداق ایک ہے۔ اس گنجائش کے لیے امام بخاری رحمہ اللہ کے استدلال کی دو بنیادیں ہیں۔ ✱ احادیث میں نماز عشاء کے لیے عتمہ صراحت کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ ❀ بعض احادیث میں نماز عشاء کے لیے لفظ عتمہ بطور نام نہیں بلکہ فعل کے طور پر اس کا اطلاق ہوا ہے، تاہم بہتر ہے کہ اس نماز کے لیے عشاء کا لفظ استعمال کیا جائے اور اسے عتمہ کہنے سے گریز کیا جائے۔ اللہ کی کتاب میں اس کا نام عشاء ہی استعمال ہوا ہے، البتہ یہ لوگ اپنی اونٹنیوں کو دیر سے دوہنے کی وجہ سے اس نماز کو اندھیرے میں پڑھتے ہیں اور اسے عتمہ کہتے ہیں۔[1] دراصل دیہاتی لوگ غرباء اور مساکین کو اپنی خیرات سے محروم رکھنے کے لیے اپنی اونٹنیوں کو رات اندھیرے میں دوہتے تھے، یعنی نماز عشاء کا نام عتمہ رکھنے سے ان کی دنیوی اغراض وابستہ تھیں، اس لیے شریعت نے ایک خاص دینی کام کے لیے لفظ عتمہ کے استعمال کو ناپسند فرمایا ہے اور اسے اس انداز سے استعمال کرنا ممنوع ٹھہرایا ہے کہ اصل نام متروک ہو جائے، البتہ کبھی کبھار اس کے استعمال پر کوئی قدغن نہیں جیسا کہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ''نماز عتمہ'' کو تاخیر سے پڑھتے تھے۔[2] اس سلسلے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے جو تعلیقات پیش کی ہیں انھیں دیگر مقامات میں متصل سند سے بیان کیا ہے، ترتیب کے مطابق تفصیل حسب ذیل ہے:

❀ الأذان، حديث:657. ❀ الأذان، حديث:615. ❀ المواقيت، حديث:567.
❀ المواقيت، حديث:571. ❀ المواقيت، حديث:569. ❀ الأذان، حديث:864.
❀ المواقيت، حديث:565. ❀ المواقيت، حديث:547. ❀ المواقيت، حديث:572.
❀ الحج، حديث:1673. ❀ الحج، حديث:1674. ❀ المواقيت، حديث:543.

٥٦٤ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ سَالِمٌ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللهِ قَالَ: صَلَّى لَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ لَيْلَةً صَلَاةَ الْعِشَاءِ - وَهِيَ الَّتِي يَدْعُو النَّاسُ الْعَتَمَةَ - ثُمَّ انْصَرَفَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فَأَقْبَلَ عَلَيْنَا فَقَالَ: «أَرَأَيْتُمْ لَيْلَتَكُمْ هٰذِهِ، فَإِنَّ رَأْسَ مِائَةِ سَنَةٍ مِّنْهَا لَا يَبْقٰى مِمَّنْ هُوَ عَلٰى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَدٌ». [راجع: ١١٦]

[564] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ایک شب رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز عشاء پڑھائی اور یہ وہی نماز ہے جسے لوگ ''عتمہ'' کہتے تھے، پھر نماز سے فراغت کے بعد ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''کیا تمھیں اس رات کے متعلق خبر دوں، آج جو لوگ روئے زمین پر ہیں، آج سے ایک صدی پوری ہونے تک ان میں سے کوئی باقی نہیں رہے گا۔''

[1] صحيح مسلم، المساجد، حديث :1456(644). [2] صحيح مسلم، المساجد، حديث :1454(643).

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ عشاء کے لیے لفظ ''عتمہ'' بولا جاسکتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، جبکہ مغرب پر لفظ ''عشاء'' درست نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے ایسا ثابت نہیں۔ عشاء کو عتمہ کہنے کے متعلق متقدمین میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ تو عتمہ کہنے والوں پر ناراض ہوتے تھے جبکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جواز منقول ہے۔ بعض حضرات نے اس اطلاق کو خلاف اولیٰ قرار دیا ہے اور یہی راجح ہے۔[1] ② رسول اللہ ﷺ سے نماز عشاء کو عتمہ کہنے کی نہی وارد ہے جبکہ بعض اوقات اس لفظ کو نماز عشاء کے لیے استعمال بھی کیا گیا ہے۔ اس کے درمیان تطبیق کی دو صورتیں ہیں: * نہی تحریم کے لیے نہیں بلکہ تنزیہ کے لیے ہے اور لفظ عتمہ کو عشاء کے لیے استعمال کرنا جائز ہے۔ * لفظ عتمہ ان لوگوں کے سامنے بولا گیا جو عشاء کے نام کو نہیں جانتے تھے اور ان کے ہاں یہ زیادہ مشہور نہ تھا، یعنی عشاء کے لیے عتمہ کا استعمال بطور نام نہیں بلکہ تعارف کے لیے استعمال کیا گیا۔[2]

(٢١) بَابُ وَقْتِ الْعِشَاءِ إِذَا اجْتَمَعَ النَّاسُ أَوْ تَأَخَّرُوا

باب: 21- عشاء کا وقت جب لوگ جمع ہو جائیں (خواہ جلدی آئیں) یا دیر کریں

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ کے قائم کردہ اس عنوان کے متعلق شراح کی مختلف آراء ہیں: * اس موقف کی تردید مقصود ہے کہ اگر عشاء کو جلدی پڑھا جائے تو عشاء اور اگر تاخیر سے ادا کیا جائے تو اسے عتمہ کہا جائے گا۔[3] * پسندیدہ وقت کا بیان کرنا مقصود ہے کہ اگر نمازی جمع ہو جائیں تو اول وقت میں اسے ادا کرنا پسندیدہ ہے اور اگر جمع ہونے میں دیر کریں تو تاخیر سے پڑھنا بہتر ہے۔ * نماز عشاء اور نماز مغرب میں فرق بیان کرنا مقصود ہے کہ نماز مغرب کو تو اول وقت ادا کر لینا چاہیے، البتہ بوقت ضرورت اسے مؤخر کیا جاسکتا ہے لیکن اس کے برعکس نماز عشاء کا ایک وقت نہیں بلکہ اول وقت پڑھنا بھی صحیح ہے اور تہائی رات یا نصف رات تک مؤخر کرنا بھی درست ہے۔

٥٦٥ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو - هُوَ ابْنُ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ - قَالَ: سَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ عَنْ صَلَاةِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ، وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ، وَالْمَغْرِبَ إِذَا وَجَبَتْ، وَالْعِشَاءَ إِذَا كَثُرَ النَّاسُ عَجَّلَ، وَإِذَا قَلُّوا أَخَّرَ، وَالصُّبْحَ بِغَلَسٍ. [راجع: ٥٦٠]

[565] حضرت محمد بن عمرو رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے نبی ﷺ کی نمازوں کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: نبی ﷺ ظہر کی نماز عین دوپہر کے وقت پڑھتے تھے اور عصر ایسے وقت میں پڑھ لیتے کہ سورج ابھی تاب دار (روشن) ہوتا، نماز مغرب غروب آفتاب کے فوراً بعد پڑھ لیتے اور عشاء کی نماز کے لیے اگر اکثر مقتدی آجاتے تو جلدی پڑھ لیتے اور اگر حاضرین کی تعداد کم ہوتی تو مؤخر کر دیتے اور نماز صبح اندھیرے میں پڑھتے تھے۔

1 فتح الباري: 60/2. 2 شرح النووي: 208/4. 3 فتح الباري: 63/2. 4 عمدة القاري: 88/4.

فائدہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ اول وقت میں نماز ادا کی جائے تو بھی عشاء اور اگر آخر وقت میں ادا کی جائے تب بھی، یعنی تقدیم و تاخیر سے اس کے نام میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی، نیز عشاء کے لیے اول و آخر دونوں وقت پسندیدہ ہیں۔ اس میں نمازی حضرات کا خیال رکھنا ہوگا، اگر وہ جلدی آجائیں تو اول وقت میں اسے پڑھ لیا جائے، بصورت دیگر کچھ مؤخر کر دیا جائے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ نمازیوں کی سہولت اور انتظامی امور کے لیے جو اوقات مقرر کیے جاتے ہیں وہ صحیح نہیں بلکہ اگر اوقات مقرر نہ ہوں تو نمازیوں کے لیے پریشانی میں اضافے کا باعث ہے۔ البتہ امام بخاری ؒ اس حدیث کے پیش نظر یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں نماز عشاء کے لیے اول وقت کا انتخاب نہیں تھا بلکہ حسب ضرورت اس میں تقدیم و تاخیر کی جاتی تھی، چنانچہ علامہ کرمانی ؒ فرماتے ہیں کہ نماز عشاء کے لیے لوگوں کے جمع ہونے کا انتظار کرنا مستحب ہے اور جب جمع ہو جائیں تو بلاوجہ تاخیر کرنا مکروہ ہے۔[1] نماز عشاء کی تاخیر کے متعلق کہ اسے تہائی رات، نصف رات یا طلوع فجر تک مؤخر کیا جا سکتا ہے، اس کا بیان آئندہ آئے گا۔ بإذن الله.

(۲۲) بَابُ فَضْلِ الْعِشَاءِ

٥٦٦ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ قَالَتْ: أَعْتَمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَيْلَةً بِالْعِشَاءِ، وَذٰلِكَ قَبْلَ أَنْ يَفْشُوَ الْإِسْلَامُ فَلَمْ يَخْرُجْ حَتّٰى قَالَ عُمَرُ: نَامَ النِّسَاءُ وَالصِّبْيَانُ، فَخَرَجَ فَقَالَ لِأَهْلِ الْمَسْجِدِ: مَا يَنْتَظِرُهَا أَحَدٌ مِّنْ أَهْلِ الْأَرْضِ غَيْرُكُمْ. [انظر: ٥٦٩، ٨٦٢، ٨٦٤]

باب: 22- نماز عشاء کی فضیلت

[566] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ایک بار رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی نماز میں دیر فرمائی، یہ اسلام کے پھیلنے سے پہلے کا واقعہ ہے، چنانچہ آپ گھر سے نہیں نکلے تا آنکہ حضرت عمر ؓ نے عرض کیا کہ عورتوں اور بچوں کو نیند آ رہی ہے۔ پھر آپ تشریف لائے اور اہل مسجد سے فرمایا: ''روئے زمین پر تمھارے علاوہ اور کوئی اس نماز کا انتظار نہیں کر رہا۔''

فوائد و مسائل: ① حافظ ابن حجر ؒ کہتے ہیں کہ اس روایت سے نماز عشاء کے متعلق کوئی خاص فضیلت ثابت نہیں ہوتی، البتہ انتظار عشاء کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔ اس صورت میں مضاف حذف ہوگا، یعنی عنوان میں نماز عشاء کی فضیلت کے بجائے نماز عشاء کے انتظار کی فضیلت ہونا چاہیے۔[2] واضح رہے کہ انتظار کی فضیلت بیان کرنے کے لیے امام بخاری ؒ نے آئندہ ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے کہ جو شخص مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھا رہتا ہے۔ (الأذان باب: 36) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ فرماتے ہیں کہ حسب ارشاد نبوی یہ وقت اس امت کے ساتھ مخصوص ہے، لہٰذا یہی نماز عشاء کی فضیلت ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ انتظار مسجد نبوی میں نماز پڑھنے والے صحابۂ کرام ؓ کے ساتھ مخصوص ہو کیونکہ یہ اسلام کا ابتدائی دور تھا اور مدینے

1 شرح الكرماني: 2/209. 2 فتح الباري: 2/67.

میں چند ایک مقامات پر نماز پڑھی جاتی تھی اور وہ شفق غائب ہونے کے بعد اول وقت میں پڑھ کر سو جاتے تھے لیکن عنوان کے ساتھ پہلی توجیہ زیادہ موزوں ہے۔ (شرح تراجم بخاري) علاوہ ازیں انتظار کی فضیلت تو ہر ایک نماز کے لیے ہے، اس میں نماز عشاء کی الگ کوئی خصوصیت نہیں۔ ② اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''روئے زمین پر تمھارے علاوہ اور کوئی اس نماز کا انتظار نہیں کر رہا۔'' اس حصر کے متعلق مختلف توجیہات حسب ذیل ہیں: * یہ حصر اہل کتاب کے اعتبار سے ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ تم ایسی نماز کے منتظر ہو کہ تمھارے علاوہ اور کسی دین والے اس کے منتظر نہیں ہیں۔[1] * یہ حصر مدینہ منورہ کے اطراف کے اعتبار سے ہے کیونکہ مکہ مکرمہ میں لوگ چھپ کر نمازیں پڑھتے تھے اور مدینے کے علاوہ دوسرے مقامات پر ابھی اسلام پھیلا نہیں تھا، یعنی اس مخصوص ہیئت کے ساتھ صرف مدینہ منورہ میں نماز پڑھی جاتی تھی۔ * یہ حصر مسجد نبوی کے اعتبار سے ہے کہ دوسری مساجد میں نماز عشاء بلا تاخیر اول وقت میں ہو جاتی تھی، صرف مسجد نبوی میں مخصوص حالات کے پیش نظر تاخیر سے ادا کی جاتی تھی۔ ③ ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے نماز عشاء کے لیے غیر معمولی تاخیر فرمائی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ باآواز بلند کہنے لگے کہ نماز کے لیے جو بچے اور عورتیں حاضر ہیں انھیں نیند آنے لگی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ انداز پسند نہ آیا، چنانچہ آپ نے فرمایا کہ تمھیں رسول اللہ ﷺ سے اس طرح اصرار نہیں کرنا چاہیے، گویا تاخیر کسی مجبوری یا مصلحت کی بنا پر تھی۔[2] الغرض اس نماز کی فضیلت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خصوصی طور پر مسلمانوں کو اس نماز سے مشرف فرمایا ہے، اس کا وقت بڑا وسیع ہے، مصروفیات سے فراغت اور خلوت کے خصوصی مواقع میسر فرمائے ہیں، گویا اہل اسلام کی خصوصیت اور ان کی امتیازی علامت ہے، اس لیے انھیں اس کا خصوصی اہتمام کرنا چاہیے۔

٥٦٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسٰى قَالَ: كُنْتُ أَنَا وَأَصْحَابِيَ الَّذِينَ قَدِمُوا مَعِي فِي السَّفِينَةِ نُزُولًا فِي بَقِيعِ بُطْحَانَ - وَالنَّبِيُّ ﷺ بِالْمَدِينَةِ - فَكَانَ يَتَنَاوَبُ النَّبِيَّ ﷺ عِنْدَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ كُلَّ لَيْلَةٍ نَفَرٌ مِّنْهُمْ، فَوَافَقْنَا النَّبِيَّ ﷺ أَنَا وَأَصْحَابِي وَلَهُ بَعْضُ الشُّغْلِ فِي بَعْضِ أَمْرِهِ، فَأَعْتَمَ بِالصَّلَاةِ حَتّٰى ابْهَارَّ اللَّيْلُ، ثُمَّ خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ فَصَلّٰى بِهِمْ، فَلَمَّا قَضٰى صَلَاتَهُ قَالَ لِمَنْ حَضَرَهُ: «عَلٰى رِسْلِكُمْ، أَبْشِرُوا، إِنَّ مِنْ نِّعْمَةِ اللهِ عَلَيْكُمْ أَنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ

[567] حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں اور میرے وہ رفقاء جو میرے ساتھ کشتی میں آئے تھے، وادی بُطحان میں پڑاؤ کیے ہوئے تھے جبکہ نبی ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف فرما تھے، چنانچہ ہر رات عشاء کی نماز کے لیے چند آدمی نبی ﷺ کی خدمت میں باری باری حاضر ہوتے۔ ایک دن میں اور میرے ساتھی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ اس دن کسی کام میں مصروف تھے اور آپ نے نماز عشاء میں اس قدر تاخیر فرمائی کہ آدھی رات ہو گئی۔ آخر نبی ﷺ باہر تشریف لائے اور نماز پڑھائی۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ نے حاضرین سے فرمایا: ''ذرا ٹھہرو، تمھیں مبارک ہو کیونکہ تم پر اللہ کی

1 صحيح مسلم، المساجد، حديث :1446(639). 2 صحيح مسلم، المساجد، حديث :1443(638).

مِّنَ النَّاسِ يُصَلِّي هٰذِهِ السَّاعَةَ غَيْرُكُمْ - أَوْ قَالَ: - مَا صَلَّى هٰذِهِ السَّاعَةَ أَحَدٌ غَيْرُكُمْ» - لَا يَدْرِي أَيَّ الْكَلِمَتَيْنِ قَالَ - قَالَ أَبُو مُوسٰى: فَرَجَعْنَا فَرْحٰى بِمَا سَمِعْنَا مِنْ رَّسُولِ اللهِ ﷺ.

یہ نعمت ہے کہ اس وقت تمھارے علاوہ لوگوں میں سے اور کوئی نماز نہیں پڑھ رہا۔" یا فرمایا: "اس وقت تمھارے سوا کسی نے یہ نماز نہیں پڑھی۔" معلوم نہیں آپ نے ان دو باتوں میں سے کون سی بات ارشاد فرمائی۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری کہتے ہیں: ہم لوگ رسول اللہ ﷺ سے یہ بات سن کر بہت خوش ہوئے اور خوشی خوشی واپس آئے۔

فوائد و مسائل: ① مسجد نبوی میں نماز عشاء سے متعلق متعدد واقعات مختلف اوقات میں پیش آئے: حضرت عائشہ ؓ کا بیان کردہ واقعہ آغاز اسلام میں پیش آیا جیسا کہ سابقہ حدیث میں اس کی وضاحت ہے۔ اس کے کافی عرصے بعد حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ اور ان کے رفقاء کا مذکورہ واقعہ پیش آیا کیونکہ وہ یمن سے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کے لیے نکلے تھے مگر سمندری سفر کے دوران میں انھیں تیز آندھی نے حبشہ پہنچا دیا۔ وہاں سات سال حضرت جعفر طیار ؓ کے ہمراہ قیام فرمایا، پھر وہاں ان کی معیت میں مدینہ منورہ پہنچے اور وادئ بطحان میں پڑاؤ کیا۔ وہاں سے باری باری کچھ افراد ہر رات عشاء کے وقت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ مذکورہ واقعہ اسی دور کا ہے۔[1] اس کے بعد اسی طرح کا ایک اور واقعہ پیش آیا جسے حضرت ابن عباس ؓ بیان کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس ؓ ہجرت کے آٹھویں سال مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئے تھے۔ ظاہر ہے ان کا چشم دید واقعہ حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ کے واقعے کے بعد پیش آیا ہوگا۔[2] ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز عشاء میں تاخیر مسجد نبوی ہی میں ہوا کرتی تھی کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مختلف اطراف سے علوم دینیہ کی تحصیل کے لیے حضرات صحابۂ کرام ؓ آتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی ہمہ وقت مشغولیت اور شبانہ روز تعلیم و تربیت کے اہتمام کی وجہ سے نماز عشاء میں تاخیر ہو جاتی ہوگی۔ ظاہر ہے کہ اتنی تاخیر کی ضرورت مسجد نبوی کے علاوہ کسی اور مسجد میں پیش نہیں آتی ہوگی۔ واللہ أعلم۔ ② بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز عشاء کے متعلق یہ غیر معمولی تاخیر کسی لشکر کی ترتیب کی بنا پر تھی۔ بہر حال جب آپ نے آدھی رات کے بعد نماز عشاء پڑھائی تو آپ نے حاضرین کو خوشخبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ کا خاص احسان ہے کہ اس وقت تمھارے علاوہ کوئی بھی نماز پڑھنے والا نہیں ہے، یعنی تمھارا انتظار اسلام کی ایک مخصوص اور امتیازی نماز کے لیے تھا، اس لیے یہ اجر و ثواب سے خالی نہیں بلکہ اس میں تمھارے لیے بہت بڑا اجر ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی بات سن کر اس قدر خوش ہو کر واپس ہوئے جس کی انتہا نہیں کیونکہ ہمیں نماز عشاء کے عمل اور اس کے انتظار پر رسول اللہ ﷺ نے خوش خبری سنائی تھی۔

(٢٣) بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ النَّوْمِ قَبْلَ الْعِشَاءِ

باب:23- عشاء سے پہلے سونا مکروہ ہے

وضاحت: حضرت عبداللہ بن مبارک ؒ فرماتے ہیں کہ اکثر احادیث نماز عشاء سے قبل سونے کی کراہت پر دلالت

1 صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4230. 2 صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، حديث: 571.

کرتی ہیں مگر بعض اہل علم نے رمضان المبارک میں عشاء سے قبل سونے کی اجازت دی ہے۔[1] شاید امام بخاری رحمہ اللہ نے ان حضرات کی تردید کے لیے یہ عنوان قائم کیا ہے۔

٥٦٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ عَنْ أَبِي الْمِنْهَالِ، عَنْ أَبِي بَرْزَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَ الْعِشَاءِ وَالْحَدِيثَ بَعْدَهَا. [راجع: ٥٤١]

[568] حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عشاء سے پہلے سونے اور اس کے بعد گفتگو کرنے کو ناپسند فرماتے تھے۔

فائدہ: محدثین کرام نے اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عشاء سے پہلے سونے کی کراہت اسی صورت میں ہے جب نماز باجماعت فوت ہونے کا اندیشہ ہو، ہر شخص کے لیے ہر حال میں عشاء سے پہلے سونا مکروہ نہیں۔ اگر کسی شخص کو اپنی نیند پر قابو ہے یا اس نے وقت پر بیدار ہونے کا انتظام کر رکھا ہے یا ایسی جگہ سو رہا ہے جہاں لوگ اسے خود ہی اٹھا دیں گے یا کوئی شخص اضطراری طور پر سو جائے تو اس کے لیے عشاء سے قبل سونا مکروہ نہیں جیسا کہ آئندہ باب میں اس کے متعلق مزید وضاحت ہوگی۔

(٢٤) بَابُ النَّوْمِ قَبْلَ الْعِشَاءِ لِمَنْ غُلِبَ

باب: 24- نیند کا غلبہ ہونے کی صورت میں عشاء سے پہلے سونا

٥٦٩ - حَدَّثَنَا أَيُّوبُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرٍ عَنْ سُلَيْمَانَ: قَالَ صَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ: أَعْتَمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِالْعِشَاءِ حَتَّى نَادَاهُ عُمَرُ: اَلصَّلَاةَ، نَامَ النِّسَاءُ وَالصِّبْيَانُ، فَخَرَجَ فَقَالَ: «مَا يَنْتَظِرُهَا أَحَدٌ مِّنْ أَهْلِ الْأَرْضِ غَيْرُكُمْ». قَالَ وَلَا تُصَلَّى يَوْمَئِذٍ إِلَّا بِالْمَدِينَةِ؛ قَالَ: وَكَانُوا يُصَلُّونَ الْعِشَاءَ فِيمَا بَيْنَ أَنْ يَغِيبَ الشَّفَقُ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ الْأَوَّلِ. [راجع: ٥٦٦]

[569] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، آپ نے فرمایا: ایک رات رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی نماز میں تاخیر کر دی یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو بآواز بلند کہا: (یا رسول اللہ!) نماز (پڑھا دیں)، عورتیں اور بچے سو گئے ہیں، چنانچہ آپ باہر تشریف لائے اور فرمایا: "تمھارے علاوہ اہل زمین میں سے کوئی اس نماز کا انتظار نہیں کر رہا۔" راوی کہتا ہے کہ ان دنوں مدینے کے علاوہ کسی اور جگہ نماز نہیں ہوتی تھی، نیز صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم عشاء کی نماز شفق غائب ہونے کے بعد رات کی پہلی تہائی تک پڑھ لیتے تھے۔

فائدہ: پہلے باب میں عشاء سے قبل سونے کے متعلق کراہت کا بیان تھا۔ اس باب میں ان حالات کی طرف اشارہ مقصود

---

1 جامع الترمذي، الصلاة، بعد حديث: 168.

ہے جن میں سونے کی اجازت ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی نیند کے ہاتھوں مغلوب ہو جائے، یعنی اس کے اختیار کا کوئی دخل نہ ہو تو وہ معذور ہے۔ اس کے علاوہ درج ذیل صورتوں میں بھی عشاء سے قبل سونے کی اجازت ہے: * ایسی جگہ سو جائے کہ جہاں اسے یقیناً اٹھا دیا جائے گا، مثلاً: مسجد میں نماز کے انتظار میں سونا۔ * سونے سے بیداری کا کوئی انتظام کر دیا جائے، مثلاً: کسی کو مقرر کر دینا کہ وہ نماز کے وقت اٹھا دے گا یا الارم لگا کر سو جائے۔ * جسے اپنی عادت پر پورا اعتماد ہو کہ ضرورت کے وقت آنکھ کھل جائے گی۔ مقصد یہ ہے کہ اگر نماز باجماعت فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو سونے میں کوئی حرج نہیں۔

٥٧٠ - حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي نَافِعٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ شُغِلَ عَنْهَا لَيْلَةً فَأَخَّرَهَا حَتَّى رَقَدْنَا فِي الْمَسْجِدِ، ثُمَّ اسْتَيْقَظْنَا، ثُمَّ رَقَدْنَا، ثُمَّ اسْتَيْقَظْنَا، ثُمَّ خَرَجَ عَلَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ ثُمَّ قَالَ: «لَيْسَ أَحَدٌ مِّنْ أَهْلِ الْأَرْضِ يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ غَيْرُكُمْ». وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا يُبَالِي أَقَدَّمَهَا أَمْ أَخَّرَهَا إِذَا كَانَ لَا يَخْشَى أَنْ يَغْلِبَهُ النَّوْمُ عَنْ وَقْتِهَا وَكَانَ يَرْقُدُ قَبْلَهَا.

[570] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کو ایک رات عشاء کی نماز کے وقت کوئی ضرورت پیش آگئی تو آپ نے نماز کو مؤخر کر دیا یہاں تک کہ ہم لوگ مسجد میں سو گئے، پھر بیدار ہوئے، پھر سو گئے، پھر بیدار ہوئے۔ بعد ازاں نبی ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: ''اہل زمین میں کوئی تمھارے علاوہ اس نماز کا انتظار نہیں کر رہا۔'' حضرت ابن عمر ؓ اس بات کی پروا نہیں کرتے تھے کہ عشاء کی نماز جلدی پڑھیں یا دیر سے ادا کریں جب انھیں یقین ہوتا کہ نیند سے مغلوب نہیں ہوں گے۔ اور وہ نماز سے پہلے سو جاتے تھے۔

٥٧١ - قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ: قُلْتُ لِعَطَاءٍ فَقَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ: أَعْتَمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَيْلَةً بِالْعِشَاءِ حَتَّى رَقَدَ النَّاسُ وَاسْتَيْقَظُوا، وَرَقَدُوا وَاسْتَيْقَظُوا؛ فَقَامَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ: اَلصَّلَاةَ. قَالَ عَطَاءٌ: قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَخَرَجَ نَبِيُّ اللهِ ﷺ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ الْآنَ يَقْطُرُ رَأْسُهُ مَاءً وَّاضِعًا يَدَهُ عَلَى رَأْسِهِ، فَقَالَ: «لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ أَنْ يُّصَلُّوهَا هٰكَذَا». فَاسْتَثْبَتُّ عَطَاءً: كَيْفَ وَضَعَ النَّبِيُّ ﷺ يَدَهُ عَلَى رَأْسِهِ كَمَا أَنْبَأَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ؟ فَبَدَّدَ لِي عَطَاءٌ بَيْنَ أَصَابِعِهِ شَيْئًا مِّنْ تَبْدِيدٍ، ثُمَّ وَضَعَ

[571] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ایک رات نماز عشاء میں تاخیر فرمائی یہاں تک کہ لوگ سو گئے، پھر بیدار ہوئے، پھر سو گئے، پھر بیدار ہوئے۔ اس کے بعد حضرت عمر ؓ نے کھڑے ہو کر نماز کے لیے کہا۔ بعد ازاں نبی ﷺ تشریف لائے۔ گویا میں اس وقت بھی آپ کو دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا۔ آپ اپنے ہاتھ کو سر پر رکھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''اگر میں اپنی امت پر گراں خیال نہ کرتا تو یہ حکم دیتا کہ وہ اسی وقت یہ نماز پڑھا کریں۔'' راوی کہتا ہے: میں نے حضرت عطاء سے بطور تحقیق پوچھا کہ نبی ﷺ نے حضرت ابن عباس ؓ کے بیان کے مطابق اپنا ہاتھ اپنے سر پر کس طرح رکھا تھا؟ تو حضرت عطاء نے اپنی

أَطْرَافَ أَصَابِعِهِ عَلٰى قَرْنِ الرَّأْسِ، ثُمَّ ضَمَّهَا يُمِرُّهَا كَذٰلِكَ عَلَى الرَّأْسِ حَتّٰى مَسَّتْ إِبْهَامُهُ طَرَفَ الْأُذُنِ مِمَّا يَلِي الْوَجْهَ عَلَى الصُّدْغِ وَنَاحِيَةِ اللِّحْيَةِ، لَا يُقَصِّرُ وَلَا يَبْطُشُ إِلَّا كَذٰلِكَ، وَقَالَ: «لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلٰى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ أَنْ يُصَلُّوهَا هٰكَذَا». [انظر: ٧٢٣٩]

انگلیاں قدرے کشادہ کیں، پھر انگلیوں کے کنارے سر کے کونے پر رکھے، پھر انگلیوں کو سر پر اس طرح کھینچا کہ انگوٹھے نے کانوں کے اس کنارے کو مس کیا جو کنپٹی اور داڑھی کے کونے پر چہرے کے قریب ہے۔ نہ آپ اس میں کمی کر رہے تھے اور نہ مضبوط پکڑ رہے تھے، بس ایسے کر رہے تھے جیسے میں کہہ رہا ہوں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں اپنی امت پر گراں نہ سمجھتا تو انھیں حکم دیتا کہ وہ عشاء کی نماز اسی وقت پڑھا کریں۔''

فوائد و مسائل: ① حضرت ابن عمر ؓ کی روایت کے پیش نظر بعض حضرات کا خیال ہے کہ نیند سے وضو نہیں ٹوٹتا کیونکہ حضرت ابن عمر ؓ کہتے ہیں کہ ہم مسجد میں سو گئے اور اس کے بعد وضو کرنے کا ذکر نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے وہ اس انداز سے زمین پر جم کر بیٹھنے کی حالت میں سوئے ہوں کہ خروج ریح کا امکان نہ ہو یا وہ لیٹ کر سوئے ہوں، پھر بیدار ہونے کے بعد وضو کر کے نماز میں شمولیت اختیار کی ہو۔ اگرچہ روایت میں وضو کرنے کا ذکر نہیں ہے لیکن صحابۂ کرام ؓ کی عادت تھی کہ وہ وضو کے بغیر نماز نہیں پڑھتے تھے۔[1] ② امام بخاری ؒ نے مذکورہ ہر دو روایات سے ثابت کیا ہے کہ نماز سے پہلے غیر اختیاری نیند مکروہ نہیں۔ اختیاری حالات میں نماز عشاء سے پہلے اس وقت سونا مکروہ ہے جب نماز کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ اگر کسی نے بیداری کا بندوبست کر رکھا ہو تو اس کے لیے نماز سے پہلے سونا کسی صورت میں ناپسندیدہ نہیں جیسا کہ حضرت ابن عمر ؓ نماز عشاء سے پہلے بعض اوقات سو جاتے اور اپنے اہل خانہ کو کہہ دیتے کہ مجھے نماز کے وقت بیدار کر دیا جائے۔ حدیث ابن عباس سے عنوان اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں تشریف لانے کے بعد سونے والوں پر کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ آپ کی طرف سے انتظار کرنے کی تعریف کی گئی۔ واضح رہے کہ رسول اللہ ﷺ کا انتظار کرتے کرتے کچھ لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے، البتہ حضرت عثمان بن مظعون ؓ اور ان کے ساتھ تقریباً سولہ آدمی مسجد میں رسول اللہ ﷺ کے منتظر رہے۔[2]

(٢٥) بَابُ وَقْتِ الْعِشَاءِ إِلٰى نِصْفِ اللَّيْلِ

باب: 25- عشاء کا وقت نصف رات تک ہے

وَقَالَ أَبُو بَرْزَةَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَسْتَحِبُّ تَأْخِيرَهَا.

حضرت ابو برزہ اسلمی ؓ کہتے ہیں: نبی ﷺ عشاء کی نماز تاخیر سے پڑھنا پسند کرتے تھے۔

وضاحت: حضرت ابو برزہ اسلمی ؓ سے مروی حدیث: (547) پہلے موصولاً بیان ہو چکی ہے لیکن اس میں نصف رات تک تاخیر کی صراحت نہیں ہے، البتہ دیگر احادیث میں کم از کم ایک تہائی رات اور زیادہ سے زیادہ نصف تک تاخیر منقول ہے اور امام

1 فتح الباري: 67/2. 2 فتح الباري: 68/2.

بخاری رحمہ اللہ نے بھی یہی موقف اختیار کیا ہے۔ طلوع فجر تک کے جواز کے لیے کوئی صحیح اور صریح حدیث مروی نہیں۔[1]

٥٧٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحِيمِ الْمُحَارِبِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: أَخَّرَ النَّبِيُّ ﷺ صَلَاةَ الْعِشَاءِ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ، ثُمَّ صَلَّى، ثُمَّ قَالَ: «قَدْ صَلَّى النَّاسُ وَنَامُوا، أَمَا إِنَّكُمْ فِي صَلَاةٍ مَّا انْتَظَرْتُمُوهَا».

وَزَادَ ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ قَالَ: حَدَّثَنِي حُمَيْدٌ؛ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسًا قَالَ: كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى وَبِيصِ خَاتَمِهِ لَيْلَتَئِذٍ. [انظر: ٦٠٠، ٦٦١، ٨٤٧، ٥٨٦٩]

[572] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے عشاء میں ایک مرتبہ نصف رات تک تاخیر فرمائی۔ پھر اسے ادا کیا اور فرمایا: ''لوگوں نے نماز پڑھ لی اور سو گئے لیکن تم لوگ جب تک نماز کا انتظار کرتے رہے ہو، نماز ہی میں رہے ہو۔''

ابن ابی مریم راوی نے اپنی سند کے ساتھ یہ اضافہ بیان کیا ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: گویا میں اب بھی رسول اللہ ﷺ کی اس شب والی انگوٹھی کی چمک دیکھ رہا ہوں۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک عشاء کی نماز کا وقت نصف رات تک ہے۔ اور یہ وقت جواز ہے، وقت مختار نہیں۔ نصف رات کے بعد عشاء قضا ہو جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان اور اس کے تحت بیان کی گئی احادیث میں کوئی ایسی چیز ذکر نہیں کی جس سے عشاء کے وقت کا صبح صادق تک ہونا معلوم ہو۔ سرزمین حجاز کے نامور عالم دین شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عشاء کی نماز کا وقت غروب شفق سے نصف رات تک ہے۔ اس کا وقت طلوع فجر تک نہیں رہتا کیونکہ یہ ظاہر قرآن کے خلاف ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''زوال آفتاب سے رات کے اندھیرے تک نماز پڑھیں۔''[2] اس میں باری تعالیٰ نے چار نمازوں کا ذکر کیا ہے: ظہر و عصر، مغرب اور عشاء۔ اگر عشاء کا وقت طلوع فجر تک ہوتا تو اس مقام پر طلوع فجر تک الفاظ استعمال کیے جاتے۔ پھر احادیث میں صراحت ہے کہ عشاء کا وقت نصف شب تک ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نماز عشاء کا وقت نصف رات تک ہے۔''[3] اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ عشاء کی نماز نصف رات ادا تک کی جا سکتی ہے۔ (رسالہ مواقیت الصلاۃ) ② حدیث میں ہے کہ جب تک تم نماز کے انتظار میں رہو گے تمھارا وقت نماز ہی میں شمار ہوگا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعت سے پہلے مسجد میں جا کر وہاں انتظار نماز میں بیٹھنے کی بھی فضیلت ہے لیکن بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک نماز سے فارغ ہو کر دوسری نماز کے انتظار کرنے میں بھی بڑی فضیلت ہے۔ اس سے مراد صرف قلبی تعلق ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کو اپنے عرش کے سائے تلے جگہ دے گا جس کا دل مسجد میں لٹکا ہوا ہے۔[4] اور مومن کی شان بھی یہی ہے کہ ہر وقت اس کا خیال نماز اور مسجد کی طرف رہے۔ اگر مسجد اور نماز میں اس کا دل باہر کی چیزوں میں لگا ہوا ہے تو ایسی نماز اور مسجد میں انتظار بے سود ہے۔

---

1 فتح الباري: 69/2. 2 الأسراء17:78. 3 صحيح مسلم، المساجد، حديث: 1386(612). 4 صحيح البخاري، الأذان، حديث: 660.

اور اگر کسی کو دونوں باتیں میسر ہوں کہ قلب و جسم دونوں مسجد میں ہوں تو نور علی نور ہے۔ ③ امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث کے آخر میں ابن ابی مریم کے حوالے سے ایک تعلیق بھی ذکر کی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ حمید الطویل کا سماع حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ثابت کیا جائے کیونکہ اس نے پہلے ''عن'' کے صیغے سے حدیث بیان کی تھی۔ اس تعلیق کو ابو طاہر مخلص نے اپنے ''فوائد'' کے پہلے جز میں موصولاً بیان کیا ہے۔[1]

(٢٦) بَابُ فَضْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ

٥٧٣ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا قَيْسٌ عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِاللهِ: كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ إِذْ نَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ فَقَالَ: «أَمَا إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هٰذَا لَا تُضَامُونَ - أَوْ لَا تُضَاهُونَ - فِي رُؤْيَتِهِ، فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَّا تُغْلَبُوا عَلٰى صَلَاةٍ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا فَافْعَلُوا». ثُمَّ قَالَ: (فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا). [راجع: ٥٥٤]

باب:26-نماز فجر کی فضیلت

[573] حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم لوگ نبی ﷺ کے پاس تھے کہ آپ نے چودھویں رات کے چاند کی طرف دیکھا، پھر فرمایا: ''تم قیامت کے دن اپنے پروردگار کو اسی طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو، تمھیں کوئی دشواری یا اشتباہ نہیں ہوگا، لہٰذا اگر تم پابندی کر سکتے ہو تو طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے نمازوں سے مغلوب نہ ہو جاؤ، یعنی پابندی سے انھیں ادا کر سکو تو ضرور کرو۔'' پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو، یعنی نماز پڑھو۔''

فائدہ: یہ روایت (554) پہلے گزر چکی ہے۔ وہاں الفاظ کا اختلاف نہیں تھا۔ اس روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لَاتُضَامُونَ یالَاتُضَاهُونَ کے الفاظ ذکر فرمائے۔ لاتضامون اگر ''ضم'' سے مشتق ہے تو اس کے معنی ہوں گے: تم ایک دوسرے پر ازدحام (بھیڑ) نہیں کرو گے۔ اور اگر اس کا اشتقاق ''ضیم'' سے ہے تو معنی یہ ہیں کہ تم ایک دوسرے پر ظلم نہیں کرو گے۔ اور اگر ''تضاھون'' ہے تو اس کے معنی اشتباہ کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہر شخص بغیر ازدحام، بغیر پریشانی اور بغیر کسی قسم کے اشتباہ کے اپنی جگہ پر رہتے ہوئے رؤیت باری تعالیٰ سے شرف یاب ہوگا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اس شرف کو حاصل کرنے کے لیے اگر ہو سکے تو طلوع و غروب سے پہلے کی نمازوں کی پابندی کرو۔ اس سے مراد فجر اور عصر کی نماز ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں صراحت ہے۔[2] اس سے نماز فجر کی فضیلت معلوم ہوگئی کہ یہ اتنی اہم نماز ہے جس کی پابندی رؤیت باری تعالیٰ جیسی عظیم نعمت کے حصول میں مؤثر ہے۔

---

1 فتح الباري: 70/2. 2 صحيح مسلم، المساجد، حديث: 1434(633).

٥٧٤ - حَدَّثَنَا هُدْبَةُ بْنُ خَالِدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو جَمْرَةَ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَبِي مُوسَى، عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَنْ صَلَّى الْبَرْدَيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ». وَقَالَ ابْنُ رَجَاءٍ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ أَبِي جَمْرَةَ أَنَّ أَبَا بَكْرِ بْنَ عَبْدِاللهِ بْنِ قَيْسٍ أَخْبَرَهُ بِهٰذَا. حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ عَنْ حَبَّانَ قَالَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو جَمْرَةَ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مِثْلَهُ.

[574] حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص دو ٹھنڈے وقتوں کی نمازوں کو پابندی سے ادا کرے گا، وہ جنت میں جائے گا۔'' اس روایت کو ابن رجاء نے بھی بواسطہ ہمام بیان کیا ہے، نیز اسحاق نے بواسطہ حبان عن ہمام بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی۔

فوائد و مسائل: ① دو ٹھنڈے وقتوں کی نمازوں سے مراد فجر اور عصر کی نمازیں ہیں کیونکہ حدیث جریر رضی اللہ عنہ میں قبل از طلوع آفتاب اور قبل از غروب آفتاب کی نمازوں کی پابندی کا ذکر ہے، پھر صحیح مسلم میں عصر اور فجر کی صراحت بھی ہے۔ یہ نمازیں دن کے دونوں طرف واقع ہیں۔ ان کے اوقات میں ہوا بہت خوشگوار ہوتی ہے اور گرمی کا جوش بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ پھر ان دونوں وقتوں میں ایک وقت آرام اور سکون کا ہوتا ہے اور دوسرا وقت کثرت مشاغل کا، اس لیے ان نمازوں کی پابندی پر جنت کی بشارت دی گئی ہے کہ جو ان اوقات میں بھی پابندی کرے گا، وہ دوسرے اوقات میں زیادہ آسانی سے اپنے فرائض بجالائے گا۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جو شخص طلوع شمس اور غروب شمس سے پہلے نمازوں کی پابندی کرے گا، وہ کبھی جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔[1] بہرحال امام بخاری رحمہ اللہ نے ان احادیث سے نماز فجر کی فضیلت کو ثابت کیا ہے۔[2] ② امام بخاری رحمہ اللہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے متعلق دو شواہد بیان فرماتے ہیں: * پہلی تعلیق ابن رجاء کی ہے جو امام بخاری کے شیخ ہیں۔ اسے محمد بن یحییٰ ذہلی نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔ * دوسرا طریق اسحاق بن منصور کا ہے جو حبان بن ہلال کے شاگرد ہیں۔[3]
③ حضرت فضالہ لیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ آپ نے مجھے دیگر تعلیمات کے ساتھ پانچوں نمازوں کو بروقت پابندی سے ادا کرنے کی تلقین فرمائی۔ میں نے عرض کیا کہ ان اوقات میں مجھے بہت مصروفیت ہوتی ہے، لہٰذا آپ مجھے ایسی جامع باتیں بتائیں جن پر عمل پیرا ہونا کافی ہو جائے تو آپ نے فرمایا: ''عصرین'' کی پابندی کریں۔'' چونکہ یہ لفظ ہماری زبان میں مستعمل نہیں تھا، اس لیے میں نے عصرین کا مفہوم دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: ''اس سے فجر اور عصر کی نمازیں مراد ہیں۔''[4] اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ فجر اور عصر کے علاوہ دیگر نمازوں کی ضرورت ہی نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ اسے اس انداز سے پابند بنانا چاہتے تھے کہ دفعتاً بار خاطر بھی نہ ہو اور کام بھی ہو جائے، اس لیے آپ نے راحت و آرام اور کثرت مشاغل کے وقت نمازوں کی اہمیت بیان فرمائی۔ جب کوئی ان اوقات میں نمازوں کی پابندی کرے

1 صحيح مسلم، المساجد، حديث :1436(634). 2 فتح الباري :71/2. 3 فتح الباري : 71/2. 4 مسند أحمد : 344/4.

گا تو دیگر اوقات میں پابندی کرنا اس کے لیے بہت آسان ہوگا۔ الغرض ''بردین'' جنھیں دوسری روایت میں ''عصرین'' کہا گیا ہے، کی پابندی کو دخول جنت میں اس طرح دخل ہے کہ ان اوقات کی پابندی سے دوسرے اوقات میں پابندی آسان ہوجاتی ہے، اس لیے ان کی اہمیت کو بطور خاص بیان کیا گیا ہے۔ واللہ أعلم.

(٢٧) بَابُ وَقْتِ الْفَجْرِ

باب:27- نماز فجر کا وقت

٥٧٥ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ حَدَّثَهُ أَنَّهُمْ تَسَحَّرُوا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ، قُلْتُ: كَمْ بَيْنَهُمَا؟ قَالَ: قَدْرُ خَمْسِينَ أَوْ سِتِّينَ، يَعْنِي آيَةً. [راجع:] [انظر: ١٩٢١]

[575] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک مرتبہ نبی ﷺ کے ساتھ سحری کھائی، پھر وہ سب نماز فجر کے لیے کھڑے ہوگئے۔ میں (انس رضی اللہ عنہ) نے پوچھا کہ سحری اور نماز کے درمیان کتنا وقفہ تھا؟ انھوں نے فرمایا: جس قدر پچاس یا ساٹھ آیات پڑھی جائیں۔

٥٧٦ - حَدَّثَنَا حَسَنُ بْنُ صَبَّاحٍ: سَمِعَ رَوْحًا قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَزَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ تَسَحَّرَا، فَلَمَّا فَرَغَا مِنْ سَحُورِهِمَا قَامَ نَبِيُّ اللهِ ﷺ إِلَى الصَّلَاةِ فَصَلَّيَا، قُلْتُ لِأَنَسٍ: كَمْ كَانَ بَيْنَ فَرَاغِهِمَا مِنْ سَحُورِهِمَا وَدُخُولِهِمَا فِي الصَّلَاةِ؟ قَالَ: قَدْرُ مَا يَقْرَأُ الرَّجُلُ خَمْسِينَ آيَةً. [انظر: ١١٣٤]

[576] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ نبی ﷺ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ سحری کھائی۔ جب سحری سے فارغ ہوگئے تو نبی ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوگئے اور دونوں نے نماز پڑھی۔ ہم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: سحری سے فراغت اور نماز شروع کرنے تک کتنا وقفہ تھا؟ تو انھوں نے فرمایا کہ جتنے میں ایک انسان پچاس آیات پڑھ سکے۔

فوائد ومسائل: ① ان دونوں روایات کا مضمون تقریباً ایک ہے، یعنی ان میں نماز اور سحری کا وقفہ بیان کیا گیا ہے کہ جتنے عرصے میں پچاس یا ساٹھ آیات کی تلاوت کی جاسکے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سحری اور نماز کے درمیان بہت کم وقفہ تھا اور سحری سے فراغت کے بعد جلد ہی نماز کے لیے کھڑے ہوجاتے تھے۔ ان احادیث کے پیش نظر امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ موقف ہے کہ نماز فجر صبح صادق کے بعد اندھیرے میں شروع کردی جائے۔ بعض احادیث میں اس کی صراحت ہے جیسا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز، صبح صادق طلوع ہوتے ہی شروع فرمادیتے تھے حتی کہ اندھیرے کی وجہ سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کو پہچان بھی نہیں سکتے تھے۔[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[1] صحيح مسلم، المساجد، حديث: 1393(614).

''فجر دو طرح کی ہوتی ہے: ایک وہ فجر جس میں کھانا حرام اور نماز ادا کرنا جائز ہے اور دوسری وہ فجر جس میں نماز پڑھنا حرام لیکن کھانا مباح ہے۔''[1] حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں مزید وضاحت ہے کہ وہ صبح جو بھیڑیے کی دم کی طرح اونچی چلی جاتی ہے، اس میں نماز پڑھنا حرام اور کھانا مباح ہوتا ہے اور وہ صبح جو آسمان کے کناروں میں پھیل جاتی ہے، اس میں نماز پڑھنا مباح اور کھانا حرام ہوتا ہے۔[2] ② حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ سحری میں شریک نہیں تھے۔ ایک تفصیلی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''میں روزہ رکھنا چاہتا ہوں، کھانے وغیرہ کا بندوبست کرو۔'' چنانچہ میں کھجور اور پانی لے کر حاضر خدمت ہوا، پھر آپ نے فرمایا: ''کوئی آدمی تلاش کرو جو میرے ساتھ کھانے میں شریک ہو جائے۔'' تو میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلا لایا، وہ آئے اور سحری میں شریک ہو گئے، فراغت کے بعد آپ نے دو رکعت نماز پڑھی، پھر نماز فجر کے لیے کھڑے ہو گئے۔[3]

٥٧٧ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ عَنْ أَخِيهِ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ أَنَّهُ سَمِعَ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ يَقُولُ: كُنْتُ أَتَسَحَّرُ فِي أَهْلِي ثُمَّ يَكُونُ سُرْعَةٌ بِي أَنْ أُدْرِكَ صَلَاةَ الْفَجْرِ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ. [انظر: ١٩٢٠]

[577] حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں اپنے اہل میں سحری کھاتا تھا، پھر مجھے جلدی ہوتی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز فجر پڑھ لوں۔

فائدہ: اس روایت سے معلوم ہوا کہ نماز فجر سحری سے متصل ہوتی تھی، یعنی سحری سے فراغت کے بعد جب فجر کا وقت شروع ہوتا، نماز پڑھ لی جاتی۔ امام بخاری رحمہ اللہ اس روایت سے ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں سحری کر کے جلدی مسجد نبوی پہنچنے کی کوشش کرتے تا کہ نماز فجر رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں پڑھ سکیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز فجر سحری سے فراغت کے بعد فوراً شروع کر دی جاتی تھی۔ دوسری روایات میں اس کی وضاحت ہے، چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز اندھیرے ہی میں پڑھ لیتے تھے،[4] نیز حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نماز فجر کا وقت طلوع فجر سے لے کر طلوع آفتاب تک ہے۔''[5]

٥٧٨ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ قَالَتْ: كُنَّ نِسَاءُ الْمُؤْمِنَاتِ يَشْهَدْنَ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ صَلَاةَ الْفَجْرِ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوطِهِنَّ، ثُمَّ يَنْقَلِبْنَ إِلَى

[578] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: اہل ایمان خواتین رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ فجر کی نماز میں چادریں اوڑھے ہوئے شریک ہوتی تھیں۔ نماز سے فراغت کے بعد وہ اپنے گھروں کو ایسے وقت میں واپس لوٹتیں کہ انھیں تاریکی شب کی وجہ سے کوئی پہچان نہیں سکتا تھا۔

1 المستدرك للحاكم: 191/1. 2 المستدرك للحاكم: 191/1. 3 فتح الباري: 2/72-73. 4 صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، حديث: 565. 5 صحيح مسلم، المساجد، حديث: 1385(612).

بُيُوتِهِنَّ حِينَ يَقْضِينَ الصَّلَاةَ، لَا يَعْرِفُهُنَّ أَحَدٌ مِّنَ الْغَلَسِ. [راجع: ۳۷۲]

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں ہے کہ اندھیرے کی وجہ سے عورتوں کو کوئی نہیں پہچان سکتا تھا۔ اس معرفت سے مراد نوع ہے یا ذات؟ علامہ داودی کہتے ہیں کہ اتنا زیادہ اندھیرا ہوتا تھا کہ مردوں کو عورتوں سے الگ طور پر نہیں پہچان سکتے تھے لیکن یہ معنی مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ عورت اور مرد کی پہچان کے لیے چادروں میں ملبوس ہونا ہی کافی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد معرفت ذات ہے، یعنی اندھیرے کی وجہ سے ان کی شخصیت نہ پہچانی جاتی تھی کہ ہندہ ہے یا زینب۔ پہلے ایک حدیث میں بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے تو آدمی اپنے ہم نشین کو پہچان لیتا تھا۔[1] حدیث عائشہ اس کے معارض نہیں ہے کیونکہ جب پاس بیٹھے ہوئے آدمی کو بمشکل پہچانا جاتا تھا تو عورتوں کو جو چادروں میں لپٹی ہوتیں، انھیں دور سے پہچاننا واقعی ناممکن تھا۔ طبرانی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز فجر میں سورۂ ''الحاقہ'' یا اس جیسی سورتوں کی تلاوت فرماتے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ آپ انتہائی آرام وسکون سے اور ٹھہر ٹھہر کر ترتیل سے تلاوت فرماتے تھے، نماز کے ارکان بھی پرسکون اور مکمل انداز میں پورے کرتے، نماز سے فراغت کے بعد آدمی بمشکل اپنے ہم نشین کو پہچانتا اور عورتوں کو پہچاننا مشکل ہوتا۔ یہ سب باتیں اس موقف کی تائید کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ منہ اندھیرے نماز فجر پڑھا کرتے تھے۔[2] ② رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نماز فجر صبح کے خوب روشن ہو جانے پر پڑھا کرو کیونکہ یہ تمھارے اجر میں اضافے کا موجب ہے۔''[3] اس میں اور دیگر احادیث کے مابین دو طرح سے تطبیق ممکن ہے: ✱ نماز کا آغاز تاریکی میں کیا جائے لیکن قراءت اتنی طویل ہو کہ سلام پھیرنے کے وقت صبح خوب روشن ہو جائے۔ اسے امام طحاوی اور امام ابن قیم نے اختیار کیا ہے۔ ✱ صبح روشن ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے واضح ہونے میں کوئی شک نہ رہے۔ اس موقف کو امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ نے اختیار کیا ہے۔ واضح رہے کہ صبح کو روشن کر کے نماز فجر ادا کرنا بھی رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے لیکن آخر کار جس عمل پر تادم حیات مداومت فرمائی، وہ اندھیرے میں نماز فجر کی ادائیگی ہے، جب کہ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر ایک مرتبہ اندھیرے میں پڑھی، دوسری مرتبہ اسے خوب روشن کر کے پڑھا، پھر وفات تک آپ کی نماز اندھیرے ہی میں رہی۔ آپ نے دوبارہ کبھی روشن کر کے نہیں پڑھی۔[4] اس مسئلے میں اگرچہ اختلاف ہے، تاہم ہمارے ہاں راجح یہی ہے کہ نماز فجر اندھیرے ہی میں ادا کی جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا دائمی عمل یہی ہے، پھر خلفائے اربعہ اور جمہور صحابۂ کرام اور تابعین عظام نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ یاد رہے کہ رسول اللہ ﷺ صرف افضل عمل پر ہمیشگی کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کوئی نماز اس کے آخری وقت میں نہیں پڑھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفات دے دی۔[5] سرزمین حجاز کے نامور عالم دین فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نماز فجر کا وقت صبح صادق سے لے کر طلوع آفتاب تک ہے۔ اور صبح صادق سے مراد وہ سفیدی ہے جو آسمان کے مشرقی کنارے پر پھیل جاتی ہے اور اس کے بعد تاریکی نہیں ہوتی۔[6] واللہ أعلم.

1 صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، حديث: 547. 2 فتح الباري: 38/2. 3 مسند أحمد: 465/3. 4. سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 394. 5 السنن الكبرى للبيهقي: 435/1. 6 رساله مواقيت الصلاة، ص: 10.

(٢٨) بَابُ مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الْفَجْرِ رَكْعَةً

باب:28- جس شخص نے نماز فجر کی ایک رکعت پالی

وضاحت: اس عنوان سے مقصود نماز فجر کا آخری وقت بیان کرنا ہے کہ وہ طلوع آفتاب تک ہے۔

٥٧٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، وَعَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ، وَعَنِ الْأَعْرَجِ يُحَدِّثُونَهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الصُّبْحِ رَكْعَةً قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الصُّبْحَ، وَمَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الْعَصْرَ». [راجع: ٥٥٦]

[579] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے طلوع آفتاب سے پہلے فجر کی ایک رکعت پالی، وہ نماز فجر پانے میں کامیاب ہوگیا۔ اور جس نے غروب آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی وہ نماز عصر پانے میں کامیاب ہوگیا۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ طلوع آفتاب یا غروب آفتاب سے پہلے ایک رکعت پانے سے ہی پوری نماز ادا ہوگئی اور اسے اب بقیہ نماز مکمل کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص طلوع آفتاب یا غروب آفتاب سے پہلے ایک رکعت پڑھ لے تو اس نے نماز کے وقت ادا کو پالیا، اب وہ باقی ماندہ نماز طلوع آفتاب یا غروب آفتاب کے بعد پڑھے گا تو بھی اسے ادا نماز ہی کا ثواب ملے گا۔ نماز کا جو حصہ وقت نکلنے کے بعد پڑھا گیا ہے، اسے بھی ادا ہی شمار کیا جائے گا، وہ قضا میں شامل نہیں ہوگا۔ جمہور محدثین کے ہاں حدیث کا یہی مفہوم ہے۔ مندرجہ ذیل حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے: ''جس نے طلوع آفتاب سے پہلے ایک رکعت پالی اور ایک طلوع آفتاب کے بعد پڑھی تو اس نے پوری نماز کو پالیا۔ اور جس نے غروب آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پڑھی اور پھر غروب آفتاب کے بعد باقی ماندہ نماز ادا کی تو اس کی نماز قضا نہیں ہوگی۔''[1] ② شیخ محمد بن صالح العثیمین فرماتے ہیں: اگر کسی کو نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے پہلے ایک رکعت پڑھنے کا وقت مل جاتا ہے تو وہ گویا پوری نماز وقت ادا ہی میں پڑھتا ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ جس نے نماز کی ایک رکعت پالی اس نے پوری نماز کو پالیا۔ اس حدیث کے الفاظ اس بات کی رہنمائی کرتے ہیں کہ نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے اگر کسی نے ایک رکعت پڑھ لی ہے تو اس نے اس نماز کا وقت ادا پالیا ہے۔ اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر ایک رکعت سے کم حصہ ملتا ہے تو وہ وقت ادا کو پانے والا نہیں ہوگا۔ اس طرح وقت ادا کے پالینے پر دو امر مرتب ہوتے ہیں: * بلاشبہ جس نے ایک رکعت کو پالیا تو اس کی باقی ماندہ نماز بھی وقت ادا میں شمار ہوگی لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انسان دانستہ طور پر نماز کو مؤخر کرے کیونکہ انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ تمام نماز وقت ادا میں مکمل کرے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''منافق کی نماز یہ ہے کہ وہ بیٹھا سورج کا انتظار کرتا رہتا ہے، جب وہ شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان چلا جاتا ہے تو کھڑا ہوکر چار ٹھونگیں مار کر اسے مکمل کر لیتا

① السنن الكبرى للبيهقي: 378/1.

ہے۔ وہ اس میں برائے نام ہی اللہ کا ذکر کرتا ہے۔'' ✱ جو شخص کسی نماز کے وقت سے ایک رکعت ادا کرنے کی مقدار پالے، خواہ شروع وقت سے ہو یا آخر وقت سے، اس پر پوری نماز کا ادا کرنا ضروری ہے۔ اس کی وضاحت درج ذیل دو مثالوں سے کی جاتی ہے: ◎ ایک عورت کو غروب آفتاب سے اتنی دیر بعد حیض آیا کہ وہ اس وقت میں ایک رکعت پڑھ سکتی تھی لیکن اس نے نماز نہیں پڑھی تو اس کے ذمے پوری نماز مغرب کی ادائیگی ضروری ہے۔ حیض سے فراغت کے بعد وہ پوری نماز کی قضا دے گی۔ ◎ اگر کسی عورت کو طلوع آفتاب سے اتنا وقت پہلے حیض سے طہارت حاصل ہوئی کہ اس وقت میں فجر کی ایک رکعت ادا کی جاسکتی ہو تو اس کے ذمے پوری نماز فجر کی ادائیگی ہے۔ اس کے برعکس اگر کسی عورت کو غروب آفتاب کے اتنی دیر بعد حیض آیا کہ اس میں ایک رکعت نہیں پڑھی جاسکتی تھی تو اس کے ذمے نماز مغرب کی ادائیگی نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر وہ طلوع آفتاب سے اتنا وقت پہلے حیض سے پاک ہوتی ہے کہ اس میں ایک رکعت نہیں پڑھی جاسکتی تھی تو اس کے ذمے نماز فجر کی ادائیگی ضروری نہیں ہے کیونکہ دونوں صورتوں میں اسے کم از کم ایک رکعت ادا کرنے کا بھی موقع نہیں ملا۔[1] ③ علامہ نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ حدیث اس بات کی صریح دلیل ہے کہ جس نے صبح یا عصر کی ایک رکعت پڑھی لیکن سلام پھیرنے سے پہلے پہلے اس کا وقت ختم ہوگیا تو اس کی نماز باطل نہ ہوگی بلکہ وہ اسے مکمل کرے، ایسا کرنے سے اس کی نماز میں کوئی خلل واقع نہیں ہوگا۔ عصر کے متعلق تو تمام علمائے امت کا اتفاق ہے، جبکہ نماز فجر کے متعلق امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علاوہ تمام فقہاء کا یہ موقف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ طلوع شمس سے اس کی نماز باطل ہوجائے گی کیونکہ وہ اب ایسے وقت میں داخل ہو چکا ہے جس میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے بخلاف غروب شمس کے۔ یہ حدیث امام ابوحنیفہ کے موقف کی تردید کرتی ہے۔[2] ④ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس مفہوم کی متعدد روایات ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ احادیث علامہ طحاوی کے موقف کی تردید کرتی ہیں۔ امام طحاوی رحمہ اللہ کے نزدیک مذکورہ حدیث، بچے، کافر اور حائضہ عورت کے ساتھ خاص ہے، یعنی اگر بچے کی بلوغت، کافر کے اسلام اور حائضہ عورت کی طہارت کے کچھ دیر بعد سورج طلوع یا غروب ہوا کہ اس سے پہلے ایک رکعت پڑھنے کا وقت ہو تو ان پر اس نماز کا ادا کرنا ضروری ہے۔ دراصل امام طحاوی رحمہ اللہ اس تخصیص کے ذریعے سے اپنے مذہب کی تائید کرنا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی طلوع آفتاب سے پہلے ایک رکعت ہی پڑھ سکے تو اس کی نماز فاسد ہوگی کیونکہ اس نے اپنی نماز کی تکمیل وقت کراہت میں کی ہے۔ جب مذکورہ حدیث ان کے اختیار کردہ موقف کے خلاف تھی تو انھوں نے اس حدیث کو بچے، کافر، عورت اور مسبوق وغیرہ کے ساتھ خاص کر دیا۔[3]

(٢٩) بَابُ مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الصَّلَاةِ رَكْعَةً

باب: 29- جس شخص نے نماز کی ایک رکعت کو پالیا

٥٨٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ

[580] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے نماز کی ایک رکعت پالی، اس

---

1 رسالہ مواقیت الصلاۃ، ص: 17,16۔ 2 شرح الکرماني: 219/2۔ 3 فتح الباري: 75/2۔

عَبْدِالرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الصَّلَاةِ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ». [راجع: ٥٥٦]

نے پوری نماز کو پالیا۔"

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں گزشتہ حدیث کے اعتبار سے عموم پایا جاتا ہے کیونکہ اس میں یہی حکم صرف نماز فجر اور نماز عصر کے لیے بیان ہوا ہے جبکہ اس حدیث میں پانچوں نمازوں کو اس حکم میں شامل کر دیا گیا ہے، البتہ اگر الصلاۃ کے "الف لام" کو "عہد" کا بنائیں تو اس سے مراد فجر اور عصر ہی ہوں گی۔ اس صورت میں دونوں عنوانات کا ایک ہی مطلب ہوگا جو بظاہر تکرار ہے، چنانچہ علامہ کرمانی اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ تکرار نہیں کیونکہ پہلے باب سے مراد ہے کہ جس نے ایک رکعت جتنا وقت پالیا اور اس باب کا مطلب ہے کہ جس نے ایک رکعت کو پالیا۔[1] ② اس مقام پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ایک دقیق نکتہ بیان کیا ہے کہ امام بخاری جس مقام پر الفاظ حدیث کو اپنا کوئی عنوان قرار دیں اور حدیث کے الفاظ میں کوئی تبدیلی کریں تو اسی تبدیلی کے ساتھ وہ حدیث ضرور کہیں نہ کہیں موجود ہوگی، چنانچہ اس مقام پر حدیث میں [ركعة من الصلاة] کے الفاظ ہیں جبکہ عنوان میں [من الصلاة ركعة] کہا ہے تو اس تبدیلی کے ساتھ یہ حدیث بیہقی میں موجود ہے۔ اس سے احادیث کے متعلق امام بخاری رحمہ اللہ کی وسعت علم کا پتہ چلتا ہے۔[2] ③ شیخ محمد بن صالح العثیمین فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا تقاضا ہے کہ کسی نماز کی ایک رکعت پالینے سے اس کا وقت ادا پایا جاتا ہے، یعنی اگر کسی نے کسی نماز کا اتنا وقت پالیا کہ اس میں صرف ایک ہی رکعت ادا کی جاسکے تو اس نے گویا مکمل نماز کو پالیا۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر ایک رکعت سے کم ادا کرنے کا وقت ملا تو اس سے وقت ادا فوت ہو جاتا ہے۔[3]

(٣٠) بَابُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْفَجْرِ حَتّٰى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ

باب: 30- نماز فجر کے بعد آفتاب بلند ہونے تک نماز پڑھنے کا حکم

وضاحت: اس عنوان سے مقصود یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ نماز فجر کے بعد کس وقت تک نماز پڑھنا منع ہے اور سورج بلند ہونے کے بعد جو نماز پڑھی جائے گی اس کی کیا حیثیت ہوگی۔

٥٨١ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: شَهِدَ عِنْدِي رِجَالٌ مَّرْضِيُّونَ وَأَرْضَاهُمْ عِنْدِي عُمَرُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰى تَشْرُقَ الشَّمْسُ، وَبَعْدَ الْعَصْرِ

[581] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میرے سامنے چند پسندیدہ لوگوں نے جن میں سب سے زیادہ پسندیدہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے، یہ بیان کیا کہ نبی ﷺ نے صبح کی نماز کے بعد طلوع آفتاب تک اور نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

---

[1] شرح الكرماني: 220/2. [2] فتح الباري: 76/2. [3] رسالہ مواقیت الصلاۃ، ص: 16.

حَتّٰى تَغْرُبَ.

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا الْعَالِيَةِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: حَدَّثَنِي نَاسٌ بِهٰذَا.

(اس حدیث کے متعلق ایک دوسری سند ہے جس میں) قتادہ کہتے ہیں: میں نے ابولعالیہ سے سنا، وہ ابن عباس ﷠ سے بیان کرتے ہیں، انھوں نے فرمایا: مجھ سے چند لوگوں نے یہ حدیث بیان کی۔

فوائد ومسائل: ① اس عنوان سے امام بخاری ؒ حدیث کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ طلوع شمس سے مراد اس کا خوب بلند ہونا ہے، علاوہ ازیں حدیث میں نماز کے متعلق دو اوقات کا بیان ہے جبکہ عنوان میں نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک نماز سے منع رہنے کا حکم ہے۔ اس کے متعلق حافظ ابن حجر ؒ لکھتے ہیں کہ عصر کے بعد غروب آفتاب سے پہلے رسول اللہ ﷺ سے نماز پڑھنا ثابت ہے اور فجر کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے کسی موقع پر نماز نہیں پڑھی، اس لیے امام بخاری نے عنوان میں صرف نماز فجر کے بعد نماز کے منع ہونے کو اختیار کیا ہے۔[1] ② اس حدیث میں صرف دو اوقات مکروہ کا ذکر ہے جبکہ دیگر احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ اوقات مکروہ پانچ ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: * نماز فجر کے بعد سورج بلند ہونے تک۔ * نماز عصر کے بعد سورج غروب ہونے تک۔ * عین طلوع آفتاب۔ * استواء آفتاب، یعنی عین دوپہر کے وقت۔ * عین غروب آفتاب۔ ان میں سے پہلے دو اوقات کو نماز فجر اور نماز عصر سے وابستہ کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دو اوقات میں نماز پڑھنے کی کراہت وقت کی وجہ سے نہیں کہ وقت کی ذاتی خرابی کی بنا پر ان میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے بلکہ فرض نماز کے حق کی بنا پر ہے تاکہ تمام وقت فرض نماز کے لیے وقف ہو۔ اگر وقت کی ذاتی خرابی کی بنا پر کراہت ہوتی تو فجر وعصر کی تاخیر طلوع وغروب سے قبل تک جائز نہ ہوتی۔ اور آخری تین اوقات ممنوعہ ان کی ذاتی خرابی کی بنا پر ہیں کیونکہ طلوع وغروب کے وقت شیطان کی عبادت کی جاتی ہے اور عین دوپہر کے وقت جہنم جوش میں ہوتی ہے جو غضب الٰہی کا مظہر ہے، نیز اس وقت کفار سجدہ کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ ان تمام اوقات مکروہ میں ایسے نوافل پڑھنے کی اجازت نہیں ہے جو کسی سبب سے وابستہ نہیں ہیں اور نہ شریعت نے ان کے متعلق کوئی ترغیب ہی دی ہے، البتہ ان اوقات میں فوت شدہ نمازیں، نماز جنازہ اور ایسے نوافل پڑھے جاسکتے ہیں جو کسی سبب سے وابستہ ہیں اور شریعت نے انھیں ادا کرنے کی ترغیب دی ہے جیسا کہ تحیۃ المسجد وغیرہ۔ ایسے نوافل کو فقہی اصطلاح میں ذوات الاسباب کہا جاتا ہے۔ ③ امام بخاری ؒ کی پیش کردہ روایت میں قتادہ راوی نے ابوالعالیہ سے جب روایت بیان کی تو اس میں سماع کی صراحت نہ تھی، اس لیے امام بخاری نے ایک دوسری سند پیش کی ہے جس میں تصریح سماع ہے۔ اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام بخاری کو چاہیے تھا کہ وہ تصریح سماع والی روایت ہی کو بیان کر دیتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تصریح سماع والی روایت میں واسطے زیادہ تھے، اس لیے وہ ان کے نزدیک نازل سند تھی۔ پہلی روایت جس میں تصریح سماع نہیں وہ عالی سند سے بیان ہوئی ہے، اس لیے امام بخاری ؒ نے اسے بنیاد بنایا ہے اور اس پر جو اعتراض ہوسکتا تھا اسے دور

[1] فتح الباري: 77/2.

کرنے کے لیے دوسری سند بیان کر دی۔[1]

٥٨٢ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ هِشَامٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا تَحَرَّوْا بِصَلَاتِكُمْ طُلُوعَ الشَّمْسِ وَلَا غُرُوبَهَا».

[انظر: ٥٨٥، ٥٨٩، ١١٩٢، ١٦٢٩، ٣٢٧٣]

[582] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے وقت اپنی نمازیں ادا کرنے کی کوشش نہ کیا کرو۔"

فائدہ: بعض اہل علم کا خیال ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی مذکورہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث سابق کی تفسیر ہے، یعنی نماز فجر اور نماز عصر کے بعد نماز پڑھنے کی کراہت اس شخص کے لیے ہے جو دیدہ دانستہ طلوع وغروب کے وقت نماز پڑھنے کا انتظار کرتا رہے اور قصداً ان اوقات میں نماز پڑھے۔ ہاں! اگر اتفاقاً ایسا ہو جائے تو ممنوع نہیں۔ انھوں نے اپنے موقف کی تائید میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث پیش کی ہے کہ آپ نے فرمایا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو وہم ہوا ہے کہ وہ نماز فجر اور نماز عصر کے بعد نماز پڑھنے پر تشدد کرتے ہیں، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے مطلق نماز پڑھنے سے منع نہیں فرمایا بلکہ رسول اللہ ﷺ نے قصداً طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔[2]

٥٨٣ - وَقَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا طَلَعَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَأَخِّرُوا الصَّلَاةَ حَتَّى تَرْتَفِعَ، وَإِذَا غَابَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَأَخِّرُوا الصَّلَاةَ حَتَّى تَغِيبَ». تَابَعَهُ عَبْدَةُ. [انظر: ٣٢٧٢]

[583] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب آفتاب کا کنارہ طلوع ہونے لگے تو نماز موقوف کر دو تا آنکہ سورج بلند ہو جائے اور جب سورج کا کنارہ ڈوبنے لگے تو بھی نماز موقوف کر دو تا آنکہ آفتاب پورا چھپ جائے۔" (ہشام سے روایت کرنے میں) عبدہ بن سلیمان نے (یحییٰ بن سعید کی) متابعت کی ہے۔

فوائد ومسائل: (1) ایک روایت میں ہے کہ میں (ابن عمر) دن اور رات کے کسی حصے میں دوسروں کو نماز پڑھنے سے نہیں روکتا لیکن انھیں چاہیے کہ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے وقت نماز پڑھنے سے اجتناب کریں۔[3] ایک دوسری روایت میں اس کی وجہ بایں الفاظ بیان کی گئی ہے کہ تم طلوع شمس اور غروب شمس کو اپنی نمازوں کے لیے متعین نہ کرو کیونکہ اس وقت سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان سے طلوع (وغروب) ہوتا ہے۔[4] اسی طرح ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ اس وقت کفار سورج کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔[5] ان روایات سے اس نہی کی علت معلوم ہوتی ہے جس کی وجہ سے ان اوقات میں نماز

---

1 عمدة القاري: 110/4. 2 صحيح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 1931 (833). 3 صحيح البخاري، فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة، حديث: 1192. 4 صحيح البخاري، بدء الخلق، حديث: 3273. 5 صحيح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 1930 (832).

پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔ ② حدیث کے آخر میں جس متابعت کا ذکر ہے اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب بدء الخلق میں متصل سند سے بیان کیا ہے۔[1]

٥٨٤ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنْ أَبِي أُسَامَةَ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ خُبَيْبِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهٰى عَنْ بَيْعَتَيْنِ وَعَنْ لِبْسَتَيْنِ وَعَنْ صَلَاتَيْنِ؛ نَهٰى عَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْفَجْرِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ، وَعَنِ اشْتِمَالِ الصَّمَّاءِ، وَعَنِ الْاِحْتِبَاءِ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ يُفْضِي بِفَرْجِهِ إِلَى السَّمَاءِ، وَعَنِ الْمُنَابَذَةِ وَالْمُلَامَسَةِ. [راجع: ٣٦٨]

[584] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو قسم کی خرید و فروخت، دو قسم کے لباس اور دو اوقات میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا: آپ نے فجر کے بعد تا طلوع آفتاب اور عصر کے بعد تا غروب آفتاب نماز پڑھنے، سخت بکل مارنے اور ایک ہی کپڑے میں گوٹھ مار کر بیٹھنے سے منع فرمایا جس سے اوپر کی طرف ستر کھلنے کا اندیشہ ہو، نیز کسی چیز کو محض چھونے یا کوئی چیز پھینک کر بیع پختہ کرنے سے بھی روکا ہے۔

فوائد و مسائل: ① اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے کل چار احادیث پیش کی ہیں: پہلی اور آخری حدیث فعل سے متعلق ہے جبکہ دوسری اور تیسری حدیث کا تعلق وقت سے ہے۔ مقصود صرف اوقات مکروہ کا بیان ہے۔ ② اس آخری حدیث میں چند ایک دوسری چیزوں کے متعلق بھی حکم امتناعی بیان ہوا ہے۔ اشتمال الصماء: اپنے بدن پر اس طرح کپڑا لپیٹ لیا جائے کہ ہاتھ وغیرہ اس میں بند ہو جائیں۔ الاحتباء: گوٹھ مار کر اس طرح بیٹھنا کہ دونوں سرین زمین پر رکھ کر اپنی پنڈلیوں کو کھڑا کر دیا جائے۔ ملامسہ: دن یا رات کے وقت کپڑے کو صرف ہاتھ لگا کر بیع پختہ کرنا جبکہ اسے کھول کر نہ دیکھا گیا ہو۔ منابذہ: ایک دوسرے کی طرف کپڑا پھینک کر بیع پختہ کر لینا۔ واضح رہے کہ اشتمال اور احتباء سے متعلق پوری تفصیل کتاب اللباس اور ملامسہ اور منابذہ کے متعلق وضاحت کتاب البیوع میں آئے گی۔

(٣١) بَابٌ: لَا تُتَحَرَّى الصَّلَاةُ قَبْلَ غُرُوبِ الشَّمْسِ

باب: 31- غروب آفتاب سے پہلے نماز کا قصد نہ کیا جائے

٥٨٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَا يَتَحَرّٰى أَحَدُكُمْ فَيُصَلِّي عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَلَا عِنْدَ غُرُوبِهَا». [راجع: ٥٨٢]

[585] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی بھی طلوع آفتاب کے وقت اور غروب آفتاب کے وقت نماز پڑھنے کی کوشش نہ کرے۔''

[1] صحيح البخاري، بدء الخلق، حديث: 3272.

فائدہ: کسی چیز کے حصول کے لیے کوشش اور دوڑ دھوپ کرنا تحری کہلاتا ہے۔ سورج کی عبادت کرنے والے کفار طلوع و غروب کے وقت بڑے اہتمام سے عبادت کرتے تھے۔ اہل ایمان کو اس بات سے منع کر دیا گیا ہے کہ کوئی آدمی طلوع و غروب کے وقت نماز پڑھنے کا اہتمام کرے تاکہ کفار کے ساتھ کسی بھی پہلو سے تشبیہ نہ ہو، البتہ اگر کوئی انسان ان اوقات میں اپنی نیند سے بیدار ہوا ہو یا اسے اپنی بھولی ہوئی نماز یاد آئی ہو تو اسے ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ حدیث میں ہے: جو شخص نماز سے سویا رہا یا نماز ادا کرنا بھول گیا تو وہ جب بھی بیدار ہو یا اسے جب بھی یاد آئے تو پڑھ لے۔[1]

٥٨٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَطَاءُ بْنُ يَزِيدَ الْجُنْدَعِيُّ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «لَا صَلَاةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتَّى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ، وَلَا صَلَاةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغِيبَ الشَّمْسُ». [انظر: ١١٨٨، ١١٩٧، ١٨٦٤، ١٩٩٢، ١٩٩٥]

[586] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ نے فرمایا: ''صبح کے بعد کوئی نماز نہیں تا آنکہ سورج بلند ہو جائے اور عصر کے بعد (بھی) کوئی نماز نہیں تا آنکہ سورج غروب ہو جائے۔''

فائدہ: صبح اور عصر سے مراد وقت نہیں بلکہ نماز فجر اور نماز عصر ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں اس کی صراحت ہے۔ صحیح بخاری کی ایک روایت (1197) میں یہی ہے۔ ان نمازوں کے بعد کوئی نماز نہ پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ عام نوافل نہ پڑھے جائیں۔ یہ دونوں اوقات، عین طلوع و غروب جیسے ممنوع اوقات نہیں ہیں۔ اس کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''صبح اور عصر کے بعد تم نماز نہ پڑھو الا یہ کہ سورج صاف اور بلند ہو۔''[2] اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ حدیث میں وارد لفظ ''بعد'' اپنے عموم پر نہیں بلکہ اس سے مراد وقت طلوع یا وقت غروب ہے۔ عنوان سے حدیث کی مطابقت بایں طور ہے کہ جب فجر اور عصر کے بعد ممنوع نماز غیر صحیح ہے تو ایسی نماز ادا کرنے کے لیے کوشش کرنا چہ معنی دارد؟ عقل مند آدمی کوئی ایسا کام نہیں کرتا جس کا کوئی فائدہ نہ ہو۔[3]

٥٨٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ قَالَ: سَمِعْتُ حُمْرَانَ بْنَ أَبَانَ يُحَدِّثُ عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ: إِنَّكُمْ لَتُصَلُّونَ صَلَاةً لَقَدْ صَحِبْنَا رَسُولَ اللهِ ﷺ فَمَا رَأَيْنَاهُ يُصَلِّيهَا وَلَقَدْ نَهَى عَنْهَا، يَعْنِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ. [انظر: ٣٧٦٦]

[587] حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ نے فرمایا: تم لوگ ایک ایسی نماز پڑھتے ہو جس سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہے ہیں لیکن ہم نے کبھی آپ کو وہ نماز پڑھتے نہیں دیکھا، یعنی عصر کے بعد کی دو رکعتیں۔

1. عمدة القاري: 111/4. 2. سنن أبي داود، التطوع، حديث: 1274. 3. فتح الباري: 82/2.

فوائد و مسائل: ① حضرت امیر معاویہ ؓ رسول اللہ ﷺ سے عصر کے بعد دو رکعت پڑھنے کی نفی کر رہے ہیں جبکہ حضرت عائشہ ؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عصر کے بعد دو رکعت کو کبھی ترک نہیں فرمایا۔[1] چونکہ حضرت عائشہ ؓ ایک چیز کو ثابت کر رہی ہیں، اس لیے اسے ترجیح ہوگی کیونکہ اصول فقہ کے اعتبار سے ایک چیز کا اثبات اس کی نفی پر مقدم ہوتا ہے۔ ممکن ہے حضرت معاویہ ؓ عصر کے بعد دو رکعت کی ادائیگی پر مطلع نہ ہو سکے ہوں کیونکہ رسول اللہ ﷺ انھیں اپنے گھر میں ادا کرتے تھے جیسا کہ حضرت عائشہ ؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ انھیں مسجد میں ادا نہیں کرتے تھے۔[2] واضح رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عصر کے بعد ہر قسم کی نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ ② یہ حکم امتناعی آپ کے مذکورہ عمل کے متعارض نہیں کیونکہ آپ کا حکم امتناعی، غیر سببی نماز سے متعلق ہے اور آپ کا دو رکعت پڑھنے کا عمل ایک سبب کے پیش نظر تھا کہ آپ وفد عبدالقیس کی آمد کی بنا پر ظہر کے بعد دو رکعت نہ پڑھ سکے تھے، وہ رکعات آپ نے عصر کے بعد ادا فرمائیں اور آپ کا یہ خاصہ تھا کہ جس کام کو ایک مرتبہ شروع کر لیتے، پھر اس پر مداومت فرماتے۔[3]

٥٨٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ خُبَيْبٍ، عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ صَلَاتَيْنِ: بَعْدَ الْفَجْرِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ.
[راجع: ٣٦٨]

[588] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے دو (وقت) نمازوں سے منع فرمایا ہے: فجر کے بعد طلوع آفتاب تک اور عصر کے بعد غروب آفتاب تک۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ اس عنوان کے تحت حدیث ابو ہریرہ لا کر غالباً یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حکم امتناعی کے اعتبار سے تحری اور عدم تحری میں کوئی فرق نہیں۔ چونکہ حدیث میں لفظ تحری آ گیا تھا، اس لیے اس پر عنوان قائم کر دیا، لہٰذا جن احادیث میں تحری کے الفاظ ہیں ان سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ اگر ممنوع اوقات کا قصد کر کے نماز پڑھی جائے تو مکروہ، بصورت دیگر جائز ہے۔ بہر حال امام بخاری ؒ کے نزدیک اوقات مکروہ میں مطلق طور پر نماز پڑھنا مکروہ ہے، خواہ تحری ہو یا نہ ہو۔ چونکہ حضرت قیس بن عمرو ؓ سے مروی وہ حدیث جس میں ہے کہ انھوں نے فجر کی سنتیں نماز فجر کے بعد پڑھی تھیں،[4] حضرت امام بخاری کی شرط کے مطابق نہ تھی اور خود رسول اللہ ﷺ سے بھی نماز فجر کے بعد کسی قسم کی نماز پڑھنا منقول نہیں ہے، اس لیے نماز فجر کے بعد نوافل پڑھنے کے جواز کو مرجوح خیال کرتے ہیں اور عصر کے بعد دو رکعت پڑھنا ان کی شرط کے مطابق ہے، اس لیے ان کے متعلق وہ نرم گوشہ رکھتے ہیں لیکن دو ٹوک فیصلہ اس لیے نہیں کرتے کہ حضرت عمر ؓ سے عصر کے بعد دو رکعت پڑھنے والوں پر تشدد کرنا بھی ثابت ہے۔ ② حدیث ابو ہریرہ ؓ سے یہ مطلب بھی لیا جا سکتا ہے کہ اس کے اطلاق کو تحری پر محمول کیا

---

1 صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، حديث: 591. 2 صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، حديث: 590. 3 فتح الباري: 82/2. 4 سنن أبي داود، التطوع، حديث: 1267.

جائے، یعنی قصداً غروب آفتاب سے پہلے نوافل نہ پڑھے جائیں۔ واللہ أعلم.

(۳۲) بَابُ مَنْ لَّمْ يَكْرَهِ الصَّلَاةَ إِلَّا بَعْدَ الْعَصْرِ وَالْفَجْرِ

باب: 32- اس شخص کا بیان جس نے صرف نماز عصر اور نماز فجر کے بعد نماز پڑھنے کو مکروہ خیال کیا

رَوَاهُ عُمَرُ، وَابْنُ عُمَرَ، وَأَبُو سَعِيدٍ، وَأَبُو هُرَيْرَةَ.

اس بات کو حضرت عمر، ابن عمر، ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم نے بیان کیا ہے۔

وضاحت: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث (581)، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت: (585)، حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث (586) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث (588) پہلے گزر چکی ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہ ہے کہ ممنوع اوقات کے سلسلے میں ان حضرات سے مروی احادیث میں استوائے شمس کے وقت نماز کی ممانعت کا کوئی ذکر نہیں ہے، لہٰذا ممنوع اوقات میں اس کا اعتبار نہیں ہوگا لیکن جن حضرات سے استوائے شمس کے وقت نماز پڑھنے کی ممانعت مروی ہے وہ انتہائی دیانتدار اور ثقہ ہیں، اس لیے ان کا بیان کردہ اضافہ قبول ہوگا۔[1]

٥٨٩ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَّافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: أُصَلِّي كَمَا رَأَيْتُ أَصْحَابِي يُصَلُّونَ، لَا أَنْهَى أَحَدًا يُصَلِّي بِلَيْلٍ وَّلَا نَهَارٍ مَّا شَاءَ، غَيْرَ أَنْ لَّا تَحَرَّوْا طُلُوعَ الشَّمْسِ وَلَا غُرُوبَهَا. [راجع: ٥٨٢]

[589] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں انھی اوقات میں نماز ادا کرتا ہوں جن میں میں نے اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھتے دیکھا ہے، البتہ میں کسی کو نہیں روکتا وہ دن اور رات کے جس حصے میں چاہیں نماز پڑھیں لیکن طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے وقت نماز پڑھنے کی کوشش نہ کریں۔

فوائد و مسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرماتے تھے۔[2] دراصل امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک ممنوع اوقات صرف دو ہیں: ایک نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک، دوسرا نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک۔ ان اوقات میں عین طلوع آفتاب اور عین غروب آفتاب بھی شامل ہیں، البتہ عین دوپہر کا وقت ممنوعہ اوقات میں شامل نہیں، حالانکہ اس کے متعلق متعدد احادیث ہیں، چنانچہ حدیث عمرو بن عبسہ صحیح مسلم میں، حدیث ابوہریرہ ابن ماجہ اور سنن بیہقی میں، حدیث صنابحی موطأ امام مالک میں اور عقبہ بن عامر کی حدیث صحیح مسلم میں، جس کے الفاظ یہ ہیں کہ عین دوپہر کے وقت نماز پڑھنا منع ہے۔ کچھ ضعیف احادیث بھی ہیں، اس بنا پر ائمۂ ثلاثہ اور جمہور محدثین نے وقت استوا کو ممنوعہ اوقات میں شامل کیا ہے۔ امام مالک نے اس کے خلاف موقف اختیار کیا ہے، فرماتے ہیں: میں نے اہل علم کو دیکھا ہے، وہ بڑے اہتمام سے دوپہر کے وقت نماز پڑھا کرتے تھے۔ انھوں نے حدیث صنابحی ذکر کی ہے لیکن اسے ضعیف

---

1 فتح الباري: 84/2. 2 صحيح البخاري، الحج، حديث: 1629.

ہونے کی وجہ سے قابل اعتنا خیال نہیں کیا، یا اہل مدینہ کے عمل کی وجہ سے اسے قابل حجت خیال نہیں کیا۔ امام شافعی نے دوپہر کے وقت کو اوقات ممنوعہ میں شمار کیا ہے لیکن وہ جمعے کے دن کو اس سے مستثنیٰ کرتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ شریعت نے جمعے کے دن جلدی جلدی مسجد میں آنے کے متعلق کہا ہے اور امام کے آنے تک نماز پڑھنے کی تلقین کی ہے اور امام زوال آفتاب کے بعد آتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ عین دوپہر کا وقت نماز کے لیے ممنوعہ اوقات میں سے نہیں۔[1] لیکن جمعے کا یہ استثنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔ ہمارے نزدیک متعدد احادیث کے پیش نظر ممنوعہ اوقات پانچ ہیں: * نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک۔ * عین طلوع آفتاب۔ * نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک۔ * عین غروب آفتاب۔ * عین دوپہر کا وقت جب سورج سر پر ہو۔ ان اوقات میں غیر سببی نوافل پڑھنا منع ہیں۔ واللہ أعلم. ② بعض حضرات نے اوقات مکروہ کے درمیان کچھ فرق بیان کیا ہے، عصر اور فجر کے بعد نماز پڑھنا مکروہ ہے اور عین طلوع وغروب کے وقت نماز میں مشغول ہونا حرام ہے کیونکہ احادیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عصر کے بعد نماز پڑھی تھی، اگر حرام ہوتی تو آپ کیوں پڑھتے؟ گویا آپ کا عمل بیان جواز کے لیے ہے۔ واضح رہے کہ عصر کے بعد نماز کے ممنوعہ وقت کی تحدید میں علماء کا اختلاف ہے، چنانچہ جمہور فقہاء کے نزدیک قضا اور سببی نماز کے علاوہ مطلق طور پر عصر کے بعد نماز جائز نہیں۔ البتہ امام شافعی نے ظہر کی سنت رہ جانے کی صورت میں عصر کے بعد پڑھنے کی اجازت دی ہے، تاہم صحابۂ کرام ﷢ کی ایک جماعت، متعدد تابعین اور بہت سے علماء کے نزدیک نماز عصر کے بعد جب تک سورج بلند، سفید اور چمکدار ہو، نفلی نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ ان کے ہاں عصر کے بعد نماز کی نہی مطلق نہیں بلکہ سورج زرد ہونے کے ساتھ مقید ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عصر کے بعد نماز سے منع فرمایا مگر جبکہ سورج سفید، صاف اور بلند ہو۔[2] اس کے متعلق تفصیل آئندہ بیان ہوگی۔ ③ ان ممنوعہ اوقات میں نماز پڑھنے کی ممانعت اوقات اصلیہ کے اعتبار سے ہے۔ ان کے علاوہ بھی چند ایک مواقع پر نوافل میں مصروف ہونا منع ہے، مثلاً: ❁ جب نماز کے لیے تکبیر کہہ دی جائے۔ ❁ جب امام خطبے کے لیے منبر پر چڑھ جائے۔ (الا یہ کہ کوئی اسی وقت مسجد میں آیا ہو) ❁ جب فرض نماز کی جماعت ہورہی ہو۔ ❁ مالکیہ کے نزدیک جمعے کے بعد لوگوں کے روانہ ہونے تک۔ ❁ احناف کے نزدیک نماز مغرب سے پہلے، اگرچہ حدیث میں اس کا بین ثبوت ملتا ہے جس کی تفصیل ہم آئندہ بیان کریں گے۔[3]

(٣٣) بَابُ مَا يُصَلَّى بَعْدَ الْعَصْرِ مِنَ الْفَوَائِتِ وَنَحْوِهَا

باب: 33- عصر کے بعد قضا اور اس طرح کی اور نماز پڑھنا

وَقَالَ كُرَيْبٌ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ: صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ بَعْدَ الْعَصْرِ رَكْعَتَيْنِ، وَقَالَ: شَغَلَنِي نَاسٌ مِّنْ عَبْدِ الْقَيْسِ عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ.

جناب کریب ؒ حضرت ام سلمہ ؓ سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتی ہیں: نبی ﷺ نے عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھیں اور فرمایا: ''مجھے وفد عبدالقیس کے کچھ

① فتح الباري: 83/2. 2 سنن النسائي، المواقيت، حديث: 574. 3 فتح الباري: 84/2.

لوگوں نے مشغول کیے رکھا اور میری ظہر کے بعد دو رکعتیں رہ گئیں۔"

وضاحت: اس عنوان سے امام بخاری رحمہ اللہ کے رجحان کا پتہ چلتا ہے کہ وہ نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک کسی قسم کی نماز پڑھنے کے قائل نہیں جبکہ نماز عصر کے بعد فوت شدہ یا اس طرح کی کوئی نماز پڑھنے کے متعلق نرم گوشہ رکھتے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس عنوان کے ذریعے سے آپ نے ان نوافل کو خارج کیا ہے جو مطلق اور بلاسبب ہوں،[1] نیز نحوها کے ذریعے سے نماز جنازہ، نماز گرہن اور سجدۂ تلاوت کو اس اجازت میں شامل کیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ معلق روایت کو دوسرے مقام پر متصل سند کے ساتھ تفصیل سے بیان کیا ہے۔ حضرت کریب کہتے ہیں کہ مجھے حضرت ابن عباس، مسور بن مخرمہ اور عبدالرحمٰن بن ازہر رضی اللہ عنہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف بھیجا اور فرمایا کہ انھیں ہم سب کی طرف سے سلام کہنا اور عصر کے بعد دو رکعت پڑھنے کے متعلق دریافت کرنا کیونکہ ہمیں پتہ چلا ہے کہ وہ عصر کے بعد دو رکعت پڑھتی ہیں، حالانکہ ہماری معلومات کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے منع فرمایا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مزید فرمایا کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ لوگوں کو ان کی ادائیگی پر مارا کرتا تھا۔ حضرت کریب کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا، جب آپ کو ان حضرات کا پیغام پہنچایا تو انھوں نے فرمایا کہ اس کے متعلق حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیجیے۔ میں ان حضرات کے پاس واپس چلا گیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا پیغام انھیں پہنچا دیا۔ انھوں نے مجھے حقیقت حال کی دریافت کے لیے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دو رکعات سے منع کرتے تھے، پھر میں نے ایک دن آپ کو عصر کے بعد یہ دو رکعت پڑھتے دیکھا، میرے پاس چونکہ قبیلۂ بنوحرام کی عورتیں بیٹھی تھیں، اس لیے میں نے خادمہ کو یہ ہدایت کر کے بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ، اگر آپ ہاتھ سے اشارہ کریں تو ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو جانا، فراغت کے بعد دریافت کرنا کہ آپ تو ان دو رکعت سے منع کرتے تھے اور اب خود انھیں ادا فرما رہے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ فراغت کے بعد آپ نے فرمایا: "اے ابوامیہ کی بیٹی! تم نے مجھ سے نماز عصر کے بعد دو رکعت پڑھنے کے متعلق دریافت کیا ہے تو بات یہ ہے کہ میرے پاس قبیلۂ عبدالقیس کے لوگ آئے تھے، انھوں نے مجھے ظہر کے بعد دو رکعت پڑھنے کا موقع نہ دیا، یہ وہی دو رکعات ہیں۔"[2]

٥٩٠ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ ابْنُ أَيْمَنَ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي أَنَّهُ سَمِعَ عَائِشَةَ قَالَتْ: وَالَّذِي ذَهَبَ بِهِ مَا تَرَكَهُمَا حَتَّى لَقِيَ اللهَ وَمَا لَقِيَ اللهَ تَعَالَى حَتَّى ثَقُلَ عَنِ الصَّلَاةِ، وَكَانَ يُصَلِّي كَثِيرًا مِّنْ صَلَاتِهِ قَاعِدًا، تَعْنِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ، وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ

[590] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: قسم ہے اس (اللہ) کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا سے لے گیا! آپ نے عصر کے بعد دو رکعت کبھی ترک نہیں فرمائیں تا آنکہ آپ اللہ سے جا ملے۔ اور جب اللہ سے ملے تو اس وقت بوجہ ضعف آپ نماز سے تھک جاتے تھے۔ اور آپ اکثر نماز کی ادائیگی بیٹھ کر فرماتے تھے، یعنی عصر کے

1 فتح الباري: 85/2. 2 صحيح البخاري، السهو، حديث: 1233.

يُصَلِّيهِمَا وَلَا يُصَلِّيهِمَا فِي الْمَسْجِدِ مَخَافَةَ أَنْ يُثْقِلَ عَلَى أُمَّتِهِ، وَكَانَ يُحِبُّ مَا يُخَفِّفُ عَنْهُمْ. [انظر: ٥٩١، ٥٩٢، ٥٩٣، ١٦٣١]

بعد کی دو رکعتیں۔ اور آپ عصر کے بعد دو رکعات ہمیشہ پڑھا کرتے تھے لیکن انھیں مسجد میں نہیں پڑھتے تھے اس ڈر سے کہ کہیں آپ کی امت پر گراں نہ گزرے کیونکہ آپ کو اپنی امت کے حق میں تخفیف پسند تھی۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ عصر کے بعد دو رکعات ہمیشہ پڑھا کرتے تھے جبکہ متعدد صحابۂ کرام ؓ سے مروی ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ انھیں ادا کیا تھا لیکن ایک مرتبہ پڑھنے والی روایات ضعیف ہیں اور ہمیشہ پڑھنے والی روایات قوی ہیں، اس لیے ان کو ترجیح ہوگی۔ آپ کے اس عمل کے بارے میں متعدد توجیہات کی گئی ہیں، مثلاً: یہ آپ کا خاصہ تھا، بیان جواز کے لیے تھا، آپ ایک مرتبہ جو عمل کر لیتے، اس پر دوام فرماتے تھے، وغیرہ وغیرہ، نیز ہمیشہ پڑھنے کا مطلب یہ نہیں کہ جب سے نماز فرض ہوئی تھی آپ ان رکعات کی ادائیگی کا اہتمام کرتے تھے بلکہ واقعۂ وفد عبدالقیس کے بعد ان کے ادا کرنے پر دوام فرمایا۔ واللہ أعلم۔ ② رسول اللہ ﷺ کے افعال کی دو اقسام ہیں: ایک وہ ہیں جنھیں آپ نے بطور اسوہ اور نمونہ ادا فرمایا ہے، وہ شریعت کا حصہ ہیں اور امت کے لیے ایسے افعال کی پیروی کرنا ضروری ہے۔ دوسری قسم ان افعال کی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت پر محمول ہیں، وہ امت کے لیے نمونہ یا اسوہ نہیں۔ عصر کے بعد دو رکعت پڑھنا اور پھر اس پر دوام بھی خصوصیت کی قبیل سے ہے جیسا کہ متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے، چنانچہ حضرت عائشہ ؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ انھیں عصر سے پہلے (ظہر کے بعد) پڑھا کرتے تھے، پھر کسی مصروفیت یا بھولنے کی وجہ سے انھیں نہ پڑھ سکے تو عصر کے بعد ادا فرمایا، پھر اس کو برقرار رکھا۔ اور آپ جب کسی نماز کو شروع کر لیتے تو اس پر دوام فرماتے۔[1] حضرت عائشہ ؓ ہی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ انھیں عصر کے بعد خود ادا فرماتے لیکن آپ دوسروں کو منع فرماتے تھے۔[2] حضرت ام سلمہ ؓ کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے میرے گھر عصر کے بعد دو رکعت ادا کیں تو میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ نے پہلے تو کبھی انھیں ادا کرنے کا اہتمام نہیں کیا تھا؟ آپ نے فرمایا: ''میرے پاس کچھ مال آ گیا تھا، میں اس کی تقسیم میں ایسا مصروف ہوا کہ ظہر کے بعد دو رکعت نہ پڑھ سکا، وہ میں نے اب پڑھی ہیں۔'' میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! اگر ہم کسی وجہ سے ان دو رکعات کو نہ پڑھ سکیں تو بعد میں پڑھ سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں۔''[3] ان روایات کا مدعا یہ ہے کہ ظہر کی دو سنت عصر کے بعد ادا کرنا، پھر اس پر مداومت فرمانا رسول اللہ ﷺ کا خاصہ ہے اور یہ امت کے لیے اسوہ یا نمونہ نہیں۔

٥٩١ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ: ابْنَ أُخْتِي! مَا تَرَكَ النَّبِيُّ ﷺ السَّجْدَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ عِنْدِي قَطُّ. [راجع: ٥٩٠]

[591] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے (حضرت عروہ بن زبیر ؓ سے) فرمایا تھا: میرے بھانجے! رسول اللہ ﷺ نے عصر کے بعد دو رکعات میرے ہاں کبھی ترک نہیں فرمائیں۔

[1] صحیح مسلم، الصلاة، حدیث: 1934(835). [2] سنن أبي داود، التطوع، حدیث: 1280. [3] مسند أحمد: 315/6.

فوائد و مسائل: ① اس واقعے کی ابتدا حضرت ام سلمہ ؓ کے گھر سے ہوئی تھی، پھر اس کی ادائیگی پر دوام سیدہ عائشہ ؓ کے گھر میں ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی موقع پر ان رکعات کے متعلق تحقیق کی گئی تو آپ نے حضرت ام سلمہ ؓ کا حوالہ دیا اور آپ نے خود ان کے متعلق پوری ذمے داری نہیں اٹھائی، چنانچہ عبدالعزیز بن رفیع کہتے ہیں: میں نے حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ کو عصر کے بعد دو رکعت پڑھتے دیکھا اور وہ اس سلسلے میں حضرت عائشہ ؓ کا حوالہ دیتے تھے کہ جب بھی نبی ﷺ حضرت عائشہ ؓ کے گھر آتے آپ انھیں ضرور ادا فرماتے اور حضرت عائشہ ؓ نے خود بیان کیا ہے۔[1] حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ عصر کے بعد ان دو رکعات کی ادائیگی کا بڑی شدت سے اہتمام فرماتے تھے، چنانچہ آپ کے اس عمل کے متعلق تحقیق کی گئی تو پتہ چلا کہ اگرچہ عبداللہ بن زبیر حضرت عائشہ ؓ کا حوالہ دیتے ہیں، تاہم اصل تحقیقی خبر حضرت ام سلمہ ؓ کے پاس ہے۔ ② اس سے متعلق دو تفصیلی روایات مسند احمد (299/6 اور 303/6) میں موجود ہیں۔ ان تفصیلی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا عصر کے بعد دو رکعت پڑھنا اور اس پر دوام کرنا آپ کی خصوصیت پر محمول ہے لیکن عبداللہ بن زبیر ؓ اسے بطور اسوہ اور نمونہ خیال کرتے ہوئے اس عمل پر زندگی بھر کاربند رہے۔ سنن نسائی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ انھیں غروب آفتاب سے پہلے پڑھا کرتے تھے۔[2] والله أعلم بحقيقة الحال.

٥٩٢ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ قَالَ: حَدَّثَنَا الشَّيْبَانِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْأَسْوَدِ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: رَكْعَتَانِ لَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَدَعُهُمَا سِرًّا وَّلَا عَلَانِيَةً: رَكْعَتَانِ قَبْلَ الصُّبْحِ وَرَكْعَتَانِ بَعْدَ الْعَصْرِ. [راجع: ٥٩٠]

[592] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے دو رکعات فجر سے پہلے اور دو رکعات عصر کے بعد پوشیدہ اور آشکارا دونوں حالتوں میں کبھی ترک نہ فرمائیں۔

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ دو اوقات، یعنی صبح اور عصر کے بعد نماز پڑھنے سے لوگوں کو منع کرتے تھے لیکن وفد عبدالقیس کی دوبارہ آمد کے بعد آپ نے حضرت ام سلمہ ؓ کے گھر عصر کے بعد دو رکعت پڑھنے کا اہتمام فرمایا، زوجۂ محترمہ نے جب آپ کے قول اور فعل میں بظاہر تضاد دیکھا تو اس کی وجہ دریافت کی، رسول اللہ ﷺ نے انھیں اپنے عذر سے آگاہ فرمایا کہ مصروفیت کی وجہ سے نماز ظہر کے بعد دو رکعت نہ پڑھ سکا تھا وہ میں نے اب ادا کی ہیں۔[3] لیکن اس کے بعد حضرت عائشہ ؓ کے گھر میں علانیہ طور پر اس عمل کو جاری رکھا۔[4] البتہ اسے دوسرے لوگوں سے مخفی رکھا مبادا وہ انھیں سنت خیال کر کے پڑھنا شروع کر دیں۔ حضرت عائشہ ؓ کے بارے میں آپ کو یقین تھا کہ لوگوں کو منع کرنے کے باوجود مجھے پابندی سے پڑھتے دیکھ کر اسے خصوصیت پر محمول کریں گی لیکن حضرت عائشہ ؓ پر ذہین اور فطین ہونے کے باوجود یہ بات مخفی رہی بلکہ انھوں نے

---

1 صحيح البخاري، الحج، حديث: 1631. 2 سنن النسائي، المواقيت، حديث: 582. 3 مسند أحمد: 310/6.
4 سنن النسائي، المواقيت، حديث: 578.

رسول اللہ ﷺ کے اس عمل کو سنت خیال کیا اور منع کرنے کے متعلق مختلف اسباب بیان فرمائے، ایک تو یہ کہ لوگ خواہ مخواہ مشقت میں مبتلا نہ ہوں کیونکہ رسول اللہ ﷺ لوگوں پر تخفیف کو پسند کرتے تھے۔[1] نیز حکم امتناعی کا تعلق تحری کی صورت میں ہے جیسا کہ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق اپنے خیالات کا بایں الفاظ اظہار کیا کہ انھیں وہم ہوا ہے، رسول اللہ ﷺ نے صرف تحری کی صورت میں منع فرمایا ہے۔[2] واضح رہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عصر کے بعد دو رکعت پڑھنے والوں کو مارتے تھے۔[3] ② حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ عصر کے بعد دو رکعت پڑھنے کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے دوام سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سمجھا کہ عصر کے بعد غروب آفتاب تک نوافل پڑھنے کا حکم امتناعی مطلق نہیں بلکہ اس انسان کے متعلق ہے جو غروب شمس کے وقت جان بوجھ کر بالارادہ نماز پڑھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ خود عصر کے بعد نفل پڑھا کرتی تھیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے بھی یہی سمجھا اور عصر کے بعد دو رکعت پڑھنے کا اہتمام جاری رکھا۔[4]

٥٩٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ: رَأَيْتُ الْأَسْوَدَ وَمَسْرُوقًا شَهِدَا عَلٰى عَائِشَةَ قَالَتْ: مَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَأْتِينِي فِي يَوْمٍ بَعْدَ الْعَصْرِ إِلَّا صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ. [راجع: ٥٩٠]

[593] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: جس دن بھی نبی ﷺ عصر کے بعد میرے ہاں تشریف لاتے تو دو رکعت ضرور پڑھتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عصر کے بعد ان دو رکعات کو صرف ایک مرتبہ ان کے گھر ادا کیا جبکہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے پتہ چلتا ہے کہ آپ انھیں ہمیشہ پڑھتے رہے۔ ان میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ پہلی مرتبہ آپ نے ان دو رکعات کو بطور قضا پڑھا جیسا کہ حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا میں وضاحت ہے کہ یہ دو رکعات نماز ظہر کے بعد والی ہیں جنھیں مصروفیت کی وجہ سے نہیں پڑھا جا سکا تھا۔[5] اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر بطور خصوصیت ہمیشہ پڑھتے رہے جیسا کہ حدیث بالا میں وضاحت ہے۔ ② بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم عصر کے بعد دو رکعات کو سنت سمجھ کر ادا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ انھیں منع کرتے اور ان پر سختی بھی فرماتے تھے: مبادا دوسرے لوگ غروب آفتاب تک نماز کے جواز کا حیلہ بنالیں۔ ③ رسول اللہ ﷺ کے اس عمل سے امام ابن حزم رحمہ اللہ نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ان اوقات میں ممانعت کی احادیث منسوخ ہیں لیکن ہمارے نزدیک راجح بات یہ ہے کہ ممانعت کی احادیث محکم ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے عصر کے بعد دو رکعت اس لیے ادا کی تھیں کہ وفد عبدالقیس کی آمد کی وجہ سے آپ ظہر کی دو سنت نہیں پڑھ سکے تھے، لہٰذا آپ نے وہ دو سنت عصر کے بعد ادا کر لیں اور آپ کا یہ معمول تھا کہ جب کوئی عمل شروع کرتے تو بعد میں اس پر مداومت فرماتے، اس بنا پر عصر کے بعد دو رکعت پڑھنے کا آپ نے معمول بنالیا اور یہ عمل صرف آپ کے ساتھ ہی خاص تھا۔ عصر کے بعد دو رکعت ادا کرنا امت کے لیے کوئی مسنون عمل

---

1 صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، حديث: 590. 2 صحيح مسلم، المساجد، حديث: 1931(833). 3 صحيح البخاري، السهو، حديث: 1233. 4 فتح الباري: 87/2. 5 سنن النسائي، المواقيت، حديث: 580.

نہیں جیسا کہ بعض اہل علم کی طرف سے یہ تأثر دیا جا رہا ہے۔ واللہ أعلم.

(٣٤) بَابُ التَّبْكِيرِ بِالصَّلَاةِ فِي يَوْمِ غَيْمٍ

باب: 34- ابر آلود دن میں نماز جلدی ادا کرنا

٥٩٤ - حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيٰى - هُوَ ابْنُ أَبِي كَثِيرٍ -، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ أَنَّ أَبَا الْمَلِيحِ حَدَّثَهُ قَالَ: كُنَّا مَعَ بُرَيْدَةَ فِي يَوْمٍ ذِي غَيْمٍ فَقَالَ: بَكِّرُوا بِالصَّلَاةِ فَإِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «مَنْ تَرَكَ صَلَاةَ الْعَصْرِ حَبِطَ عَمَلُهُ». [راجع: ٥٥٣]

[594] حضرت ابوملیح سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ہم ایک دفعہ ابر آلود دن میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کے شریک سفر تھے تو انھوں نے فرمایا: نماز جلدی پڑھ لو کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''جس نے نماز عصر چھوڑ دی، اس کا عمل ضائع ہو گیا۔''

فائدہ: بارش اور ابر آلود دن میں نماز جلدی پڑھنے کا حکم اس لیے دیا گیا کہ وقت کا اندازہ نہ ہونے کی وجہ سے مبادا نماز قضا ہو جائے یا وقت مکروہ میں داخل ہو جائے جو بمنزلہ ترک صلاۃ ہے۔ اس مقام پر دو اشکال ہیں: * امام بخاری رحمہ اللہ نے جلدی نماز پڑھنے کا عنوان قائم کیا ہے اور استدلال حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کے قول سے کیا ہے جو موقوف ہے جبکہ امام بخاری رحمہ اللہ مرفوع روایت استدلال میں پیش کرتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت بریدہ کا استدلال چونکہ مرفوع حدیث سے تھا، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال بھی مرفوع روایت سے ہے، اگرچہ بالواسطہ ہے۔ * دوسرا اشکال یہ ہے کہ وعید تو عصر کی نماز کے ساتھ خاص ہے جبکہ عنوان میں عموم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ واقعہ بھی نماز عصر سے متعلق ہے اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے بھی نماز عصر سے متعلق حدیث پیش کی جیسا کہ صحیح بخاری کی دوسری روایت (553) میں ہے، پھر از روئے قیاس ہر نماز کی طرف اشارہ ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں ایک مرسل حدیث کا حوالہ دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ابر آلود دن میں نماز عصر جلدی پڑھ لو۔'' یہ بھی کہا گیا ہے کہ تعجیل عصر سے مراد اسے نماز ظہر کے ساتھ جمع کرنا ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، آپ نے فرمایا کہ ابر آلود دن میں ظہر کو مؤخر اور عصر کو جلدی کر کے دونوں جمع کر لو۔[1]

(٣٥) بَابُ الْأَذَانِ بَعْدَ ذَهَابِ الْوَقْتِ

باب: 35- نماز کا وقت گزر جانے کے بعد اذان کہنا

وضاحت: اس مسئلے میں کافی اختلاف ہے کہ نماز کا وقت گزر جانے کے بعد اذان دی جا سکتی ہے یا نہیں؟ تاہم قوت دلیل کے پیش نظر امام بخاری رحمہ اللہ نے اس مختلف فیہ مسئلے میں ایک فیصلہ کن عنوان قائم کیا ہے۔[2]

٥٩٥ - حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ مَيْسَرَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حُصَيْنٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ

[595] حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ہم ایک شب نبی ﷺ کے ہمراہ سفر کر رہے تھے، کچھ

---

1 فتح الباري: 2/88. 2 فتح الباري: 2/88.

ابْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: سِرْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ لَيْلَةً، فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ: لَوْ عَرَّسْتَ بِنَا يَارَسُولَ اللهِ! قَالَ: «أَخَافُ أَنْ تَنَامُوا عَنِ الصَّلَاةِ». قَالَ بِلَالٌ: أَنَا أُوقِظُكُمْ، فَاضْطَجَعُوا وَأَسْنَدَ بِلَالٌ ظَهْرَهُ إِلٰى رَاحِلَتِهِ، فَغَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ فَنَامَ، فَاسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ ﷺ وَقَدْ طَلَعَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَقَالَ: «يَا بِلَالُ! أَيْنَ مَاقُلْتَ؟» قَالَ: مَا أُلْقِيَتْ عَلَيَّ نَوْمَةٌ مِّثْلُهَا قَطُّ، قَالَ: «إِنَّ اللهَ قَبَضَ أَرْوَاحَكُمْ حِينَ شَاءَ، وَرَدَّهَا عَلَيْكُمْ حِينَ شَاءَ، يَا بِلَالُ! قُمْ فَأَذِّنْ بِالنَّاسِ بِالصَّلَاةِ» فَتَوَضَّأَ، فَلَمَّا ارْتَفَعَتِ الشَّمْسُ وَابْيَاضَّتْ قَامَ فَصَلّٰى. [انظر: ٧٤٧١]

لوگوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کاش آپ ہم سب لوگوں کے ہمراہ آخر شب آرام فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: ''مجھے ڈر ہے کہ مبادا تم نماز سے سوتے رہو۔'' حضرت بلال ؓ گویا ہوئے: میں سب کو جگادوں گا، چنانچہ سب لوگ لیٹ گئے اور بلال ؓ اپنی پشت اپنی اونٹنی سے لگا کر بیٹھ گئے، مگر جب ان کی آنکھوں میں نیند کا غلبہ ہوا تو وہ بھی سو گئے۔ نبی ﷺ ایسے وقت بیدار ہوئے کہ سورج کا کنارہ نکل چکا تھا۔ آپ نے فرمایا: ''اے بلال! تمھارا قول وقرار کہاں گیا؟'' وہ بولے مجھے آج جیسی نیند کبھی نہیں آئی۔ اس پر آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے جب چاہا تمھاری ارواح کو قبض کر لیا اور جب چاہا انھیں واپس کر دیا۔ اے بلال! اٹھو اور لوگوں میں نماز کے لیے اذان دو۔'' اس کے بعد آپ نے وضو کیا، جب سورج بلند ہو کر روشن ہو گیا تو آپ کھڑے ہوئے اور نماز پڑھائی۔

فوائد ومسائل: ① اذان وقت نماز کے لیے اعلان ہوتا ہے۔ جب نماز فوت ہو جائے تو شاید سمجھا جائے کہ اب اذان کی ضرورت نہیں رہی کیونکہ وقت گزر گیا ہے، چنانچہ بعض حضرات ایسے وقت میں اذان نہ دینے کے قائل ہیں، اس لیے کہ لوگ کہیں گے یہ بلا وقت اذان کیسی ہے؟ امام بخاری ؒ نے ثابت کیا ہے کہ فوت شدہ نماز کے لیے اذان کہی جا سکتی ہے لیکن ''ذہاب الوقت'' کے الفاظ لا کر اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا کہ فوت شدہ نماز کے لیے اذان اس وقت کہی جائے جب قضا، انقضائے وقت کے فوراً بعد ہو۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ اگر کئی دنوں کے بعد اسے یاد آئے تو اس وقت فوت شدہ نماز کے لیے اذان دینا شروع کر دے۔ اگر فوت شدہ کئی نمازیں ہیں تو پہلی نماز کے ساتھ اذان اور اقامت اور باقی نمازوں کے ساتھ صرف اقامت کہنا اور انھیں باجماعت ادا کرنا مشروع ہے جیسا کہ غزوۂ خندق کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی چار نمازیں فوت ہو گئیں تو ادائیگی کے موقع پر حضرت بلال ؓ نے اذان دی پھر اقامت کہی تو آپ نے ظہر کی نماز پڑھائی، پھر انھوں نے اقامت کہی تو آپ نے عصر پڑھائی۔ اور پھر اقامت کہی تو مغرب، پھر آخر میں اقامت کہنے کے بعد نماز عشاء ادا کی۔[1] یہ روایت اگرچہ ضعیف ہے لیکن دیگر شواہد کی وجہ سے اس کا مفہوم صحیح ہے۔ اگر انسان کسی ایسی جگہ ہو جہاں اذان نہ کہی گئی ہو تو اذان کہنے کا اہتمام کیا جائے، بصورت دیگر اذان کہنا ضروری نہیں۔ البتہ ہر نماز کے لیے اقامت ضرور کہی جائے۔ ② بعض اہل علم کا خیال ہے کہ نمازی جب غلبۂ نیند

1. جامع الترمذي، الصلاة، حديث: 179.

کی وجہ سے صبح کی نماز نہ پڑھ سکے، پھر جب وہ طلوع آفتاب کے وقت بیدار ہو تو اسے نماز پڑھنے کے لیے سورج کے خوب روشن ہونے تک انتظار کرنا چاہیے اور وہ اس حدیث کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں، حالانکہ اس حدیث میں وقت کراہت کی وجہ سے انتظار کرنے کا کوئی اشارہ تک نہیں بلکہ اس حدیث کے ایک طریق سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کو سورج کی گرمی نے بیدار کیا، یعنی دن کافی چڑھ چکا تھا۔[1] اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ضروری حوائج سے فراغت اور وضو کرنے تک کی مہلت دی، اتنے میں دن خوب روشن ہو چکا تھا، اس کے بعد آپ کھڑے ہوئے اور نماز باجماعت کا اہتمام فرمایا،[2] نیز حدیث میں ہے کہ جو نمازی اپنی نماز سے سو رہے یا وہ بروقت ادا کرنا بھول جائے تو اسے چاہیے کہ جب وہ بیدار ہو یا جب اسے یاد آئے تو اسے پڑھ لے۔[3] اس حدیث کا بھی تقاضا ہے کہ ایسے حالات میں نیند سے بیدار ہونے یا یاد آنے پر اسے نماز پڑھ لینی چاہیے، اسے مزید انتظار کرنے کی ضرورت نہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس مسئلے کی مختصر طور پر وضاحت فرمائی ہے۔[4]

(٣٦) بَابُ مَنْ صَلَّى بِالنَّاسِ جَمَاعَةً بَعْدَ ذَهَابِ الْوَقْتِ

باب: 36- وقت گزر جانے کے بعد قضا نماز باجماعت ادا کرنا

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے فوت شدہ نماز کے بجائے وقت گزر جانے کے بعد کہا ہے، اس میں اشارہ ہے کہ فوت شدہ نماز کی جماعت کا اہتمام وقت گزر جانے کے بعد جلدی ہونا چاہیے۔ باجماعت ادا کرنے کا حکم ان فوت شدہ نمازوں کے متعلق نہیں جن کی عدم ادائیگی پر عرصہ گزر گیا ہو۔[5]

٥٩٦ - حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ جَاءَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ بَعْدَ مَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَجَعَلَ يَسُبُّ كُفَّارَ قُرَيْشٍ، قَالَ: يَارَسُولَ اللهِ! مَا كِدْتُ أُصَلِّي الْعَصْرَ حَتَّى كَادَتِ الشَّمْسُ تَغْرُبُ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «وَاللهِ! مَا صَلَّيْتُهَا»، فَقُمْنَا إِلَى بُطْحَانَ فَتَوَضَّأَ لِلصَّلَاةِ وَتَوَضَّأْنَا لَهَا، فَصَلَّى الْعَصْرَ بَعْدَ مَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ، ثُمَّ صَلَّى بَعْدَهَا الْمَغْرِبَ. [انظر: ٥٩٨، ٦٤١، ٩٤٥، ٤١١٢]

[596] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خندق کے دن اس وقت آئے جب سورج غروب ہو چکا تھا۔ وہ کفار قریش کو برا بھلا کہنے لگے، عرض کیا: اللہ کے رسول! میں نماز عصر بمشکل سورج غروب ہونے کے قریب ادا کر سکا ہوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! عصر کی نماز میں بھی نہیں پڑھ سکا۔'' پھر ہم نے وادیٔ بطحان کا رخ کیا۔ آپ نے نماز کے لیے وضو فرمایا اور ہم سب نے بھی وضو کیا۔ پھر آپ نے غروب آفتاب کے بعد نماز عصر ادا کی، اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھائی۔

---

1 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 437. 2 صحيح البخاري، التوحيد، حديث: 7471. 3 جامع الترمذي، الصلاة، حديث: 177. 4 فتح الباري: 89/2. 5 فتح الباري: 90/2.

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں نماز عصر کے فوت ہونے کا ذکر ہے جبکہ حضرت ابوسعید خدری سے مروی ایک حدیث میں نماز ظہر اور نماز عصر کے رہ جانے کا بیان ہے۔[1] اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ غزوۂ خندق میں چار نمازیں رہ گئی تھیں۔[2] شارحین نے ان مختلف احادیث میں تطبیق کی حسب ذیل دو صورتیں بیان کی ہیں: * صحیح بخاری کی روایت کو ترجیح دی جائے اور باقی روایات کو مرجوح قرار دیا جائے۔ اس توجیہ کی تائید حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے کہ کفار قریش نے ہمیں غزوۂ خندق کے موقع پر صلاۃ وسطی، یعنی نماز عصر پڑھنے کا موقع نہ دیا۔[3] * غزوۂ خندق کے موقع پر متعدد واقعات پیش آئے، کسی میں ایک نماز اور کسی میں اس سے زیادہ نمازیں فوت ہونے کا ذکر ہے۔ اس موقف کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ حضرت ابوسعید اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی احادیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے متعلق کوئی ذکر نہیں، نیز ان روایات میں ہے کہ فوت شدہ نمازیں نماز مغرب کا وقت گزر جانے کے بعد پڑھی گئیں جبکہ صحیح بخاری کی حدیث کے مطابق نماز عصر غروب آفتاب کے بعد ادا کی گئی۔[4] ② اس حدیث میں فوت شدہ نمازوں کو باجماعت ادا کرنے کا ذکر صراحت کے ساتھ نہیں، تاہم اسماعیلی کی روایت میں وضاحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز عصر پڑھائی۔ اس کے علاوہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں صراحت ہے کہ نمازوں کے لیے اقامت کہی گئی، پھر آپ نے اس طرح پڑھائیں جس طرح ان کے اوقات میں پڑھاتے تھے۔[5] حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی جماعت کا ذکر ہے۔[6] واضح رہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی نمازیں اس لیے فوت ہوئیں کہ ابھی صلاۃ خوف کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔[7]

(٣٧) بَابُ مَنْ نَّسِيَ صَلَاةً فَلْيُصَلِّ إِذَا ذَكَرَ، وَلَا يُعِيدُ إِلَّا تِلْكَ الصَّلَاةَ

باب: 37- جو شخص کوئی نماز بھول جائے تو جس وقت یاد آئے پڑھ لے اور صرف اسی نماز کا اعادہ کرے

وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ: مَنْ تَرَكَ صَلَاةً وَّاحِدَةً عِشْرِينَ سَنَةً لَمْ يُعِدْ إِلَّا تِلْكَ الصَّلَاةَ الْوَاحِدَةَ.

ابراہیم نخعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے ایک نماز چھوڑ دی (اور) 20 سال تک (اسے یاد نہیں آیا، تب بھی وہ) صرف اسی ایک نماز کا اعادہ کرے گا۔

وضاحت: اس عنوان سے ان لوگوں کی تردید مقصود ہے جو کہتے ہیں کہ قضا شدہ نماز دو مرتبہ پڑھی جائے: ایک جب یاد آئے، پھر دوسرے دن اس کے اپنے وقت بھی ادا کی جائے۔

٥٩٧ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ وَّمُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَا: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ

[597] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں: آپ نے فرمایا: "جو شخص نماز

---

1 مسند أحمد: 25/3. 2 السنن الكبرى للبيهقي: 403/1. 3 صحيح مسلم، المساجد، حديث: 1420(627). 4 فتح الباري: 92/2. 5 سنن النسائي، الأذان، حديث: 662. 6 مسند أحمد: 375/1. 7 سنن النسائي، الأذان، حديث: 662.

مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ نَسِيَ صَلَاةً فَلْيُصَلِّ إِذَا ذَكَرَ، لَا كَفَّارَةَ لَهَا إِلَّا ذٰلِكَ ﴿وَأَقِمِ الصَّلَوٰةَ لِذِكْرِىٓ﴾» [طٰهٰ: ١٤] قَالَ مُوسٰى: قَالَ هَمَّامٌ: سَمِعْتُهُ يَقُولُ بَعْدُ: (وَأَقِمِ الصَّلَوٰةَ لِلذِّكْرٰى) وَقَالَ حَبَّانُ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ قَالَ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسٌ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ نَحْوَهُ.

بھول جائے تو یاد آتے ہی اسے پڑھ لے۔ اس کا یہی کفارہ ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ''میری یاد کے لیے نماز قائم کیجیے۔'' ایک دوسری روایت کے مطابق قتادہ نے آیت کریمہ کو بایں الفاظ تلاوت فرمایا: اَقِمِ الصَّلَاةَ لِلذِّكْرٰى۔ حبان نے کہا: ہم سے ہمام نے بیان کیا، انھوں نے کہا: ہم سے قتادہ نے، انھوں نے کہا: ہم سے حضرت انس ؓ نے بیان کیا، وہ نبی ﷺ سے ایسی ہی حدیث بیان کرتے ہیں۔

فوائد و مسائل: ① ایک روایت بایں الفاظ ہے: جو بھول جائے یا سو جائے تو جب بھی یاد آئے یا بیدار ہو تو فوت شدہ نماز ادا کرے۔[1] ایک روایت میں ہے کہ ''اگلے دن اسے اپنے وقت پر پڑھے۔''[2] اس اضافے سے بعض حضرات نے یہ مسئلہ کشید کیا ہے کہ فوت شدہ نماز کو دو مرتبہ ادا کرے: ایک مرتبہ جب یاد آئے اور پھر دوسرے دن اسے اپنے وقت پر بھی پڑھے۔ لیکن حدیث کے الفاظ اس کے متعلق نص صریح کی حیثیت نہیں رکھتے کیونکہ ان الفاظ کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ آئندہ دن موجودہ نماز کو اس کے وقت پر ادا کرے، سستی سے کام نہ لے، ایسا نہ ہو کہ اگلے دن پھر بروقت نہ پڑھ سکے اور یہی معنی راجح ہیں۔ اور جہاں تک ابوداود کی حدیث (438) کا تعلق ہے، جس میں دوبارہ نماز ادا کرنے کی صراحت ہے تو وہ شاذ ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: (ضعيف سنن أبي داود للألباني، حديث : 41) ② امام بخاری ؒ نے اَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِیْ کے متعلق دو قراءتوں کا ذکر کیا ہے: ✱ ابونعیم اور موسیٰ بن اسماعیل کے بیان کے مطابق لفظ ''ذکر'' یائے متکلم کی طرف مضاف ہے۔ ✱ صرف موسیٰ کے بیان کے مطابق یہ لفظ اسم مقصور ہے، یعنی آخر میں یائے متکلم کے بجائے الف مقصورہ ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسئلے کی وضاحت کرتے ہوئے کسی راوی نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی۔ لیکن صحیح مسلم کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے اسے تلاوت فرمایا، چنانچہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''جو شخص نماز سے سو رہے یا غفلت کرے تو اسے چاہیے کہ یاد آنے پر اسے پڑھ لے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔''[3] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت کریمہ کی تلاوت خود رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہے، نیز امام بخاری ؒ نے آخر میں ایک تعلیق بیان کرکے اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ قتادہ کا حضرت انس ؓ سے سماع ثابت ہے۔ اس تعلیق کو محدث ابوعوانہ نے اپنی ''صحیح'' میں متصل سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔[4]

(٣٨) بَابُ قَضَاءِ الصَّلَاةِ الْأُولٰى فَالْأُولٰى

باب:38- فوت شدہ نمازوں کو حسب ترتیب پڑھنا چاہیے

1 صحيح مسلم، المساجد، حديث :1568(684)۔ 2 سنن أبي داود، الصلاة، حديث : 437۔ 3 صحيح مسلم، المساجد، حديث : 1569(684)۔ 4 فتح الباري : 95/2۔

وضاحت: اس عنوان کو بعض محدثین نے ان الفاظ سے بیان کیا ہے "باب ترتیب الفوائت" ہم نے عنوان کا ترجمہ اسی اسلوب کے مطابق کیا ہے۔

٥٩٨ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ هِشَامٍ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيٰى - هُوَ ابْنُ أَبِي كَثِيرٍ - عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ جَابِرٍ قَالَ: جَعَلَ عُمَرُ يَوْمَ الْخَنْدَقِ يَسُبُّ كُفَّارَهُمْ وَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! مَا كِدْتُ أُصَلِّي الْعَصْرَ حَتّٰى غَرَبَتِ الشَّمْسُ، قَالَ: فَنَزَلْنَا بُطْحَانَ فَصَلّٰى بَعْدَ مَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ صَلَّى الْمَغْرِبَ. [راجع: ٥٩٦]

[598] حضرت جابر ؓ سے روایت ہے، حضرت عمر ؓ غزوۂ خندق کے دن کفار قریش کو برا بھلا کہنے لگے اور عرض کیا: اللہ کے رسول! میں غروب آفتاب تک بمشکل نماز عصر پڑھ سکا ہوں۔ حضرت جابر ؓ کہتے ہیں: پھر ہم لوگ وادئ بطحان میں گئے، تب آپ نے آفتاب غروب ہو جانے کے بعد نماز (عصر) پڑھی، اس کے بعد نماز مغرب ادا فرمائی۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ کا رجحان یہ معلوم ہوتا ہے کہ حاضر نمازوں کی طرح فوت شدہ نمازوں کو بھی ترتیب کے مطابق ادا کیا جائے جیسا کہ مذکورہ حدیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ اس روایت میں صرف نماز عصر کا بیان ہے جبکہ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہر، عصر اور مغرب تین نمازیں فوت ہوئی تھیں، جنھیں عشاء کے وقت حسب ترتیب ادا کیا گیا، آخر میں نماز عشاء باجماعت ادا فرمائی۔ اگرچہ بعض فقہاء کا موقف ہے کہ پہلے، وقت کی نماز ادا کی جائے، اس کے بعد سابقہ فوت شدہ نمازیں ادا کی جائیں، تاہم رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ مبارکہ یہ ہے کہ پہلے فوت شدہ نمازیں حسب ترتیب پڑھی جائیں، پھر حاضر نماز کو ادا کیا جائے۔ اگرچہ آپ کا مجرد فعل وجوب پر دلالت نہیں کرتا لیکن رسول اللہ ﷺ کے طریقے پر عمل کرنے میں ہی خیر و برکت ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ جنگ خندق کے روز مشرکین مکہ نے رسول اللہ ﷺ کو اس قدر مشغول کیا کہ آپ کی چار نمازیں رہ گئیں۔ آپ نے فرصت کے وقت حضرت بلال ؓ کو حکم دیا، انھوں نے اذان دی، پھر اقامت کہی تو آپ نے ظہر کی نماز پڑھائی۔ پھر انھوں نے اقامت کہی تو آپ نے نماز عصر پڑھائی، پھر انھوں نے اقامت کہی تو آپ نے مغرب کی نماز پڑھائی، پھر انھوں نے اقامت کہی تو آپ نے نماز عشاء پڑھائی۔[1] ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فوت شدہ نمازوں کی قضا اور وقت کی نماز کے درمیان ترتیب ضروری ہے۔ اس کے علاوہ نماز کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ "تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔"[2] اس امر نبوی کے تحت نماز کے سلسلے میں جتنے بھی افعال و اعمال آئیں گے، ہمارے نزدیک ان سب کا ادا کرنا ضروری ہے۔ واللہ أعلم.

(٣٩) بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ السَّمَرِ بَعْدَ الْعِشَاءِ

باب: 39- نماز عشاء کے بعد قصہ گوئی مکروہ ہے

1 مسند أحمد: 375/1. 2 صحيح البخاري، الأذان، حديث: 631.

اَلسَّامِرُ مِنَ السَّمَرِ وَالْجَمْعُ: السُّمَّارُ وَالسَّامِرُ هَاهُنَا فِي مَوْضِعِ الْجَمْعِ، وَأَصْلُ السَّمَرِ ضَوْءُ لَوْنِ الْقَمَرِ وَكَانُوا يَتَحَدَّثُونَ فِيهِ.

سامر کا لفظ سمر سے ماخوذ ہے۔ اس کی جمع سُمار ہے۔ اور اس مقام پر سامر جمع کے معنوں میں مستعمل ہے۔ عربی زبان میں سمر کا لفظ چاند کی چاندنی کے لیے بولا جاتا ہے۔ چونکہ لوگ اس میں مزے لے لے کر باتیں کرتے تھے، اس لیے بعد میں رات کے وقت باتیں کرنے کے لیے استعمال ہونے لگا۔

وضاحت: امام بخاری ؒ حافظ قرآن ہیں، اس لیے حدیث میں جب کوئی ایسا لفظ آتا ہے جو قرآنی الفاظ سے ماخوذ ہو تو آپ کا ذہن فوراً اس آیت قرآنی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ﴾ [1] ”تم کافر لوگ اپنے گھمنڈ میں میری آیات کو افسانے سمجھتے اور بکواس کیا کرتے تھے۔“ لفظ سمر کی وجہ سے امام بخاری ؒ کا ذہن اس آیت کی طرف منتقل ہو گیا، اس لیے فرمایا کہ لفظ سامر یہاں، یعنی قرآن میں جمع کے معنی میں ہے۔ اس عنوان سے مقصود یہ ہے کہ بعض اوقات عشاء کے بعد قصہ گوئی میں مصروف ہونے کی وجہ سے صبح کی نماز بروقت نہیں پڑھی جا سکتی، اس لیے ان کاموں کے ناپسند ہونے کو بیان فرمایا جو نماز کی بروقت ادائیگی پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ [2]

٥٩٩ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى قَالَ: حَدَّثَنَا عَوْفٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الْمِنْهَالِ قَالَ: انْطَلَقْتُ مَعَ أَبِي إِلَى أَبِي بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ، فَقَالَ لَهُ أَبِي: حَدِّثْنَا كَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي الْمَكْتُوبَةَ؟. قَالَ: كَانَ يُصَلِّي الْهَجِيرَ - وَهِيَ الَّتِي تَدْعُونَهَا الْأُولَى - حِينَ تَدْحَضُ الشَّمْسُ، وَيُصَلِّي الْعَصْرَ ثُمَّ يَرْجِعُ أَحَدُنَا إِلَى أَهْلِهِ فِي أَقْصَى الْمَدِينَةِ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ، وَنَسِيتُ مَا قَالَ فِي الْمَغْرِبِ، قَالَ: وَكَانَ يَسْتَحِبُّ أَنْ يُؤَخِّرَ الْعِشَاءَ، قَالَ: وَكَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيثَ بَعْدَهَا، وَكَانَ يَنْفَتِلُ مِنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ حِينَ يَعْرِفُ أَحَدُنَا جَلِيسَهُ وَيَقْرَأُ مِنَ السِّتِّينَ إِلَى الْمِائَةِ. [راجع: ٥٤١]

[599] حضرت ابو منہال سیار بن سلامہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں اپنے والد گرامی کے ہمراہ حضرت ابو برزہ اسلمی ؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے والد محترم نے ان سے عرض کیا: آپ بیان کریں کہ رسول اللہ ﷺ فرض نماز کس طرح پڑھتے تھے؟ انھوں نے فرمایا: نماز ظہر جسے تم پہلی نماز کہتے ہو اس وقت پڑھتے جب سورج ڈھل جاتا تھا۔ اور نماز عصر اس وقت پڑھتے کہ جب ہمارا کوئی آدمی نماز پڑھ کر عوالی مدینہ میں اپنے گھر پہنچتا تو ابھی سورج خوب روشن ہوتا۔ راوی کہتا ہے کہ مغرب کے متعلق انھوں نے جو فرمایا میں اسے بھول گیا ہوں۔ صحابی کہتے ہیں کہ آپ عشاء کی نماز دیر سے پڑھنا پسند کرتے تھے، نیز عشاء سے پہلے سونے اور عشاء کے بعد بات کرنے کو مکروہ خیال کرتے تھے۔ اور صبح کی نماز سے فراغت کے بعد آپ

1 المؤمنون 67:23. 2 فتح الباري: 96/2.

ایسے وقت لوٹتے جب ہم میں سے ہر ایک اپنے پاس والے ساتھی کو پہچان لیتا تھا اور آپ اس میں ساٹھ سے سو تک آیات پڑھا کرتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① یہ حدیث پہلے (541) نماز عصر کا وقت بیان کرتے ہوئے ذکر ہوئی تھی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس مقام پر نماز عشاء کے بعد قصہ گوئی کی کراہت بیان کرنے کے لیے اسے دوبارہ ذکر کیا ہے۔ عشاء کے بعد باتیں کرنے اور قصہ گوئی میں مصروف ہونے کی کراہت اس لیے ہے کہ مبادا نماز فجر قضا ہو جائے یا کم از کم وقت مختار نکل جائے، نیز قیام اللیل پر بھی اثر انداز ہوسکتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو اس بات پر مارا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ شروع رات میں قصہ گوئی اور باتوں میں وقت خراب کرو گے تو رات کے آخری حصے میں نیند آئے گی۔ اس کے مفاسد محتاج بیان نہیں۔ ② اگر اس بات کو کراہت کی علت قرار دیا جائے تو بڑی اور چھوٹی راتوں میں فرق کیا جاسکتا ہے۔ ممکن ہے کہ دور اندیشی کے پیش نظر یہ ممانعت مطلق طور پر ہو کیونکہ شریعت جب کسی چیز پر خرابی کے اندیشے سے کوئی حکم لگاتی ہے تو پھر وہ سختی سے قائم رہتی ہے، اس لیے شریعت نے نماز عشاء کے بعد مباح باتوں سے روک دیا ہے کیونکہ حرام باتیں تو ہر وقت منع ہیں۔[1] تاہم ایسی باتیں جن میں دعوت و تبلیغ یا مسلمانوں کی فلاح و بہبود مقصود ہو، ان کے متعلق شریعت نرم گوشہ رکھتی ہے جیسا کہ آئندہ بیان ہوگا، لیکن وہ اس حد تک ہونی چاہیے کہ نماز فجر متاثر نہ ہو۔ اگر نماز فجر قضا ہونے یا وقت مختار نکل جانے کا اندیشہ ہو تو عشاء کے بعد خیر و برکت پر مشتمل باتوں سے بھی اجتناب کرنا چاہیے۔ واللہ أعلم.

(٤٠) بَابُ السَّمَرِ فِي الْفِقْهِ وَالْخَيْرِ بَعْدَ الْعِشَاءِ

باب: 40- نماز عشاء کے بعد علمی اور خیر خواہی پر مبنی گفتگو کرنا

٦٠٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ صَبَّاحٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَلِيٍّ الْحَنَفِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا قُرَّةُ بْنُ خَالِدٍ قَالَ: انْتَظَرْنَا الْحَسَنَ، وَرَاثَ عَلَيْنَا حَتَّى قَرُبْنَا مِنْ وَقْتِ قِيَامِهِ فَجَاءَ وَقَالَ: دَعَانَا جِيرَانُنَا هٰؤُلَاءِ، ثُمَّ قَالَ: قَالَ أَنَسٌ: نَظَرْنَا النَّبِيَّ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ حَتَّى كَانَ شَطْرُ اللَّيْلِ يَبْلُغُهُ، فَجَاءَ فَصَلَّى لَنَا ثُمَّ خَطَبَنَا فَقَالَ: «أَلَا إِنَّ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا ثُمَّ رَقَدُوا وَإِنَّكُمْ لَمْ تَزَالُوا فِي صَلَاةٍ مَّا

[600] حضرت قرہ بن خالد سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم ایک دفعہ حضرت حسن بصری کا انتظار کر رہے تھے۔ انھوں نے تشریف لانے میں اتنی دیر کر دی کہ (مسجد سے) ان کی برخاستگی کا وقت قریب آگیا۔ بہرحال وہ تشریف لائے اور فرمایا: ہمیں ہمارے پڑوسیوں نے دعوت دی تھی (اس لیے دیر ہوگئی)۔ پھر انھوں نے کہا: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ ہم نے ایک رات نبی ﷺ کا انتظار کیا تاآنکہ آدھی رات ہوگئی۔ اس کے بعد آپ تشریف لائے

1. فتح الباري: 97/2.

انْتَظَرْتُمُ الصَّلَاةَ». [قَالَ الْحَسَنُ:] وَإِنَّ الْقَوْمَ لَا يَزَالُونَ بِخَيْرٍ مَّا انْتَظَرُوا الْخَيْرَ. قَالَ قُرَّةُ: هُوَ مِنْ حَدِيثِ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [راجع: ٥٧٢]

اور ہمیں نماز پڑھائی، پھر آپ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: ''خبردار! لوگ تو نماز پڑھ کر سو گئے اور تم برابر نماز میں رہے جب تک تم نماز کا انتظار کرتے رہے۔'' اس حدیث کے پیش نظر حضرت حسن بصری نے فرمایا: لوگ اس وقت تک خیر میں رہتے ہیں جب تک وہ خیر کا انتظار کرتے رہیں۔ قرہ بن خالد نے کہا: حضرت حسن بصری کا مذکورہ فرمان بھی حضرت انس ؓ سے مروی اس حدیث سے ماخوذ ہے جو انھوں نے نبی ﷺ سے بیان کی ہے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نماز عشاء کے بعد دین اور خیر خواہی کی باتیں کرنا ممنوع نہیں، چنانچہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور سیدنا ابو بکر صدیق ؓ رات کے وقت مسلمانوں کے معاملات کے متعلق باہم گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ حضرت عمر ؓ کہتے ہیں کہ میں بھی اس مجلس مشاورت میں شریک رہتا تھا۔[1] اگرچہ عام حالات میں نماز عشاء کے بعد سو جانا چاہیے لیکن اگر کوئی کار خیر سامنے آجائے یا علمی کام کرنا ہو یا مسلمانوں کے متعلق کوئی رفاہی معاملہ نمٹانا ہو تو عشاء کے بعد گفتگو کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ صبح کی نماز فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو، چنانچہ امام حسن بصری ؒ کا معمول تھا کہ وہ روزانہ رات کے وقت مسجد میں ایک علمی مجلس کا اہتمام کرتے تھے جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے، نیز اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز عشاء کے بعد خطبہ ارشاد فرمایا۔ امام بخاری ؒ کا محل استدلال یہی خطبہ ہے۔ ② واضح رہے کہ حضرت انس ؓ سے جب یہ روایت حمید الطویل بیان کرتے ہیں تو اس میں رسول اللہ ﷺ کی انگوٹھی اور اس کی چمک وغیرہ کی منظر کشی کی گئی ہے، وہ بھی قابل ملاحظہ ہے۔[2]

٦٠١ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: حَدَّثَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي حَثْمَةَ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ: صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ صَلَاةَ الْعِشَاءِ فِي آخِرِ حَيَاتِهِ، فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: «أَرَأَيْتَكُمْ لَيْلَتَكُمْ هٰذِهِ، فَإِنَّ رَأْسَ مِائَةِ سَنَةٍ لَّا يَبْقَى مِمَّنْ هُوَ الْيَوْمَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَدٌ»، فَوَهِلَ النَّاسُ فِي مَقَالَةِ النَّبِيِّ ﷺ إِلَى مَا

[601] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں ہمیں عشاء کی نماز پڑھائی۔ سلام پھیرنے کے بعد نبی ﷺ کھڑے ہو گئے اور فرمایا: ''تم اس رات کی اہمیت کو جانتے ہو؟ آج کی رات سے سو برس بعد کوئی شخص جو اب زمین پر موجود ہے، زندہ نہیں رہے گا۔'' لوگ نبی ﷺ کے اس ارشاد گرامی کی وجہ سے پریشان ہونے لگے اور سو برس کی وضاحت کرنے میں دوسری باتوں کی طرف خیال دوڑانا

1 جامع الترمذي، الصلاة، حديث: 169. 2 صحيح البخاري، اللباس، حديث: 5869.

يَتَحَدَّثُونَ فِي هٰذِهِ الْأَحَادِيثِ عَنْ مِائَةِ سَنَةٍ، وَإِنَّمَا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَا يَبْقٰى مِمَّنْ هُوَ الْيَوْمَ عَلٰى ظَهْرِ الْأَرْضِ»، يُرِيدُ بِذٰلِكَ أَنَّهَا تَخْرِمُ ذٰلِكَ الْقَرْنَ. [راجع: ١١٦]

شروع کر دیا، حالانکہ نبی ﷺ کے اس فرمان: ''جو آج روئے زمین پر زندہ ہیں ان میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہے گا۔'' اس سے آپ کی مراد یہ تھی کہ سو برس تک یہ صدی ختم ہو جائے گی۔

فائدہ: امام بخاری رحمہ اللہ کا اس حدیث سے صرف یہ مقصود ہے کہ علمی مذاکرات کو سمر بعد العشاء کے تحت نہ سمجھا جائے بلکہ ایسی مجالس کے انعقاد میں کوئی حرج نہیں لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ دعوتی اجتماعات رات گئے تک جاری رہیں۔ پوری پوری رات وعظ و ارشاد کی مجالس میں لگا دینا کوئی خدمت دین نہیں۔ اس حدیث کے تحت حیاتِ خضر کا مسئلہ بھی آتا ہے، چنانچہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ اس کے متعلق تفصیلی گفتگو آئندہ پر اٹھا رکھتے ہیں۔ وباللہ التوفیق.

(٤١) بَابُ السَّمَرِ مَعَ الْأَهْلِ وَالضَّيْفِ

باب: 41- اہل خانہ اور مہمانوں کے ساتھ عشاء کے بعد گفتگو کرنا

٦٠٢ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ قَالَ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرُ ابْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوعُثْمَانَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ: أَنَّ أَصْحَابَ الصُّفَّةِ كَانُوا أُنَاسًا فُقَرَاءَ، وَأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «مَنْ كَانَ عِنْدَهُ طَعَامُ اثْنَيْنِ فَلْيَذْهَبْ بِثَالِثٍ، وَإِنْ أَرْبَعٌ فَخَامِسٌ أَوْ سَادِسٌ». وَأَنَّ أَبَا بَكْرٍ جَاءَ بِثَلَاثَةٍ وَّانْطَلَقَ النَّبِيُّ ﷺ بِعَشَرَةٍ. قَالَ: فَهُوَ أَنَا وَأَبِي، فَلَا أَدْرِي قَالَ: وَامْرَأَتِي وَخَادِمٌ، بَيْنَ بَيْتِنَا وَبَيْنَ بَيْتِ أَبِي بَكْرٍ، وَإِنَّ أَبَابَكْرٍ تَعَشّٰى عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ لَبِثَ حَيْثُ صُلِّيَتِ الْعِشَاءُ ثُمَّ رَجَعَ فَلَبِثَ حَتّٰى تَعَشَّى النَّبِيُّ ﷺ، فَجَاءَ بَعْدَ مَا مَضٰى مِنَ اللَّيْلِ مَا شَاءَ اللّٰهُ، قَالَتْ لَهُ امْرَأَتُهُ: وَمَا حَبَسَكَ عَنْ أَضْيَافِكَ، أَوْ قَالَتْ: ضَيْفِكَ؟ قَالَ: أَوَمَا عَشَّيْتِيهِمْ؟ قَالَتْ:

[602] حضرت عبدالرحمٰن بن ابو بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: اصحاب صفہ نادار لوگ تھے۔ نبی ﷺ نے (ان کے متعلق) فرمایا تھا: ''جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہے، وہ تیسرا آدمی ساتھ لے جائے اور اگر چار کا ہو تو پانچواں یا چھٹا (ان میں سے لے جائے)۔'' چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ تین آدمی لے کر گئے اور خود نبی ﷺ نے اپنے ہمراہ دس آدمیوں کو لیا۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ گھر میں اس وقت میں اور میرے والدین تھے۔ راوی کہتا ہے کہ مجھے یاد نہیں کہ آپ نے یہ کہا یا نہیں کہ گھر میں میری اہلیہ اور خادم بھی تھا جو میرے اور میرے والدگرامی کے گھر میں مشترکہ طور پر کام کرتا تھا۔ الغرض حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے ہاں رات کا کھانا کھالیا اور تھوڑی دیر کے لیے وہاں ٹھہر گئے، پھر عشاء کی نماز پڑھ لی گئی، لوٹ کر پھر تھوڑی دیر ٹھہرے۔ یہاں تک کہ نبی ﷺ نے رات کا کھانا تناول فرمایا۔ اس کے بعد

أَبَوْا حَتّٰى تَجِيءَ، قَدْ عُرِضُوا فَأَبَوْا، قَالَ: فَذَهَبْتُ أَنَا فَاخْتَبَأْتُ، فَقَالَ: يَا غُنْثَرُ! فَجَدَّعَ وَسَبَّ، وَقَالَ: كُلُوا لَا هَنِيئًا، فَقَالَ: وَاللهِ! لَا أَطْعَمُهُ أَبَدًا، وَآيْمُ اللهِ! مَا كُنَّا نَأْخُذُ مِنْ لُقْمَةٍ إِلَّا رَبَا مِنْ أَسْفَلِهَا أَكْثَرُ مِنْهَا، - قَالَ: وَشَبِعُوا - وَصَارَتْ أَكْثَرَ مِمَّا كَانَتْ قَبْلَ ذٰلِكَ، فَنَظَرَ إِلَيْهَا أَبُو بَكْرٍ فَإِذَا هِيَ كَمَا هِيَ أَوْ أَكْثَرُ مِنْهَا، فَقَالَ لِامْرَأَتِهِ: يَا أُخْتَ بَنِي فِرَاسٍ! مَا هٰذَا؟ قَالَتْ: لَا وَقُرَّةِ عَيْنِي، لَهِيَ الْآنَ أَكْثَرُ مِنْهَا قَبْلَ ذٰلِكَ بِثَلَاثِ مَرَّاتٍ، فَأَكَلَ مِنْهَا أَبُو بَكْرٍ وَقَالَ: إِنَّمَا كَانَ ذٰلِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ - يَعْنِي يَمِينَهُ - ثُمَّ أَكَلَ مِنْهَا لُقْمَةً، ثُمَّ حَمَلَهَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَأَصْبَحَتْ عِنْدَهُ، وَكَانَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمٍ عَقْدٌ فَمَضَى الْأَجَلُ فَفَرَّقَنَا اثْنَيْ عَشَرَ رَجُلًا مَعَ كُلِّ رَجُلٍ مِنْهُمْ أُنَاسٌ، اَللهُ أَعْلَمُ كَمْ مَعَ كُلِّ رَجُلٍ، فَأَكَلُوا مِنْهَا أَجْمَعُونَ، أَوْ كَمَا قَالَ. [انظر: ٣٥٨١، ٦١٤٠، ٦١٤١]

آپ کافی رات گئے اپنے گھر واپس آئے تو ان کی بیوی نے کہا: تم اپنے مہمانوں یا مہمان کو چھوڑ کر کہاں اٹک گئے تھے؟ وہ بولے: کیا تم نے انھیں کھانا نہیں کھلایا؟ انھوں نے بتایا کہ آپ کے آنے تک مہمانوں نے کھانا کھانے سے انکار کردیا تھا۔ کھانا پیش کیا گیا لیکن وہ نہ مانے۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں: میں تو (مارے خوف کے) کہیں چھپ گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے غنثر! آپ نے بہت سخت سست کہا اور خوب کوسا۔ پھر مہمانوں سے گویا ہوئے: کھاؤ تمھیں خوشگوار نہ ہو۔ اور کہا: اللہ کی قسم! میں ہرگز نہ کھاؤں گا۔ (عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:) اللہ کی قسم! ہم جب لقمہ لیتے تو نیچے سے زیادہ بڑھ جاتا تا آنکہ سب مہمان سیر ہو گئے اور جس قدر کھانا پہلے تھا اس سے کہیں زیادہ بچ گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب کھانا دیکھا کہ وہ ویسے ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے تو انھوں نے اپنی اہلیہ سے فرمایا: اے قبیلۂ بنوفراس کی بہن! یہ کیا ماجرا ہے؟ انھوں نے عرض کیا: اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک! یہ کھانا اس وقت پہلے سے تین گنا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ پھر اس میں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کچھ تناول فرمایا اور کہا کہ ان کی یہ قسم شیطان ہی کی طرف سے تھی۔ پھر ایک لقمہ اس سے (مزید) کھایا اور باقی ماندہ کھانا نبی ﷺ کے پاس اٹھا کر لے گئے اور وہ صبح تک آپ کے پاس پڑا رہا۔ (عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا:) ہمارے اور ایک گروہ کے درمیان کچھ عہد تھا جس کی مدت گزر چکی تھی تو ہم نے بارہ آدمی علیحدہ کر دیے۔ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ کچھ آدمی تھے۔ یہ تو اللہ ہی جانتا ہے کہ ہر شخص کے ساتھ کتنے آدمی تھے۔ ان سب نے اس میں سے کھایا، یا جیسے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا۔

فوائد و مسائل: ① دن کے اوقات میں کاروباری مصروفیات اور دیگر مشاغل کی وجہ سے انسان گھریلو ضروریات کے متعلق

اہل خانہ سے تبادلۂ خیالات اور باہمی مشاورت کے لیے فرصت نہیں پاسکتا، اس لیے رات کے وقت کھانے وغیرہ سے فراغت کے بعد بیوی بچوں سے بات چیت کرنے کی گنجائش رکھی گئی ہے، نیز مہمان کی آمد کا کوئی طے شدہ وقت نہیں ہوتا، وہ کسی بھی وقت حاضر ہوسکتا ہے۔عشاء کے بعد اس کے ساتھ مذاکرات کی ضرورت پیش آسکتی ہے، اس لیے شریعت نے ایسی ہنگامی ضروریات کا خیال رکھا ہے۔امام بخاری رحمہ اللہ چونکہ بندوں کی ضروریات کے ساتھ نصوص پر بھی گہری نظر رکھتے ہیں، اس لیے آپ نے قائم کردہ عنوان کو درج بالا حدیث سے ثابت کیا ہے۔ ② اس حدیث سے درج ذیل مسائل کا اثبات ہوتا ہے: ❁ جب لوگوں پر رزق کی تنگی ہو تو حاکم وقت ان کی کفالت بقدر وسعت دوسرے لوگوں پر ڈال سکتا ہے۔ ❁ رئیس قوم کے ساتھ کھانا تناول کرنے کی گنجائش ہے اگرچہ گھر میں مہمان موجود ہوں۔ ❁ صاحب منزل کی طرح دیگر افراد کو بھی چاہیے کہ وہ مہمانوں کا پورا پورا خیال رکھیں۔ ❁ مہمانوں کو چاہیے کہ وہ صاحب منزل کے احترام کے پیش نظر کھانے کے لیے اس کا انتظار کریں۔ ❁ کوئی بابرکت چیز گھر میں آئے تو اہل علم اور صاحبان فضل کو بھی اس میں شریک کرنا چاہیے۔ ❁ اولیاء کی کرامات برحق ہیں لیکن اہل بدعت نے اس آڑ میں جو شاخسانہ کھڑا کیا ہے وہ خود ساختہ ہے۔ ❁ کسی کوتاہی پر خوف اور ڈر کے پیش نظر اپنے والد یا بڑے کی نگاہوں سے اوجھل ہو جانا جائز ہے۔ ❁ اولاد کو کسی کوتاہی کی وجہ سے ڈانٹ پلانا اور اسے برا بھلا کہنا درست ہے۔ ❁ اگر کسی ناروا بات پر قسم اٹھالی جائے تو اسے توڑا جاسکتا ہے۔ ❁ اگر ضرورت سے زائد کھانا موجود ہو تو اگلے دن کے لیے محفوظ کیا جاسکتا ہے۔ ❁ اگر صاحب منزل نے ہدایت کردی ہو تو مہمان کو اس کی عدم موجودگی میں کھانا کھالینا چاہیے۔[1] ③ چونکہ کتاب المواقیت کا اختتام ہے، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے حسب عادت براعت اختتام کا پورا پورا خیال رکھا ہے۔اس حدیث میں [مضى الأجل] کے الفاظ ہیں۔ان سے موت کی طرف اشارہ ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ ہر وقت موت کی تیاری میں رہے۔ دنیا کی مہلت کسی بھی وقت ختم ہوسکتی ہے۔ واللہ المستعان.

1. عمدة القاري: 142/4.

اَللّٰہُ اَکْبَرُ
اَللّٰہُ اَکْبَرُ
اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ
اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ
اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ
اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ
اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ
حَیَّ عَلَی الصَّلَاۃِ حَیَّ عَلَی الصَّلَاۃِ
حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ
اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ
لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

اذان کی ابتدا اور حکمت و فضیلت

اذان کے لغوی معنی اعلان کرنے اور اطلاع دینے کے ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں مخصوص اوقات میں مخصوص الفاظ کے ساتھ نماز کے وقت کا اعلان کرنا اذان کہلاتا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے علامہ قرطبی رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھا ہے:

اذان مختصر ہونے کے باوجود عقیدے سے متعلق بڑے اہم مسائل پر مشتمل ہے کیونکہ اس کا آغاز اَللّٰهُ أَكْبَر سے ہوتا ہے۔ اس جملے میں ذات باری تعالیٰ کی کبریائی، اس کے وجود اور اس کی کمال عظمت کی زبردست دلیل ہے، پھر شرک کا انکار اور توحید کا اثبات، پھر رسالت کی گواہی دی جاتی ہے۔ اس کے بعد ایک مخصوص اطاعت، یعنی نماز کی دعوت دی جاتی ہے جس کے متعلق جملہ ہدایات رسول ہی سے مل سکتی ہیں، پھر فلاح کی دعوت جو درحقیقت بقا و دوام، یعنی یوم آخرت سے عبارت ہے، پھر کلماتِ اذان میں تکرار ہے جو ایک بندۂ مسلم کے لیے تجدید ایمان کا باعث ہے تاکہ نماز کا آغاز ایمان کامل سے ہو۔ اذان میں اوقات نماز کی اطلاع کے علاوہ کئی ایک فوائد ہیں جن میں نماز باجماعت کی دعوت اور شعائر اسلام کا اظہار سرفہرست ہیں۔ اذان میں کسی کام کو بطور علامت ٹھہرانے کے بجائے صرف چند کلمات کہنے کو اختیار کیا گیا ہے کیونکہ کام کرنے میں بعض اوقات رکاوٹ پیدا ہوسکتی ہے لیکن قول کے ذریعے سے ہر وقت اور ہر جگہ اعلان کیا جاسکتا ہے۔ اس میں علمائے امت کا اختلاف ہے کہ اذان دینے اور امامت کرانے میں کون سا عمل بہتر ہے؟ راجح بات یہ ہے کہ اگر انسان کو خود پر اعتماد ہو کہ وہ امامت کے فرائض ادا کرنے میں کوتاہی کا مرتکب نہیں ہوگا تو ایسے انسان کے لیے امامت افضل ہے، بصورت دیگر اذان دینے میں برتری ہے۔ ان دونوں کو جمع کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بایں الفاظ اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا کہ اگر میں خلافت کے ساتھ ساتھ اذان دینے کی اپنے اندر ہمت پاؤں تو اذان دینے کی ڈیوٹی ضرور ادا کروں۔[1]

چونکہ اذان کے ذریعے سے شعائر اسلام کا اظہار مقصود ہے، اس لیے چاہیے کہ اذان بلند آواز اور دلکش انداز میں کہی جائے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب المواقیت کے بعد کتاب الاذان کو اس لیے بیان کیا ہے کہ اذان سے بھی اوقات

---

1 فتح الباري : 102/2۔

نماز کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ چونکہ اذان، جماعت کے لیے کہی جاتی ہے، اس لیے اذان کے زیر عنوان نماز کے مسائل اور جماعت کے احکام بھی بیان کر دیے ہیں۔ اگرچہ نماز مکہ مکرمہ میں فرض ہو چکی تھی لیکن کفار قریش کے ظلم وستم کے باعث اذان کے ذریعے سے اس کی تشہیر ممکن نہ تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو سب سے پہلے نماز با جماعت ادا کرنے کے لیے مسجد تعمیر کی، پھر ضرورت محسوس ہوئی کہ لوگوں کو جماعت کے وقت سے آگاہ کرنے کے لیے کوئی خاطر خواہ طریقہ اختیار کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے متعلق اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی مشورہ فرمایا۔ کسی نے کہا کہ بلند جگہ پر آگ روشن کر دی جائے، بعض حضرات نے بوق، یعنی نرسنگھا پھونکنے کا مشورہ دیا جبکہ کچھ حضرات ناقوس بجانے کے حق میں تھے۔ چونکہ ان کاموں کے بجا لانے میں مجوس اور یہود و نصاریٰ سے مشابہت ہوتی تھی، اس لیے آپ نے انھیں ناپسند فرمایا۔ کسی نے یہ مشورہ دیا کہ اس کے لیے بطور علامت کوئی خاص جھنڈا بلند کر دیا جائے، لیکن یہ تدبیر اس لیے کارگر نہ تھی کہ اپنی ضروریات میں مصروف انسان جھنڈے کو دیکھنے کی فرصت کیسے پا سکے گا، الغرض رسول اللہ ﷺ کو ان میں سے کسی بات پر بھی اطمینان نہ ہوا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے خواب کے ذریعے سے اس اہم کام کے لیے بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی رہنمائی فرمائی۔ جب انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنی خواہش پیش کی تو آپ نے ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرمایا: ''ان شاء اللہ یہ خواب برحق ہے۔'' کیونکہ یہ خواب سننے سے پہلے آپ کو بھی بذریعۂ وحی مطلع کر دیا گیا تھا۔ اس دن سے اوقات نماز کے لیے اذان دینے کا یہ نظام قائم ہوا جو آج تک دین اسلام اور امت مسلمہ کا ایک خاص شعار اور امتیازی نشان ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الاذان جیسے مرکزی عنوان کے تحت 166 چھوٹے چھوٹے عنوان قائم کیے ہیں۔ ہم انھیں تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:

* **اذان اور اس کے متعلقات:** اس میں آغاز اذان، طریقۂ اذان، فضیلت اذان، اہمیت اذان، جواب اذان، دعائے اذان اور مسائل اذان بیان کیے ہیں۔ یہ سلسلہ باب نمبر ایک سے لے کر باب نمبر انیس تک ہے۔
* **دعوت اذان اور اس کے متعلقات:** اس میں نماز با جماعت کی اہمیت، نماز با جماعت کا وجوب، نماز با جماعت کی فضیلت، نماز با جماعت کے آداب اور امامت کی شرائط، پھر جماعت کی مناسبت سے صف اول، صف بندی اور اس کی اہمیت و فضیلت اور اس کا طریقۂ کار ذکر کیا ہے۔ یہ سلسلہ باب نمبر بیس تا باب نمبر اکیاسی ہے۔
* **طریقۂ نماز اور اس کے متعلقات:** یہ حصہ انتہائی اہم ہے کیونکہ اس میں نماز ادا کرنے کا مکمل طریقہ، یعنی تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام پھیرنے تک کے مسائل بڑی شرح اور تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں، پھر نماز کے بعد مسنون اذکار اور ادعیۂ ماثورہ کا بیان ہے۔ آخر میں متفرق احکام ہیں کہ مسجد اور نماز سے متعلق عام لوگوں، عورتوں اور بچوں کا کیا

کردار ہونا چاہیے۔ یہ سلسلہ باب نمبر بیاسی سے لے کر باب نمبر ایک سو چھیاسٹھ تک چلتا ہے۔

واضح رہے کہ بنوامیہ کے حکمرانوں نے نماز کے ساتھ جو برتاؤ کیا تھا اسے دیکھ کر حضرت انس رضی اللہ عنہ خون کے آنسو رویا کرتے تھے۔ دراصل اس برتاؤ کے پس منظر میں ان حضرات کے سیاسی مفادات وابستہ تھے، لیکن امام بخاری رحمہ اللہ کے دور میں اس امت کے احبار ورہبان نے جس انداز سے نماز کو تختۂ مشق بنایا وہ انتہائی قابل افسوس اور لائق ملامت تھا کیونکہ اس کی تہہ میں ان کا مقصود اپنے مذہبی رہنماؤں کے اجتہادات کو تحفظ دینا تھا۔ نماز سے متعلقہ استخراج مسائل اور استنباط احکام کا جو نقشہ ان حضرات نے پیش کیا وہ انتہائی بھیانک اور خوفناک تھا۔ چونکہ ارشاد نبوی ہے: ''تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔''[1] اس لیے ضرورت تھی کہ نماز نبوی کی صحیح تصویر کشی کی جائے۔ اس پہلو سے امام بخاری رحمہ اللہ کا امت پر بہت بڑا احسان ہے کہ انھوں نے ان ابواب میں کسی قسم کے اضافے اور ترمیم کے بغیر نماز نبوی کا بڑا حسین اور دلآویز نقشہ پیش کیا ہے، گویا وہ مذکورہ بالا ارشاد نبوی کی جیتی جاگتی اور زندہ تصویر ہے۔ اس کے علاوہ امام بخاری رحمہ اللہ نے نماز سے متعلق اسرار و رموز کو بیان فرمایا ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ وہ اخلاص نیت، صدق دل، چشم بینا اور گوش ہوش سے ان ابواب کا مطالعہ کریں، نیز دوران مطالعہ ہماری معروضات بھی پیش نظر رکھیں تاکہ امام بخاری رحمہ اللہ کی دقت نظر، وسعت علم، اصابتِ رائے اور قوت استدلال کا اعتراف کرنے میں کوئی امر مانع نہ ہو۔

یاد رہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس مرکزی عنوان کے تحت کل 349 مرفوع احادیث بیان کی ہیں جن میں 70 معلق (بے سند) روایات اور 279 متصل احادیث ہیں۔ ان تمام روایات میں 218 مکرر اور باقی 131 خالص احادیث ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے 41 آثار صحابہ اور اقوال تابعین بھی بیان فرمائے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے استفادہ کرنے، پھر ان پر عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ (آمین) واللّٰہ المستعان وھو یھدي من یشاء إلی صراط مستقیم.

---

1 صحیح البخاري، الأذان، حدیث: 631.

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

10 - كِتَابُ الْأَذَانِ

اذان سے متعلق احکام ومسائل

(١) بَابُ بَدْءِ الْأَذَانِ

باب:1- اذان کی ابتدا

وَقَوْلِهِ عَزَّوَجَلَّ: ﴿وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى ٱلصَّلَوٰةِ ٱتَّخَذُوهَا هُزُوًا وَلَعِبًا ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُونَ﴾ [المائدة: ٥٨] وَقَوْلِهِ: ﴿إِذَا نُودِىَ لِلصَّلَوٰةِ مِن يَوْمِ ٱلْجُمُعَةِ﴾ [الجمعة: ٩].

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ’’جب تم نماز کے لیے اذان دیتے ہو تو یہ لوگ اس کا مذاق اڑاتے اور اسے شغل بناتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ بے وقوف ہیں۔‘‘ نیز اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ’’جب جمعے کے دن نماز لیے اذان دی جائے (تو ذکر الٰہی کی طرف دوڑ کر آؤ)۔‘‘

وضاحت: اس عنوان سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہ ہے کہ اذان کا آغاز کب اور کیسے ہوا۔ اس سلسلے میں انھوں نے دو آیات کا حوالہ دیا ہے اور دونوں آیات مدنی ہیں۔ ان آیات میں اذان کا ذکر ہے۔ معلوم ہوا کہ اذان کا آغاز مدینہ منورہ میں ہوا۔ ان آیات سے یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ اذان کا فیصلہ وحی کے ذریعے سے ہوا تھا۔ جو حضرات کہتے ہیں کہ اذان کا آغاز خواب کے ذریعے سے ہوا، ان کا موقف ہے کہ اس خواب کی تائید وحی کے ذریعے سے ہوئی اور ان کے نزدیک امام بخاری رحمہ اللہ نے ان آیات کا حوالہ تقدم وحی بتانے کے لیے نہیں بلکہ بطور تبرک دیا ہے۔ واللہ أعلم.

٦٠٣ - حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ مَيْسَرَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: ذَكَرُوا النَّارَ وَالنَّاقُوسَ، فَذَكَرُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى، فَأُمِرَ بِلَالٌ أَنْ يَشْفَعَ الْأَذَانَ وَأَنْ يُوتِرَ الْإِقَامَةَ. [انظر: ٦٠٥، ٦٠٧، ٣٤٥٧]

[603] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نماز کے اعلان کے لیے لوگوں نے آگ اور ناقوس کا ذکر کیا۔ اس سلسلے میں انھوں نے یہود و نصاریٰ کا بھی تذکرہ کیا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا کہ وہ اذان کے کلمات دو دو مرتبہ اور اقامت کے ایک ایک مرتبہ کہیں۔

فوائد ومسائل: ① مذکورہ روایت میں بہت اختصار ہے، چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ جب مسلمان تعداد میں زیادہ ہو گئے تو انھوں نے ایک تجویز پاس کی کہ نماز کے وقت کے لیے کوئی علامت مقرر کریں جس سے نماز کے وقت کا علم ہو جایا کرے تو

کچھ نے آگ جلانے کا اور کچھ نے ناقوس بجانے کا مشورہ دیا۔[1] اس سے زیادہ وضاحت ایک اور روایت میں ہے کہ لوگوں نے ناقوس بجانے کی تجویز دی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسے تو عیسائی لوگ استعمال کرتے ہیں۔'' پھر بگل پھونکنے کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا: ''یہ تو یہود کی علامت ہے۔'' لوگوں نے کہا: کسی بلند جگہ پر آگ کا الاؤ روشن کر دیا جائے تو آپ نے فرمایا: ''یہ تو مجوسیوں کا شعار ہے۔''[2] ایک روایت میں نماز کے وقت جھنڈا بلند کرنے کا بھی ذکر ہے۔ ② رسول اللہ ﷺ اس سلسلے میں کافی پریشان رہتے تھے اور آپ کی پریشانی دیکھ کر حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ بھی بہت فکر مند ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں اذان کے متعلق خواب دیکھنے کی سعادت نصیب فرما دی۔ چونکہ وہ بیمار تھے، اس لیے اذان دینے کے لیے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا نام تجویز ہوا کہ عبداللہ بن زید انھیں کلمات اذان کی تلقین کریں اور بلال بآواز بلند اس کا اعلان کریں۔[3]

٦٠٤ - حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ: أَخْبَرَنَا جُرَيْجٌ قَالَ: أَخْبَرَنِي نَافِعٌ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ: كَانَ الْمُسْلِمُونَ حِينَ قَدِمُوا الْمَدِينَةَ يَجْتَمِعُونَ فَيَتَحَيَّنُونَ الصَّلَاةَ لَيْسَ يُنَادَى لَهَا، فَتَكَلَّمُوا يَوْمًا فِي ذٰلِكَ فَقَالَ بَعْضُهُمْ: اِتَّخِذُوا نَاقُوسًا مِّثْلَ نَاقُوسِ النَّصَارٰى، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: بَلْ بُوقًا مِّثْلَ قَرْنِ الْيَهُودِ. فَقَالَ عُمَرُ: أَوَلَا تَبْعَثُونَ رَجُلًا يُنَادِي بِالصَّلَاةِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَا بِلَالُ! قُمْ فَنَادِ بِالصَّلَاةِ».

[604] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: جب مسلمان مدینہ منورہ آئے تو نماز کے وقت کا اندازہ کر کے اس کے لیے جمع ہوا کرتے تھے کیونکہ اس وقت نماز کے لیے باقاعدہ اذان کا اہتمام نہ تھا۔ ایک دن انھوں نے اس کے متعلق باہمی مشورہ کیا تو کسی نے کہا: عیسائیوں کی طرح ایک ناقوس بنا لیا جائے۔ اور کچھ لوگوں نے کہا: یہودیوں کے بگل کی طرح ایک نرسنگھا رکھ لیا جائے، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم ایک آدمی کو کیوں نہیں بھیجتے جو نماز کی اطلاع دے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے بلال! اٹھو اور نماز کی اطلاع دو۔''

فوائد ومسائل: ① اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ اذان کی مشروعیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کہنے سے ہوئی، حالانکہ ایسا نہیں ہے، چنانچہ تفصیلی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ مدینہ طیبہ آنے کے بعد نماز کے لیے جمع ہونے کے متعلق مسلمانوں کو حسب ذیل تین مراحل سے گزرنا پڑا: ٭ نماز کے وقت کا اندازہ لگا کر مسجد میں جمع ہو جاتے اور نماز پڑھ لیتے۔ اس کا نقصان یہ ہوتا کہ کچھ لوگ پہلے آ جاتے جبکہ ایسا کرنے سے ان کا کاروبار متاثر ہوتا۔ اور کچھ لوگ وقت کے بعد آتے، اس سے نماز میں تاخیر ہو جاتی۔ ٭ اس کے بعد باہمی مشورے سے طے پایا کہ کسی آدمی کو متعین کر دیا جائے جو بلند جگہ پر کھڑا ہو کر نماز کے وقت اَلصَّلَاةُ جَامِعَةٌ کے الفاظ سے نماز کے وقت کا اعلان کر دیا کرے۔ یہ تجویز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تھی جیسا کہ مذکورہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے، چنانچہ اس پر عمل شروع ہو گیا۔ ٭ آخر کار حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کو خواب میں ایک شخص نے اذان کی تعلیم دی تو انھوں نے اپنا خواب رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا، آپ نے فرمایا کہ یہ سچا خواب ہے، چنانچہ آپ کے حکم پر جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان

1 صحيح البخاري، الأذان، حديث: 606. 2 فتح الباري: 2/105-106. 3 سنن أبي داود، الأذان، حديث: 498.

دے رہے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے گھر سے نکلے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: میں نے بھی اس طرح کا خواب دیکھا ہے۔[1] اس کے بعد اذان دینے کا سلسلہ شروع ہوا جو آج تک جاری ہے۔ ② حضرت عبداللہ بن زید کے خواب کی تفصیل اس طرح ہے کہ انھیں خواب میں ایک (سبز پوش) آدمی ملا جس نے ناقوس اٹھا رکھا تھا۔ میں نے اس سے یہ ناقوس خریدنا چاہا تو اس نے پوچھا: اس کا کیا کرو گے؟ میں نے کہا: اسے بجا کر لوگوں کو نماز کی دعوت دیں گے تو اس نے کہا: میں تجھے اس سے بہتر طریقہ نہ بتاؤں؟ چنانچہ اس نے نماز کے لیے اذان اور اقامت کے کلمات تلقین کیے۔[2] ③ اذان کے لیے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا انتخاب درج ذیل تین وجوہات کی بنا پر کیا گیا: * روایت میں وضاحت ہے کہ خواب دیکھنے والے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بیمار تھے اور بلال رضی اللہ عنہ اس وقت موجود تھے۔ * حضرت بلال رضی اللہ عنہ خوش الحان اور بلند آواز تھے۔ اذان دینے کے لیے ان دو اوصاف کا حامل ہونا ضروری ہے۔ * مکہ مکرمہ میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کفار قریش کے ہاتھوں کلمۂ توحید کی خاطر سخت تکالیف برداشت کی تھیں، اس لیے غلبۂ اسلام کے وقت بھی کلمۂ توحید کا اعلان انھی کے حصے میں آیا۔ واللہ أعلم. ④ اس سے معلوم ہوا کہ اذان کی مشروعیت مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد ہوئی۔

(٢) بَابٌ: اَلْأَذَانُ مَثْنَى [مَثْنَى]

باب :2- اذان میں دو دو مرتبہ کلمات کہنا

٦٠٥ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ سِمَاكِ بْنِ عَطِيَّةَ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: أُمِرَ بِلَالٌ أَنْ يَشْفَعَ الْأَذَانَ وَأَنْ يُوتِرَ الْإِقَامَةَ إِلَّا الْإِقَامَةَ. [راجع: ٦٠٣]

[605] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اذان میں جفت (دو دو مرتبہ) کلمات کہے اور تکبیر میں قَدْقَامَتِ الصَّلَاةُ کے علاوہ دیگر کلمات طاق (ایک ایک مرتبہ) کہے۔

فوائد و مسائل: ① [اَلْأَذَانُ مَثْنَى مَثْنَى] میں دوسرا مثنیٰ پہلے لفظ کی تاکید کے لیے ہوگا کیونکہ یہ لفظ ایک مرتبہ کہنے سے مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا قائم کردہ عنوان الأذان مثنٰی مثنٰی ایک حدیث سے ماخوذ ہے جسے ابوداود طیالسی نے اپنی مسند میں بیان کیا ہے۔ یہ روایت سنن ابی داود اور سنن نسائی میں بھی ہے جسے امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے لیکن اس میں [اَلْأَذَانُ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ] کے الفاظ ہیں۔[3] اذان دو دو مرتبہ سے مراد یہ ہے کہ اللّٰه أکبر، اللّٰه أکبر کو ایک مرتبہ، پھر اللّٰه أکبر، اللّٰه أکبر کو دوسری مرتبہ کہا جائے لیکن آخری کلمہ لا إله إلا اللّٰه ایک ہی مرتبہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی اذان کے الفاظ یہ ہیں: [اللّٰه أكبر، اللّٰه أكبر، اللّٰه أكبر، اللّٰه أكبر، أشهد أن لا إله إلا اللّٰه، أشهد أن لا إله إلا اللّٰه، أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه، أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه، حي على الصلاة، حي على الصلاة، حي على الفلاح، حي على الفلاح، اللّٰه أكبر، اللّٰه أكبر، لا إله إلا اللّٰه.][4] ② یہ اذان کے پندرہ کلمات ہیں جنھیں امام بخاری رحمہ اللہ

① سنن أبي داود، الأذان، حديث: 499. 2 سنن أبي داود، الأذان، حديث: 499. 3 فتح الباري: 109/2. 4 سنن أبي داود، الأذان، حديث: 499.

نے اختیار فرمایا ہے لیکن امام شافعی کے ہاں اذان کے انیس کلمات ہیں۔ انھوں نے حضرت ابومحذورہ کی اذان کو اختیار کیا ہے جس میں یہ کلمۂ شہادت پہلے دو بار آہستہ آواز سے، پھر دو بار بلند آواز سے کہا جاتا ہے۔ اسے اصطلاح میں ترجیع کہا جاتا ہے، یعنی کچھ کلمات کو لوٹا کر پڑھا جاتا ہے۔ احناف نے اس اذان ترجیع کا انکار کیا ہے یا دوراز کار تاویل کی ہے، حالانکہ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ عمر بھر مسجد حرام میں یہ اذان دیتے رہے ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے زمانے میں بھی مکہ مکرمہ میں ترجیع کے ساتھ اذان کہی جاتی تھی۔ حضرت ابومحذورہ کی اذان کے الفاظ یہ ہیں: [الله أكبر، الله أكبر، الله أكبر، الله أكبر، أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن محمدًا رسول الله، أشهد أن محمدًا رسول الله، أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن محمدًا رسول الله، أشهد أن محمدًا رسول الله، حي على الصلاة، حي على الصلاة، حي على الفلاح، حي على الفلاح، الله أكبر، الله أكبر، لا إله إلا الله][1]

٦٠٦ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ - وَهُوَ ابْنُ سَلَامٍ - قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: لَمَّا كَثُرَ النَّاسُ قَالَ: ذَكَرُوا أَنْ يَعْلَمُوا وَقْتَ الصَّلَاةِ بِشَيْءٍ يَعْرِفُونَهُ، فَذَكَرُوا أَنْ يُورُوا نَارًا أَوْ يَضْرِبُوا نَاقُوسًا، فَأُمِرَ بِلَالٌ أَنْ يَشْفَعَ الْأَذَانَ وَأَنْ يُوتِرَ الْإِقَامَةَ. [راجع: ٦٠٣]

[606] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: جب مسلمان (مدینہ طیبہ میں) زیادہ ہوگئے تو مشورہ ہوا کہ کسی ایسی چیز کے ذریعے سے نماز کے وقت کا اعلان ہو جسے سب لوگ سمجھ لیں۔ کچھ لوگوں نے مشورہ دیا کہ آگ کا الاؤ روشن کر دیا جائے یا ناقوس کے ذریعے سے اعلان کر دیا جائے۔ آخر کار بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا کہ وہ اذان کے کلمات دو دو مرتبہ اور اقامت کے کلمات ایک ایک مرتبہ کہے۔

فائدہ: امام بخاری رحمہ اللہ بعض اوقات قائم کردہ عنوان کے ذریعے سے حدیث کے معنی کو متعین کرتے ہیں۔ اس قسم کے عنوان کو "ترجمۂ شارحہ" کہا جاتا ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ اذان میں شفع ہو اور عربی زبان میں اس کے معنی "ملا دینا" ہیں۔ ممکن ہے کہ کوئی خیال کرے کہ اس سے مراد ایک کلمے کو دوسرے سے ملا کر کہنا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان سے اس حدیث کے معنی متعین کیے ہیں کہ اس سے مراد کلمات اذان کو دو دو مرتبہ کہنا ہے۔ والله أعلم.

(٣) بَابٌ: اَلْإِقَامَةُ وَاحِدَةٌ إِلَّا قَوْلَهُ: قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ

باب: 3- قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ کے علاوہ اقامت کے الفاظ ایک، ایک مرتبہ کہنا

٦٠٧ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: أُمِرَ بِلَالٌ أَنْ يَشْفَعَ

[607] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا کہ وہ اذان (کے کلمات) جفت اور اقامت (کے کلمات) طاق (ایک ایک مرتبہ)

[1] سنن أبي داود، الأذان، حديث: 500.

الْأَذَانَ وَأَنْ يُوتِرَ الْإِقَامَةَ. قَالَ إِسْمَاعِيلُ فَذَكَرْتُ لِأَيُّوبَ فَقَالَ: إِلَّا الْإِقَامَةَ. [راجع: ٦٠٣]

کہیں۔ (راویٔ حدیث) اسماعیل کہتے ہیں: میں نے (اپنے شیخ) ایوب سے اس کا ذکر کیا تو انھوں نے فرمایا: ہاں (اقامت کے کلمات طاق ہونے چاہییں) سوائے قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ کے (کہ انھیں دو مرتبہ کہا جائے)۔

فوائد ومسائل: ① اقامت کے طاق کلمات کی وضاحت بایں طور ہے: اللّٰہ أکبر، اللّٰہ أکبر، أشھد أن لا إلٰہ إلا اللّٰہ، أشھد أن محمدًا رسول اللّٰہ، حي علی الصلاۃ، حي علی الفلاح، قد قامت الصلاۃ، قد قامت الصلاۃ، اللّٰہ أکبر، اللّٰہ أکبر، لا إلٰہ إلا اللّٰہ۔[1] کلمات اذان کو دو دو مرتبہ اور اقامت کو ایک ایک مرتبہ کہنے میں حکمت یہ ہے کہ اذان سے غیر موجود حضرات کو اطلاع دینا مقصود ہے، اس لیے بار بار کلمات کو دہرایا جاتا ہے تاکہ دور رہنے والے لوگوں کو خبر ہو جائے جبکہ اقامت سے صرف موجود لوگوں کو مطلع کرنا مقصود ہوتا ہے، اس لیے اسے ایک ایک مرتبہ کہا جاتا ہے اور اس میں قد قامت الصلاۃ کو دو مرتبہ کہنے میں یہ حکمت ہے کہ اقامت کہنے سے مقصود بالذات یہی ہے، یعنی حاضرین کو بتایا جائے کہ اب نماز کھڑی ہو چکی ہے۔ اذان کو بآواز بلند اور اقامت کو آہستہ آہستہ کہنے میں بھی یہی حکمت کار فرما ہے۔ واللّٰہ أعلم۔[2] ② ایک روایت میں ہے کہ اذان اور اقامت میں کلمات کو دو دو مرتبہ کہا جائے۔[3] لیکن یہ روایت ضعیف اور ناقابل حجت ہے۔[4] البتہ اقامت کے کلمات دو دو مرتبہ کہنا بھی جائز ہے لیکن ایک ایک مرتبہ کہنے والی احادیث زیادہ صحیح ہیں۔ ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ اگر اذان دوہری کہی جائے جس کے انیس کلمات ہیں تو اس وقت تکبیر بھی دوہری ہونی چاہیے جس کے سترہ کلمات ہیں۔[5] اور اگر عبداللہ بن زید کے خواب والی اکہری اذان دی جائے جس کے پندرہ کلمات ہیں تو اس وقت اقامت بھی اکہری ہونی چاہیے جس کے گیارہ کلمات ہیں۔[6] ③ بعض حضرات نے اس روایت کے پیش نظر یہ موقف اختیار کیا ہے کہ حدیث: 605 میں إلا الإقامة کے الفاظ حدیث کا حصہ نہیں بلکہ ایوب راوی نے اپنی طرف سے بطور وضاحت ذکر کیے ہیں۔ اس موقف کی تائید میں ان کا کہنا ہے کہ ابو قلابہ سے روایت کرنے والے ایوب اور خالد الحذاء ہیں اور مؤخر الذکر راوی جب حدیث بیان کرتے ہیں تو وہ ان الفاظ کو بیان نہیں کرتے، لیکن یہ موقف مبنی بر حقیقت نہیں کیونکہ ایوب راوی سے متصل سند کے ساتھ معمر نے اس حدیث کو بایں الفاظ بیان کیا ہے: حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان کے کلمات دو دو مرتبہ اور اقامت کے ایک ایک مرتبہ کہتے، البتہ قد قامت الصلاۃ کے الفاظ دو دو مرتبہ کہتے تھے، نیز علامہ اسماعیلی رحمہ اللہ نے اسی سند کے ساتھ مذکورہ حدیث بایں الفاظ بیان کی ہے: حضرت بلال رضی اللہ عنہ قد قامت الصلاۃ کے الفاظ دو مرتبہ کہتے تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ حدیث میں جو الفاظ بیان ہوں وہ حدیث کا حصہ ہوتے ہیں۔ ہاں، اگر کوئی قرینہ یا دلیل آجائے تو انھیں الحاق یا مدرج قرار دیا جا سکتا ہے جبکہ اس مقام پر کوئی قرینہ نہیں ہے کہ إلا الإقامة کے الفاظ کو مدرج قرار دیا جا سکے۔ تائید میں جو بات کہی گئی ہے وہ اس لیے صحیح نہیں کہ ابو قلابہ سے اگرچہ خالد الحذاء نے ان الفاظ کو بیان نہیں کیا، تاہم جب ان سے ایوب بیان کرتا ہے تو مذکورہ الفاظ کو ذکر کرتا ہے اور محدثین کے اصول کے مطابق

[1] سنن أبي داود، الأذان، حديث: 498. [2] فتح الباري: 112/2. [3] جامع الترمذي، الصلاة، حديث: 194. [4] ضعيف الترمذي، للألباني، حديث: 29. [5] سنن أبي داود، الأذان، حديث: 502. [6] سنن أبي داود، الأذان، حديث: 499.

ثقہ راوی کا اضافہ، جبکہ وہ اوثق یا ثقات کی مخالفت نہ کر رہا ہو، قبول ہوتا ہے۔[1]

(٤) بَابُ فَضْلِ التَّأْذِينِ

باب: 4- اذان دینے کی فضیلت

٦٠٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ أَدْبَرَ الشَّيْطَانُ لَهُ ضُرَاطٌ، حَتَّى لَا يَسْمَعَ التَّأْذِينَ، فَإِذَا قُضِيَ النِّدَاءُ أَقْبَلَ، حَتَّى إِذَا ثُوِّبَ لِلصَّلَاةِ أَدْبَرَ، حَتَّى إِذَا قُضِيَ التَّثْوِيبُ أَقْبَلَ حَتَّى يَخْطُرَ بَيْنَ الْمَرْءِ وَنَفْسِهِ، يَقُولُ: اذْكُرْ كَذَا، اذْكُرْ كَذَا، لِمَا لَمْ يَكُنْ يَذْكُرُ حَتَّى يَظَلَّ الرَّجُلُ لَا يَدْرِي كَمْ صَلَّى». [انظر: ١٢٢٢، ١٢٣١، ١٢٣٢، ٣٢٨٥]

[608] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب نماز کے لیے اذان دی جاتی ہے تو شیطان پیٹھ پھیر کر گوز مارتا ہوا بھاگتا ہے تاکہ اذان کی آواز نہ سن سکے۔ جب اذان پوری ہوجاتی ہے تو واپس آجاتا ہے۔ پھر جب نماز کے لیے اقامت کہی جاتی ہے تو دوبارہ پیٹھ دے کر بھاگ نکلتا ہے۔ اور جب اقامت ختم ہوجاتی ہے تو پھر سامنے آتا ہے تاکہ نمازی اور اس کے دل میں وسوسہ ڈالے۔ اور کہتا ہے: یہ بات یاد کر، وہ بات یاد کر، یعنی وہ باتیں جو نمازی بھول گیا تھا (انھیں یاد دلاتا ہے) حتی کہ نمازی بھول جاتا ہے کہ اس نے کس قدر نماز پڑھی ہے۔''

فوائد ومسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان میں اذان کے بجائے تأذین کے الفاظ استعمال کیے ہیں تاکہ الفاظ حدیث سے مطابقت ہو کیونکہ حدیث میں تأذین کا لفظ آیا ہے۔ اگرچہ تأذین کا لفظ مؤذن کے قول وفعل اور اس کی ہیئت وغیرہ سب کو شامل ہے لیکن اس مقام پر صرف اذان کے الفاظ مراد ہیں، چنانچہ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے: ''تاکہ وہ اس کی آواز نہ سن سکے۔''[2] ② عنوان سے حدیث کی مطابقت بایں طور ہے کہ یہ صرف اذان کی فضیلت ہے جس کی آواز سن کر شیطان بھاگنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ اگرچہ اذان کی فضیلت میں متعدد احادیث وارد ہیں لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے صرف مذکورہ حدیث کا انتخاب اس لیے کیا ہے کہ اذان سے متعلق دیگر فضائل کو متعدد نیک اعمال سے حاصل کیا جاسکتا ہے جبکہ شیطان کے بھاگنے کی خصوصیت صرف اذان سے وابستہ ہے۔ واللہ أعلم. ③ شیطان سے ہوا کا خارج ہونا بعید از امکان نہیں کیونکہ اس کا بھی ایک جسم ہے جسے غذا کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے گوز مارنے کی کئی ایک وجوہات ہیں: ✿ اذان کی وجہ سے اس پر بوجھ پڑتا ہے، وہ اس دباؤ کی وجہ سے ہوا خارج کرتا ہے۔ ✿ وہ اس نازیبا حرکت سے اذان کے ساتھ مذاق کرتا ہے جیسا کہ غیر مہذب لوگوں کا شیوہ ہے۔ ✿ وہ دانستہ یہ کام کرتا ہے تاکہ اذان کی آواز اس کے کانوں میں نہ آسکے کیونکہ جب قریب شور برپا ہو تو دور کی آواز سنائی نہیں دیتی۔[3] ④ اذان سنتے ہی شیطان اس قسم کے حالات سے دوچار ہوتا ہے جیسے کسی آدمی کو انتہائی پریشان کن اور دہشت ناک معاملہ پیش آگیا ہو۔ ایسے شدید حالات میں خوف کی وجہ سے انسان کے جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اور اسے اپنے آپ پر کنٹرول نہیں رہتا۔ اس

1 فتح الباري: 110/2. 2 صحيح مسلم، المساجد، حديث: 856(389). 3 فتح الباري: 113/2.

بے بسی کے عالم میں اس کا پیشاب اور ہوا از خود خارج ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ شیطان لعین بھی جب اذان سنتا ہے تو اس کی بھی یہی کیفیت ہوتی ہے، یعنی وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ وہ مقام روحاء تک بھاگتا چلا جاتا ہے تاکہ اذان کی آواز نہ سن سکے اور مقام روحاء مدینہ طیبہ سے 36 میل کے فاصلے پر ہے۔[1] ⑤ اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ شیطان، انسان کو دوران نماز میں ایسی باتیں یاد دلاتا ہے جو اسے بھول چکی ہوتی ہیں کیونکہ بھولی بسری باتوں کی طرف انسان زیادہ متوجہ ہوتا ہے، اس لیے بھولی باتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے ورنہ شیطان کا کام نمازی کے خشوع خضوع کو برباد کرنا ہے اس کے لیے وہ ہر چارہ کرتا ہے۔ وہ نمازی کو مشغول کرنے کے لیے یاد باتوں کا وسوسہ بھی ڈالتا ہے اور اسے سوچ بچار میں مبتلا کرنے کے لیے بھولی ہوئی باتیں بھی یاد دلاتا ہے۔ ان باتوں کا تعلق دنیوی معاملات سے بھی ہوسکتا ہے اور دینی امور سے بھی حتی کہ قرآنی آیات کے معانی اور اس کے اسرار و رموز کے ذریعے سے بھی غافل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ⑥ تثویب کے لغوی معنی لوٹنا ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں اس کے کئی ایک معانی ہیں، مثلاً: اذان کے بعد مؤذن کا لوگوں کو نماز کے لیے بلانا بھی تثویب کہلاتا ہے۔ شریعت نے اس فعل کو ناپسند کیا ہے۔ اسی طرح صبح کی نماز میں ''الصلاۃ خیر من النوم'' کہنے کو بھی تثویب کہا جاتا ہے لیکن اس حدیث میں تثویب سے مراد نماز کی اقامت ہے۔ چونکہ اقامت کہتے وقت مؤذن دوبارہ اذان کے الفاظ کی طرف لوٹتا ہے اور انھیں دہراتا ہے، اس لیے اقامت کو تثویب کہا گیا ہے۔ صحیح مسلم کی روایت میں صراحت ہے کہ جب شیطان اقامت سنتا ہے تو دوبارہ بھاگ جاتا ہے۔[2] ⑦ اس حدیث سے بظاہر اذان کی فضیلت نماز سے زیادہ معلوم ہوتی ہے کیونکہ اذان سے شیطان بھاگ جاتا ہے جبکہ دوران نماز میں وہ واپس آکر وسوسہ اندازی شروع کر دیتا ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے نماز ہی کو فضیلت اور برتری حاصل ہے کیونکہ ہر چیز کے خواص الگ الگ ہوتے ہیں۔ بسا اوقات ایک کم قیمت چیز کے وہ فوائد ہوتے ہیں جو اس سے بہتر چیز میں نہیں پائے جاتے، مثلاً: سنا مکی کی خاصیت ہے کہ وہ قبض کشا ہے، حالانکہ خمیرہ مروارید سے وہ بہت کم درجے کی ہے، علاوہ ازیں خمیرہ مروارید قبض کشا بھی نہیں ہوتا۔ اذان میں شہادتین کا اعلان ہوتا ہے اور احادیث کے مطابق مؤذن جب اذان دیتا ہے تو حد آواز تک ہر چیز اس کے ایمان و عمل کی گواہی دے گی جبکہ شیطان کو یہ بات گوارا نہیں کہ اس کے عمل و ایمان کی کوئی چیز گواہی دے، اس لیے وہ اذان سننے کی تاب نہیں لاسکتا۔ نماز میں یہ خاصہ نہیں ہے اگرچہ وہ افضل عبادت ہے۔ نماز میں مناجات اور سرگوشی ہوتی ہے، اس لیے نماز شروع ہوتے ہی شیطان لوٹ آتا ہے اور طرح طرح کی وسوسہ اندازی شروع کر دیتا ہے۔ واللہ أعلم.

(٥) بَابُ رَفْعِ الصَّوْتِ بِالنِّدَاءِ

باب:5- بآواز بلند اذان دینا

وَقَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ: أَذِّنْ أَذَانًا سَمْحًا، وَإِلَّا فَاعْتَزِلْنَا.

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے (اپنے مؤذن سے) کہا تھا کہ صاف اور سیدھی سیدھی اذان کہو، بصورت دیگر ہم سے الگ ہو جاؤ۔

---

1 فتح الباري: 113/2. 2 صحيح مسلم، المساجد، حديث: 856 (389).

وضاحت: امام نسائی ؒ نے بایں الفاظ عنوان قائم کیا ہے: ''باآواز بلند اذان دینے کا ثواب۔'' اذان اونچی آواز سے دینی چاہیے لیکن اس میں تصنع اور موسیقی والی سر نہیں ہونی چاہیے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ کے مؤذن نے گانے کی طرز پر موسیقی کے ساتھ اذان دی تھی، اس لیے آپ نے اسے تنبیہ فرمائی کہ اذان باآواز بلند ہو لیکن اس میں موسیقی وغیرہ نہیں ہونی چاہیے بلکہ سادگی کے ساتھ باآواز بلند اذان دی جائے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ کے اس اثر کو مصنف ابن ابی شیبہ (52/2) میں متصل سند سے بیان کیا گیا ہے۔[1]

٦٠٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ : أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ أَبِي صَعْصَعَةَ الْأَنْصَارِيِّ ثُمَّ الْمَازِنِيِّ، عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ قَالَ لَهُ: إِنِّي أَرَاكَ تُحِبُّ الْغَنَمَ وَالْبَادِيَةَ، فَإِذَا كُنْتَ فِي غَنَمِكَ أَوْ بَادِيَتِكَ فَأَذَّنْتَ لِلصَّلَاةِ، فَارْفَعْ صَوْتَكَ بِالنِّدَاءِ، فَإِنَّهُ لَا يَسْمَعُ مَدٰى صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ جِنٌّ وَّلَا إِنْسٌ وَّلَا شَيْءٌ إِلَّا شَهِدَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. قَالَ أَبُو سَعِيدٍ: سَمِعْتُهُ مِنْ رَّسُولِ اللهِ ﷺ. [انظر: ٣٢٩٦، ٧٥٤٨]

[609] حضرت عبداللہ بن عبدالرحمٰن ؓ سے روایت ہے، ان سے حضرت ابوسعید خدری ؓ نے کہا تھا: میں دیکھتا ہوں کہ تمھیں بکریوں اور جنگل میں رہنا پسند ہے، اس لیے تم جب اپنی بکریوں کے ہمراہ جنگل میں رہو اور نماز کے لیے اذان دو تو بلند آواز سے اذان دیا کرو، کیونکہ مؤذن کی آواز کو جو کوئی جن وانس یا اور کوئی سنے گا تو وہ اس کے لیے قیامت کے دن گواہی دے گا۔ حضرت ابوسعید خدری ؓ نے فرمایا: میں نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے۔

فوائد ومسائل: ① اذان باآواز بلند کہنا اپنے اندر بڑی فضیلت رکھتا ہے۔ یہ حکم جنگل کی اذان میں بھی وارد ہے۔ اگر وہاں انسان نہ ہوں، تب بھی وہاں جہاں تک آواز پہنچے گی اس کو سننے والے قیامت کے دن گواہی دیں گے، لیکن اس بلند آواز میں نغمہ سرائی کا پہلو بالکل نہیں ہونا چاہیے، نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اکیلا آدمی اذان دے سکتا ہے۔ سعید بن مسیب ؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص جنگل میں نماز پڑھے تو اس کے دائیں بائیں فرشتے کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہیں اور اگر اذان اور اقامت کہہ کر نماز پڑھے تو اس کے پیچھے پہاڑوں کے برابر کثیر تعداد میں فرشتے جمع ہو کر نماز پڑھتے ہیں۔[2] ② ایک حدیث میں ہے کہ نماز باجماعت کا ثواب پچیس گنا ہے اور اگر جنگل میں رکوع وسجود اچھی طرح کر کے پڑھے تو اسے پچاس گنا ثواب ملے گا۔[3] لیکن یہ اجر وثواب کسی اتفاقی صورت کے لیے ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ بلاوجہ آبادی کی مساجد کو چھوڑ کر زیادہ ثواب لینے کی نیت سے کسی جنگل کا رخ کرے اور وہاں نمازیں شروع کر دے۔ اگر ایسا کرنا صحیح ہوتا تو اسلاف سے ضرور منقول ہوتا۔ واللّٰہ أعلم.

(٦) بَابُ مَا يُحْقَنُ بِالْأَذَانِ مِنَ الدِّمَاءِ

باب: 6- اذان سن کر خون ریزی سے رک جانا

① فتح الباري: 116/2. ② موطأ إمام مالك، باب النداء في السفر، حديث: 164. ③ سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 560.

٦١٠ - حَدَّثَنِي قُتَيْبَةُ [بْنُ سَعِيدٍ] قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ: عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّهُ كَانَ إِذَا غَزَا بِنَا قَوْمًا لَّمْ يَكُنْ يَغْزُو بِنَا حَتَّى يُصْبِحَ وَيَنْظُرَ، فَإِنْ سَمِعَ أَذَانًا كَفَّ عَنْهُمْ، وَإِنْ لَّمْ يَسْمَعْ أَذَانًا أَغَارَ عَلَيْهِمْ، قَالَ: فَخَرَجْنَا إِلَى خَيْبَرَ فَانْتَهَيْنَا إِلَيْهِمْ لَيْلًا، فَلَمَّا أَصْبَحَ وَلَمْ يَسْمَعْ أَذَانًا، رَكِبَ وَرَكِبْتُ خَلْفَ أَبِي طَلْحَةَ وَإِنَّ قَدَمِي لَتَمَسُّ قَدَمَ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: فَخَرَجُوا إِلَيْنَا بِمَكَاتِلِهِمْ وَمَسَاحِيهِمْ فَلَمَّا رَأَوُا النَّبِيَّ ﷺ قَالُوا: مُحَمَّدٌ وَّاللهِ! مُحَمَّدٌ وَّالْخَمِيسُ، قَالَ: فَلَمَّا رَآهُمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَالَ: «اَللهُ أَكْبَرُ، اَللهُ أَكْبَرُ خَرِبَتْ خَيْبَرُ، إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ».

[راجع: ٣٧١]

[610] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ جب بھی ہمارے ساتھ کسی قوم پر چڑھائی کرتے تو اس وقت تک حملہ نہ کرتے جب تک صبح نہ ہو جاتی۔ اور آپ انتظار فرماتے، اگر اذان سن لیتے تو حملے کا ارادہ ترک کر دیتے اور اگر اذان نہ سنتے تو ان پر غارت گری کرتے، چنانچہ ہم لوگ خیبر کی لڑائی کے لیے نکلے تو ہم رات کو ان کے ہاں پہنچے۔ جب صبح ہوئی اور نبی ﷺ نے اذان نہ سنی تو آپ سوار ہوئے۔ میں بھی حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے سوار ہو گیا۔ میرا پاؤں نبی ﷺ کے قدم مبارک سے چھو رہا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خیبر کے لوگ اپنے ٹوکرے اور دیگر آلات زراعت لے کر کام کاج کے لیے باہر نکلے۔ جب انھوں نے نبی ﷺ کو دیکھا تو کہنے لگے کہ محمد، اللہ کی قسم! محمد (ﷺ) پوری فوج کے ساتھ آ گئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: جب رسول اللہ ﷺ نے انھیں دیکھا تو فرمایا: "اللہ أکبر، اللہ أکبر، خیبر برباد ہو گیا۔ یقیناً جب ہم کسی قوم کے میدان میں اترتے ہیں تو ان لوگوں کی صبح خراب ہو جاتی ہے جنھیں پہلے ڈرایا گیا ہو۔"

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے اذان کی فضیلت بھی معلوم ہوتی ہے اور ایک شرعی حکم کا بھی پتہ چلتا ہے۔ اذان کی فضیلت بایں طور ہے کہ محض اس کی آواز سننے سے بستی والوں کے مال اور خون محفوظ ہو جاتے ہیں۔ اور شرعی حکم یہ ہے کہ اگر کسی بستی سے اذان کی آواز آ جائے تو وہاں حملہ کرنا جائز نہیں۔ یہ اس لیے کہ اذان، دین اسلام کی ایک بہت بڑی نشانی ہے، اس کا ترک کسی صورت میں جائز نہیں۔ جس بستی سے اذان کی آواز بلند ہو، اسلام اس بستی کے باشندگان کے مال و جان کی ضمانت دیتا ہے، نیز جس طرح اسلام کا اظہار شہادتین کے اقرار سے ہوتا ہے اسی طرح عمل سے بھی ہوتا ہے، چنانچہ اگر کسی کافر کو اذان پڑھتے دیکھیں تو اسے قتل کرنا جائز نہیں، پھر جب تک اس سے کوئی کفریہ عمل سرزد نہ ہو، اسے مسلمان ہی خیال کرنا چاہیے۔ ② دراصل امام بخاری رحمہ اللہ اذان کے ثمرات بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اذان کا وجود لوگوں کے مال و خون کے محفوظ ہونے کی ضمانت دیتا ہے، چنانچہ ایک روایت میں اس کی بایں طور وضاحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ طلوع فجر کے وقت حملہ آور ہوتے تھے۔ آپ اذان کا انتظار کرتے، اگر اذان کی آواز سن لیتے تو حملہ کرنے سے رک جاتے اور اگر اذان کی آواز نہ آتی تو وہاں حملہ

کر دیتے۔[1]

(٧) بَابُ مَا يَقُولُ إِذَا سَمِعَ الْمُنَادِيَ

باب : 7- مؤذن کی اذان سنتے وقت کیا کہنا چاہیے؟

٦١١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِذَا سَمِعْتُمُ النِّدَاءَ فَقُولُوا. مِثْلَ مَا يَقُولُ الْمُؤَذِّنُ».

[611] حضرت ابو سعید خدری ؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم اذان سنو تو وہی کلمات کہو جو مؤذن کہتا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① عنوان بندی کے متعلق امام بخاری ؒ کا یہ طریقہ ہے کہ جب اختلاف روایات یا اختلاف فقہاء قوی ہو تو عنوان میں اپنی طرف سے کوئی واضح حکم بیان نہیں کرتے۔ چونکہ جواب اذان کے متعلق مختلف قسم کی روایات ہیں۔ بعض احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ جواب اذان میں بعینہٖ مؤذن کے الفاظ دہرا دیے جائیں جبکہ دوسری روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حي على الصلاة اور حي على الفلاح کے موقع پر لاحول ولاقوة إلا بالله پڑھا جائے۔ ان روایات کے پیش نظر علمائے امت کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جواب میں بعینہٖ مؤذن کے الفاظ کہنے سے متعلق روایات مجمل ہیں اور جن روایات میں لاحول ولاقوة إلا بالله پڑھنے کا ذکر ہے وہ مفصل ہیں، لہٰذا قاعدے کے مطابق مجمل کو مفصل پر محمول کیا جائے گا اور بعینہٖ مؤذن کے الفاظ دہرانے کے بجائے حي على الصلاة اور حي على الفلاح کے موقع پر لاحول و لا قوة إلا بالله کے الفاظ کہے جائیں گے، جبکہ کچھ علماء کا موقف ہے کہ تمام اذان کے جواب میں مؤذن کے الفاظ ہی پڑھے جائیں۔ دراصل جہاں کسی سلسلے میں مختلف روایات ہوں وہاں کبھی تو اختلاف تضاد ہوتا ہے کہ ایک پر عمل جائز اور دوسری پر ناجائز، اور کبھی اختلاف تنوع ہوتا ہے۔ تنوع کی صورت میں کبھی تخییر، یعنی ہر روایت پر عمل درست ہوگا کہ عمل کے لیے کسی ایک کو اختیار کر لیا جائے اور کبھی جمع کی صورت ہوگی کہ دونوں پر بیک وقت عمل کر لیا جائے۔ ② اذان کے جواب کے متعلق تین صورتیں ممکن ہیں: ✱ بعینہٖ وہی کلمات دہرائے جائیں جو مؤذن کہتا ہے۔ ✱ حي على الصلاة اور حي على الفلاح پر لاحول و لا قوة إلا بالله پڑھا جائے اور باقی کلمات مؤذن کی طرح کہے جائیں۔ ✱ حي على الصلاة اور حي على الفلاح پر یہ کلمات بھی کہے جائیں اور لاحول ولا قوة إلا بالله بھی کہا جائے۔ جمہور فقہاء نے دوسرے قول کو اختیار کیا ہے۔ امام بخاری ؒ کے انداز بیان سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ انھوں نے حدیث ابو سعید کو پہلے بیان کیا ہے جس میں اجمال ہے، پھر اس کے بعد حدیث معاویہ لائے ہیں جس میں تفصیل ہے تاکہ اس کے ذریعے سے پہلی روایت کے اجمال کو کھولا جائے، چنانچہ حضرت عمر بن خطاب ؓ

[1] صحيح مسلم، الصلاة، حديث: 847 (382).

سے مروی ایک حدیث میں وضاحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب مؤذن اللّٰه أكبر، اللّٰه أكبر کہتا ہے اور تم میں سے کوئی اس کے جواب میں اللّٰه أكبر، اللّٰه أكبر کہتا ہے، پھر مؤذن أشهد أن لا إله إلا اللّٰه کہتا ہے تو جواب میں بھی أشهد أن لا إله إلا اللّٰه کہتا ہے، پھر وہ أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه کہتا ہے تو جواب میں بھی أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه کہتا ہے، پھر جب وہ حي على الصلاة کہتا ہے تو جواب میں لاحول ولا قوة إلا باللّٰه پڑھتا ہے، پھر وہ حي على الفلاح کہتا ہے تو جواب میں لا حول و لا قوة إلا باللّٰه کہتا ہے، پھر مؤذن اللّٰه أكبر، اللّٰه أكبر کہتا ہے تو وہ جواب میں بھی اللّٰه أكبر، اللّٰه أكبر کہتا ہے، آخر میں جب مؤذن لا إله إلا اللّٰه کہتا ہے تو جواب میں لا إله إلا اللّٰه کہتا ہے، اگر اس نے جوابی کلمات صدق دل سے کہے تو وہ یقیناً جنت میں داخل ہوگا۔'' [1] اس تفصیلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان کا جواب دیتے وقت دوسری صورت کو اختیار کیا جائے۔

٦١٢ - حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيٰى، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ الْحَارِثِ، قَالَ: حَدَّثَنِي عِيسَى بْنُ طَلْحَةَ، أَنَّهُ سَمِعَ مُعَاوِيَةَ يَوْمًا، فَقَالَ مِثْلَهُ إِلٰى قَوْلِهِ: «وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللهِ».

[612] حضرت عیسیٰ بن طلحہ سے روایت ہے، انھوں نے ایک دن حضرت معاویہ ؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ انھوں نے أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه تک اسی طرح کہا جس طرح مؤذن نے کہا تھا۔

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ رَاهَوَيْهِ قَالَ: حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيٰى نَحْوَهُ. [انظر: ٦١٣، ٩١٤]

پھر امام بخاری ؒ نے اسحاق بن راہویہ کے طریق سے اسی طرح کی ایک روایت بیان کی ہے۔

٦١٣ - قَالَ يَحْيٰى: وَحَدَّثَنِي بَعْضُ إِخْوَانِنَا أَنَّهُ قَالَ: لَمَّا قَالَ: حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، قَالَ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ، وَقَالَ: هٰكَذَا سَمِعْنَا نَبِيَّكُمْ ﷺ يَقُولُ. [راجع: ٦١٢]

[613] حضرت یحییٰ بن ابوکثیر سے روایت ہے، انھوں نے کہا: مجھ سے میرے بعض بھائیوں نے بیان کیا کہ مؤذن نے جب حي على الصلاة کہا تو حضرت معاویہ ؓ نے لاحول ولا قوة إلا باللّٰه کہا اور فرمایا: میں نے تمھارے نبی ﷺ کو اسی طرح کہتے سنا ہے۔

فوائد ومسائل: ① امام بخاری ؒ نے ان روایات سے ثابت کیا ہے کہ مؤذن جب حي على الصلاة اور حي على الفلاح کہے تو اس کے جواب میں لاحول ولا قوة إلا باللّٰه کہنا چاہیے۔ اس سلسلے میں انھوں نے حضرت امیر معاویہ ؓ کی روایت پیش کی ہے جو انتہائی مختصر ہے۔ اس کی تفصیل ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک دن جب امیر معاویہ ؓ منبر پر بیٹھے تو مؤذن نے اذان دی اور کہا: اللّٰه أكبر، اللّٰه أكبر، آپ نے اس کے جواب میں اللّٰه أكبر، اللّٰه أكبر کہا۔ مؤذن نے

[1] صحیح مسلم، الصلاة، حدیث: 850(385).

أشهد أن لا إله إلّا الله کہا تو آپ نے جواب میں کہا: میں بھی (توحید کی گواہی دیتا ہوں)، مؤذن نے کہا۔ أشهد أن محمدًا رسول الله، آپ نے جواب دیا: میں بھی (رسالت کی گواہی دیتا ہوں)۔ جب مؤذن اپنی اذان سے فارغ ہوا تو آپ نے فرمایا: اے لوگو! میں نے رسول اللہ ﷺ سے اسی مقام پر بیٹھے ہوئے سنا، جب مؤذن نے اذان دی تھی تو آپ نے وہی کلمات کہے جو آپ نے مجھے کہتے ہوئے سنا ہے۔ [1] لیکن اس روایت میں وہ الفاظ نہیں ہیں جن سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مدعا ثابت ہوتا ہے۔ ایک روایت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے علامہ اسماعیلی کے حوالے سے بیان کی ہے اس میں مزید تفصیل ہے۔ عیسیٰ بن طلحہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہم ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، مؤذن نے اذان دی اور کہا: الله أكبر، الله أكبر، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی کہا: الله أكبر، الله أكبر، مؤذن نے أشهد أن لا إله إلا الله کہا تو حضرت امیر معاویہ نے کہا: أشهد أن لا إله إلا الله، پھر مؤذن نے أشهد أن محمدًا رسول الله کہا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی کہا: أشهد أن محمدًا رسول الله۔ یحییٰ بن ابی کثیر راوی کہتے ہیں کہ میرے ایک ساتھی نے بتایا کہ جب مؤذن نے حي على الصلاة کہا تو امیر معاویہ نے لاحول ولا قوة إلا بالله کہا، پھر فرمایا: ہم نے تمھارے نبی حضرت محمد ﷺ سے اسی طرح سنا ہے۔ [2] ② حي على الصلاة اور حي على الفلاح کے جواب میں لاحول ولا قوة إلا بالله کہنے کی حکمت بایں الفاظ بیان ہوئی ہے کہ نمازی کو کہا جا رہا ہے کہ اس دنیا میں رہتے ہوئے اپنی ظاہری اور باطنی توجہ کے ساتھ راہ راست کی طرف چلے آؤ اور قیامت کے دن کی نعمتوں کے حصول کی کامیابی کی طرف آؤ، تو مناسب ہوا کہ اس کا جواب اس طرح دیا جائے کہ میں کمزور و ناتواں ہونے کی وجہ سے اس کے متعلق اپنے اندر طاقت نہیں پاتا، ہاں! اگر اللہ تعالیٰ مجھے برائی سے بچنے اور نیکی کی طرف آنے کی توفیق دے تو اور بات ہے۔ [3] واضح رہے کہ ایک حدیث کے مطابق خود رسول اللہ ﷺ مؤذن کی شہادت سن کر وأنا، وأنا فرمایا کرتے تھے، [4] یعنی جب مؤذن أشهد أن لا إله إلا الله کہتا تو آپ فرماتے: ''میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔'' اور جب مؤذن أشهد أن محمدًا رسول الله کہتا تو آپ جواب دیتے: ''میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد، یعنی خود اللہ تعالیٰ کے فرستادہ ہیں۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ بھی اذان کا جواب دیا کرتے تھے۔

(٨) بَابُ الدُّعَاءِ عِنْدَ النِّدَاءِ

٦١٤ - حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ عَيَّاشٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعَيْبُ بْنُ أَبِي حَمْزَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَنْ قَالَ حِينَ يَسْمَعُ النِّدَاءَ: اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ، آتِ مُحَمَّدًا

باب: 8- اذان کے وقت دعا پڑھنا

[614] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اذان سنتے وقت یہ دعا پڑھے: [اَللّٰهُمَّ رَبَّ ...... وَعَدْتَّهُ] ''اے اللہ! اس کامل پکار اور قائم ہونے والی نماز کے رب! حضرت محمد ﷺ کو وسیلہ اور بزرگی عطا فرما اور انھیں اس مقام پر پہنچا جس کا

[1] صحيح البخاري، الجمعة، حديث: 914. [2] فتح الباري: 123/2. [3] فتح الباري: 123/2. [4] سنن أبي داود، الأذان، حديث: 526.

الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ، وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُودًا الَّذِي وَعَدْتَّهُ؛ حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ».

تو نے ان سے وعدہ کیا ہے، تو اسے قیامت کے دن میری شفاعت نصیب ہوگی۔"

[انظر: ٤٧١٩]

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان میں الفاظ حدیث کے پیش نظر دعائے اذان کے محل کو متعین نہیں فرمایا۔ ممکن ہے کہ ان کے نزدیک دوران اذان میں کسی وقت بھی اسے پڑھنا جائز ہو۔ امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے ظاہری مفہوم سے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ اذان کا جواب دینا ضروری نہیں، اگر کوئی مذکورہ دعا پڑھ لے تو یہی کافی ہے، جبکہ دیگر روایات میں جواب اذان کے لیے صیغۂ امر وارد ہے جو عام طور پر وجوب کے لیے ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک مذکورہ دعا اذان سے فراغت کے بعد پڑھنی چاہیے اور اس سے پہلے دورد پڑھنے کی تاکید ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب مؤذن اذان دے تو تم اسی طرح کہو جس طرح وہ کہتا ہے، پھر مجھ پر درود پڑھو، اس کے بعد میرے لیے "الوسیلہ" ملنے کی دعا کرو۔"[1] ② واضح رہے کہ وسیلہ کے متعلق خود رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: "یہ جنت میں ایک درجہ کا نام ہے جو اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک بندے کے لائق ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں۔ جس نے میرے لیے اللہ تعالیٰ سے وسیلے کی دعا کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔"[2] حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص مؤذن کی اذان سن کر مندرجہ ذیل دعا پڑھے تو اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے: [أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ، رَضِيتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِمُحَمَّدٍ رَّسُولًا وَّ بِالْإِسْلَامِ دِينًا] "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ یقیناً حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے فرستادہ ہیں۔ میں اللہ کے رب ہونے، محمد ﷺ کے رسول ہونے اور اسلام کے دین ہونے پر راضی ہوں۔"[3] دعائے اذان کی ترتیب اس طرح ہونی چاہیے: پہلے درود پڑھا جائے، پھر دعا اور آخر میں مذکورہ کلمات کہے جائیں۔ ③ اذان کی مذکورہ دعا میں [اَلدَّرَجَةَ الرَّفِيعَةَ] اور [وَارْزُقْنَا شَفَاعَتَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ] کے الفاظ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں، البتہ [إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ] کا اضافہ بعض روایات میں ملتا ہے۔[4] لیکن محدثین نے اس اضافے کو بھی شاذ قرار دیا ہے کیونکہ راویٔ حدیث علی بن عیاش سے جتنے طرق کتب حدیث میں مروی ہیں، کسی میں بھی یہ الفاظ نہیں ملتے۔[5]

(٩) بَابُ الْاِسْتِهَامِ فِي الْأَذَانِ

باب: 9- اذان دینے کے لیے قرعہ اندازی کرنا

وَيُذْكَرُ أَنَّ أَقْوَامًا اخْتَلَفُوا فِي الْأَذَانِ فَأَقْرَعَ بَيْنَهُمْ سَعْدٌ.

بیان کیا جاتا ہے کہ کچھ لوگوں نے اذان دینے میں جھگڑا کیا تو (اسے ختم کرنے کے لیے) حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان کے مابین قرعہ اندازی کی۔

1 صحيح مسلم، الصلاة، حديث : 849 (384). 2 صحيح مسلم، الصلاة، حديث : 849(384). 3 صحيح مسلم، الصلاة، حديث : 851(386). 4 السنن الكبرٰى للبيهقي : 110/1. 5 إرواء الغليل : 261/1.

وضاحت: اس اثر کو امام طبری اور امام بیہقی ؒ نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ ہم نے فتح قادسیہ کے موقع پر اپنے ساتھیوں کی احوال گیری کی تو پتہ چلا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کی طرف سے مقرر کردہ مؤذن زخموں سے چور ہے۔ جب نماز کے لیے اذان کا وقت ہوا تو اذان کہنے ہی کے سلسلے میں دیگر سپاہیوں کی آپس میں بحث ہو گئی۔ حضرت سعد ؓ نے قرعے کے ذریعے سے ایک سپاہی کے متعلق اذان کہنے کا فیصلہ فرمایا تو اس نے اذان کہی۔[1] عربی لغت کے اعتبار سے استہام کے دو معنی ہیں: تیر اندازی کرنا اور قرعہ ڈالنا۔ امام بخاری ؒ نے اس اثر کے ذریعے سے عنوان میں آنے والے لفظ استہام کے معنی متعین فرمائے ہیں کہ اس کے معنی قرعہ اندازی کرنا ہیں۔

٦١٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ سُمَيٍّ مَوْلٰى أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي النِّدَاءِ وَالصَّفِّ الْأَوَّلِ ثُمَّ لَمْ يَجِدُوا إِلَّا أَنْ يَسْتَهِمُوا عَلَيْهِ لَاسْتَهَمُوا، وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي التَّهْجِيرِ لَاسْتَبَقُوا إِلَيْهِ، وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا». [انظر: ٦٥٤، ٧٢١، ٢٦٨٩]

[615] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اذان اور صف اول میں کیا ثواب ہے، پھر وہ اپنے لیے قرعہ ڈالنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ پائیں تو ضرور قرعہ اندازی کریں۔ اور اگر لوگوں کو علم ہو کہ نماز ظہر کے لیے جلدی آنے کا کتنا ثواب ہے تو ضرور سبقت کریں۔ اور اگر وہ جان لیں کہ عشاء اور فجر باجماعت ادا کرنے میں کتنا ثواب ہے تو ان دونوں (کی جماعت) میں ضرور آئیں اگرچہ انھیں سرینوں کے بل چل کر آنا پڑے۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں اذان دینے کے لیے متعدد مؤذن رکھے جا سکتے ہیں، تاہم وقت کے لیے اذان صرف ایک مؤذن کہے گا کیونکہ قرعہ اندازی اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب مؤذن متعدد ہوں۔ بعض حضرات نے حدیث میں وارد لفظ ''استہام'' سے تیر اندازی مراد لی ہے لیکن امام بخاری کے نزدیک اس کے معنی قرعہ اندازی ہیں۔ انھوں نے حضرت سعد ؓ کا قرعہ سے متعلق قصہ بھی اس معنی کی تائید کے لیے پیش کیا ہے۔ اس کے علاوہ صحیح مسلم میں قرعہ کے صریح الفاظ بھی اس معنی کے مؤید ہیں۔[2] ② قرعہ اندازی کے ذریعے سے کوئی شرعی حکم نہیں ثابت کیا جا سکتا بلکہ اسے مساویانہ حقوق رکھنے والوں کے درمیان نزاع کے موقع پر فیصلہ کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، یعنی حل مشکلات، قطع نزاع، دفع ظنون اور تالیف قلبی کے لیے قرعہ ڈالا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں امام بخاری ؒ نے اپنی صحیح میں متعدد عنوان قائم کیے ہیں، مثلاً: ❀ هَلْ يُقْرَعُ فِي الْقِسْمَةِ (كِتَابُ الشَّرِكَةِ: 6) ❀ اَلْقُرْعَةُ فِي الْمُشْكِلَاتِ (كِتَابُ الشَّهَادَاتِ: 30) ❀ اَلْقُرْعَةُ بَيْنَ النِّسَاءِ (كِتَابُ النِّكَاحِ: 98) اس مقام پر امام بخاری ؒ کا مقصود اذان کی فضیلت بیان کرنا اور یہ ثابت کرنا ہے کہ ایک مسجد میں نماز کے لیے صرف ایک ہی اذان دینی چاہیے کیونکہ اگر متعدد اذانیں جائز ہوتیں تو قرعہ اندازی کی نوبت کیوں پیش آتی۔

① فتح الباري: 127/2. ② فتح الباري: 128/2.

(١٠) بَابُ الْكَلَامِ فِي الْأَذَانِ

باب:10 - دوران اذان میں گفتگو کرنا

وَتَكَلَّمَ سُلَيْمَانُ بْنُ صُرَدٍ فِي أَذَانِهِ. وَقَالَ الْحَسَنُ: لَا بَأْسَ أَنْ يَضْحَكَ وَهُوَ يُؤَذِّنُ أَوْ يُقِيمُ.

حضرت سلیمان بن صرد نے اپنی اذان کے دوران میں گفتگو کی، نیز امام حسن بصری فرماتے ہیں کہ دوران اذان یا اقامت میں ہنسنے میں کوئی حرج نہیں۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہ ہے کہ اذان کا حکم نماز جیسا نہیں نماز میں گفتگو کرنا یا ہنسنا منع ہے، اس سے نماز باطل ہوجاتی ہے جبکہ اذان میں بوقت ضرورت گفتگو اور ہنس دینے کی گنجائش ہے۔ اس سے اذان میں کوئی خلل نہیں آتا۔ اس سلسلے میں امام بخاری نے دو اثر پیش کیے ہیں: ٭ حضرت سلیمان بن صرد کے اثر کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں متصل سند سے بیان کیا ہے کہ وہ چھاؤنی میں اذان دیتے تھے اور دوران اذان میں اپنے غلام کو کسی ضرورت سے آگاہ کر دیتے تھے۔ ٭ حضرت حسن بصری کا اثر متصل سند سے ہمیں نہیں مل سکا۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں کچھ آثار ملتے ہیں لیکن ان میں ہنسنے کا ذکر نہیں بلکہ دوران اذان میں گفتگو کے جواز پر رہنمائی ملتی ہے۔[1]

٦١٦ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوبَ وَعَبْدِ الْحَمِيدِ صَاحِبِ الزِّيَادِيِّ وَعَاصِمٍ الْأَحْوَلِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ: خَطَبَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ فِي يَوْمٍ رَزْغٍ فَلَمَّا بَلَغَ الْمُؤَذِّنُ: حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، فَأَمَرَهُ أَنْ يُنَادِيَ: اَلصَّلَاةُ فِي الرِّحَالِ، فَنَظَرَ الْقَوْمُ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ، فَقَالَ: فَعَلَ هٰذَا مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِّنْهُ وَإِنَّهَا عَزْمَةٌ. [انظر: ٦٦٨، ٩٠١]

[616] حضرت عبداللہ بن حارث سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بارش کے دن خطبہ دینے کا ارادہ کیا۔ جب مؤذن حي علی الصلاة تک پہنچا تو انھوں نے اسے حکم دیا کہ اعلان کر ''ہر شخص اپنے گھر میں نماز پڑھ لے۔'' (یہ سن کر) لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ کام اس شخص نے کیا ہے جو ہم سے بہتر تھا۔ اور یہ (نماز جمعہ) عزیمت (ضروری) ہے۔

فوائد و مسائل: ① اس روایت میں دورانِ اذان میں، مؤذن کے کلام کرنے کی صراحت نہیں ہے تو اس کی عنوان سے مطابقت بایں طور ہے کہ اذان کے درمیان کلام کرنے سے کلمات اذان کا نسق اور اسلوب متاثر ہوتا ہے۔ حي علی الصلاة کے بعد یا اس کی جگہ أَلَا صَلُّوا فِي الرِّحَالِ کہنے سے بھی اذان معہود کا اسلوب متاثر ہوگا لیکن اس کے باوجود اذان صحیح ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود بھی یہی ہے کہ دوران اذان میں اگر ایسا کلام کیا جائے جس سے اذان کا نظم متاثر ہو، اس سے اذان کے صحیح ہونے میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔ ② روایت کے آخر میں ہم نے ترجمہ کرتے وقت قوسین کے اندر نماز جمعہ کا اضافہ کیا ہے کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک روایت میں اس کی صراحت ہے۔[2] اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ألا صلوا في الرحال کے الفاظ

---

1. فتح الباري: 129/2. 2 صحيح البخاري، الجمعة، حديث: 901.

کہے جائیں تو حي علی الصلاۃ کے پیش نظر بارش اور کیچڑ کے باوجود جمعہ کی نماز کے لیے حاضر ہونا ضروری ہے اگرچہ مشقت ہی کیوں نہ برداشت کرنی پڑے۔ ألا صلوا في الرحال کہنے کا مطلب یہ ہے کہ بارش ایک ایسا عذر ہے جس کے پیش نظر ایک عزیمت رخصت میں بدل جاتی ہے۔[1] ③ بارش یا کیچڑ کی وجہ سے ألا صلوا في الرحال کے الفاظ حي علی الصلاۃ کی جگہ یا اس کے بعد یا اذان سے فراغت کے بعد کہے جائیں؟ اس کی تفصیل اور راجح موقف حدیث: 632 کے تحت بیان ہوگا۔

(١١) بَابُ أَذَانِ الْأَعْمٰى إِذَا كَانَ لَهُ مَنْ يُّخْبِرُهُ

باب: 11- اندھے شخص کا اذان دینا جب کہ اس کو کوئی وقت بتانے والا ہو

٦١٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِنَّ بِلَالًا يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ، فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يُنَادِيَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ». قَالَ: وَكَانَ رَجُلًا أَعْمٰى لَا يُنَادِي حَتّٰى يُقَالَ لَهُ: أَصْبَحْتَ أَصْبَحْتَ. [انظر: ٦٢٠، ٦٢٣، ١٩١٨، ٢٦٥٦، ٧٢٤٨]

[617] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بلال رات کو اذان دیتا ہے، اس لیے تم (روزے کے لیے) کھاتے پیتے رہو تا آنکہ ابن ام مکتوم اذان دے۔'' راوی حدیث نے کہا: ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ایک نابینے آدمی تھے، وہ اس وقت تک اذان نہیں دیتے تھے یہاں تک کہ ان سے کہا جاتا کہ صبح ہوگئی، صبح ہوگئی۔

فوائد ومسائل: ① علامہ نووی رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے متعلق لکھا ہے کہ ان کے نزدیک نابینے کی اذان صحیح نہیں۔ اس کے متعلق حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف اس کراہت کا انتساب صحیح نہیں، البتہ احناف کی فقہی کتاب ''محیط'' میں نابینے کی اذان کے متعلق کراہت کا ذکر ہے۔[2] علامہ عینی رحمہ اللہ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے لیکن کراہت کا اصل سبب عدم مشاہدہ کو قرار دیا ہے، لہٰذا اگر کوئی دیکھنے والا نابینے کو صحیح وقت کی خبر دے تو کراہت نہیں ہوگی۔[3] مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ وہ نابینے کی اذان کو مکروہ خیال کرتے تھے۔ یہ کراہت بھی اسی بنیاد پر ہے جب اسے نہ خود تجربہ ہو اور نہ اسے صحیح وقت بتانے والا ہی ہو۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے قائم کردہ عنوان میں اسی شرط کا ذکر فرمایا ہے۔ واضح رہے کہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ صبح کی اذان کے لیے طلوع فجر کا صحیح صحیح اندازہ لگا لیتے تھے، اس سلسلے میں ان سے کبھی خطا سرزد نہیں ہوئی، چنانچہ بعض روایات میں اس کی صراحت بھی ہے۔[4] ② حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے تین مؤذن تھے: حضرت بلال، حضرت ابومحذورہ اور حضرت عمرو بن ام مکتوم رضی اللہ عنہم۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ابن ام مکتوم چونکہ نابینے آدمی ہیں، اس لیے ان کی اذان سے کسی دھوکے میں مت پڑنا، البتہ بلال کی اذان کے بعد کھانا پینا بند کردیں۔ اسی طرح حضرت انیسہ بنت خبیب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب ابن

1 فتح الباري: 494/2. 2 فتح الباري: 131/2. 3 عمدة القاري: 180/4. 4 فتح الباري: 133/2.

ام مکتوم اذان دے تو کھاؤ پیو اور جب بلال اذان دے تو کھانا پینا موقوف کردو۔"[1] یہ روایات صحیح بخاری کی روایت کے برعکس ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سحری اور فجر کی اذان کے لیے ان حضرات کی باری مقرر کر رکھی تھی۔ کبھی سحری کی اذان حضرت بلال کہتے تھے اور فجر کی اذان حضرت ابن ام مکتوم کے ذمے تھی جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت میں ہے اور کبھی سحری کی اذان حضرت ابن مکتوم کہتے تھے اور فجر کی اذان حضرت بلال کے ذمے تھی، اس بنا پر ان روایات میں کوئی تضاد نہیں۔[2]

(١٢) بَابُ الْأَذَانِ بَعْدَ الْفَجْرِ

باب:12- طلوع فجر کے بعد اذان دینا

وضاحت: جو اذان نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے دی جاتی ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ نماز کا وقت ہو جانے پر ہی دی جائے، اگر وقت سے پہلے کہہ دی جائے تو اس کا دوبارہ کہنا ضروری ہے۔ امام بخاری ؒ نے اس مسئلے کی اہمیت و ضرورت کے پیش نظر یہ عنوان قائم کیا ہے اور اسے اذان قبل فجر سے پہلے بیان کیا ہے۔

٦١٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: أَخْبَرَتْنِي حَفْصَةُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ إِذَا اعْتَكَفَ الْمُؤَذِّنُ لِلصُّبْحِ وَبَدَا الصُّبْحُ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ تُقَامَ الصَّلَاةُ. [انظر: ١١٧٣، ١١٨١]

[618] حضرت حفصہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی عادت تھی کہ جب مؤذن صبح کی اذان کے لیے کھڑا ہو جاتا اور صبح نمایاں ہو جاتی تو آپ نماز کھڑی ہونے سے پہلے ہلکی سی دو رکعتیں پڑھتے۔

فوائد و مسائل: ① إِذَا اعْتَكَفَ کے معنی یہ ہیں کہ جب مؤذن فجر کے انتظار میں رہتا تاکہ صبح اچھی طرح روشن ہو جائے تو اذان دے۔ مؤذن کی اذان کے بعد رسول اللہ ﷺ دو رکعت سنت فجر پڑھتے تھے جیسا کہ دوسری روایت میں ہے کہ جب مؤذن اذان دیتا اور صبح خوب روشن ہو جاتی تو رسول اللہ ﷺ دو رکعت پڑھتے۔[3] ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فجر طلوع ہونے کے بعد ہلکی پھلکی دو رکعت پڑھتے تھے۔[4] ② امام بخاری ؒ کے اس عنوان پر دو اعتراض ہیں: * یہ بات تو واضح ہے کہ فجر کے بعد اذان ہوتی ہے، لہٰذا عیاں راچہ بیاں؟ اگر اس عنوان کا اہتمام ضروری تھا تو زوال کے بعد اذان اور غروب کے بعد اذان کے عنوانات کو کیوں نظر انداز کیا گیا ہے؟ * ترتیب کا تقاضا یہ تھا کہ پہلے قبل از فجر اذان کا عنوان قائم کیا جاتا، پھر اذان بعد از فجر کا باب ہوتا۔ ہمارے نزدیک ان اعتراضات کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ امام بخاری ؒ کا مقصد یہ ہے کہ اذان فجر جو اصل ہے وہ تو بعد از فجر ہی ہے اور قبل از فجر اذان نماز کے لیے نہیں بلکہ اس کے اور مقاصد ہیں۔ چونکہ اذان بعد از فجر اصل تھی، اس لیے اسے پہلے بیان کیا اور قبل از فجر اذان کی حیثیت ثانوی تھی، اس لیے اسے بعد میں بیان فرمایا۔

---

1 صحيح ابن خزيمة: 210/1، حديث: 404. 2 عمدة القاري: 182/1. 3 صحيح البخاري، التطوع، حديث: 1181.
4 صحيح البخاري، التطوع، حديث: 1173.

٦١٩ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيٰى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ بَيْنَ النِّدَاءِ وَالْإِقَامَةِ مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ. [انظر: ١١٥٩]

[619] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نماز صبح کی اذان اور اقامت کے درمیان دو ہلکی سی رکعات پڑھتے تھے۔

فائدہ: ظاہر کے اعتبار سے اس حدیث کا عنوان سے کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا کیونکہ عنوان طلوع فجر کے بعد اذان دینے سے متعلق ہے جبکہ حدیث اقامت اور اذان کے درمیان دو رکعت پڑھنے کے بارے میں ہے۔ دراصل امام بخاری ؒ کا اپنی صحیح میں یہ اسلوب ہے کہ بعض اوقات ایک حدیث کے ذریعے سے کسی دوسری حدیث کی طرف اشارہ مقصود ہوتا ہے، چنانچہ اس مقام پر بھی آپ نے یہی انداز اختیار کیا ہے کہ آپ نے حضرت عائشہ ؓ سے مروی ایک دوسری حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے اور اسی سے عنوان ثابت ہوتا ہے، چنانچہ ان سے روایت ہے کہ جب مؤذن نماز صبح کی اذان دے کر خاموش ہو جاتا تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوتے اور نماز فجر ادا کرنے سے پہلے ہلکی پھلکی دو رکعت ادا کرتے۔ سنتوں کی یہ ادائیگی فجر کے روشن ہونے کے بعد ہوتی۔[1] اس روایت میں وضاحت ہے کہ صبح کی نماز کے لیے طلوع فجر کے بعد اذان دی جاتی تھی۔

٦٢٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِنَّ بِلَالًا يُنَادِي بِلَيْلٍ، فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يُنَادِيَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ». [راجع: ٦١٧]

[620] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بلال (ؓ) رات کو اذان دیتا ہے، اس لیے کھاؤ اور پیو، تا آنکہ ابن ام مکتوم اذان دے۔''

فوائد و مسائل: ① اس روایت میں حضرت ابن ام مکتوم کی اذان کو حضرت بلال کی اذان کے مقابلے میں پیش کیا گیا ہے، نیز اس میں یہ بھی صراحت ہے کہ حضرت بلال رات کو اذان کہتے تھے جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابن ام مکتوم کی اذان رات کے وقت نہیں تھی بلکہ رات کے اختتام پر طلوع فجر کے بعد ہوتی تھی۔ وهو المقصود. ② واضح رہے کہ بعض روایات اس کے برعکس ہیں۔ ان میں ہے کہ ابن ام مکتوم رات کے وقت اذان دیتے ہیں، اس لیے کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ حضرت بلال اذان دیں، بلکہ صحیح ابن خزیمہ کی روایت میں صراحت ہے کہ جب عمرو بن ام مکتوم اذان دیں تو کسی کو دھوکے میں نہیں رہنا چاہیے وہ نابینا ہیں، اس لیے اس اذان کے بعد سحری کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں لیکن جب حضرت بلال اذان دیں تو کھانا پینا بند کر دیا جائے۔ حضرت عائشہ ؓ کے متعلق روایات میں ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کے بیان کو غلط کہتی تھیں، فرماتی تھیں کہ بلال کی ذمے داری تھی کہ وہ طلوع فجر کو دیکھتے رہیں۔ ان متعارض روایات کی تطبیق بایں طور ہے کہ جب اذان کا آغاز ہوا تو صبح کی اذان بھی حضرت بلال کہتے تھے جیسا کہ ایک صحابیہ فرماتی ہیں کہ میرا مکان مدینے میں سب سے اونچا تھا۔ حضرت بلال میرے

[1] صحيح البخاري، الأذان، حديث: 626.

مکان کی چھت پر چڑھ جاتے اور طلوع فجر کو دیکھتے رہتے، جب فجر طلوع ہو جاتی تو انگڑائی لیتے اور اذان کہنا شروع کر دیتے، اس کے بعد حضرت ابن ام مکتوم کو سحری کی اذان پر متعین کیا گیا۔ ایک مدت تک یہ سلسلہ جاری رہا، آخر کار حضرت ابن ام مکتوم کو اذان فجر پر مقرر کر دیا گیا اور حضرت بلال کو سحری کی اذان سونپ دی گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بعض اوقات حضرت بلال غلبۂ نیند کی وجہ سے اذان فجر قبل از وقت کہہ دیتے جس کی بعد میں تلافی کرنی پڑتی، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اذان فجر کے لیے حضرت ابن ام مکتوم کی ڈیوٹی لگا دی، چونکہ وہ نابینا تھے، اس لیے وہ اس وقت اذان دیتے جب انھیں طلوع فجر کے متعلق اطلاع دی جاتی۔[1]

(١٣) بَابُ الْأَذَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ

باب: 13- صبح صادق سے پہلے اذان کہنا

وضاحت: اس اذان سے نماز کے وقت کی اطلاع دینا مقصود نہیں بلکہ یہ سحری کی اذان ہے کیونکہ وقت کی اطلاع کے لیے جو اذان دی جاتی ہے وہ طلوع فجر کے بعد ہے جیسا کہ امام بخاری ؒ نے پہلے وضاحت کر دی ہے۔

٦٢١ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ قَالَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ التَّيْمِيُّ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا يَمْنَعَنَّ أَحَدَكُمْ - أَوْ أَحَدًا مِّنْكُمْ - أَذَانُ بِلَالٍ مِّنْ سَحُورِهِ فَإِنَّهُ يُؤَذِّنُ أَوْ يُنَادِي بِلَيْلٍ لِيَرْجِعَ قَائِمَكُمْ، وَلِيُنَبِّهَ نَائِمَكُمْ، وَلَيْسَ أَنْ يَقُولَ الْفَجْرُ أَوِ الصُّبْحُ - وَقَالَ بِأَصَابِعِهِ وَرَفَعَهَا إِلَى فَوْقُ، وَطَأْطَأَ إِلَى أَسْفَلُ - حَتّٰى يَقُولَ هٰكَذَا». وَقَالَ زُهَيْرٌ بِسَبَّابَتَيْهِ إِحْدَاهُمَا فَوْقَ الْأُخْرٰى، ثُمَّ مَدَّهُمَا عَنْ يَمِينِهِ وَشِمَالِهِ.

[انظر: ٥٢٩٨، ٧٢٤٧]

[621] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی بلال کی اذان سن کر سحری کھانا ترک نہ کرے کیونکہ وہ رات کو اذان دیتا ہے تاکہ تہجد پڑھنے والا لوٹ جائے اور جو ابھی سویا ہوا ہو، اسے بیدار کر دے اور فجر ایسے نہیں ہے۔'' آپ نے اپنی انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے پہلے ان کو اوپر اٹھایا پھر آہستہ آہستہ نیچے کی طرف جھکایا، پھر فرمایا: ''فجر اس طرح ہوتی ہے۔'' زہیر راوی نے وضاحت کی کہ آپ نے اپنی دونوں شہادت کی انگلیاں ایک دوسری کے اوپر رکھ کر انھیں دائیں بائیں پھیلا دیا، یعنی دونوں گوشوں میں روشنی پھیل جائے تو صبح ہوتی ہے۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ کے قائم کردہ عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز فجر کی اذان طلوع فجر سے پہلے جائز ہے، حالانکہ حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قبل از فجر اذان نماز فجر کے لیے ہوتی تھی بلکہ اس اذان کے مقاصد ہی الگ ہیں، یعنی نماز تہجد سے فارغ ہو کر اذان فجر سے پہلے پہلے سحری کھانا اور نماز کے لیے بیدار ہو کر ضروریات سے فارغ ہونا تاکہ نماز فجر کی تیاری کی جا سکے، جبکہ اذان فجر کا مقصد انتہائے سحری کا اعلان اور نماز فجر کے لیے وقت کی اطلاع دینا ہے، اس لیے مناسب تھا کہ یہ عنوان بایں الفاظ ہوتا: ''فجر سے قبل سحری کی اذان دینا۔'' ② اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فجر دو طرح کی ہوتی

[1] فتح الباري: 2/135- 136.

ہے: ایک فجر کاذب اور دوسری فجر صادق، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے خود اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ فجر کی دو اقسام ہیں: ایک وہ جس میں کھانا حرام اور نماز پڑھنا جائز ہوتا ہے اور دوسری وہ جس میں نماز پڑھنا حرام اور کھانا تناول کرنا حلال ہوتا ہے۔ ایک روایت میں مزید وضاحت ہے کہ ایک وہ صبح ہے جو بھیڑیے کی دم کی طرح بالکل سیدھی آسمان میں اوپر چڑھتی معلوم ہوتی ہے۔ اس میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہوتا، البتہ کھانا تناول کرنے کو حرام نہیں کرتی۔ اور دوسری وہ جو آسمان کے کناروں میں دائیں بائیں پھیل جاتی ہے، یہ روزے دار کے لیے کھانے کو حرام کر دیتی ہے اور اس میں نماز فجر ادا کرنا جائز اور حلال ہوتا ہے۔[1]

٦٢٢ ، ٦٢٣ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو أُسَامَةَ قَالَ: عُبَيْدُ اللهِ حَدَّثَنَا عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ، وَعَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ؛ ح. قَالَ: وَحَدَّثَنِي يُوسُفُ ابْنُ عِيسَى الْمَرْوَزِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْفَضْلُ قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: «إِنَّ بِلَالًا يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يُؤَذِّنَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ».

[راجع: ٦١٧ وانظر: ١٩١٩]

[623,622] حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ''بلال رات کو اذان دیتا ہے، اس لیے سحری کھاؤ اور پیو، تاآنکہ ابن ام مکتوم اذان دے۔''

فوائد ومسائل: ① عنوان کا مقصد صبح کے وقت اذان اول کی مشروعیت بیان کرنا ہے جیسا کہ جمہور علماء کا موقف ہے لیکن اس کے بعد اذان ثانی کہنا ضروری ہے یا اذان اول پر اکتفا کیا جا سکتا ہے؟ اس کے متعلق امام مالک، امام شافعی اور امام احمد ؒ کا موقف ہے کہ اذان اول پر اکتفا کرنا جائز ہے جبکہ محدث ابن خزیمہ، امام ابن منذر اور کچھ اہل علم حضرات کہتے ہیں کہ نماز فجر کے لیے اذان اول کافی نہیں ہوگی بلکہ اس کے لیے اذان ثانی کہنا ضروری ہے، چنانچہ حضرتِ امام بخاری کا حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے مروی حدیث کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عائشہ ؓ کی حدیث لانے کا مقصد یہی معلوم ہوتا ہے کہ اذان اول کافی نہیں ہوگی۔ بعض حضرات کا دعویٰ ہے کہ قبل از فجر اذان کے الفاظ عام اذان جیسے نہ تھے لیکن یہ دعویٰ بلا دلیل ہے بلکہ احادیث میں اسے بھی اذان ہی سے تعبیر کیا گیا ہے، نیز اگر اس کے الفاظ دوسری اذان سے مختلف ہوتے تو یہ وضاحت کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی کہ بلال رات کو اذان دیتا ہے، لہٰذا اس کی اذان سے روزے دار کے لیے کھانا پینا حرام نہیں ہوتا۔ اس وضاحت کی ضرورت ہی اس لیے پیش آئی کہ الفاظ کے اعتبار سے دونوں اذانیں ایک جیسی تھیں۔[2] ② ہمارے ہاں اذان اول کے متعلق عام عادت یہ ہے کہ اسے اذان تہجد کا نام دیا جاتا ہے، پھر اسے اذان فجر سے کم از کم ایک گھنٹہ پہلے کہا جاتا ہے، حالانکہ یہ اذان قطعی طور پر تہجد کے لیے نہیں بلکہ تہجد پڑھنے والوں کو واپس گھر لوٹانے کے لیے دی جاتی ہے تاکہ وہ آرام کرلیں اور اگر

1 المستدرك للحاكم: 191/1، حديث: 688,687. 2 فتح الباري: 137/2.

روزہ رکھنا ہے تو سحری وغیرہ تناول کرلیں۔ اور اس کا دوسرا مقصد یہ بیان ہوا ہے کہ یہ سوئے ہوؤں کو بیدار کرنے کے لیے ہے تاکہ وہ اٹھیں اور اپنی حوائج ضروریہ سے فارغ ہوکر نماز فجر کے لیے تیاری کریں۔ اس کام کے لیے پندرہ بیس منٹ ہی کافی ہیں کیونکہ احادیث میں وضاحت ہے کہ دونوں حضرات کے اذان دینے کے درمیان صرف اتنا وقت ہوتا کہ پہلی اذان سے فراغت کے بعد وہ نیچے اتر رہا ہوتا اور دوسرا اذان دینے کے لیے اوپر جارہا ہوتا۔[1] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث میں بھی یہ وضاحت موجود ہے۔[2] اگرچہ اذان اول اور اذان ثانی کے درمیان وقت کی قلت کو بیان کرنے کے لیے یہ الفاظ بطور مبالغہ ہیں کیونکہ اذان اول کے جو مقاصد احادیث میں بیان ہوئے ہیں ان سے مذکورہ الفاظ کے معنی متعین ہوسکتے ہیں کہ اذان اول اور اذان ثانی کے درمیان کم از کم اتنا وقت ہونا چاہیے کہ ایک تہجد گزار اپنے گھر آکر سحری وغیرہ کھا سکے، اتنا کم وقت نہ ہو کہ اس اذان کا مقصد ہی فوت ہوجائے۔ بہرحال اذان اول، اذان تہجد نہیں بلکہ سحری کی اذان ہے اور اس کے اور دوسری اذان کے درمیان گھنٹے یا دو گھنٹے کا وقفہ بھی نہیں ہونا چاہیے۔ واللہ أعلم.

(١٤) بَابٌ: كَمْ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ وَمَنْ يَنْتَظِرُ إِقَامَةَ الصَّلَاةِ؟

باب: 14- اذان اور تکبیر کے درمیان کتنا وقت ہونا چاہیے اور (اس شخص کا حکم) جو اقامت کا انتظار کرتا ہے؟

وضاحت: اس عنوان کے آخری الفاظ صحیح بخاری کے بیشتر نسخوں میں نہیں ہیں۔ چونکہ یہ عنوان آگے آرہا ہے، لہٰذا اسے یہاں حذف ہونا چاہیے۔

٦٢٤ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ الْوَاسِطِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنِ الْجُرَيْرِيِّ، عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ مُغَفَّلٍ الْمُزَنِيِّ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلَاةٌ - ثَلَاثًا - لِمَنْ شَاءَ». [انظر: ٦٢٧]

[624] حضرت عبداللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہر دو اذانوں (اذان و اقامت) کے درمیان نماز ہے۔“ آپ نے تین دفعہ یہ الفاظ کہے، پھر فرمایا: ”یہ نماز اس شخص کے لیے ہے جو پڑھنا چاہے۔“

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ کا ایک اصول ہے کہ بعض اوقات وہ عنوان کے ذریعے سے کسی روایت کی تردید یا تائید کرتے ہیں۔ تائید کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ الفاظ حدیث اگرچہ امام بخاری رحمہ اللہ کی شرط کے مطابق نہیں ہوتے لیکن مضمون حدیث صحیح ہوتا ہے۔ اس مضمون کو اپنی کسی روایت سے ثابت کرتے ہیں۔ ② عنوان مذکورہ کا مطلب بھی ایک حدیث کے مضمون کو ثابت کرنا ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اذان اور اقامت کے درمیان اتنا فاصلہ ہونا چاہیے کہ کھانے پینے والا اپنی ضروریات اور بول و براز والا اپنی حوائج ضروریہ سے فارغ ہوسکے۔“[3] یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے، تاہم امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود

---

1. صحيح البخاري، الصوم، حديث: 1919. 2 صحيح مسلم، الصلاة، حديث: 2538(1092). 3 جامع الترمذي، الصلاة، حديث: 195.

اس کے مضمون کو ثابت کرنا ہے، چنانچہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اذان اور تکبیر کے درمیان کم از کم اتنا فاصلہ تو ہونا چاہیے کہ اگر کوئی دو رکعت پڑھنا چاہے تو پڑھ سکے حتی کہ نماز مغرب جس کا وقت محدود ہوتا ہے، وہ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ اگرچہ ایک حدیث میں مغرب کا استثنا آیا ہے لیکن حفاظ حدیث کی مخالفت کی وجہ سے یہ اضافہ شاذ ہے۔ اس کے علاوہ راوئ حدیث حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ خود نماز مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھتے تھے۔ اگر مذکورہ اضافہ محفوظ ہوتا تو کم از کم حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ ان دو رکعات کو نہ پڑھتے، نیز اس روایت کے ایک راوی حیان بن عبداللہ پر بھی محدثین نے کچھ کلام کیا ہے۔[1] مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھنے کے متعلق ہم آئندہ بحث کریں گے۔

٦٢٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: سَمِعْتُ عَمْرَو بْنَ عَامِرٍ الْأَنْصَارِيَّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ الْمُؤَذِّنُ إِذَا أَذَّنَ قَامَ نَاسٌ مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ يَبْتَدِرُونَ السَّوَارِيَ، حَتَّى يَخْرُجَ النَّبِيُّ ﷺ وَهُمْ كَذٰلِكَ، يُصَلُّونَ الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْمَغْرِبِ، وَلَمْ يَكُنْ بَيْنَهُمَا شَيْءٌ - قَالَ: وَقَالَ عُثْمَانُ بْنُ جَبَلَةَ وَأَبُو دَاوُدَ عَنْ شُعْبَةَ: لَمْ يَكُنْ بَيْنَهُمَا إِلَّا قَلِيلٌ -. [راجع: ٥٠٣]

[625] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: جب مؤذن اذان کہتا تھا تو نبی ﷺ کے صحابۂ کرام میں سے کچھ حضرات کھڑے ہوتے اور ستونوں کے پاس جانے میں جلدی کرتے تھے یہاں تک کہ جب رسول اللہ ﷺ تشریف لاتے تو وہ اسی طرح مغرب سے پہلے دو رکعت نماز پڑھ رہے ہوتے تھے، نیز اذان اور تکبیر کے درمیان کچھ زیادہ فاصلہ نہیں ہوتا تھا۔ عثمان بن جبلہ اور ابوداود حضرت شعبہ سے بیان کرتے ہیں کہ ان دونوں کے درمیان بہت کم فاصلہ ہوتا تھا۔

فوائد ومسائل: ① اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اذان اور تکبیر کے درمیان کم از کم اتنا فاصلہ تو ضرور ہونا چاہیے کہ دو رکعت پڑھی جا سکیں، چنانچہ اس حدیث میں وضاحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مغرب کی اذان کے وقت مسجد کے ستونوں کا رخ کرتے تاکہ انھیں سترہ بنا کر جماعت سے پہلے پہلے دو نفل پڑھ سکیں، پھر جب رسول اللہ ﷺ گھر سے مسجد میں تشریف لاتے تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ابھی نماز میں مشغول ہوتے تھے، چنانچہ ایک اور حدیث میں ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم غروب آفتاب کے بعد دو رکعت ادا کرتے جبکہ رسول اللہ ﷺ ہمیں دیکھ رہے ہوتے۔ آپ نہ تو ہمیں اس کا حکم دیتے اور نہ منع ہی فرماتے۔[2] رسول اللہ ﷺ سے اذان کے بعد اور جماعت سے پہلے دو رکعت پڑھنے کا حکم بھی بعض روایات میں ہے۔ آپ نے فرمایا: ''مغرب سے پہلے نماز پڑھو، مغرب سے پہلے نماز پڑھو۔'' پھر تیسری مرتبہ فرمایا: ''یہ حکم صرف اس شخص کے لیے ہے جو پڑھنا چاہے۔'' آپ نے یہ بات اس اندیشے کے پیش نظر فرمائی کہ کہیں لوگ اسے سنت لازمہ نہ بنا لیں۔[3] خود رسول اللہ ﷺ سے بھی ان دو رکعتوں کا پڑھنا ثابت ہے، چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مغرب سے پہلے دو

---

1. فتح الباري: 142/2. 2 صحيح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 1938(836). 3 صحيح البخاري، الجمعة، حديث: 1183.

رکعت ادا فرمائیں۔[1] الغرض امام بخاری ؒ کا مقصود یہ ہے کہ اذان اور تکبیر کے درمیان کچھ فاصلہ ضرور ہونا چاہیے۔ وہ فاصلہ کم از کم اتنا ضرور ہو کہ دو رکعت پڑھی جا سکیں۔ جب مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت پڑھنے کا وقت دیا جاتا تھا، حالانکہ نماز مغرب کا وقت محدود ہے تو دوسری نمازوں کے لیے تو بالاولیٰ اتنا فاصلہ ثابت ہوگا۔ ② حدیث کے آخر میں ہے: [لَمْ يَكُنْ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِ قَامَةِ شَيْئٌ] اس کا مفہوم یہ نہیں کہ اذان اور اقامت کے درمیان کچھ فاصلہ نہ ہوتا تھا بلکہ شَيْئٌ پر تنوین، تعظیم کے لیے ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ان دونوں کے درمیان کچھ زیادہ فاصلہ نہ ہوتا تھا۔ اس کی وضاحت امام بخاری ؒ نے عثمان بن جبلہ اور ابوداود کی روایت سے کی ہے کہ ان دونوں کے درمیان بہت کم فاصلہ ہوتا تھا، چنانچہ حافظ ابن حجر ؒ نے ابن منیر کے حوالے سے لکھا ہے کہ روایت میں نفیٔ مطلق مجازی طور پر مبالغے کے لیے ہے اور دوسری روایت میں جو قلت وقت کو ثابت کیا گیا ہے وہ حقیقت پر مبنی ہے۔[2] واضح رہے کہ اذان اور اقامت کے درمیان قلت وقت کا فاصلہ صرف نماز مغرب سے متعلق ہے کیونکہ اس کا وقت کچھ محدود ہوتا ہے، دوسری نمازوں کے لیے اس سے زیادہ وقت بھی رکھا جا سکتا ہے، لیکن مغرب سے پہلے بھی اتنا وقت ضرور ہونا چاہیے کہ کم از کم دو رکعت پڑھی جا سکیں۔

(١٥) بَابُ مَنِ انْتَظَرَ الْإِقَامَةَ

باب: 15- اس شخص کا بیان جو اقامت کا انتظار کرے

وضاحت: ممکن ہے کہ اس عنوان سے امام بخاری ؒ کا مقصود یہ ہو کہ اقامت کا گھر میں انتظار کرنا امام کے ساتھ خاص ہے کیونکہ مقتدی نے صف اول میں شمولیت کا ثواب حاصل کرنا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مقتدی اپنے گھر میں تکبیر کا انتظار کرنے میں امام کے ساتھ شریک ہو جبکہ اس کا گھر مسجد کے قریب ہو۔[3]

٦٢٦ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُ بِالْأُولَى مِنْ صَلَاةِ الْفَجْرِ، قَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْفَجْرِ بَعْدَ أَنْ يَسْتَبِينَ الْفَجْرُ، ثُمَّ اضْطَجَعَ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ حَتَّى يَأْتِيَهُ الْمُؤَذِّنُ لِلْإِقَامَةِ. [انظر: ٩٩٤، ١١٢٣، ١١٦٠، ١١٧٠، ٦٣١٠]

[626] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: جب مؤذن فجر کی اذان دے کر خاموش ہو جاتا تو فوراً رسول اللہ ﷺ فجر کے ظاہر ہونے کے بعد نماز فجر سے پہلے ہلکی پھلکی دو رکعت ادا فرماتے۔ پھر اپنے دائیں پہلو پر لیٹ جاتے تا آنکہ مؤذن تکبیر کے لیے آپ کے ہاں حاضر خدمت ہوتا۔

---

1 صحيح ابن حبان (الإحسان)، حديث: 1586. (خود رسول اللہ ﷺ نے مغرب سے پہلے دو رکعت ادا فرمائیں۔ ان الفاظ کو شیخ البانی ؒ نے شاذ قرار دیا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: (الضعيفه، رقم الحديث: 5662). 2 فتح الباري: 142/2. 3 فتح الباري: 144/2.

فوائد و مسائل: ① متعدد روایات میں اذان سننے کے بعد فوراً جماعت کے لیے مسجد میں آنے کی فضیلت بیان ہوئی ہے کہ مسجد میں جماعت کا انتظار کرنے والے کو نماز پڑھنے والے کے مترادف شمار کیا گیا ہے۔ امام بخاری ؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی کا گھر مسجد کے قریب ہے اور وہ اذان سننے کے فوراً بعد مسجد میں آنے کے بجائے اپنے گھر میں اقامت کا انتظار کرتا ہے تو اسے نماز کے لیے جلدی چلے آنے ہی کا ثواب ملے گا کیونکہ رسول اللہ ﷺ گھر میں نماز کے لیے اقامت کا انتظار فرماتے تھے۔ بعض علماء کا موقف ہے کہ رسول اللہ ﷺ چونکہ امام تھے اور امام اذان سننے کے بعد فوراً مسجد میں چلے آنے کا پابند نہیں ہے، اس لیے گھر میں تکبیر کا انتظار کرنا امام کے ساتھ خاص ہے، کوئی دوسرا اس خصوصیت میں اس کا شریک نہیں۔ ② اس حدیث میں تکبیر کے اعتبار سے اذان فجر کو پہلی اذان کہا گیا ہے۔ گویا اس اذان کی دو حیثیتیں ہیں: سحری کی اذان کے مقابلے میں اسے اذان ثانی کہا جاتا ہے اور جماعت کے لیے اقامت کے اعتبار سے اسے اذان اولیٰ کہا گیا ہے، نیز بیہقی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اذان کے بعد مسجد میں تشریف لے جاتے، اگر مسجد میں نمازی کم ہوتے تو وہیں بیٹھ کر ان کا انتظار فرماتے، جب نمازی جمع ہو جاتے تو نماز پڑھاتے۔ یہ حدیث درج بالا حدیث کے مخالف نہیں کیونکہ بیہقی کی روایت کا تعلق نماز صبح کے علاوہ دوسری نمازوں سے ہے اور حدیث بالا کا تعلق نماز صبح سے ہے۔ اور ممکن ہے آپ مؤذن کی اطلاع کے بعد مسجد میں تشریف لے جاتے ہوں اور وہاں جا کر نمازیوں کا انتظار فرماتے ہوں۔[1]

(١٦) بَابٌ: بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلَاةٌ لِّمَنْ شَاءَ

باب: 16- اگر کوئی چاہے تو ہر اذان اور اقامت کے درمیان نفل نماز پڑھ سکتا ہے

وضاحت: امام بخاری ؒ نے قبل ازیں عنوان: 14 میں اذان اور تکبیر کے درمیان فاصلے کا تعین کیا تھا اور اس عنوان میں اذان اور تکبیر کے درمیان نوافل کی مشروعیت کو بیان کیا ہے۔

٦٢٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ قَالَ: حَدَّثَنَا كَهْمَسُ بْنُ الْحَسَنِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلَاةٌ، بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلَاةٌ». ثُمَّ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ: «لِمَنْ شَاءَ». [راجع: ٦٢٤]

[627] حضرت عبداللہ بن مغفل ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''ہر اذان اور اقامت کے درمیان نماز ہے۔ ہر اذان اور اقامت کے درمیان نماز ہے۔'' پھر تیسری مرتبہ فرمایا: ''اگر کوئی پڑھنا چاہے۔''

فوائد و مسائل: ① حدیث کے الفاظ کا ترجمہ بایں طور ہے کہ ہر دو اذان کے درمیان نماز ہے۔ اسے اپنے ظاہر پر محمول کرنا صحیح نہیں کیونکہ دو اذان کے درمیان تو نماز فرض ہے جبکہ اس حدیث میں دو اذان کے درمیان نماز پڑھنے کو نماز کے صوابدیدی اختیار پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ دراصل اس حدیث میں تغلیب کے طور پر اقامت کو اذان سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ اذان

[1] فتح الباري: 144/2.

نماز کے لیے دخول وقت کی اطلاع ہوتی ہے اور اقامت کے ذریعے سے عملی طور پر نماز ادا کرنے کے وقت کی اطلاع دی جاتی ہے۔اس کی ایک توجیہ بایں الفاظ بھی بیان کی جاتی ہے کہ اذان کے ذریعے سے غائبین کو وقت نماز کی اطلاع دی جاتی ہے جبکہ اقامت کے ذریعے سے حاضرین کو متنبہ کیا جاتا ہے۔[1] ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھا ہے:یہ حدیث ایک وہم کو دور کرنے کا فائدہ دیتی ہے کہ جس نماز کے لیے اذان دی جاتی ہے شاید اس کے علاوہ اور کوئی نماز جائز نہ ہو جبکہ حدیث مذکور نے اس وہم کو دور کر دیا کہ اذان کے بعد نوافل وغیرہ پڑھے جاسکتے ہیں، البتہ اقامت کے متعلق یہی اصول ہے کہ اس کے بعد صرف وہی نماز ہوگی جس کے لیے اقامت کہی گئی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جب نماز کے لیے تکبیر کہی جائے تو اس وقت وہی نماز جائز ہوگی جس کے لیے تکبیر کہی گئی ہے۔[2]

(١٧) بَابُ مَنْ قَالَ: لِيُؤَذِّنْ فِي السَّفَرِ مُؤَذِّنٌ وَّاحِدٌ

باب: 17- اس شخص کا موقف جو کہتا ہے کہ سفر میں ایک ہی مؤذن اذان دے

وضاحت:امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ دوران سفر میں صبح کی دو اذانیں نہ کہی جائیں بلکہ ایک اذان ہی کافی ہے۔

٦٢٨ - حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِي نَفَرٍ مِّنْ قَوْمِي، فَأَقَمْنَا عِنْدَهُ عِشْرِينَ لَيْلَةً - وَكَانَ رَحِيمًا رَّفِيقًا- فَلَمَّا رَأَى شَوْقَنَا إِلَى أَهَالِينَا قَالَ: «اِرْجِعُوا فَكُونُوا فِيهِمْ وَعَلِّمُوهُمْ وَصَلُّوا، فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ، وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ». [انظر: ٦٣٠، ٦٣١، ٦٥٨، ٦٨٥، ٨١٩، ٢٨٤٨، ٦٠٠٨، ٧٢٤٦]

[628] حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں اپنی قوم کے چند آدمیوں کے ہمراہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ہم نے آپ کے ہاں بیس راتیں قیام کیا۔ آپ انتہائی مہربان اور نرم دل تھے۔ جب آپ نے محسوس فرمایا کہ ہمارا اشتیاق اہل خانہ کی طرف ہے تو فرمایا: ''اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ۔ اپنے اہل خانہ کے ساتھ رہو۔ انھیں دین کی تعلیم دو اور نماز پڑھا کرو۔ اذان کا وقت آئے تو تم میں سے کوئی اذان دے، پھر تم میں سے جو بڑا ہو وہ امامت کے فرائض سر انجام دے۔''

فائدہ: مصنف عبدالرزاق میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ سفر میں صبح کی دو اذانیں کہا کرتے تھے۔ گویا ان کے نزدیک سفر و حضر کی کوئی تفریق نہ تھی۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دوران سفر میں اذان میں تکرار نہیں ہونی چاہیے لیکن حدیث کے ظاہری سیاق میں سفر وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے گویا ایک دوسری روایت کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں سفر کی وضاحت ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس دو آدمی آئے، سفر کا ارادہ کیے ہوئے تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا: ''جب تم سفر پر روانہ ہو جاؤ تو دوران سفر میں اذان دو، پھر تکبیر کہو، اس کے بعد تم میں سے جو بڑا ہو وہ

1 فتح الباري: 141/2. 2 صحيح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 1644(710).

امامت کے فرائض سرانجام دے۔"[1] لیکن اس دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دوران سفر میں دونوں حضرات کو اذان کہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان سے ان الفاظ کی وضاحت فرمائی ہے کہ تم دونوں میں سے جو اذان دینا چاہے وہ اذان دے۔[2]

(١٨) بَابُ الْأَذَانِ لِلْمُسَافِرِينَ إِذَا كَانُوا جَمَاعَةً وَّالْإِقَامَةِ، وَكَذٰلِكَ بِعَرَفَةَ وَجَمْعٍ

باب: 18- مسافر اگر زیادہ ہوں تو انھیں اذان اور اقامت کہنی چاہیے، اسی طرح عرفات اور مزدلفہ میں بھی

وَقَوْلِ الْمُؤَذِّنِ: اَلصَّلَاةُ فِي الرِّحَالِ؛ فِي اللَّيْلَةِ الْبَارِدَةِ أَوِ الْمَطِيرَةِ.

سردی اور بارش والی رات میں مؤذن الصلاة في الرحال کہے

وضاحت: اس عنوان کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے: ٭ مسافر اگر زیادہ ہوں تو انھیں نماز باجماعت کے لیے اذان اور اقامت کہنی چاہیے۔ ٭ دوران حج میں بالخصوص میدان عرفات اور مزدلفہ میں بھی اذان اور اقامت کے ساتھ جماعت کا اہتمام ہونا چاہیے۔ ٭ اگر بارش یا سردی زیادہ ہو تو اذان میں ألا صلوا في الرحال کہا جائے۔

٦٢٩ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْمُهَاجِرِ أَبِي الْحَسَنِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي سَفَرٍ فَأَرَادَ الْمُؤَذِّنُ أَنْ يُّؤَذِّنَ فَقَالَ لَهُ: «أَبْرِدْ»، ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يُّؤَذِّنَ فَقَالَ لَهُ: «أَبْرِدْ»، ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يُّؤَذِّنَ فَقَالَ لَهُ: «أَبْرِدْ»، حَتّٰى سَاوَى الظِّلُّ التُّلُولَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ». [راجع: ٥٣٥]

[629] حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ہم کسی سفر میں نبی ﷺ کے ہمراہ تھے۔ مؤذن نے (ظہر کی) اذان کہنے کا ارادہ کیا تو آپ نے اس سے فرمایا: "ذرا ٹھنڈا ہو جانے دو۔" اس نے پھر اذان کہنے کا ارادہ کیا تو آپ نے پھر فرمایا: "ذرا اور ٹھنڈا ہو جانے دو۔" اس نے تیسری مرتبہ اذان کہنے کا ارادہ کیا تو آپ نے اس سے فرمایا: "ذرا مزید ٹھنڈا ہونے دو۔" یہاں تک کہ جب سایہ ٹیلوں کے برابر ہو گیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: "گرمی کی شدت، جہنم کی بھاپ سے ہوتی ہے۔"

فوائد ومسائل: ① حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ دورانِ سفر میں اذان اس وقت کہی جائے جب کسی لشکر یا قافلے کا امیر موجود ہو، اس کے علاوہ صرف اقامت کہنے کا حکم ہے۔ امام مالک کا بھی یہی موقف ہے کہ جماعت میں اگر امیر ہو تو اذان کہی جائے بصورت دیگر نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اذان ایک مستقل چیز ہے، وہ امیر پر موقوف نہیں جیسا کہ مذکورہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤذن نے دوران سفر میں بار بار اذان کہنے کا ارادہ کیا، بالآخر جب گرمی کی شدت کم ہوئی تو ظہر کے لیے اذان دی گئی، پھر اقامت کے ساتھ نماز باجماعت ادا کی گئی۔ اس عنوان کا یہ مقصد نہیں کہ دوران سفر میں اکیلا آدمی

1 صحيح البخاري، الأذان، حديث: 630. 2 فتح الباري: 2/145-146.

اذان اور اقامت نہیں کہہ سکتا کیونکہ قبل ازیں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث (609) گزر چکی ہے کہ اکیلا آدمی بھی بآواز بلند اذان دے۔ اذان کے بے شمار مصالح اور متعدد فوائد ہیں، ان میں ایک مشروعیت اجتماع بھی ہے، اس لیے اگر جماعت نہیں تو بھی اذان کہنا مشروع ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے میدان عرفات اور مزدلفہ میں بھی اذان اور اقامت کا ذکر کیا ہے، حالانکہ حج بیت اللہ امیر پر موقوف نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ دوران سفر میں اگر مسافر زیادہ ہوں تو انھیں اذان اور اقامت کا ضرور اہتمام کرنا چاہیے، خواہ امیر ہو یا نہ ہو۔

٦٣٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ قَالَ: أَتَى رَجُلَانِ النَّبِيَّ ﷺ يُرِيدَانِ السَّفَرَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِذَا أَنْتُمَا خَرَجْتُمَا فَأَذِّنَا ثُمَّ أَقِيمَا، ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمَا أَكْبَرُكُمَا». [راجع: ٦٢٨]

[630] حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: دو آدمی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جو سفر کا ارادہ رکھتے تھے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جب تم سفر پر روانہ ہو جاؤ تو دوران سفر میں اذان دو اور تکبیر کہو، پھر تم میں سے جو عمر میں بڑا ہو، وہ امامت کرائے۔“

فائدہ: اس حدیث میں واضح طور پر حکم ہے کہ دوران سفر میں اذان دی جائے، تکبیر بھی کہی جائے اور پھر باجماعت نماز ادا کی جائے۔ اس میں امیر کے ہونے یا نہ ہونے کا کوئی ذکر نہیں، لیکن اس حدیث کے ظاہری سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں اذان دیں اور دونوں تکبیر کہیں۔ بعض اسلاف نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ دوران سفر میں دونوں کو بیک وقت اذان دینی چاہیے، لیکن ان کا موقف مرجوح ہے۔ ان الفاظ کا صحیح مطلب یہ ہے کہ تم میں سے کوئی اذان دے اور دوسرا تکبیر کہہ دے جیسا کہ حدیث: 631 سے معلوم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ طبرانی کی روایت میں مزید وضاحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں حکم دیا کہ جب تو اپنے ساتھی کے ہمراہ سفر کرے تو تجھے اذان دینی ہے اور تکبیر بھی کہنی ہے، پھر جو تم میں عمر کے اعتبار سے بڑا ہے وہ جماعت کرائے۔[1] اس حدیث میں کچھ ابہام اور اجمال ہے، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے وضاحت اور تفصیل کے لیے درج ذیل ایک دوسری روایت کو بیان کیا ہے۔

٦٣١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ قَالَ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ قَالَ: أَتَيْنَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَنَحْنُ شَبَبَةٌ مُتَقَارِبُونَ، فَأَقَمْنَا عِنْدَهُ عِشْرِينَ يَوْمًا وَلَيْلَةً، وَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ رَحِيمًا رَفِيقًا، فَلَمَّا ظَنَّ أَنَّا قَدِ اشْتَهَيْنَا أَهْلَنَا أَوْ قَدِ اشْتَقْنَا،

[631] حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ ہم چند ایک ہم عمر نوجوان ساتھی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیس دن تک آپ کے ہاں قیام کیا۔ آپ انتہائی نرم دل اور بڑے مہربان تھے۔ جب آپ نے خیال کیا کہ ہمیں اپنے گھر والوں کا شوق بے چین کر رہا ہے تو آپ نے ہم سے ان کی احوال پرسی فرمائی جنھیں

1 فتح الباري: 147/2.

سَأَلَنَا عَمَّنْ تَرَكْنَا بَعْدَنَا فَأَخْبَرْنَاهُ، قَالَ: «ارْجِعُوا إِلٰى أَهْلِيكُمْ فَأَقِيمُوا فِيهِمْ وَعَلِّمُوهُمْ وَمُرُوهُمْ»، وَذَكَرَ أَشْيَاءَ أَحْفَظُهَا أَوْ لَا أَحْفَظُهَا، «وَصَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي، فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ». [راجع: ٦٢٨]

ہم اپنے پیچھے چھوڑے آئے تھے۔ ہم نے آپ کو ان کے حالات سے آگاہ کیا تو آپ نے فرمایا: ''واپس اپنے اہل خانہ کے پاس لوٹ جاؤ اور انھیں کے پاس رہو۔ انھیں دین کی تعلیم دو اور انھیں اچھی باتوں کی تلقین کرو۔'' آپ نے مزید باتیں بیان فرمائیں جن میں سے کچھ مجھے یاد ہیں اور کچھ یاد نہیں، نیز آپ نے فرمایا: ''جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے اسی طرح نماز پڑھا کرو۔ اور جب نماز کا وقت آ جائے تو تم میں سے کوئی شخص اذان کہہ دے، البتہ تم میں سے عمر کے اعتبار سے بڑا جماعت کرائے۔''

فوائد و مسائل: ① حدیث سابق میں ابہام تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس دو آدمی آئے۔ اس حدیث میں ان کی تعیین ہے کہ وہ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی تھے بلکہ ایک روایت میں اس کی صراحت ہے۔ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ خود میں اور میرا ایک ساتھی رسول اللہ ﷺ کے پاس سے واپس ہوئے۔[1] البتہ حدیث کی کسی روایت میں اس ساتھی کا نام ذکر نہیں ہوا،[2] نیز پہلی حدیث میں کچھ اجمال تھا کہ تم دونوں اذان کہو۔ اس روایت میں تفصیل ہے کہ تم میں سے کوئی ایک اذان دے اور دوسرا تکبیر کہے، یعنی بیک وقت دونوں نے اذان نہیں دینی بلکہ کوئی ایک اذان کہے۔ اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود روز روشن کی طرح ثابت ہوتا ہے کہ دوران سفر میں اذان دی جائے اور تکبیر بھی کہی جائے، پھر جماعت کرائی جائے، خواہ سفر میں امیر ہو یا نہ ہو۔ ② اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت مالک بن حویرث اور ان کے رفقاء کو نماز کے متعلق ایک خاص ہدایت فرمائی ہے کہ جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے اسی طرح نماز پڑھا کرو۔ نماز کے متعلق مذکورہ امر نبوی وجوب کے لیے ہے جس کا ادا کرنا ضروری ہے۔ اس امر نبوی میں وہ تمام اعمال آ جاتے ہیں جو تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام پھیرنے تک بجالائے جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی ہر ہر ادا کو بجالانا ضروری ہے، البتہ اس کے استحباب یا جواز کی کوئی دلیل مل جائے تو وجوب کے بجائے استحباب اور جواز پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ لیکن دلیل کے بغیر اعمال نماز کے متعلق استحباب و جواز کی تقسیم درست نہیں۔ عام طور پر رفع الیدین کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کے کرنے کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا کوئی حکم منقول نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک رفع الیدین کرنے کا حکم اس امر نبوی کے تحت ہے جو اس حدیث میں بیان ہوا ہے۔ اس کی مزید وضاحت ہم آئندہ کریں گے۔ إن شاء الله.

٦٣٢ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنِي نَافِعٌ قَالَ: أَذَّنَ

[632] حضرت نافع سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ سخت سردی کی رات میں ضجنان

---

1 صحيح البخاري، الجهاد، حديث: 2848. 2 فتح الباري: 147/2.

ابْنُ عُمَرَ فِي لَيْلَةٍ بَارِدَةٍ بِضَجْنَانَ، ثُمَّ قَالَ: صَلُّوا فِي رِحَالِكُمْ، وَأَخْبَرَنَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَأْمُرُ مُؤَذِّنًا يُؤَذِّنُ ثُمَّ يَقُولُ عَلٰى إِثْرِهِ: «أَلَا صَلُّوا فِي الرِّحَالِ» فِي اللَّيْلَةِ الْبَارِدَةِ أَوِ الْمَطِيرَةِ فِي السَّفَرِ. [انظر: ٦٦٦]

پہاڑی پر اذان دی، پھر فرمایا: اپنے اپنے ٹھکانوں میں نماز پڑھ لو۔ انھوں نے ہمیں بتایا کہ رسول اللہ ﷺ دوران سفر میں سخت سردی یا بارش کی رات میں اپنے مؤذن کو حکم دیتے تھے کہ وہ اذان کہنے کے بعد یوں کہہ دے: توجہ سے سنو! اپنے اپنے ٹھکانوں میں نماز پڑھ لو۔"

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے قائم کردہ عنوان کے آخری حصے کو ثابت کرنے کے لیے اس حدیث کو بیان کیا ہے۔ اب اس میں اختلاف ہے کہ اپنے اپنے ٹھکانوں میں نماز پڑھنے کا اعلان حي علی الصلاۃ کی جگہ یا اس کے بعد یا اذان سے فراغت کے بعد کیا جائے؟ متقدمین کے ہاں اس کے متعلق تین موقف حسب ذیل ہیں: * حي علی الصلاۃ کی جگہ ان الفاظ کو کہا جائے، چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انھوں نے مؤذن کو کہا کہ جب تو أشهد أن محمدًا رسول الله کہے تو حي علی الصلاۃ مت کہنا بلکہ اپنے گھروں میں نماز پڑھنے کا اعلان کرنا۔[1] ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کیچڑ کے دن خطبہ دینے کا ارادہ فرمایا، مؤذن جب حي علی الصلاۃ پر پہنچا تو اسے حکم دیا کہ وہ الصلاۃ في الرحال کے الفاظ کہے۔[2] ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ الصلاۃ في الرحال کے الفاظ حي علی الصلاۃ کی جگہ پر کہے جائیں۔ امام ابن خزیمہ نے ان الفاظ کے پیش نظر اس حدیث پر بایں الفاظ عنوان قائم کیا ہے کہ بارش کے دن حي علی الصلاۃ کے الفاظ حذف کر دیے جائیں۔ ان حضرات نے جب اذان کے مفہوم پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ حي علی الصلاۃ کہنے، پھر الصلاۃ في الرحال یا صلوا في بیوتکم کا اعلان کرنے میں بظاہر تضاد ہے، اس لیے حي علی الصلاۃ کے الفاظ حذف کر دیے جائیں۔[3] ② حي علی الصلاۃ کے بعد یہ اعلان کیا جائے۔ اس کے متعلق ایک روایت پیش کی جاتی ہے کہ سخت سردی کی رات میں مؤذن نے اذان دی تو اس نے حي علی الفلاح کہنے کے بعد گھروں میں نماز پڑھنے کا اعلان کیا۔[4] ③ گھروں میں نماز پڑھنے کا اعلان اذان مکمل ہونے کے بعد کیا جائے جیسا کہ مذکورہ روایت میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس امر کی صراحت کی ہے تاکہ اذان کا نظم متاثر نہ ہو۔ ہمارے نزدیک راجح آخری موقف ہے کہ اذان کی تکمیل کے بعد گھروں میں نماز پڑھنے کا اعلان کیا جائے کیونکہ ان الفاظ سے اگر کوئی فائدہ اٹھا کر گھر میں نماز پڑھنا چاہے تو اس کے لیے رخصت ہے اور اگر حي علی الصلاۃ کے پیش نظر تکلیف برداشت کر کے مسجد میں آتا ہے تو اس کے لیے یقیناً یہ امر باعث اجر و ثواب ہوگا۔ اس سلسلے میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مروی ہے کہ ہم ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ سفر میں نکلے تو بارش ہونے لگی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر کوئی خیمے میں نماز پڑھنا چاہے تو اسے اجازت ہے۔"[5] ④ حدیث میں سفر کا ذکر اتفاقی ہے۔ اگر ایسے حالات حضر میں پیدا ہو جائیں تو عام حالات میں بھی مذکورہ اعلان کیا جا سکتا ہے تاکہ لوگوں کو سہولت رہے اور مسجد میں آنے کی

1 صحيح البخاري، الجمعة، حديث: 901. 2 صحيح البخاري، الأذان، حديث: 668. 3 فتح الباري: 130/2.
4 المصنف لعبدالرزاق: 501/1. 5 صحيح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 1603(698).

تکلیف سے محفوظ رہیں۔

٦٣٣ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ قَالَ: أَخْبَرَنَا جَعْفَرُ بْنُ عَوْنٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الْعُمَيْسِ، عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِي جُحَيْفَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ بِالْأَبْطَحِ فَجَاءَهُ بِلَالٌ فَآذَنَهُ بِالصَّلَاةِ، ثُمَّ خَرَجَ بِلَالٌ بِالْعَنَزَةِ حَتَّى رَكَزَهَا بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللهِ ﷺ بِالْأَبْطَحِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ. [راجع: ١٨٧]

[633] حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو وادئ ابطح میں دیکھا کہ آپ کے پاس حضرت بلال رضی اللہ عنہ آئے اور آپ کو نماز کی اطلاع دی، پھر نیزہ لے کر چلے گئے تا آنکہ اسے رسول اللہ ﷺ کے سامنے وادئ ابطح میں گاڑ دیا، پھر انھوں نے نماز کے لیے تکبیر کہی۔

فائدہ: وادئ ابطح مکے سے باہر ایک مشہور مقام ہے۔ چونکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے عنوان میں میدان عرفات اور مزدلفہ کا ذکر کیا تھا، اس مناسبت سے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ وادی مزدلفہ میں واقع ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ وادئ ابطح اور مزدلفہ کے درمیان کافی مسافت ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد اس حدیث سے دوران سفر میں اذان اور تکبیر کی مشروعیت کو ثابت کرنا ہے۔[1] البتہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے عنوان میں میدان عرفات اور مزدلفہ کا ذکر کر کے شاید اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے جسے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب میدان عرفات میں نماز ظہر اور عصر کو جمع فرمایا تھا تو اس وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان اور اقامت کہی تھی۔[2] اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے مزدلفہ میں نماز مغرب اذان اور اقامت کے ساتھ پڑھی، پھر نماز عشاء کے لیے بھی اذان اور اقامت کہنے کا اہتمام کیا، پھر فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔[3] لیکن احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مزدلفہ میں ایک اذان اور دو دفعہ اقامت کے ساتھ نماز مغرب اور عشاء کو جمع کر کے پڑھا تھا۔ واللہ أعلم۔

(١٩) بَابٌ: هَلْ يَتَتَبَّعُ الْمُؤَذِّنُ فَاهُ هَاهُنَا وَهَاهُنَا؟ وَهَلْ يَلْتَفِتُ فِي الْأَذَانِ؟

باب: 19- کیا مؤذن اپنا منہ ادھر ادھر پھیر سکتا ہے؟ نیز کیا وہ اذان میں ادھر ادھر دیکھ سکتا ہے؟

وَيُذْكَرُ عَنْ بِلَالٍ أَنَّهُ جَعَلَ إِصْبَعَيْهِ فِي أُذُنَيْهِ، وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا يَجْعَلُ إِصْبَعَيْهِ فِي أُذُنَيْهِ. وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ: لَا بَأْسَ أَنْ يُؤَذِّنَ عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ. وَقَالَ عَطَاءٌ: اَلْوُضُوءُ حَقٌّ وَسُنَّةٌ. وَقَالَتْ عَائِشَةُ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَذْكُرُ اللهَ عَلَى

حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انھوں نے اپنی دونوں انگلیوں کو اپنے کانوں میں ڈالا۔ (اس کے برعکس) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے کانوں میں انگلیاں نہیں دیتے تھے۔ ابراہیم نخعی کہتے ہیں: بغیر وضو اذان دینے میں کوئی حرج نہیں جبکہ حضرت عطاء کا کہنا ہے کہ اذان میں وضو ثابت اور مسنون

1 فتح الباري: 150/2. 2 صحيح مسلم، الحج، حديث: 2950(1218). 3 صحيح البخاري، الحج، حديث: 1675.

كُلِّ أَحْيَانِهِ. ہے۔ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں: نبی ﷺ اپنے تمام اوقات میں اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے۔

وضاحت: اب مسائل اذان کا اختتام ہے اور آئندہ نماز باجماعت سے متعلقہ احکام بیان ہوں گے، اس لیے امام بخاری ؒ نے آخر میں متفرق مسائل کا یہ عنوان قائم کیا ہے۔ اس میں آپ نے تین مسائل ذکر کیے ہیں: ❀ اذان دیتے وقت دائیں بائیں منہ پھیرنا۔ ❀ اذان دیتے وقت کانوں میں انگلیاں ڈالنا۔ ❀ اذان کے لیے باوضو ہونا۔ امام بخاری کے نزدیک اذان کے لیے وہ شرائط نہیں جو نماز کے لیے ہیں۔ ان کے ہاں دخول مسجد اور مس مصحف کی طرح مسائل اذان میں بھی توسع ہے، چنانچہ نماز کے لیے استقبال قبلہ شرط ہے لیکن اذان میں ایسا نہیں بلکہ مؤذن اذان دیتے وقت دائیں بائیں منہ کر سکتا ہے۔ اسی طرح نماز کے لیے باوضو ہونا ضروری ہے جبکہ اذان کے لیے یہ شرط ضروری نہیں۔ چونکہ ان مسائل اذان میں اختلاف تھا، اس لیے امام بخاری ؒ نے اپنی طرف سے کوئی دوٹوک فیصلہ نہیں کیا بلکہ استفہام کے طور پر انھیں بیان کیا ہے۔ اذان دیتے وقت دائیں بائیں پھرنا، اس کے متعلق ہم اپنی گزارشات پیش کردہ حدیث کے تحت آئندہ بیان کریں گے۔ امام بخاری ؒ نے اذان کے وقت کانوں میں انگلیاں ڈالنے کے متعلق دو آثار پیش کیے ہیں۔ آپ کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا کرنا ضروری نہیں کیونکہ حضرت بلال ؓ سے مروی اثر کو صیغۂ تمریض سے بیان کیا ہے جو سند کے اعتبار سے کمزور ہونے کی علامت ہے اور حضرت ابن عمر ؓ کے عمل کو صیغۂ جزم سے نقل کیا ہے جو امام بخاری ؒ کے نزدیک قوی اور مضبوط ہونے کی علامت ہے۔ اس انداز سے امام بخاری ؒ کے موقف کا پتہ چلتا ہے کہ آپ کے نزدیک اذان دیتے وقت کانوں میں انگلیاں ڈالنا ضروری نہیں۔ حضرت بلال ؓ کے اثر کو سنن ابن ماجہ میں متصل سند سے بیان کیا گیا ہے۔[1] لیکن اس کی سند میں حجاج بن ارطاۃ نامی راوی ضعیف ہے، البتہ حافظ ابن حجر ؒ نے صحیح سند کے ساتھ کچھ آثار وشواہد بیان کیے ہیں اور لکھا ہے کہ بوقت اذان کانوں میں انگلیاں کرنے کے دو فائدے ہیں: ایک تو اس سے آواز بلند ہو جاتی ہے اور دوسرا یہ ایک اذان کی علامت ہے جس سے دور والا یا بہرا شخص پہچان لیتا ہے کہ مؤذن اذان دے رہا ہے۔ امام ترمذی ؒ نے بھی لکھا ہے کہ اہل علم کے نزدیک اذان دیتے وقت کانوں میں انگلیاں ڈالنا ایک پسندیدہ عمل ہے۔[2] امام بخاری ؒ نے حدیث عائشہ ؓ ذکر کی ہے جسے امام مسلم نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری نے حضرت ابراہیم نخعی کے موقف کو اختیار کیا ہے۔ امام مالک اور اہل کوفہ بھی اسی بات کے قائل ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اذان ذکر الٰہی ہی کی ایک قسم ہے، لہٰذا اس میں نماز کی شرائط، یعنی استقبال قبلہ اور باوضو ہونے کی پابندی نہیں۔[3] چونکہ امام بخاری ؒ نے مس مصحف اور دخول مسجد میں توسع کا پہلو اختیار کیا ہے، اس لیے اذان کے متعلق بھی ان کے ہاں توسع ہے۔ ہمارے نزدیک راجح بات یہی ہے کہ اذان میں باوضو ہونا ضروری نہیں، تاہم بہتر ہے کہ باوضو ہو کر کہی جائے لیکن وضو کے بغیر تکبیر کہنا انتہائی مکروہ ہے۔ واللہ أعلم.

٦٣٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: حَدَّثَنَا [634] حضرت ابو جحیفہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے

---

1 سنن ابن ماجه، الأذان، حديث: 711. 2 فتح الباري: 152/2. 3 فتح الباري: 151/2.

سُفْيَانُ عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِي جُحَيْفَةَ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّهُ رَأَى بِلَالًا يُؤَذِّنُ، فَجَعَلْتُ أَتَتَبَّعُ فَاهُ هَاهُنَا وَهَاهُنَا بِالْأَذَانِ. [راجع: ١٨٧]

حضرت بلال ؓ کو اذان کہتے ہوئے دیکھا۔ (وہ کہتے ہیں:) میں بھی اذان دیتے وقت ان کے چہرے کی اتباع کرتے ہوئے اذان میں اپنے چہرے کو ادھر ادھر پھیرتا تھا۔

فائدہ: امام بخاری ؒ کا مقصد یہ ہے کہ اذان دیتے ہوئے چہرے کو دائیں بائیں کیا جاسکتا ہے، نماز کی طرح قبلے کی طرف منہ کیے رکھنا ضروری نہیں۔ ایک روایت میں اس وقت کی تعیین بیان ہوئی ہے جب مؤذن اپنے چہرے کو دائیں بائیں پھیرے، یعنی حي على الصلاة اور حي على الفلاح کے موقع پر اپنا چہرہ دائیں بائیں پھیرنا چاہیے۔ امام ابن خزیمہ نے اس روایت پر جو عنوان قائم کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ پورے بدن کو پھیرنے کے بجائے صرف اپنے چہرے کو پھیرنا چاہیے۔ مصنف عبدالرزاق کی روایت میں دو اضافے ہیں: ایک پورے بدن کو پھیرنا اور دوسرا اپنے کانوں میں انگلیاں ڈالنا۔ ترمذی کی روایت سے بھی پتہ چلتا ہے کہ دائیں بائیں چہرہ پھیرنے کے بجائے پورے جسم سے گھومتے تھے لیکن بعض روایات میں گھومنے کی نفی بھی آئی ہے۔ ان کے درمیان بایں طور تطبیق دی گئی ہے کہ جن روایات میں گھومنے کا اثبات ہے اس سے مراد صرف چہرے کا پھیرنا ہے اور جن روایات میں گھومنے کی نفی ہے اس سے مراد پورے جسم کا پھیرنا ہے۔[1] بہر حال امام بخاری ؒ نے عنوان میں لفظ هَلْ لاکر اشارہ کیا ہے کہ ان مسائل میں متقدمین کے ہاں اختلاف ہے، پھر آثار واحادیث سے اپنے رجحان کو واضح کیا ہے۔ واللہ أعلم.

(٢٠) بَابُ قَوْلِ الرَّجُلِ: فَاتَتْنَا الصَّلَاةُ

باب: 20- کسی آدمی کا یہ کہنا کہ ہم سے نماز فوت ہوگئی (اس کی کیا حیثیت ہے؟)

وَكَرِهَ ابْنُ سِيرِينَ أَنْ يَقُولَ: فَاتَتْنَا الصَّلَاةُ، وَلٰكِنْ لِيَقُلْ: لَمْ نُدْرِكْ، وَقَوْلُ النَّبِيِّ ﷺ أَصَحُّ.

امام ابن سیرین نے اسے مکروہ خیال کیا ہے کہ آدمی کہے: ہماری نماز جاتی رہی، بلکہ اس طرح کہنا چاہیے کہ ہم نماز کو نہیں پا سکے لیکن نبی ﷺ کا فرمان زیادہ صحیح ہے۔

وضاحت: امام ابن سیرین کے اثر کو مصنف ابن ابی شیبہ (631/3) میں متصل سند سے بیان کیا گیا ہے۔ ان کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ نماز کی طرف رہ جانے کی نسبت کرنا خلاف اولیٰ ہے بلکہ انسان کو چاہیے کہ کوتاہی کی نسبت خود اپنی طرف کرے۔ امام بخاری ؒ اس کی تردید کرنا چاہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے فوت ہونے کی نسبت نماز کی طرف فرمائی ہے تو اسی کو ترجیح ہے، لہٰذا اسے خلاف اولیٰ قرار دینا محل نظر ہے۔

٦٣٥ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيٰى، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ

[635] حضرت ابو قتادہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ایک دفعہ ہم نبی ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھ رہے تھے کہ

1. فتح الباري: 151/2.

قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ نُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ إِذْ سَمِعَ جَلَبَةَ الرِّجَالِ فَلَمَّا صَلَّى قَالَ: «مَا شَأْنُكُمْ؟» قَالُوا: اسْتَعْجَلْنَا إِلَى الصَّلَاةِ، قَالَ: «فَلَا تَفْعَلُوا، إِذَا أَتَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَعَلَيْكُمْ بِالسَّكِينَةِ، فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا، وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا».

اچانک آپ نے لوگوں کا کچھ شوروغل سنا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: ”تمھارا کیا حال ہے؟“ انھوں نے عرض کیا: ہم نے نماز میں شمولیت کے لیے بہت جلدی کی تھی۔ آپ نے فرمایا: ”آئندہ ایسا نہ کرنا بلکہ جب تم نماز کے لیے آؤ تو وقار اور سکون کو ملحوظ رکھو، پھر جس قدر نماز ملے پڑھ لو اور جو رہ جائے اسے (بعد میں) پورا کرلو۔“

فوائد و مسائل: ① مؤذن کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے ممکن ہے کہ نماز مکمل یا جزوی طور پر رہ جائے، اس لیے اس بات کی وضاحت ضروری تھی کہ اپنی کوتاہی کو کن الفاظ سے بیان کیا جائے؟ ایسے حالات میں نماز کے لیے آنے کا کیا انداز ہو؟ نماز رہ جانے کی صورت میں اسے کس طرح پڑھا جائے؟ امام بخاری ؒ نے اس باب میں ہماری رہنمائی فرمائی۔ اس سلسلے میں پہلا ادب یہ ہے کہ اپنی کوتاہی کو بیان کرتے ہوئے اگر کہہ دیا جائے کہ ہماری نماز رہ گئی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے یہ اسلوب اختیار کرنے پر کوئی قدغن نہیں لگائی، چنانچہ اس حدیث میں خود رسول اللہ ﷺ نے ”رہ جانے“ کی نسبت نماز کی طرف فرمائی ہے، بلکہ ایک روایت میں صراحت ہے کہ ایک مرتبہ کچھ صحابۂ کرام ؓ نیند کی وجہ سے نماز بروقت نہ پڑھ سکے تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ ہم سے نماز رہ گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان الفاظ کے استعمال پر کسی قسم کی ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ انھیں برقرار رکھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے الفاظ استعمال کرنے میں کوئی کراہت نہیں۔[1] ② واضح رہے کہ امام ابن سیرین کی ناپسندیدگی کا تعلق تہذیب الفاظ سے ہے، اظہار مدعا سے نہیں جیسا کہ شریعت نے عتمہ کا لفظ نماز عشاء پر اور یثرب کا لفظ مدینہ طیبہ پر ناپسند فرمایا ہے۔

(٢١) بَابٌ: لَا يَسْعَى إِلَى الصَّلَاةِ وَلْيَأْتِهَا بِالسَّكِينَةِ وَالْوَقَارِ

باب: 21- نماز کے لیے دوڑ کر نہیں بلکہ سکون اور وقار سے آنا چاہیے

وَقَالَ: مَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا، قَالَهُ أَبُو قَتَادَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس قدر نماز تمھیں مل جائے اسے پڑھ لو اور جو رہ جائے اسے پورا کرلو۔“ یہ مسئلہ حضرت ابوقتادہ ؓ نے نبی ﷺ سے بیان کیا ہے۔

وضاحت: صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں اس عنوان کا آغاز [مَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا] سے ہوتا ہے۔ ان میں عنوان کے ابتدائی الفاظ نہیں ہیں۔ سیاق وسباق کا تقاضا ہے کہ مذکورہ الفاظ کا ہونا ہی درست ہے۔ حضرت ابوقتادہ ؓ سے مروی مذکورہ الفاظ حدیث: 635 کے تحت گزر چکے ہیں۔

---

[1] فتح الباري: 153/2.

٦٣٦ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، : وَعَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِذَا سَمِعْتُمُ الْإِقَامَةَ فَامْشُوا إِلَى الصَّلَاةِ، وَعَلَيْكُمْ بِالسَّكِينَةِ وَالْوَقَارِ وَلَا تُسْرِعُوا فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا». [انظر: ٩٠٨]

[636] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ''جب تم اقامت سنو تو نماز کے لیے سکون و وقار کے ساتھ چلو، تیزی اختیار نہ کرو، پھر جس قدر نماز مل جائے پڑھ لو اور جو رہ جائے اسے (بعد میں) پورا کرلو۔''

فوائد ومسائل: ① نماز کے لیے تیز دوڑ کر آنے والے کی دو صورتیں ممکن ہیں: * ایک یہ کہ نماز کے لیے اقامت ہو چکی ہو، نمازی اس لیے تیزی کرتا ہے کہ وہ جلدی نماز میں شامل ہو کر تکبیر اولیٰ کی فضیلت حاصل کر سکے، لیکن اس قسم کے اچھے جذبات رکھنے کے باوجود نماز کے لیے تیز دوڑ کر آنے سے منع کیا گیا ہے جیسا کہ مذکورہ حدیث میں ہے۔ * دوسری صورت یہ ہے کہ ابھی نماز کے لیے اقامت نہیں ہوئی، وہ یقیناً تکبیر اولیٰ اور پہلی رکعت میں شامل ہو سکتا ہے، اس کے باوجود وہ نماز میں شمولیت کے لیے دوڑ کر آتا ہے، اس سے بھی منع کیا گیا ہے جیسا کہ حدیث ابی قتادہ رضی اللہ عنہ (635) میں ہے کیونکہ ایسا کرنا نماز کے وقار اور سکون کے خلاف ہے۔ بعض حضرات نے اس امتناعی حکم کی حکمت ان الفاظ میں بیان کی ہے کہ اقامت کے بعد تیز دوڑ کر نماز میں شامل ہونے والے کا سانس چڑھا ہوگا جو دوران نماز میں خشوع وخضوع کے منافی ہے کیونکہ ایسا کرنے سے اس کی قراءت اور نماز سے متعلقہ دیگر احکام متاثر ہو سکتے ہیں۔ ② صحیح مسلم کی روایت میں اضافہ ہے کہ جب تم میں سے کوئی نماز کا قصد کرتا ہے تو نماز ادا کرنے سے قبل ہی بحالت نماز شمار ہوتا ہے۔ اس بنا پر نمازی کو نماز سے پہلے بھی ایسے کاموں سے اجتناب کرنا ہوگا جو نماز کے منافی ہیں۔ آرام وسکون سے نماز کی طرف آنے کی وجہ سے اگر نماز کا کچھ حصہ بھی نہ پا سکا تو بھی نماز کے ثواب سے محروم نہیں ہوگا۔ نماز کے لیے پر وقار طریقے سے آنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ آہستہ آہستہ چلنا بھی اس کے ثواب میں اضافے کا باعث ہے کیونکہ ایسا کرنے سے اسے نماز کے لیے زیادہ قدم اٹھانے ہوں گے اور ہر قدم کے بدلے درجات کا بلند ہونا حدیث سے ثابت ہے۔[1] ③ صلاۃ مسبوق (جس آدمی کی نماز کا کچھ حصہ فوت ہو جائے) کی ترتیب کا مسئلہ بھی اس حدیث کے تحت آتا ہے کیونکہ اس حدیث کو بیان کرنے والے اکثر راوی باقی ماندہ نماز پڑھنے کے لیے لفظ اتمام بیان کرتے ہیں جس کا تقاضا ہے کہ اس کی نماز کا آخری حصہ رہ گیا ہے، اسے پورا کرنا ہوگا جبکہ کچھ راوی باقی ماندہ نماز پڑھنے کو لفظ قضا سے تعبیر کرتے ہیں جس کا تقاضا ہے کہ امام کے ساتھ ادا کردہ نماز آخری حصہ ہے، اسے پہلے حصے کو پورا کرنا ہوگا۔ اس اختلاف کا نتیجہ اس صورت میں برآمد ہوگا کہ ایک آدمی امام کے ساتھ مغرب کی تیسری رکعت میں شامل ہوتا ہے، امام کے سلام پھیرنے کے بعد اس نے باقی ماندہ دو رکعت ادا کرنی ہیں، اتمام والے (شوافع) حضرات کے نزدیک اگرچہ امام کی آخری رکعت تھی لیکن مسبوق کی پہلی رکعت مکمل ہے، اس

1. فتح الباري: 2/154، 155.

لیے سلام کے بعد پہلی رکعت کے ساتھ ایک رکعت ملا کر تشہد بیٹھے گا، پھر تیسری رکعت پڑھ کر قعدۂ اخیرہ کرے گا اور سلام پھیرے گا۔ اس کے برعکس قضا والے (احناف) حضرات کا موقف ہے کہ امام کے ساتھ اس کی آخری رکعت ادا ہوئی ہے، اب اس نے پہلی اور دوسری رکعت پڑھنی ہے، اس لیے وہ سلام کے بعد پہلی رکعت میں ثنا، تعوذ اور فاتحہ کے ساتھ کوئی اور سورت بھی ملائے گا، اس طرح وہ دوسری رکعت پڑھ کر قعدۂ اخیرہ بیٹھے گا اور سلام پھیرے گا۔ ہمارے نزدیک پہلی صورت راجح ہے جس کے حسب ذیل دلائل ہیں: ۞ حضرت علی ؓ سے مروی ہے کہ امام کے ساتھ جو نماز تم پالو وہ تمھاری پہلی نماز ہے۔ [1] ۞ إتمام کا حکم اس بات کا ثبوت ہے کہ امام کے ساتھ مسبوق نے جتنی نماز پڑھی تھی وہ اس کی ابتدائی نماز تھی۔ اور جن روایات میں لفظ قضا ہے وہ بھی اتمام کے معنی میں ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ﴾ "پھر جب نماز ادا ہو چکے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ۔" [2] ③ اگر امام کے ساتھ پڑھی گئی نماز مسبوق کی آخری رکعت ہو تو اسے باقی ماندہ نماز کی آخری رکعت کے لیے تشہد پڑھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ امام کے ساتھ اسے پڑھ چکا ہے، حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے بلکہ تمام حضرات اسے امام کے ساتھ تشہد پڑھ لینے کے باوجود بھی آخری رکعت میں تشہد پڑھنے کی تلقین کرتے ہیں۔

(۲۲) بَابٌ: مَتَى يَقُومُ النَّاسُ إِذَا رَأَوُا الْإِمَامَ عِنْدَ الْإِقَامَةِ؟

باب: 22- اقامت کے وقت لوگ امام کو دیکھ کر کب کھڑے ہوں؟

٦٣٧ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ: كَتَبَ إِلَيَّ يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا تَقُومُوا حَتَّى تَرَوْنِي». [انظر: ٦٣٨، ٩٠٩]

[637] حضرت ابو قتادہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب نماز کی اقامت کہی جائے تو اس وقت تک کھڑے نہ ہو جب تک مجھے آتا دیکھ نہ لو۔"

فائدہ: لوگوں کو جماعت کے لیے کب کھڑا ہونا چاہیے؟ اس کے متعلق متقدمین میں اختلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری ؒ نے کوئی فیصلہ کن عنوان قائم نہیں کیا۔ کچھ حضرات کا خیال ہے کہ اقامت ختم ہونے کے بعد مقتدیوں کو اٹھنا چاہیے جبکہ کچھ فقہاء کہتے ہیں کہ اقامت کے آغاز ہی میں مقتدیوں کو نماز کے لیے کھڑا ہو جانا چاہیے۔ اسی طرح بعض حي على الصلاة اور بعض قد قامت الصلاة کہنے کے وقت اٹھنے کے قائل ہیں۔ تنقیح مسئلہ یہ ہے کہ اگر امام مسجد سے باہر ہو تو مقتدیوں کو چاہیے کہ جب وہ مسجد میں آجائے تو صف بندی کے لیے کھڑے ہوں۔ اگر وہ مسجد کے اندر ہو تو جب وہ اپنی جگہ سے جماعت کے لیے اٹھے تو مقتدی بھی اس وقت کھڑے ہوں۔ مذکورہ حدیث کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ابھی گھر میں ہوتے تھے کہ نماز کے لیے اقامت کہہ دی جاتی تھی لیکن ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت بلال ؓ اس وقت تک

---

(1) السنن الكبرٰى للبيهقي: 2/299. 2 الجمعة 62:10.

تکبیر نہ کہتے تھے جب تک رسول اللہ ﷺ گھر سے برآمد نہ ہو جاتے۔ ان کے درمیان بایں طور تطبیق دی گئی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے گھر سے نکلنے کا انتظار کرتے رہتے۔ جب رسول اللہ ﷺ پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی نظر پڑتی تو اقامت کہنا شروع کر دیتے جبکہ رسول اللہ ﷺ اکثر لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہوتے تھے۔ جب لوگ آپ کو دیکھتے تو نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے، پھر رسول اللہ ﷺ اس وقت تک جماعت کے لیے مصلے پر نہ آتے جب تک کہ لوگ اپنی صفیں درست نہ کر لیتے۔[1]

(٢٣) بَابٌ: لَا يَقُومُ إِلَى الصَّلَاةِ مُسْتَعْجِلًا وَّلْيَقُمْ إِلَيْهَا بِالسَّكِينَةِ وَالْوَقَارِ

باب: 23- نماز کے لیے جلد بازی کرتے ہوئے دوڑنے کے بجائے اطمینان اور وقار سے اٹھنا چاہیے

٦٣٨ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيٰى، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا تَقُومُوا حَتّٰى تَرَوْنِي، وَعَلَيْكُمْ بِالسَّكِينَةِ». تَابَعَهُ عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ. [راجع: ٦٣٧]

[638] حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب نماز کی اقامت کہی جائے تو اس وقت تک نہ اٹھو جب تک مجھے دیکھ نہ لو۔ اور تم سکون و وقار اور آہستگی کو خود پر لازم رکھو۔'' علی بن مبارک نے شیبان راوی کی متابعت کی ہے۔

فوائد و مسائل: ① اس مقام پر آپ نے ایک مسئلے کی وضاحت فرمائی ہے کہ نماز باجماعت میں شرکت کرنے کے لیے بھاگ دوڑ مناسب نہیں بلکہ سکون و وقار کے ساتھ چل کر شریک جماعت ہونا چاہیے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ جب نماز کے لیے اقامت ہو جائے تو اس کی طرف بھاگ کر نہیں آنا چاہیے۔ (حدیث: 908) پھر یہ احادیث بظاہر اس آیت کریمہ کے خلاف معلوم ہوتی ہیں جس میں جمعے کے لیے دوڑ کر آنے کا حکم ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ ''اے ایمان والو! جب جمعے کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو ذکر الٰہی کی طرف دوڑ کر آؤ۔''[2] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ آیت کریمہ میں دوڑنے سے مراد اس کام کے لیے شدت اہتمام سے آگے بڑھنا ہے اور حدیث میں جس دوڑنے سے منع کیا گیا ہے، اس سے مراد وہ دوڑ دھوپ ہے جو وقار و سکون اور آداب نماز کے منافی ہو۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث کے آخر میں علی بن مبارک کی متابعت کا حوالہ دیا ہے۔ مذکورہ حدیث میں حضرت یحییٰ بن ابی کثیر سے بیان کرنے والے حضرت شیبان ہیں، اس کے علاوہ علی بن مبارک بھی ان سے بیان کرتے ہیں، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے خود اس متابعت کو متصل سند سے بیان کیا ہے۔[3] اس کے علاوہ معاویہ بن سلام نے بھی اس روایت کو اپنے شیخ یحییٰ بن ابی کثیر سے بیان کیا ہے جیسا کہ سنن ابوداود میں ہے۔[4]

1 فتح الباري: 158/2. 2 الجمعة 9:62. 3 صحيح البخاري، الجمعة، حديث: 909. 4 فتح الباري: 159/2.

(٢٤) بَابٌ: هَلْ يَخْرُجُ مِنَ الْمَسْجِدِ لِعِلَّةٍ؟

٦٣٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ خَرَجَ وَقَدْ أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ وَعُدِّلَتِ الصُّفُوفُ، حَتَّى إِذَا قَامَ فِي مُصَلَّاهُ انْتَظَرْنَا أَنْ يُكَبِّرَ انْصَرَفَ، قَالَ: «عَلَى مَكَانِكُمْ»، فَمَكَثْنَا عَلَى هَيْئَتِنَا حَتَّى خَرَجَ إِلَيْنَا يَنْطُفُ رَأْسُهُ مَاءً وَّقَدِ اغْتَسَلَ. [راجع: ٢٧٥]

باب: 24- کیا (اقامت کے بعد) کوئی کسی عذر کی بنا پر مسجد سے نکل سکتا ہے؟

[639] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اس وقت گھر سے باہر تشریف لائے جب نماز کے لیے اقامت ہو چکی تھی اور صفیں بھی درست کر لی گئی تھیں حتی کہ جب آپ ﷺ مصلے پر کھڑے ہو گئے تو ہم آپ کے اللہ اکبر کہنے کا انتظار کرنے لگے لیکن آپ نے ہم سے فرمایا: ''تم اپنی اپنی جگہ پر کھڑے رہو۔'' اور خود واپس تشریف لے گئے، چنانچہ ہم سب اپنی اپنی جگہ پر کھڑے رہے یہاں تک کہ آپ تھوڑی دیر بعد جب ہمارے پاس دوبارہ تشریف لائے تو آپ کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا کیونکہ آپ نے غسل فرمایا تھا۔

فوائد و مسائل: ① صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو اذان کے بعد مسجد سے نکلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ''اس نے ابوالقاسم ﷺ کی نافرمانی کی ہے۔'' امام بخاری ؒ کی پیش کردہ حدیث سے پتہ چلا کہ یہ وعید اس شخص کے لیے ہے جو بلاوجہ اذان کے بعد مسجد سے نکلتا ہے، البتہ کسی ضرورت کے پیش نظر اقامت کے بعد بھی مسجد سے نکلنا جائز ہے جیسا کہ مذکورہ حدیث میں ہے، مثلاً: کسی کو جنابت کا غسل یاد آ گیا یا وہ بے وضو ہو گیا یا اسے نکسیر پھوٹ نکلی یا وہ کسی دوسری مسجد میں امامت کے فرائض سرانجام دیتا ہے تو ایسے حالات میں اذان یا تکبیر کے بعد مسجد سے نکلنا جائز ہے۔ اذان کے بعد ضرورت کے بغیر مسجد سے نکلنا منافقت کی علامت ہے، چنانچہ حدیث میں ہے: اگر کوئی شخص اذان کے بعد بلاوجہ مسجد سے نکلتا ہے اور واپس بھی نہیں آتا تو وہ منافق ہے، ہاں! اگر کوئی ضرورت ہو تو الگ بات ہے۔[1] اس سے معلوم ہوا کہ اذان یا اقامت کے بعد بلاوجہ مسجد سے نہیں نکلنا چاہیے۔[2] ② سنن دارقطنی کی ایک روایت میں اضافہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں بحالت جنابت تھا اور غسل کرنا بھول گیا تھا۔'' اس سے معلوم ہوا کہ عبادات کے سلسلے میں حضرات انبیاء ؑ سہو و نسیان کا شکار ہو سکتے ہیں۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ امت کو ان سے متعلقہ مسائل سے آگاہی ہو، نیز اس حدیث سے درج ذیل مسائل کا پتہ چلتا ہے: ۞ مائے مستعمل پاک ہے۔ ۞ اقامت اور نماز کے درمیان اگر فاصلہ آ جائے تو دوبارہ تکبیر کہنے کی ضرورت نہیں۔ ۞ دینی معاملات میں شرم و حیا کو رکاوٹ نہیں بننا چاہیے۔ ۞ اقامت اور نماز کے درمیان گفتگو جائز ہے۔ ۞ غسل جنابت کو کسی وجہ سے مؤخر کیا جا سکتا ہے۔[3]

1 المعجم الأوسط للطبراني: 502/4. 2 فتح الباري: 159/2. 3 فتح الباري: 160/2.

(٢٥) بَابٌ : إِذَا قَالَ الْإِمَامُ : مَكَانَكُمْ، حَتَّى نَرْجِعَ، انْتَظَرُوهُ

باب: 25- جب امام کہے: تم کھڑے رہو میں ابھی واپس آتا ہوں تو لوگوں کو اس کا انتظار کرنا چاہیے

٦٤٠ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَسَوَّى النَّاسُ صُفُوفَهُمْ فَخَرَجَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَتَقَدَّمَ وَهُوَ جُنُبٌ فَقَالَ: «عَلٰى مَكَانِكُمْ»، فَرَجَعَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ خَرَجَ وَرَأْسُهُ يَقْطُرُ مَاءً فَصَلّٰى بِهِمْ. [راجع: ٢٧٥]

[640] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ایک دفعہ نماز کے لیے اقامت ہو چکی تھی اور لوگوں نے صفیں بھی درست کر لی تھیں۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور نماز کے لیے آگے بڑھے جبکہ آپ کو جنابت لاحق تھی۔ پھر آپ نے فرمایا: ''تم اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو۔'' چنانچہ آپ گھر لوٹ گئے اور غسل فرمایا۔ جب دوبارہ تشریف لائے تو آپ کے سر مبارک سے پانی ٹپک رہا تھا۔ پھر آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔

فوائد و مسائل: ① جب امام کسی ضرورت کے پیش نظر قبل از نماز چلا جائے اور کسی قرینے سے معلوم ہو جائے کہ لوٹ کر واپس آئے گا تو مقتدی حضرات کو اس کا انتظار کرنا چاہیے، بصورت دیگر کوئی دوسرا امام نماز پڑھا سکتا ہے۔ ② اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ تکبیر تحریمہ سے پہلے ہی غسل کے لیے گھر تشریف لے گئے تھے لیکن بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو نماز شروع کرنے کے بعد یاد آیا کہ میں نے غسل نہیں کیا جیسا کہ ابو داود اور ابن حبان میں حضرت ابوبکرہ ؓ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر کے لیے تکبیر تحریمہ کہی، پھر صحابۂ کرام ؓ کو اشارہ فرمایا کہ تم اپنی اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو۔ یہ دونوں روایات متعارض ہیں۔ ان میں تطبیق کئی طرح سے ممکن ہے: ایک تو اس طرح کہ آپ نے تکبیر تحریمہ نہیں کہی تھی بلکہ اس کا ارادہ فرمایا تھا۔ عربی زبان میں ارادۂ فعل پر فعل کا اطلاق ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں حضرت ابوبکرہ اور حضرت ابو ہریرہ ؓ کی احادیث کا ایک ہی مفہوم ہوگا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ دو مختلف واقعات ہوں جیسا کہ قاضی عیاض اور علامہ قرطبی نے کہا ہے اور امام نووی ؒ نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ امام ابن حبان نے اپنی عادت کے مطابق کہا ہے کہ اگر ابوبکرہ والی روایت صحیح ہے تو اسے دو واقعات پر محمول کیا جائے گا بصورت دیگر صحیح بخاری کے واقعے کو ترجیح ہوگی۔[1]

(٢٦) بَابُ قَوْلِ الرَّجُلِ لِلنَّبِيِّ ﷺ : مَا صَلَّيْنَا

باب: 26- آدمی کا نبی ﷺ سے یہ کہنا کہ ہم نے نماز نہیں پڑھی

٦٤١ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ

[641] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے کہ

[1] فتح الباري : 160/2.

يَحْيٰى قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ يَقُولُ: أَخْبَرَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ جَاءَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَوْمَ الْخَنْدَقِ فَقَالَ: يَارَسُولَ اللهِ! وَاللهِ مَا كِدْتُ أَنْ أُصَلِّيَ حَتّٰى كَادَتِ الشَّمْسُ تَغْرُبُ وَذٰلِكَ بَعْدَ مَا أَفْطَرَ الصَّائِمُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «وَاللهِ مَا صَلَّيْتُهَا»، فَنَزَلَ النَّبِيُّ ﷺ إِلٰى بُطْحَانَ، وَأَنَا مَعَهُ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ صَلَّى الْعَصْرَ بَعْدَ مَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ، ثُمَّ صَلّٰى بَعْدَهَا الْمَغْرِبَ.

[راجع: ٥٩٦]

غزوۂ خندق کے موقع پر حضرت عمر بن خطاب نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے: اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! میں نماز نہیں پڑھ سکا یہاں تک کہ سورج غروب ہونے کے قریب ہوگیا۔ یہ گفتگو روزے دار کے روزہ افطار کرنے کے بعد ہوئی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں بھی نماز نہیں پڑھ سکا۔'' چنانچہ آپ نیچے اترے اور وادیٔ بطحان میں چلے، میں بھی آپ کے ہمراہ تھا۔ آپ نے وضو کیا اور آفتاب غروب ہونے کے بعد پہلے نماز عصر پڑھی، اس کے بعد مغرب کی نماز ادا کی۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ بعض اوقات ایک ایسا عنوان قائم کرتے ہیں جس کا بظاہر کوئی فائدہ معلوم نہیں ہوتا جیسا کہ اس عنوان کے متعلق کہا جاتا ہے لیکن جب غور کیا جاتا ہے تو اس کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ قبل ازیں حضرت ابن سیرین کے متعلق امام بخاری رحمہ اللہ نے بیان کیا تھا کہ وہ ان الفاظ کو ناپسند کرتے ہیں کہ ''ہماری نماز رہ گئی۔'' اسی طرح امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ''ہم نے نماز نہیں پڑھی'' کہنا مکروہ ہے کیونکہ یہ ایک قسم کی بے اعتنائی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس موقف کی تردید فرمائی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ بوقت ضرورت ایسے الفاظ ادا کرنے میں چنداں حرج نہیں۔ اگرچہ مذکورہ روایت کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ استعمال نہیں فرمائے لیکن ان کا مقولہ مفہوم اور نتیجے کے اعتبار سے [ما صَلَّيْتُ] ''میں نے نماز نہیں پڑھی'' ہی کے معنی دے رہا ہے۔ دراصل امام بخاری رحمہ اللہ کا محل استدلال ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں جس میں وضاحت کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے [ماصَلَّيْتُ] کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔[1] مذکورہ روایت میں بھی رسول اللہ ﷺ نے [ماصَلَّيْتُ] کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ② حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ شرح تراجم بخاری میں لکھتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ اس سے تہذیب الفاظ کا سبق دینا چاہتے ہیں لیکن اگر استدلال رسول اللہ ﷺ کے ارشاد [وَاللّٰهِ مَاصَلَّيْتُهَا] سے ہوتا تو زیادہ مناسب تھا۔ علامہ ابن بطال نے حضرت امام نخعی کے متعلق لکھا ہے کہ آپ نے اس قسم کے الفاظ اس شخص کے لیے مکروہ خیال کیے ہیں جو نماز کے انتظار میں ہو کیونکہ حدیث کے مطابق نماز کا انتظار کرنے والا نماز ہی میں ہوتا ہے، اس لیے اسے یہ نہیں کہنا چاہیے کہ میں نے نماز نہیں پڑھی کیونکہ اس سے ایک ایسی چیز کا انکار لازم آتا ہے جسے شریعت نے ثابت کیا ہے۔[2] ممکن ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ ایسے الفاظ کا استعمال اس شخص کے لیے جائز قرار دیتے ہوں جو بھول کر نماز چھوڑ بیٹھا ہو یا کسی ہنگامی اور جنگی حالات کی وجہ سے نماز نہ پڑھ سکا ہو، وہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے نماز نہیں پڑھی۔ امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ بھی علی الإطلاق اس کی کراہت کے قائل نہیں ہیں۔ واللہ أعلم.

---

1. صحیح البخاري، صلاة الخوف، حدیث: 945. 2 شرح ابن بطال: 267/1.

(٢٧) بَابُ الْإِمَامِ تَعْرِضُ لَهُ الْحَاجَةُ بَعْدَ الْإِقَامَةِ

باب:27- اقامت کے بعد اگر امام کو کوئی ضرورت پیش آجائے (تو کیا کرے؟)

٦٤٢ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ ابْنُ صُهَيْبٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ وَالنَّبِيُّ ﷺ يُنَاجِي رَجُلًا فِي جَانِبِ الْمَسْجِدِ فَمَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ حَتَّى نَامَ الْقَوْمُ. [انظر: ٦٤٣، ٦٢٩٢]

[642] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ایک دفعہ نماز کے لیے اقامت ہوگئی جبکہ نبی ﷺ مسجد کے ایک گوشے میں کسی سے آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے، چنانچہ آپ نماز کے لیے کھڑے نہیں ہوئے یہاں تک کہ کچھ لوگوں کو نیند آنے لگی۔

فوائد ومسائل: ① بعض حضرات کا موقف ہے کہ جب مؤذن قد قامت الصلاۃ کے الفاظ کہہ دے تو امام کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اختتام پر تکبیر تحریمہ کہہ دے اور نماز شروع کر دے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ تشریع ایجادِ بندہ ہے، چنانچہ اقامت کے بعد اگر امام کو کوئی ضرورت آپڑے تو اسے پورا کرسکتا ہے، یعنی اقامت کے فوراً بعد امام کو نماز شروع کرنا لازم نہیں، نیز اگر تاخیر ہو جائے تو اقامت کا اعادہ بھی ضروری نہیں۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد شرعی سہولتوں کو بیان کرنا ہے۔ آج مصروفیات زندگی حد سے بڑھ چکی ہیں، اس لیے امام کو مقتدیوں کا خیال رکھنا ضروری ہے لیکن طریقۂ نبوی کو نظر انداز نہ کیا جائے۔ واضح رہے کہ سونے سے مراد اونگھنا ہے جیسا کہ ابن حبان کی روایت میں ہے۔ چونکہ عشاء کی نماز کے وقت میں کافی وسعت ہوتی ہے اور باتیں بے حد ضروری تھیں، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے نماز کو مؤخر فرما دیا، نیز یہ سہولت صرف امام کے لیے ہے، مقتدیوں کے لیے نہیں۔[1] اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بوقت ضرورت اقامت اور تکبیر تحریمہ کے درمیان فصل کیا جاسکتا ہے، بلاوجہ ایسا کرنا ناپسندیدہ عمل ہے۔

(٢٨) بَابُ الْكَلَامِ إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ

باب:28- نماز کے لیے اقامت ہو جانے کے بعد گفتگو کرنا

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود ان لوگوں کی تردید ہے جو مطلق طور پر اقامت کے بعد کراہت کلام کے قائل ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اقامت کے بعد گفتگو کرنا اسلاف کے ہاں بھی اختلافی مسئلہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ راوئ حدیث حضرت حمید الطویل نے حضرت ثابت بنانی سے اس مسئلے کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے جواب میں درج ذیل حدیث انس رضی اللہ عنہ بیان فرمائی۔

1 فتح الباري: 163/2.

٦٤٣ - حَدَّثَنَا عَيَّاشُ بْنُ الْوَلِيدِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الأَعْلَى قَالَ: حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ قَالَ: سَأَلْتُ ثَابِتًا الْبُنَانِيَّ عَنِ الرَّجُلِ يَتَكَلَّمُ بَعْدَ مَا تُقَامُ الصَّلَاةُ، فَحَدَّثَنِي عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَعَرَضَ لِلنَّبِيِّ ﷺ رَجُلٌ فَحَبَسَهُ بَعْدَ مَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ. [راجع: ٦٤٢]

[643] حمید الطویل فرماتے ہیں: میں نے ثابت بنانی سے ایسے آدمی کے بارے میں پوچھا جو اقامت کے بعد گفتگو کرتا ہے، تو انھوں نے کہا: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ایک دفعہ نماز کے لیے اقامت ہو چکی تھی کہ نبی ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا، اس نے آپ کو اقامت ہو جانے کے بعد روک لیا (اور باتیں کرتا رہا)۔

فوائد و مسائل: ① ایک روایت میں ہے: رسول اللہ ﷺ اس شخص سے گوشۂ مسجد میں تادیر گفتگو کرتے رہے یہاں تک کہ لوگوں کو اونگھ آنے لگی۔ (حدیث: 642) اس سے ثابت ہوا کہ کسی شرعی معاملے سے متعلق اقامت اور تکبیر تحریمہ کے درمیان گفتگو کرنے میں چنداں حرج نہیں۔ رسول اللہ ﷺ تکبیر تحریمہ سے پہلے مقتدی حضرات کو صفیں درست کرنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ چونکہ اس قسم کی گفتگو نماز سے متعلق ہے، اس لیے کسی کو بھی اس کے جواز میں کلام نہیں ہے۔ بہرحال کسی خاص ضرورت و مصلحت کے بغیر اقامت اور تکبیر تحریمہ کے درمیان گفتگو کرنا پسندیدہ عمل نہیں اور ضرورت کے پیش نظر ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ أعلم. ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اذان اور اس کے متعلقات پر کل 47 احادیث ہیں جن میں 6 معلق، 23 مکرر اور خالص 24 احادیث مروی ہیں، اس کے علاوہ صحابہ و تابعین کے 8 آثار بھی بیان کیے گئے ہیں۔[1]

(٢٩) بَابُ وُجُوبِ صَلَاةِ الْجَمَاعَةِ

باب: 29- نماز باجماعت کا واجب ہونا

وَقَالَ الْحَسَنُ: إِنْ مَنَعَتْهُ أُمُّهُ عَنِ الْعِشَاءِ فِي الْجَمَاعَةِ شَفَقَةً عَلَيْهِ لَمْ يُطِعْهَا.

امام حسن بصری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں اگر والدہ محترمہ ازراہ شفقت اپنے بیٹے کو عشاء کی نماز باجماعت پڑھنے سے منع کرے تو وہ اس کا کہنا نہ مانے۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے آئندہ احادیث پر کوئی بڑا عنوان قائم نہیں کیا کیونکہ ان کا اذان سے بہت گہرا تعلق ہے لیکن محدث ابو نعیم نے اپنی کتاب المستخرج میں یہاں کتاب صلاۃ الجماعۃ کا عنوان قائم کیا ہے، شاید ان کے شیخ ابو احمد جرجانی کی روایت میں ایسا ہو۔ واضح رہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ٹھوس دلائل کی وجہ سے نماز باجماعت کے فرض ہونے پر فیصلہ کن عنوان قائم کیا ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے جو احادیث پیش کی ہیں، ان میں متعدد احتمالات میں سے کسی ایک کو متعین کرنے کے لیے امام حسن بصری کا قول پیش کیا ہے۔ شارحین میں سے کسی نے بھی اس اثر کے موصول ہونے کی نشاندہی نہیں کی، البتہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس اثر کو حسن بن حسن مروزی نے اپنی تالیف ''کتاب الصیام'' میں صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے جو عبارت کے لحاظ سے زیادہ کامل اور معنی کے اعتبار سے بہت واضح ہے۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی

1 فتح الباري: 164/2.

آدمی نفلی روزہ رکھتا ہے اور اس کی والدہ اسے روزہ چھوڑ دینے کا حکم دیتی ہے تو اسے چاہیے کہ اپنی والدہ کی اطاعت کرتے ہوئے روزہ افطار کر دے، ایسا کرنے سے اس کے ذمے کوئی قضا وغیرہ نہیں بلکہ اسے روزے اور والدہ کی اطاعت کا اجر ملے گا۔ اور اگر اسے عشاء کی نماز باجماعت ادا کرنے سے روکتی ہے تو اس کا انکار کر دے کیونکہ نماز باجماعت کا ادا کرنا فرض ہے اور والدہ کو فرائض کی ادائیگی میں رکاوٹ بننے کی شرعاً اجازت نہیں۔[1]

٦٤٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ بِحَطَبٍ لِيُحْطَبَ، ثُمَّ آمُرَ بِالصَّلَاةِ فَيُؤَذَّنَ لَهَا، ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا فَيَؤُمَّ النَّاسَ، ثُمَّ أُخَالِفَ إِلَى رِجَالٍ فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوتَهُمْ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَوْ يَعْلَمُ أَحَدُهُمْ أَنَّهُ يَجِدُ عَرْقًا سَمِينًا، أَوْ مِرْمَاتَيْنِ حَسَنَتَيْنِ لَشَهِدَ الْعِشَاءَ». [انظر: ٦٥٧، ٢٤٢٠، ٧٢٢٤]

[644] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ کسی کو لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں تاکہ لکڑیوں کا ڈھیر لگ جائے، پھر نماز کے لیے کسی کو اذان دینے کے متعلق کہوں، پھر کسی شخص کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کا امام بنے اور میں خود ان لوگوں کے پاس جاؤں (جو جماعت میں شریک نہیں ہوتے)، پھر انھیں ان کے گھروں سمیت جلا دوں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر ان میں سے کسی کو معلوم ہو جائے کہ وہ مسجد میں موٹی ہڈی یا دو عمدہ گوشت والے پائے حاصل کرے گا تو وہ نماز عشاء میں ضرور حاضر ہو۔''

فوائد و مسائل: ① نماز باجماعت کے متعلق مندرجہ ذیل متعدد اقوال ہیں: فرض عین، فرض کفایہ، سنت مؤکدہ، مستحب، صحت نماز کے لیے شرط۔ اگر ترک جماعت پر وعید کی احادیث کو دیکھا جائے تو اس کے متعلق فرض ہونے کا درجہ سمجھ میں آتا ہے اور اگر ان احادیث کو دیکھا جائے جن میں بظاہر معمولی عذر کی وجہ سے ترک جماعت کی گنجائش نکلتی ہے تو اس کے متعلق سنت ہونے کا گمان ہوتا ہے، مثلاً: بارش، سخت سردی، سخت گرمی، کھانے پینے یا انسانی ضرورت کی حاجت وغیرہ۔ البتہ امام بخاری رحمہ اللہ نے نماز باجماعت کے متعلق فرض عین ہونے کا موقف اختیار کیا ہے کیونکہ اگر باجماعت نماز پڑھنا سنت ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اس کے تارک کو جلا دینے کی دھمکی نہ دیتے، لیکن آپ نے اس دھمکی کو عملی شکل اس لیے نہیں دی کہ ایسا کرنے سے ان لوگوں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا جن پر نماز باجماعت فرض نہیں ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر ان کے گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں ضرور ان کے گھروں کو جلا دیتا۔''[2] ② امام بخاری رحمہ اللہ کے موقف کی درج ذیل احادیث سے بھی تائید ہوتی ہے: ☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک نابینے نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے گھر نماز ادا کرنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے پوچھا: ''کیا تم اذان سنتے ہو؟'' اس نے عرض کیا: ہاں۔ آپ نے فرمایا: ''پھر اس کا جواب دو، یعنی مسجد میں حاضر ہو کر

1 فتح الباري: 165/2. 2 مسند أحمد: 367/2.

نماز باجماعت ادا کرو۔‘‘ [1] ❁ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جو شخص اذان سنے، پھر نماز باجماعت ادا نہ کرے تو اس کی کوئی نماز نہیں الا یہ کہ کوئی عذر حائل ہو۔‘‘ [2] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نماز باجماعت سے صرف ایسا منافق ہی پیچھے رہتا تھا جس کا نفاق واضح ہوتا تھا یا کوئی بے چارہ مریض ہوتا تھا حتی کہ وہ دو آدمیوں کے درمیان سہارا لے کر چلتا اور باجماعت نماز میں شریک ہوتا۔ [3] ❁ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جب نماز کا وقت ہوجائے تو تم میں سے کوئی اذان کہے اور جو تم میں سے بڑا ہو، وہ امامت کرائے۔‘‘ [4] ❁ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’کسی بھی بستی یا دیہات میں تین آدمی ہوں اور وہ باجماعت نماز ادا نہ کریں تو شیطان ان پر حملہ کردیتا ہے، اس لیے جماعت کو لازم پکڑو کیونکہ بھیڑیا اس بکری کو اپنا لقمہ بنالیتا ہے جو ریوڑ سے دور رہتی ہے۔‘‘ [5] اس کے علاوہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ﴾ ’’اور تم رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔‘‘ [6] اور مذکورہ امر وجوب کے لیے ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے میدان جنگ میں بھی بحالت خوف نماز باجماعت ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ [7] جب ایسے حالات میں نماز باجماعت ادا کرنے کا حکم ہے تو حالت امن میں تو بالاولی اسے واجب ہونا چاہیے۔ مذکورہ احادیث وآیات سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز باجماعت ادا کرنا فرض عین ہے۔ واللہ أعلم.

(٣٠) بَابُ فَضْلِ صَلَاةِ الْجَمَاعَةِ

باب:30-نماز باجماعت کی فضیلت

وَكَانَ الْأَسْوَدُ إِذَا فَاتَتْهُ الْجَمَاعَةُ ذَهَبَ إِلٰى مَسْجِدٍ آخَرَ.

حضرت اسود بن یزید رحمہ اللہ کی اگر نماز باجماعت فوت ہوجاتی تو وہ دوسری مسجد میں جاتے۔

وَجَاءَ أَنَسٌ إِلٰى مَسْجِدٍ قَدْ صُلِّيَ فِيهِ فَأَذَّنَ وَأَقَامَ وَصَلّٰى جَمَاعَةً.

حضرت انس رضی اللہ عنہ ایک مسجد میں آئے جس میں نماز ہوچکی تھی تو انھوں نے وہاں اذان دی، پھر اقامت کہہ کر نماز باجماعت ادا فرمائی۔

وضاحت: یہ عنوان نماز باجماعت واجب ہونے کے مخالف نہیں کیونکہ اس میں نماز باجماعت ادا کرنے کی فضیلت کو ثابت کیا گیا ہے اور واجب ہمیشہ غیر واجب کے مقابلے میں اجر وثواب کے اعتبار سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے، لہٰذا اس عنوان کے تحت پیش کردہ احادیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ منفرد کی نماز صحیح ہے، لہٰذا باجماعت نماز ضروری نہیں، بلکہ یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ نماز باجماعت کا ثواب اکیلے کی نماز سے زیادہ ہے۔ [8] واللہ أعلم. حضرت اسود رحمہ اللہ کے اثر کو ابن ابی شیبہ نے (83/3) متصل سند سے بیان کیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں کہ اگر اپنی قوم کی مسجد میں نماز باجماعت فوت ہوجاتی تو باجماعت نماز ادا کرنے کے لیے وہ کسی دوسری مسجد میں چلے جاتے۔ [9] حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اس اثر کو محدث ابویعلی رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں متصل سند

---

(1) صحيح مسلم، المساجد، حديث: 1486(653). 2 سنن ابن ماجه، المساجد والجماعات، حديث: 793. 3 مسند أحمد: 382/1. (4) صحيح البخاري، الأذان، حديث: 628. 5 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 547. 6 البقرة 43:2. (7) النساء 102:4. 8 فتح الباري: 171/2. 9 فتح الباري: 171/2.

سے بیان کیا ہے۔ اس میں وضاحت ہے کہ وہ مسجد بنی ثعلبہ میں گئے تو وہاں صبح کی جماعت ہو چکی تھی تو انھوں نے ایک آدمی کو اذان کہنے کا حکم دیا، پھر اقامت کہی گئی، اس کے بعد آپ نے جماعت کرائی۔[1] امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہ ہے کہ جماعت کی فضیلت مسجد میں نماز پڑھنے کی صورت میں ملے گی، گھر میں جماعت کرنے سے شاید یہ فضیلت حاصل نہ ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت اسود بن یزید اور حضرت انس رضی اللہ عنہ اس فضیلت کو حاصل کرنے کے لیے مسجد کا رخ کرتے تھے، گھر میں جماعت کا اہتمام نہیں کرتے تھے۔[2]

٦٤٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَّافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلَاةَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّعِشْرِينَ دَرَجَةً». [انظر: ٦٤٩]

[645] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نماز باجماعت، اکیلے شخص کی نماز سے ستائیس درجے زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔''

فوائد ومسائل: ① جس طرح ہماری اس مادی دنیا میں چیزوں کے خواص واثرات میں درجات کا فرق ہوتا ہے جس کی وجہ سے ان کی قدر وقیمت اور افادیت میں بھی فرق ہو جاتا ہے، اسی طرح ہمارے اعمال میں بھی درجات کا تفاوت ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک نماز باجماعت کی ادائیگی بھی ہے۔ اس کی فضیلت بایں الفاظ بیان کی گئی ہے کہ اکیلے نماز پڑھنے کے مقابلے میں اس کی فضیلت ستائیس درجے زیادہ ہے، یعنی اس کی پابندی کرنے والے کو ستائیس گنا زیادہ اجر ملتا ہے۔ اب صاحب ایمان کا مقام یہ ہے کہ وہ اس فضیلت پر دل و جان سے یقین رکھتے ہوئے ہر وقت کی نماز جماعت ہی سے پڑھنے کا اہتمام کرے۔ پھر نماز باجماعت پڑھنے والوں کے اخلاص وتقویٰ اور خشوع خضوع میں تفاوت کی وجہ سے ثواب میں بھی کمی بیشی ہوتی رہتی ہے، غالباً اگلی حدیث میں پچیس درجات کا ذکر اسی وجہ سے ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ بلاوجہ جماعت کے بغیر اکیلے نماز پڑھنا صحیح ہے بلکہ واجب کی فضیلت غیر واجب کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے۔ واللہ أعلم. ② انفرادی نماز کے مقابلے میں اجتماعی نماز ستائیس درجے زیادہ فضیلت کی حامل اس لیے ہے کہ اس میں ایسی ستائیس خصلتیں پائی جاتی ہیں جن کی فضیلت کے متعلق الگ الگ احادیث مروی ہیں۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے: ٭ نماز باجماعت ادا کرنے کی نیت سے اذان کا جواب دینا۔ ٭ مسجد میں اول وقت پہنچنے کے لیے جلدی کرنا۔ ٭ مسجد کی طرف سکون ووقار سے جانا۔ ٭ دعا پڑھتے ہوئے مسجد میں داخل ہونا۔ ٭ مسجد میں پہنچ کر تحیۃ المسجد ادا کرنا۔ ٭ جماعت کا انتظار کرنا۔ ٭ فرشتوں کا اس کے لیے دعائے رحمت کرنا۔ ٭ فرشتوں کا اللہ کے ہاں پہنچ کر نمازی کے لیے گواہی دینا۔ ٭ اقامت کا جواب دینا۔ ٭ اقامت کے وقت شیطانی وساوس سے محفوظ رہنا کیونکہ وہ اقامت کے وقت بھاگ جاتا ہے۔ ٭ امام کی تکبیر تحریمہ کا انتظار کرنا۔ ٭ تکبیر تحریمہ میں شمولیت کرنا۔ ٭ صفوں کے شگاف بند کرتے ہوئے صف بندی کا اہتمام کرنا۔ ٭ امام کی تسمیع، یعنی سمع اللہ لمن حمدہ کا جواب دینا۔ ٭ سہو ونسیان سے محفوظ رہنا۔ اگر امام بھول جائے تو اسے سبحان اللہ کہہ کر آگاہ کرنا۔ ٭ خشوع خضوع کی وجہ سے دوران نماز میں آنے والے

---

1 مسند أبي يعلى: 315/7. 2 فتح الباري: 171/2.

خیالات سے محفوظ رہنا۔ ٭ نماز ادا کرتے وقت مطلوبہ شرعی زینت کا اہتمام کرنا۔ ٭ ملائکۂ رحمت کا انھیں ڈھانپ لینا۔ ٭ ارکان نماز اور بہترین قراءت سیکھنے کی مشق کرنا۔ ٭ شعائر اسلام کا اظہار کرنا۔ ٭ عبادت کے لیے جمع ہو کر شیطان کو ذلیل وخوار کرنا۔ ٭ صفت نفاق سے سلامت رہنا۔ ٭ امام کے سلام کا جواب دینا۔ ٭ اجتماعی طور پر ذکر ودعا میں مصروف ہونا۔ ٭ پانچ وقت نظم جماعت کو برقرار رکھنا۔ ٭ امام کی قراءت کو توجہ سے سننا۔ ٭ آمین بالجہر کہنا۔ یہ ستائیس خصلتیں ایسی ہیں کہ انفرادی طور پر ان کی فضیلتیں احادیث میں بیان ہوئی ہیں، اور یہ تمام خصلتیں نماز باجماعت کے اہتمام میں اجتماعی طور پر پائی جاتی ہیں۔[1]

٦٤٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ الْهَادِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ خَبَّابٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلَاةَ الْفَذِّ بِخَمْسٍ وَّعِشْرِينَ دَرَجَةً».

[646] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جماعت کی نماز اکیلے شخص کی نماز سے پچیس درجے زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔''

فائدہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث اور اس روایت میں درجات کی تعداد کے متعلق بظاہر تعارض ہے۔ محدثین کرام نے اس میں کئی ایک انداز سے تطبیق دی ہے: ٭ امام ترمذی رحمہ اللہ نے پچیس درجات والی روایت کو راجح قرار دیا ہے اور ستائیس درجات والی روایت کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے منفردات وغرائب میں شمار کیا ہے۔ ٭ کم تعداد والی روایت کو ابتدائی طور پر محمول کیا جائے اور زیادہ والی حدیث کو انتہا قرار دیا جائے کیونکہ اللہ کی رحمت سے یہ بعید ہے کہ وہ کوئی چیز دے کر پھر اسے واپس لے لے۔ ٭ سری نمازوں میں پچیس درجات کی فضیلت ہے جبکہ جہری نمازوں میں ستائیس درجات کی برتری حاصل ہوگی۔ ٭ درجات کا یہ تفاوت نمازیوں کے قلیل وکثیر ہونے کے پیش نظر ہے۔ اگر نمازی کم ہیں تو پچیس درجے اور زیادہ ہیں تو ستائیس درجے زیادہ ثواب ہوگا۔ ٭ نماز باجماعت پڑھنے والوں کے اخلاص وتقویٰ اور خشوع خضوع میں تفاوت کی وجہ سے ثواب میں بھی کمی بیشی ہوتی رہتی ہے، یعنی درجات کا تفاوت اختلاف احوال پر مبنی ہے۔ ٭ چونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں اضافہ ہے اور ثقہ کی زیادتی قبول ہوتی ہے، لہٰذا ستائیس درجے والی ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو راجح قرار دیا جائے۔ ٭ ہر نماز میں پچیس اور فجر وعصر میں ستائیس درجے ہوں کیونکہ ان دونوں نمازوں میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ ٭ درجات کا یہ تفاوت مسجد کے دور اور قریب ہونے پر مبنی ہے کیونکہ مسجد جتنی دور ہوگی، اس میں نماز پڑھنے کے لیے جانا زیادہ ثواب کا باعث ہے۔[2] واللہ أعلم.

٦٤٧ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا صَالِحٍ يَقُولُ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «صَلَاةُ الرَّجُلِ فِي

[647] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آدمی کا باجماعت نماز ادا کرنا اس کے اپنے گھر اور اپنے بازار میں نماز پڑھنے سے پچیس گنا زیادہ ثواب ہے اور یہ اس طرح کہ جب وہ عمدہ

1 فتح الباري: 174/2. 2 فتح الباري: 173/2.

الْجَمَاعَةِ تُضَعَّفُ عَلَى صَلَاتِهِ فِي بَيْتِهِ وَفِي سُوقِهِ خَمْسًا وَّعِشْرِينَ ضِعْفًا، وَذٰلِكَ أَنَّهُ إِذَا تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ لَا يُخْرِجُهُ إِلَّا الصَّلَاةُ، لَمْ يَخْطُ خَطْوَةً إِلَّا رُفِعَتْ لَهُ بِهَا دَرَجَةٌ وَّحُطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةٌ، فَإِذَا صَلّٰى لَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ تُصَلِّي عَلَيْهِ مَا دَامَ فِي مُصَلَّاهُ: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ، وَلَا يَزَالُ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاةٍ مَّا انْتَظَرَ الصَّلَاةَ».

[راجع: ١٧٦]

طریقے سے وضو کرکے مسجد کی طرف روانہ ہو اور محض نماز کے لیے چلے تو جو قدم بھی اٹھائے گا اس کے بدلے اس کا ایک درجہ بلند ہوگا اور ایک گناہ بھی معاف ہوگا۔ پھر جب وہ نماز ادا کرلے گا تو جب تک اپنی جائے نماز پر رہے گا، فرشتے اس کے لیے دعا کرتے رہیں گے کہ یا اللہ! تو اس پر اپنا فضل وکرم فرما، یا اللہ! تو اس پر رحم وشفقت فرما۔ اور جب تک تم میں سے کوئی نماز کا انتظار کرتا ہے تو وہ گویا نماز ہی میں رہتا ہے۔"

فائدہ: اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کی داد ودہش کے چار اسباب بیان ہوئے ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے: ❁ عمدہ طریقے سے وضو کرنے کو رفع درجات اور کفارۂ سیئات کا سبب قرار دیا گیا ہے جیسا کہ دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے حتی کہ جب انسان وضو سے فارغ ہوتا ہے تو اس کے تمام صغیرہ گناہ ڈھل جاتے ہیں۔ ❁ نماز کے لیے گھر سے مسجد کی طرف جتنے قدم چل کر آئے گا اسے ہر قدم کے بدلے ایک نیکی ملے گی اور ایک گناہ معاف ہوگا۔ ❁ نماز سے فراغت کے بعد جائے نماز پر بیٹھ کر ذکر وفکر میں مشغول ہونا بھی فرشتوں کی دعائیں لینے کا بہت بڑا سبب ہے۔ ❁ مسجد میں بیٹھ کر دوسری نماز کا انتظار کرنا، اس سے وہ نماز ہی میں متصور ہوتا ہے۔ یہ وہ اسباب ہیں جو نماز باجماعت ادا کرنے سے اللہ کے فضل وکرم کا باعث ہیں۔ انھیں انفرادی نماز کے مقابلے میں اجتماعی نماز کی پچیس گنا فضیلت کے اسباب قرار نہیں دینا چاہیے جیسا کہ حدیث کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔

(٣١) بَابُ فَضْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ فِي جَمَاعَةٍ

باب: 31- نماز فجر باجماعت پڑھنے کی فضیلت

وضاحت: پہلے عنوان میں نماز باجماعت کی فضیلت بیان کی گئی تھی، اس عنوان میں نماز فجر کی فضیلت کو خصوصیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ چونکہ دن رات کے فرشتے اس نماز میں جمع ہوتے ہیں اس وجہ سے اس کی فضیلت دیگر نمازوں کے مقابلے میں زیادہ ہے، اس لیے اس کے متعلق مستقل عنوان قائم کیا گیا ہے۔

٦٤٨ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَأَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «تَفْضُلُ صَلَاةُ الْجَمِيعِ صَلَاةَ أَحَدِكُمْ وَحْدَهُ بِخَمْسَةٍ

[648] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "نماز باجماعت تنہا شخص کی نماز سے ثواب میں پچیس درجے زیادہ ہے۔ اور رات دن کے فرشتے نماز فجر میں جمع ہوتے ہیں۔" پھر حضرت ابوہریرہ ؓ نے کہا: اگر تم چاہو تو یہ آیت

وَعِشْرِينَ جُزْءًا، وَتَجْتَمِعُ مَلَائِكَةُ اللَّيْلِ وَمَلَائِكَةُ النَّهَارِ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ» ثُمَّ يَقُولُ أَبُوهُرَيْرَةَ: فَاقْرَؤُوا إِنْ شِئْتُمْ ﴿إِنَّ قُرْءَانَ ٱلْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا﴾ [الإسراء:٧٨]. [راجع: ١٧٦]

پڑھ لو: ”فجر میں قرآن کی تلاوت پر فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔“

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث میں نماز فجر باجماعت ادا کرنے کی وجہ فضیلت کو بیان کیا ہے کہ اس میں دن رات کے فرشتے جمع ہوتے ہیں۔ اسی فضیلت کے پیش نظر حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمام رات نوافل پڑھنے سے مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ نماز فجر کی جماعت میں شرکت کروں۔ ② یہ فضیلت نماز عصر کو بھی حاصل ہے جیسا کہ احادیث میں صراحت کے ساتھ اس کا ذکر ہے۔ ممکن ہے کہ نماز فجر اور نماز عصر میں فرشتوں کا حاضر ہونا دو اضافی درجے ہوں جو پچیس درجات کے علاوہ ہوں کیونکہ اس حدیث میں پچیس درجات کے بیان کے بعد مستقل طور پر اجتماع ملائکہ کا ذکر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کے بعد حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کو بیان کیا ہے جس میں وضاحت ہے کہ نماز باجماعت انفرادی نماز کے مقابلے میں ستائیس درجے زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔[1]

٦٤٩ - قَالَ شُعَيْبٌ: وَحَدَّثَنِي نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: تَفْضُلُهَا بِسَبْعٍ وَعِشْرِينَ دَرَجَةً. [راجع: ٦٤٥]

[649] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نماز باجماعت کی فضیلت تنہا شخص کی نماز سے ستائیس درجے زیادہ ہے۔

فائدہ: اس حدیث سے پہلے امام مالک رحمہ اللہ کے واسطے سے یہ مرفوع حدیث گزر چکی ہے، اب شعیب کے واسطے سے اسے بیان کیا ہے۔ گویا یہ متصل اور مرفوع روایت ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہ ہے کہ اگرچہ اس حدیث میں مطلق جماعت کی فضیلت کا ذکر ہے، تاہم نمازی کو چاہیے کہ وہ فجر کی نماز باجماعت ادا کرے تاکہ ستائیس درجے زیادہ ثواب حاصل کرنے کے علاوہ اسے فرشتوں کی بھی معیت حاصل ہو جو نماز فجر میں تلاوت قرآن سننے کے لیے جماعت میں حاضر ہوتے ہیں، پھر اللہ کے حضور پیش ہو کر اس کے نیک بندوں کا ذکر خیر کرتے ہیں۔

٦٥٠ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: سَمِعْتُ سَالِمًا قَالَ: سَمِعْتُ أُمَّ الدَّرْدَاءِ تَقُولُ: دَخَلَ عَلَيَّ أَبُوالدَّرْدَاءِ وَهُوَ مُغْضَبٌ فَقُلْتُ: مَا أَغْضَبَكَ؟ فَقَالَ: وَاللهِ مَا أَعْرِفُ مِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ شَيْئًا إِلَّا أَنَّهُمْ يُصَلُّونَ جَمِيعًا.

[650] حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک دفعہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ انتہائی غصے کی حالت میں میرے پاس تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا: آپ کو کس بات نے غضبناک بنا دیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: اللہ کی قسم! حضرت محمد ﷺ کی لائی ہوئی شریعت سے میں اب کوئی بات نہیں پاتا سوائے اس کے کہ لوگ جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لیتے ہیں۔

(1) شرح ابن بطال: 278/2.

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے عنوان اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ اس میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لینے کا ذکر ہے اس میں نماز فجر بھی آجاتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے اسلوب سے واقف حضرات جانتے ہیں کہ ان کے نزدیک اتنی سی مطابقت ہی کافی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن المنیر کے حوالے سے اس مطابقت کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان کے علاوہ اور کسی شارح نے مناسبت عنوان کی طرف توجہ نہیں دلائی۔[1] ② اس حدیث میں ام درداء سے مراد تابعیہ ہیں جن کا نام ہجیمہ ہے۔ ام درداء کبریٰ مراد نہیں جو صحابیہ ہیں اور کبریٰ کے لقب سے مشہور ہیں جن کا نام خیرہ ہے کیونکہ ام درداء کبریٰ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی زندگی ہی میں وفات پا چکی تھیں، اور سالم بن ابی الجعد کی ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔ ان کے بعد حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے دوسری بیوی سے نکاح کیا جنھوں نے یہ واقعہ بیان کیا ہے۔[2]

٦٥١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسٰى قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَعْظَمُ النَّاسِ أَجْرًا فِي الصَّلَاةِ أَبْعَدُهُمْ فَأَبْعَدُهُمْ مَمْشًى، وَالَّذِي يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ حَتّٰى يُصَلِّيَهَا مَعَ الْإِمَامِ أَعْظَمُ أَجْرًا مِّنَ الَّذِي يُصَلِّي ثُمَّ يَنَامُ».

[651] حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ''نماز کے متعلق سب لوگوں سے زیادہ ثواب ان حضرات کو ملتا ہے جن کی مسافت مسجد سے دور ہے، پھر (ان سے زیادہ انھیں) جن کی ان سے دور ہے۔ اور جو شخص امام کے ہمراہ نماز پڑھنے کا انتظار کرتا ہے باعتبار ثواب کے اس شخص سے بڑھ کر ہے جو نماز پڑھ کر سو جاتا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں اگرچہ نماز فجر کا ذکر نہیں ہے، تاہم عنوان سے مطابقت بایں طور ہے کہ نماز کے لیے جانے میں زیادہ مشقت اٹھانا اجر کے زیادہ ہونے کا سبب ہے اور نماز فجر میں جانے کے لیے مشقت زیادہ اٹھانی پڑتی ہے کیونکہ سو کر بیدار ہونے میں سستی زیادہ اور مشقت کا احساس نمایاں ہوتا ہے، اس لیے کہ نیند جیسی محبوب چیز کو ترک کرنا پڑتا ہے۔ عشاء کی نماز میں اگرچہ ایسا نہیں ہوتا، تاہم رات کے اندھیرے میں چل کر جانا اس کے لیے بھی وجہ فضیلت بن جاتا ہے۔[3] ② امام بخاری رحمہ اللہ فطانت و ذہانت اور ذکاوت و فقاہت کے جس مقام پر فائز ہیں، معترضین حضرات ان کی گرد پا کو بھی نہیں پہنچ سکتے، چنانچہ اس مقام پر بعض بزعم خویش ''فقیہ الامت'' حضرات نے اعتراض کیا ہے کہ حدیث ابو درداء اور حدیث ابو موسیٰ اشعری کا عنوان سے کوئی تعلق نہیں، حالانکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں مسائل و احکام کو ثابت کرنے کے لیے جو طریق کار وضع کیا ہے اس کے پیش نظر آپ بعض اوقات بطریق خصوص، یعنی صریح نص سے خاص مسئلہ ثابت کرتے ہیں جیسا کہ حدیث ابو ہریرہ سے عنوان مذکور کو ثابت کیا ہے۔ اور کبھی کبھی بطریق عموم، یعنی عام دلیل سے خاص مسائل اخذ کرتے ہیں جیسا کہ حدیث ابو درداء سے عنوان بالا کا اثبات کیا ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے الزین بن المنیر کے حوالے سے لکھا ہے۔ بسا اوقات استنباط و استخراج کا طریقہ بھی استعمال کرتے ہیں جیسا کہ حدیث ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے واضح ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی تفصیل

---

1 فتح الباري: 180/2. 2 فتح الباري: 179/2. 3 فتح الباري: 180/2.

ذکر کی ہے۔[1] اس لیے امام بخاری ؒ پر اعتراض کرنے کے بجائے اپنی فہم کے قصور کا علاج کرنا چاہیے۔ ③ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ حضرت امام بخاری کے قائم کردہ عنوان کے تحت ذکر کردہ ایک حدیث میں کسی نئی بات کا ذکر ہوتا ہے، اس لیے امام بخاری ؒ فائدۂ جدیدہ کے طور پر اس حدیث پر ایک نیا عنوان قائم کر دیتے ہیں جسے ہم اپنی اصطلاح میں [باب في الباب] سے تعبیر کرتے ہیں لیکن اس کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ حدیث مذکور کا ہر دو عنوان سے تعلق ہو، چنانچہ اس مقام پر اصل عنوان ''نماز باجماعت کی فضیلت'' بیان کرنا ہے جو حدیث ابوہریرہ ؓ سے واضح طور پر ثابت ہوتی ہے اور اجتماع ملائکہ سے باجماعت نماز فجر کی فضیلت ثابت ہوتی تھی، اس لیے یہاں ایک نیا عنوان ''باجماعت نماز فجر کی فضیلت'' قائم کر دیا۔ اس کے بعد آنے والی روایات، یعنی حدیث ابودرداء اور حدیث ابوموسیٰ اشعری باب سابق، یعنی نماز باجماعت کی فضیلت سے متعلق ہیں۔ واللّٰہ أعلم.

(٣٢) بَابُ فَضْلِ التَّهْجِيرِ إِلَى الظُّهْرِ

باب: 32- نماز ظہر اول وقت پڑھنے کی فضیلت

٦٥٢ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي بِطَرِيقٍ وَجَدَ غُصْنَ شَوْكٍ عَلَى الطَّرِيقِ فَأَخَذَهُ، فَشَكَرَ اللهُ لَهُ فَغَفَرَ لَهُ». [انظر: ٢٤٧٢]

[652] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک شخص راستے میں جا رہا تھا، اس نے وہاں خاردار ٹہنی دیکھی تو اسے ایک طرف ہٹا دیا، اللہ تعالیٰ نے اس کی قدردانی کرتے ہوئے اسے معاف کر دیا۔''

فائدہ: اس حدیث کی تشریح آئندہ حدیث: 2472 کے تحت کریں گے۔ إن شاء اللّٰہ.

٦٥٣ - ثُمَّ قَالَ: «اَلشُّهَدَاءُ خَمْسٌ: اَلْمَطْعُونُ، وَالْمَبْطُونُ، وَالْغَرِيقُ، وَصَاحِبُ الْهَدْمِ، وَالشَّهِيدُ فِي سَبِيلِ اللهِ». وَقَالَ: «لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي النِّدَاءِ وَالصَّفِّ الْأَوَّلِ، ثُمَّ لَمْ يَجِدُوا إِلَّا أَنْ يَسْتَهِمُوا عَلَيْهِ لَاسْتَهَمُوا عَلَيْهِ»، [انظر: ٧٢٠، ٢٨٢٩، ٥٧٣٣]

[653] پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''شہداء پانچ قسم کے ہیں: طاعون میں مرنے والے، پیٹ کے عارضے سے مرنے والے، ڈوب کر مرنے والے، دب کر مرنے والے اور اللہ کی راہ میں لڑتے ہوئے شہید ہونے والے۔'' اس کے بعد آپ نے فرمایا: ''اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اذان اور صف اول میں کیا ثواب ہے تو پھر اپنے لیے قرعہ ڈالنے کے سوا کوئی چارہ نہ پائیں تو ضرور قرعہ اندازی کریں۔''

فائدہ: اس حدیث کے پہلے حصے کی وضاحت کتاب الجہاد حدیث: 2829 کے تحت کریں گے جبکہ آخری حصے کی وضاحت پہلے حدیث: 615 کے تحت ہو چکی ہے۔

1 فتح الباري: 180/2.

٦٥٤ - «وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي التَّهْجِيرِ لَاسْتَبَقُوا إِلَيْهِ، وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا». [راجع: ٦١٥]

[654] (آپ نے فرمایا:) ''اگر لوگوں کو علم ہو کہ (نماز ظہر کے لیے) جلدی آنے میں کتنا ثواب ہے تو ضرور ایک دوسرے سے آگے بڑھیں۔ اور اگر جان لیں کہ عشاء اور فجر کی نماز (باجماعت) ادا کرنے میں کیا ثواب ہے تو ان دونوں کی جماعت میں ضرور آئیں اگرچہ انھیں سرینوں کے بل چل کر آنا پڑے۔''

فوائد ومسائل: ① مذکورہ حدیث دراصل تین احادیث پر مشتمل ہے جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک ہی سیاق میں بیان کر دیا ہے۔ شاید انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اسی طرح سنا ہوگا۔[1] ② تہجیر کے معنی نماز کے لیے جلدی آنے کے ہیں لیکن یہاں نماز ظہر کے لیے اول وقت آنا مراد ہے کیونکہ یہ لفظ ہاجرہ سے مشتق ہے جو دوپہر کے وقت گرمی کی شدت پر بولا جاتا ہے۔ نماز ظہر کا اول وقت یہی ہوتا ہے۔ مصنف کا رجحان اسی طرف ہے کہ نماز ظہر کو اول وقت میں ادا کیا جائے۔ اگرچہ سخت گرمی کے وقت میں نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھنے کا حکم ہے لیکن یہ حکم وجوب کے لیے نہیں کیونکہ اس حدیث میں ظہر کے لیے اول وقت آنے کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی انسان دوپہر کے وقت مسجد کی طرف آتا ہے، مسجد میں ذکر وفکر کرتا ہے اور نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھنے کا انتظار کرتا ہے تو اس کے لیے بھی اللہ کے ہاں بہت بڑی فضیلت ہے۔ حدیث میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے سے مراد جلدی کرنا ہے، بھاگ کر آنا مقصود نہیں کیونکہ ایسا کرنا منع ہے۔[2]

(٣٣) بَابُ احْتِسَابِ الْآثَارِ

باب: 33- (مسجد کو جاتے وقت) ہر قدم پر ثواب کی نیت کرنا

٦٥٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ حَوْشَبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ قَالَ: حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «يَا بَنِي سَلِمَةَ! أَلَا تَحْتَسِبُونَ آثَارَكُمْ؟».

[655] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ''اے بنو سلمہ! تم اپنے قدموں کے بدلے ثواب کے طلب گار کیوں نہیں ہو؟''

وَقَالَ مُجَاهِدٌ فِي قَوْلِهِ: ﴿وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ﴾ [يس: ١٢] قَالَ: خُطَاهُمْ. [انظر: ٦٥٦، ١٨٨٧]

حضرت امام مجاہد رحمہ اللہ نے ارشاد باری تعالیٰ: ''ہم ان کے وہ اعمال بھی لکھتے ہیں جو انھوں نے آگے بھیجے اور وہ آثار بھی جو پیچھے چھوڑ گئے ہیں'' کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: آثَارَهُمْ سے مراد ان کے قدم ہیں۔

٦٥٦ - وَحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى

[656] حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ بنو سلمہ

1 شرح ابن بطال: 280/2. 2 فتح الباري: 182/2.

ابْنُ أَيُّوبَ: حَدَّثَنِي حُمَيْدٌ عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ بَنِي سَلِمَةَ أَرَادُوا أَنْ يَتَحَوَّلُوا عَنْ مَنَازِلِهِمْ فَيَنْزِلُوا قَرِيبًا مِّنَ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: فَكَرِهَ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يُعْرُوا الْمَدِينَةَ فَقَالَ: «أَلَا تَحْتَسِبُونَ آثَارَكُمْ؟».

قبیلے نے نقل مکانی کر کے نبی ﷺ کے قریب رہنے کا ارادہ کیا تو نبی ﷺ نے اسے ناپسند فرمایا کہ وہ مدینے کو ویران کر دیں پھر آپ نے ان سے فرمایا: ”تم اپنے قدموں کے بدلے ثواب کے طلب گار کیوں نہیں ہو؟“

قَالَ مُجَاهِدٌ: خُطَاهُمْ آثَارُهُمْ، وَالْمَشْيُ فِي الْأَرْضِ بِأَرْجُلِهِمْ. [راجع: ٦٥٥]

امام مجاہد نے آثَارَهُمْ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: اس کے معنی زمین پر اپنے قدموں سے چلنے کے نشانات ہیں۔

فوائد و مسائل: ① قبیلۂ بنوسلمہ کے مکانات سلع پہاڑ کے پاس مسجد نبوی سے تقریباً ایک میل کی مسافت پر تھے جیسا کہ حضرت جابر بن عبداللہ ؓ کا بیان ہے کہ ہمارے گھر مسجد نبوی سے دور تھے۔ ہم نے ارادہ کیا کہ انھیں فروخت کر کے مسجد کے قریب اپنے گھر تعمیر کریں تاکہ نماز کے لیے آنے جانے میں سہولت ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں اس اقدام سے روک دیا اور فرمایا کہ تمھارے لیے ہر قدم کے عوض ایک درجہ بلند ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس لیے منع فرمایا کہ ایسا کرنے سے مدینہ منورہ کی سرحدیں غیر محفوظ ہونے کا اندیشہ تھا۔ اور قدموں کے بدلے نیکیاں ملنے کا ایک اضافی فائدہ تھا جس سے رسول اللہ ﷺ نے انھیں آگاہ فرمادیا، چنانچہ انھوں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا اور طے کیا کہ اس جگہ کو چھوڑ کر مسجد کے قریب آباد نہیں ہوں گے۔[1] ② امام مجاہد کے اثر کو محدث عبد بن حمید نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔ امام بخاری ؒ نے یہ اثر پیش کر کے اشارہ فرمایا ہے کہ بنوسلمہ کا مذکورہ واقعہ ہی ان آیات کا شان نزول ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس ؓ نے صراحت کی ہے۔[2] ③ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی جتنی دور سے چل کر نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے آئے گا، اسی قدر زیادہ اجر و ثواب سے نوازا جائے گا، چنانچہ حدیث میں ہے کہ ایک انصاری دور سے چل کر مسجد نبوی میں شریک جماعت ہوتا تھا، کسی نے اسے مشورہ دیا کہ تم کوئی سواری خرید لو تاکہ آنے جانے میں سہولت رہے۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے پیدل چل کر آنے سے قدموں کے بدلے اللہ کے ہاں ثواب ملنے کی امید ہے۔ جب اس بات کا تذکرہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ہوا تو آپ نے فرمایا: ”تیری نیت کے مطابق تجھے ضرور ثواب ملے گا۔“[3] حافظ ابن حجر ؒ لکھتے ہیں کہ مسجد کے قریب رہنے والا نمازی اگر چھوٹے چھوٹے قدم بھر کر مسجد آتا ہے تو اجر و ثواب کے اعتبار سے وہ دور سے چل کر آنے والے کے برابر نہیں ہوسکتا۔[4]

(٣٤) بَابُ فَضْلِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ فِي الْجَمَاعَةِ

باب: 34- نماز عشاء باجماعت ادا کرنے کی فضیلت

وضاحت: کتاب المواقیت میں ایک عنوان نمبر: 22 نماز عشاء کی فضیلت کے متعلق گزر چکا ہے لیکن وہ مطلق نماز عشاء سے متعلق تھا جبکہ مذکورہ عنوان نماز عشاء باجماعت ادا کرنے کی فضیلت کے بارے میں ہے۔

1 فتح الباري: 183/2. 2 سنن ابن ماجه، المساجد والجماعات، حديث: 785. 3 سنن ابن ماجه، المساجد والجماعات، حديث: 783. 4 فتح الباري: 183/2.

٦٥٧ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَيْسَ صَلَاةٌ أَثْقَلَ عَلَى الْمُنَافِقِينَ مِنَ الْفَجْرِ وَالْعِشَاءِ، وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِيهِمَا لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا، وَلَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ الْمُؤَذِّنَ فَيُقِيمَ، ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا يَؤُمُّ النَّاسَ، ثُمَّ آخُذَ شُعَلًا مِّنْ نَّارٍ فَأُحَرِّقَ عَلَى مَنْ لَّا يَخْرُجُ إِلَى الصَّلَاةِ بَعْدُ».

[راجع: ٦٤٤]

[657] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ''فجر اور عشاء کی نماز سے زیادہ اور کوئی نماز منافقین پر گراں نہیں ہے۔ اگر وہ جان لیں کہ ان دونوں میں کیا (ثواب) ہے تو ان کے لیے ضرور حاضر ہوں اگرچہ انھیں گھٹنوں اور سرینوں کے بل چل کر آنا پڑے۔ میں نے پختہ ارادہ کرلیا تھا کہ مؤذن کو تکبیر کہنے کا حکم دوں، پھر کسی کو لوگوں کی امامت پر مامور کروں اور خود آگ کے شعلے لے کر ان لوگوں کو جلا دوں جو ابھی تک نماز کے لیے نہیں نکلے۔''

فوائد ومسائل: ① حدیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جن لوگوں کے گھروں کو جلا دینے کا ارادہ فرمایا تھا وہ منافقین نہ تھے بلکہ ان کا تعلق اہل اسلام سے تھا۔ صرف انھیں ان کی سستی پر خبردار کیا گیا اور ان کے کردار کو ایک منافقانہ کردار قرار دے کر انھیں برے انجام سے ڈرایا گیا۔ ویسے تو منافقین پر تمام نمازیں گراں ہوتی ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ نماز کے لیے منافقین گراں بار اور سست طبیعت کے ساتھ آتے ہیں۔[1] لیکن عشاء اور فجر زیادہ گراں ہوتی ہیں کیونکہ عشاء کے وقت کاروباری تھکاوٹ کی وجہ سے آرام اور سکون کرنا ہوتا ہے اور صبح کے وقت نیند کی وجہ سے طبیعت بوجھل ہوجاتی ہے۔ منافقین کے ہاں قربانی کے جذبات ناپید ہوتے ہیں، اس لیے ان پر یہ دونوں نمازیں بہت بھاری ہوتی ہیں۔ ② رسول اللہ ﷺ نے اپنے عزم کو عملی شکل نہیں دی بلکہ ان کے اہل وعیال کا خیال آنے پر ارادہ ترک کردیا جیسا کہ دیگر احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

(٣٥) بَابٌ: اِثْنَانِ فَمَا فَوْقَهُمَا جَمَاعَةٌ

باب: 35- دو یا دو سے زیادہ آدمی جماعت کے حکم میں ہیں

٦٥٨ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَأَذِّنَا وَأَقِيمَا، ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمَا أَكْبَرُكُمَا».

[راجع: ٦٢٨]

[658] حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ''جب نماز کا وقت آجائے تو تم میں سے کوئی اذان دے اور تکبیر کہے پھر تم میں سے بڑی عمر والا امامت کرائے۔''

---

1 التوبة 54:9.

فوائد و مسائل: ① مذکورہ عنوان حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث ہے جسے امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں بیان کیا ہے۔[1] امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ اصول ہے کہ اگر کوئی حدیث باعتبار لفظ ان کی شرط کے مطابق نہ ہو لیکن باعتبار معنی وہ صحیح ہو تو دیگر روایات سے اس کی تائید کرتے ہیں۔ آپ نے اسی اصول کے پیش نظر سنن ابن ماجہ کی حدیث کو عنوان قرار دیا ہے اور اپنی پیش کردہ روایت سے اس کے مضمون کو ثابت کیا ہے کہ جماعت کا اطلاق اگرچہ کم از کم تین پر ہوتا ہے مگر نماز میں دو پر بھی جماعت کا اطلاق ہو سکتا ہے، یعنی اگر دو آدمی باجماعت نماز ادا کریں تو بھی انھیں پوری جماعت کا ثواب ملے گا۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کے اس استدلال پر اعتراض کیا گیا ہے کہ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تو ان کے دیگر ساتھی بھی تھے۔ روایت میں صرف دو کا ذکر تصرف رواۃ معلوم ہوتا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کا جواب دیا ہے کہ یہ دو مختلف واقعات ہیں: ایک دفعہ وہ اپنی جماعت کے ساتھ آئے تھے اور دوسری دفعہ وہ اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ یہ بھی واضح رہے کہ جماعت کم از کم امام اور ماموم (مقتدی) پر مشتمل ہوتی ہے، خواہ ماموم آدمی یا بچہ یا عورت ہو۔[2] ③ علم کے اعتبار سے وہ دونوں برابر تھے، اس لیے اذان اور تکبیر کے متعلق بلاتفریق کسی ایک کو یہ فریضہ سرانجام دینے کا حکم دیا لیکن امامت میں بڑی عمر والے کا لحاظ رکھا گیا ہے کیونکہ اگر نمازی علم و فضل میں برابر ہوں تو جماعت کے لیے بڑی عمر والے کا انتخاب کیا جاتا ہے۔

(٣٦) بَابُ مَنْ جَلَسَ فِي الْمَسْجِدِ يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ وَفَضْلِ الْمَسَاجِدِ

باب: 36- مساجد اور ان میں نماز کے انتظار میں بیٹھنے کی فضیلت

٦٥٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ؛ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِنَّ الْمَلَائِكَةَ تُصَلِّي عَلَى أَحَدِكُمْ مَّا دَامَ فِي مُصَلَّاهُ مَا لَمْ يُحْدِثْ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ، لَا يَزَالُ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاةٍ مَّا دَامَتِ الصَّلَاةُ تَحْبِسُهُ، لَا يَمْنَعُهُ أَنْ يَنْقَلِبَ إِلَى أَهْلِهِ إِلَّا الصَّلَاةُ». [راجع: ١٧٦]

[659] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''فرشتے تم میں سے اس شخص کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں جب تک وہ اپنی جائے نماز پر رہے، بشرطیکہ بے وضو نہ ہو۔ (دعا یہ ہے:) اے اللہ! اسے بخش دے، اے اللہ! اس پر رحم فرما، نیز تم میں سے ہر ایک اس وقت تک نماز ہی میں رہتا ہے جب تک نماز نے اسے روک رکھا ہو اور اپنے گھر واپس آنے کے لیے نماز کے علاوہ اور کوئی چیز مانع نہ ہو۔''

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان میں دو چیزیں بیان کی ہیں: * مساجد کا شرف * نماز کے انتظار میں بیٹھنے کی فضیلت۔ نماز کے انتظار میں بیٹھنے والا اسی اجر و ثواب کا حق دار ہوتا ہے جو نماز ادا کرنے سے ملتا ہے لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ بے وضو نہ ہو اور کسی کو تکلیف نہ دے، نیز نماز کے علاوہ اور کوئی چیز اسے گھر واپس جانے سے مانع نہ ہو۔ اگر

1 سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، حديث :972. 2 فتح الباري : 185/2.

مسجد میں نماز کے علاوہ کسی اور مقصد کے لیے ٹھہرایا نماز کے انتظار کی نیت میں کسی اور مقصد کو بھی شامل کرلیا تو مذکورہ ثواب کا حق دار نہیں ہوگا۔ ② اگر کوئی مسجد سے نکل جاتا ہے لیکن دوبارہ لوٹ کر مسجد میں ہی دوسری نماز ادا کرنے کی فکر میں رہتا ہے تو اسے بھی مذکورہ ثواب نہیں ملے گا، ہاں! اس قسم کے آدمی کو اور نوعیت کا ثواب حاصل ہوگا جسے آئندہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ ہے۔ غالباً امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی مقصد کے پیش نظر اس حدیث کو یہاں بیان کیا ہے۔[1]

٦٦٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي خُبَيْبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ: اَلْإِمَامُ الْعَادِلُ، وَشَابٌّ نَّشَأَ فِي عِبَادَةِ رَبِّهِ، وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسَاجِدِ، وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللهِ اجْتَمَعَا عَلٰى ذٰلِكَ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ، وَرَجُلٌ طَلَبَتْهُ [امْرَأَةٌ] ذَاتُ مَنْصِبٍ وَّجَمَالٍ فَقَالَ: إِنِّي أَخَافُ اللهَ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ أَخْفٰى حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ». [انظر: ١٤٢٣، ٦٤٧٩، ٦٨٠٦]

[660] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''سات قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنے سائے میں جگہ دے گا جس روز اس کے سائے کے علاوہ اور کوئی سایہ نہ ہوگا: انصاف کرنے والا حکمران، وہ نوجوان جو اپنے رب کی عبادت میں پروان چڑھے، وہ شخص جس کا دل مسجدوں میں اٹکا رہتا ہو، وہ دو شخص جو اللہ کے لیے دوستی کریں، جمع ہوں تو اس کے لیے اور جدا ہوں تو بھی اس کے لیے، وہ شخص جسے کوئی خوبرو اور معزز عورت برائی کی دعوت دے اور وہ کہہ دے: میں اللہ سے ڈرتا ہوں، وہ شخص جو اس قدر پوشیدہ طور پر صدقہ دے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہ چلے کہ اس کا دایاں ہاتھ کیا خرچ کرتا ہے اور ساتواں وہ شخص جو خلوت میں اللہ کو یاد کرے تو (بے ساختہ) اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں۔''

فوائد ومسائل: ① اس روایت میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے آسانی کے ساتھ عنوان بالا کو ثابت کیا جا سکے البتہ ''وہ شخص جس کا دل مسجدوں میں اٹکا رہتا ہو'' کے الفاظ ایسے ہیں جس کے ظاہری معنی تو مراد نہیں ہیں البتہ مجازی معنی نماز کا انتظار کرنے کے ہیں جس کی بنا پر وہ اس اعزاز کا حق دار ہوگا۔ عنوان کو انھی الفاظ سے ثابت کیا گیا ہے۔ ② اس حدیث کے متعلق ہم اپنی گزارشات کتاب الرقاق، حدیث: 6479 کے تحت پیش کریں گے، البتہ اس مقام پر دو بنیادی باتیں بیان کر دینا ضروری ہیں: ❀ قیامت کے دن اللہ کے عرش کے سائے تلے جگہ پانے کا یہ اعزاز حدیث میں مذکور صرف سات قسم کے لوگوں کے ساتھ خاص نہیں بلکہ رحمت الٰہی کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ دیگر احادیث میں اس قسم کے لوگوں کی تعداد تقریباً ستر تک پہنچتی ہے جو رسول اللہ ﷺ نے مختلف احوال وظروف کے پیش نظر بیان فرمائی ہے، اس لیے حدیث میں سات کا عدد حصر کے لیے نہیں۔ ❀ اس حدیث میں جن سات خوش قسمت حضرات کا ذکر ہے وہ صرف مردوں ہی سے نہیں بلکہ عورتیں بھی اس اعزاز میں داخل ہیں حتی کہ وہ

[1] فتح الباري: 186/2.

عورت جو اپنے گھر کی مالکہ ہے اور اپنے گھر میں عدل وانصاف کرتی ہے، متعلقین میں سے کسی کی حق تلفی نہیں کرتی بلکہ ہمہ وقت عدل وانصاف کو مقدم سمجھتی ہے، وہ ''انصاف کرنے والے حکمران'' میں شامل ہوگی۔ البتہ عورت کا گھر میں نماز پڑھنا مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے، اس لیے مسجد کے ساتھ دل اٹکنے والی بات عورت پر صادق نہیں آئے گی۔[1]

٦٦١ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُمَيْدٍ قَالَ: سُئِلَ أَنَسٌ: هَلِ اتَّخَذَ رَسُولُ اللهِ ﷺ خَاتَمًا؟ فَقَالَ: نَعَمْ، أَخَّرَ لَيْلَةً صَلَاةَ الْعِشَاءِ إِلَى شَطْرِ اللَّيْلِ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ بَعْدَ مَا صَلَّى فَقَالَ: «صَلَّى النَّاسُ وَرَقَدُوا وَلَمْ تَزَالُوا فِي صَلَاةٍ مُنْذُ انْتَظَرْتُمُوهَا». قَالَ: فَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى وَبِيصِ خَاتَمِهِ. [راجع: ٥٧٢]

[661] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا: کیا رسول اللہ ﷺ نے انگوٹھی بنوائی تھی؟ انھوں نے فرمایا: ہاں! ایک دن آپ ﷺ نے نماز عشاء کو آدھی رات تک مؤخر فرمایا، نماز سے فراغت کے بعد اپنے چہرۂ انور سے ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''لوگ تو نماز پڑھ کر سو گئے اور تم نے جب نماز کا انتظار کیا تو گویا تم نماز ہی کی حالت میں رہے۔'' حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: گویا میں اب بھی آپ کی انگوٹھی کی چمک دیکھ رہا ہوں (جو آپ نے پہن رکھی تھی)۔

فائدہ: احادیث میں نماز کا انتظار دو طرح سے بیان ہوا ہے: نماز سے پہلے اور نماز کے بعد۔ لیکن بعد کے انتظار کا تعامل سلف سے بہت کم نقل ہوا ہے، نیز نماز کے انتظار کو صرف حصول ثواب کے اعتبار سے نماز کہا گیا ہے، حکم کے لحاظ سے وہ نماز جیسا نہیں ہے کیونکہ دوران نماز میں گفتگو کرنا منع ہے جبکہ انتظار کے دوران میں بوقت ضرورت کلام کیا جا سکتا ہے۔ واللہ أعلم.

(٣٧) بَابُ فَضْلِ مَنْ غَدَا إِلَى الْمَسْجِدِ وَمَنْ رَاحَ

باب: 37- مسجد میں صبح وشام آمد ورفت رکھنے والے کی فضیلت

٦٦٢ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُطَرِّفٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ غَدَا إِلَى الْمَسْجِدِ وَرَاحَ أَعَدَّ اللهُ لَهُ نُزُلَهُ مِنَ الْجَنَّةِ كُلَّمَا غَدَا أَوْ رَاحَ».

[662] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ''جو شخص مسجد کی طرف صبح وشام بار بار آتا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ جنت میں اس کی مہمانی تیار کرتا ہے، جب بھی وہ صبح اور شام (مسجد میں) آتا اور جاتا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① لغت کے اعتبار سے غَدَا کے معنی صبح کے وقت آنا اور رَاحَ کے معنی شام کے وقت آنا، ہیں لیکن عام طور پر یہ دونوں لفظ آمد ورفت کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں عنوان کی عبارت [فضل من خرج]

1 فتح الباري: 192/2.

ہے، یعنی غَدا کے بجائے خَرَجَ کا لفظ ہے جو صبح و شام دونوں وقت آنے کے لیے استعمال ہوتا ہے، اس لیے راح کے معنی لوٹنا اور واپس ہونا ہیں۔ اس وضاحت کے پیش نظر مسجد میں آنے اور پھر واپس ہونے، دونوں کا ثواب ملے گا۔ ② چونکہ الفاظ حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کی طرف جانے کا ثواب ہو کیونکہ عبادت کے لیے جانا ہے لیکن وہاں سے نکلنے اور واپس ہونے پر ثواب نہ ہو، امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان قائم کر کے تنبیہ فرمائی ہے کہ مسجد سے واپس ہونے پر بھی ثواب ہوگا، چنانچہ ایک حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک آدمی کا گھر مسجد نبوی سے کافی دور تھا اور وہ نماز باجماعت ادا کرنے کا موقع بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا۔ لوگوں نے اس سے کہا: تم کوئی سواری خرید لو تاکہ تمھیں گرمی اور رات کے وقت آنے جانے میں سہولت رہے۔ اس نے جواب دیا کہ مسجد کے قریب قیام رکھنا مجھے پسند نہیں ہے۔ لوگوں نے اس کی بات کو برا محسوس کیا اور رسول اللہ ﷺ سے اس کی یہ بات بیان کی۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا تو اس نے عرض کیا: ''میں چاہتا ہوں کہ دور سے میرا مسجد میں آنا اور مسجد سے واپس ہونا دونوں اللہ کے ہاں لکھے جائیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تجھے اللہ تعالیٰ نے یہ سب عطا فرما دیا ہے۔ جس اجر و ثواب کی تو نے امید کی ہے، اللہ نے وہ سب عنایت فرما دیا۔''[1] ③ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عبادت کے لیے مسجد کی طرف آنا اور مسجد سے واپس لوٹ کر جانا دونوں باعث اجر و ثواب ہیں۔

(٣٨) بَابٌ: إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ

باب: 38- نماز کی اقامت کے بعد فرض نماز کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں ہوتی

٦٦٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ حَفْصِ ابْنِ عَاصِمٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَالِكٍ ابْنِ بُحَيْنَةَ قَالَ: مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِرَجُلٍ. قَالَ: وَحَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ قَالَ: حَدَّثَنَا بَهْزُ بْنُ أَسَدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعْدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: سَمِعْتُ حَفْصَ بْنَ عَاصِمٍ قَالَ: سَمِعْتُ رَجُلًا مِّنَ الْأَزْدِ يُقَالُ لَهُ: مَالِكٌ ابْنُ بُحَيْنَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ رَأَى رَجُلًا وَّقَدْ أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَاثَ بِهِ النَّاسُ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «آلصُّبْحَ أَرْبَعًا؟

[663] حضرت عبداللہ بن مالک ابن بحینہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ ایک شخص کے پاس سے گزرے۔ حفص بن عاصم (راویٔ حدیث) کہتے ہیں: میں نے ازد قبیلے کے ایک آدمی سے سنا، اسے مالک ابن بحینہ کہا جاتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دو رکعت نماز پڑھتے دیکھا جبکہ نماز کے لیے اقامت ہو چکی تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے اس آدمی کو گھیر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص سے فرمایا: ''کیا صبح کی چار رکعت ہیں؟ کیا صبح کی چار رکعت ہیں؟''

1. سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 557.

اَلصُّبْحَ أَرْبَعًا؟».

تَابَعَهُ غُنْدَرٌ وَّمُعَاذٌ عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ مَالِكٍ، وَقَالَ ابْنُ إِسْحَاقَ: عَنْ سَعْدٍ، عَنْ حَفْصٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ بُحَيْنَةَ، وَقَالَ حَمَّادٌ: أَخْبَرَنَا سَعْدٌ عَنْ حَفْصٍ، عَنْ مَالِكٍ.

غندر اور معاذ نے بہز بن اسد کی متابعت کی ہے، وہ شعبہ سے بیان کرتے ہیں اور شعبہ مالک سے روایت کرتے ہیں۔ ابن اسحاق نے اس کی سند بیان کرتے ہوئے کہا: عن سعد عن حفص عن عبداللہ ابن بحینہ۔ حماد نے اس کی سند اس طرح بیان کی: ہمیں سعد نے خبر دی، اس نے حفص سے بیان کیا، وہ مالک سے روایت کرتے ہیں۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ کا اس عنوان سے مقصود نماز باجماعت کی اہمیت کو بیان کرنا ہے کہ فرض جماعت کی موجودگی میں کوئی دوسری نماز نہیں ہوتی۔ اس کے لیے انھوں نے جو عنوان منتخب فرمایا ہے وہ دراصل ایک حدیث کے الفاظ ہیں جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔[1] ان کے علاوہ دیگر اصحاب السنن نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ چونکہ اس حدیث کے مرفوع یا موقوف ہونے کے متعلق معمولی سا اختلاف تھا جس کی طرف امام مسلم نے اشارہ کیا ہے،[2] اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو متن میں بیان نہیں کیا بلکہ حسب عادت اسے عنوان کے لیے منتخب کیا ہے۔ اس حدیث کا مضمون صحیح تھا، اس لیے دیگر احادیث سے اس کی تائید فرمائی ہے۔ ② اس عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تکبیر ہو جائے تو ہر قسم کی نماز منع ہے، خواہ سنت ہوں یا نوافل اور راتبہ ہوں یا غیر راتبہ، البتہ الفاظ کے اعتبار سے ہر قسم کے فرائض اس سے خارج ہیں۔ بعض اہل علم نے نماز فجر کی تکبیر کے بعد چند شرائط کے ساتھ فجر کی دو سنت ادا کرنے کی گنجائش پیدا کی ہے، چنانچہ متداول درسی بخاری کے حاشیے پر بیہقی کے حوالے سے یہ حدیث بیان کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب نماز کی تکبیر ہو جائے تو فرض نماز کے علاوہ دوسری کوئی نماز نہیں ہوتی، ہاں فجر کی دو سنتیں پڑھی جا سکتی ہیں۔''[3] بلاشبہ یہ حدیث بیہقی: (483/2) میں موجود ہے لیکن امام بیہقی نے خود اس روایت کو بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ مذکورہ اضافہ بالکل بے اصل اور بے بنیاد ہے، نیز اس کی سند میں حجاج بن نصر اور عباد بن کثیر دو راوی ضعیف ہیں۔ اس کے برعکس امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت بایں الفاظ بیان کی ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب نماز فجر کی تکبیر ہو جائے تو دوسری کوئی نماز نہیں ہوتی۔'' عرض کیا گیا: اللہ کے رسول! ایسے حالات میں فجر کی دو سنتیں پڑھنا بھی درست نہیں؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں، تکبیر کے بعد فجر کی دو سنتیں پڑھنا بھی جائز نہیں۔''[4] اس کی سند میں اگرچہ مسلم بن خالد نامی راوی متکلم فیہ ہے لیکن امام ابن حبان نے اسے ثقہ کہا ہے اور اپنی صحیح میں اسے قابل حجت قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس روایت کو ابن عدی نے حسن سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔[5] حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس شخص کو پیٹتے تھے جو نماز کی تکبیر ہو جانے کے بعد کسی دوسری نماز میں مشغول ہوتا، نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ایسے شخص کو کنکریاں مارتے تھے۔[6]

---

1 صحیح مسلم، الصلاۃ، حدیث: 1644(710). 2 صحیح مسلم، الصلاۃ، حدیث: 1648(710). 3 حاشیہ بخاري: 91/1، طبع هند. 4 السنن الکبریٰ للبيهقي: 483/2. 5 فتح الباري: 194/2. 6 السنن الکبریٰ للبيهقي: 483/2.

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تکبیر ہو جانے کے بعد فجر کی سنتیں ادا کرنا اور فرض نماز میں شمولیت نہ کرنا صحیح نہیں۔ ③ ایک تاریخی دستاویز: مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر استاذ الاساتذہ سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کا وہ مکتوب نقل کر دیا جائے جو انھوں نے صحیح بخاری کے حاشیہ نگار مولانا احمد علی سہارنپوری کے نام رقم فرمایا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عاجز وناتواں سید محمد نذیر حسین کی طرف سے مولانا احمد علی سہارنپوری کے نام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ!

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ دین خیر خواہی کا نام ہے، سو امر نبوی کا اتباع کرتے ہوئے جناب کی خیر خواہی مطلوب ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ انسان کے گناہ گار ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات کو (بلا تحقیق) آگے نقل کر دے۔ اس حدیث نبوی کے پیش نظر میں آپ کو آگاہ کرتا ہوں کہ آپ نے بخاری شریف کی ایک حدیث، کہ جب نماز کی تکبیر ہو جائے تو فرض نماز کے علاوہ دوسری کوئی نماز نہیں ہوتی، کے حاشیے میں بیہقی کے حوالے سے اپنے استاد محترم مولانا محمد اسحاق کا قول نقل کیا ہے جس سے نماز فجر کی جماعت کھڑے ہونے کے باوجود سنت فجر پڑھنے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ آپ کی اس بات کو قابل اعتنا سمجھتے ہوئے بہت سے طلبہ بلکہ بعض اکابر اہل علم کا یہ عمل ہے کہ ایک طرف فجر کی جماعت کھڑی ہوتی ہے اور دوسری طرف وہ فجر کی سنتیں پڑھتے رہتے ہیں اور وہ نماز فجر کے فوت ہونے کی کوئی پروا نہیں کرتے، حالانکہ پیش کردہ روایت کے آخر میں استثنائی جملے کا اضافہ جو آپ کی دلیل ہے وہ بے بنیاد ہے اور محققین ثقات نے اسے ناقابل اعتبار قرار دیا ہے، خاص طور پر خود امام بیہقی نے اس کی تردید فرمائی ہے۔ ان کے نزدیک حدیث صحیح کے آخر میں مذکورہ اضافہ عباد بن کثیر اور حجاج بن نصر کی طرف سے وضع کردہ ہے۔

فاضل مکرم! میرا گمان ہے کہ آپ نے اپنے استاذ مکرم سے امام بیہقی کا نقل کردہ کلام پوری طرح سماعت نہیں فرمایا کیونکہ امام بیہقی خود فرماتے ہیں کہ یہ اضافہ بالکل بے اصل ہے یا پھر مولانا محمد اسحاق کی طرف سے ضعف مزاج کی وجہ سے نقل کرنے میں تسامح ہوا ہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ثقات محققین نے ان الفاظ کے اضافے کو باطل قرار دیا ہے جیسا کہ شیخ سلام اللہ شرح موطأ میں لکھتے ہیں:

"مسلم بن خالد نے عمرو بن دینار سے نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ حدیث بیان کی تو آپ سے عرض کیا گیا کہ فجر کی سنت پڑھنی بھی درست نہیں؟ تو آپ نے فرمایا: "ہاں، جب فرض نماز کی تکبیر ہو جائے تو کوئی نماز حتی کہ فجر کی دو سنت پڑھنا بھی جائز نہیں۔" اس روایت کو ابن عدی نے حسن سند سے بیان کیا ہے۔ ایک روایت میں فجر کی دو سنت ادا کرنے کا استثنا ہے۔ امام بیہقی نے اس کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ اضافہ بے بنیاد ہے۔ شیخ نور الدین نے بھی اس اضافہ کو وضع کردہ قرار دیا ہے اور دوسری کتب موضوعات میں بھی اس کی صراحت موجود ہے۔"

ایسے حالات میں حفاظت دین کے پیش نظر آپ کے لیے ضروری ہے کہ ثقات محققین کی کتب سے اس اضافے کی صحت کو ثابت کریں یا پھر اپنے موقف سے رجوع کر کے اپنے طلبہ کو مطلع کریں کہ یہ اضافہ مردود اور ناقابل عمل ہے، نیز اس کے مسنون ہونے کا عقیدہ باطل ہے۔ میں امید رکھتا ہوں کہ آپ جواب باصواب سے ضرور مطلع فرمائیں گے تاکہ غفلت شعار لوگوں کی تنبیہ اور جہالت پیشہ لوگوں کے لیے بیداری کا باعث ہو۔

والسلام مع الاحترام

④ ہماری معلومات کے مطابق مولانا سید محمد نزیر حسین محدث دہلوی نے یہ خط 1293 میں مولانا احمد علی سہارنپوری کو لکھا اور انھوں نے اسے وصول کر کے اپنے ایک دوست مولانا عالم علی مرادآبادی کو ارسال کیا تاکہ وہ اس کا جواب لکھیں۔ مولانا شمس الحق عظیم آبادی فرماتے ہیں کہ میں بھی ان دنوں کسی ضروری کام کے لیے مولانا بشیر الدین قنوجی کے ہاں ٹھہرا تھا، ہمیں مصدقہ ذرائع سے پتہ چلا کہ مولانا مرادآبادی کو وہ مکتوب مل چکا ہے لیکن انھوں نے بھی مولانا سہارنپوری کی طرح خاموشی اختیار کی۔ یہ بات انتہائی قابل افسوس ہے کہ مولانا سہارنپوری نے حق واضح ہونے کے باوجود صحیح بخاری کے حاشیہ میں اس غلط بیانی کی اصلاح کی طرف کوئی توجہ نہ دی بلکہ اسے جوں کا توں برقرار رکھا۔ إنا لله و إنا إليه راجعون. قارئین کرام وہ اصل مکتوب ملاحظہ فرمائیں:

"من العاجز النحيف السيّد محمد نذير حسين الى المولوى احمد على سلمه الله القوى السلام عليكم ورحمة الله وبركاته و بعد فاتباعا بحديث خيرالانام عليه افضل التحية والسلام الدين النصيحة وابتغاء تاس باحسن القول كفى بالمرء اثما ان يحدث بكل ماسمع اظهر فى خدمتكم الشريفة ان ما وقع من ذلك المكرم فى الحاشية على صحيح البخاري تحت حديث اذا اقيمت الصلاة فلا صلاة الا المكتوبة سمعت استاذى مولانا محمد اسحاق رحمه الله تعالى يقول ورد في رواية البيهقى اذا اقيمت الصلاة فلا صلاة الا المكتوبة الا ركعتى الفجر انتهى جعله اكثر طلبة العلم بل بعض اكابر زماننا الذين يعتمدون على قولكم عروة انفسهم يصلون السنة ولا يبالون فوت الجماعة وهذه الزيادة الاستثناء الاخير الا ركعتى الفجر لااصل لهابل مردودة و مطرودة عندالمحققين ولاسيما عندالبيهقى الامين و افة الوضع على هذا الحديث الصحيح انما طرء من عباد بن كثير وحجاج بن نصر بالحاق هذه الزيادة الاستثناء الاخير وظنى انكم ايها الممجد ماسمعتم نقل كلام استاذى العلامة البحر الفهامة المشتهر فى الأفاق مولانا محمد اسحاق رحمه الله تعالى خير رحمة فى يوم التلاق من البيهقى بالتمام والكمال فان البيهقى قال لا اصل بها اوتسامح من المولانا المرحوم لضعف مزاجه فى نقلها والا فلا كلام عندالثقاة المحققين فى بطلان الا ركعتى الفجر كما هو مكتوب اليكم و معارضه معروض عليكم قال الشيخ سلام الله فى المحلى شرح الموطا زاد مسلم بن خالد عن عمرو بن دينار فى قوله صلى الله عليه وسلم اذا اقيمت الصلاة فلا صلاة الا المكتوبة

قيل يا رسول الله ولا ركعتي الفجر قال ولا ركعتي الفجر اخرجه ابن عدي و سنده حسن واما زيادة الا ركعتي الصبح في الحديث فقال البيهقي هذه الزيادة لا اصل لها انتهى مختصرا وقال التوربشتي و زاد احمد بلفظ فلا صلوة الا التي اقيمت وهو اصح و زاد ابن عدي بسند حسن قيل يا رسول الله ولا ركعتي الفجر قال ولا ركعتي الفجر وقال الشوكاني و حديث اذا اقيمت الصلاة فلا صلاة الا المكتوبة الا ركعتي الصبح قال البيهقي هذه الزيادة لا اصل لها وقال الشيخ نور الدين في موضوعاته حديث اذا اقيمت الصلاة فلا صلاة الا المكتوبة الا ركعتي الفجر روى البيهقي عن ابي هريرة وقال هذه الزيادة لا اصل لها و هكذا في كتب الموضوعات الاخرى فعليكم والحالة هذه صيانة الدين اما ان تصححوا الجملة الاخيرة من كتب الثقات المحققين او ترجعوا و تعتقدوا على انكم ان هذه الزيادة مردودة لا يليق العمل بها ولا يعتقد سنيتها وها انا نرجو الجواب بالصواب فانه به العمل و يوقظ الجهلة والسلام مع الاكرام."

مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی کا یہ مکتوب گرامی ہم نے مولانا شمس الحق عظیم آبادی کی تالیف اعلام اهل العصر في احكام ركعتي الفجر، ص: 36 سے لیا ہے جو مطبع انصاری دہلی سے 1308 کو شائع ہوئی۔ واللہ المستعان

⑤ مقصد یہ کہ نماز فجر کی تکبیر کے بعد جماعت کو نظر انداز کر کے فجر کی سنتوں میں مشغول ہونا جائز نہیں کیونکہ ایسا کرنا طریقۂ نبوی کے خلاف ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اختلاف و تنازع کے وقت فیصلہ کن اتھارٹی حضرت رسول اللہ (ﷺ) کو حاصل ہے۔ جس نے اسے لازم پکڑا وہ کامیاب ہو گیا۔ حدیث کے مطابق تکبیر کے بعد نوافل (جس میں فجر کی سنتیں بھی داخل ہیں) چھوڑ کر جماعت میں شامل ہونا اور انھیں فرض نماز کے بعد ادا کرنا ہی اتباع سنت کا عین تقاضا ہے، نیز اقامت کے وقت حي على الصلاة کہا جاتا ہے اس سے معنوی طور پر اسی امر کی تائید ہوتی ہے کیونکہ ان الفاظ کے معنی ہیں کہ تم اس نماز کی طرف آؤ جس کی اقامت کہی جا رہی ہے۔ اس بنا پر خوش نصیب ہیں وہ حضرات جو اس پر فوراً عمل پیرا ہوں اور اس کے علاوہ کسی بھی دوسرے کام میں مشغول نہ ہوں۔[1] ⑥ ہمارے ہاں عام طور پر جب فجر کی نماز کھڑی ہو جاتی ہے تو کچھ لوگ جلدی جلدی مسجد کے کسی کونے میں فجر کی دو سنتیں پڑھ کر جماعت میں شامل ہوتے ہیں۔ ایسا کرنا حدیث کے خلاف ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک شخص آیا، اس نے مسجد کے ایک کونے میں دو رکعت پڑھیں، پھر جماعت میں شامل ہوا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے سلام پھیرا تو فرمایا: "تو نے فرض نماز کس کو شمار کیا ہے؟ جو اکیلے پڑھی اسے یا جو ہمارے ساتھ جماعت سے پڑھی؟"[2] اس سے معلوم ہوا کہ فرض نماز کی جماعت کے وقت سنتوں کا پڑھنا درست نہیں۔ اگر کوئی شخص مسجد میں ایسے وقت پہنچے کہ فجر کی نماز کھڑی ہو چکی ہو اور اس نے ابھی تک سنتیں نہ پڑھی ہوں تو اسے چاہیے کہ وہ جماعت میں شامل ہو جائے اور فرض پڑھ کر سنتیں پڑھ لے، چنانچہ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت قیس بن فہد رضی اللہ عنہ نے صبح کے فرض پڑھنے کے بعد دو رکعت (سنت) پڑھیں تو رسول اللہ ﷺ نے حقیقت حال معلوم ہو جانے کے بعد انھیں کچھ نہ کہا بلکہ سکوت فرمایا۔[3] اس حدیث کو ابن حبان،

---

1 فتح الباري: 196/2. 2 صحیح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 1651(712). 3 صحیح ابن خزيمة، حديث: 1116.

ابن خزیمہ، امام حاکم اور حافظ ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ فجر کی دو سنتیں اگر رہ جائیں تو انھیں طلوع آفتاب کے بعد بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ اس کے لیے مسجد میں بیٹھ کر طلوع آفتاب کا انتظار کرنا ضروری نہیں جیسا کہ حدیث میں ہے: "جو شخص فجر کی دو سنتیں نہ پڑھ سکے تو اسے چاہیے کہ وہ طلوع آفتاب کے بعد پڑھے۔"[1] اگرچہ اس روایت کو بعض اہل علم نے قتادہ راوی کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے لیکن علامہ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔[2] ﴿ امام بخاری رحمہ اللہ نے ابراہیم بن سعد اور شعبہ کی دو الگ الگ روایات کو ایک ہی سیاق میں بیان کیا ہے۔ گویا ان دونوں روایات میں مضمون کے اعتبار سے یکسانیت ہے، حالانکہ ان دونوں روایات میں باعتبار فرق ہے: ابراہیم بن سعد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو نماز صبح کے لیے تکبیر ہو جانے کے بعد نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ نے اس سے دوران نماز ہی میں کچھ گفتگو کی جسے دوسرے ساتھی نہ سمجھ سکے جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔ اور شعبہ سے مروی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے نماز سے فراغت کے بعد کچھ کہا جیسا کہ صحیح بخاری کی مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے دوران نماز میں آہستہ کچھ کہا ہو جسے ساتھی نہ سمجھ سکے ہوں پھر نماز سے فراغت کے بعد اس سے برسرعام گفتگو کی ہو جسے ساتھیوں نے سنا۔ اس سے بار بار گفتگو کرنے سے مقصود اسے تنبیہ کرنا تھا تاکہ وہ آئندہ تکبیر ہو جانے کے بعد دوسری نماز میں مصروف نہ ہو۔[3] ﴿ مذکورہ روایت میں حضرت شعبہ کو دو مقام پر وہم ہوا ہے: ٭ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بحینہ کے بیٹے کا نام مالک ہے، حالانکہ یہ اس کا خاوند ہے جو مسلمان نہیں ہوا اور اس کے بیٹے کا نام عبداللہ ہے۔ ٭ اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ شاید رسول اللہ ﷺ سے اس حدیث کو بیان کرنے والا مالک ہے، حالانکہ اس کا راوی مالک نہیں بلکہ اس کا بیٹا عبداللہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب عبداللہ کی نسبت ماں کی طرف کی جاتی ہے تو نحوی قاعدے کے مطابق ابن سے پہلے الف لکھا جاتا ہے، یعنی عبداللہ بن مالک ابن بحینہ جیسا کہ عبداللہ بن ابی ابن سلول اور محمد بن علی ابن الحنفیۃ میں الف لکھا جاتا ہے۔[4]

(٣٩) بَابُ حَدِّ الْمَرِيضِ أَنْ يَشْهَدَ الْجَمَاعَةَ

باب: 39- مریض کو کس حد تک (کی بیماری میں) جماعت کے لیے آنا چاہیے

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ کا اس عنوان سے مقصود بیماری کی اس حد کو بیان کرنا ہے جس کے پیش نظر مریض کو نماز باجماعت میں شریک ہونا چاہیے۔ اگر بیماری اس حد سے تجاوز کر جائے تو اس کا جماعت میں شریک ہونا ضروری نہیں۔ لیکن یہ بات طے شدہ ہے کہ مرض اور مریض کے حالات مختلف ہوتے ہیں، لہٰذا اس سلسلے میں کوئی ضابطہ بنانا مشکل ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ کئی روز تک صاحب فراش رہے اور آپ اس دوران میں بہت سی نمازوں میں شریک نہیں ہوئے۔

٦٦٤ – حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ قَالَ: حَدَّثَنِي

[664] حضرت اسود رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عائشہ

---

[1] جامع الترمذي، الصلاة، حديث: 423. [2] سلسلة الأحاديث الصحيحة، حديث: 2361. [3] فتح الباري: 194/2.

[4] فتح الباري: 195/2.

أَبِي قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ: قَالَ الْأَسْوَدُ: كُنَّا عِنْدَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا فَذَكَرْنَا الْمُوَاظَبَةَ عَلَى الصَّلَاةِ وَالتَّعْظِيمَ لَهَا، قَالَتْ: لَمَّا مَرِضَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَرَضَهُ الَّذِي مَاتَ فِيهِ فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَأُذِّنَ، فَقَالَ: «مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ»، فَقِيلَ لَهُ: إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ أَسِيفٌ إِذَا قَامَ [فِي] مَقَامِكَ لَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ، وَأَعَادَ فَأَعَادُوا لَهُ، فَأَعَادَ الثَّالِثَةَ فَقَالَ: «إِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ، مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ»، فَخَرَجَ أَبُو بَكْرٍ يُصَلِّي فَوَجَدَ النَّبِيُّ ﷺ مِنْ نَفْسِهِ خِفَّةً فَخَرَجَ يُهَادَى بَيْنَ رَجُلَيْنِ، كَأَنِّي أَنْظُرُ رِجْلَيْهِ يَخُطَّانِ الْأَرْضَ مِنَ الْوَجَعِ، فَأَرَادَ أَبُو بَكْرٍ أَنْ يَتَأَخَّرَ، فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ مَكَانَكَ، ثُمَّ أُتِيَ بِهِ حَتَّى جَلَسَ إِلَى جَنْبِهِ.

؈ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اس دوران میں ہم نے نماز کی پابندی اور اس کی عظمت کا ذکر کیا تو حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ مرض وفات میں مبتلا ہوئے اور نماز کے لیے اذان ہوئی تو آپ نے فرمایا: ''ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔'' اس وقت آپ سے عرض کیا گیا: ابوبکر بڑے نرم دل انسان ہیں۔ جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو (شدت غم سے) لوگوں کو نماز نہیں پڑھا سکیں گے۔ آپ نے دوبارہ وہی حکم دیا تو پھر وہی عرض کیا گیا۔ آپ نے تیسری مرتبہ پھر وہی کہا اور فرمایا: ''تم حضرت یوسف ؑ کے ساتھ والی عورتوں کی طرح ہو۔ ابوبکر کو کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔'' چنانچہ حضرت ابوبکر ؓ نماز پڑھانے کے لیے تشریف لے گئے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیماری میں کچھ کمی محسوس کی تو آپ دو آدمیوں کے درمیان سہارا لے کر نکلے، گویا میں اب بھی آپ کے دونوں پاؤں دیکھ رہی ہوں کہ وہ کمزوری کی وجہ سے زمین پر گھسٹتے جا رہے تھے۔ حضرت ابوبکر ؓ نے آپ کو دیکھ کر پیچھے ہٹنا چاہا تو نبی ﷺ نے انھیں اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ پر رہو۔ پھر آپ کو لایا گیا تا آنکہ آپ ابوبکر ؓ کے پہلو میں بیٹھ گئے۔

فَقِيلَ لِلْأَعْمَشِ: وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي وَأَبُو بَكْرٍ يُصَلِّي بِصَلَاتِهِ وَالنَّاسُ يُصَلُّونَ بِصَلَاةِ أَبِي بَكْرٍ، فَقَالَ بِرَأْسِهِ: نَعَمْ. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ عَنْ شُعْبَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ بَعْضَهُ وَزَادَ أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ: جَلَسَ عَنْ يَسَارِ أَبِي بَكْرٍ فَكَانَ أَبُو بَكْرٍ يُصَلِّي قَائِمًا. [راجع: ١٩٨]

حضرت اعمش سے دریافت کیا گیا: آیا نبی ﷺ نماز پڑھا رہے تھے اور حضرت ابوبکر ؓ آپ کی اقتدا کر رہے تھے اور لوگ حضرت ابوبکر ؓ کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے تھے؟ تو حضرت اعمش نے سر کے اشارے سے ہاں میں جواب دیا۔ ابو داود (طیالسی) نے اس حدیث کا کچھ حصہ شعبہ سے روایت کیا ہے۔ اور ابو معاویہ نے حضرت اعمش سے جو روایت بیان کی ہے اس میں مندرجہ ذیل الفاظ کا اضافہ ہے: رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر ؓ کی بائیں جانب بیٹھ گئے جبکہ ابوبکر ؓ نے کھڑے ہو کر نماز ادا کی۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں بیماری کی اس حد کو بیان کیا گیا ہے جس کی موجودگی میں نمازی کو جماعت میں شریک ہونا چاہیے۔ اگر مرض اس سے بڑھ جائے تو گھر میں نماز ادا کرنے کی اجازت ہے، چنانچہ اگر بیماری اس قدر بڑھ جائے کہ بغیر سہارے کے چلنا دشوار ہو تو گھر میں نماز پڑھ لینی چاہیے، ہاں اگر سہارا موجود ہو تو جماعت میں حاضر ہو جانا چاہیے لیکن اس سے پہلے ایک حدیث میں ہے: ''اگر انھیں معلوم ہو جائے کہ ان نمازوں میں کس قدر اجر و ثواب ہے تو ان میں ضرور حاضر ہوں، خواہ انھیں گھٹنوں کے بل چل کر آنا پڑے۔''[1] اس فرمان نبوی کے پیش نظر اسے مبالغے پر محمول کیا جائے گا، یا پھر ایسی صورت ہو کہ جب سہارا بھی موجود نہ ہو اور انسان خود بھی نہ چل سکتا ہو تو ایسے حالات میں گھر پر نماز پڑھنے کی رخصت ہے، تاہم جماعت میں حاضری عزیمت ضرور ہے۔[2] ② رسول اللہ ﷺ کا اپنی ازواج مطہرات کو حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ والی عورتیں قرار دینے سے مراد یہ تھا کہ جس طرح انھوں نے خلاف باطن کا اظہار کیا اسی طرح تمھارے دل میں بات کچھ اور ہے اور ظاہر کچھ اور کر رہی ہو۔ دراصل یوسف علیہ السلام کے ساتھ والی عورتوں سے مراد عزیز مصر کی بیوی ہے۔ اسی طرح آپ نے اگرچہ جمع کا صیغہ استعمال کر کے سب ازواج کو مخاطب کیا لیکن مراد صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ اس مشابہت کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ عزیز مصر کی بیوی نے خواتین مصر کی دعوت کا اہتمام کیا، بظاہر وہ ان کی مہمان نوازی کر رہی تھی لیکن مقصود یہ تھا کہ وہ بھی ذرا حسن یوسف کا نظارہ کر لیں تاکہ مجھے ایک زر خرید غلام سے محبت کرنے میں معذور خیال کریں، اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بظاہر یہ کہہ رہی تھیں کہ ان کے والد رقت قلبی کی وجہ سے جماعت نہیں کروا سکیں گے، لہٰذا یہ ذمے داری کسی اور کے سپرد کی جائے لیکن ان کا مقصود یہ تھا کہ ایسے حالات میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مصلائے نبوت پر کھڑے ہونے سے لوگ بدشگونی لیں گے، اس لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق عذر خواہی کر رہی تھیں جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خود ایک حدیث میں اس کی وضاحت فرمائی ہے۔[3]

٦٦٥ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى قَالَ: أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ: لَمَّا ثَقُلَ النَّبِيُّ ﷺ وَاشْتَدَّ وَجَعُهُ اسْتَأْذَنَ أَزْوَاجَهُ أَنْ يُمَرَّضَ فِي بَيْتِي فَأَذِنَّ لَهُ، فَخَرَجَ بَيْنَ رَجُلَيْنِ تَخُطُّ رِجْلَاهُ الْأَرْضَ، وَكَانَ بَيْنَ الْعَبَّاسِ وَرَجُلٍ آخَرَ.

[665] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: جب نبی ﷺ بیمار ہوئے اور آپ کی بیماری شدت اختیار کر گئی تو آپ نے اپنی بیویوں سے اجازت چاہی کہ میرے گھر آپ کی تیمارداری کی جائے۔ تمام بیویوں نے اجازت دے دی، چنانچہ آپ دو آدمیوں کا سہارا لے کر نکلے جبکہ آپ کے پاؤں زمین پر گھسٹ رہے تھے۔ آپ اس وقت حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ایک دوسرے آدمی کے درمیان تھے۔

قَالَ عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ: فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِابْنِ عَبَّاسٍ مَا قَالَتْ عَائِشَةُ. فَقَالَ لِي: وَهَلْ تَدْرِي مَنِ الرَّجُلُ الَّذِي لَمْ تُسَمِّ عَائِشَةُ؟

(راوی حدیث) حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ کہتے ہیں: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس بات کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا: کیا تمھیں معلوم ہے کہ

1 صحيح البخاري، الأذان، حديث: 657. 2 فتح الباري: 198/2. 3 صحيح البخاري، المغازي: 4445.

قُلْتُ: لَا، قَالَ: هُوَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ. [راجع: ١٩٨]

دوسرا آدمی کون تھا جس کا حضرت عائشہ ؓ نے نام نہیں لیا؟ میں نے کہا: نہیں، کہنے لگے: علی بن ابی طالب ؓ تھے۔

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت بریرہ اور حضرت نوبہ ؓ کا سہارا لے کر نکلے۔ امام نووی ؒ نے تطبیق اس طرح بیان کی ہے کہ آپ گھر سے مسجد تک ان دو صحابیات کے درمیان آئے ہوں گے اور اس کے بعد مصلی تک حضرت عباس اور حضرت علی ؓ کے درمیان ہوں گے۔ اسی طرح کچھ روایات میں حضرت فضل بن عباس اور حضرت اسامہ بن زید ؓ کے نام بھی ذکر ہوئے ہیں۔ امام نووی ؒ فرماتے ہیں کہ اسے تعدد واقعات پر محمول کیا جائے گا۔[1] واضح رہے کہ حضرت علی، حضرت فضل بن عباس اور حضرت اسامہ ؓ کو باری باری رسول اللہ ﷺ کو سہارا دینے کا اعزاز حاصل ہوتا رہا جبکہ حضرت عباس ؓ عمر میں بڑے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے چچا ہونے کا اعزاز بھی رکھتے تھے، اس لیے انھیں متعدد بار آپ کا دست مبارک پکڑنے کا موقع ملا۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ ؓ نے ان کا نام تو صراحت سے لیا اور دیگر سہارا دینے والوں کا نام مبہم رکھا کیونکہ دوسرا آدمی ہر مرتبہ بدلتا رہتا تھا۔[2] ② اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ رونے سے نماز نہیں ٹوٹتی، خواہ بکثرت ہی کیوں نہ ہو کیونکہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر ؓ کی رقت قلبی اور کثرت گریہ سے واقف تھے اس کے باوجود آپ نے انھیں منصب امامت سے سرفراز فرمایا اور رونے سے منع بھی نہیں فرمایا۔[3] ③ اس حدیث میں سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کے خلیفۂ بلا فصل ہونے کی واضح دلیل ہے کیونکہ نماز کے لیے امامت جو کہ امامت صغریٰ ہے، امامت کبریٰ، یعنی خلافت کے اہم وظائف میں سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض الموت میں حضرت ابوبکر ؓ کو یہ منصب عطا کر کے منصب خلافت کی تفویض کا واضح اشارہ دیا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی بادشاہ بوقت وفات اپنی اولاد میں سے کسی ایک کو تخت پر بٹھا دے۔ باقی رہا یہ اعتراض کہ اگر امامت صغریٰ میں امامت کبریٰ کی طرف واضح اشارہ تھا تو خلافت کے متعلق صحابۂ کرام ؓ میں اختلاف کیوں ہوا؟ اس اعتراض کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے غم میں صحابۂ کرام ؓ اس قدر پریشان تھے کہ اس وقت بڑے بڑے معاملات ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئے اور ایسا ہونا ایک فطری امر تھا۔[4]

(٤٠) بَابُ الرُّخْصَةِ فِي الْمَطَرِ وَالْعِلَّةِ أَنْ يُّصَلِّيَ فِي رَحْلِهِ

باب: 40- بارش یا کسی اور عذر کی وجہ سے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت

٦٦٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَّافِعٍ: أَنَّ ابْنَ عُمَرَ أَذَّنَ بِالصَّلَاةِ فِي لَيْلَةٍ ذَاتِ بَرْدٍ وَّرِيحٍ، ثُمَّ قَالَ: أَلَا صَلُّوا فِي الرِّحَالِ. ثُمَّ قَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَأْمُرُ

[666] حضرت نافع ؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک سرد اور تیز آندھی کی رات کو حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے اذان دی، پھر کہا: لوگو! اپنے اپنے گھر میں نماز پڑھ لو۔ اس کے بعد فرمایا: جب کبھی شب باد و باراں کا سامنا ہوتا تو رسول اللہ

① فتح الباري: 201/2. 2 عمدة القاري: 268/1. 3 فتح الباري: 203/2. 4 حاشية السندي: 122/1.

الْمُؤَذِّنَ إِذَا كَانَتْ لَيْلَةٌ ذَاتُ بَرْدٍ وَّمَطَرٍ يَقُولُ: «أَلَا صَلُّوا فِي الرِّحَالِ». [راجع: ٦٣٢]

ﷺ موذن کو حکم دیتے کہ وہ [أَلَا صَلُّوا فِي الرِّحَالِ] کہہ دے، یعنی اپنے گھروں میں نماز پڑھ لینے کا اعلان کر دے۔

فوائد و مسائل: ① اس سے پہلے حدیث: 616 میں گزرا ہے کہ [أَلَا صَلُّوا فِي الرِّحَال] کے الفاظ اذان کے دوران میں کہے گئے جبکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اذان مکمل کہنے کے بعد یہ الفاظ ادا کیے۔ ان دونوں روایات سے پتہ چلتا ہے کہ [أَلَا صَلُّوا في الرِّحال] کے الفاظ کہنے میں توسع ہے، یعنی دوران اذان میں بھی کہے جا سکتے ہیں اور اذان مکمل ہونے کے بعد بھی یہ الفاظ کہنے کی گنجائش ہے۔[1] علامہ عینی نے ابن حبان کے حوالے سے لکھا ہے کہ مختلف احادیث کے پیش نظر دس عذر ایسے ہیں جو نماز باجماعت میں شرکت کرنے سے رکاوٹ بن سکتے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: ✿ شدید بیماری ✿ کھانے کا سامنے آ جانا، جب بھوک لگی ہو ✿ سہو و نسیان ✿ غیر معمولی فربہی، یعنی موٹاپا ✿ تقاضائے بول و براز ✿ راستہ میں مال و جان کا خطرہ ✿ سخت سردی ✿ تکلیف دہ بارش ✿ زیادہ تاریکی جس میں آنا جانا دشوار ہو ✿ لہسن، پیاز، اور مولی وغیرہ کا استعمال جس سے ناگوار بو آتی ہو۔[2]

٦٦٧ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: عَنْ مَحْمُودِ بْنِ الرَّبِيعِ الْأَنْصَارِيِّ: أَنَّ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ كَانَ يَؤُمُّ قَوْمَهُ وَهُوَ أَعْمٰى، وَأَنَّهُ قَالَ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ: يَارَسُولَ اللهِ! إِنَّهَا تَكُونُ الظُّلْمَةُ وَالسَّيْلُ وَأَنَا رَجُلٌ ضَرِيرُ الْبَصَرِ، فَصَلِّ يَارَسُولَ اللهِ فِي بَيْتِي مَكَانًا أَتَّخِذُهُ مُصَلًّى، فَجَاءَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ؟» فَأَشَارَ إِلَى مَكَانٍ مِّنَ الْبَيْتِ فَصَلَّى فِيهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ. [راجع: ٤٢٤]

[667] حضرت محمود بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ نابینا تھے اور اپنی قوم کے امام تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ اندھیری اور سیاہ راتیں ہوتی ہیں اور میں نابینا شخص ہوں (مسجد میں حاضر نہیں ہو سکتا)، لہٰذا آپ میرے گھر میں کسی مقام پر نماز پڑھ لیں تاکہ میں اس جگہ اپنا ''مصلیٰ'' بنا لوں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ ان کے ہاں تشریف لے گئے اور فرمایا: ''تم میری نماز کے لیے کس جگہ کا انتخاب کرتے ہو؟'' انھوں نے اپنے گھر میں ایک جگہ کی طرف اشارہ کر دیا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے وہاں نماز ادا فرمائی۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سیلاب، اندھیرا اور نابینا ہونا ہر ایک ترک جماعت کے لیے مستقل عذر ہے کیونکہ ان میں علت مشقت موجود ہے۔ عذر خواہ کوئی بھی ہو اگر اس میں مشقت موجود ہے تو وہ عذر قابل التفات ہے بصورت دیگر نہیں۔ اور اس بات کا فیصلہ خود انسان کا ضمیر کر سکتا ہے کہ موجودہ صورت حال عذر کے لیے قابل قبول ہو سکتی ہے یا محض ایک بہانہ سازی ہے کیونکہ انسانی ضمیر ہی اپنے حالات کا صحیح ادراک رکھنے کی وجہ سے درست فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں ہوتا ہے (بشرطیکہ وہ مردہ نہ ہو چکا ہو)۔[3] ② رسول اللہ ﷺ نے حضرت عتبان رضی اللہ عنہ کو ترک جماعت کی اجازت دے دی لیکن حضرت

---

(1) شرح الكرماني: 53/2. (2) عمدة القاري: 274/4. (3) شرح الكرماني: 54/2.

ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اجازت نہ دی جبکہ وہ بھی نابینا تھے، اس کی چند ایک وجوہات ہوسکتی ہیں، مثلاً: ❁ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عتبان رضی اللہ عنہ کے لیے رخصت کو پسند فرمایا اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے لیے عزیمت کا انتخاب فرمایا۔ ❁ حضرت عتبان رضی اللہ عنہ اذان نہ سنتے ہوں گے جبکہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اذان کی آواز سنتے تھے جیسا کہ حدیث میں اس کی صراحت ہے۔ ❁ ممکن ہے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا عذر حضرت عتبان رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں کم درجے کا ہو، اس لیے انھیں اجازت نہیں دی گئی۔

(٤١) بَابٌ: هَلْ يُصَلِّي الْإِمَامُ بِمَنْ حَضَرَ؟ وَهَلْ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِي الْمَطَرِ؟

باب: 41- کیا امام بارش کے وقت حاضرین کو نماز پڑھائے؟ نیز کیا جمعے کے دن بارش میں بھی خطبے کا اہتمام کرے؟

وضاحت: اس عنوان سے مقصود یہ ہے کہ جب بارش ہو رہی ہو یا کوئی ایسا عذر ہو جس کی وجہ سے جماعت میں حاضر نہ ہونے کی رخصت ہو لیکن کچھ لوگ عزیمت پر عمل کرتے ہوئے مسجد میں آجائیں تو امام کو چاہیے کہ ان کے لیے نماز باجماعت کا اہتمام کرے، اس میں کوئی کراہت نہیں۔ گویا [أَلَا صَلُّوا فِي الرِّحَالِ] کہنے کی بنا پر جو گھروں میں نماز پڑھنے کا حکم ہے، وہ استحباب کے لیے نہیں بلکہ صرف اباحت کے لیے ہے۔[1]

٦٦٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ صَاحِبُ الزِّيَادِيِّ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ الْحَارِثِ قَالَ: خَطَبَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ فِي يَوْمٍ ذِي رَدْغٍ فَأَمَرَ الْمُؤَذِّنَ لَمَّا بَلَغَ: حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ قَالَ: قُلْ: اَلصَّلَاةُ فِي الرِّحَالِ، فَنَظَرَ بَعْضُهُمْ إِلٰى بَعْضٍ كَأَنَّهُمْ أَنْكَرُوا، فَقَالَ: كَأَنَّكُمْ أَنْكَرْتُمْ هٰذَا، إِنَّ هٰذَا فَعَلَهُ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِّنِّي - يَعْنِي النَّبِيَّ ﷺ - إِنَّهَا عَزْمَةٌ وَّإِنِّي كَرِهْتُ أَنْ أُخْرِجَكُمْ.

[668] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے بارش اور کیچڑ کے دن لوگوں کے سامنے خطبہ دیا اور مؤذن کو حکم دیا کہ جب وہ حي علی الصلاۃ پر پہنچے تو اس طرح کہے: ''لوگو! اپنی اپنی قیام گاہوں پر نماز پڑھ لو۔'' یہ سن کر وہاں موجود لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ گویا انھوں نے اسے برا محسوس کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم نے اسے برا خیال کیا ہے؟ حالانکہ یہ کام اس شخصیت نے کیا ہے جو مجھ سے کہیں بہتر تھی، یعنی نبی ﷺ نے۔ چونکہ اذان سے مسجد میں آنا ضروری ہو جاتا ہے، اس لیے میں نے اچھا نہیں سمجھا کہ تمھیں تکلیف میں ڈالوں۔

وَعَنْ حَمَّادٍ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ الْحَارِثِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ نَحْوَهُ غَيْرَ أَنَّهُ

عاصم کی روایت بھی اسی طرح ہے، البتہ اس کے آخری الفاظ اس طرح ہیں کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں

---

1 فتح الباري: 205/2.

قَالَ: كَرِهْتُ أَنْ أُؤَثِّمَكُمْ فَتَجِيئُونَ تَدُوسُونَ الطِّينَ إِلَى رُكَبِكُمْ. [راجع: ٦١٦]

نہیں چاہتا کہ تمھیں گناہ میں مبتلا کروں، تم تنگ دلی کے ساتھ گھٹنوں تک کیچڑ کو روندتے ہوئے مسجد میں آؤ۔

فوائد و مسائل: ① [أَلَا صَلُّوا فِي الرِّحَالِ] میں فعل امر ہے جو عام طور پر وجوب کے لیے ہوتا ہے جس سے شبہ ہوتا ہے کہ بارش کے وقت گھروں میں نماز پڑھنا ضروری ہے، مسجد میں جماعت کا اہتمام نہیں ہونا چاہیے، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان قائم کر کے تنبیہ فرمادی کہ موجودہ امر وجوب کے لیے نہیں بلکہ اگر امام مسجد میں موجود لوگوں کو باجماعت نماز پڑھا دے تو جائز ہے۔ ② واضح رہے کہ مذکورہ عنوان دو حصوں پر مشتمل ہے: ✿ بارش کے وقت امام کا حاضرین کو نماز باجماعت پڑھانا ✿ جمعے کے دن بوقت بارش خطبۂ جمعہ کا اہتمام کرنا۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی پیش کردہ حدیث میں عنوان کے ہر دو اجزاء سے مطابقت موجود ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بارش کے باوجود خطبۂ جمعہ کا اہتمام کیا اور جو لوگ وہاں موجود تھے انھیں نماز باجماعت بھی پڑھائی۔ ③ حدیث کے ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اذان سے پہلے خطبہ دیا، حالانکہ خطبے کا وقت اذان کے بعد ہے پہلے نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس مقام پر فعل سے مراد ارادۂ فعل ہے، یعنی جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خطبہ دینے کا ارادہ کیا تو اس وقت مؤذن کو ہدایت کی کہ اذان میں [أَلَا صَلُّوا فِي الرِّحَالِ] کہہ دے۔[1]

٦٦٩ - **حَدَّثَنَا** مُسْلِمٌ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ فَقَالَ: جَاءَتْ سَحَابَةٌ فَمَطَرَتْ حَتَّى سَالَ السَّقْفُ، وَكَانَ مِنْ جَرِيدِ النَّخْلِ، فَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَسْجُدُ فِي الْمَاءِ وَالطِّينِ، حَتَّى رَأَيْتُ أَثَرَ الطِّينِ فِي جَبْهَتِهِ. [انظر: ٨١٣، ٨٣٦، ٢٠١٦، ٢٠١٨، ٢٠٢٧، ٢٠٣٦، ٢٠٤٠]

[669] حضرت ابوسلمہ رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے (شب قدر کے متعلق) دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: بادل کا ایک ٹکڑا آیا اور خوب برسا، یہاں تک کہ مسجد کی چھت ٹپکنے لگی جو کہ کھجور کی شاخوں سے تیار کی گئی تھی۔ اس کے بعد نماز کے لیے اقامت کہی گئی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو پانی اور مٹی میں سجدہ کرتے ہوئے دیکھا، یہاں تک کہ کیچڑ کا نشان میں نے آپ کی پیشانی پر بھی دیکھا۔

فوائد و مسائل: ① چونکہ بارش کا موسم تھا جیسا کہ حدیث میں اس کی صراحت ہے، اس لیے اغلب گمان ہے کہ تمام نمازی مسجد میں حاضر نہیں ہو سکے ہوں گے، اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے جس قدر لوگ مسجد میں موجود تھے ان کے لیے نماز باجماعت کا اہتمام فرمایا۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے قائم کردہ عنوان کا پہلا حصہ بھی یہی ہے کہ بارش یا دیگر عذروں کی بنا پر اگر تمام لوگ مسجد میں نہ آسکیں تو امام کو چاہیے کہ جو لوگ مسجد میں موجود ہوں، انھی کے لیے نماز باجماعت کا اہتمام کرے۔ واللہ أعلم. ② اس روایت میں انتہائی اختصار ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے متعدد مقامات پر اسے مفصل بیان کیا ہے، چنانچہ وضاحت ہے کہ حضرت ابوسلمہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے شب قدر کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے

---

(1) حاشية السندي: 123/1.

ہمراہ رمضان المبارک میں بحالت اعتکاف تھے۔ آپ نے رمضان کی بیسویں تاریخ کو خطبہ دیا اور فرمایا کہ شب قدر کو رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کیا جائے، چنانچہ میں نے خود کو خواب میں دیکھا کہ میں پانی اور مٹی میں سجدہ کر رہا ہوں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اکیسویں رات رسول اللہ ﷺ کو بہ چشم خود دیکھا کہ آپ کی پیشانی کیچڑ آلود تھی۔ یہ واضح طور پر اشارہ ہے کہ اس رمضان میں شب قدر رمضان کی اکیسویں رات کو تھی۔[1]

٦٧٠ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ سِيرِينَ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا يَقُولُ: قَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ: إِنِّي لَا أَسْتَطِيعُ الصَّلَاةَ مَعَكَ، وَكَانَ رَجُلًا ضَخْمًا، فَصَنَعَ لِلنَّبِيِّ ﷺ طَعَامًا فَدَعَاهُ إِلَى مَنْزِلِهِ فَبَسَطَ لَهُ حَصِيرًا، وَنَضَحَ طَرَفَ الْحَصِيرِ فَصَلَّى عَلَيْهِ رَكْعَتَيْنِ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنْ آلِ الْجَارُودِ لِأَنَسٍ: أَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي الضُّحَى؟ قَالَ: مَا رَأَيْتُهُ صَلَّاهَا إِلَّا يَوْمَئِذٍ. [انظر: ١١٧٩، ٦٠٨٠]

[670] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ایک انصاری شخص نے (رسول اللہ ﷺ سے) عرض کیا کہ وہ آپ کے ساتھ نماز نہیں پڑھ سکتا کیونکہ وہ غیر معمولی موٹاپے کا شکار تھا، چنانچہ اس نے نبی ﷺ کے لیے کھانا تیار کیا اور آپ کو اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔ (آپ اس کے گھر تشریف لے گئے تو) اس نے آپ کے لیے ایک چٹائی بچھائی۔ اس کے ایک کنارے کو دھو کر اس پر آپ نے دو رکعت ادا کیں۔ آل جارود میں سے ایک آدمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: آیا نبی ﷺ نماز چاشت پڑھا کرتے تھے؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں نے اس روز کے علاوہ کبھی آپ کو یہ نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔

فائدہ: مذکورہ تمام احادیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ بحالت عذر اگر کچھ لوگ اسے رخصت خیال کرتے ہوئے مسجد میں حاضر نہ ہوں بلکہ گھروں میں نماز پڑھ لیں تو ایسا کرنا جائز ہے۔ ہاں اگر وہ عزیمت پر عمل پیرا ہو کر مشقت اٹھاتے ہوئے برضا و رغبت مسجد میں آ جائیں تو امام کو چاہیے کہ وہ حاضرین کے لیے نماز باجماعت کا اہتمام کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی اس موٹے آدمی کی عدم موجودگی میں بقیہ نمازیوں کے لیے نماز باجماعت کا اہتمام فرمایا۔ وھو المقصود.

(٤٢) بَابٌ: إِذَا حَضَرَ الطَّعَامُ وَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ

باب: 42- دوران اقامت میں اگر کھانا آ جائے

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَبْدَأُ بِالْعَشَاءِ. وَقَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ: مِنْ فِقْهِ الْمَرْءِ إِقْبَالُهُ عَلَى حَاجَتِهِ حَتَّى يُقْبِلَ عَلَى صَلَاتِهِ وَقَلْبُهُ فَارِغٌ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما (ایسے حالات میں نماز سے) پہلے رات کا کھانا تناول فرماتے۔ اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے: آدمی کا پہلے اپنی ضرورت کو پورا کر لینا تاکہ اطمینان قلب کے ساتھ نماز کی طرف متوجہ ہو، اس کے عقل مند ہونے کی علامت ہے۔

1 صحيح البخاري، فضل ليلة القدر، حديث: 2018.

وضاحت: اگر نماز کے لیے تکبیر ہو جائے اور کھانا بھی سامنے موجود ہو تو کیا کرنا چاہیے؟ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے عنوان میں کسی فیصلہ کن امر کی نشاندہی نہیں فرمائی۔ امام بخاری قوت اختلاف کی وجہ سے ایسا انداز اختیار کرتے ہیں، چنانچہ زہد و تقویٰ کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہر چیز پر نماز کو مقدم رکھا جائے مگر عقل اور فقہ اس کی اجازت نہیں دیتی، ان کا تقاضا ہے کہ دنیوی مشاغل سے فارغ ہو کر نماز میں کھڑے ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں امام بخاری نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دو آثار پیش کیے ہیں: * حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے معمول کو خود امام بخاری رحمہ اللہ نے آگے حدیث: 673 میں موصولاً بیان کیا ہے کہ وہ علی الاطلاق کھانے وغیرہ سے فراغت کو مقدم سمجھتے تھے: * حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مطلقاً کھانے کو مقدم کرنے کی اجازت نہیں دیتے بلکہ ان کا کہنا ہے کہ جب دل کی توجہ کھانے کی طرف ہو تو پہلے کھانے سے فارغ ہونا چاہیے، پھر نماز کی طرف خیال کرنا چاہیے تاکہ فارغ البالی اور اطمینان و سکون سے نماز ادا کی جائے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے اثر کو امام ابن مبارک نے اپنی تالیف ''کتاب الزہد'' میں موصولاً بیان کیا ہے۔[1]

٦٧١ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ هِشَامٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ: سَمِعْتُ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: «إِذَا وُضِعَ الْعَشَاءُ وَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَابْدَؤُوا بِالْعَشَاءِ». [انظر: ٥٤٦٥]

[671] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر دوران اقامت میں کھانا سامنے رکھ دیا جائے تو پہلے کھانا کھالو۔''

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو دو مختلف الفاظ سے بیان کیا ہے: ایک روایت میں إِذَا حَضَرَ ہے جس کے معنی ہیں: جب وہ حاضر اور تیار ہو۔ دوسری روایت میں ہے، إِذَا وُضِعَ ''جب اسے پیش کر دیا جائے۔'' چونکہ حَضَرَ کے الفاظ میں زیادہ عموم ہے، لہٰذا اسے وُضِعَ کے معنی میں لیا جائے گا۔ اس کی تائید دیگر روایات سے بھی ہوتی ہے جن کے الفاظ إذا قدم یا إذا قرب ہیں۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ جب کھانا موجود ہو یا اسے بول و براز مجبور کر رہے ہوں تو ایسے حالات میں نماز نہیں ہوتی۔[2] ② کھانے کو نماز پر مقدم کرنے کے سلسلے میں علماء و فقہاء نے مختلف توجیہات بیان کی ہیں: بعض علماء کہتے ہیں کہ جب کھانا خراب ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ قلت طعام پر محمول ہے کہ کھانا تھوڑا ہو اور کھانے والے زیادہ ہوں اور اندیشہ ہو کہ اگر نماز شروع کر دی گئی تو کھانا ختم ہو جائے گا، ایسے حالات میں پہلے کھانا کھا لیا جائے، پھر نماز پڑھی جائے۔ ہمارے نزدیک بہتر توجیہ یہ ہے کہ مذکورہ اجازت اس وقت ہے جبکہ اشتغال قلب کا اندیشہ ہو، یعنی اگر کھانا نہ کھایا جائے تو نماز میں خیال کھانے کی طرف لگا رہے۔ اگر ایسی صورت ہو تو پہلے کھانا کھائے پھر نماز پڑھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا میلان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے کیونکہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے مقولے میں اس بات کی صراحت ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان عنوان کے تحت دیے گئے آثار سے معلوم ہوتا ہے۔[3] واللّٰہ أعلم.

٦٧٢ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا

[672] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ

1 فتح الباري: 207/2. 2 صحيح مسلم، المساجد، حديث: 1246(560)، وفتح الباري: 280/2. 3 فتح الباري: 208/2

اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِذَا قُدِّمَ الْعَشَاءُ فَابْدَؤُوا بِهِ قَبْلَ أَنْ تُصَلُّوا صَلَاةَ الْمَغْرِبِ وَلَا تَعْجَلُوا عَنْ عَشَائِكُمْ». [انظر: ٥٤٦٣]

ﷺ نے فرمایا: ''جب کھانا سامنے رکھ دیا جائے تو نماز مغرب سے پہلے کھانا کھالو اور اپنا کھانا چھوڑ کر نماز کے لیے عجلت نہ کرو۔''

فوائد و مسائل: ① نماز مغرب کا ذکر کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ باقی نمازوں میں بالاولیٰ کھانے کو نماز پر ترجیح دی جائے گی بشرطیکہ اشتغال قلب کا اندیشہ ہو کیونکہ نماز مغرب کا وقت کم ہوتا ہے، وقت کی کمی کے باوجود اگر کھانے کو نماز پر ترجیح دی جا رہی ہے تو جب وقت بھی وسیع ہو تو بالاولیٰ کھانا نماز پر مقدم ہونا چاہیے۔[1] ② حدیث میں لفظ عَشَاء ہے جس کے لغوی معنی ''رات کا کھانا'' ہیں لیکن مفہوم کے اعتبار سے مطلق کھانا مراد ہے، رات کے وقت کھانے کی تخصیص نہیں جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان قائم کر کے اس کی وضاحت کر دی ہے بلکہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے اس سے بھی عام معنی مراد لیا ہے کہ کھانے کے علاوہ کوئی بھی حاجت ہو، پہلے اسے پورا کرنا چاہیے پھر فارغ البال ہو کر نماز کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ امام طحاوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث صائم، یعنی روزے دار کے ساتھ خاص ہے لیکن اس کی علت کا تقاضا ہے کہ اسے اپنے عموم پر رہنے دیا جائے۔ اگرچہ اس روایت میں صلاۃ مغرب کا ذکر ہے لیکن یہ حصر کے لیے نہیں ہے کیونکہ بھوک روزے دار کے علاوہ دوسرے کو بھی پریشان کر سکتی ہے، بہر حال وقت اور کھانے کی کوئی قید نہیں۔ جب بھی کوئی چیز نمازی کے لیے پریشانی کا باعث ہو پہلے اسے دور کر دیا جائے، پھر فراغت کے بعد نماز پڑھی جائے۔[2]

٦٧٣ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنْ أَبِي أُسَامَةَ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا وُضِعَ عَشَاءُ أَحَدِكُمْ وَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ، فَابْدَؤُوا بِالْعَشَاءِ وَلَا يَعْجَلْ حَتَّى يَفْرُغَ مِنْهُ». وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يُوضَعُ لَهُ الطَّعَامُ وَتُقَامُ الصَّلَاةُ فَلَا يَأْتِيهَا حَتَّى يَفْرُغَ وَإِنَّهُ يَسْمَعُ قِرَاءَةَ الْإِمَامِ. [انظر: ٦٧٤، ٥٤٦٤]

[673] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کا کھانا سامنے رکھ دیا جائے اور اس دوران میں نماز کے لیے اقامت کہہ دی جائے تو پہلے کھانا تناول کر لے، جلدی نہ کرے بلکہ کھانے سے فراغت حاصل کرے۔'' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی عادت تھی کہ اگر ان کے لیے کھانا رکھ دیا جاتا اور اس دوران میں اقامت ہو جاتی تو جب تک کھانے سے فارغ نہ ہو جاتے، نماز میں شریک نہ ہوا کرتے تھے، حالانکہ وہ امام کی قراءت بھی سن رہے ہوتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا مذکورہ عمل ان کا اپنا اختیار کردہ ہے۔ ہمارے نزدیک بہتر ہے کہ اگر انسان اس قدر کھا چکا ہو کہ اطمینانِ قلب کے ساتھ نماز پڑھ سکے تو نماز کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ مکمل طور پر کھانے سے فراغت ضروری

① حاشية السندي: 123/1. ② فتح الباري: 208/2.

نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا عمل مبارک بھی ہمارے اس موقف کا مؤید ہے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ شانے کا گوشت کھا رہے تھے کہ آپ کو نماز کے لیے بلایا گیا، آپ نے گوشت وہیں رکھا اور نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔[1] ② امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان احادیث میں کھانے کی موجودگی میں نماز پڑھنے کی کراہت کا بیان ہے کیونکہ ایسی صورت میں خشوع خضوع ختم ہو جاتا ہے جو نماز کی اصل روح ہے، چنانچہ کھانے کے علاوہ بھی جو چیز خضوع کے منافی ہوگی، اس کا یہی حکم ہوگا لیکن یہ اس وقت ہے جب کافی وقت موجود ہو۔ اگر وقت کم ہو تو ہر صورت میں وقت کی حرمت کا خیال رکھتے ہوئے نماز پڑھ لینی چاہیے، ایسے حالات میں تاخیر جائز نہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب کسی معاملے میں دو خرابیاں جمع ہو جائیں تو ہلکی خرابی کو اپنا لیا جائے۔ وقت کا نکل جانا خشوع کے چھوٹ جانے سے زیادہ خطرناک ہے۔ غالباً اسی وجہ سے میدان جنگ میں بھی نماز خوف بروقت پڑھنے کا حکم ہے باوجودیکہ اس وقت کمال خشوع ناممکن ہوتا ہے۔[2]

٦٧٤ - وَقَالَ زُهَيْرٌ وَّوَهْبُ بْنُ عُثْمَانَ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ نَّافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ عَلَى الطَّعَامِ فَلَا يَعْجَلْ حَتَّى يَقْضِيَ حَاجَتَهُ مِنْهُ وَإِنْ أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ».

[674] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی کھانا کھا رہا ہو تو جلدی نہ کرے تا آنکہ کھانے سے اپنی ضرورت پوری کر لے اگرچہ نماز کھڑی ہو چکی ہو۔''

رَوَاهُ إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ عَنْ وَهْبِ بْنِ عُثْمَانَ، وَوَهْبٌ [مَدَنِيٌّ]. [راجع: ٦٧٣]

اس حدیث کو ابراہیم بن منذر نے وہب بن عثمان سے روایت کیا ہے اور وہب مدنی ہے۔

فائدہ: اس حدیث کے عموم کا تقاضا ہے کہ کھانا خراب ہونے کا اندیشہ ہو یا نہ ہو، وقت نماز مغرب کا ہو یا کسی دوسری نماز کا، کھانے والا روزے دار ہو یا اس کے علاوہ، ہر صورت میں پہلے کھانا تناول کرنا بہتر ہے لیکن شرط یہ ہے کہ بھوک شدید ہو اور وقت بھی کھلا ہو کیونکہ بھوک نہ ہونے کی صورت میں ترک جماعت کی علت معدوم ہوگی اور تنگیٔ وقت کی صورت میں ایک بڑی خرابی کا ارتکاب لازم آئے گا جس کی وضاحت ہم پہلے کر چکے ہیں۔

(٤٣) بَابٌ: إِذَا دُعِيَ الْإِمَامُ إِلَى الصَّلَاةِ وَبِيَدِهِ مَا يَأْكُلُ

باب: 43- جب امام کو نماز کے لیے بلایا جائے اور اس کے ہاتھ میں کوئی چیز ہو جسے وہ کھا رہا ہو

٦٧٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي جَعْفَرُ بْنُ عَمْرِو بْنِ أُمَيَّةَ أَنَّ أَبَاهُ

[675] حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو شانے کا گوشت کاٹ کاٹ کر کھاتے ہوئے دیکھا، اتنے میں آپ کو نماز کے لیے

1 صحيح البخاري، الأذان، حديث: 675. 2 فتح الباري: 209/2.

قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَأْكُلُ ذِرَاعًا يَحْتَزُّ مِنْهَا فَدُعِيَ إِلَى الصَّلَاةِ فَقَامَ فَطَرَحَ السِّكِّينَ فَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ. [راجع: ٢٠٨]

بلایا گیا، آپ نے چھری کو وہیں پھینک دیا اور نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، چنانچہ آپ نے نماز پڑھائی اور وضونہیں کیا۔

فوائد و مسائل: ① اس عنوان اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تقدیم طعام کا حکم بطور استحباب ہے۔ بعض حضرات نے اس سلسلے میں اس طرح وضاحت کی ہے کہ تقدیم طعام کی اجازت اس شخص کے لیے ہے جس نے ابھی کھانا شروع نہیں کیا اور جس نے اقامت سے پہلے کھانا شروع کر دیا تھا، پھر نماز کے لیے تکبیر ہوئی تو اسے نماز کے لیے اٹھ جانا چاہیے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ گویا امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں صورتوں کا حکم الگ الگ ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ امام بخاری کے نزدیک امام اور غیر امام کا حکم الگ الگ ہو، یعنی تقدیم طعام کا حکم عام لوگوں کے لیے ہے اور امام کے لیے یہ ہے کہ وہ پہلے نماز پڑھائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اسی وقت کھانا چھوڑ دیا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عام آدمی اگر کھانے میں مشغول رہتا ہے تو اس میں دوسروں کو تکلیف نہیں ہوتی، امام انھیں نماز پڑھا دے گا۔ لیکن اگر امام خود ہی کھانے میں مشغول رہتا ہے تو اس کی وجہ سے لوگ پریشان ہوں گے اور انھیں بلاوجہ انتظار کی زحمت برداشت کرنا پڑے گی۔ ② علامہ سندھی لکھتے ہیں کہ تقدیم طعام اس صورت میں ہے جب بھوک شدید ہو اور کھانا چھوڑ کر نماز شروع کرنے میں خشوع کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ وہ کھانا کھا رہے تھے اور تنور میں گوشت بھونا جا رہا تھا، اتنے میں مؤذن نے تکبیر کہنے کا ارادہ کیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے فرمایا: جلدی مت کرو! مبادا دوران نماز میں ہمارا خیال ادھر رہے۔ البتہ جب نمازی اپنی اس قدر حاجت پوری کر چکا ہو کہ خشوع کے فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو نماز کو مقدم رکھنا چاہیے۔[1] کھانا کھانے کی رخصت کو انتہائی مجبوری کی صورت پر محمول کرنا چاہیے' اسے عادت اور معمول نہیں بنانا چاہیے۔ اور بلاوجہ نماز باجماعت ترک نہیں کرنی چاہیے۔ انسان کو دنیا میں زیادہ سے زیادہ اعمال خیر ذخیرہ کرنے چاہئیں تاکہ قیامت کے دن کام آئیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ﴾ ''ہر شخص کو سوچنا چاہیے کہ اس نے کل آخرت کے لیے کیا ذخیرہ کیا ہے؟''

(٤٤) بَابُ مَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَهْلِهِ فَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَخَرَجَ

باب: 44- جماعت کھڑی ہوجائے تو گھریلو مصروفیات ترک کر کے نماز میں شریک ہونا چاہیے

وضاحت: اس عنوان سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہ ہے کہ ہر وہ کام جس کی طرف نفس کا میلان ہو، کھانے کی طرح اسے نماز پر مقدم نہیں کیا جا سکتا، ورنہ شاید نماز کے لیے وقت ہی نہ ملے۔ البتہ کھانے کا معاملہ اس سے الگ ہے کیونکہ بھوکے آدمی کے سامنے جب کھانا رکھ دیا جائے تو جس قدر تاخیر ہوتی جائے گی اس کی اشتہا بڑھتی جائے گی جبکہ باقی چیزوں کا معاملہ ایسا نہیں کہ انسان ان میں خود کو مصروف رکھے اور نماز باجماعت کی پروا نہ کرے۔[2]

---

(1) حاشية السندي: 123/1. (2) فتح الباري: 211/2.

٦٧٦ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا الْحَكَمُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: مَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَصْنَعُ فِي بَيْتِهِ؟ قَالَتْ: كَانَ يَكُونُ فِي مِهْنَةِ أَهْلِهِ - تَعْنِي: فِي خِدْمَةِ أَهْلِهِ - فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ. [انظر: ٥٣٦٣، ٦٠٣٩]

[676] حضرت اسود سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت عائشہ ؓ سے نبی ﷺ کی گھریلو مصروفیات کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے فرمایا: آپ ﷺ اپنے اہل خانہ کی خدمت میں مصروف رہتے اور جب نماز کا وقت آجاتا تو آپ نماز کے لیے تشریف لے جاتے۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ نے مذکورہ عنوان کو ثابت کرنے کے لیے تعامل نبوی پیش کیا کہ رسول اللہ ﷺ فارغ اوقات میں اپنے گھر اہل خانہ کے کاموں میں بھی ہاتھ بٹاتے تھے مگر جماعت کے وقت انھیں چھوڑ کر مسجد میں تشریف لے جاتے۔ واضح رہے کہ اہل خانہ کی خدمت میں رسول اللہ ﷺ کے ذاتی کام اور معمولات بھی شامل ہیں کیونکہ حضرت عائشہ ؓ نے اس کی تفصیل بیان کی ہے کہ آپ اپنے کپڑوں کی صفائی بھی کر لیتے تھے، اپنی بکری کا دودھ بھی دوہ لیتے تھے اور اپنا کام خود کرتے تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنا کپڑا سی لیتے، جوتا مرمت کر لیتے اور ڈول درست کر لیتے تھے۔ امام حاکم نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے کبھی کسی عورت یا خادم کو زدوکوب نہیں کیا، نیز معلوم ہوا کہ انسان کو اپنے گھر میں تواضع اختیار کرنی چاہیے اور اہل خانہ کا ہاتھ بٹانا چاہیے۔ ② امام بخاری ؒ نے اپنی تالیف الأدب المفرد میں اس حدیث پر بایں الفاظ عنوان قائم کیا ہے: ''آدمی اپنے گھر میں کس انداز سے رہے؟'' ان احادیث و آثار کے پیش نظر علماء حضرات کو چاہیے کہ وہ اسوۂ رسول پر عمل کرتے ہوئے اپنے گھر میں گھریلو مصروفیات میں شریک ہوں کیونکہ ہمارے اسلاف اپنے کام خود سرانجام دیتے تھے اور سلف صالحین کا یہی معمول رہا ہے۔ (والله الموفق وهو يهدي من يشاء إلى سواء السبيل)

(٤٥) بَابُ مَنْ صَلَّى بِالنَّاسِ وَهُوَ لَا يُرِيدُ إِلَّا أَنْ يُعَلِّمَهُمْ صَلَاةَ النَّبِيِّ ﷺ وَسُنَّتَهُ

باب: 45- مسنون طریقۂ نماز سکھانے کے لیے لوگوں کے سامنے نماز پڑھنا

وضاحت: عبادات میں ریاکاری منع ہے لیکن تعلیم دین کے لیے دکھلاوا منع نہیں، چنانچہ امام بخاری ؒ اس عنوان سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اگر تعلیم دینے کے لیے لوگوں کے سامنے نماز پڑھے تو ریاکاری میں داخل نہیں کیونکہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہوتا ہے۔ اس مقام پر ریاکاری دین کے لیے ہے اور ایسا کرنا جائز ہے۔

٦٧٧ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ قَالَ: جَاءَنَا مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ فِي مَسْجِدِنَا هٰذَا فَقَالَ: إِنِّي لَأُصَلِّي بِكُمْ وَمَا أُرِيدُ الصَّلَاةَ،

[677] حضرت ابوقلابہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہمارے پاس اس مسجد میں ایک دفعہ حضرت مالک بن حویرث ؓ تشریف لائے اور فرمانے لگے: میں تمھارے سامنے نماز پڑھتا ہوں، حالانکہ میری نیت نماز پڑھنے کی نہیں۔ میرا

أُصَلِّي كَيْفَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّي، فَقُلْتُ لِأَبِي قِلَابَةَ: كَيْفَ كَانَ يُصَلِّي؟ قَالَ: مِثْلَ شَيْخِنَا هٰذَا، قَالَ: وَكَانَ شَيْخُنَا يَجْلِسُ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ قَبْلَ أَنْ يَنْهَضَ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولٰى. [انظر: ٨٠٢، ٨١٨، ٨٢٤]

مقصد صرف یہ ہے کہ تمھیں وہ طریقہ بتاؤں جس طریقے سے نبی ﷺ نماز پڑھا کرتے تھے۔ (راویٔ حدیث ایوب نے کہا:) میں نے ابوقلابہ سے سوال کیا: انھوں نے کس طرح نماز پڑھی تھی؟ ابوقلابہ نے جواب دیا: ہمارے اس بزرگ (عمرو بن سلمہ) کی طرح۔ ہمارے وہ بزرگ جب پہلی رکعت میں سجدے سے سر اٹھاتے تو کھڑے ہونے سے پہلے ذرا بیٹھ جایا کرتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① اگر لوگوں کو مسنون طریقہ سکھانے کے لیے ان کے سامنے نماز پڑھی جائے تو وہ غیراللہ کے لیے نہیں ہوگی اور نہ اسے ریاکاری ہی کہا جاسکتا ہے جس پر سخت وعید آئی ہے۔ اسی طرح حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرا نماز پڑھنے کا ارادہ نہیں، اس سے مقصود یہ نہیں تھا کہ وہ ثواب کی نیت سے نماز نہیں پڑھ رہے تھے بلکہ وہ تو انھیں اس وقت نماز پڑھنے کا سبب بتلا رہے تھے کہ میں تعلیم کی نیت سے نماز پڑھ کر تمھیں دکھا رہا ہوں جیسا کہ ایک روایت میں اس کی صراحت ہے۔[1] ② حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ یہ سمجھتے تھے کہ قول کی نسبت عمل سے تعلیم دینا زیادہ مناسب اور فائدہ مند ہے، چنانچہ ایسا کرنا ''شرک فی العبادۃ'' نہیں بلکہ شریعت کے تقاضے کے عین مطابق ہے۔[2] مزید برآں اس حدیث سے جلسۂ استراحت کا بھی ثبوت ملتا ہے اور اس سے مراد پہلی اور تیسری رکعت کے سجدے سے اٹھ کر کھڑے ہونے سے پہلے ذرا سا بیٹھنا ہے۔ اس کی تفصیل ہم آئندہ بیان کریں گے۔ إن شاء الله.

(٤٦) بَابٌ: أَهْلُ الْعِلْمِ وَالْفَضْلِ أَحَقُّ بِالْإِمَامَةِ

باب: 46- صاحب علم و فضل امامت کا زیادہ حق دار ہے

٦٧٨ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ عَنْ زَائِدَةَ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسٰى قَالَ: مَرِضَ النَّبِيُّ ﷺ فَاشْتَدَّ مَرَضُهُ فَقَالَ: «مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ»، قَالَتْ عَائِشَةُ: إِنَّهُ رَجُلٌ رَقِيقٌ، إِذَا قَامَ مَقَامَكَ لَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ، قَالَ: «مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ»

[678] حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: جب نبی ﷺ بیمار ہوئے اور بیماری نے شدت اختیار کی تو آپ نے فرمایا: ''ابوبکر سے کہو، وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔'' اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا گویا ہوئیں: وہ نرم دل آدمی ہیں۔ جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو نماز نہ پڑھا سکیں گے۔ آپ نے فرمایا: ''ابوبکر سے کہو، وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے

[1] صحيح البخاري، الأذان، حديث: 824. [2] فتح الباري: 212/2.

فَعَادَتْ، فَقَالَ: «مُرِي أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ فَإِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ»، فَأَتَاهُ الرَّسُولُ، فَصَلَّى بِالنَّاسِ فِي حَيَاةِ النَّبِيِّ ﷺ. [انظر: ٣٣٨٥]

پہلے والی بات پھر کہہ دی۔ آپ ﷺ نے سہ بارہ فرمایا: ''تم ابوبکر سے کہو، وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ تم عورتیں مجھے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ والی عورتیں معلوم ہوتی ہو۔'' پھر ایک آدمی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور انھوں نے نبی ﷺ کی حیات مبارکہ ہی میں لوگوں کو نماز پڑھائی۔

فوائد و مسائل: ① امامت کے سلسلے میں حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ اس کے لیے اہل علم و فضل کا انتخاب کرنا چاہیے۔ دین سے بے بہرہ شخص اس منصب کے قطعاً لائق نہیں، خواہ بہترین قاری ہی کیوں نہ ہو کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر صاحب علم و فضل تھے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے انھیں مصلائے امامت پر مقرر فرمایا، لہٰذا اس عظیم منصب کے شایان شان یہی ہے کہ اس آدمی کو یہ اعزاز بخشا جائے جو علم و فضل میں عظیم تر ہو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ امام صاحب کا مقصود جمہور کے موقف کی تائید کرنا ہو کہ علماء حضرات بہ نسبت قراء حضرات کے منصب امامت کے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سب سے بڑے قاری تھے جیسا کہ نص حدیث سے ثابت ہے، اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا کیونکہ وہ علم و فضل میں سب سے زیادہ فائق تھے۔[1] ② ایک حدیث میں ہے کہ لوگوں کا امام ایسا ہونا چاہیے جو قرآن کا زیادہ حافظ ہو، اگر اس وصف میں سب برابر ہوں تو پھر وہ شخص امام بنے جسے سنت نبوی کا زیادہ علم ہو۔[2] نیز حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب نماز کا وقت ہوجائے تو تم میں سے ایک اذان کہے اور امامت وہ شخص کرائے جسے قرآن زیادہ یاد ہو۔[3] ان احادیث کا تقاضا ہے کہ امامت کا منصب حافظ قرآن کو دینا چاہیے۔ جمہور اس قسم کی احادیث کو منسوخ قرار دیتے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے آخری وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو منصب امامت پر فائز فرمایا، لیکن ان احادیث کو منسوخ قرار دینے کی ضرورت نہیں کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حافظ قرآن ہونے کے ساتھ ساتھ سنت کے سب سے بڑے عالم تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھی اوصاف فاضلہ کی بنا پر منصب امامت ان کے حوالے فرمایا۔ حدیث مسلم میں أَعْلَمُ بِالسُّنَّةِ سے مراد وہ شخص ہے جو بقدر ضرورت قرآن مجید صحیح طور پر پڑھنے کے ساتھ ساتھ نماز سے متعلقہ مسائل بہ نسبت دوسروں کے زیادہ جانتا ہو، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ علم، فہم، تقویٰ اور خوف و خشیت والے تھے۔ (رضی اللہ عنہم)

٦٧٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ أَنَّهَا قَالَتْ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ

[679] حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایام علالت میں فرمایا: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کہو، وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔'' حضرت

---

1 حاشية السندي: 124/1. 2 صحيح مسلم، المساجد، حديث: 1532(673). 3 صحيح مسلم، المساجد، حديث: 1532(673).

ﷺ قَالَ فِي مَرَضِهِ: «مُرُوا أَبَا بَكْرٍ يُصَلِّي بِالنَّاسِ»، قَالَتْ عَائِشَةُ: قُلْتُ: إِنَّ أَبَا بَكْرٍ إِذَا قَامَ فِي مَقَامِكَ لَمْ يُسْمِعِ النَّاسَ مِنَ الْبُكَاءِ، فَمُرْ عُمَرَ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: فَقُلْتُ لِحَفْصَةَ: قُولِي لَهُ: إِنَّ أَبَا بَكْرٍ إِذَا قَامَ فِي مَقَامِكَ لَمْ يُسْمِعِ النَّاسَ مِنَ الْبُكَاءِ فَمُرْ عُمَرَ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ، فَفَعَلَتْ حَفْصَةُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَهْ إِنَّكُنَّ لَأَنْتُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ، مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ»، فَقَالَتْ حَفْصَةُ لِعَائِشَةَ: مَا كُنْتُ لِأُصِيبَ مِنْكِ خَيْرًا. [راجع: ١٩٨]

عائشہ ؓ فرماتی ہیں: میں نے عرض کیا: ابوبکر ؓ آپ کی جگہ کھڑے ہوکر (فرطِ غم سے) رونے لگیں گے، اس وجہ سے لوگوں کو ان کی آواز سنائی نہیں دے گی، لہٰذا آپ حضرت عمر ؓ کو حکم دیں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت حفصہ ؓ سے کہا کہ تم بھی رسول اللہ ﷺ سے کہو کہ ابوبکر ؓ جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو گریے کے باعث لوگوں کو اپنی آواز نہیں سنا سکیں گے، اس لیے آپ حضرت عمر ؓ کو حکم دیں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، چنانچہ حضرت حفصہ ؓ نے عرض کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''خاموش رہو، یقیناً تم یوسف علیہ السلام کے ساتھ والی عورتوں کی طرح ہو۔ ابوبکر ؓ کو کہو، وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔'' اس پر حضرت حفصہ ؓ نے حضرت عائشہ ؓ سے کہا: میں نے کبھی تم سے کوئی فائدہ نہیں پایا۔

فوائد ومسائل: ① امام بخاری ؒ کا مقصود اس حدیث کے ذریعے سے اپنے موقف کو مضبوط کرنا ہے کہ منصب امامت اہل علم وفضل کے لائق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ بار بار حضرت ابوبکر ؓ کے متعلق اصرار کر رہے ہیں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ بعض حضرات نے ایک حدیث کی بنا پر جس میں سب سے زیادہ قاری کو مقدم کرنے کا ذکر ہے، یہ موقف اختیار کیا ہے کہ صحابۂ کرام ؓ میں جو سب سے بڑا قاری ہوتا تھا وہ سب سے بڑا عالم بھی ہوتا تھا، اس لیے آپ نے فرمایا کہ قرآن کا زیادہ قاری امامت کرائے۔ یہ موقف صحیح نہیں کیونکہ اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ حضرت ابی بن کعب ؓ کو منصب امامت پر فائز کیا جاتا کہ وہ بڑے قاری ہونے کی وجہ سے بڑے عالم بھی تھے جیسا کہ ان کا أَقْرَأ (بڑا قاری) ہونا حدیث سے ثابت ہے۔[1] پھر وہ صحابۂ کرام ؓ میں اس وصف کے ساتھ مشہور تھے جیسا کہ حضرت عمر ؓ نے ان کے متعلق فرمایا تھا کہ حضرت ابی ؓ قرآن کے بڑے قاری ہیں۔[2] الغرض امامت کے لیے اہل علم وتقویٰ حضرات کا انتخاب کرنا چاہیے۔[3] ② صحیح بخاری کی ایک روایت میں خود حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ جو چیز مجھے بار بار رسول اللہ ﷺ سے تکرار پر ابھار رہی تھی وہ یہ تھی کہ لوگ کبھی بھی اس شخص سے محبت نہیں رکھیں گے جو آپ ﷺ کی جگہ پر کھڑا ہوگا۔ میرے خیال کے مطابق ایسے حالات میں جو بھی آپ کے مقام پر کھڑا ہوگا لوگ اس کے متعلق برا شگون رکھیں گے، چنانچہ میں چاہتی تھی کہ رسول اللہ ﷺ خود ہی حضرت ابوبکر ؓ کو اس ''خرابی'' سے

① سنن ابن ماجه، المقدمة، حديث: 154. ② صحيح البخاري، فضائل القرآن، حديث: 5005. ③ حاشية السندي: 124/1.

بچالیں۔[1] اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ظاہر و باطن کے تضاد میں تم یوسف علیہ السلام کے ساتھ والی عورتوں کی طرح معلوم ہوتی ہو اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا چونکہ اس سے پہلے بھی شہد والے واقعے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بات ماننے کی وجہ سے زیرِ عتاب آچکی تھیں، اس لیے فرمایا کہ میرا تم سے کسی بھلائی کی توقع رکھنا عبث ہے۔ واللہ أعلم.

٦٨٠ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ الْأَنْصَارِيُّ - وَكَانَ تَبِعَ النَّبِيَّ ﷺ وَخَدَمَهُ وَصَحِبَهُ -: أَنَّ أَبَا بَكْرٍ كَانَ يُصَلِّي بِهِمْ فِي وَجَعِ النَّبِيِّ ﷺ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ، حَتَّى إِذَا كَانَ يَوْمُ الْاِثْنَيْنِ وَهُمْ صُفُوفٌ فِي الصَّلَاةِ فَكَشَفَ النَّبِيُّ ﷺ سِتْرَ الْحُجْرَةِ يَنْظُرُ إِلَيْنَا وَهُوَ قَائِمٌ، كَأَنَّ وَجْهَهُ وَرَقَةُ مُصْحَفٍ، ثُمَّ تَبَسَّمَ يَضْحَكُ، فَهَمَمْنَا أَنْ نَفْتَتِنَ مِنَ الْفَرَحِ بِرُؤْيَةِ النَّبِيِّ ﷺ، فَنَكَصَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَلَى عَقِبَيْهِ لِيَصِلَ الصَّفَّ، وَظَنَّ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَارِجٌ إِلَى الصَّلَاةِ، فَأَشَارَ إِلَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ أَنْ أَتِمُّوا صَلَاتَكُمْ وَأَرْخَى السِّتْرَ، فَتُوُفِّيَ مِنْ يَوْمِهِ.

[انظر: ٦٨١، ٧٥٤، ١٢٠٥، ٤٤٤٨]

[680] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جو نبی ﷺ کے پیروکار، خدمت گزار اور صحبت دار ہیں، انھوں نے فرمایا: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے مرض وفات میں لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے۔ پیر کے دن جب لوگ نماز کے لیے صف بستہ تھے تو نبی ﷺ نے اپنے حجرے کا پردہ اٹھایا اور کھڑے ہو کر لوگوں کی طرف دیکھنے لگے۔ اس وقت آپ کا چہرہ (حسن و جمال اور رعنائی و زیبائی میں) گویا مصحف کا ورق تھا۔ پھر آپ بشاشت کے ساتھ مسکرائے تو ہم لوگوں کو انتہائی خوشی ہوئی، اندیشہ تھا کہ ہم نبی ﷺ کو دیکھتے دیکھتے نماز سے غافل ہو جائیں۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ الٹے پاؤں پیچھے لوٹنے لگے تاکہ لوگوں کی صف میں شامل ہو جائیں۔ وہ سمجھے کہ نبی ﷺ نماز کے لیے تشریف لا رہے ہیں لیکن آپ نے ہماری طرف اشارہ کیا کہ اپنی نماز پوری کر لو۔ پھر آپ نے پردہ ڈال دیا اور اسی دن آپ نے وفات پائی۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات تک سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز پڑھانے کے لیے آپ کے جانشین رہے۔ یہی امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود ہے کہ اہل علم و فضل ہی امامت کے زیادہ حق دار ہیں۔ واضح رہے کہ شیعہ حضرات کا یہ پروپیگنڈا غلط ہے کہ آخری وقت رسول اللہ ﷺ نے خود برآمد ہو کر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امامت سے معزول کر دیا تھا۔[2] اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے رخ زیبا کو ورق قرآن سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یہ بڑی عجیب اور پاکیزہ تشبیہ ہے کیونکہ ورق قرآن پر طلائی کا کام ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ تاباں پر زردئ مرض تھی، اس بنا پر تابانی اور رنگ مرض میں طلا سے اور تقدس اور پاکیزگی میں قرآن پاک سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ② پیر کو نماز صبح کے وقت وہ پردہ اٹھایا جو بیت عائشہ رضی اللہ عنہا اور مسجد طیبہ کے درمیان پڑا تھا۔ اس وقت نماز ہو رہی تھی۔ یہ نماز سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی نے مکمل فرمائی۔[3]

---

1 صحيح البخاري، المغازي، حديث :4445. 2 شرح الكرماني : 63/5. 3 صحيح البخاري، المغازي، حديث :4448.

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مغازی موسیٰ بن عقبہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک رکعت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے ادا کی۔[1] ممکن ہے کہ پردے کے پاس بیٹھ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں وہ رکعت ادا کی ہو۔ اسی دن جب سورج طلوع ہوا تو حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما آ گئے، ان کے ہاتھ میں تازہ مسواک تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے مسواک پر نظر ڈالی تو صدیقہ کائنات نے ان سے لے کر اپنے دانتوں سے مسواک کو نرم کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے اسی طرح استعمال فرمایا۔ پھر اپنے ہاتھ کو بلند کیا اور فرمایا: ''اے اللہ! مجھے بلند و بالا رفاقت درکار ہے۔'' اسی وقت ہاتھ لٹک گیا اور آپ نے اپنی جان، جان آفریں کے حوالے کر دی۔[2] إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

٦٨١ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَارِثِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: لَمْ يَخْرُجِ النَّبِيُّ ﷺ ثَلَاثًا، فَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَذَهَبَ أَبُو بَكْرٍ يَتَقَدَّمُ فَقَالَ نَبِيُّ اللهِ ﷺ بِالْحِجَابِ، فَرَفَعَهُ، فَلَمَّا وَضَحَ وَجْهُ النَّبِيِّ ﷺ مَا رَأَيْنَا مَنْظَرًا كَانَ أَعْجَبَ إِلَيْنَا مِنْ وَجْهِ النَّبِيِّ ﷺ حِينَ وَضَحَ لَنَا، فَأَوْمَأَ النَّبِيُّ ﷺ بِيَدِهِ إِلَى أَبِي بَكْرٍ أَنْ يَتَقَدَّمَ، وَأَرْخَى النَّبِيُّ ﷺ الْحِجَابَ فَلَمْ يُقْدَرْ عَلَيْهِ حَتّٰى مَاتَ. [راجع: ٦٨٠]

[681] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ ایام علالت میں تین دن تک باہر تشریف نہ لا سکے۔ پھر ایک دن نماز کے لیے تکبیر ہو چکی تھی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جماعت کے لیے پیش قدمی کرنے کو تھے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے (حجرے کا) پردہ اٹھایا۔ آپ کا رخ زیبا دکھائی دیا۔ یقیناً آپ کے روئے انور سے بڑھ کر حسین و جمیل منظر ہم نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ نبی ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز کے لیے آگے بڑھنے کو کہا اور پردہ گرا دیا۔ اس کے بعد کوئی بھی آپ کو نہ دیکھ سکا حتی کہ آپ داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ (إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.)

فائدہ: بدھ کے دن رسول اللہ ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے اور بڑے ٹب میں بیٹھ کر پانی کی سات مشکیں سر پر ڈالیں، کچھ سکون ہوا تو مسجد میں آ گئے، نماز پڑھائی اور خطبہ دیا۔[3] جمعرات کے دن بیماری نے شدت اختیار کر لی، اسی حالت میں آپ نے فرمایا: ''لاؤ میں تمھیں کچھ لکھوا دوں تاکہ میرے بعد تم گمراہ نہ ہو جاؤ۔'' اسی روز آپ نے تین وصیتیں فرمائیں۔[4] اسی دن آپ نے نماز مغرب پڑھائی جس میں سورۃ المرسلات کی تلاوت فرمائی۔[5] اسی دن نماز عشاء کے لیے آپ نے تین مرتبہ مسجد میں جانے کا ارادہ فرمایا لیکن غسل کرنے کے بعد جب بھی اٹھنے کا ارادہ فرماتے تو بے ہوش ہو جاتے، بالآخر آپ نے فرمایا: ''ابوبکر سے کہو وہ نماز پڑھائے۔''[6] چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کی زندگی میں سترہ نمازیں پڑھائیں۔ ہفتہ یا اتوار کے دن حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے سہارے مسجد میں تشریف لائے جبکہ ظہر کی نماز کھڑی ہو چکی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے

[1] فتح الباري: 218/2. [2] صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4449. [3] صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4449. [4] صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4431. [5] صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4429. [6] صحيح البخاري، الأذان، حديث: 687.

ابوبکر ؓ کے پہلو میں بیٹھ کر نماز پڑھائی۔[1] اگلے دن صبح کی نماز کے وقت پردہ اٹھایا، اس وقت نماز ہو رہی تھی۔ تھوڑی دیر تک اس نظارۂ پاک کو ملاحظہ فرمایا جو آپ کی تعلیم کا نتیجہ تھا۔ اس نظارے سے رخ انور پر بشاشت اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ آخر کار نزع کی حالت شروع ہوئی۔ پانی کا پیالہ آپ کے سرہانے رکھا ہوا تھا۔ آپ اس میں ہاتھ ڈالتے اور چہرۂ مبارک پر پھیر لیتے۔ اس دوران میں زبان مبارک سے فرماتے: ''اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، موت میں تلخی ہوا ہی کرتی ہے۔''[2] آخر کار بارہ ربیع الاول 11 ہجری بروز پیر بوقت چاشت جسم اطہر سے روح انور نے پرواز کی۔ اس وقت آپ کی عمر 63 سال 4 دن تھی۔ خطبے کے متعلق درج ذیل حدیث ہے: حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مرض وفات میں ہماری طرف نکلے، چادر لپیٹے ہوئے اور سر پر کالی پٹی باندھے ہوئے تھے حتی کہ آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے، اللہ کی حمد و ثنا کی اور انصار کے متعلق خطبہ دیا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی منبر پر آخری مجلس تھی۔[3]

٦٨٢ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: حَدَّثَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ حَمْزَةَ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: لَمَّا اشْتَدَّ بِرَسُولِ اللهِ ﷺ وَجَعُهُ، قِيلَ لَهُ فِي الصَّلَاةِ فَقَالَ: «مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ». قَالَتْ عَائِشَةُ: إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ رَقِيقٌ إِذَا قَرَأَ غَلَبَهُ الْبُكَاءُ. قَالَ: «مُرُوهُ فَلْيُصَلِّ». فَعَاوَدَتْهُ قَالَ: «مُرُوهُ فَلْيُصَلِّ، إِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ». تَابَعَهُ الزُّبَيْدِيُّ، وَابْنُ أَخِي الزُّهْرِيِّ، وَإِسْحَاقُ ابْنُ يَحْيَى الْكَلْبِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ، وَقَالَ عُقَيْلٌ وَمَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ حَمْزَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.
[راجع: ١٩٨]

[682] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ کی بیماری شدت اختیار کر گئی، اس دوران میں آپ سے نماز کا کہا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: ''ابوبکر سے کہو، وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔'' حضرت عائشہ ؓ نے عرض کیا: ابوبکر صدیق ؓ بہت نرم دل آدمی ہیں، جب قراءت کریں گے تو شدت غم سے رونے لگیں گے۔ آپ نے فرمایا: ''انھی سے کہو، وہ نماز پڑھائیں۔'' حضرت عائشہ ؓ نے پھر وہی بات دہرائی۔ اس پر آپ نے فرمایا: ''ان سے کہو، وہ نماز پڑھائیں، تم تو بالکل یوسف ؑ کے ساتھ والی عورتیں معلوم ہوتی ہو۔'' اس حدیث کی متابعت محمد بن ولید زبیدی، زہری کے بھتیجے اور اسحاق بن یحییٰ کلبی نے زہری سے کی ہے۔ اور عقیل اور معمر نے بھی زہری سے، انھوں نے حمزہ بن عبداللہ بن عمر سے، انھوں نے نبی اکرم ﷺ سے بیان کیا ہے۔

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ ؓ سے فرمایا کہ تم تو یوسف ؑ کے ساتھ والی عورتیں معلوم ہوتی ہو۔ شارحین نے اس جملے کے متعدد مفہوم بیان کیے ہیں: ❁ جس طرح حضرت یوسف ؑ سے مصر کی عورتیں ان کی مرضی کے خلاف گفتگو کرتی تھیں تم نے بھی وہی کردار ادا کیا ہے ❁ حضرت یوسف ؑ اور خیال میں تھے اور خواتین مصر دوسرے خیال میں تھیں، اسی طرح تمھارے اور میرے خیالات میں ہم آہنگی اور یکسانیت نہیں۔ ❁ یوسف ؑ کے وقت کی

[1] صحيح البخاري، حديث: 687. [2] صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4449. [3] صحيح البخاري، المناقب، حديث: 3628.

عورتیں اپنی ہی باتیں چلایا کرتی تھیں تم نے بھی وہی وتیرہ اپنایا ہوا ہے۔ ② بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے اس سلسلے میں گفتگو کرے کیونکہ میں اس بار گراں کا متحمل نہیں ہوں۔ اتنے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت بلال آئے اور انھیں جماعت کے لیے کہا تو انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے عمر! آپ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ آپ ہی اس منصب کے حق دار ہیں۔[1]

(٤٧) بَابُ مَنْ قَامَ إِلَى جَنْبِ الْإِمَامِ لِعِلَّةٍ

باب: 47- عذر کی وجہ سے مقتدی کا امام کے پہلو میں کھڑے ہونا

٦٨٣ - حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ يَحْيٰى قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: أَمَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَبَا بَكْرٍ أَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ فِي مَرَضِهِ فَكَانَ يُصَلِّي بِهِمْ، قَالَ عُرْوَةُ: فَوَجَدَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي نَفْسِهِ خِفَّةً فَخَرَجَ، فَإِذَا أَبُو بَكْرٍ يَؤُمُّ النَّاسَ، فَلَمَّا رَآهُ أَبُو بَكْرٍ اسْتَأْخَرَ، فَأَشَارَ إِلَيْهِ أَنْ كَمَا أَنْتَ، فَجَلَسَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حِذَاءَ أَبِي بَكْرٍ إِلَى جَنْبِهِ، فَكَانَ أَبُو بَكْرٍ يُصَلِّي بِصَلَاةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَالنَّاسُ يُصَلُّونَ بِصَلَاةِ أَبِي بَكْرٍ. [راجع: ١٩٨]

[683] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے دوران علالت میں حکم دیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، چنانچہ وہ اس دوران میں نماز پڑھاتے رہے۔ حضرت عروہ کہتے ہیں: ایک دن رسول اللہ ﷺ نے کچھ افاقہ محسوس کیا، چنانچہ آپ باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز پڑھا رہے ہیں۔ جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نگاہ آپ ﷺ پر پڑی تو انھوں نے پیچھے ہٹنا چاہا لیکن آپ نے اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ پر رہو۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پہلو میں ان کے برابر بیٹھ گئے۔ اندریں حالات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں نماز ادا کر رہے تھے اور دیگر لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے تھے۔

فوائد و مسائل: ① جس وقت مقتدی زیادہ ہوں تو امام آگے اور مقتدی پیچھے کھڑے ہوتے ہیں اور اگر مقتدی ایک ہو تو اسے امام کی دائیں جانب کھڑا ہونا چاہیے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہ ہے کہ اگر مقتدی زیادہ ہوں تو کسی ضرورت کے پیش نظر اگر کوئی مقتدی امام کے پہلو میں کھڑا ہو جائے تو ایسا کرنا بھی جائز ہے۔ اسے بیان کرنے کے لیے یہ عنوان قائم کیا گیا ہے لیکن عنوان میں مقتدی کا امام کے پہلو میں کھڑا ہونا مذکور ہے جبکہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بیٹھنا بیان ہوا ہے۔ دراصل مذکورہ حدیث میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ امام نہ تھے بلکہ رسول اللہ ﷺ امامت کا فریضہ سرانجام دے رہے تھے

1 فتح الباري: 199/2.

اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مقتدی تھے جو امام کے پہلو میں کھڑے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس صورت کا جواز بیان کیا ہے۔ ② دوصورتوں کے علاوہ ایک صف میں مقتدی کا امام کے ساتھ کھڑا ہونا درست نہیں: * جگہ تنگ ہو اور امام آگے کھڑا نہ ہو سکتا ہو۔ * امام کے ساتھ صرف ایک ہی مقتدی ہو جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنی دائیں جانب کھڑا کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے پہلو میں اس لیے کھڑا رکھا تھا تاکہ وہ آپ کی تکبیرات انتقال لوگوں کو سنا سکیں۔[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مقتدی کو امام کے ساتھ ایک ہی صف میں کھڑا ہونے کی ایک مزید صورت بیان کی ہے کہ جب نمازی عریاں ہوں تو بھی امام اور مقتدی ایک ہی صف میں کھڑے ہوں گے۔ ان کے نزدیک بلا عذر ایک ہی صف میں کھڑے ہونا جائز ہے لیکن افضل نہیں،[2] نیز عورتوں کی امام اگر عورت ہو تو وہ بھی آگے نہیں بلکہ عورتوں کی پہلی صف کے درمیان میں کھڑی ہوگی۔

(٤٨) بَابُ مَنْ دَخَلَ لِيَؤُمَّ النَّاسَ فَجَاءَ الْإِمَامُ الْأَوَّلُ فَتَأَخَّرَ الْأَوَّلُ أَوْ لَمْ يَتَأَخَّرْ جَازَتْ صَلَاتُهُ

باب: 48- ایک شخص امامت کرائے اس دوران میں امام اول آجائے تو اب پہلا شخص پیچھے ہٹے یا نہ ہٹے، اس کی نماز جائز ہے

فِيهِ عَائِشَةُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

اس سلسلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت موجود ہے۔

وضاحت: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے مراد باب سابق میں مذکور حضرت عروہ سے مروی روایت ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو پیچھے ہٹے۔ (حدیث: 683) اور نہ ہٹنے کی صورت میں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت ہے جسے ان سے حضرت اسود نے بیان کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پیچھے ہٹنے کا ارادہ کیا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں منع کر دیا۔ (حدیث: 664)

٦٨٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي حَازِمِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ ذَهَبَ إِلَى بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ لِيُصْلِحَ بَيْنَهُمْ، فَحَانَتِ الصَّلَاةُ فَجَاءَ الْمُؤَذِّنُ إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَقَالَ: أَتُصَلِّي لِلنَّاسِ فَأُقِيمَ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَصَلَّى أَبُوبَكْرٍ، فَجَاءَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَالنَّاسُ فِي

[684] حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرو بن عوف قبیلے میں صلح کرانے کے لیے تشریف لے گئے۔ جب نماز کا وقت ہوا تو مؤذن نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آکر کہا: اگر آپ نماز پڑھائیں تو میں اقامت کہہ دوں؟ انھوں نے فرمایا: ہاں۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھانے لگے۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے جبکہ لوگ نماز میں مصروف تھے۔

1 شرح الكرماني: 25/2. 2 فتح الباري: 216/2.

الصَّلَاةِ، فَتَخَلَّصَ حَتّٰی وَقَفَ فِي الصَّفِّ فَصَفَّقَ النَّاسُ، وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ لَا يَلْتَفِتُ فِي صَلَاتِهِ، فَلَمَّا أَكْثَرَ النَّاسُ التَّصْفِيقَ الْتَفَتَ فَرَأٰى رَسُولَ اللهِ ﷺ، فَأَشَارَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنِ امْكُثْ مَكَانَكَ، فَرَفَعَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَدَيْهِ، فَحَمِدَ اللهَ عَلٰى مَا أَمَرَهُ بِهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ ذٰلِكَ، ثُمَّ اسْتَأْخَرَ أَبُو بَكْرٍ حَتّٰی اسْتَوٰى فِي الصَّفِّ، وَتَقَدَّمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَصَلّٰى، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: «يَا أَبَا بَكْرٍ! مَا مَنَعَكَ أَنْ تَثْبُتَ إِذْ أَمَرْتُكَ؟» فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: مَاكَانَ لِابْنِ أَبِي قُحَافَةَ أَنْ يُصَلِّيَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَا لِي رَأَيْتُكُمْ أَكْثَرْتُمُ التَّصْفِيقَ؟ مَنْ رَابَهُ شَيْءٌ فِي صَلَاتِهِ فَلْيُسَبِّحْ، فَإِنَّهُ إِذَا سَبَّحَ الْتُفِتَ إِلَيْهِ، وَإِنَّمَا التَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ». [انظر: ١٢٠١، ١٢٠٤، ١٢١٨، ١٢٣٤، ٢٦٩٠، ٢٦٩٣، ٧١٩٠]

آپ صفوں میں سے گزر کر پہلی صف میں پہنچے۔ اس پر لوگوں نے تالیاں پیٹنا شروع کر دیں، لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی نماز میں ادھر ادھر دیکھنے کے عادی نہ تھے۔ جب لوگوں نے مسلسل تالیاں بجائیں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ متوجہ ہوئے اور رسول اللہ ﷺ پر ان کی نظر پڑی (وہ پیچھے ہٹنے لگے) تو رسول اللہ ﷺ نے اشارہ کیا: تم اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں امامت کا اعزاز بخشا ہے، تاہم وہ پیچھے ہٹ کر لوگوں کی صف میں شامل ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی۔ فراغت کے بعد آپ نے فرمایا: ''اے ابوبکر! جب میں نے تمھیں حکم دیا تھا تو تم کھڑے کیوں نہ رہے؟'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ابو قحافہ کے بیٹے کی کیا مجال کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے آگے نماز پڑھائے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ''کیا وجہ ہے کہ میں نے تمھیں بکثرت تالیاں بجاتے ہوئے دیکھا؟ (دیکھو!) جب کسی کو دوران نماز میں کوئی بات پیش آجائے تو سبحان اللہ کہنا چاہیے کیونکہ جب وہ سبحان اللہ کہے گا تو اس کی طرف توجہ دی جائے گی اور تالی بجانا تو صرف عورتوں کے لیے ہے۔''

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے قائم کردہ عنوان کی دونوں صورتوں کو اس حدیث سے ثابت کیا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی: ''اپنی جگہ پر قائم رہو'' سے ثابت ہوا کہ اگر دوسرے امام کے آنے پر پہلا امام جماعت کرانے میں مصروف رہے اور پیچھے نہ ہٹے تو اس کی نماز درست ہے۔ اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے ہٹ جانے اور رسول اللہ ﷺ کے اس پر انکار نہ کرنے سے ثابت ہوا کہ دوسرے امام کے آنے پر اگر پہلا امام پیچھے ہٹ جائے تو بھی اس کی نماز درست ہوگی۔[1] ② یہ نماز جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں امامت کا اعزاز ملا، عصر کی نماز تھی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کی درخواست کرنے والے حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے۔ خود رسول اللہ ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو یہ ہدایت دے کر گئے تھے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مسند احمد، ابوداود اور ابن حبان کے حوالے سے مندرجہ ذیل حدیث نقل کی

1 حاشية السندي: 125/1.

ہے جس میں ان تمام امور کی صراحت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر نماز عصر کا وقت ہو جائے اور میں نہ آسکوں تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہنا کہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔[1] ③ رسول اللہ ﷺ کے ایام علالت میں بھی ایک مرتبہ اس قسم کا واقعہ پیش آیا تھا، لیکن اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بدستور امام رہے اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں نماز فجر کی دوسری رکعت ادا کی تھی جبکہ اس موقع پر آپ پیچھے ہٹ گئے اور رسول اللہ ﷺ نے آگے بڑھ کر جماعت کرائی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ نماز فجر کے موقع پر نماز کا بیشتر حصہ ادا ہو چکا تھا، اس لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے امامت جاری رکھی جبکہ نماز عصر کے موقع پر ابھی نماز کا آغاز ہی ہوا تھا، لہٰذا آپ پیچھے ہٹ گئے اور رسول اللہ ﷺ نے آگے بڑھ کر جماعت کرائی۔ اس طرح جنگ تبوک کے موقع پر ایک مرتبہ ایسا ہی واقعہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی پیش آیا تھا۔ چونکہ نماز فجر کی ایک رکعت ادا ہو چکی تھی، اس لیے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے جماعت جاری رکھی اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی امامت میں دوسری رکعت ادا کی۔[2] ④ دوران نماز میں صفوں کو کاٹنے اور لوگوں کی گردنوں کو پھلانگنے کی ممانعت ہے کیونکہ ایسا کرنا نمازیوں کی تکلیف کا باعث ہے لیکن اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بوقت ضرورت ایسا کرنا جائز ہے، مثلاً: وہ اہل علم و فضل جسے امام کے پیچھے کھڑا ہونا چاہیے تھا تاکہ امام بوقت ضرورت اسے اپنا نائب بنا سکے یا وہ شخص جو اگلی صف میں موجود خلا کو پر کرنا چاہتا ہو تو ایسی صورتیں امتناعی حکم میں شمار نہیں ہوں گی۔[3] نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عمل قلیل سے نماز فاسد نہیں ہوتی جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی جگہ سے ہٹ کر پہلی صف میں شامل ہو گئے تھے، واضح رہے کہ اگر کسی کو اس طرح کی صورت حال سے واسطہ پڑے تو اسے الٹے پاؤں پیچھے ہلنا چاہیے تاکہ قبلے کی طرف پیٹھ نہ ہو اور نہ کسی دوسری طرف ہی منہ کرنا پڑے۔[4]

(٤٩) بَابٌ : إِذَا اسْتَوَوْا فِي الْقِرَاءَةِ فَلْيَؤُمَّهُمْ أَكْبَرُهُمْ

باب: 49- اگر تمام نمازی قراءت میں برابر ہوں تو بڑی عمر والا امام بنے

وضاحت: یہ عنوان صحیح مسلم کی ایک مرفوع حدیث سے ماخوذ ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ''جو سب سے زیادہ قرآن پڑھا ہو وہ لوگوں کا امام بنے۔ اگر قراءت میں سب برابر ہوں تو جس نے ہجرت کی ہو وہ امام بنے۔ اگر ہجرت میں بھی سب یکساں ہوں تو بڑی عمر والا امام بنے۔''[5]

٦٨٥ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ قَالَ: قَدِمْنَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَنَحْنُ شَبَبَةٌ، فَلَبِثْنَا عِنْدَهُ نَحْوًا مِّنْ عِشْرِينَ

[685] حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ہم چند ایک نوجوان تھے۔ ہم تقریباً بیس راتیں رسول اللہ ﷺ کے ہاں مقیم رہے۔ آپ انتہائی مہربان اور رحم دل تھے۔

(1) فتح الباري: 218/2. (2) فتح الباري: 218/2. (3) فتح الباري: 220/2. (4) فتح الباري: 221/2. (5) صحيح مسلم، المساجد، حديث: 1534(673).

لَيْلَةً؛ وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ رَحِيمًا فَقَالَ: «لَوْ رَجَعْتُمْ إِلَى بِلَادِكُمْ فَعَلَّمْتُمُوهُمْ، مُرُوهُمْ فَلْيُصَلُّوا صَلَاةَ كَذَا فِي حِينِ كَذَا، وَصَلَاةَ كَذَا فِي حِينِ كَذَا، وَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ». [راجع: ٦٢٨]

آپ نے (ہماری غریب الوطنی کو محسوس کیا اور) فرمایا: ''جب تم اپنے وطن کو لوٹ کر جاؤ تو انھیں دین کی تعلیم سے آراستہ کرنا۔ انھیں تلقین کرنا کہ فلاں فلاں نماز، فلاں فلاں وقت میں ادا کریں۔ جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے کوئی ایک اذان دے اور جو عمر میں بڑا ہو وہ امامت کرائے۔''

فائدہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ بالا عنوان قائم کر کے حدیث کی تشریح کی ہے، یعنی حدیث میں جو بڑی عمر والے کو امامت کے لیے آگے بڑھانے کی بات ہے وہ اس وقت ہے کہ جب لوگ قراءت قرآن اور علم وفضل میں مساوی ہوں، بصورت دیگر بڑی عمر والے کی تقدیم نہ ہوگی، چنانچہ حدیث بالا میں جن اصحاب کا ذکر ہے وہ جہاں علم وفضل میں برابر تھے وہاں قراءت میں بھی یکساں مقام رکھتے تھے جیسا کہ حضرت ابوقلابہ فرماتے ہیں کہ ہم سب ان دنوں علمی لحاظ سے یکساں درجہ رکھتے تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ راوئ حدیث خالد نے حضرت ابوقلابہ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے بڑی عمر والے کو امام بنانے کی تلقین کی ہے اندریں حالات قراءت کو نظرانداز کیوں کیا گیا؟ حضرت ابوقلابہ نے فرمایا: قراءت میں وہ سب برابر تھے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے انھیں تعلیم دی کہ بڑی عمر والا امامت کے فرائض سرانجام دے۔[1]

(٥٠) بَابٌ: إِذَا زَارَ الْإِمَامُ قَوْمًا فَأَمَّهُمْ

باب: 50- جب امام کسی قوم کے ہاں جائے تو انھیں نماز پڑھا سکتا ہے

وضاحت: بعض روایات میں ہے کہ جب کوئی کسی کو ملنے جائے تو ان کے ہاں امامت نہ کرائے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اس کی تفصیل بیان کرنا چاہتے ہیں۔

٦٨٦ - حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ أَسَدٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي مَحْمُودُ بْنُ الرَّبِيعِ قَالَ: سَمِعْتُ عِتْبَانَ ابْنَ مَالِكٍ الْأَنْصَارِيَّ قَالَ: اسْتَأْذَنَ النَّبِيُّ ﷺ فَأَذِنْتُ لَهُ، فَقَالَ: «أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ مِنْ بَيْتِكَ؟» فَأَشَرْتُ لَهُ إِلَى الْمَكَانِ الَّذِي أُحِبُّ، فَقَامَ وَصَفَفْنَا خَلْفَهُ ثُمَّ سَلَّمَ وَسَلَّمْنَا. [راجع: ٤٢٤]

[686] حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے میرے گھر آنے کی اجازت طلب فرمائی۔ میں نے آپ کو اجازت دے دی۔ آپ نے دریافت فرمایا: ''تم اپنے گھر کے کون سے حصے میں میرا نماز پڑھانا پسند کرتے ہو؟'' میں نے مکان کے اس کونے کی طرف اشارہ کر دیا جسے میں پسند کرتا تھا، چنانچہ آپ کھڑے ہو گئے۔ ہم نے بھی آپ کے پیچھے صف باندھی۔ آخر میں آپ نے سلام پھیرا تو ہم نے بھی سلام پھیر دیا۔

---

1 فتح الباري: 221/2.

فائدہ: اصل یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی کے ہاں ملاقات کے لیے جائے تو نہ امامت کے مصلے پر کھڑا ہو اور نہ ان کی مسند عزت پر ہی فروکش ہو جیسا کہ حدیث میں ہے، البتہ دو صورتوں میں مہمان کو میزبان کے گھر میں امام بنایا جاسکتا ہے: ٭ میزبان خود مہمان سے امامت کی درخواست کرے یا اسے اجازت دے دے ٭ مہمان بڑا امام، یعنی خلیفۂ وقت ہو۔ میزبان کو چاہیے کہ اگر مہمان خلیفۂ وقت ہے تو خود ہی اسے امامت کی پیش کش کر دے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جن روایات میں دوسرے کے گھر جا کر امامت نہ کرانے کا ذکر ہے امام بخاری رحمہ اللہ اس حکم امتناعی سے ''خلیفۂ وقت'' کو مستثنیٰ قرار دینا چاہتے ہیں کہ اسے اجازت ہے جہاں جائے وہاں نماز پڑھائے کیونکہ اسے ولایت عظمیٰ حاصل ہے۔ اس بنا پر عنوان میں امام کی قید احترازی ہے۔

(٥١) بَابٌ: إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ

باب: 51- امام اس لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے

وَصَلَّى النَّبِيُّ ﷺ فِي مَرَضِهِ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ بِالنَّاسِ وَهُوَ جَالِسٌ. وَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ: إِذَا رَفَعَ قَبْلَ الْإِمَامِ يَعُودُ، فَيَمْكُثُ بِقَدْرِ مَا رَفَعَ، ثُمَّ يَتْبَعُ الْإِمَامَ. وَقَالَ الْحَسَنُ فِيمَنْ يَرْكَعُ مَعَ الْإِمَامِ رَكْعَتَيْنِ وَلَا يَقْدِرُ عَلَى السُّجُودِ: يَسْجُدُ لِلرَّكْعَةِ الْآخِيرَةِ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ يَقْضِي الرَّكْعَةَ الْأُولَى بِسُجُودِهَا، وَفِيمَنْ نَسِيَ سَجْدَةً حَتَّى قَامَ: يَسْجُدُ.

نبی ﷺ نے مرض وفات میں لوگوں کو بیٹھ کر نماز پڑھائی (جبکہ لوگ کھڑے ہوئے تھے)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص امام سے پہلے (رکوع یا سجدے سے) سر اٹھا لے، وہ دوبارہ رکوع یا سجدے میں چلا جائے اور اتنی دیر ٹھہرا رہے جتنی دیر اس نے سر اٹھائے رکھا تھا، پھر امام کی پیروی کرے۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا: جو شخص امام کے ساتھ دو رکعت ادا کرے لیکن (بھیڑ کی وجہ سے) سجدہ نہ کر سکے، وہ دوسری رکعت کے لیے دو سجدے کرے، پھر پہلی رکعت سجدوں سمیت دوبارہ پڑھے۔ اور جو شخص بھول کر سجدہ کیے بغیر کھڑا ہو گیا، وہ سجدے میں چلا جائے۔

وضاحت: امام کے ساتھ نماز پڑھتے وقت چار صورتیں ممکن ہیں: ٭ متابعت: مقتدی نماز کے اعمال و افعال کو امام کی پیروی میں ادا کرے۔ ٭ موافقت: مقتدی نماز کے اعمال و افعال کو امام کے ساتھ ساتھ ادا کرے۔ ٭ مسابقت: مقتدی نماز کے اعمال و افعال کو امام سے پہلے ادا کرے۔ ٭ مخالفت: مقتدی نماز کے اعمال و افعال کو امام کے بعد ادا کرے۔ شریعت نے امام کی متابعت کا حکم دیا ہے۔ مسابقت اور مخالفت دونوں منع ہیں۔ موافقت آمین اور سمع اللہ لمن حمدہ کہنے میں ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے انھی صورتوں کو بیان فرمایا ہے۔ مذکورہ عنوان حدیث: 688 کا ایک ٹکڑا ہے۔ اس سے مقصود امامت کا تقاضا بیان کرنا ہے کہ مقتدی تمام احوال و اعمال میں امام کی اقتدا کرے، نہ تو امام کے ساتھ ساتھ چلے اور نہ امام سے آگے بڑھنے کی کوشش

کرے اور نہ اس کی مخالفتِ ہی کا ارتکاب کرے، البتہ ایسی مخالفت کر سکتا ہے جس کے متعلق کوئی شرعی دلیل ہو، مثلاً: امام کسی مجبوری کی بنا پر اگر بیٹھ کر جماعت کراتا ہے تو مقتدی حضرات اس کی مخالفت کرتے ہوئے کھڑے ہو کر نماز پڑھیں گے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے مرفوع حدیث کا ٹکڑا پیش کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مقتدی ان افعال میں امام کی مخالفت کر سکتے ہیں جس کے متعلق شرعی دلیل موجود ہے۔[1] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول مصنف ابن ابی شیبہ (454/2) میں بایں الفاظ موجود ہے: لوگو! رکوع و سجود میں اپنے اماموں سے جلدی نہ کیا کرو۔ اگر تم میں سے کوئی اپنا سر اٹھالے جبکہ امام ابھی سجدے میں ہو تو وہ دوبارہ سجدے میں چلا جائے اور جتنی دیر امام سے مسابقت کی تھی اتنی دیر تک سجدے میں پڑا رہے۔ مصنف عبدالرزاق (375/2) میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا منقول ہے۔[2] شارح بخاری امام زین بن منیر فرماتے ہیں کہ جب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہاں امام سے پہلے سر اٹھانے والے شخص کو اسی قدر حصہ دوبارہ ادا کرنے کا حکم ہے جس میں وہ امام کی اقتدا سے نکل گیا تھا، اس لیے بہتر ہے کہ وہ مکمل طور پر رکوع و سجود میں امام کی اقتدا کرے۔ اسی سے اس اثر کی عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہوتی ہے۔[3] واضح رہے کہ حضرت حسن بصری کے پیش کردہ قول کے حسب ذیل دو حصے ہیں: ❁ پہلے قول کو ابن منذر نے اپنی تالیف ''الکبیر'' میں موصولاً بیان کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ''جو آدمی امام کے ساتھ جمعے کی نماز پڑھ رہا ہو، رش کی وجہ سے سجدہ نہ کر سکے تو جب لوگ نماز سے فارغ ہو جائیں، اسے چاہیے کہ وہ پہلی رکعت کے لیے دو سجدے کرے پھر کھڑا ہو جائے اور ایک رکعت دو سجدوں سمیت دوبارہ پڑھے۔''[4] اس اثر کی عنوان سے مطابقت اس طرح ہے کہ امام کی اقتدا اور پیروی انتہائی ضروری ہے حتی کہ اگر کسی مجبوری کی وجہ سے دوران نماز میں کسی رکعت کے ارکان کو امام کی اقتدا میں ادا نہ کر سکا تو اسے امام حسن بصری کے ہاں وہ رکعت دوبارہ پڑھنی ہوگی۔ واللہ أعلم۔ ✻ دوسرا قول مصنف ابن ابی شیبہ (415/2) میں بایں الفاظ ذکر ہوا ہے: وہ آدمی جو اپنی نماز کے آغاز میں سجدہ کرنا بھول گیا پھر آخری رکعت میں یاد آیا، اس رکعت میں تین سجدے کرنے ہوں گے۔ اگر سلام پھیرنے سے پہلے یاد آیا تو ایک سجدہ کرے گا اور اگر سلام پھیرنے کے بعد یاد آیا تو پوری نماز اسے دوبارہ ادا کرنی ہوگی۔[5] اس قول کی عنوان سے کوئی مطابقت نہیں اور اسے تبعاً ذکر کر دیا گیا ہے لیکن اس کا مطلب یہ بھی لیا جا سکتا کہ ایک شخص امام کی اقتدا کر رہا تھا اور بحالت قیام اسے نیند آگئی، جب وہ بیدار ہوا تو امام ایک سجدہ کر چکا تھا، ایسی صورت میں مقتدی سجدہ کر کے امام کے ساتھ شامل ہو جائے، چونکہ سجدہ رکن نماز ہے اور اس کی ادائیگی ضروری ہے۔ اس صورت میں مسئلہ امامت سے بھی تعلق پیدا ہو جائے گا۔

٦٨٧ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ قَالَ: حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنْ مُوسَى بْنِ أَبِي عَائِشَةَ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ ابْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ

[687] حضرت عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: آپ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض

---

1 فتح الباري: 225/2. 2 فتح الباري: 226/2. 3 فتح الباري: 226/2. 4 فتح الباري: 226/2. 5 فتح الباري: 226/2.

فَقُلْتُ: أَلَا تُحَدِّثِينِي عَنْ مَرَضِ رَسُولِ اللهِ ﷺ؟ قَالَتْ: بَلٰى، ثَقُلَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: «أَصَلَّى النَّاسُ؟» فَقُلْنَا: لَا، يَارَسُولَ اللهِ! وَهُمْ يَنْتَظِرُونَكَ، قَالَ: «ضَعُوا لِي مَاءً فِي الْمِخْضَبِ»، قَالَتْ: فَفَعَلْنَا، فَاغْتَسَلَ فَذَهَبَ لِيَنُوءَ فَأُغْمِيَ عَلَيْهِ ثُمَّ أَفَاقَ، فَقَالَ ﷺ: «أَصَلَّى النَّاسُ؟» قُلْنَا: لَا، هُمْ يَنْتَظِرُونَكَ يَارَسُولَ اللهِ! قَالَ: «ضَعُوا لِي مَاءً فِي الْمِخْضَبِ»، قَالَتْ: فَقَعَدَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ ذَهَبَ لِيَنُوءَ فَأُغْمِيَ عَلَيْهِ ثُمَّ أَفَاقَ، فَقَالَ: «أَصَلَّى النَّاسُ؟» قُلْنَا: لَا، هُمْ يَنْتَظِرُونَكَ يَارَسُولَ اللهِ فَقَالَ: «ضَعُوا لِي مَاءً فِي الْمِخْضَبِ» فَقَعَدَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ ذَهَبَ لِيَنُوءَ فَأُغْمِيَ عَلَيْهِ، ثُمَّ أَفَاقَ فَقَالَ: «أَصَلَّى النَّاسُ؟» فَقُلْنَا: لَا، هُمْ يَنْتَظِرُونَكَ يَا رَسُولَ اللهِ! - وَالنَّاسُ عُكُوفٌ فِي الْمَسْجِدِ يَنْتَظِرُونَ رَسُولَ اللهِ ﷺ لِصَلَاةِ الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ - فَأَرْسَلَ النَّبِيُّ ﷺ إِلٰى أَبِي بَكْرٍ بِأَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ فَأَتَاهُ الرَّسُولُ فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَأْمُرُكَ أَنْ تُصَلِّيَ بِالنَّاسِ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ، وَكَانَ رَجُلًا رَقِيقًا: يَا عُمَرُ صَلِّ بِالنَّاسِ، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: أَنْتَ أَحَقُّ بِذٰلِكَ، فَصَلّٰى أَبُو بَكْرٍ تِلْكَ الْأَيَّامَ، ثُمَّ إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَجَدَ مِنْ نَفْسِهِ خِفَّةً، فَخَرَجَ بَيْنَ رَجُلَيْنِ أَحَدُهُمَا الْعَبَّاسُ لِصَلَاةِ الظُّهْرِ وَأَبُو بَكْرٍ يُصَلِّي بِالنَّاسِ، فَلَمَّا رَآهُ أَبُوبَكْرٍ ذَهَبَ لِيَتَأَخَّرَ، فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ بِأَنْ لَا يَتَأَخَّرَ، قَالَ: «أَجْلِسَانِي إِلٰى جَنْبِهِ»،

وفات کے متعلق کچھ بتانا پسند فرمائیں گی؟ حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: کیوں نہیں، سنیے جب نبی ﷺ بیمار تھے تو آپ نے دریافت فرمایا: ''لوگ نماز پڑھ چکے ہیں؟'' ہم نے عرض کیا: نہیں، یا رسول اللہ! بلکہ وہ آپ کے منتظر ہیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: ''میرے لیے ایک لگن میں پانی بھر دو۔'' حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: ہم نے ایسا ہی کیا، چنانچہ آپ نے غسل فرمایا: پھر اٹھنے لگے تو بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا لوگ نماز پڑھ چکے ہیں؟'' ہم نے عرض کیا: نہیں، یا رسول اللہ! وہ تو آپ کے منتظر ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''میرے لیے ٹب میں پانی رکھ دو۔'' حضرت عائشہ ؓ کا بیان ہے کہ آپ بیٹھ گئے اور غسل فرمایا۔ پھر جب آپ نے کھڑے ہونے کا ارادہ کیا تو بے ہوش ہو گئے۔ اس کے بعد ہوش آیا تو آپ نے فرمایا: ''کیا لوگ نماز پڑھ چکے ہیں؟'' ہم نے کہا: نہیں، یا رسول اللہ! وہ آپ کے منتظر ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''میرے لیے ٹب میں پانی رکھ دو۔'' (ہم نے پانی رکھ دیا) تو آپ بیٹھ گئے اور غسل فرمایا۔ پھر جب آپ اٹھنے لگے تو بے ہوش ہو گئے۔ بعدازاں ہوش آیا تو آپ نے پوچھا: ''کیا لوگ نماز پڑھ چکے ہیں؟'' ہم نے کہا: نہیں، یا رسول اللہ! وہ آپ کے منتظر ہیں۔ لوگ عشاء کی نماز کے لیے مسجد میں بیٹھے رسول اللہ ﷺ کا انتظار کر رہے تھے۔ انجام کار نبی ﷺ نے حضرت ابوبکر ؓ کے پاس ایک آدمی بھیجا اور حکم دیا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ آپ ﷺ کا فرستادہ ان کے پاس آیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ آپ کو حکم دے رہے ہیں کہ آپ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت ابوبکر ؓ چونکہ انتہائی نرم دل انسان تھے، اس لیے انھوں نے حضرت عمر ؓ سے کہا: اے عمر! تم لوگوں کو نماز پڑھا دو۔ حضرت عمر ؓ نے ان سے کہا: آپ اس منصب کے زیادہ حق دار ہیں، چنانچہ حضرت ابوبکر ؓ نے ان دنوں لوگوں کو نمازیں پڑھائیں۔ اس کے بعد

فَأَجْلَسَاهُ إِلَى جَنْبِ أَبِي بَكْرٍ قَالَ: فَجَعَلَ أَبُوبَكْرٍ يُصَلِّي وَهُوَ قَائِمٌ بِصَلَاةِ النَّبِيِّ ﷺ وَالنَّاسُ بِصَلَاةِ أَبِي بَكْرٍ، وَالنَّبِيُّ ﷺ قَاعِدٌ.

نبی ﷺ نے اپنے مرض میں کچھ افاقہ محسوس فرمایا تو آپ دو آدمیوں کے درمیان سہارا لے کر نماز ظہر کے لیے برآمد ہوئے۔ ان میں سے ایک حضرت عباس رضی اللہ عنہ تھے۔ اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے۔ جب آپ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو پیچھے ہٹنے لگے مگر نبی ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ پیچھے نہ ہٹیں۔ پھر آپ نے فرمایا: ''مجھے ان کے پہلو میں بٹھا دو۔'' چنانچہ ان دونوں نے آپ کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بٹھا دیا۔ اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تو کھڑے ہو کر نبی ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے تھے جبکہ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں نماز ادا کر رہے تھے اور نبی ﷺ بیٹھے ہوئے تھے۔

قَالَ عُبَيْدُ اللهِ: فَدَخَلْتُ عَلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ فَقُلْتُ لَهُ: أَلَا أَعْرِضُ عَلَيْكَ مَا حَدَّثَتْنِي عَائِشَةُ عَنْ مَرَضِ رَسُولِ اللهِ ﷺ؟ قَالَ: هَاتِ، فَعَرَضْتُ عَلَيْهِ حَدِيثَهَا فَمَا أَنْكَرَ مِنْهُ شَيْئًا غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ: أَسَمَّتْ لَكَ الرَّجُلَ الَّذِي كَانَ مَعَ الْعَبَّاسِ؟ قُلْتُ: لَا، قَالَ: هُوَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ. [راجع: ١٩٨]

عبیداللہ نے کہا: پھر میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ میں وہ حدیث تمھارے گوش گزار کروں جو مجھ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے مرض وفات کے متعلق بیان کی ہے؟ انھوں نے فرمایا: پیش کرو۔ میں نے ان کے سامنے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بیان کردہ حدیث پیش کی تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس میں سے کسی بات کا انکار نہ کیا صرف اتنا کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تمھیں اس شخص کا نام بھی بتایا جو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھا؟ میں نے کہا: نہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔

فوائد و مسائل: ① یہ حدیث اس اجمال کی تفصیل ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب کے تحت پہلے ذکر کیا ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی پیروی میں نماز پڑھنے لگے۔ یہی ٹکڑا امام بخاری رحمہ اللہ کے قائم کردہ عنوان کے مطابق ہے، یعنی امام اس لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔[1] ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام راتب جب بیمار ہو جائے اور جماعت نہ کرا سکتا ہو تو اسے چاہیے کہ کسی کو اپنا نائب مقرر کر دے، بیٹھ کر نماز پڑھانے سے یہ بہتر ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کے لیے اپنا نائب مقرر فرمایا اور انھیں بیٹھ کر نماز نہیں پڑھائی۔ رسول اللہ ﷺ نے بیٹھ کر صرف ایک دفعہ مقتدی صحابہ کو نماز پڑھائی تھی۔ ③ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معذور امام بیٹھ کر نماز پڑھا سکتا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا بیٹھ کر امامت کے فرائض سرانجام دینا آپ کا خاصہ ہے کیونکہ

[1] عمدة القاري: 300/4.

آپ نے فرمایا کہ میرے بعد کوئی آدمی بیٹھ کر نماز نہ پڑھائے۔ یہ موقف صحیح نہیں کیونکہ پیش کردہ حدیث مرسل ہے جو ائمۂ حدیث کے نزدیک قابل حجت نہیں ہوتی۔[1]

٦٨٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ أَنَّهَا قَالَتْ: صَلَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي بَيْتِهِ وَهُوَ شَاكٍ، فَصَلَّى جَالِسًا وَصَلَّى وَرَاءَهُ قَوْمٌ قِيَامًا، فَأَشَارَ إِلَيْهِمْ أَنِ اجْلِسُوا، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: «إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوا، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ؛ فَقُولُوا: رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا». [انظر: ١١١٣، ١٢٣٦، ٥٦٥٨]

[688] ام المومنین حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھر میں نماز پڑھی۔ چونکہ آپ بیمار تھے، اس لیے آپ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے جبکہ لوگ دوران نماز میں آپ کے پیچھے کھڑے تھے۔ آپ نے انھیں بیٹھ جانے کا اشارہ فرمایا۔ پھر جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: ''امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ جب وہ رکوع میں چلا جائے تو تم بھی رکوع میں چلے جاؤ اور جب وہ سر اٹھائے تو تم بھی سر اٹھالو۔ اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا و لك الحمد کہو۔ اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔''

فائدہ: یہ مرض وفات سے پہلے کا واقعہ ہے جب رسول اللہ ﷺ گھوڑے سے گر کر زخمی ہو گئے تھے۔ اس روایت میں حضرت عائشہ ؓ نے رسول اللہ ﷺ کی بیماری کی نوعیت کو مبہم رکھا ہے جبکہ حضرت انس اور حضرت جابر ؓ کی روایات میں اس کی صراحت ہے کہ گھوڑے سے گرنے کی وجہ سے آپ کا دایاں پہلو متاثر ہوا تھا، اس کے علاوہ آپ کے پاؤں کو بھی موچ آ گئی تھی، اس بنا پر رسول اللہ ﷺ نے بالا خانے میں قیام فرمایا اور تیمارداری کرنے والے صحابہ کو نماز پڑھائی۔ ابوداود میں ہے کہ اس وقت دو مرتبہ آپ کے جانثار صحابۂ کرام ؓ آپ کی تیمارداری کے لیے حاضر خدمت ہوئے اور دونوں مرتبہ آپ نے انھیں بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ پہلی دفعہ نفلی نماز پڑھائی تھی، چنانچہ صحابۂ کرام ؓ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے جبکہ آپ بیٹھے ہوئے تھے لیکن آپ نے انھیں بیٹھنے کا حکم نہیں دیا اور دوسری مرتبہ جو نماز پڑھائی وہ فرض نماز تھی اور آپ نے دوران نماز میں کھڑے ہوئے صحابۂ کرام ؓ کو بیٹھنے کا اشارہ فرمایا۔[2] امام ابن حبان کی صراحت کے مطابق گھوڑے سے گرنے کا واقعہ ہجرت کے پانچویں سال پیش آیا۔[3]

٦٨٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ رَكِبَ فَرَسًا فَصُرِعَ عَنْهُ فَجُحِشَ

[689] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ گھوڑے پر سوار ہوئے تو اس پر سے گر پڑے، جس سے آپ کے دائیں پہلو میں چوٹیں

1 فتح الباري: 227/2. 2 فتح الباري: 233/2. 3 فتح الباري: 231/2.

شِقُّهُ الْأَيْمَنُ، فَصَلّٰى صَلَاةً مِّنَ الصَّلَوَاتِ وَهُوَ قَاعِدٌ، فَصَلَّيْنَا وَرَاءَهُ قُعُودًا، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: «إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا صَلّٰى قَائِمًا فَصَلُّوا قِيَامًا، فَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوا، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَقُولُوا: رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، وَإِذَا صَلّٰى قَائِمًا فَصَلُّوا قِيَامًا وَّإِذَا صَلّٰى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا أَجْمَعُونَ».

آئیں، چنانچہ آپ نے ایک نماز بیٹھ کر پڑھی تو ہم نے بھی آپ کے پیچھے بیٹھ کر وہ نماز پڑھی۔ جب آپ نے سلام پھیرا تو فرمایا: ''امام اس لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، لہٰذا جب وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔ جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو۔ جب وہ سر اٹھائے تو تم بھی سر اٹھاؤ اور جب وہ سمع الله لمن حمده کہے تو تم ربنا و لك الحمد کہو۔ اور جب وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: قَالَ الْحُمَيْدِيُّ: قَوْلُهُ: «إِذَا صَلّٰى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا» هُوَ فِي مَرَضِهِ الْقَدِيمِ ثُمَّ صَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ النَّبِيُّ ﷺ جَالِسًا، وَالنَّاسُ خَلْفَهُ قِيَامٌ لَّمْ يَأْمُرْهُمْ بِالْقُعُودِ وَإِنَّمَا يُؤْخَذُ بِالْآخِرِ فَالْآخِرِ مِنْ فِعْلِ النَّبِيِّ ﷺ. [راجع: ٣٧٨]

ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان: ''جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔'' اس کے متعلق امام حمیدی بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کا مذکورہ فرمان آپ کی پہلی بیماری کے متعلق ہے، اس کے بعد آپ نے خود (مرض وفات میں) بیٹھ کر نماز پڑھائی جبکہ لوگ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے۔ آپ نے انھیں بیٹھنے کا حکم نہیں دیا۔ قاعدہ بھی ہے کہ نبی ﷺ کے آخری اور آخری عمل کو لیا جائے۔

فوائد و مسائل: ① امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام کی اقتدا سے مراد صرف ظاہری افعال و اعمال میں اقتدا کرنا ہے، نیت میں اقتدا ضروری نہیں، چنانچہ مُتَنَفِّل کے پیچھے فرض نماز اور متفرض کے پیچھے نفل پڑھنا جائز ہے اور ایسا کرنا متعدد احادیث سے ثابت ہے۔[1] ② امام حمیدی کے قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان بھی اس طرف ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بیان کردہ مرض وفات والی حدیث اس حدیث کے لیے ناسخ ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو، لیکن اس حدیث کو منسوخ قرار دینا کئی ایک اعتبار سے محل نظر ہے، چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ نے مذکورہ نسخ کا انکار کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ دو متعارض احادیث میں نسخ کا دعویٰ اس وقت صحیح ہو سکتا ہے جب ان میں تطبیق ممکن نہ ہو، پھر انھوں نے جمع کی دو صورتیں بیان فرمائی ہیں: ٭ جب امام ایسی بیماری میں مبتلا ہو جس سے شفایابی کی امید ہو اور وہ بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی بھی بیٹھ کر نماز پڑھیں گے۔ اگر ایسی بیماری ہو جس سے صحت کی امید نہ ہو تو مقتدی کھڑے ہو کر نماز

1 شرح الكرماني: 5/72.

پڑھیں گے۔ ◌ اگر امام نماز کا آغاز کھڑے ہو کر کرے تو مقتدی بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھیں گے، خواہ بعد میں کوئی ایسی صورت پیش آجائے کہ امام بیٹھ کر نماز پڑھانے لگے اور اگر آغاز نماز ہی بیٹھ کر کرے تو مقتدی بھی بیٹھ کر پڑھیں گے، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے مرض وفات کے وقت کھڑے ہو کر نماز پڑھنا شروع کی تھی بعد میں جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو آپ نے بیٹھ کر نماز مکمل فرمائی، ایسے حالات میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے کھڑے رہنے پر آپ نے کوئی انکار نہیں کیا جبکہ گھوڑے سے گرنے کے واقعے میں چونکہ آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھانا شروع کی تھی، لہٰذا آپ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم دیا۔[1]

(٥٢) بَابٌ: مَتَى يَسْجُدُ مَنْ خَلْفَ الْإِمَامِ؟

باب: 52- امام کے پیچھے کھڑا ہونے والا کب سجدہ کرے؟

وَقَالَ أَنَسٌ: فَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا.

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب امام سجدے میں جائے تو پھر تم سجدہ کرو۔

وضاحت: اس روایت کو امام بخاری رحمہ اللہ نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔[2] مذکورہ روایت میں صرف "فا" استعمال ہوا ہے جو تعقیب کے لیے ہے۔ تعقیب کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ ایک شئے دوسری شئے کے بعد ہو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مقتدی حضرات امام کے سجدے کے بعد سجدہ کریں، یعنی جب امام سجدے سے فارغ ہو جائے تو مقتدی سجدہ شروع کرے۔ یہ بات مقتدی کے لیے امام کی متابعت کے خلاف ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث بیان کر کے اس وہم کو دور کیا ہے کہ مقتدی سجدہ تو امام کے ساتھ ہی کرے گا لیکن پہلے امام اسے شروع کرے پھر اس کے متصل بعد مقتدی سجدہ کریں۔ انھیں امام سے مسابقت یا مخالفت کی اجازت نہیں ہے۔

٦٩٠ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ سُفْيَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو إِسْحَاقَ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ قَالَ: حَدَّثَنِي الْبَرَاءُ - وَهُوَ غَيْرُ كَذُوبٍ - قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا قَالَ: «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» لَمْ يَحْنِ أَحَدٌ مِنَّا ظَهْرَهُ حَتَّى يَقَعَ النَّبِيُّ ﷺ سَاجِدًا ثُمَّ نَقَعُ سُجُودًا بَعْدَهُ.

[690] حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما...... جو جھوٹے نہیں ہیں...... ان سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو ہم میں سے کوئی شخص اپنی کمر نہ جھکاتا، حتی کہ نبی ﷺ سجدے میں چلے جاتے۔ پھر ہم آپ کے بعد سجدہ ریز ہوتے۔

حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِي

ہم سے ابونعیم نے بیان کیا، انھوں نے کہا: ہم سے

1 فتح الباري: 229/2. 2 صحيح البخاري، الأذان، حديث: 732.

إِسْحَاقَ نَحْوَهُ بِهٰذَا. [انظر: ۷٤۷، ۸۱۱]

سفیان ثوری نے، انھوں نے ابو اسحاق سے اسی کی مثل (حدیث) بیان کی۔

فائدہ: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حدیث کا پس منظر طبرانی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ راویٔ حدیث حضرت عبداللہ بن یزید کوفے میں لوگوں کو نماز پڑھایا کرتے تھے۔ وہاں کے نمازی حضرات امام سے پہلے ہی اپنے سر سجدے میں رکھ دیا کرتے تھے اور امام سے پہلے ہی اپنے سر اٹھا لیا کرتے تھے، اس پر انھوں نے یہ حدیث ان کے مذکورہ عمل کی تردید میں بیان فرمائی۔[1] اس حدیث میں امام کی اقتدا کو بیان کیا گیا ہے، چنانچہ امام ابوداود رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں ایک عنوان بایں الفاظ قائم کیا ہے: ''مقتدی کو امام کی پوری متابعت کرنی چاہیے'' اس کے تحت حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم مجھ سے پہلے رکوع اور سجدے میں مت جایا کرو، جس قدر میں رکوع (یا سجدہ) تم سے پہلے کروں گا اتنا تم پالو گے جب میں تم سے پہلے اپنا سر اٹھاؤں گا کیونکہ میں موٹا ہو گیا ہوں۔''[2] یعنی جب میں رکوع یا سجدے سے سر اٹھاؤں گا تو تم لوگ رکوع اور سجدے میں رہو گے یہ عوض ہوگا اس قدر دیر کا جو تم میرے بعد رکوع یا سجدے میں گئے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ کا بدن بھاری ہو گیا تو آپ نے اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بطور خاص ہدایت فرمائی کہ میری اتباع میں حسب عادت جاری رہنے کی وجہ سے کہیں مسابقت اور مبادرت کے مرتکب نہ ہو جائیں۔ اس سے واضح طور پر مقارنت کی نفی ثابت ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مقتدی حضرات اپنے امام کے افعال پر نظر رکھیں، جب وہ کسی رکن میں مصروف ہو جائے پھر انھیں اس رکن میں مصروف ہونے کی اجازت ہے، اس سے پہلے یا اس کے ساتھ یا رکن سے فراغت کے بعد اس میں مصروف ہونے کی اجازت نہیں۔[3]

(٥٣) بَابُ إِثْمِ مَنْ رَفَعَ رَأْسَهُ قَبْلَ الْإِمَامِ

باب: 53- اس شخص کے گناہ کا بیان جس نے (رکوع اور سجدے میں) امام سے پہلے سر اٹھا لیا

٦٩١ - حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «أَمَا يَخْشَى أَحَدُكُمْ، أَوْ لَا يَخْشَى أَحَدُكُمْ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ قَبْلَ الْإِمَامِ أَنْ يَجْعَلَ اللهُ رَأْسَهُ رَأْسَ حِمَارٍ؟ أَوْ يَجْعَلَ اللهُ صُورَتَهُ صُورَةَ حِمَارٍ؟».

[691] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''تم میں سے جو شخص اپنا سر امام سے پہلے اٹھاتا ہے، اسے کیا اس بات کا خوف نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے سر کو گدھے کے سر جیسا بنا دے؟ یا اس کی صورتِ گدھے کی صورت جیسی بنا دے؟''

فوائد ومسائل: ① اگرچہ اس حدیث میں امام سے پہلے سر اٹھانے والے کے لیے وعید کا بیان ہے، تاہم دوران نماز میں

1 فتح الباري: 236/2. 2 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 619. 3 فتح الباري: 236/2.

کوئی کام بھی امام سے پہلے سرانجام دینا منع ہے۔ اس بارے میں ایک اور روایت بھی مشہور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص امام سے پہلے سر اٹھاتا ہے یا نیچے رکھتا ہے، اس کی پیشانی شیطان کے قبضے میں ہے۔'' اس کا ذکر حافظ ابن حجر ؒ نے بھی فتح الباری (237/2) میں کیا ہے لیکن یہ روایت مرفوعا صحیح نہیں۔ دیکھیے: (المعجم الأوسط: 385/5، حدیث: 7692) جمہور کے نزدیک ایسا کرنے والا گناہ گار تو ہوگا لیکن اس کی نماز ہو جائے گی لیکن صحیح بات یہ ہے کہ دانستہ ایسا کرنے والے کی نماز باطل ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ فرماتے ہیں کہ ایسے آدمی کی نماز سرے سے نہیں ہوتی، امام احمد وغیرہ کا بھی یہی موقف ہے کیونکہ نہی فساد کا تقاضا کرتی ہے۔ اگر اس کی نماز درست ہوتی تو اس کے لیے ثواب کی امید رکھی جاتی اور عقاب کا اندیشہ نہ ہوتا۔[1] علامہ سندھی فرماتے ہیں کہ ایسے آدمی کی نماز کو درست کہنے والوں پر تعجب ہے۔ یہ حضرات امام سے آگے نماز پڑھنے والے کی نماز کو تو درست نہیں کہتے لیکن افعال میں آگے بڑھنے والے کی نماز کو درست قرار دیتے ہیں، حالانکہ اقتدا نماز کے افعال ہی میں کرنی ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے اگر جگہ میں امام سے آگے بڑھنے والے کی نماز فاسد ہے تو افعال میں آگے بڑھنے والے کی نماز بالاولیٰ فاسد ہونی چاہیے۔[2] ② بعض لوگ حدیث میں بیان کردہ وعید کو مجاز پر محمول کرتے ہیں، یعنی ایسے شخص کی بے وقوفی اور کم عقلی کو ان الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ اس امت میں مسخ جائز نہیں، علاوہ ازیں بکثرت اس حکم کی مخالفت کے باوجود کوئی واقعہ بھی تبدیلئ شکل کے متعلق منقول نہیں ہوا۔ یہ موقف مبنی بر حقیقت نہیں ہے کیونکہ اس امت میں مسخ کی نفی علی الاطلاق درست نہیں۔ حضرت عائشہ ؓ سے مروی ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''اس امت کے آخری دور میں خسف، مسخ اور قذف واقع ہوگا۔'' رہی یہ بات کہ ایسا کوئی واقعہ رونما کیوں نہیں ہوا؟ تو یہ محض اللہ کا فضل ہے کہ ایسے شخص کو فوری طور پر سزا نہیں دی جاتی، کتنی ہی سزائیں ایسی ہیں کہ بندہ ان کا مستحق بن جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس سے درگزر فرماتا ہے، نیز حدیث سے صرف یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایسا آدمی اس سزا کا مستحق ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے لوگوں کو ڈھیل دے رکھی ہو۔[3] ③ حافظ ابن حجر ؒ نے اس بحث کے آخر میں بڑی عمدہ بات لکھی ہے کہ امام سے مسابقت کا سبب بندے کی جلد بازی ہوتی ہے تو ایسے انسان کو سوچنا چاہیے کہ وہ جتنی بھی جلدی کرے آخر سلام تو اس نے امام کے ساتھ ہی پھیرنا ہے۔[4]

(٥٤) بَابُ إِمَامَةِ الْعَبْدِ وَالْمَوْلَى

باب: 54- غلام اور آزاد کردہ غلام کی امامت

وَكَانَتْ عَائِشَةُ يَؤُمُّهَا عَبْدُهَا ذَكْوَانُ مِنَ الْمُصْحَفِ. وَوَلَدِ الْبَغِيِّ وَالْأَعْرَابِيِّ وَالْغُلَامِ الَّذِي لَمْ يَحْتَلِمْ لِقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «يَؤُمُّهُمْ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللهِ»، وَلَا يُمْنَعُ الْعَبْدُ مِنَ الْجَمَاعَةِ بِغَيْرِ عِلَّةٍ.

حضرت عائشہ ؓ کی امامت ان کا غلام ذکوان قرآن سے دیکھ کر کیا کرتا تھا۔ اسی طرح ولد الزنا، اعرابی اور نابالغ لڑکے کی امامت بھی جائز ہے کیونکہ ارشاد نبوی ہے: ''لوگوں کی امامت وہ شخص کرائے جو سب سے زیادہ قرآن پڑھا ہوا ہو۔'' نیز غلام کو بلا وجہ جماعت کرانے سے نہیں روکا جاسکتا۔

---

1 فتح الباري: 238/2. 2 حاشية السندي: 128/1. 3 عمدة الأحكام: 313/4. 4 فتح الباري: 238/2.

وضاحت: اس عنوان کے تحت امام بخاری ؒ نے پانچ قسم کے لوگوں کی امامت پر بحث کی ہے، یعنی غلام، آزاد کردہ غلام، ولد الزنا، اعرابی اور نابالغ لڑکا۔ یہ سب امامت کرا سکتے ہیں یا نہیں؟ اگرچہ عنوان میں جواز یا عدم جواز کی صراحت نہیں، تاہم امام بخاری ؒ نے جن دلائل کا ذکر کیا ہے ان کے پیش نظر آپ کا رجحان جواز کی طرف ہے۔ عنوان میں دو معلق روایات کو بیان کیا گیا ہے: پہلی تعلیق کو ابن ابی شیبہ نے (306/3 میں) موصولاً بیان کیا ہے جبکہ دوسری تعلیق حضرت ابو مسعود ؓ سے مروی حدیث کا ایک حصہ ہے جو صحیح بخاری کے باب: 46 میں گزر چکی ہے۔ صحیح مسلم میں بھی یہ حدیث موجود ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قوم کی امامت وہ کرائے جو ان میں سب سے زیادہ قرآن پڑھا ہوا ہو۔“ [1] اس روایت کے اطلاق سے مذکورہ پانچوں لوگوں کی امامت کو جائز ثابت کیا گیا ہے کیونکہ جب یہ زیادہ قرآن پڑھے ہوئے ہوں تو امام بننے کے زیادہ حق دار ہوں گے۔ واضح رہے کہ ابو عمرو ذکوان، حضرت عائشہ ؓ کے مدبر غلام تھے۔ یہ اپنے والد اور دیگر لوگوں کے ہمراہ حضرت عائشہ ؓ کے ہاں رمضان المبارک میں مدینے کی بالائی وادی سے آیا کرتے تھے اور حضرت ذکوان ان کی امامت قرآن سے دیکھ کر کراتے تھے، چنانچہ قرآن دیکھ کر جماعت کرانے میں چنداں حرج نہیں بشرطیکہ اس کی ضرورت ہو اور اسے عادت نہ بنا لیا جائے۔ [2]

٦٩٢ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: لَمَّا قَدِمَ الْمُهَاجِرُونَ الْأَوَّلُونَ الْعُصْبَةَ - مَوْضِعٌ بِقُبَاءٍ - قَبْلَ مَقْدَمِ رَسُولِ اللهِ ﷺ كَانَ يَؤُمُّهُمْ سَالِمٌ مَوْلَى أَبِي حُذَيْفَةَ، وَكَانَ أَكْثَرَهُمْ قُرْآنًا. [انظر: ٧١٧٥]

[692] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کی مدینہ آمد سے قبل جب اولین مہاجرین قباء کے مقام ”عصبہ“ پر پہنچے تو ان کی امامت سالم مولی ابو حذیفہ ؓ کیا کرتے تھے۔ انھیں سب سے زیادہ قرآن یاد تھا۔

فوائد و مسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ حضرت سالم مولی ابو حذیفہ ؓ جن صحابۂ کرام ؓ کی امامت کراتے تھے ان میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت ابو سلمہ، حضرت زید بن حارثہ اور حضرت عامر بن ربیعہ ؓ بھی ہوتے تھے۔ [3] حضرت ابوبکر ؓ کا ان میں موجود ہونا محل نظر ہے کیونکہ وہ تو رسول اللہ ﷺ کی رفاقت میں ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے جبکہ روایت کے حوالے سے یہ واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے۔ اس کا امام بیہقی نے یہ جواب دیا ہے کہ حضرت سالم ؓ ہجرت کے بعد ان کی جماعت کرواتے تھے ممکن ہے کہ اس کے بعد حضرت ابوبکر ؓ بھی ان میں موجود ہوں۔ واللہ أعلم. ترجمۃ الباب کے ساتھ اس کی مناسبت یہ ہے کہ تمام بڑے بڑے قریشی صحابۂ کرام ؓ نے حضرت سالم ؓ کو امامت کے لیے اپنے آپ پر مقدم کیا، اس لیے غلام کی امامت درست ہے، نیز اس سے عنوان کا دوسرا حصہ بھی ثابت ہو گیا کہ غلام کو بلاوجہ امامت سے نہ روکا جائے۔ [4] واضح رہے کہ حضرت سالم ؓ دراصل ایک انصاری عورت کے غلام تھے، اس نے آپ کو آزاد کر دیا تھا لیکن وہ آزادی

---

1 صحيح مسلم، الصلاة، حديث: 1532 (673). 2 فتح الباري: 239/2. 3 صحيح البخاري، الأحكام، حديث: 7175. 4 فتح الباري: 241/2.

سے قبل ہی لوگوں کی امامت کراتے تھے۔ آزادی کے بعد حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے انھیں اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا تھا اسی لیے آپ کو سالم مولی ابو حذیفہ کہا جاتا تھا۔ غلام کی امامت جمہور کے نزدیک درست ہے۔ صرف امام مالک سے اس موقف کی مخالفت منقول ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ غلام، آزاد لوگوں کا امام نہ بنے۔ ہاں، اگر وہ عالم اور قاری ہو اور مقتدی ایسے نہ ہوں تو ایسے حالات میں اسے امام بنایا جاسکتا ہے لیکن جمعہ کے لیے پھر بھی امام بنانا صحیح نہیں کیونکہ جمعہ غلام پر فرض نہیں ہے۔ علامہ اشہب مالکی نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے کہا ہے کہ جمعہ کے لیے بھی غلام کو امام بنایا جاسکتا ہے کیونکہ جب وہ شریک جمعہ ہوگا تو اس سے فرض ہی ادا ہوگا۔[1] ② بعض حضرات نے نابالغ کی امامت کو ناجائز کہا ہے۔ وہ ایک حدیث پیش کرتے ہیں جسے مصنف عبدالرزاق کے حوالے سے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ بچہ بالغ ہونے تک امامت نہ کرائے، لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ اپنی قوم کی امامت کراتے تھے جبکہ ان کی عمر سات سال تھی۔[2] حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے والد کو کہا کہ جب نماز کا وقت ہوجائے تو تم میں سے کوئی ایک اذان کہے اور امامت ایسا شخص کرائے جو قرآن کا زیادہ حافظ ہو، عالم ہو۔ جب میری قوم نے دیکھا کہ میرے علاوہ کوئی دوسرا قرآن کا عالم و حافظ نہیں تو انھوں نے مجھے جماعت کے لیے آگے کردیا۔[3] اس واضح حدیث کے باوجود فقہاء نے اس مسئلے میں اختلاف کیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کی تردید کرتے ہوئے بچے کی امامت کو صحیح احادیث سے ثابت کیا ہے۔

٦٩٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنِي أَبُو التَّيَّاحِ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِسْمَعُوا وَأَطِيعُوا وَإِنِ اسْتُعْمِلَ حَبَشِيٌّ كَأَنَّ رَأْسَهُ زَبِيبَةٌ». [انظر: ٦٩٦، ٧١٤٢]

[693] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''اپنے حاکم کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو اگرچہ کوئی سیاہ فام حبشی ہی تم پر حاکم بنادیا جائے جس کا سر منقے جیسا ہو۔''

فائدہ: روایت میں حبشی سے مراد حبشی غلام ہے جب کہ دوسری روایت میں اس کی صراحت ہے۔[4] اس حدیث کی باب سے یہ مناسبت ہے کہ جب ایسا غلام امیر اور والی بن جائے تو اس کی اطاعت ضروری ہے اور اسلام کا یہ طریقہ ہے کہ والی اور خلیفہ کو جماعت کے لیے آگے کیا جاتا ہے۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس کی اطاعت کے حکم میں اس کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم شامل ہے۔[5] ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا تھا کہ اگر تمھارا حکمران حبشی غلام ہو جو کتاب اللہ کے ساتھ تمھاری قیادت کرے تم نے اس کی بات ماننی اور اس کی اطاعت کرنی ہے۔ اس روایت سے حدیث نبوی کی تاریخ اور اطاعت کی جہت کا پتہ چلتا ہے کہ آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر یہ حکم دیا اور کتاب اللہ کی قیادت کے ساتھ مشروط فرمایا ہے۔[6]

---

1 فتح الباري: 239/2. 2 صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4302. 3 صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4302. 4 صحيح البخاري، الأحكام، حديث: 7142. 5 شرح الكرماني: 72/5. 6 فتح الباري: 242/2.

(٥٥) بَابٌ: إِذَا لَمْ يُتِمَّ الْإِمَامُ وَأَتَمَّ مَنْ خَلْفَهُ

باب: 55- اگر امام اپنی نماز کو پورا نہ کرے اور مقتدی پورا کرلیں

وضاحت: اس عنوان میں نماز کو پورا کرنے سے کیا مراد ہے؟ ارکان نماز میں کمی بیشی کرنا، تعدیل ارکان میں کوتاہی کرنا، خشوع خضوع کا فقدان یا وقت مکروہ میں نماز پڑھنا۔ ہمارے نزدیک امام کا وقتِ کراہت میں نماز ادا کرنا اور خضوع خشوع کے بغیر نماز ادا کرنا ہے۔ اگر امام اس طرح کی کوتاہی کا مرتکب ہوتا ہے تو مقتدی حضرات کی نماز مکمل ہے۔ امام کی کمی یا کوتاہی مقتدی پر نہیں ڈالی جائے گی۔

٦٩٤ - حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ سَهْلٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُوسَى الْأَشْيَبُ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «يُصَلُّونَ لَكُمْ فَإِنْ أَصَابُوا فَلَكُمْ وَلَهُمْ، وَإِنْ أَخْطَؤُوا فَلَكُمْ وَعَلَيْهِمْ».

[694] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو لوگ تمھیں نماز پڑھاتے ہیں اگر ٹھیک ٹھیک پڑھائیں گے تو تمھارے لیے اور ان کے لیے بھی ثواب ہے اور اگر وہ غلطی کریں گے تو تمھارے لیے تو ثواب ہے لیکن ان پر گناہ ہوگا۔''

فائدہ: بعض حضرات نے ٹھیک ٹھیک نماز پڑھانے سے بروقت نماز ادا کرنا مراد لیا ہے اور کوتاہی سے مراد ان کا وقتِ کراہت میں نماز ادا کرنا ہے۔ انھوں نے درج ذیل روایت کو بطور دلیل پیش کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''شاید تمھارا واسطہ ایسے لوگوں سے پڑے جو نماز کو وقت گزرنے کے بعد پڑھیں گے۔ ایسے حالات میں تم اپنے گھر میں بروقت نماز ادا کرلو اور پھر ان کے ساتھ بھی پڑھ لو۔ ان کے ساتھ پڑھی ہوئی نماز کو نفل شمار کر لو۔''[1] لیکن ان کی نماز کو صرف وقتِ کراہت میں ادا کرنے پر منحصر کرنا صحیح نہیں کیونکہ مذکورہ بالا روایت اس کی تردید کرتی ہے کہ امام کی کوتاہی سے مراد وقتِ کراہت میں ادا کرنے کے علاوہ نماز میں کمی کوتاہی کرنا بھی ہے۔ امام احمد کی ایک روایت میں مزید وضاحت ہے کہ اگر وہ نماز بروقت ادا کریں گے تو اس کے رکوع وسجدہ کو بھی پورا کریں گے تو اس کا ثواب تمھیں اور انھیں ہوگا۔[2] اس روایت سے بھی پتہ چلتا ہے کہ امام کی کوتاہی سے مراد صرف وقت کراہت ہی میں ادا کرنا نہیں بلکہ اس کے علاوہ نماز میں کوتاہی کرنا اور خشوع خضوع میں کمی کرنا بھی اس میں شامل ہے۔ امام ابن منذر ؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے ان لوگوں کی تردید ہوتی ہے جن کا موقف ہے کہ جب امام کی نماز فاسد ہے تو مقتدی حضرات کی نماز خود بخود فاسد ہوجائے گی۔[3]

---

1 سنن النسائي، الإمامة، حديث: 780. 2 مسند أحمد: 147/4. 3 فتح الباري: 243/2.

(٥٦) بَابُ إِمَامَةِ الْمَفْتُونِ وَالْمُبْتَدِعِ

باب: 56- فتنہ پرور اور بدعتی کی امامت کا بیان

وَقَالَ الْحَسَنُ: صَلِّ وَعَلَيْهِ بِدْعَتُهُ.

امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بدعتی کے پیچھے نماز پڑھ لو، اس کی بدعت کا گناہ صرف اس پر ہوگا۔

وضاحت: فتنہ پرور سے مراد وہ شخص ہے جو فتنے میں مبتلا ہو کر حاکم وقت کے خلاف بغاوت کر دے۔ اور بدعتی سے مراد وہ شخص ہے جو اہل سنت کے خلاف عقیدہ رکھتا ہو۔ حسن بصری کے قول کو سعید بن منصور نے اپنی متصل سند سے بیان کیا ہے۔[1]

٦٩٥ - قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: وَقَالَ لَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَدِيِّ بْنِ خِيَارٍ: أَنَّهُ دَخَلَ عَلٰى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَهُوَ مَحْصُورٌ فَقَالَ: إِنَّكَ إِمَامُ عَامَّةٍ وَنَزَلَ بِكَ مَا نَرٰى وَيُصَلِّي لَنَا إِمَامُ فِتْنَةٍ وَنَتَحَرَّجُ، فَقَالَ: اَلصَّلَاةُ أَحْسَنُ مَا يَعْمَلُ النَّاسُ فَإِذَا أَحْسَنَ النَّاسُ فَأَحْسِنْ مَعَهُمْ، وَإِذَا أَسَاؤُوا فَاجْتَنِبْ إِسَاءَتَهُمْ.

[695] حضرت عبید اللہ بن عدی سے روایت ہے کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس اس وقت حاضر ہوئے جب آپ نظر بند تھے اور آپ سے عرض کیا کہ آپ تو تمام لوگوں کے امام ہیں اور آپ ایک ایسی آزمائش سے دوچار ہیں جسے ہم دیکھ رہے ہیں۔ صورت حال یہ ہے کہ ہمیں امام فتنہ نماز پڑھاتا ہے جس سے ہم تنگ دل ہوتے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نماز لوگوں کے اعمال میں سے اچھا عمل ہے، جب لوگ عمدہ کام کریں تو تم بھی ان کے ساتھ اچھائی میں شامل ہو جاؤ اور جب وہ برا کام کریں تو تم ان کی برائی سے الگ رہو۔

وَقَالَ الزُّبَيْدِيُّ: قَالَ الزُّهْرِيُّ: لَا نَرٰى أَنْ يُصَلّٰى خَلْفَ الْمُخَنَّثِ إِلَّا مِنْ ضَرُورَةٍ لَا بُدَّ مِنْهَا.

زبیدی نے کہا: امام زہری فرماتے ہیں کہ ہم مخنث کے پیچھے نماز پڑھنے کو صحیح نہیں سمجھتے، ہاں اگر کوئی ایسی ضرورت ہو جس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو تو ایسے حالات میں کوئی حرج نہیں۔

فوائد و مسائل: ① جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ محصور تھے تو ان کی عدم موجودگی میں حضرت ابو امامہ سہل بن حنیف، حضرت ابو ایوب انصاری اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہم نے کچھ نمازیں پڑھائیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عید الاضحیٰ پڑھانے کا فریضہ سرانجام دیا لیکن امام فتنہ سے مراد کنانہ بن بشر ہے اگرچہ بعض حضرات نے عبدالرحمٰن بن عدیس بھی لکھا ہے جو مصری باغیوں کا سرغنہ تھا لیکن یہ صحیح نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک فتنہ پرور کے پیچھے نماز پڑھنا صحیح ہے کیونکہ مذکورہ روایت کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے امام فتنہ کے پیچھے نماز ادا کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اہل مدینہ مسجد نبوی میں محاصرین کے پیچھے نماز

---

[1] فتح الباري: 244/2.

پڑھنے کو ناپسند کرتے تھے لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا موقف تھا کہ جو بھی تمھیں نماز کی دعوت دے تم اس پر لبیک کہو۔ اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فتنے کے زمانے میں خصوصیت کے ساتھ نماز باجماعت کا اہتمام کرنا چاہیے تاکہ جماعت مزید انتشار کا شکار نہ ہو۔ اور تعطیل جماعت سے بہتر ہے کہ کسی ناپسندیدہ انسان کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے۔[1] حضرت امام مالک رحمہ اللہ زمانۂ فتنہ میں نمازوں کے متعلق بہت سخت موقف رکھتے تھے اور ایسے حالات میں آپ تمام نمازیں اپنے گھر میں پڑھ لینے کے قائل تھے۔ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ عنوان قائم کر کے اس کا جواز ثابت کیا ہے اور جمہور کی تائید فرمائی ہے۔ ② مخنث دو طرح کے ہوتے ہیں ٭ پیدائشی: جن میں عورتوں جیسی ناز و ادائیں ہوں۔ اس صورت میں کوئی ملامت نہیں۔ ٭ بناوٹی: جو جان بوجھ کر تکلف کے ساتھ عورتوں جیسی حرکات کرتے ہیں۔ یہ لوگ قابل ملامت ہیں۔ بوقت ضرورت ان کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ نماز نہ پڑھنے سے فتنے کا اندیشہ ہو۔ عام اختیاری حالات میں ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔[2]

٦٩٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ: أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِأَبِي ذَرٍّ: «اِسْمَعْ وَأَطِعْ وَلَوْ لِحَبَشِيٍّ كَأَنَّ رَأْسَهُ زَبِيبَةٌ».

[راجع: ٦٩٣]

[696] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ امیر کا حکم سنو اور اس کی فرمانبرداری کرو اگرچہ وہ حبشی غلام ہو جس کا سر انگور کی طرح ہو۔

فوائد ومسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اپنے عنوان کی دلیل اس لیے بنایا ہے کہ ایسی صفات کا حامل عام طور پر ایک عجمی حکمران ہوسکتا ہے جو نیا نیا مسلمان ہوا ہو جسے ابھی دین کے متعلق پوری معلومات نہ ہوں۔ اس قسم کے انسان کے لیے بدعات کا ارتکاب بعید نہیں۔ ایسے حکمران خود پسندی اور خود فریبی میں مبتلا ہوتے ہیں۔ جب ایسے حکمران کی اطاعت ضروری ہے تو اس کی اقتدا بھی درست ہونی چاہیے۔ جب اس قسم کا حاکم قابل اطاعت ہے تو اس کی امامت میں نماز بھی درست ہوگی۔[3] ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حدیث کے متعلق ابوذر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک دفعہ وہ ربذہ مقام پر اس وقت پہنچے جب جماعت ہو رہی تھی اور ایک غلام امامت کے فرائض سرانجام دے رہا تھا، اسے نماز کے دوران میں کہا گیا کہ یہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ تشریف لا چکے ہیں، وہ پیچھے ہٹنے لگا تو آپ نے فرمایا: مجھے میرے محبوب نے وصیت کی تھی کہ اپنے امیر کی بات سنوں اور اس کی اطاعت کروں اگرچہ کٹی ہوئی ناک والا حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔[4] ③ واضح رہے کہ بدعت اگر کفر و شرک تک پہنچ جائے تو اس کا حکم شرک ہی کا ہے کہ جس طرح مشرک کی اقتدا جائز نہیں اسی طرح بدعت مکفرہ کا حامل انسان بھی امامت کے اہل نہیں۔ اگر وہ بدعت مکفرہ کا حامل نہیں تو بوقت ضرورت کبھی اس کی اقتدا میں نماز پڑھ لی جائے تو جائز ہوگا۔ اس کا حکم فاسق کا ہے اور اس کے پیچھے نماز صحیح ہے، البتہ بدعتی اور فتنہ پرور کو مستقل طور پر امام نہیں بنانا چاہیے۔ واللہ أعلم.

1 فتح الباري: 245/2. 2 فتح الباري: 246/2. 3 فتح الباري: 246/2. 4 فتح الباري: 242/2.

(٥٧) بَابٌ: يَقُومُ عَنْ يَمِينِ الْإِمَامِ بِحِذَائِهِ سَوَاءً إِذَا كَانَا اثْنَيْنِ

باب: 57- اگر امام اور مقتدی دو ہی آدمی ہوں تو مقتدی امام کی دائیں جانب اس کے بالکل برابر کھڑا ہو

٦٩٧ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ قَالَ: سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: بِتُّ فِي بَيْتِ خَالَتِي مَيْمُونَةَ، فَصَلَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ الْعِشَاءَ، ثُمَّ جَاءَ فَصَلَّى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ ثُمَّ نَامَ، ثُمَّ قَامَ، فَجِئْتُ فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ فَجَعَلَنِي عَنْ يَمِينِهِ، فَصَلَّى خَمْسَ رَكَعَاتٍ، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ نَامَ حَتَّى سَمِعْتُ غَطِيطَهُ أَوْ قَالَ: خَطِيطَهُ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ. [راجع: ١١٧]

[697] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں نے ایک مرتبہ اپنی خالہ حضرت میمونہ ؓ کے گھر رات بسر کی۔ رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز سے فراغت کے بعد گھر تشریف لائے اور چار رکعت پڑھ کر سو گئے۔ بعد ازاں (نماز کے لیے) اٹھے تو میں بھی آپ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا۔ آپ نے مجھے اپنی دائیں جانب کھڑا کیا، پھر پانچ رکعت پڑھیں۔ اس کے بعد دو رکعت (سنت فجر) پڑھ کر سو گئے یہاں تک کہ میں نے آپ کے خراٹوں کی آواز سنی۔ پھر آپ صبح کی نماز کے لیے تشریف لے گئے۔

فوائد و مسائل: ① جمہور کے نزدیک اگر نماز پڑھنے کے لیے صرف دو آدمی ہوں تو مقتدی کو چاہیے کہ وہ امام کی دائیں جانب کھڑا ہو، کسی صورت میں اس کے آگے یا پیچھے نہ ہو لیکن امام شافعی ؒ کے نزدیک ایسے حالات میں مقتدی کو تھوڑا سا پیچھے ہٹ کر کھڑا ہونا چاہیے۔ امام بخاری ؒ نے اس عنوان اور حدیث کے ذریعے سے شوافع کے موقف کی تردید فرمائی ہے۔ اس مسئلے میں تمام علماء کا اتفاق ہے کہ اگر امام کے ساتھ ایک ہی مقتدی ہو تو اسے امام کے دائیں جانب کھڑا ہونا چاہیے لیکن امام نخعی نے اس موقف سے اختلاف کرتے ہوئے کہا ہے کہ جب امام کے ہمراہ ایک ہی مقتدی ہو تو اسے امام کے پیچھے کھڑا ہونا چاہیے اس کے بعد اگر کسی دوسرے نمازی کے آنے سے پہلے پہلے امام رکوع کر دے تو وہ فوراً امام کے برابر دائیں جانب چلا جائے لیکن ان کا یہ موقف صریح نص کے خلاف ہے۔[1] ② حضرت ابن عباس ؓ کو رسول اللہ ﷺ نے نماز ہی میں اپنی بائیں جانب سے دائیں جانب کر لیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر نماز میں کوئی کراہت کا معاملہ آ جائے تو اسے دوران نماز ہی میں رفع کر دینا چاہیے۔

(٥٨) بَابٌ: إِذَا قَامَ الرَّجُلُ عَنْ يَسَارِ الْإِمَامِ فَحَوَّلَهُ الْإِمَامُ إِلَى يَمِينِهِ لَمْ تَفْسُدْ صَلَاتُهُمَا

باب: 58- جب کوئی امام کی بائیں جانب کھڑا ہو اور امام اسے اپنی دائیں جانب پھیر دے تو کسی کی نماز فاسد نہیں ہوگی

1. فتح الباري: 247/2.

٦٩٨ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرٌو عَنْ عَبْدِ رَبِّهِ بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ مَخْرَمَةَ بْنِ سُلَيْمَانَ، عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: نِمْتُ عِنْدَ مَيْمُونَةَ وَالنَّبِيُّ ﷺ عِنْدَهَا تِلْكَ اللَّيْلَةَ، فَتَوَضَّأَ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي، فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ، فَأَخَذَنِي فَجَعَلَنِي عَنْ يَمِينِهِ، فَصَلَّى ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً، ثُمَّ نَامَ حَتَّى نَفَخَ، وَكَانَ إِذَا نَامَ نَفَخَ، ثُمَّ أَتَاهُ الْمُؤَذِّنُ فَخَرَجَ فَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ.

قَالَ عَمْرٌو: فَحَدَّثْتُ بِهِ بُكَيْرًا فَقَالَ: حَدَّثَنِي كُرَيْبٌ بِذٰلِكَ. [راجع: ١١٧]

[698] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں ایک رات حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں سو گیا۔ نبی ﷺ بھی اس رات ان کے پاس تھے۔ آپ نے وضو فرمایا پھر اٹھ کر نفل پڑھنے لگے۔ میں بھی آپ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا۔ آپ نے مجھے پکڑا اور اپنی دائیں جانب کر دیا۔ آپ تیرہ رکعت پڑھ کر سو گئے یہاں تک کہ آپ خراٹے لینے لگے اور یہ آپ کی عادت تھی کہ جب سوتے تو خراٹے لیتے تھے۔ اس کے بعد مؤذن آیا، آپ تشریف لے گئے نماز پڑھائی اور وضو نہ کیا۔

عمرو بن حارث کہتے ہیں کہ میں نے جب بکیر بن عبداللہ سے یہ حدیث لی تو اس نے حضرت کریب سے براہ راست اسے بیان کیا۔

فوائد و مسائل: ① امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ مقتدی اگر امام کی بائیں جانب کھڑا ہو جائے تو اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے جبکہ جمہور کہتے ہیں کہ اس طرح کھڑا ہونے سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آتی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے جمہور کی تائید کرتے ہوئے اس حدیث کو پیش کیا اور ثابت کیا ہے کہ مقتدی اگر امام کی بائیں جانب کھڑا ہو جاتا ہے تو اس سے نماز میں کسی قسم کا فساد نہیں آتا جیسا کہ حدیث میں واضح طور پر موجود ہے۔ امام سعید بن مسیّب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب مقتدی ایک ہو تو اسے امام کی بائیں جانب کھڑا ہونا چاہیے لیکن حدیث سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث کے آخر میں عمرو بن حارث کے حوالے سے علو سند کو بیان کیا ہے کیونکہ ان کی سند میں کریب تک صرف بکیر بن عبداللہ کا ایک واسطہ ہے جبکہ حدیث کی بیان کردہ سند میں عمرو بن حارث کے بعد کریب تک حضرت عبدربہ بن سعید اور مخرمہ بن سلیمان کے دو واسطے ہیں۔[1]

(٥٩) بَابٌ: إِذَا لَمْ يَنْوِ الْإِمَامُ أَنْ يَؤُمَّ ثُمَّ جَاءَ قَوْمٌ فَأَمَّهُمْ

باب: 59- جب امام امامت کی نیت نہیں کرتا لیکن لوگوں کے آنے پر جماعت کرا دے تو (کیا حکم ہے؟)

٦٩٩ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَعِيدِ بْنِ

[699] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انھوں نے فرمایا: میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں رات

1 فتح الباري: 248/2.

جُبَيْرٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: بِتُّ عِنْدَ خَالَتِي مَيْمُونَةَ فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ، فَقُمْتُ أُصَلِّي مَعَهُ، فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ، فَأَخَذَ بِرَأْسِي فَأَقَامَنِي عَنْ يَمِينِهِ. [راجع: ١١٧]

بسر کی۔ جب نبی ﷺ رات کو نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے تو میں بھی آپ کے ساتھ بائیں جانب کھڑا ہو گیا۔ آپ نے میرا سر پکڑا اور مجھے اپنی دائیں جانب کھڑا کر لیا۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ نے قائم کردہ عنوان میں کوئی واضح فیصلہ نہیں کیا کہ امام کو امامت کی نیت کرنی چاہیے یا نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ روایت میں اس بات کی صراحت نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے امامت کی نیت نہیں کی تھی اور نہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ نے آغاز نماز یا حضرت ابن عباس ؓ کے کھڑے ہونے کے بعد امامت کی نیت کی ہو۔ البتہ سیدنا ابن عباس ؓ کو مقتدی کے مقام پر کھڑا کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ان کے کھڑے ہونے کے بعد امامت کی نیت ضرور کی ہوگی۔ ② اس مسئلے میں اختلاف ہے، جمہور کا موقف ہے کہ اگر کوئی شخص اکیلا نماز پڑھ رہا ہو اور اس نے امامت کی نیت نہ کی ہو اور کچھ لوگ از خود اس کی اقتدا میں نماز ادا کرنے لگیں تو ان کی نماز صحیح ہے۔ حنابلہ کے نزدیک فرض نماز میں امامت کی نیت شرط ہے، البتہ نوافل میں گنجائش ہے کہ امامت کی نیت نہ کی جائے تو بھی نماز صحیح ہوگی، لیکن فرض اور نفل میں فرق کرنے سے متعلق حنابلہ کا موقف محل نظر ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ ایک شخص اکیلا نماز پڑھ رہا ہے تو آپ نے فرمایا: ”کوئی آدمی ایسا ہے جو اس پر صدقہ کرتے ہوئے اس کے ساتھ نماز پڑھنا شروع کر دے۔“[1] اس حدیث سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اکیلا نماز پڑھنے والا فرض ادا کر رہا تھا تو اس کے ساتھ کھڑے ہونے کی صورت میں اس نماز نے با جماعت کی صورت اختیار کر لی، لہذا حنابلہ کا فرض نوافل میں فرق کرنا صحیح نہیں۔ امام بخاری ؒ نے اس سلسلے میں کوئی شرط بیان نہیں کی۔ گویا انھوں نے جمہور کی تائید کی ہے۔[2] واللہ أعلم.

(٦٠) بَابٌ: إِذَا طَوَّلَ الْإِمَامُ وَكَانَ لِلرَّجُلِ حَاجَةٌ فَخَرَجَ وَصَلَّى

باب: 60- جب امام قراءت لمبی کر دے اور کوئی ضرورت مند نکل کر اکیلا نماز پڑھ لے

وضاحت: یہ عنوان پہلے عنوان سے بالکل برعکس ہے کیونکہ پہلے عنوان کا مقصد یہ تھا کہ اگر کسی امام نے امامت کی نیت نہیں کی تو اس کی اقتدا کرنا جائز ہے جبکہ مذکورہ عنوان سے مقصود یہ ہے کہ اگر کوئی امام کی اقتدا کر رہا ہے تو کسی ضرورت کے پیش نظر اس کی اقتدا ختم کر کے اکیلا نماز پڑھ سکتا ہے۔

٧٠٠ - حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرٍو، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ: أَنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ كَانَ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ يَرْجِعُ فَيَؤُمُّ قَوْمَهُ.

[700] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے کہ حضرت معاذ بن جبل ؓ نبی ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھتے، اس کے بعد واپس لوٹ کر اپنی قوم کی امامت

1. سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 574. 2 فتح الباري: 249/2.

[انظر: ۷۰۱، ۷۰۵، ۷۱۱، ۶۱۰۶] کراتے۔

فائدہ: اس روایت میں اختصار ہے۔ اس کی تفصیل آئندہ روایت میں بیان ہوگی، البتہ اس روایت میں امام بخاری ؒ کے استاد مسلم بن ابراہیم اور شعبہ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں، لہٰذا یہ سند عالی ہے اور دوسری حدیث میں امام بخاری اور امام شعبہ کے درمیان غندر کا واسطہ ہے۔ گویا پہلی روایت کے مقابلے میں اس کی سند سافل ہے۔ اس کے علاوہ اگلی روایت میں حضرت عمرو کے حضرت جابر ؓ سے سماع کی تصریح ہے۔

٧٠١ - قَالَ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرٍو قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ قَالَ: كَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ يَرْجِعُ فَيَؤُمُّ قَوْمَهُ، فَصَلَّى الْعِشَاءَ فَقَرَأَ بِالْبَقَرَةِ، فَانْصَرَفَ الرَّجُلُ فَكَانَ مُعَاذٌ يُنَاوِلُ مِنْهُ، فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: «فَتَّانٌ، فَتَّانٌ، فَتَّانٌ» ثَلَاثَ مِرَارٍ أَوْ قَالَ: «فَاتِنًا، فَاتِنًا، فَاتِنًا»، وَأَمَرَهُ بِسُورَتَيْنِ مِنْ أَوْسَطِ الْمُفَصَّلِ.

قَالَ عَمْرٌو: لَا أَحْفَظُهُمَا. [راجع: ٧٠٠]

[701] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: حضرت معاذ بن جبل ؓ نبی ﷺ کے ہمراہ نماز (عشاء) پڑھتے تھے۔ فراغت کے بعد واپس جا کر اپنی قوم کی امامت کرتے۔ ایک روز انھوں نے نماز عشاء میں سورۂ بقرہ پڑھی تو ایک شخص نماز توڑ کر چل دیا۔ حضرت معاذ بن جبل ؓ اسے برا بھلا کہتے تھے۔ یہ خبر نبی ﷺ کو پہنچی تو آپ نے (حضرت معاذ ؓ سے) تین دفعہ فرمایا: ''فتان، فتان، فتان، (فتنہ پرور)۔'' یا یہ فرمایا: ''فاتنًا، فاتنًا، فاتنًا (فتنہ پرداز)۔'' پھر آپ نے انھیں حکم دیا کہ اوساط مفصل کی دو سورتیں پڑھا کرو۔

(راویٔ حدیث) حضرت عمرو کہتے ہیں کہ میں ان کو بھول گیا ہوں۔

فوائد ومسائل: ① اگر کسی کو امام کی طویل قراءت سے تکلیف ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ امام کی اقتدا چھوڑ کر اکیلا نماز پڑھ لے کیونکہ حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے امام کی اقتدا ختم کرنے والے کو ملامت نہیں کی بلکہ امام کو تنبیہ فرمائی ہے، لیکن امام بخاری ؒ اس حدیث سے ایک فقہی مسئلہ ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ یہ کہ ایک شخص امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہے اگر نے اقتدا چھوڑ دی تو کیا اس پر بنا کر کے نماز پڑھے یا مکمل نماز کا اعادہ کرے۔ امام شافعی ؒ کے نزدیک جہاں سے امام کی اقتدا چھوڑی ہے وہیں سے بنا کر سکتا ہے، مکمل نماز دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں جبکہ جمہور کے نزدیک اس صورت میں بنا نہیں کر سکتا بلکہ پوری نماز دوبارہ پڑھے گا۔ امام بخاری ؒ کا میلان جمہور کی طرف ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ اس نے سلام پھیر کر نماز ختم کر دی، پھر ایک گوشے میں اکیلے نے اپنی نماز پڑھی۔[1] ② سورۂ حجرات سے آخر قرآن تک تمام سورتیں مفصل کہلاتی ہیں، پھر ﴿عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ﴾ تک طوال، [وَالضُّحٰى] تک اوساط اور [اَلنَّاس] تک قصار کے نام سے پہچانی جاتی ہیں۔ عام

[1] صحيح مسلم، الصلاة، حديث: 1040(465).

طور پر سورۂ بروج تک طوال ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ تک اوساط اور [اَلنَّاس] تک قصار کا نام دیا جاتا ہے۔ راوی حدیث حضرت عمرو بن دینار نے کہا کہ میں وہ دو سورتیں بھول گیا ہوں جو رسول اللہ ﷺ نے پڑھنے کی تلقین فرمائی تھی لیکن یہ اس وقت کی بات ہے جب انھوں نے اپنے شاگرد حضرت شعبہ کو حدیث بیان کی، اس کے برعکس جب سلیم بن حیان سے حدیث بیان کی تو وضاحت سے کہا کہ وہ دو سورتیں ﴿وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا﴾ اور ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى﴾ تھیں۔ بعض روایات میں ان کے ساتھ ﴿وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى﴾ اور ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ﴾ کا ذکر بھی ہے۔[1] ③ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی شرعی سبب کی وجہ سے ایک نماز کو ایک ہی دن میں دو مرتبہ پڑھا جاسکتا ہے، البتہ بطور فرض ایک نماز کو دو دفعہ پڑھنا صحیح نہیں کیونکہ حدیث میں اس کی ممانعت ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک نماز کو ایک ہی دن میں دو مرتبہ مت پڑھو۔'' امام بیہقی ؒ نے اس کی تطبیق صورت یہ بیان کی ہے کہ پہلی کو فرض اور دوسری کو نفل قرار دے دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ سے ایسا کرنا ثابت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم گھر میں نماز پڑھ لو پھر جماعت میں شمولیت کا بھی موقع مل جائے تو اسی نماز کو دوبارہ باجماعت پڑھ لینا چاہیے۔ دوسری نماز نفل ہوگی، نیز اگر ظالم حکمران نماز تاخیر سے پڑھیں تو اس وقت بھی یہی حکم ہے کہ گھر میں بروقت نماز پڑھ لی جائے پھر فتنے سے بچتے ہوئے ان کے ساتھ جماعت میں شمولیت کر لی جائے اور اسے نفل کا درجہ دیا جائے۔[2] اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھے جاسکتے ہیں جیسا کہ حضرت معاذ ؓ کے متعلق بعض طرق میں صراحت ہے کہ دوسری مرتبہ ادا کی ہوئی نماز ان کے لیے نفل اور لوگوں کے لیے فرض ہوتی تھی۔[3]

(٦١) بَابُ تَخْفِيفِ الْإِمَامِ فِي الْقِيَامِ وَإِتْمَامِ الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ

باب: 61- امام کا قیام میں تخفیف لیکن رکوع اور سجود کو پورا ادا کرنا

٧٠٢ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ قَالَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: سَمِعْتُ قَيْسًا قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو مَسْعُودٍ: أَنَّ رَجُلًا قَالَ: وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي لَأَتَأَخَّرُ عَنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ مِنْ أَجْلِ فُلَانٍ مِمَّا يُطِيلُ بِنَا، فَمَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فِي مَوْعِظَةٍ أَشَدَّ غَضَبًا مِنْهُ يَوْمَئِذٍ، ثُمَّ قَالَ: «إِنَّ مِنْكُمْ مُنَفِّرِينَ، فَأَيُّكُمْ مَا صَلَّى بِالنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ، فَإِنَّ فِيهِمُ الضَّعِيفَ وَالْكَبِيرَ وَذَا الْحَاجَةِ». [راجع: ٩٠]

[702] حضرت ابو مسعود انصاری ؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا: اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! میں نماز فجر میں فلاں شخص کی طوالت کی وجہ سے پیچھے رہ جاتا ہوں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی نصیحت کے وقت اس دن سے زیادہ غضب ناک نہیں دیکھا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: ''تم میں سے کچھ لوگ دوسروں کو متنفر کرتے ہیں، لہٰذا تم میں سے جو شخص لوگوں کو نماز پڑھائے تو اختصار سے کام لے کیونکہ مقتدیوں میں کمزور، بوڑھے اور ضرورت مند بھی ہوتے ہیں۔''

---

1. فتح الباري: 253/2. 2 فتح الباري: 255/2. 3 فتح الباري: 254/2.

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ کے متعلق احادیث میں ہے کہ آپ نماز میں تخفیف کرتے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان احادیث کی شرح فرمادی کہ تخفیف سے کیا مراد ہے، یعنی اس سے ارکان وتعدیل میں تخفیف مراد نہیں بلکہ قیام وقراءت میں تخفیف ہے۔ رکوع وسجود میں تخفیف نہیں کرنی چاہیے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تو اپنی قوم کا امام ہے، لہٰذا تجھے اپنے کمزور لوگوں کا خیال رکھنا چاہیے۔[1] ② مسند ابی یعلی میں یہ حدیث تفصیل سے بیان ہوئی ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ قباء میں لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے۔ ایک دن صبح کی نماز میں ایک لمبی سورت پڑھی تو ایک انصاری نوجوان نماز چھوڑ کر چلا گیا۔ اس پر حضرت ابی بن کعب کو بہت غصہ آیا اور اس نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر اس کی شکایت کی۔ پھر اس نوجوان نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت ابی کا شکوہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس وقت بہت غصہ آیا۔ اس حالت میں آپ نے فرمایا کہ تم میں سے بعض لوگ دوسروں کو نفرت دلاتے ہیں۔ جب نماز پڑھاؤ تو اختصار کو ملحوظ رکھو کیونکہ تم میں کمزور، بوڑھے، بیمار اور ضرورت مند ہوتے ہیں۔[2] ③ واضح رہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے بعض عنوانات مسائل کے استنباط کے لیے نہیں ہوتے بلکہ ان کے ذریعے سے حدیث کی وضاحت کرنا مقصود ہوتا ہے۔ مذکورہ عنوان بھی اسی قبیل سے ہے کیونکہ اس کے ذریعے سے پیش کردہ حدیث کی وضاحت کی گئی ہے۔

(٦٢) بَابٌ: إِذَا صَلَّى لِنَفْسِهِ فَلْيُطَوِّلْ مَا شَاءَ

باب: 62- جب کوئی شخص تنہا نماز پڑھے تو جس قدر چاہے طویل کر سکتا ہے

٧٠٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ، فَإِنَّ فِيهِمُ الضَّعِيفَ وَالسَّقِيمَ وَالْكَبِيرَ، وَإِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِنَفْسِهِ فَلْيُطَوِّلْ مَا شَاءَ».

[703] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص لوگوں کو نماز پڑھائے تو تخفیف کرے کیونکہ ان میں کمزور، بیمار اور بوڑھے ہوتے ہیں اور جب وہ خود اکیلا پڑھے تو جس قدر چاہے طوالت کرے۔''

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نمازی اپنی الگ نماز (فرض یا نفل) کو جتنا چاہے طول دے سکتا ہے لیکن جب امام ہو کر نماز پڑھائے تو مقتدی حضرات کا خیال رکھے، یعنی وہ قراءت کو طول نہ دے اور رکوع وسجود میں بھی اس کا خیال رکھے۔ نماز تراویح میں بھی یہ اصول پیش نظر ہونا چاہیے۔ جو حفاظ نماز تراویح میں اس قدر زیادہ قراءت کریں کہ مقتدیوں پر شاق ہو، انھیں چاہیے کہ وہ اس ہدایت نبوی کو سامنے رکھیں۔ اکیلے نماز پڑھنے والے شخص کو بھی چاہیے کہ وہ اس بات کا خیال رکھے کہ نماز کو اتنا طویل نہ کرے کہ دوسری نماز کا وقت شروع ہو جائے کیونکہ حدیث میں اس کی ممانعت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''انسان کی کوتاہی

---

1 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 531. 2 مسند أبي يعلى: 334/3، حديث: 1798.

میں سے ہے کہ وہ نماز کو اتنی دیر سے پڑھے کہ دوسری نماز کا وقت آ جائے۔"[1]

(٦٣) بَابُ مَنْ شَكَا إِمَامَهُ إِذَا طَوَّلَ

باب: 63- اگر کوئی امام قراءت لمبی کرے تو دوسرا اس کی شکایت کردے

وَقَالَ أَبُو أُسَيْدٍ: طَوَّلْتَ بِنَا يَا بُنَيَّ.

حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے سے کہا کہ تو نے ہماری نماز کو طویل کر دیا۔

وضاحت: اس تعلیق کو امام ابن ابی شیبہ نے (219/2 میں) متصل سند سے بیان کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: حضرت منذر بن ابو اسید کہتے ہیں کہ میرے والد گرامی حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ میرے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ بعض اوقات فرماتے کہ بیٹے! آج تو نے نماز کو بہت طویل کر دیا ہے۔[2]

٧٠٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ، عَنْ قَيْسِ ابْنِ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: يَارَسُولَ اللهِ! إِنِّي لَأَتَأَخَّرُ عَنِ الصَّلَاةِ فِي الْفَجْرِ مِمَّا يُطِيلُ بِنَا فُلَانٌ فِيهَا، فَغَضِبَ رَسُولُ اللهِ ﷺ، مَا رَأَيْتُهُ غَضِبَ فِي مَوْضِعٍ كَانَ أَشَدَّ غَضَبًا مِنْهُ يَوْمَئِذٍ، ثُمَّ قَالَ: «يَا أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّ مِنْكُمْ مُنَفِّرِينَ، فَمَنْ أَمَّ النَّاسَ فَلْيَتَجَوَّزْ، فَإِنَّ خَلْفَهُ الضَّعِيفَ وَالْكَبِيرَ وَذَا الْحَاجَةِ». [راجع: ٩٠]

[704] حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ایک آدمی نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میں نماز فجر سے اس لیے پیچھے رہ جاتا ہوں کہ فلاں شخص اس میں طوالت کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ یہ سن کر بہت ناراض ہوئے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو وعظ کرتے وقت اس دن سے زیادہ کبھی اظہار ناراضی کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ پھر آپ نے فرمایا: "اے لوگو! تم میں سے کچھ (دوسروں کی) نفرت کا باعث بنتے ہیں، لہٰذا تم میں سے جو شخص نماز پڑھائے تو اسے اختصار سے کام لینا چاہیے کیونکہ اس کے پیچھے کمزور ناتواں، بوڑھے اور ضرورت مند بھی ہوتے ہیں۔

فوائد و مسائل: ① امام محترم ہوتا ہے۔ وہم ہوسکتا ہے کہ شاید اس کی شکایت کرنا بے ادبی ہو، نیز حدیث میں ہے کہ منافقین پر نماز کی ادائیگی بہت بھاری ہوتی ہے، اس سے بھی شبہ ہوسکتا ہے کہ نماز کے متعلق شکایت کرنا درست نہیں کیونکہ یہ خبر محض ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی دقیقہ رسی اور نکتہ آفرینی ملاحظہ کریں کہ انھوں نے باب قائم کر کے متنبہ فرمایا کہ اگر نماز مقتدی حضرات کی گرانی کا باعث ہو تو اس کی شکایت کی جاسکتی ہے۔ ② عام طور پر یہ بات باعث خلجان ہے کہ نماز جیسی جلیل القدر عبادت، اس کے کسی رکن میں طوالت کسی مومن مخلص کے لیے وجہ گرانی کیوں ہو؟ رسول اللہ ﷺ سے اجازت ملنے پر یہ خلجان باقی نہیں رہا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث سے اس قسم کی شکایت کا ثبوت فراہم کر دیا ہے۔ اس عنوان اور حدیث سے یہ بات

1 صحيح مسلم، المساجد، حديث: 1562(681). 2 فتح الباري: 259/2.

واضح ہو جاتی ہے کہ کوئی امر خواہ کتنا ہی بڑا خیر کا ہو اور اس سے روکنے میں کتنی ہی نفس پر گرانی ہو مگر کسی صحیح ضرورت کے پیش نظر اس کی شکایت کی جا سکتی ہے اور اس سے روکا بھی جا سکتا ہے۔

٧٠٥ - حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَارِبُ بْنُ دِثَارٍ قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيَّ قَالَ: أَقْبَلَ رَجُلٌ بِنَاضِحَيْنِ وَقَدْ جَنَحَ اللَّيْلُ، فَوَافَقَ مُعَاذًا يُصَلِّي، فَبَرَّكَ نَاضِحَهُ وَأَقْبَلَ إِلَى مُعَاذٍ، فَقَرَأَ بِسُورَةِ الْبَقَرَةِ أَوِ النِّسَاءِ فَانْطَلَقَ الرَّجُلُ، وَبَلَغَهُ أَنَّ مُعَاذًا نَالَ مِنْهُ، فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَشَكَا إِلَيْهِ مُعَاذًا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «يَا مُعَاذُ، أَفَتَّانٌ أَنْتَ؟ أَوْ أَفَاتِنٌ أَنْتَ؟» - ثَلَاثَ مَرَّاتٍ - «فَلَوْ لَا صَلَّيْتَ بِـ: سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى، وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا، وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى، فَإِنَّهُ يُصَلِّي وَرَاءَكَ الْكَبِيرُ وَالضَّعِيفُ وَذُو الْحَاجَةِ»، أَحْسِبُ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ.

[705] حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ایک شخص آبپاشی کے دو اونٹ لے کر آیا جبکہ رات کافی گزر چکی تھی۔ اتفاقاً حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے۔ اس نے اپنے اونٹ بٹھائے اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی طرف (نماز کے لیے) چلا آیا۔ انھوں نے سورۂ بقرہ یا سورۂ نساء پڑھنی شروع کر دی، چنانچہ وہ شخص وہاں سے چلا گیا اور اسے معلوم ہوا کہ حضرت معاذ نے اس کے متعلق کوئی تکلیف دہ بات کہی ہے۔ وہ شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور آپ سے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی شکایت کی تو آپ نے تین مرتبہ فرمایا: ''اے معاذ! کیا تو فتنہ پرور یا فتنہ انگیز ہے؟ تو نے ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى﴾، ﴿وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا﴾ اور ﴿وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى﴾ کے ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھائی جبکہ تیرے پیچھے عمر رسیدہ، ناتواں اور ضرورت مند لوگ نماز پڑھتے ہیں۔'' (شعبہ کہتے ہیں کہ) میرے گمان کے مطابق آخری جملہ بھی حدیث کا حصہ ہے۔

تَابَعَهُ سَعِيدُ بْنُ مَسْرُوقٍ وَمِسْعَرٌ وَالشَّيْبَانِيُّ، قَالَ عَمْرٌو، وَعُبَيْدُ اللهِ بْنُ مِقْسَمٍ، وَأَبُو الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ: قَرَأَ مُعَاذٌ فِي الْعِشَاءِ بِالْبَقَرَةِ، وَتَابَعَهُ الْأَعْمَشُ عَنْ مُحَارِبٍ. [راجع: ٧٠٠]

(امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بیان کرنے میں) سعید بن مسروق، مسعر اور شیبانی نے حضرت شعبہ کی متابعت کی ہے۔ عمرو بن دینار، عبیداللہ بن مقسم اور ابو زبیر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس روایت کو بایں الفاظ بیان کیا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے نماز عشاء میں سورۂ بقرہ تلاوت کی تھی، نیز محارب سے بیان کرنے میں امام اعمش نے بھی شعبہ کی متابعت کی ہے۔

فوائد و مسائل: ① حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہما کی روایت میں بیان شدہ واقعہ مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر مختلف ہے: ⊙ واقعۂ معاذ رضی اللہ عنہ میں نماز عشاء کا ذکر ہے جبکہ حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت نماز صبح سے متعلق ہے۔ ⊙ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں وہ خود امام تھے جبکہ ابو مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت کا

ذکر ہے۔ ❀ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اپنی قوم بنوسلمہ کے امام تھے جبکہ ابومسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں مسجد قباء کی امامت کا ذکر ہے۔ ❀ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے اختلاف کرنے والا احزم بن ابی بن کعب ہے جبکہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے اختلاف کرنے والا کوئی ایک انصاری نوجوان ہے۔[1] ② حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کے آخر میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان: ''نماز میں بوڑھوں، عمر رسیدہ اور ضرورت مند حضرات کا خیال رکھنا چاہیے۔'' یہ کسی راوی کا سہو ہے کیونکہ یہ ارشاد نبوی حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کا حصہ ہے، اس لیے کہ اس اضافے کو محارب سے شعبہ کے علاوہ اور کوئی بیان نہیں کرتا، اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بیان کرنے والا کوئی دوسرا راوی ان الفاظ کا ذکر نہیں کرتا۔ ③ حدیث میں مذکور الفاظ [أَحْسِبُ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ] مختلف فیہ ہیں۔ فتح الباری اور صحیح بخاری کے دیگر نسخوں میں یہ الفاظ [أَحْسِبُ هٰذَا فِي الْحَدِيثِ] یا [أَحْسِبُ فِي الْحَدِيثِ] منقول ہیں، البتہ مفہوم کے اعتبار سے [أَحْسِبُ هٰذَا فِي الْحَدِيثِ] ہی درست معلوم ہوتے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ هٰذَا کا مشار الیہ آخری جملہ [فَإِنَّهُ يُصَلِّي وَرَاءَكَ ...... الْحَاجَةِ] ہے۔ شعبہ کہتے ہیں کہ میرے خیال کے مطابق یہ جملہ بھی حدیث کا جز اور حصہ ہے۔ ④ واضح رہے کہ جماعت کے دوران میں مندرجہ ذیل حضرات کا خاص خیال رکھنا چاہیے جیسا کہ متعدد دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے: ضعیف و ناتواں، بیمار، نوعمر بچہ، عمر رسیدہ، حاملہ عورت، دودھ پلانے والی، مسافر اور ضرورت مند حضرات۔[2]

(٦٤) بَابُ الْإِيجَازِ فِي الصَّلَاةِ وَإِكْمَالِهَا

باب: 64- نماز میں اختصار کے باوجود اسے پورے طور پر ادا کرنا

وضاحت: اس عنوان سے مقصود یہ ہے کہ ایک نماز میں ایجاز و اکمال کا اجتماع ہو سکتا ہے اور ایسا کرنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔

٧٠٦ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُوجِزُ الصَّلَاةَ وَيُكْمِلُهَا.

[706] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ نماز کو مختصر پڑھتے اور اسے مکمل بھی کرتے تھے۔

فائدہ: امام بخاری رحمہ اللہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ نماز میں اختصار اس کے اکمال کے منافی نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے اختصار کے باوجود اکمال ثابت ہے، اس لیے مستحب یہ ہے کہ نماز میں اتنی طوالت نہ کرے کہ مقتدی حضرات کے لیے گرانی کا باعث ہو اور نہ اس قدر اختصار ہو کہ ارکان و تعدیل میں نقص واقع ہو۔ اس کی وضاحت ایک حدیث میں ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھی جو رسول اللہ ﷺ سے زیادہ مختصر اور اسے مکمل طور پر ادا کرنے والا ہو۔[3]

---

① فتح الباري: 256/2. ② فتح الباري: 260/2. ③ صحيح البخاري، الأذان، حديث: 708.

(٦٥) بَابُ مَنْ أَخَفَّ الصَّلَاةَ عِنْدَ بُكَاءِ الصَّبِيِّ

باب: 65- اس شخص کا بیان جو بچے کے رونے کی آواز سن کر نماز کو مختصر کردے

٧٠٧ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسٰى قَالَ: أَخْبَرَنَا الْوَلِيدُ قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ أَبِي قَتَادَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنِّي لَأَقُومُ فِي الصَّلَاةِ أُرِيدُ أَنْ أُطَوِّلَ فِيهَا، فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَأَتَجَوَّزُ فِي صَلَاتِي، كَرَاهِيَةَ أَنْ أَشُقَّ عَلٰى أُمِّهِ».

[707] حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''میں نماز شروع کرتا ہوں تو اسے طول دینا چاہتا ہوں۔ پھر میں بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو نماز کو مختصر کردیتا ہوں۔ اس کو ناپسند کرتے ہوئے کہ اس (بچے) کی ماں کو تکلیف میں مبتلا کروں۔''

تَابَعَهُ بِشْرُ بْنُ بَكْرٍ وَّابْنُ الْمُبَارَكِ وَبَقِيَّةُ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ. [انظر: ٨٦٨]

بشر بن بکر، ابن مبارک اور بقیہ نے امام اوزاعی سے اس روایت کو بیان کرنے میں ولید بن مسلم کی متابعت کی ہے۔

فوائد ومسائل: ① حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا قیام، رکوع اور سجود تقریباً برابر ہوتے تھے، اس لیے نماز میں اعتدال ضروری ہے۔ لیکن اگر نماز شروع کرنے کے بعد کوئی عارضہ پیش آجائے، مثلاً: بچہ رونے لگے یا بارش ہونے لگے تو تخفیف کرنے کی شرعاً اجازت ہے یا شروع ہی سے کسی عارضے کی وجہ سے ہلکی نماز پڑھانے کا ارادہ کرے تو بھی جائز ہے۔ اختصار مذکور کی طرح امام کو تطویل کا بھی اختیار ہے تاکہ لوگ رکعت پالیں لیکن ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ بعد میں آنے والے کو امام اپنی دوستی یا رفاقت کی وجہ سے یہ رعایت دے۔ اس کے علاوہ بعض فقہاء نے یہ بھی شرط رکھی ہے کہ بعد میں شامل ہونے والوں کو تطویل کی رعایت دینا اس صورت میں ہے کہ پہلے سے شرکائے نماز کو اس کی تطویل سے تکلیف نہ ہو کیونکہ ان کا حق بعد میں آنے والوں سے زیادہ ہے۔ اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ تطویل کی رعایت دنیادار اور امراء طبقے کے لیے خاص نہ ہو۔ اگر ایسا کیا گیا تو بعض فقہاء نے اسے شرک تک قرار دیا ہے کیونکہ اس طرح عبادت میں زیادتی غیراللہ کے لیے ہوگی جبکہ عبادت کا کچھ حصہ بھی غیراللہ کے لیے جائز نہیں، تاہم جن حضرات نے اسے شرک قرار دیا ہے، اس سے مراد شرک اصغر، یعنی ریاکاری ہوسکتا ہے۔[1] واللہ أعلم. ② حضرت انس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے محل تخفیف کی بھی نشاندہی کی ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ ایسے حالات میں رسول اللہ ﷺ دوران قیام چھوٹی سورت پڑھ لیتے۔ بعض روایات میں اس کی مقدار بھی بیان ہوئی ہے کہ آپ پہلی رکعت میں لمبی سورت تلاوت فرماتے، پھر بچے کے رونے کی آواز سن کر دوسری رکعت میں تین آیات پڑھ کر رکوع میں چلے جاتے۔ یہ روایت اگرچہ مرسل ہے، تاہم تائید کے طور پر پیش کی جاسکتی ہے۔[2] ③ امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث کے آخر میں

① فتح الباري: 263/2. ② فتح الباري: 262/2.

چند ایک متابعات کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان میں سے بشر بن بکیر کی متابعت خود امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں موصولاً بیان کی ہے۔[1] ابن مبارک کی روایت کو امام نسائی نے بیان کیا ہے جبکہ بقیہ بن ولید کی متابعت کا ہمیں علم نہیں ہوسکا۔[2]

٧٠٨ - حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ قَالَ: حَدَّثَنِي شَرِيكُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ: مَا صَلَّيْتُ وَرَاءَ إِمَامٍ قَطُّ أَخَفَّ صَلَاةً وَلَا أَتَمَّ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ وَإِنْ كَانَ لَيَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَيُخَفِّفُ مَخَافَةَ أَنْ تُفْتَنَ أُمُّهُ.

[708] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے کسی امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھی جو نبی ﷺ سے زیادہ مختصر اور اسے مکمل طور پر ادا کرنے والا ہو۔ بے شک آپ بچے کا گریہ سن کر نماز کو ہلکا کر دیتے تھے مبادا اس کی ماں پریشان ہو جائے۔

فائدہ: امام بخاری رحمہ اللہ کے سابقہ عنوانات میں مقتدی حضرات کی رعایت کرتے ہوئے نماز میں تخفیف کر دینے کا ذکر تھا۔ اس باب میں ایسی روایات پیش کی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ مقتدی حضرات کے علاوہ دوسرے لوگوں کی رعایت کرتے ہوئے بھی نماز کو مختصر کیا جاسکتا ہے لیکن غیر مقتدی کا کسی نہ کسی طرح مقتدی سے تعلق ضرور ہوتا ہے جیسا کہ اس روایت میں ہے کیونکہ نماز میں تخفیف کا سبب اگرچہ بچے کا رونا ہے لیکن درحقیقت اس کا تعلق ماں کی مامتا سے ہے، گویا تخفیف ماں کی خاطر ہی کی جارہی ہے۔[3]

٧٠٩ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَهُ: أَنَّ نَبِيَّ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِنِّي لَأَدْخُلُ فِي الصَّلَاةِ وَأَنَا أُرِيدُ إِطَالَتَهَا، فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَأَتَجَوَّزُ فِي صَلَاتِي، مِمَّا أَعْلَمُ مِنْ شِدَّةِ وَجْدِ أُمِّهِ مِنْ بُكَائِهِ». [انظر: ٧١٠]

[709] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں نماز کے آغاز کے وقت اسے طول دینے کا ارادہ کرتا ہوں لیکن بچے کا رونا سن کر اسے مختصر کر دیتا ہوں کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ بچے کے رونے سے اس کی ماں کو پریشانی اور تشویش لاحق ہوگی۔''

فائدہ: اس حدیث سے مندرجہ ذیل مسائل کا پتہ چلتا ہے: ۞ عورتیں مردوں کے ہمراہ نماز باجماعت ادا کرسکتی ہیں۔ ۞ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بہت شفقت فرماتے تھے اور ان کی احوال گیری کرتے رہتے تھے۔ ۞ اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ بچوں کو مسجد میں لایا جاسکتا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ بات محل نظر ہے کیونکہ بچے کے رونے سے ماں کا پریشان ہونا بیان ہوا ہے، اس کے لیے ضروری نہیں کہ بچہ ماں کے ساتھ ہی ہو بلکہ ممکن ہے کہ مسجد کے ساتھ اس کا گھر ہو اور گھر سے بچے کے رونے کی آواز سنائی دے رہی ہو۔[4] لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی یہ توجیہ محل نظر ہے کیونکہ

---

1. صحيح البخاري، الأذان، حديث: 868. 2 فتح الباري: 262/2. 3 فتح الباري: 262/2. 4 فتح الباري: 262/2.

مسجد کے آس پاس گھر تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے تھے جن کے ہاں اولاد نہیں تھی۔ واللہ أعلم.

٧١٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنِّي لَأَدْخُلُ فِي الصَّلَاةِ فَأُرِيدُ إِطَالَتَهَا، فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَأَتَجَوَّزُ، مِمَّا أَعْلَمُ مِنْ شِدَّةِ وَجْدِ أُمِّهِ مِنْ بُكَائِهِ».

[710] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "میں نماز شروع کرتے وقت اسے طول دینے کا ارادہ کرتا ہوں لیکن بچے کے رونے کی آواز سن کر اسے مختصر کر دیتا ہوں کیونکہ اس کے رونے سے میں محسوس کرتا ہوں کہ ماں کی مامتا تڑپ جائے گی۔"

وَقَالَ مُوسَى: حَدَّثَنَا أَبَانُ قَالَ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسٌ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مِثْلَهُ. [راجع: ٧٠٩]

(راوی حدیث) موسیٰ نے کہا کہ ہم سے ابان نے حدیث بیان کی، اسے قتادہ نے، پھر اس نے حضرت انس سے اسے بیان کیا، حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے اسی طرح بیان کرتے ہیں۔

فائدہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث کے آخر میں جو وضاحت فرمائی ہے اس سے مقصود یہ ہے کہ حضرت قتادہ کا حضرت انس سے سماع ثابت ہے۔ اس سے تدلیس کا شبہ ختم ہو گیا۔ موسیٰ سے مراد ابوسلمہ موسیٰ بن اسماعیل تبوذکی ہیں۔ ان کے استاد حضرت ابان بن یزید العطار ہیں۔

(٦٦) بَابٌ: إِذَا صَلَّى ثُمَّ أَمَّ قَوْمًا

باب: 66- جب خود نماز پڑھ چکا ہو، پھر لوگوں کی امامت کرائے (تو اس کا کیا حکم ہے؟)

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان میں کسی مسئلے کے متعلق فیصلہ کن موقف اختیار نہیں کیا کیونکہ آپ کا یہ اصول ہے کہ جس مسئلے میں اختلاف ہو اس کے متعلق ایسا ہی انداز اختیار کرتے ہیں تاکہ قاری فریقین کے دلائل دیکھ کر خود فیصلہ کرے۔

٧١١ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ وَأَبُو النُّعْمَانِ قَالَا: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ جَابِرٍ قَالَ: كَانَ مُعَاذٌ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ يَأْتِي قَوْمَهُ فَيُصَلِّي بِهِمْ. [راجع: ٧٠٠]

[711] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھتے پھر اپنی قوم کے پاس جاتے اور انھیں نماز پڑھاتے تھے۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فرض ادا کرنے والے حضرات نفل پڑھنے والے کے پیچھے اپنی نماز ادا کر سکتے ہیں کیونکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز عشاء بطور اسقاط فرض پڑھتے تھے جیسا کہ بعض روایات میں یہ صراحت ہے

کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ جب اپنی قوم کو نماز عشاء پڑھاتے تو ان کی نفل نماز ہوتی اور قوم کی فرض ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل دلائل بھی اس موقف کے مؤید ہیں: ٭ نماز خوف میں رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے دونوں گروہوں میں سے ہر ایک کو دو، دو رکعات پڑھائیں۔ اس طرح آپ کی پہلی نماز فرض اور دوسری نفل تھی جبکہ مقتدی دونوں مرتبہ ہی فرض ادا کر رہے تھے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چار رکعات اور دیگر لوگوں نے دو، دو رکعات پڑھیں۔[1] ٭ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مسجد سے واپس لوٹتے تو ہمیں نماز پڑھاتے تھے۔[2] اسی طرح اگر امام فرض پڑھا رہا ہو تو مقتدی اس کے پیچھے نفل ادا کر سکتے ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دو آدمیوں سے فرمایا جو گھر میں نماز پڑھ آئے تھے کہ اگر تم اپنے گھروں میں نماز پڑھ چکے ہو تو امام کے ساتھ نماز پڑھ لو، یہ تمھارے لیے نفل ہو جائے گی۔[3] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو اکیلے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ''آیا کوئی ایسا آدمی ہے جو اس پر صدقہ کرتے ہوئے اس کے ساتھ نماز پڑھ لے؟''[4] ظاہر ہے کہ اکیلا نماز پڑھنے والا فرض ادا کر رہا تھا اور اس کے پیچھے جس نے بطور صدقہ نماز پڑھنی ہے وہ نفل شمار ہوگی۔

(٦٧) بَابُ مَنْ أَسْمَعَ النَّاسَ تَكْبِيرَ الْإِمَامِ

باب: 67- جو لوگوں کو امام کی تکبیر سنائے

وضاحت: اگر امام کی آواز کسی وجہ سے پست ہو یا مقتدی زیادہ ہوں تو امام کی تکبیرات لوگوں تک پہنچانے کے لیے کسی کو بطور مکبر مقرر کیا جا سکتا ہے، لیکن سپیکر کی موجودگی میں آج اس کی ضرورت نہیں ہے۔

٧١٢ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دَاوُدَ قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: لَمَّا مَرِضَ النَّبِيُّ ﷺ مَرَضَهُ الَّذِي مَاتَ فِيهِ أَتَاهُ [بِلَالٌ] يُؤْذِنُهُ بِالصَّلَاةِ، فَقَالَ: «مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ»، قُلْتُ: إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ أَسِيفٌ، إِنْ يَقُمْ مَقَامَكَ يَبْكِ فَلَا يَقْدِرُ عَلَى الْقِرَاءَةِ، قَالَ: «مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ»، فَقُلْتُ مِثْلَهُ، فَقَالَ فِي الثَّالِثَةِ أَوِ الرَّابِعَةِ: «إِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ، مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ»، فَصَلَّى وَخَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ يُهَادَى بَيْنَ رَجُلَيْنِ،

[712] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ جب نبی ﷺ مرض وفات میں مبتلا ہوئے تو آپ کے پاس حضرت بلال رضی اللہ عنہ نماز کی اطلاع دینے کے لیے آئے۔ آپ نے فرمایا: ''ابوبکر سے کہو وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔'' میں نے عرض کیا کہ ابوبکر ایک نرم دل آدمی ہیں، اگر آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو رونے لگیں گے اور قراءت پر قادر نہیں ہوں گے۔ آپ نے فرمایا: ''ابوبکر سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں۔'' میں نے پھر وہی عرض کیا تو آپ نے تیسری یا چوتھی مرتبہ فرمایا: ''تم تو یوسف علیہ السلام والی عورتوں کی مثل ہو۔ ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔'' چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نماز

1 صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4136. 2 تلخيص الحبير: 38/2. 3 مسند أحمد: 160/4. 4 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 574.

كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ يَخُطُّ بِرِجْلَيْهِ الْأَرْضَ، فَلَمَّا رَآهُ أَبُو بَكْرٍ ذَهَبَ يَتَأَخَّرُ، فَأَشَارَ إِلَيْهِ أَنْ صَلِّ، فَتَأَخَّرَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَقَعَدَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى جَنْبِهِ وَأَبُو بَكْرٍ يُسْمِعُ النَّاسَ التَّكْبِيرَ.

پڑھانا شروع کی تو نبی ﷺ دو آدمیوں کے سہارے باہر تشریف لائے۔ گویا میں اس وقت بھی آپ کی طرف دیکھ رہی ہوں کہ آپ کے دونوں پاؤں زمین پر گھسٹتے جاتے تھے۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کو دیکھا تو پیچھے ہٹنے لگے مگر آپ ﷺ نے ارشارے سے فرمایا کہ نماز پڑھاتے رہو لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ کچھ پیچھے ہٹ گئے اور نبی ﷺ ان کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کو آپ کی تکبیرات سناتے تھے۔

تَابَعَهُ مُحَاضِرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ. [راجع: ١٩٨]

محاضر نے امام اعمش سے روایت کرنے میں عبداللہ بن داود کی متابعت کی ہے۔

فائدہ: صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی اقتدا کر رہے تھے اور دوسرے مقتدی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں تھے۔[1] اس روایت نے وضاحت کر دی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ صرف رسول اللہ ﷺ کی تکبیرات لوگوں کو سنا رہے تھے۔ آپ لوگوں کے امام نہیں تھے۔ امامت کے فرائض رسول اللہ ﷺ ہی ادا کر رہے تھے۔[2] اس حدیث کی تشریح پہلے گزر چکی ہے۔

(٦٨) بَابُ الرَّجُلِ يَأْتَمُّ بِالْإِمَامِ، وَيَأْتَمُّ النَّاسُ بِالْمَأْمُومِ

باب: 68- ایک شخص امام کی اقتدا کرے اور باقی مقتدی اس شخص کی اقتدا کریں

وَيُذْكَرُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «اِئْتَمُّوا بِي وَلْيَأْتَمَّ بِكُمْ مَنْ بَعْدَكُمْ».

نبی ﷺ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: ''تم لوگ میری اقتدا کرو اور تمھارے بعد والے تمھاری اقتدا کریں۔''

وضاحت: مذکورہ تعلیق حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث کا حصہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جماعت کے وقت اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو پیچھے ہٹے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ''آگے آؤ اور میری اقتدا کرو، تمھارے بعد والے تمھاری اقتدا کریں گے۔''[3]

٧١٣ - حَدَّثَنِي قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: لَمَّا ثَقُلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ جَاءَ بِلَالٌ

[713] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ بیمار ہوئے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ کے پاس نماز کی اطلاع دینے کے لیے حاضر ہوئے۔

1 صحیح البخاري، الأذان، حدیث: 713. 2 فتح الباري: 264/2. 3 صحیح مسلم، الصلاة، حدیث: 982 (438).

يُؤْذِنُهُ بِالصَّلَاةِ، فَقَالَ: «مُرُوا أَبَا بَكْرٍ يُصَلِّي بِالنَّاسِ»، فَقُلْتُ: يَارَسُولَ اللهِ! إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ أَسِيفٌ، وَإِنَّهُ مَتٰى مَا يَقُمْ مَقَامَكَ لَا يُسْمِعِ النَّاسَ، فَلَوْ أَمَرْتَ عُمَرَ، فَقَالَ: «مُرُوا أَبَا بَكْرٍ أَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ»، فَقُلْتُ لِحَفْصَةَ: قُولِي لَهُ: إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ أَسِيفٌ، وَإِنَّهُ مَتٰى يَقُمْ مَقَامَكَ لَمْ يُسْمِعِ النَّاسَ فَلَوْ أَمَرْتَ عُمَرَ، فَقَالَ: «إِنَّكُنَّ لَأَنْتُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ، مُرُوا أَبَا بَكْرٍ أَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ»، فَلَمَّا دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ وَجَدَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي نَفْسِهِ خِفَّةً، فَقَامَ يُهَادٰى بَيْنَ رَجُلَيْنِ وَرِجْلَاهُ تَخُطَّانِ فِي الْأَرْضِ حَتّٰى دَخَلَ الْمَسْجِدَ، فَلَمَّا سَمِعَ أَبُوبَكْرٍ حِسَّهُ ذَهَبَ أَبُو بَكْرٍ يَتَأَخَّرُ، فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ، فَجَاءَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حَتّٰى جَلَسَ عَنْ يَسَارِ أَبِي بَكْرٍ، فَكَانَ أَبُو بَكْرٍ يُصَلِّي قَائِمًا، وَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي قَاعِدًا، يَقْتَدِي أَبُوبَكْرٍ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، وَالنَّاسُ يَقْتَدُونَ بِصَلَاةِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ. [راجع: ١٩٨]

آپ نے فرمایا: ''ابوبکر سے کہو وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔'' میں نے کہا: اللہ کے رسول! حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک نرم دل انسان ہیں، اس لیے جب وہ آپ کی جگہ پر کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو اپنی آواز نہ سنا سکیں گے۔ اگر آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیں (تو بہتر ہے)۔ آپ نے فرمایا: ''ابوبکر سے کہو وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔'' میں نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ آپ عرض کریں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک نرم دل انسان ہیں، اس لیے جب وہ آپ کی جگہ پر کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو اپنی آواز نہ سنا سکیں گے، لہٰذا اگر آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیں (تو بہتر ہے)۔ آپ نے فرمایا: ''تم تو یوسف علیہ السلام کے ساتھ والی عورتیں معلوم ہوتی ہو۔ ابوبکر سے کہو وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔'' جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نماز کا آغاز کر دیا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے اندر کچھ تخفیف محسوس فرمائی، چنانچہ آپ کھڑے ہوئے اور دو آدمیوں کے سہارے چل پڑے۔ آپ کے دونوں پاؤں زمین پر گھسٹتے جاتے تھے تاآنکہ آپ مسجد میں داخل ہوئے۔ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کی آہٹ سنی تو پیچھے ہٹنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں اشارہ فرمایا: (کہ پیچھے نہ ہٹیں)۔ بہرحال رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بائیں جانب بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے جبکہ رسول اللہ ﷺ بیٹھ کر نماز ادا کرتے تھے۔ (گویا) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی اقتدا کرتے تھے اور لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں تھے۔

فائدہ: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی مرض وفات کے وقت والی امامت کے متعلق درج ذیل تین احتمالات ہو سکتے ہیں: ❁ رسول اللہ ﷺ امام تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک مبلغ کی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ کی تکبیرات لوگوں تک پہنچاتے تھے جیسا کہ حدیث: (712) میں ہے۔ ❁ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی اقتدا کر رہے تھے اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حضرت ابوبکر کی اقتدا کر رہے تھے۔ اس صورت میں دو امام ہوں گے: ایک رسول اللہ ﷺ اور دوسرے ابوبکر

ﷺ۔ ② حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ امام تھے اور رسول اللہ ﷺ مقتدی کی حیثیت سے معذوری کی بنا پر بائیں جانب بیٹھے تھے لیکن یہ آخری احتمال بہت بعید ہے کیونکہ مقتدی امام کی دائیں جانب ہوتا ہے۔ یہ عذر کہ معذوری کی وجہ سے بائیں جانب بیٹھے تھے یہ اتنا وزنی نہیں کیونکہ جب بیٹھنا ہے تو پھر دائیں یا بائیں بیٹھنے سے کیا فرق پڑتا ہے؟ اس لیے ہماری رائے کے مطابق یہ آخری احتمال مردود اور ناقابل اعتبار ہے۔ دوسرے احتمال کی حیثیت بھی انتہائی مخدوش ہے کیونکہ کسی جماعت میں بیک وقت دو امام ہوں اس کا ثبوت سرے سے موجود نہیں۔ ظاہری الفاظ سے شریعت سے اس قدر ہٹا ہوا مسئلہ کشید نہیں کیا جا سکتا۔ بعض حضرات نے امام بخاری رحمہ اللہ کے متعلق لکھا ہے کہ ان کا رجحان دوسرے احتمال کی طرف ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی جلالت شان اس قسم کے احتمالات سے بالاتر ہے۔ اس قسم کے احتمالات سخن سازی کے علاوہ کچھ نہیں۔ سیدھی اور صاف بات یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ امام تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے افعال و اعمال کی اقتدا کر رہے تھے اور ان کی تکبیرات کو لوگوں تک پہنچانے والے تھے۔ واللہ أعلم.

(٦٩) بَابٌ : هَلْ يَأْخُذُ الْإِمَامُ - إِذَا شَكَّ - بِقَوْلِ النَّاسِ؟

باب: 69- جب امام کو شک گزرے تو کیا وہ لوگوں کی بات پر عمل کر سکتا ہے؟

وضاحت: جب امام بخاری رحمہ اللہ ترجمۃ الباب کے آغاز میں "ھل" کا اضافہ کریں تو اختلاف فقہاء کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا موقف ہے کہ دوران جماعت میں امام کو لقمہ قبول نہیں کرنا چاہیے جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ لقمہ قبول کرنے کے قائل ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان میں یہی مسئلہ بیان کیا ہے۔

٧١٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكِ ابْنِ أَنَسٍ، عَنْ أَيُّوبَ بْنِ أَبِي تَمِيمَةَ السَّخْتِيَانِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ انْصَرَفَ مِنِ اثْنَتَيْنِ، فَقَالَ لَهُ ذُوالْيَدَيْنِ: أَقَصُرَتِ الصَّلَاةُ أَمْ نَسِيتَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَصَدَقَ ذُو الْيَدَيْنِ؟» فَقَالَ النَّاسُ: نَعَمْ، فَقَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَصَلَّى اثْنَتَيْنِ أُخْرَيَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ، ثُمَّ كَبَّرَ، فَسَجَدَ مِثْلَ سُجُودِهِ أَوْ أَطْوَلَ. [راجع: ٤٨٢]

[714] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (چار رکعت والی نماز میں) دو رکعت پڑھ کر علیحدہ ہو گئے۔ آپ سے ذوالیدین رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا نماز کم ہو گئی ہے یا آپ بھول گئے ہیں؟ اللہ کے رسول ﷺ نے لوگوں سے پوچھا: ''کیا ذوالیدین سچ کہتا ہے؟'' لوگوں نے ''ہاں'' میں جواب دیا تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو گئے اور دو رکعات مزید پڑھ لیں، پھر سلام پھیرا، اس کے بعد تکبیر کہہ کر سجدے میں چلے گئے۔ یہ سجدے پہلے سجدوں کی طرح تھے یا ان سے کچھ طویل تھے۔

فائدہ: فقہی نکتۂ نظر سے یہاں شک وسہو کے لیے باب قائم کرنے کا موقع نہیں کیونکہ اس کے لیے سہو کا باب الگ آئندہ آئے گا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس لیے یہاں ذکر کیا کہ امام اور مقتدی کے مسائل چل رہے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے علامہ ابن منیر کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس مسئلے میں محل اختلاف اس صورت میں ہے جب امام کو بھی شک ہو۔ اس کے برعکس

اگر امام کو اپنے فعل پر یقین ہو تو پھر کسی مقتدی کے قول کا اعتبار نہیں ہوگا۔[1]

٧١٥ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ، فَقِيلَ: صَلَّيْتَ رَكْعَتَيْنِ، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ. [راجع: ٤٨٢]

[715] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے (ایک دفعہ) ظہر کی نماز دو رکعت پڑھ دی۔ آپ سے کہا گیا کہ آپ نے دو رکعات پڑھی ہیں۔ اس کے بعد آپ نے دو رکعت اور پڑھ لیں، پھر سلام پھیر کر دو سجدے (سہو) کیے۔

فائدہ: مسائل سہو آئندہ کتاب السہو میں بیان ہوں گے۔ بإذن الله تعالىٰ.

(٧٠) بَابٌ: إِذَا بَكَى الْإِمَامُ فِي الصَّلَاةِ

باب: 70- جب امام نماز میں رونے لگے (تو کیا حکم ہے؟)

وَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ شَدَّادٍ: سَمِعْتُ نَشِيجَ عُمَرَ وَأَنَا فِي آخِرِ الصُّفُوفِ فَقَرَأَ ﴿إِنَّمَآ أَشْكُواْ بَثِّي وَحُزْنِيٓ إِلَى ٱللَّهِ﴾ [يوسف: ٨٦].

حضرت عبداللہ بن شداد کہتے ہیں کہ میں نے دوران نماز میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے رونے کی آواز سنی، حالانکہ میں سب سے پچھلی صف میں تھا۔ آپ یہ آیت کریمہ تلاوت کر رہے تھے: ''میں اپنے غم اور پریشانی کی شکایت صرف اللہ ہی سے کرتا ہوں۔''

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں کوئی فیصلہ کن موقف اختیار نہیں کیا، البتہ اثر اور حدیث سے امام بخاری کے رجحان کا پتہ چلتا ہے کہ اگر نماز میں رونا آجائے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اس اثر کو سعید بن منصور نے اپنی سند سے متصل بیان کیا ہے اور اس میں اضافہ کیا ہے کہ ایسا نماز صبح میں ہوا تھا۔[2]

٧١٦ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكُ ابْنُ أَنَسٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ فِي مَرَضِهِ: «مُرُوا أَبَا بَكْرٍ يُصَلِّي بِالنَّاسِ»، قَالَتْ عَائِشَةُ: قُلْتُ: إِنَّ أَبَا بَكْرٍ إِذَا قَامَ فِي مَقَامِكَ لَمْ يُسْمِعِ النَّاسَ مِنَ الْبُكَاءِ فَمُرْ عُمَرَ يُصَلِّي بِالنَّاسِ، فَقَالَ: «مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ»،

[716] ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی مرض (وفات) میں فرمایا: ''ابوبکر سے کہو وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے آپ سے عرض کیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو رونے کی وجہ سے لوگوں کو اپنی آواز نہیں سنا سکیں گے، اس لیے آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیجیے کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ آپ نے فرمایا:

(1) فتح الباري: 266/2. 2 فتح الباري: 267/2.

فَقَالَتْ عَائِشَةُ فَقُلْتُ لِحَفْصَةَ: قُولِي لَهُ: إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ أَسِيفٌ إِذَا قَامَ مَقَامَكَ لَمْ يُسْمِعِ النَّاسَ مِنَ الْبُكَاءِ، فَمُرْ عُمَرَ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ، فَفَعَلَتْ حَفْصَةُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَهْ، إِنَّكُنَّ لَأَنْتُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ، مُرُوا أَبَابَكْرٍ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ»، قَالَتْ حَفْصَةُ لِعَائِشَةَ: مَا كُنْتُ لِأُصِيبَ مِنْكِ خَيْرًا. [راجع: ١٩٨]

''ابوبکر سے کہو وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔'' حضرت عائشہ ؓ کہتی ہیں: میں نے حضرت حفصہ سے کہا کہ تم نبی ﷺ سے عرض کرو کہ جب ابوبکر ؓ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو رونے کی وجہ سے لوگوں کو اپنی قراءت نہیں سنا سکیں گے، لہٰذا آپ حضرت عمر ؓ کو حکم دیجیے کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، چنانچہ حضرت حفصہ ؓ نے ایسے ہی کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''چپ رہو! تم تو یوسف ؑ والی عورتوں کی طرح معلوم ہوتی ہو۔ ابوبکر سے کہو وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔'' اس پر حضرت حفصہ ؓ نے حضرت عائشہ ؓ سے کہا کہ میں نے کبھی تجھ سے بھلائی نہیں پائی۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ امام رسول اللہ ﷺ تھے لیکن اس میں آپ کے رونے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے قبل ابوبکر ؓ ہی امام تھے اور ان کے متعلق صدیقۂ کائنات ؓ کا مشاہدہ تھا کہ وہ نماز میں تلاوت کرتے وقت ضرور رویا کرتے تھے، لہٰذا امام کا نماز میں رونا ثابت ہوا۔ اگرچہ اس خاص واقعے میں آپ کے رونے کا ذکر نہیں ہے، تاہم اس کے بغیر حدیث کی عنوان سے کوئی مطابقت نہیں ہوسکتی۔ حافظ ابن حجر ؒ نے مطابقت کے متعلق کچھ نہیں لکھا، البتہ آپ نے عنوان کو ثابت کرنے کے لیے حضرت عبداللہ بن شخیر ؓ کی ایک روایت کا حوالہ دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھاتے ہوئے دیکھا کہ آپ کے سینۂ مبارک سے اس طرح رونے کی آواز آرہی تھی جس طرح ہنڈیا ابلتی ہے۔[1] ② واضح رہے کہ اگر نماز میں رونا کسی تکلیف یا درد کی وجہ سے ہو تو نماز درست نہیں رہے گی، اگر جنت اور جہنم یا امور آخرت کی وجہ سے ہو تو باعث ثواب ہے اور ایسا کرنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے جیسا کہ حدیث بالا سے معلوم ہوتا ہے۔ واللہ أعلم.

(٧١) بَابُ تَسْوِيَةِ الصُّفُوفِ عِنْدَ الْإِقَامَةِ وَبَعْدَهَا

باب: 71- اقامت کے وقت یا اس کے بعد صفوں کو سیدھا کرنا

٧١٧ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ قَالَ: حَدَّثَنِي شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ قَالَ: سَمِعْتُ سَالِمَ بْنَ أَبِي الْجَعْدِ قَالَ:

[717] حضرت نعمان بن بشیر ؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اپنی صفوں کو ضرور سیدھا کرو بصورت دیگر اللہ تعالیٰ تمھارے چہروں میں مخالفت

[1] سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 904.

سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ يَقُولُ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَتُسَوُّنَّ صُفُوفَكُمْ أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللهُ بَيْنَ وُجُوهِكُمْ». پیدا کر دے گا۔"

فوائد ومسائل: ① نماز کے لیے صفوں کا سیدھا کرنا ضروری ہے، خواہ اقامت سے پہلے یا اس کے دوران میں یا اس کے بعد ہو، وقت کی کوئی پابندی نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے پہلے ایک عنوان قائم کیا تھا کہ تکبیر کے وقت جب لوگ امام کو دیکھ لیں تو نماز کے لیے کھڑے ہو جائیں۔ اس کا تقاضا تھا کہ تکبیر کے بعد فوراً نماز کھڑی کر دینی چاہیے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکور بالا عنوان قائم کر کے یہ تنبیہ فرما دی کہ اگر صفوں میں کچھ کمی رہ گئی ہو تو انھیں اقامت کے بعد بھی درست کیا جا سکتا ہے، بہرحال امام کو اس بات کا اہتمام کرنا چاہیے کہ نمازیوں کی صفیں بالکل سیدھی ہوں، ان میں کوئی شگاف نہ ہو۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث کے عموم سے استدلال کیا ہے کہ صفوں کو سیدھا کرنے کے لیے وقت کی کوئی پابندی نہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان میں اقامت کے وقت یا اس کے بعد کے الفاظ بڑھا کر حسب عادت حدیث کے بعض طرق کی طرف اشارہ فرمایا ہے، چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ تنبیہ اس وقت فرمائی جب تکبیر تحریمہ کہنے والے تھے۔[1] اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ جب نماز کے لیے اقامت کہہ دی گئی تو اس وقت ہماری طرف متوجہ ہو کر مذکورہ تنبیہ ارشاد فرمائی۔[2] ② صفوں کو سیدھا کرنا ضروری ہے۔ اگر اس سلسلے میں کوتاہی کی تو ظاہری مخالفت کا اثر باطن پر پڑے گا کہ لوگوں کے درمیان محبت و الفت نہیں رہے گی بلکہ ان کے دلوں میں اختلافات پیدا ہوں گے جن سے ان کی وحدت پارہ پارہ ہو گی اور دشمنوں پر ان کا رعب بھی ختم ہو جائے گا جیسا کہ سنن ابو داود میں ہے کہ صفوں کو سیدھا کرو بصورت دیگر اللہ تعالیٰ تمھارے دلوں میں اختلاف پیدا کر دے گا۔[3] یہ بھی ممکن ہے کہ صفوں کے متعلق شرعی حکم کی مخالفت کرنے سے چہروں میں بگاڑ پیدا ہو جائے، انھیں گدی کی جانب کر دیا جائے یا انھیں بالکل مسخ کر کے کسی حیوان کی صورت میں تبدیل کر دیا جائے۔ بعض روایات سے اس مفہوم کی بھی تائید ہوتی ہے۔[4]

٧١٨ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «أَقِيمُوا الصُّفُوفَ؛ فَإِنِّي أَرَاكُمْ خَلْفَ ظَهْرِي». [انظر: ٧١٩، ٧٢٥]

[718] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "صفوں کو ٹھیک اور درست رکھو، میں تمھیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔"

فائدہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ صفوں کو درست کرنے میں کوتاہی نہ کیا کرو، تمھاری غفلت کا مجھے علم ہو جاتا ہے کیونکہ میں جس طرح تمھیں آگے سے دیکھتا ہوں پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔ چونکہ یہ خرق عادت رسول اللہ ﷺ کا ایک معجزہ ہے اور وحی سے

---

1 صحيح البخاري، الأذان، حديث: 719. 2 صحيح مسلم، الصلاة، حديث: 979 (436). 3 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 662. 4 فتح الباري: 269/2.

ثابت ہے، اس لیے اس پر یقین کرنا چاہیے اور عقلاً ایسا ممتنع بھی نہیں۔[1] یاد رہے ایسا صرف نماز میں ہوتا تھا جیسا کہ ہم گزشتہ اوراق میں وضاحت کر آئے ہیں۔

(٧٢) بَابُ إِقْبَالِ الْإِمَامِ عَلَى النَّاسِ عِنْدَ تَسْوِيَةِ الصُّفُوفِ

باب:72-صفوں کو برابر کرتے وقت امام کا لوگوں کی طرف متوجہ ہونا

٧١٩ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي رَجَاءٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو قَالَ: حَدَّثَنَا زَائِدَةُ بْنُ قُدَامَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ الطَّوِيلُ: قَالَ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَأَقْبَلَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ بِوَجْهِهِ فَقَالَ: «أَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ وَتَرَاصُّوا، فَإِنِّي أَرَاكُمْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِي». [راجع: ٧١٨]

[719] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ایک دفعہ نماز کے لیے اقامت کہی گئی تو رسول اللہ ﷺ نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ''اپنی صفوں کو درست کر لو اور باہم مل کر کھڑے ہو جاؤ کیونکہ میں تمھیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔''

فوائد و مسائل: ① صف بندی کے متعلق رسول اللہ ﷺ بہت اہتمام فرماتے اور اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی بہت تاکید کرتے تھے۔ اس روایت میں [تَرَاصُّوا] کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ صف بندی کے وقت اس طرح کھڑے ہونا چاہیے کہ درمیان میں کسی قسم کا کوئی شگاف نہ ہو، نیز اس حدیث سے پتہ چلا کہ تکبیر ہو جانے کے بعد نماز شروع کرنے سے پہلے گفتگو کرنا جائز ہے بشرطیکہ وہ نماز کی مصلحت سے متعلق ہو۔[2] ② بعض احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ نمازیوں کی صفیں، آسمان میں فرشتوں کی صفوں کے مقابل ہوتی ہیں، اس لیے صف بندی کا خصوصی اہتمام کیا گیا اور اچھی طرح مل کر کھڑے ہونے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ فرشتوں کے ساتھ پوری پوری مشابہت ہو جائے۔ ③ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نماز کے وقت صفوں کو پیوست کرو، قریب قریب ہو جاؤ اور اپنی گردنوں کو برابر کرو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں دیکھتا ہوں کہ شیطان بکری کے بچے کی طرح تمھاری صفوں کے شگافوں میں گھس آتا ہے۔''[3]

(٧٣) بَابُ الصَّفِّ الْأَوَّلِ

باب:73-صف اول کا بیان

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ اس عنوان میں صف اول کا مصداق بیان کرنا چاہتے ہیں کہ کون کون لوگ ہو سکتے ہیں جس کی ہم آئندہ وضاحت کریں گے، نیز اس کی فضیلت کو ذکر کر دیا ہے۔

٧٢٠ - حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ

[720] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں

1، عمدة القاري: 354/2. 2 فتح الباري: 270/1. 3 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 667.

شُمَيٍّ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اَلشُّهَدَاءُ: الْغَرِقُ، وَالْمَبْطُونُ، وَالْمَطْعُونُ، وَالْهَدِمُ». [راجع: ٦٥٣]

نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''شہداء یہ لوگ ہیں: جو ڈوب کر مرے، جو پیٹ کے مرض میں مبتلا ہو کر فوت ہو جائے، جو طاعون میں چل بسے اور جو دیوار کے نیچے دب کر اس جہاں سے رخصت ہو جائے۔''

٧٢١ - قَالَ: «وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي التَّهْجِيرِ لَاسْتَبَقُوا، وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ، لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا، وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ لَاسْتَهَمُوا». [راجع: ٦١٥]

[721] آپ نے فرمایا: ''اگر لوگوں کو علم ہو کہ سخت گرمی یا اول وقت میں نماز پڑھنے کی کیا فضیلت ہے تو اسے ادا کرنے کے لیے دوڑ لگائیں۔ اور اگر وہ جان لیں کہ عشاء اور صبح کی نماز میں کیا ثواب ہے تو یقیناً ان میں شریک ہوں اگرچہ انھیں گھٹنوں کے بل چل کر آنا پڑے۔ اور اگر انھیں معلوم ہو کہ پہلی صف میں کیا فضیلت ہے تو اس کے حصول کے لیے ضرور قرعہ اندازی کریں۔''

فوائد و مسائل: ① صف اول کے مصداق کے متعلق متقدمین میں اختلاف ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ صف اول میں وہ لوگ داخل ہیں جو مسجد میں پہلے پہلے آئیں، خواہ وہ کہیں بھی کھڑے ہوں۔ امام بخاری ؒ فرماتے ہیں کہ صف اول والوں سے مراد وہ ہیں جو امام کے متصل ہوں، یعنی ان کے آگے امام کے علاوہ اور کوئی نہ ہو کیونکہ حدیث میں [الصف المقدّم] کے الفاظ ہیں۔ انھی الفاظ کے پیش نظر امام بخاری ؒ نے ''صف اول'' کا عنوان قائم کیا ہے۔ اگر اس سے مراد مسجد میں پہلے داخل ہونے والے ہوں تو اس میں قرعہ اندازی کی کیا ضرورت ہے۔[1] ② اگر کوئی شخص صف اول میں ہے، اس کے بعد اس کا استاد یا کوئی بڑا آدمی آجائے تو خود پیچھے ہٹ جائے اور اسے صف اول میں جگہ دے دے تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس قسم کا ایثار جائز نہیں۔ لیکن اس میں تفصیل ہے کہ اگر صف اول میں بیٹھا ہوا شخص بعد میں آنے والے کو اس لیے جگہ دیتا ہے کہ وہ دنیادار ہے، امیر کبیر یا دولت مند ہے تو جائز نہیں۔ ہاں، اگر ایسے شخص کے لیے ایثار کرتا ہے جو دین دار ہے اور نماز پابندی سے صف اول میں پڑھنے کا عادی ہے لیکن کسی عذر کی وجہ سے تاخیر ہوگئی تو ایسی صورت میں ایثار کیا جاسکتا ہے۔ شاید اس کے ایثار کا ثواب صف اول کے ثواب سے زیادہ بڑھ جائے۔ مختصر یہ ہے کہ اس سلسلے میں دنیاداری یا دولت مندی کو پیش نظر نہ رکھا جائے۔ واللہ أعلم.

(٧٤) بَابٌ: إِقَامَةُ الصَّفِّ مِنْ تَمَامِ الصَّلَاةِ

باب: 74- صف کا درست کرنا نماز کا پورا کرنا ہے

٧٢٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا

[722] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی

[1] فتح الباري: 270/2.

عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: «إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَلَا تَخْتَلِفُوا عَلَيْهِ، فَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَقُولُوا: رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ؛ وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا؛ وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا أَجْمَعِينَ، وَأَقِيمُوا الصَّفَّ فِي الصَّلَاةِ، فَإِنَّ إِقَامَةَ الصَّفِّ مِنْ حُسْنِ الصَّلَاةِ». [انظر: ٧٣٤]

ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ’’امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، لہٰذا اس سے اختلاف نہ کرو۔ جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور جب وہ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہے تو تم رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہو۔ جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو سب کے سب بیٹھ کر نماز ادا کرو، نیز نماز میں صفوں کو سیدھا کرو کیونکہ صف کا درست کرنا نماز کی خوبی کا ایک جز ہے۔‘‘

٧٢٣ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ «سَوُّوا صُفُوفَكُمْ فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوفِ مِنْ إِقَامَةِ الصَّلَاةِ».

[723] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ’’صفوں کو برابر کرو کیونکہ صفوں کا برابر کرنا نماز کا قائم کرنا ہے۔‘‘

فوائد ومسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے تحت دو احادیث ذکر کی ہیں: پہلی حدیث میں ہے کہ صف کا درست کرنا نماز کی خوبی کا ایک حصہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صف کو درست کرنا نماز کی خوبی ہے، البتہ نفس نماز میں کوئی دخل نہیں، صرف اس کے ذریعے سے نماز میں حسن پیدا ہوتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ صفوں کا برابر کرنا نماز کو قائم کرنا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر صفیں برابر نہ ہوئیں تو اقامت نماز کی بھی نفی ہو جائے گی۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ بالا عنوان قائم کر کے تنبیہ فرمائی ہے کہ صفوں کو سیدھا کرنا نماز کی ماہیت میں داخل نہیں کہ اس کی نفی سے نماز کی نفی ہو جائے اور اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ صفوں کی درستگی کو بالکل نماز سے الگ کر دیا جائے بلکہ صف بندی نماز کے مکملات میں سے ہے۔ ③ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ابن حزم رحمہ اللہ نے [إِقَامَةِ الصَّلَاةِ] کے الفاظ سے صف بندی کو واجب قرار دیا ہے کیونکہ نماز کا قائم کرنا واجب ہے اور صف بندی [إِقَامَةِ الصَّلَاةِ] کا حصہ ہے، لہٰذا جو فرض کا حصہ ہے وہ بھی فرض ہوا، لیکن اس حدیث کے تمام راوی مذکورہ الفاظ بیان کرنے میں متفق نہیں بلکہ اکثر راویوں نے [إِقَامَةُ الصَّلَاةِ] کے بجائے [تمام الصلاة] کے الفاظ ذکر کیے ہیں۔ شارح بخاری ابن بطال نے حُسْنِ الصَّلَاة کے پیش نظر کہا ہے کہ صف بندی سنت کا درجہ رکھتی ہے اور کسی چیز کا حسن اس کے تمام ہونے سے زائد ہے۔ ابن دقیق العید نے کہا ہے کہ حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں صف بندی مستحب ہے کیونکہ عرف میں تمام شے بھی حقیقت پر زائد چیز ہے۔[1] بہر حال نماز میں صف بندی کا اہتمام انتہائی ضروری ہے، اس سے نماز میں حسن پیدا ہوتا ہے اور ایسا کرنا نماز کی تکمیل ہے۔ صفوں کو ٹیڑھا رکھنا شیطان کو دخل اندازی کا موقع فراہم کرنا ہے جیسا کہ حدیث میں اس کی وضاحت ہے۔ والله أعلم. صف بندی کے وجوب یا عدم وجوب کی تفصیل آئندہ حدیث کے تحت بیان ہوگی۔

1 فتح الباري: 271/2.

(٧٥) بَابُ إِثْمِ مَنْ لَمْ يُتِمَّ الصُّفُوفَ

باب: 75- اس شخص کے گناہ کا بیان جو صف بندی نہیں کرتا

٧٢٤ - حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ أَسَدٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى قَالَ: أَخْبَرَنَا سَعِيدُ بْنُ عُبَيْدٍ الطَّائِيُّ عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّهُ قَدِمَ الْمَدِينَةَ فَقِيلَ لَهُ: مَا أَنْكَرْتَ مُنْذُ يَوْمِ عَهِدْتَ رَسُولَ اللهِ ﷺ؟ قَالَ: مَا أَنْكَرْتُ شَيْئًا إِلَّا أَنَّكُمْ لَا تُقِيمُونَ الصُّفُوفَ.

وَقَالَ عُقْبَةُ بْنُ عُبَيْدٍ عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ: قَدِمَ عَلَيْنَا أَنَسٌ الْمَدِينَةَ بِهٰذَا.

[724] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب وہ مدینہ تشریف لائے تو ان سے کہا گیا: آپ نے (ہم میں) کون سی منکر بات محسوس کی ہے جو آپ نے رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں نہ دیکھی ہو؟ انھوں نے فرمایا: میں اور تو کوئی خلاف ورزی نہیں دیکھتا البتہ تم نماز میں اپنی صفیں درست نہیں کرتے۔

عقبہ بن عبید نے بشیر بن یسار سے بایں الفاظ یہ روایت بیان کی ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ ہم لوگوں کے پاس جب مدینہ تشریف لائے...... الخ.

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ نے دوران نماز میں صف بندی کا وجوب ثابت کیا ہے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے صف بندی کے ترک کرنے پر انکار کیا ہے اور انکار کبھی ترکِ واجب پر ہوتا ہے اور کبھی ترکِ سنت پر۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے ترک کو گناہ سے تعبیر کیا ہے، پھر صف بندی کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا امر ہے اور آپ کا امر وجوب کے لیے ہوتا ہے۔ اس کے ترک پر وعید بھی ہے جیسا کہ سابقہ احادیث سے معلوم ہو چکا ہے۔ گویا صف بندی کے متعلق امر مقرون بالوعید ہے۔ ان تمام قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا اس کے ترک پر انکار کرنا ترکِ واجب پر انکار کرنا ہے، لیکن یہ ایسا واجب ہے کہ اس کے ترک کرنے پر نماز کا بطلان نہیں ہوگا کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ان کے ترک پر انکار کرنے کے باوجود انھیں اپنی نمازیں دوبارہ پڑھنے کے متعلق نہیں کہا۔ اس کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صف بندی کے ترک پر عثمان نہدی کے پاؤں پر درہ مارا تھا۔ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے بھی ثابت ہے کہ وہ صف بندی نہ کرنے والوں کو مارتے تھے۔ ان تمام آثار و قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک دوران نماز میں صف بندی واجب ہے اور اس کے ترک پر انسان گناہ کا مرتکب ہوگا۔[1] ② احادیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نماز کے متعلق مختلف اوقات میں تین مرتبہ تنبیہ نقل ہوئی ہے: ❀ حضرت ابوامامہ کہتے ہیں کہ ہم نے ظہر کی نماز حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ہمراہ ادا کی، اس کے بعد ہم حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ نماز عصر پڑھ رہے تھے۔ ہم نے عرض کیا کہ آپ نے کون سی نماز پڑھی ہے؟ انھوں نے فرمایا: یہ نماز عصر ہے اور رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ہم اسی وقت نماز عصر پڑھا کرتے تھے۔ گویا آپ نے تاخیر ظہر پر تنبیہ فرمائی کہ ایسے وقت نہ پڑھی جائے کہ

---

1 عمدة القاري: 359/4.

عصر کا وقت آجائے۔[1] حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اس وقت امیر مدینہ تھے۔ ❀ حضرت انس رضی اللہ عنہ جب بصرے سے مدینہ تشریف لائے تو ان سے لوگوں نے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک کے اعتبار سے آپ نے ہمارے ہاں کوئی ایسی بات دیکھی ہے جو اجنبی اور انوکھی ہو؟ اس پر انھوں نے فرمایا: اور تو کوئی خاص بات نہیں دیکھی، البتہ تم دوران نماز میں صف بندی نہیں کرتے۔[2] ❀ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ مجھے تو اب رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک کی کوئی بات باقی معلوم نہیں ہوتی۔ عرض کیا گیا نماز تو ہے۔ فرمایا: نماز کا تم نے کیا حشر نہیں کیا، یعنی اس میں بھی تم نے بہت تبدیلیاں کر ڈالی ہیں۔[3] اس روایت کی تفصیل اس طرح ہے کہ امام زہری دمشق میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ رو رہے ہیں۔ انھوں نے رونے کا سبب پوچھا تو فرمایا: جو باتیں میں نے رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں دیکھی تھیں اب ان میں بظاہر نماز رہ گئی ہے لیکن اسے بھی ضائع کر دیا گیا ہے، یعنی اسے شرعی وقت سے نکال کر مؤخر کر کے ادا کیا جاتا ہے۔[4]

(٧٦) بَابُ إِلْزَاقِ الْمَنْكِبِ بِالْمَنْكِبِ، وَالْقَدَمِ بِالْقَدَمِ فِي الصَّفِّ

باب: 76- صف بندی کرتے وقت کندھے سے کندھا اور پاؤں سے پاؤں ملانا

وَقَالَ النُّعْمَانُ بْنُ بَشِيرٍ: رَأَيْتُ الرَّجُلَ مِنَّا يُلْزِقُ كَعْبَهُ بِكَعْبِ صَاحِبِهِ.

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ ہم میں سے ہر شخص دوانِ نماز میں اپنا ٹخنا اپنے ساتھ والے آدمی کے ٹخنے سے ملا دیتا تھا۔

وضاحت: اس سے مراد صفوں کو درست کرنا، درمیان سے شگاف کو ختم کرنا ہے۔ لفظ الزاق بطور مبالغہ ہے، یعنی کندھا یا پاؤں ملانے میں تکلف سے کام نہ لیا جائے جیسا کہ اس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے، چنانچہ احادیث میں ہے کہ صفوں کو سیدھا کرو، کندھوں کو برابر کرو، درمیان میں جگہ نہ چھوڑو، شگاف بند کرو، مبادا شیاطین دخل اندازی کریں۔ جو صف کو ملاتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے تعلق رکھے گا اور جو صف کو قطع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے تعلق توڑے گا۔ حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کا یہ اثر ایک طویل حدیث کا حصہ ہے جسے امام ابوداود نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ''صفوں کو سیدھا کرو۔'' آپ نے تین دفعہ ان الفاظ کو دہرایا: ''اللہ کی قسم! صفوں کو سیدھا رکھو بصورت دیگر اللہ تعالیٰ تمھارے دلوں میں مخالفت پیدا کر دے گا۔'' حضرت نعمان کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے دیکھا، آدمی اپنے کندھے کو اپنے ساتھی کے کندھے سے اور اپنا ٹخنا اپنے ساتھی کے ٹخنے سے ملا کر کھڑا ہوتا تھا۔[5]

٧٢٥ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ:

[725] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''اپنی صفوں کو

---

1 صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، حديث: 549. 2 صحيح البخاري، الأذان، حديث: 724. 3 صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، حديث: 529. 4 صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، حديث: 530. 5 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 662.

«أَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ فَإِنِّي أَرَاكُمْ مِّنْ وَّرَاءِ ظَهْرِي» وَكَانَ أَحَدُنَا يُلْزِقُ مَنْكِبَهُ بِمَنْكِبِ صَاحِبِهِ وَقَدَمَهُ بِقَدَمِهِ. [راجع: ٧١٨]

درست رکھا کرو کیونکہ میں تمھیں اپنی پیٹھ کے پیچھے بھی دیکھتا ہوں۔'' اس کے بعد ہم میں سے ہر شخص اپنا کندھا اپنے ساتھی کے کندھے سے اور اپنا قدم اپنے ساتھی کے قدم سے ملا دیتا تھا۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے صف بندی کے متعلق متعدد احادیث پیش کی ہیں اور مذکورہ عنوان اس سلسلے کا آخری عنوان ہے۔ اس میں آپ نے بتایا کہ صفوں کو سیدھا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر نمازی اپنے قریب والے نمازی کے کندھے سے کندھا، قدم سے قدم اور ٹخنے سے ٹخنا ملا کر کھڑا ہو۔ اس کے متعلق حضرت نعمان بن بشیر اور حضرت انس رضی اللہ عنہما کا بیان نقل ہوا ہے کہ ہم اپنے ساتھی کے ٹخنے سے ٹخنا ملا کر کھڑے ہوتے تھے۔ ② بعض روایات میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ منقول ہیں کہ اگر میں آج اپنے ساتھی کے قدم سے قدم اور ٹخنے سے ٹخنا ملانے کی کوشش کرتا ہوں تو وہ سرکش خچر کی طرح بدکتا اور دور بھاگتا ہے۔[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا عہد ختم ہوتے ہوتے مسلمان اس سنت سے غافل ہونے لگے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق صفوں کو سیدھا کرنے اور قدم سے قدم ملانے کا عمل ایک اجنبی عمل بن گیا تھا جس پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اظہار افسوس کرنا پڑا۔ امام محمد رحمہ اللہ امام نخعی کا قول نقل کرتے ہیں: صفیں اور کندھے برابر کرو، انھیں باہم پیوست رکھو کہیں شگافوں سے شیطان دخل اندازی نہ کرے۔ ③ امام محمد فرماتے ہیں کہ ہمارا بھی اسی پر عمل ہے کہ صف میں کوئی شگاف نہیں چھوڑنا چاہیے تا آنکہ انھیں درست نہ کر لیا جائے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔[2] اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا یہ معمول تھا کہ جب تک صفیں درست نہ ہو جاتیں نماز شروع نہ کرتے۔ عہد فاروقی میں اس کار خیر کے لیے کارندے تعینات تھے مگر آج سب سے زیادہ متروک یہی عمل ہے، حالانکہ یہ کوئی اختلافی نہیں۔

(٧٧) بَابٌ: إِذَا قَامَ الرَّجُلُ عَنْ يَّسَارِ الْإِمَامِ، وَحَوَّلَهُ الْإِمَامُ خَلْفَهُ إِلَى يَمِينِهِ تَمَّتْ صَلَاتُهُ

باب: 77- اگر کوئی شخص امام کی بائیں جانب کھڑا ہو اور امام اسے اپنے پیچھے سے دائیں جانب پھیر دے تو اس کی نماز صحیح ہوگی

وضاحت: اس قسم کا ایک عنوان پہلے (58) بھی گزر چکا ہے صرف فرق حسب ذیل ہے: ❁ پہلے عنوان میں خَلْفَهُ کے الفاظ نہیں تھے جبکہ مذکورہ عنوان میں موجود ہیں۔ ❁ وہاں عدم فساد صلاۃ کا بیان تھا جبکہ یہاں نماز کے پورا ہونے کا ذکر ہے۔ ❁ پہلے عنوان میں امام اور مقتدی دونوں کا ذکر تھا جبکہ یہاں ایک کی نماز کا بیان ہے۔ اگرچہ بظاہر دونوں ابواب میں تکرار ہے لیکن درحقیقت ایسا نہیں کیونکہ وہاں امام اور مقتدی کا اصل مقام بتانا مقصود تھا تحویل کا مسئلہ ضمناً آ گیا تھا اور یہاں تحویل کا مسئلہ بتانا مقصود ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہاں عمل قلیل وکثیر کا بیان مقصود ہو اور یہاں یہ بتانا چاہتے ہوں کہ نماز پوری ہے اگرچہ

---

1 فتح الباري: 274/2. 2 كتاب الآثار للشيباني، باب إقامة الصفوف و فضل الصف الأول: 192/1-195.

نماز کا کچھ حصہ شرعی ترتیب کے خلاف ہوا ہے۔ الغرض امام بخاری رحمہ اللہ نماز سے متعلقہ دو مسئلے بتانا چاہتے ہیں: ٭ اگر مقتدی اپنے موقف و مقام کو چھوڑ کر غلط مقام پر کھڑا ہو جائے تو حنابلہ کے نزدیک اس کی نماز فاسد ہے جبکہ دیگر ائمہ کہتے ہیں کہ ایسا جہالت کی وجہ سے ہو تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے جمہور کی تائید میں پہلا عنوان قائم کیا اور اس سلسلے میں حدیث ابن عباس پیش فرمائی۔ ٭ مقتدی کو کسی صورت میں امام کے آگے نہیں ہونا چاہیے۔ اگر ضرورت پڑے تو اسے پیچھے سے کھینچ کر لائے۔ اگر مقتدی کو آگے سے لائے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

٧٢٦ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا دَاوُدُ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ كُرَيْبٍ مَّوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَقُمْتُ عَنْ يَّسَارِهِ فَأَخَذَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِرَأْسِي مِنْ وَّرَائِي فَجَعَلَنِي عَنْ يَّمِينِهِ فَصَلّٰى وَرَقَدَ، فَجَاءَهُ الْمُؤَذِّنُ فَقَامَ يُصَلِّي وَلَمْ يَتَوَضَّأْ. [راجع: ١١٧]

[726] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ میں نے ایک رات نبی ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھی۔ میں آپ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے پیچھے سے میرا سر پکڑ کر مجھے اپنی دائیں جانب کھڑا کر دیا، پھر نماز پڑھی اور سو گئے۔ جب مؤذن آیا تو آپ کھڑے ہوئے، نماز پڑھائی اور وضو نہیں کیا۔

فائدہ: امام بخاری رحمہ اللہ کی عادت ہے کہ وہ معمولی معمولی باریکیوں کا خیال رکھتے ہوئے عنوان قائم کرتے ہیں اور ایک ہی حدیث سے کئی کئی مسائل کا استنباط کرتے ہیں۔ اس حدیث کو پہلے ہی متعدد مرتبہ بیان کر چکے ہیں۔ اس قسم کا عنوان پہلے بھی معمولی تبدیلی کے ساتھ قائم کیا تھا۔ وہاں مقصد یہ تھا کہ اگر نماز کی اصلاح کے لیے دوران نماز میں کوئی عمل کیا جائے تو اس سے نماز میں کوئی نقص نہیں آتا، پھر یہ بھی وضاحت فرمائی کہ اگر مقتدی غلط مقام پر کھڑا ہو جائے، اسے صحیح مقام پر لا کھڑا کیا جائے تو بھی اس کی نماز صحیح ہے کیونکہ وہ جہالت کی وجہ سے معذور ہے، نیز امام اگر مقتدی کو دائیں بائیں کرتے وقت اپنے بدن کے کسی حصے کو ادھر ادھر کرتا ہے تو اس سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آئے گی کیونکہ اس نے اپنی صف کو نہیں چھوڑا اور اس نے یہ نقل و حرکت مصلحت نماز کے لیے کی ہے۔[1]

(٧٨) بَابٌ: اَلْمَرْأَةُ وَحْدَهَا تَكُونُ صَفًّا

باب: 78- اکیلی عورت، صف کا حکم رکھتی ہے

٧٢٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ إِسْحَاقَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: صَلَّيْتُ أَنَا وَيَتِيمٌ فِي بَيْتِنَا خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ وَأُمِّي أُمُّ سُلَيْمٍ خَلْفَنَا. [راجع: ٣٨٠]

[727] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے اور ہمارے گھر میں رہنے والے ایک یتیم لڑکے نے نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی۔ میری والدہ ام سلیم ہم سب کے پیچھے تھیں۔

1 فتح الباري: 274/2.

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے جو عنوان قائم کیا ہے وہ دراصل ایک مرفوع حدیث کے الفاظ ہیں جسے امام ابن عبدالبر نے روایت کیا ہے کہ اکیلی عورت، مستقل صف کا حکم رکھتی ہے۔ بعض فقہاء کا خیال ہے کہ اگر نماز کے لیے صرف امام اور ایک عورت ہو تو عورت کو امام کی دائیں جانب کھڑا ہونا چاہیے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس موقف کی تردید کی ہے کہ ایسے حالات میں عورت کو اکیلے کھڑا ہونا چاہیے کیونکہ پیش کردہ حدیث میں حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا اکیلی کھڑی ہوئی تھیں۔ اسی طرح اگر مقتدی دو ہوں تو انھیں امام کے پیچھے صف بنانا ہوگی جبکہ بعض اہل کوفہ کا موقف ہے کہ ایک امام کی دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب ہوگا۔ ان کی دلیل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا عمل ہے کہ انھوں نے ایک دفعہ جماعت کراتے وقت حضرت علقمہ کو دائیں جانب اور حضرت اسود کو اپنی بائیں جانب کھڑا کیا تھا۔ اس کا جواب امام ابن سیرین نے دیا ہے کہ انھوں نے ایسا جگہ کی تنگی کی وجہ سے کیا تھا۔ عام حالات میں ایسا کرنا صحیح نہیں جیسا کہ حدیث بالا میں وضاحت ہے۔[1] ② عورت چونکہ مرد کے لیے باعث فتنہ ہے، اس لیے اسے نماز باجماعت کے وقت مردوں کے ساتھ، یعنی ان کے برابر کھڑا ہونے کی اجازت نہیں۔ اگر وہ مخالفت کرتے ہوئے ان کے برابر کھڑی ہو جائے تو اسے گناہ تو ضرور ہوگا لیکن اس کی نماز ہو جائے گی۔ احناف کے نزدیک اگر نماز میں عورت، مرد کے برابر آگئی تو مرد کی نماز باطل ہو جائے گی، البتہ عورت کی نماز درست ہے۔ ان کی دلیل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے: ''جب انھیں اللہ تعالیٰ نے مؤخر رکھا ہے تو تم بھی انھیں ہر معاملہ میں مؤخر رکھو۔'' احناف کی یہ ایک ایسی دلیل ہے جس کا بودا پن واضح ہے۔ ایک طرف مرد کی نماز کو باطل اور عورت کی نماز کو درست کہتے ہیں، حالانکہ برابر آنے کا فعل عورت کا ہے اور حکم کی مخالفت کرنے والی بھی عورت ہے جبکہ اسی سے ملتے جلتے مسئلے میں ابطال صلاۃ کا حکم نہیں لگاتے، مثلاً: کیونکہ حدیث میں غصب کردہ کپڑوں میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے، اگر کوئی اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ایسے کپڑوں میں نماز پڑھ لے تو گناہ گار ہونے کے باوجود احناف کے نزدیک بھی اس کی نماز ہو جائے گی۔[2] ③ بعض شارحین کا خیال ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے ذریعے سے ایک حدیث کے عموم کو خاص کیا ہے جس کے الفاظ ہیں: ''صف کے پیچھے اکیلے کی نماز نہیں ہوتی۔'' اس حدیث کے عموم سے ایک استثنائی صورت کو الگ کیا گیا ہے کہ یہ حدیث صرف مردوں کے لیے ہے عورتوں کے لیے نہیں۔ اکیلی عورت مردوں کے پیچھے نماز پڑھ سکتی ہے۔[3] واللہ أعلم.

(٧٩) بَابُ مَيْمَنَةِ الْمَسْجِدِ وَالْإِمَامِ

باب: 79- مسجد اور امام کی دائیں جانب کا بیان

٧٢٨ - حَدَّثَنَا مُوسَى: حَدَّثَنَا ثَابِتُ بْنُ يَزِيدَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَاصِمٌ عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قُمْتُ لَيْلَةً أُصَلِّي عَنْ يَسَارِ النَّبِيِّ ﷺ، فَأَخَذَ بِيَدِي أَوْ بِعَضُدِي حَتَّى أَقَامَنِي عَنْ يَمِينِهِ؛ وَقَالَ بِيَدِهِ مِنْ وَرَائِي. [راجع: ١١٧]

[728] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں ایک شب نماز پڑھنے کے لیے نبی ﷺ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا۔ آپ نے میرا ہاتھ یا کندھا پکڑ کر مجھے اپنی دائیں جانب کھڑا کر لیا اور میرے پیچھے ہی سے اپنے ہاتھ سے مجھے پکڑا۔

1 فتح الباري: 275/2. 2 فتح الباري: 275/2. 3 فتح الباري: 276/2.

فوائد و مسائل: ① جب دو شخص آمنے سامنے ہوں تو ایک کی دائیں جانب کی طرف دوسرے کی بائیں جانب ہوتی ہے، اس اصول کے پیش نظر امام کا میمنہ تو اس کی دائیں جانب ہوگا لیکن مسجد کا چہرہ چونکہ امام کی طرف ہوتا ہے، اس لیے مسجد کی دائیں جانب امام کے برعکس ہوگی کیونکہ بالمقابل کی دائیں جانب دوسرے کی بائیں جانب ہوتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس وہم کو دور فرمایا ہے کہ جو امام کا میمنہ ہے وہی مسجد کا میمنہ ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں، یعنی نمازی کے استقبال کا لحاظ رکھا جائے گا، اسی طرح مسجد کا میمنہ بھی استقبال کے اعتبار سے ہوگا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ اپنے قائم کردہ عنوان میں بعض اوقات ایسی روایت کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو قابل اعتبار ہوتی ہیں لیکن ان کی شرط کے مطابق نہیں ہوتی چونکہ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نماز کے لیے دائیں جانب کو پسند کرتے تھے۔[1] اس سے مسجد کی دائیں جانب کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ پیش کردہ روایت میں اگرچہ امام کی دائیں جانب کا ذکر ہے، تاہم امام بخاری رحمہ اللہ کا اشارہ ان روایات کی طرف بھی ہے جن میں صفوں کی دائیں جانب کا ذکر ہے۔ ② سنن ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے کہ جس نے مسجد کی بائیں جانب کو آباد کیا اسے دوگنا اجر دیا جائے گا۔[2] اس میں بائیں جانب کی فضیلت کا ذکر ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہے۔

(٨٠) بَابٌ: إِذَا كَانَ بَيْنَ الْإِمَامِ وَبَيْنَ الْقَوْمِ حَائِطٌ أَوْ سُتْرَةٌ

باب: 80- جب امام اور مقتدیوں کے درمیان کوئی دیوار یا پردہ حائل ہو

وَقَالَ الْحَسَنُ: لَا بَأْسَ أَنْ تُصَلِّيَ وَبَيْنَكَ وَبَيْنَهُ نَهْرٌ. وَقَالَ أَبُو مِجْلَزٍ: يَأْتَمُّ بِالْإِمَامِ وَإِنْ كَانَ بَيْنَهُمَا طَرِيقٌ أَوْ جِدَارٌ إِذَا سَمِعَ تَكْبِيرَ الْإِمَامِ.

حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اگر تمھارے اور امام کے درمیان کوئی نہر حائل ہو تو بھی اقتدا کرو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور ابومجلز نے کہا کہ امام کی اقتدا کرو اگرچہ امام اور مقتدی کے درمیان کوئی راستہ یا دیوار ہو بشرطیکہ امام کی تکبیر سنائی دیتی ہو۔

وضاحت: حسن بصری رحمہ اللہ کا قول مذکورہ الفاظ کے ساتھ ہمیں نہیں مل سکا، البتہ سعید بن منصور نے ان سے بیان کیا ہے کہ ایک آدمی امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہے کیا وہ چھت پر بھی اقتدا کر سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح ابومجلز کا اثر ابن ابی شیبہ نے متصل سند سے بیان کیا ہے لیکن اس کی سند کمزور ہے۔[3] امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے عنوان میں صریح الفاظ سے کوئی فیصلہ نہیں کیا، لیکن ان کے انداز اور اسلوب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جواز کے قائل ہیں جیسا کہ مالکی حضرات کا موقف ہے۔

٧٢٩ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ عَمْرَةَ، عَنْ

[729] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد اپنے حجرے میں پڑھا کرتے

---

1 صحيح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 1642(709). 2 سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، حديث: 1007. 3 فتح الباري: 277/2.

عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ فِي حُجْرَتِهِ وَجِدَارُ الْحُجْرَةِ قَصِيرٌ، فَرَأَى النَّاسُ شَخْصَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَامَ نَاسٌ يُصَلُّونَ بِصَلَاتِهِ، فَأَصْبَحُوا فَتَحَدَّثُوا بِذٰلِكَ، فَقَامَ لَيْلَةَ الثَّانِيَةِ، فَقَامَ مَعَهُ نَاسٌ يُصَلُّونَ بِصَلَاتِهِ، صَنَعُوا ذٰلِكَ لَيْلَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، حَتّٰى إِذَا كَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ جَلَسَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَلَمْ يَخْرُجْ، فَلَمَّا أَصْبَحَ ذَكَرَ ذٰلِكَ النَّاسُ فَقَالَ: «إِنِّي خَشِيتُ أَنْ تُكْتَبَ عَلَيْكُمْ صَلَاةُ اللَّيْلِ». [انظر: ٧٣٠، ٩٢٤، ١١٢٩، ٢٠١١، ٢٠١٢، ٥٨٦١]

تھے۔ چونکہ حجرے کی دیواریں بہت چھوٹی تھیں، اس لیے لوگوں نے نبی ﷺ کی شخصیت کو دیکھ لیا اور کچھ لوگ نماز کی اقتدا کرنے کے لیے آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ پھر صبح کو انھوں نے دوسروں سے اس کا ذکر کیا۔ بعد ازاں دوسری رات نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو کچھ لوگ اس رات بھی آپ کی اقتدا میں کھڑے ہو گئے۔ یہ صورت حال دو یا تین راتوں تک رہی۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ بیٹھ رہے اور نماز کے لیے تشریف نہ لائے۔ اس کے بعد صبح کے وقت لوگوں نے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: ”مجھے اس بات کا ڈر ہوا کہ کہیں نماز شب تم پر فرض نہ کر دی جائے۔“

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے ثابت کیا ہے کہ امام اور مقتدیوں کے درمیان دیوار یا راستہ حائل ہو تو بھی اقتدا صحیح ہے بشرطیکہ امام کی تکبیر خود سنے یا کوئی دوسرا سنا دے۔ دور حاضر میں لاؤڈ سپیکر نے اس مشکل کو کافی حد تک آسان کر دیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس موقف کی تائید میں احادیث و آثار پیش کیے ہیں۔ احناف نے مسجد اور صحراء کا فرق کر کے تکلف سے کام لیا ہے۔ ② حدیث میں جو واقعہ بیان ہوا ہے وہ آپ کے گھر سے متعلق ہے کیونکہ اس میں حجرے کی دیواروں کا ذکر ہے، چنانچہ بعض روایات میں صراحت ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حجروں میں سے کسی ایک حجرے میں نماز شب پڑھا کرتے تھے، البتہ بعض شارحین نے اس سے مراد جائے اعتکاف لی ہے اور جدار سے مراد بوریوں کی دیوار لی ہے جیسا کہ آئندہ روایات میں اس کا ذکر ہے۔ ہمارے نزدیک یہ دو الگ الگ واقعات ہیں کیونکہ جدار سے مراد بوریوں کی دیوار ہو، یہ بہت بڑا مجاز ہے جس کی مثال کلام عرب میں نہیں ملتی۔ واللہ أعلم. چونکہ رسول اللہ ﷺ حجرے کے اندر نماز پڑھتے تھے اور لوگوں نے آپ کی اقتدا باہر کھڑے ہو کر کی، آپ کے اور لوگوں کے درمیان دیوار حائل تھی اسے برقرار رکھا گیا، لہٰذا ایسا کرنا جائز ہے۔ [1] وهو المقصود.

(٨١) بَابُ صَلَاةِ اللَّيْلِ

باب: 81- نماز شب کا بیان

وضاحت: جماعت اور امامت کے ابواب میں نماز شب کا ذکر غیر متعلق سا ہے۔ شارحین نے اس کی مختلف توجیہات ذکر کی ہیں، مثلاً: ٭ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ بخاری کے بعض نسخوں میں یہ باب نہیں ہے اور یہی بات بہتر محسوس ہوتی ہے کیونکہ اس باب کا یہاں کوئی موقع نہیں، [2] نیز فرماتے ہیں کہ سابقہ روایت کے آخر میں صلاة الليل کے الفاظ ہیں کسی کاتب نے انھیں مکرر لکھ دیا ہے، اس کے بعد کسی نے یہ سمجھ کر کہ یہاں باب کا لفظ ساقط ہو گیا ہے باب کا لفظ بڑھا دیا۔ ٭ یہ باب

---

1 فتح الباري: 278/2. 2 فتح الباري: 278/2.

درباب کی قبیل سے ہے۔ چونکہ قبل ازیں صلاۃ اللیل کا ذکر آ گیا ہے، اس کی اہمیت کے پیش نظر اس مقام پر ضمنی عنوان کے طور پر اسے یہاں بیان کر دیا۔ اصل مقصود سابقہ حدیث کے قصے کی تحقیق تھا۔ ۞ امام بخاری رحمہ اللہ جب کسی چیز کا اثبات کرتے ہیں تو مختلف انداز اور اسلوب سے ثابت کر دکھاتے ہیں۔ اس عنوان میں بھی سابقہ مسئلے کو ثابت کیا ہے کہ جب تاریکئ شب جو ایک حائل ہے اقتدا سے مانع نہیں تو اسی طرح کے دیگر حائل، دیوار یا راستہ وغیرہ بھی اقتدا سے مانع نہیں ہو سکتے۔ ۞ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس موقع پر یہ عنوان نوافل کی جماعت ثابت کرنے کے لیے لایا گیا ہے لیکن نوافل کی جماعت کے لیے کتاب التہجد میں ایک الگ عنوان نمبر: 36 ہے۔ ۞ صلاۃ اللیل کی جماعت ثابت کرنا مقصود ہے، یہاں لفظ جماعۃ حذف ہو گیا ہے کیونکہ آگے کتاب التہجد میں صلاۃ اللیل کا حکم، اس کی مقدار، کیفیتِ ادا، مسجد یا گھر میں پڑھنے کا ذکر ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا یہی رجحان معلوم ہوتا ہے۔[1]

٧٣٠ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي الْفُدَيْكِ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ لَهُ حَصِيرٌ يَبْسُطُهُ بِالنَّهَارِ وَيَحْتَجِرُهُ بِاللَّيْلِ، فَثَابَ إِلَيْهِ نَاسٌ فَصَلَّوْا وَرَاءَهُ. [راجع: ٧٢٩]

[730] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ کی ایک چٹائی تھی جسے آپ دن کے وقت بچھا لیتے اور رات کو اس کا حجرہ بنا لیتے تھے۔ کچھ لوگ آپ کے پاس جمع ہونے لگے اور انھوں نے آپ کے پیچھے (صف بنا کر) نماز پڑھنا شروع کر دی۔

٧٣١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ حَمَّادٍ قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ قَالَ: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ سَالِمٍ أَبِي النَّضْرِ، عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ زَيْدِ ابْنِ ثَابِتٍ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ اتَّخَذَ حُجْرَةً - قَالَ: حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ: مِنْ حَصِيرٍ - فِي رَمَضَانَ فَصَلَّى فِيهَا لَيَالِيَ، فَصَلَّى بِصَلَاتِهِ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِهِ، فَلَمَّا عَلِمَ بِهِمْ جَعَلَ يَقْعُدُ، فَخَرَجَ إِلَيْهِمْ فَقَالَ: «قَدْ عَرَفْتُ الَّذِي رَأَيْتُ مِنْ صَنِيعِكُمْ، فَصَلُّوا أَيُّهَا النَّاسُ فِي بُيُوتِكُمْ، فَإِنَّ أَفْضَلَ الصَّلَاةِ صَلَاةُ الْمَرْءِ فِي بَيْتِهِ، إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ».

[731] حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان المبارک میں ایک حجرہ بنایا تھا۔ میرا گمان ہے کہ وہ چٹائی کا تھا۔ آپ نے کئی راتیں اس میں نماز پڑھی۔ آپ کے صحابہ میں سے کئی لوگوں نے آپ کی اقتدا میں نماز ادا کی۔ جب آپ کو ان کے متعلق معلوم ہوا تو آپ بیٹھ رہے، پھر ان کی طرف تشریف لائے اور فرمایا: ''میں نے تمھارا عمل دیکھا اور تمھارا ارادہ پہچان لیا ہے۔ اے لوگو! اپنے گھروں میں نماز پڑھو کیونکہ افضل نماز آدمی کی وہی ہے جو اس کے گھر میں ادا ہو، مگر فرض نماز (کہ اس کی ادائیگی مسجد میں ہونی چاہیے)۔''

1 فتح الباري: 279/2.

قَالَ عَفَّانُ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ قَالَ: حَدَّثَنَا مُوسٰى قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا النَّضْرِ، عَنْ بُسْرٍ، عَنْ زَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [انظر: ٦١١٣، ٧٢٩٠]

عفان بن مسلم نے کہا کہ ہم سے وہیب نے بیان کیا، اس نے کہا کہ ہم سے موسیٰ بن عقبہ نے بیان کیا، اس نے بتایا کہ میں نے ابونضر بن ابو امیہ سے سنا وہ بسر بن سعید سے روایت کرتے ہیں، وہ حضرت زید (بن ثابت ؓ) سے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔

فوائد و مسائل: ① حدیث عائشہ کے متعلق دیگر روایات میں وضاحت ہے کہ ایسا ماہ رمضان میں ہوا۔[1] نیز چوتھی رات لوگ اتنے جمع ہوگئے کہ مسجد ان کی وجہ سے تنگ ہوگئی۔[2] آپ نے نماز فجر کے بعد لوگوں سے خطاب فرمایا: ''لوگو! وہی اعمال بجالاؤ جن کی بجا آوری کی تم ہمت رکھتے ہو۔ اللہ تعالیٰ تو اپنے دینے میں تنگ دلی نہیں دکھائے گا، البتہ تم خود تنگ آ کر اس عمل کو چھوڑ دو گے۔ اللہ کے ہاں پسندیدہ عمل وہی ہے جس پر دوام کیا جائے اگرچہ وہ مقدار میں کم ہی کیوں نہ ہوں۔[3] حدیث زید بن ثابت کے متعلق دیگر روایات میں مزید وضاحت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اگلے دن لوگوں کو نماز پڑھانے کے لیے تشریف نہ لائے تو انھوں نے بآواز بلند تسبیحات کہنا شروع کر دیں۔ بعض نے دروازے کو کنکریاں مارنا شروع کر دیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ غصے کی حالت میں ان کے ہاں تشریف لائے۔[4] ایک روایت میں ہے کہ جب لوگوں نے اگلے دن نبی ﷺ کی آواز نہ سنی تو خیال کیا کہ شاید آپ سو رہے ہوں، اس لیے بآواز بلند کھانسنے لگے تاکہ آپ تشریف لائیں اور ہمیں نماز پڑھائیں۔ آپ نے فرمایا: ''مجھے اندیشہ ہے مبادا تمھارے ذوق و شوق کے پیش نظر نماز تہجد تم پر فرض ہو جائے۔ اگر فرض کر دی گئی تو پھر تم اس کا اہتمام نہیں کر سکو گے۔''[5] ② شریعت نے نوافل کی ادائیگی مسجد میں اور فرائض گھروں میں ادا کرنے کو پسند نہیں فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ نماز سے پہلے اور بعد کی سنتیں عام طور پر گھر میں ادا کرتے تھے۔ صبح کی سنتیں تو نبی ﷺ سے مسجد میں پڑھنا ثابت ہی نہیں۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ نفل نماز کے لیے گھر اور مسجد کے ثواب میں وہی نسبت ہے جو جماعت اور تنہا نماز کے ثواب میں ہے۔ گھر میں نوافل پڑھنے کے کئی ایک فوائد ہیں: ✿ انسان ریاکاری سے محفوظ رہتا ہے اور نماز کے ثواب کو کم کرنے والی بہت سی چیزوں سے حفاظت ہو جاتی ہے۔ ✿ اس گھر میں اللہ کی رحمت و برکت کا نزول ہوتا ہے جس میں نماز پڑھی جائے۔ ✿ اس گھر میں اللہ کے فرشتے اترتے ہیں اور شیاطین وہاں سے بھاگ جاتے ہیں۔[6] ③ روایت کے آخر میں امام بخاری ؒ نے ایک مزید سند کا حوالہ دیا ہے۔ ان کی غرض یہ ہے کہ موسیٰ بن عقبہ کا سماع ابونضر سے ثابت کیا جائے، چنانچہ آخری سند میں اس کی صراحت ہے۔[7]

(٨٢) بَابُ إِيجَابِ التَّكْبِيرِ وَافْتِتَاحِ الصَّلَاةِ

باب: 82- تکبیر تحریمہ کا وجوب اور نماز کے آغاز کا بیان

---

1 صحيح البخاري، التهجد، حديث: 1129. 2 صحيح البخاري، الجمعة، حديث: 924. 3 صحيح البخاري، اللباس، حديث: 5861. 4 صحيح البخاري، الأدب، حديث: 6113. 5 صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، حديث: 7290. 6 عمدة القاري: 372/4. 7 فتح الباري: 280/2.

وضاحت: یہاں سے کتاب الاذان کا تیسرا حصہ شروع ہوتا ہے جو طریقۂ نماز اور اس کے متعلقات پر مشتمل ہے۔ یہ حصہ بڑی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس میں نماز ادا کرنے کا مکمل طریقہ بیان ہوا ہے۔ اس میں تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام پھیرنے تک مسائل بڑی شرح وبسط سے بیان ہوئے ہیں۔ ہماری کوشش ہے کہ اس میں قیل وقال کے بجائے صرف نماز نبوی کو تفصیل سے بیان کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ اس خواہش کے مطابق عمل کی توفیق دے۔ (آمین)

٧٣٢ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ الْأَنْصَارِيُّ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ رَكِبَ فَرَسًا فَجُحِشَ شِقُّهُ الْأَيْمَنُ، قَالَ أَنَسٌ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: فَصَلَّى لَنَا يَوْمَئِذٍ صَلَاةً مِّنَ الصَّلَوَاتِ وَهُوَ قَاعِدٌ، فَصَلَّيْنَا وَرَاءَهُ قُعُودًا، ثُمَّ قَالَ لَمَّا سَلَّمَ: «إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا صَلَّى قَائِمًا فَصَلُّوا قِيَامًا، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوا، وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَقُولُوا: رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ».

[راجع: ٣٧٨]

[732] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ گھوڑے پر سوار ہوئے (اور گر پڑے) تو آپ کی بائیں جانب کچھ زخمی ہوگئی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہمیں ان دنوں آپ نے نمازوں میں سے جو نماز بھی پڑھائی وہ بیٹھ کر پڑھائی۔ ہم نے بھی آپ کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی۔ پھر جب آپ نے سلام پھیرا تو فرمایا: ”امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، لہٰذا جب وہ کھڑے ہوکر نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہوکر نماز پڑھو، جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو، جب وہ سر اٹھائے تو تم بھی اٹھاؤ، جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو اور جب وہ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہے تو تم رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ کہو۔“

فوائد ومسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان میں تکبیر تحریمہ کے وجوب کو بیان کیا ہے کیونکہ بعض حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ ذکر اللہ کے بغیر نماز شروع کی جاسکتی ہے اور بعض ایسے بھی ہیں جو عادت کے طور پر اللہ اکبر کو ضروری نہیں سمجھتے، البتہ مطلق ذکر اللہ کو ضروری کہتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ نماز میں داخل ہونے کے لیے تکبیر، یعنی اللہ اکبر کہنا ضروری ہے۔ اگرچہ اس روایت میں تکبیر کا ذکر نہیں، تاہم دوسری روایات میں صراحت ہے کہ جب امام اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو۔ اس میں تکبیر تحریمہ کو امر کے صیغے سے بیان کیا گیا ہے جو وجوب کے لیے ہے، پھر اس میں امام کی تکبیر کے ساتھ مقتدی کی تکبیر کو مشروط کیا گیا ہے، اس لیے امام کے ساتھ ہی تکبیر کہنا پڑے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ افتتاح نماز اس تکبیر ہی سے ہوگا۔ اس طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے بیک وقت تکبیر تحریمہ کے وجوب اور افتتاح نماز کو بیان فرمایا ہے۔ چونکہ اگلی روایت بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور واقعہ بھی ایک ہی ہے اس بنا پر تکبیر کا اعتبار تمام روایات میں کیا جائے گا اگرچہ صراحت کے ساتھ کسی روایت میں اس کا ذکر موجود نہ ہو جیسا کہ پیش کردہ روایت میں ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث انس کے دونوں طریق ایک خاص مقصد کے پیش نظر بیان کیے ہیں: پہلا طریق جو

شعیب راوی سے ہے اس میں اختصار ہے لیکن اس میں امام زہری کا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سماع بیان ہوا ہے۔ دوسرا طریق جو لیث راوی سے ہے اس میں پہلی روایت کے اختصار کی تفصیل ہے۔[1] ② نماز شروع کرنے سے پہلے خالص اللہ کے لیے اس کی نیت کرنا ضروری ہے جو دل کا فعل ہے اور نیت دل سے ہونی چاہیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَآ أُمِرُوٓا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾ ''انھیں صرف یہی حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے اپنے دین کو خالص کرتے ہوئے اس کی عبادت کریں۔''[2] اور حدیث میں ہے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔[3] نیت کے الفاظ زبان سے ادا کرنا بدعت ہے کیونکہ ایسا کرنا رسول اللہ ﷺ، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام سے ثابت نہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ نماز کے لیے نیت کے ضروری ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الایمان کے آخر میں اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔'' یہ ارشاد ایمان، وضو، نماز، زکاۃ وغیرہ تمام کو شامل ہے۔[4] واضح رہے کہ نیت، صحت نماز کے لیے شرط ہے اس کے بغیر نماز صحیح نہ ہوگی۔

٧٣٣ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ قَالَ: خَرَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ فَرَسٍ فَجُحِشَ فَصَلَّى لَنَا قَاعِدًا فَصَلَّيْنَا مَعَهُ قُعُودًا، فَلَمَّا انْصَرَفَ فَقَالَ: «إِنَّمَا الْإِمَامُ - أَوْ إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ - لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوا، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَقُولُوا: رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا». [راجع: ٣٧٨]

[733] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ گھوڑے سے گر پڑے تو جسم پر خراشیں آئیں۔ اس وجہ سے آپ نے ہمیں بیٹھ کر نماز پڑھائی تو ہم نے بھی آپ کے ہمراہ بیٹھ کر نماز پڑھی۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: ''امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے۔ جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو، جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو، جب وہ سر اٹھائے تو تم بھی اٹھاؤ، جب وہ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہے تو تم رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ کہو اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو۔''

فائدہ: جمہور اہل علم کے نزدیک تکبیر تحریمہ، یعنی آغاز نماز میں اللہ اکبر کہنا نماز کے لیے رکن ہے جبکہ کچھ حضرات اسے صحت نماز کے لیے شرط قرار دیتے ہیں۔ یاد رہے کہ رکن اور شرط کا مفہوم تقریباً ایک ہی ہے کہ ان کے بغیر مطلوبہ فعل مکمل نہیں ہوتا، البتہ ان دونوں میں اس طرح فرق کیا جاتا ہے کہ رکن کسی چیز کی ماہیت میں داخل ہوتا ہے، جیسے رکوع اور سجدہ وغیرہ جبکہ شرط اس سے خارج ہوتی ہے، جیسے وضو وغیرہ، نیز تکبیر تحریمہ کا اطلاق صرف اللہ اکبر پر ہوگا جیسا کہ جمہور اہل علم کا موقف ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اللہ اکبر کے بجائے اللہ اجل، اعظم یا الرحمٰن اکبر یا کوئی بھی تسبیح وتہلیل وغیرہ کلمات تعظیم بھی کافی ہیں، یعنی لا الہ الا اللہ وغیرہ سے بھی کام چل سکتا ہے۔ مؤخر الذکر موقف صحیح احادیث کے خلاف ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] فتح الباري: 282/2. [2] البينة 5:98. [3] صحيح البخاري، بدء الوحي، حديث: 1. [4] فتح الباري: 282/2.

"جب تم نماز کا ارادہ کرو تو پہلے اچھی طرح وضو کرو، پھر قبلہ رخ ہو کر اللہ اکبر کہو۔"[1] حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو قبلے کی طرف منہ کرتے، اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر اللہ اکبر کہتے۔[2] امام بزار نے صحیح سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے۔ اس کے علاوہ مسند امام احمد اور سنن نسائی میں ہے کہ واسع بن حبان نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے رسول اللہ ﷺ کی نماز کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ اٹھتے اور جھکتے وقت اللہ اکبر کہتے تھے۔ مسیئ الصلاۃ کو تعلیم دیتے ہوئے بھی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "نماز شروع کرتے وقت اللہ اکبر کہو" جیسا کہ طبرانی وغیرہ میں صراحت ہے۔ ان تمام آثار و روایات سے معلوم ہوا کہ نماز کا آغاز اللہ اکبر سے کیا جائے، اس کے بجائے دیگر کلمات تعظیم یا تسبیح و تہلیل سے کام نہ چلایا جائے۔[3]

٧٣٤ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا: رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا، وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا أَجْمَعُونَ». [راجع: ٧٢٢]

[734] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "امام اسی لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، لہٰذا جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو۔ جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا ولك الحمد کہو۔ جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔"

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے عنوان میں افتتاحِ نماز کا ذکر کیا تھا کہ وہ اللہ اکبر سے ہونا چاہیے، اس حدیث میں واضح طور پر اس کا ذکر ہے۔ اس کے علاوہ دیگر احادیث میں بھی اس کے متعلق وضاحت ہے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "نماز کی کنجی وضو ہے، اس کی تحریم اللہ اکبر اور تحلیل السلام علیکم ورحمۃ اللہ ہے۔"[4] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ اکبر کے ساتھ نماز شروع کرتے تھے۔[5] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپ اللہ اکبر سے نماز شروع کرتے تھے۔[6] ان روایات سے معلوم ہوا کہ نماز کا افتتاح اللہ اکبر سے ہونا چاہیے۔[7] ② اس حدیث کے آخر میں ہے کہ جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بیٹھ کر نماز پڑھو۔ یہ پہلے کا حکم ہے جو منسوخ ہو چکا ہے۔ اب حکم یہ ہے کہ جب امام کسی عذر کی بنا پر بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تندرست مقتدیوں کو بیٹھ کر نہیں بلکہ کھڑے ہو کر اقتدا کرنی چاہیے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی مرض وفات میں بیٹھ کر نماز پڑھائی تھی اور آپ کے پیچھے تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کھڑے ہو کر نماز ادا کی۔ رسول اللہ ﷺ کا آخری عمل اور فیصلہ یہی ہے اور اسی کو امام بخاری رحمہ اللہ

---

1 صحيح البخاري، الاستئذان، حديث: 6251. 2 سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، حديث: 803. 3 فتح الباري: 281/2.
4 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 618. 5 صحيح مسلم، الصلاة، حديث: 1110 (498). 6 صحيح البخاري، الأذان، حديث: 738. 7 فتح الباري: 281/2.

نے اختیار کیا ہے۔[1]

(٨٣) بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ فِي التَّكْبِيرَةِ الْأُولَى مَعَ الِافْتِتَاحِ سَوَاءً

باب: 83-تکبیر اولیٰ میں نماز شروع کرنے کے ساتھ ہی دونوں ہاتھوں کو اٹھانا

٧٣٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ، وَإِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوعِ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ رَفَعَهُمَا كَذٰلِكَ أَيْضًا، وَقَالَ: «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ»، وَكَانَ لَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي السُّجُودِ. [انظر: ٧٣٦، ٧٣٨، ٧٣٩]

[735] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے کندھوں کے برابر اٹھاتے۔ جب رکوع کے لیے اللہ اکبر کہتے، جب اپنا سر رکوع سے اٹھاتے تب بھی اپنے دونوں ہاتھ اسی طرح اٹھاتے اور سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ (دونوں) کہتے لیکن سجدوں میں یہ عمل نہ کرتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① نماز میں اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں یا کانوں تک اٹھانا رفع الیدین کہلاتا ہے۔ اس رفع الیدین کے چار مواقع ہیں: ٭ تکبیر تحریمہ کے وقت ٭ رکوع میں جاتے ہوئے ٭ رکوع سے اٹھتے وقت۔ ٭ تیسری رکعت کے لیے اٹھتے وقت۔ امام بخاری ؒ نے اس عنوان کے تحت رفع الیدین کے پہلے موقع کو بیان کیا ہے اور وضاحت کی ہے کہ نماز شروع کرنے کے ساتھ ہی دونوں ہاتھوں کو اٹھایا جائے، یعنی اللہ اکبر کہنے اور ہاتھوں کو اٹھانے میں مقارنت ہونی چاہیے، چنانچہ اس حدیث میں صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتے۔ اس سلسلے میں امام بخاری ؒ نے جمہور اہل علم سے موافقت کی ہے کہ وہ مقارنت کے قائل ہیں جبکہ بعض اہل کوفہ کا موقف ہے کہ پہلے ہاتھ اٹھائے، پھر اللہ اکبر کہے۔ اس اختلاف کی وجہ سے اس حکم کی علت اور سبب میں اختلاف ہے۔ جمہور اہل علم کے نزدیک رفع الیدین اور تکبیر کی علت یہ ہے کہ ایسا کرنے سے بہرا دیکھ لے اور اندھا سن لے کہ نماز شروع ہو رہی ہے۔ اگر نمازی بہرا ہے اور تکبیر تحریمہ نہیں سن سکتا تو ہاتھوں کو اٹھانے سے اسے نماز کے آغاز کا پتہ چل جائے، اسی طرح اگر کوئی نابینا ہے اور وہ ہاتھوں کا اٹھنا نہیں دیکھ سکتا تو اسے اللہ اکبر کی آواز سن کر پتہ چل جائے کہ نماز کا آغاز ہو رہا ہے۔ اس علت کے پیش نظر جمہور اہل علم نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ اللہ اکبر اور ہاتھوں کا اٹھانا بیک وقت ہونا چاہیے۔ کچھ اہل کوفہ کے نزدیک اس کی علت نفی و اثبات ہے، یعنی ہاتھوں کو اٹھانے سے معبودانِ باطلہ کی نفی کرنا ہے اور اللہ اکبر کہنے سے معبود برحق کا اثبات کرنا ہے اور لا الٰہ الا اللہ میں نفی، اثبات پر مقدم ہے، اس لیے جب قول میں نفی مقدم ہے تو فعل میں بھی اسے مقدم ہونا چاہیے۔ ② اب ہم دیکھتے ہیں روایات

[1] صحيح البخاري، الأذان، حديث: 689.

کس موقف کی تائید کرتی ہیں، چنانچہ امام بخاری ؒ کی پیش کردہ روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھاتے، نیز آگے امام زہری کے شاگرد شعیب سے مروی ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب اللہ اکبر کہتے تو اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے۔[1] اگرچہ صحیح مسلم کی بعض روایات کے الفاظ مذکورہ روایت سے مختلف ہیں: ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دونوں ہاتھ اٹھائے پھر اللہ اکبر کہا اور ایک روایت میں ہے کہ پہلے اللہ اکبر کہا پھر دونوں ہاتھ اٹھائے، تاہم ترجیح اسی موقف کو ہے کہ اللہ اکبر کہنا اور ہاتھوں کا اٹھانا بیک وقت ہو جیسا کہ حضرت وائل بن حجر ؓ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ اکبر کے ساتھ ہی اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا۔[2] واضح رہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع الیدین کرنے پر تمام امت کا اتفاق ہے۔[3]

(٨٤) بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ إِذَا كَبَّرَ وَإِذَا رَكَعَ وَإِذَا رَفَعَ

باب: 84- تکبیر تحریمہ کے وقت، رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرنا

وضاحت: تکبیر تحریمہ کے وقت رفع الیدین کرنا پہلے بیان ہو چکا ہے، اب دوسرے دو مقام، یعنی رکوع میں جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرنا اسے بیان کیا جائے گا۔

٧٣٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ إِذَا قَامَ فِي الصَّلَاةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى تَكُونَا حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ، وَكَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ حِينَ يُكَبِّرُ لِلرُّكُوعِ، وَيَفْعَلُ ذٰلِكَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ، وَيَقُولُ: «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ»، وَلَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي السُّجُودِ. [راجع: ٧٣٥]

[736] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر اٹھاتے تھے اور اس طرح جب رکوع کے لیے اللہ اکبر کہتے، نیز جب آپ رکوع سے سر اٹھاتے تو بھی اسی طرح کرتے اور سمع اللہ لمن حمدہ کہتے۔ اور سجدوں میں آپ یہ عمل نہ کرتے تھے۔

فوائد ومسائل: ① ہم نے مختصر صحیح بخاری کے ترجمے میں اس حدیث کے فوائد میں لکھا تھا کہ تکبیر تحریمہ کے وقت اور رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت اور تیسری رکعت کے لیے اٹھتے وقت دونوں ہاتھوں کو کندھوں یا کانوں تک اٹھانا رفع الیدین کہلاتا ہے۔ بقول امام شافعی ؒ اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اظہار اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کا اتباع ہے۔ ② تکبیر تحریمہ کے وقت رفع الیدین پر تمام امت کا اجماع ہے اور باقی مقامات ثلاثہ میں رفع الیدین کرنے پر بھی اہل کوفہ کے

[1] صحيح البخاري، الأذان، حديث: 738. [2] سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 725. [3] فتح الباري: 283/2.

علاوہ تمام علمائے امت کا اتفاق ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ساری زندگی اس سنت پر عمل کیا اور یہ ایسی سنت متواترہ ہے جسے عشرۂ مبشرہ کے علاوہ دیگر صحابۂ کرام ؓ بھی بیان کرتے ہیں اور اس پر عمل پیرا دکھائی دیتے ہیں، لہٰذا مذکورہ حدیث کی بنا پر تمام مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ رکوع میں جاتے، اس سے سر اٹھاتے اور تیسری رکعت کے لیے اٹھتے وقت اللہ کی عظمت کا اظہار کرتے ہوئے رفع الیدین کریں۔ ③ علاوہ ازیں حافظ ابن حجر ؒ نے رفع الیدین کی چند ایک حکمتیں بیان کی ہیں جن کا خلاصہ حسب ذیل ہے: ✿ دنیا کو چھوڑ کر کلی طور پر اللہ کی طرف متوجہ ہو جانے کی علامت ہے۔ ✿ پوری طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری اختیار کرنے کا اشارہ ہے تاکہ اللہ اکبر کہنے کے ساتھ مناسبت پیدا ہو جائے۔ ✿ نماز کی کمال عظمت کا اقرار کرنا ہے جسے نمازی اب شروع کرنے والا ہے۔ ✿ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ عابد اور معبود کے درمیان حجابات نماز میں اٹھ جاتے ہیں۔ ✿ سارے بدن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کے لیے ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں۔ ✿ حضرت ابن عمر ؓ کا ارشاد گرامی ہے کہ رفع الیدین نماز کی زینت ہے۔ ✿ اللہ تعالیٰ کے حضور قیام کی تکمیل رفع الیدین سے ہوتی ہے۔ ✿ عقبہ بن عامر ؓ کا فرمان ہے کہ ہر رفع الیدین سے دس نیکیاں ملتی ہیں، یعنی ہر انگلی کے بدلے ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔[1] ✿ رفع الیدین سے ماسوی اللہ کی نفی اور اللہ اکبر سے اللہ کی وحدانیت کو ثابت کرنا ہے۔ ✿ بعض صوفیاء نے لکھا ہے کہ رفع الیدین کرنا گویا دنیا کو پس پشت پھینک دینے کی طرف اشارہ ہے۔ ایسی محبوب سنت کے متعلق نسخ کا دعویٰ کرنا یا اسے منافی سکون قرار دینا یا اس پر سنت غیر مؤکدہ کا ٹھپا لگانا یا اس کے متعلق عدم دوام کی پھبتی کسنا، یا اس کے ترک کو ثابت کرنے کے لیے زور قلم صرف کرنا یا اس کے متعلق بے بنیاد مناظروں کی داستانیں وضع کرنا فقہائے عراق کے دست ہنر شناس ہی کا کرشمہ ہوسکتا ہے۔ واللہ المستعان.

٧٣٧ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ الْوَاسِطِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ خَالِدٍ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ: أَنَّهُ رَأَى مَالِكَ بْنَ الْحُوَيْرِثِ إِذَا صَلَّى كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ، وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ رَفَعَ يَدَيْهِ، وَحَدَّثَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ صَنَعَ هٰكَذَا.

[737] حضرت مالک بن حویرث ؓ سے روایت ہے کہ جب وہ نماز شروع کرتے تو اللہ اکبر کہتے وقت اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع کرنا چاہتے تو بھی اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع سے اپنا سر اٹھاتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور وہ بیان کرتے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح کیا تھا۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ کی یہ عادت ہے کہ وہ اپنا موقف ثابت کرنے کے لیے بے ہنگم قیل و قال میں وقت ضائع نہیں کرتے بلکہ اپنے موقف کے اثبات کے لیے احادیث ذکر کرتے ہیں۔ امام بخاری ؒ کے عنوانات کے متعلق مشہور ہے کہ وہ ٹھوس ہوتے ہیں۔ آپ نے اپنے اسلوب کو برقرار رکھتے ہوئے یہاں رفع الیدین سے متعلق دو احادیث کا حوالہ دیا ہے۔ ہم بھی ان کا طریقہ اپناتے ہوئے اس سلسلے میں مزید چند احادیث کا حوالہ دیتے ہیں تاکہ قاری کو اس سنت پر عمل کرنے میں سہولت رہے: ✿ حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر ؓ کے پیچھے نماز پڑھی، وہ نماز کے شروع

① فتح الباري : 283/2.

میں، رکوع سے پہلے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھاتے اور کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ بھی نماز کے شروع میں، رکوع سے پہلے اور رکوع سے سر اٹھانے کے بعد اسی طرح رفع الیدین کرتے تھے۔[1] ❁ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ لوگوں کو نماز کا طریقہ بتانے کا ارادہ کیا تو قبلہ رخ ہو کر کھڑے ہو گئے اور دونوں ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھایا، پھر اللہ اکبر کہا۔ اس کے بعد رکوع کیا اور اسی طرح ہاتھوں کو بلند کیا اور رکوع سے سر اٹھا کر بھی رفع الیدین کیا۔[2] ❁ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے شروع میں، رکوع میں جانے سے پہلے اور رکوع سے سر اٹھانے کے بعد اور دو رکعت پڑھ کر کھڑا ہوتے وقت رفع الیدین کرتے تھے۔[3] ❁ حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک مجمع میں بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے، جب رکوع میں جاتے، جب رکوع سے سر اٹھاتے اور جب دو رکعت پڑھ کر کھڑے ہوتے تو رفع الیدین کرتے تھے۔ تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا تم سچ بیان کرتے ہو، واقعی رسول اللہ ﷺ اسی طرح نماز پڑھتے تھے۔[4] بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اس مجمع میں حضرت ابوقتادہ، سہل بن سعد ساعدی اور ابواسید ساعدی رضی اللہ عنہم موجود تھے۔[5] امام محمد بن یحییٰ فرماتے ہیں کہ جس نے یہ حدیث سنی اور رفع الیدین نہ کیا تو اس کی نماز ناقص ہے۔[6] ❁ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، جب آپ نماز شروع کرتے تو اللہ اکبر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے، پھر اپنے ہاتھ کپڑے میں ڈھانپ لیتے اور دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھتے۔ جب رکوع کرنے لگتے تو ہاتھ کپڑوں سے باہر نکالتے، اللہ اکبر کہتے اور رفع الیدین کرتے۔ جب رکوع سے اٹھتے تو سمع اللہ لمن حمدہ کہتے اور رفع الیدین کرتے۔[7] واضح رہے کہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ یمن کے رہنے والے تھے، 9 اور 10 ہجری میں دو دفعہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ 10 ہجری تک رفع الیدین کرتے تھے۔ 11 ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی، لہٰذا آخر عمر تک رفع الیدین کرنا ثابت ہوا۔ ❁ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ایک دن لوگوں سے فرمایا: کیا میں تمھیں رسول اللہ ﷺ کی نماز نہ بتاؤں؟ اس کے بعد انھوں نے نماز پڑھی۔ جب تکبیر تحریمہ کہی تو رفع الیدین کیا، پھر جب رکوع کیا تو رفع الیدین کیا اور تکبیر کہی، پھر سمع اللہ لمن حمدہ کہہ کر دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھائے، اس کے بعد فرمایا کہ اسی طرح کیا کرو۔[8] ❁ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ شروع نماز میں، رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد اپنے دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھایا کرتے تھے۔[9] واضح رہے کہ بعض روایات کے مطابق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی رفع الیدین کے متعلق تصدیق کرنے والوں میں ہیں جبکہ انھوں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک مجمع میں اسے بیان کیا تھا۔[10] ❁ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما جب نماز شروع کرتے، جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع الیدین کرتے اور فرماتے تھے کہ رسول اللہ

---

1 السنن الكبرى للبيهقي، الصلاة: 73/2. 2 الخلافيات للبيهقي بحواله نصب الراية: 415/2. 3 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 744. 4 جامع الترمذي، الصلاة، حديث: 304. 5 صحيح ابن خزيمة: 298/2. 6 صحيح ابن خزيمة: 298/2. 7 صحيح مسلم، الصلاة، حديث: 896 (401). 8 سنن الدارقطني: 291/1، حديث: 1292، طبع دارالمعرفة بيروت. 9 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 738. 10 فتح الباري: 397/2.

ﷺ بھی اسی طرح کرتے تھے۔[1] ② مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ رفع الیدین کو بیان کرنے والے مندرجہ ذیل صحابہ ہیں: ⊙ حضرت عبداللہ بن عمر ⊙ حضرت مالک بن حویرث ⊙ حضرت ابو بکر صدیق ⊙ حضرت عمر فاروق ⊙ حضرت علی ⊙ حضرت ابوحمید ساعدی ⊙ حضرت وائل بن حجر ⊙ حضرت ابو موسیٰ اشعری ⊙ حضرت ابو ہریرہ ⊙ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم۔ ان کے علاوہ حضرت سہل بن سعد ساعدی ⊙ ابو اسید ساعدی اور محمد بن مسلمہ ⊙ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہم حضرت ابوحمید ساعدی کی تصدیق کرنے والوں میں سے ہیں۔ حدیث متواتر کی تعریف یہ ہے کہ جسے کم از کم دس راوی بیان کریں۔ اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ رفع الیدین کی احادیث متواتر ہیں۔ اس بنا پر رفع الیدین کا اثبات قطعی الثبوت ہے اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں، نیز الکتانی، ابن جوزی، حافظ ابن حجر، ابن حزم، سیوطی، العراقی، سخاوی اور امام ابن تیمیہ رحمہم اللہ وغیرہم نے رفع الیدین کے متواتر ہونے کی تصریح کی ہے۔ واللہ المستعان. امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سنت متواترہ کو ثابت کرنے کے لیے ایک مستقل رسالہ جزء رفع الیدین بھی لکھا ہے جو استاذی المکرم شاہ بدیع الدین راشدی رحمہ اللہ کی تحقیق و تخریج سے مطبوع و متداول ہے۔

(٨٥) بَابٌ: إِلَى أَيْنَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ؟

باب: 85- نمازی کہاں تک اپنے ہاتھوں کو اٹھائے؟

وَقَالَ أَبُو حُمَيْدٍ فِي أَصْحَابِهِ: رَفَعَ النَّبِيُّ ﷺ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ.

حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں میں بیٹھ کر بیان کیا کہ نبی ﷺ اپنے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر اٹھاتے تھے۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس معلق روایت کو خود ہی متصل سند سے بیان کیا ہے۔[2] حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت میں یہ بیان کیا، جن کی تعداد دس تک بتائی جاتی ہے۔ ان میں حضرت ابوقتادہ، حضرت سہل بن سعد، حضرت ابواسید ساعدی، حضرت محمد بن مسلمہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ بعض روایات میں صراحت ہے کہ حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی مذکور جماعت کے سامنے عملاً نماز پڑھ کر دکھائی اور تمام نے بیک زبان ہو کر اس کی تصدیق کی تھی۔[3]

٧٣٨ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنَا سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ افْتَتَحَ التَّكْبِيرَ فِي الصَّلَاةِ، فَرَفَعَ يَدَيْهِ حِينَ يُكَبِّرُ حَتَّى يَجْعَلَهُمَا حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ، وَإِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوعِ فَعَلَ مِثْلَهُ، وَإِذَا

[738] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ کو دیکھا، آپ نے نماز کے آغاز میں اللہ اکبر کہا۔ تکبیر کہتے وقت آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اس قدر اٹھائے کہ انھیں اپنے دونوں کندھوں کے برابر کر لیا۔ جب آپ نے رکوع کے لیے اللہ اکبر کہا تو بھی ایسا کیا۔ جب سمع اللہ لمن حمدہ کہا تب بھی اسی

1 سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، حديث: 868. 2 صحيح البخاري، الأذان، حديث: 828. 3 فتح الباري: 397/2.

قَالَ: «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ»، فَعَلَ مِثْلَهُ، وَقَالَ: «رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ»، وَلَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ حِينَ يَسْجُدُ وَلَا حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ.
[راجع: ٧٣٥]

طرح کیا اور ربنا ولك الحمد بھی کہا۔ آپ یہ عمل سجدہ کرتے وقت نہیں کرتے تھے اور نہ اس وقت جب سجدے سے سر اٹھاتے تھے۔

فوائد ومسائل: ① رفع الیدین کرتے وقت نمازی اپنے ہاتھوں کو کہاں تک اٹھائے؟ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں جو روایت پیش کی ہے اس میں کندھوں کے برابر اٹھانے کا ذکر ہے۔ جمہور ائمہ اسی بات کے قائل ہیں کہ نمازی اپنے ہاتھ کندھوں تک اٹھائے۔ صحیح مسلم میں حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے مطابق کانوں کی لو تک اٹھانے کا ذکر ہے۔ سنن ابوداود میں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت میں کانوں تک ہاتھ اٹھانا بیان ہوا ہے۔ ابوثور نے امام شافعی سے نقل کیا ہے کہ اس طرح اٹھائے جائیں کہ ہاتھ کی ہتھیلیاں کندھوں کے مقابل ہو جائیں، انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر اور باقی انگلیاں کانوں کے اوپر والے حصے کے سامنے ہو جائیں۔ اس طرح منکبین، اذنین اور فروع الاذنین والی تمام روایتیں اکٹھی ہو جاتی ہیں اور مذاہب کا اختلاف بھی ختم ہو جاتا ہے۔[1] ان روایات کی بنا پر رفع الیدین کرتے وقت اپنے ہاتھوں کو کندھوں تک یا کانوں تک اٹھانا دونوں طرح جائز ہے مگر زیادہ تر احادیث میں کندھوں تک رفع الیدین کرنے کا ثبوت ہے۔ یاد رہے کہ رفع الیدین کرتے وقت ہاتھوں کے ساتھ کانوں کو پکڑنا یا انھیں چھونا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔ ایسا کرنا خود ساختہ عمل ہے، لہٰذا اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ ② واضح رہے کہ احناف کے نزدیک نمازی مرد اپنے ہاتھوں کو کانوں تک اور عورت اپنے کندھوں تک اٹھائے، اس لیے کہ یہ زیادہ پردے کا باعث ہے۔ اس تفریق کے متعلق کوئی صحیح حدیث نہیں ہے، لہٰذا رفع الیدین کی حد بندی کے متعلق مرد اور عورتیں برابر ہیں۔[2]

(٨٦) بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ إِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ

باب: 86- دو رکعتوں سے کھڑے ہوتے وقت رفع الیدین کا بیان

٧٣٩ - حَدَّثَنَا عَيَّاشٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا كَانَ إِذَا دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ، وَإِذَا رَكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، رَفَعَ يَدَيْهِ، وَإِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ رَفَعَ يَدَيْهِ، وَرَفَعَ ذٰلِكَ ابْنُ عُمَرَ إِلَى

[739] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب وہ نماز شروع کرتے تو اللہ اکبر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے۔ جب رکوع کرتے تب بھی اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے۔ اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو بھی اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے۔ اور جب دو رکعت ادا کر کے کھڑے ہوتے تو بھی اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے۔ مذکورہ بیان کو حضرت

1 فتح الباري: 287/2. 2 فتح الباري: 287/2.

النَّبِيِّ ﷺ.

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ کی طرف منسوب کیا ہے۔

وَرَوَاهُ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. وَرَوَاهُ ابْنُ طَهْمَانَ عَنْ أَيُّوبَ وَمُوسَى بْنِ عُقْبَةَ مُخْتَصَرًا. [راجع: ٧٣٥]

اس روایت کو حماد بن سلمہ، حضرت ایوب سے وہ حضرت نافع سے، وہ ابن عمر سے اور ابن عمر نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔ اسی طرح ابن طہمان نے اس روایت کو مختصر طور پر ایوب اور موسیٰ بن عقبہ سے بیان کیا ہے۔

فوائد و مسائل: ① دوسری رکعت سے فراغت کے بعد تیسری رکعت کے لیے اٹھتے وقت رفع الیدین کرنا سنت ہے جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث میں بیان ہوا ہے۔ عام طور پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے رفع الیدین کے متعلق ان کے دو شاگرد بیان کرتے ہیں: ایک ان کے بیٹے حضرت سالم اور دوسرے ان کے تلمیذ خاص حضرت نافع۔ حضرت سالم کی روایت میں دو سجدوں کے درمیان رفع الیدین کرنے کی نفی اور حضرت نافع کی روایت میں دو رکعت سے فراغت کے بعد اٹھتے وقت رفع الیدین کا اثبات ہے۔ ان دونوں روایات میں کوئی تضاد نہیں کہ تطبیق دی جائے بلکہ نافع کی روایت میں ایک اضافہ، یعنی دو رکعت سے فراغت کے بعد اٹھتے وقت رفع الیدین کرنا جس کی نفی حضرت سالم کی روایت میں نہیں بلکہ حضرت سالم بھی بعض اوقات اس کا ذکر کرتے ہیں جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے جزء رفع الیدین میں اسے بیان کیا ہے،[1] نیز ابن حبان نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے۔[2] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ان کے شاگرد حضرت نافع کے علاوہ حضرت محارب بن دثار بھی اس مقام پر رفع الیدین کو بیان کرتے ہیں۔[3] حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی اس رفع الیدین کا ذکر ہے۔[4] اس کے علاوہ حضرت ابوحمید ساعدی بھی بیان کرتے ہیں۔[5] امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر، حضرت علی اور حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہم نے دو رکعت کے بعد اٹھتے وقت جو رفع الیدین بیان کیا ہے وہ صحیح اور ثابت ہے کیونکہ ان حضرات نے صرف ایک نماز کی کیفیت کو بیان نہیں کیا جس میں انھوں نے دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے اختلاف کیا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ایک راوی نے نماز کے متعلق ایک اضافی بات سے ہمیں آگاہ کیا ہے جس پر دوسرے حضرات مطلع نہیں ہو سکے۔ اس طرح کا اضافہ اہل علم کے ہاں مقبول ہوتا ہے۔[6] ② امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ اس موقع پر رفع الیدین کرنا سنت ہے اگرچہ امام شافعی کے ہاں اس کا ذکر نہیں ملتا، تاہم اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ اور امام شافعی نے ہمیں آگاہ کیا ہے کہ سنت پر عمل کرو اور اس کے مقابلے میں میری بات کو چھوڑ دو۔ اسی طرح ابن بطال اور علامہ خطابی کہتے ہیں کہ دو رکعت سے فراغت کے بعد اٹھتے وقت رفع الیدین کرنا ایک ایسا اضافہ ہے جس کا قبول کرنا ضروری ہے۔[7] ③ ائمۂ اربعہ کے متعلق خدمت اسلام کا اعتراف کرنے کے باوجود ہمیں یہ کہنا ہے کہ حق صرف ان چار اماموں میں منحصر نہیں کیونکہ مذکورہ سنت (دو رکعتوں سے کھڑے ہوتے وقت رفع الیدین) کے متعلق ان چار ائمہ میں سے کوئی بھی اس کا قائل

---

1 جزء رفع اليدين، حديث: 78. 2 صحيح ابن حبان (الإحسان)، ذكر مايستحب للمصلي رفع اليدين ...... 178,177/3 حديث: 1874. 3 جزء رفع اليدين، حديث: 26. 4 صحيح ابن خزيمة، باب رفع اليدين عند إرادة ...... 295,294/1 حديث: 584. 5 جزء رفع اليدين، حديث: 3. 6 جزء رفع اليدين، ص: 178. 7 فتح الباري: 288/2.

یا فاعل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ امام بخاری رحمہ اللہ پر اپنی رحمتیں برسائے کہ انھوں نے اس کے متعلق عنوان قائم کر کے ہمیں اس حقیقت سے آگاہ فرمایا۔ واللہ أعلم. اگرچہ امام بخاری رحمہ اللہ کے اسلوب کے مطابق ہم قیل و قال میں الجھنا نہیں چاہتے لیکن ایک جاہلانہ بات کا جواب دینا ہم ضروری خیال کرتے ہیں جس کا تعلق اہل علم سے نہیں بلکہ عامۃ الناس سے ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ابتدائے اسلام میں بعض لوگ نماز پڑھتے وقت اپنی بغلوں میں بت رکھ لیا کرتے تھے، اس لیے رفع الیدین کا حکم دیا گیا جسے بعد میں منسوخ کر دیا گیا، حالانکہ نماز کے دوران بغلوں میں بت چھپانے کا دعویٰ خود ساختہ اور بلا دلیل ہے جس کی تائید کسی صحیح حدیث سے نہیں ہوتی بلکہ کسی ضعیف اور من گھڑت روایت سے بھی اس کا ثبوت نہیں ملتا، تاہم اس کے متعلق ہمارے ملاحظات حسب ذیل ہیں: ❀ بت پرستی مکہ مکرمہ میں تھی لیکن نماز باجماعت نہیں تھی، مدینہ منورہ میں جماعت فرض ہوئی لیکن مدینہ منورہ میں بت پرستی نہیں تھی، مدینہ میں جو لوگ بغلوں میں بت لے کر آئے تھے وہ کون تھے؟ ❀ اگر بتوں کو گرانا مقصود تھا تو تکبیر تحریمہ کے وقت رفع الیدین اس مقصد کے لیے کافی تھا، پھر رکوع اور سجدے کی حالت میں بھی بت گر سکتے تھے، اس کے لیے الگ رفع الیدین جاری کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ پھر اگر بت گرانا مقصود تھا تو پہلی رکعت ہی میں ان کا صفایا ہو جاتا تھا، ہر رکعت میں یہ عمل کیوں دہرایا جاتا رہا؟ ❀ اگر منافقین یہ کام کرتے تھے تو ان کی عقل کا ماتم کرنا چاہیے کیونکہ وہ انھیں اپنی جیبوں میں لانے کے بجائے بغلوں میں دبا کر لاتے تھے۔ ❀ اس قسم کی جاہلانہ بات کو رواج دینے والوں کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ غیب جانتے تھے۔ اگر آپ واقعی عالم الغیب تھے تو رفع الیدین کے بغیر ہی ان کی حرکت کا نوٹس لیا جا سکتا تھا۔ ❀ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ کے حاکم اور فرمانروا تھے، کیا وہ اس قدر کمزور تھے کہ ایسے لوگوں کے خلاف علانیہ کارروائی کرنے کے بجائے انھیں نماز میں رفع الیدین پر لگانا پڑا؟ ❀ ہمارا اس کہانی کو رواج دینے والوں سے سوال ہے کہ اگر رفع الیدین کرتے وقت منافقین کی بغلوں سے بت گرتے تھے تو انھیں کیا سزا دی گئی؟ دراصل یہ افسانہ خود تراشیدہ ہے۔ اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث کے آخر میں دو تعلیقات کا بھی ذکر کیا ہے اگرچہ ان میں دو رکعت سے فراغت کے بعد اٹھتے وقت رفع الیدین کا ذکر نہیں، تاہم امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد ان لوگوں کی تردید کرنا ہے جو کہتے ہیں کہ حضرت نافع حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس روایت کو موقوف نقل کرتے ہیں جبکہ حضرت سالم اسے مرفوع بیان کرتے ہیں۔ حماد بن سلمہ کی تعلیق کو امام بخاری رحمہ اللہ نے خود جزء رفع الیدین میں متصل سند سے بیان کیا ہے،[1] جبکہ ابراہیم بن طہمان کی تعلیق کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے موصولاً ذکر کیا ہے۔[2]

(٨٧) بَابُ وَضْعِ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى فِي الصَّلَاةِ

باب: 87- نماز میں دایاں ہاتھ بائیں پر رکھنا

٧٤٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: كَانَ النَّاسُ يُؤْمَرُونَ أَنْ يَضَعَ الرَّجُلُ يَدَهُ الْيُمْنٰى

[740] حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: لوگوں کو یہ حکم دیا جاتا تھا کہ آدمی نماز میں اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی کلائی پر رکھے۔ ابو حازم راوی نے کہا کہ

[1] جزء رفع الیدین، حدیث: 54,53. [2] فتح الباري: 289/2.

عَلٰى ذِرَاعِهِ الْيُسْرٰى فِي الصَّلَاةِ. قَالَ أَبُو حَازِمٍ: لَا أَعْلَمُهُ إِلَّا يَنْمِي ذٰلِكَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَقَالَ إِسْمَاعِيلُ: يُنْمٰى ذٰلِكَ، وَلَمْ يَقُلْ: يَنْمِي.

وہ (حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ) اس حکم کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ (ایک اور راویٔ حدیث) اسماعیل کہتے ہیں کہ یہ حکم منسوب کیا جاتا تھا، یہ الفاظ نہیں کہے کہ وہ اس حکم کو منسوب کرتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① مسئلہ مذکور کے متعلق پہلا اختلاف وضع وارسال کا ہے۔ جمہور اہل علم کے نزدیک نماز میں ہاتھ باندھے جائیں۔ انھیں کھلا نہیں چھوڑنا چاہیے۔ دوسرا اختلاف کیفیت سے متعلق ہے کہ ہاتھ کس طرح باندھے جائیں؟ اور تیسرا اختلاف محل وضع کا ہے کہ ہاتھ کہاں باندھے جائیں؟ حدیث بالا میں ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے اور کچھ کیفیت کا بھی بیان ہے کہ اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی کلائی پر رکھا جائے لیکن کلائی کے کس مقام پر رکھا جائے اس کی وضاحت حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت میں بایں الفاظ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں کی پشت پر، جوڑ پر اور کلائی پر رکھا۔[1] ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب نماز شروع کی تو اللہ اکبر کے بعد آپ نے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ لیا۔[2] ایک روایت میں صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے تھے۔[3] محل وضع کے متعلق بھی صراحت ہے کہ ہاتھوں کو سینے پر رکھا جائے۔ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، آپ نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ کے اوپر سینے پر رکھا۔[4] حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے مطابق بائیں کلائی پر دایاں ہاتھ رکھا جائے تو دونوں ہاتھ خود بخود سینے پر آجائیں گے۔ سینے پر رکھنے کی تصدیق اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس کے الفاظ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ہاتھ اپنے سینے پر رکھتے تھے۔[5] زیر ناف ہاتھ باندھنے کی ایک حدیث بھی صحیح نہیں۔ سینے پر ہاتھ باندھنا عاجزی کی علامت، نماز میں فعل عبث سے رکاوٹ، دل کی حفاظت اور خشوع کے زیادہ مناسب ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے اگلا عنوان خشوع کے متعلق قائم کیا ہے۔ چونکہ دل نیت کا محل ہے، عام طور پر انسان جس چیز کی حفاظت کرنا چاہتا ہے اس پر دونوں ہاتھ رکھ لیتا ہے۔[6] ان روایات کے پیش نظر ہمیں بھی دایاں ہاتھ بائیں پر اس طرح رکھنا چاہیے کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی پشت پر، جوڑ اور کلائی پر آجائے۔ پھر دونوں کو سینے پر رکھا جائے تاکہ تمام روایات پر عمل ہوجائے۔ گویا ہاتھ باندھنے کے تین طریقے ہیں: ٭ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا جائے۔ ٭ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے جوڑ پر رکھا جائے۔ ٭ دائیں ہاتھ کو بائیں کلائی پر رکھا جائے۔ کلائی کو کلائی پر رکھ کر کہنی کو پکڑنا کسی حدیث سے ثابت نہیں۔ ② ہاتھ باندھنے کے متعلق مردوں اور عورتوں میں کوئی فرق نہیں کہ عورتیں سینے پر ہاتھ باندھیں اور مرد زیر ناف ہاتھ رکھیں۔ یہ تفریق غیر شرعی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مرد اور عورت کے طریقۂ نماز میں کوئی فرق نہیں بتایا۔ عام مشاہدے کی بات ہے کہ جب

---

1 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 727. 2 صحيح مسلم، الصلاة، حديث: 896(401). 3 جامع الترمذي، الصلاة، حديث: 252. 4 صحيح ابن خزيمة، باب وضع اليمين على الشمال في الصلاة ...... 243/1، حديث: 479. 5 مسند أحمد: 226/5. 6 فتح الباري: 291/2.

ہاتھ زیر ناف باندھے جائیں تو بایاں ہاتھ اوپر اور دایاں نیچے ہوتا ہے جبکہ ہمیں اس کے برعکس حکم دیا گیا ہے، یعنی دایاں ہاتھ اوپر اور بایاں نیچے ہو۔

(٨٨) بَابُ الْخُشُوعِ فِي الصَّلَاةِ

باب:88-نماز میں خشوع کا بیان

٧٤١ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «هَلْ تَرَوْنَ قِبْلَتِي هٰهُنَا؟ وَاللهِ لَا يَخْفٰى عَلَيَّ رُكُوعُكُمْ وَلَا خُشُوعُكُمْ، وَإِنِّي لَأَرَاكُمْ مِّنْ وَرَاءِ ظَهْرِي». [راجع: ٤١٨]

[741] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم سمجھتے ہو کہ میرا منہ اسی قبلے کی طرف ہے؟ اللہ کی قسم! مجھ پر تمھارا رکوع اور خشوع پوشیدہ نہیں رہتا اور میں تمھیں پس پشت سے بھی دیکھتا ہوں۔

٧٤٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: سَمِعْتُ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «أَقِيمُوا الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ، فَوَاللهِ إِنِّي لَأَرَاكُمْ مِّنْ بَعْدِي» - وَرُبَّمَا قَالَ: «مِنْ بَعْدِ ظَهْرِي - إِذَا رَكَعْتُمْ وَإِذَا سَجَدْتُمْ». [راجع: ٤١٩]

[742] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''تم اپنا رکوع اور سجود ٹھیک ٹھیک ادا کیا کرو۔ اللہ کی قسم! جب تم رکوع اور سجدہ کرتے ہو تو میں تمھیں اپنے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔'' اور کبھی فرمایا: ''میں اپنی پس پشت سے تمھیں دیکھتا ہوں۔''

فوائد و مسائل: ① فقہی اعتبار سے نماز میں خشوع مستحب اور پسندیدہ ہے، البتہ نماز کی روح ہونے کے اعتبار سے لازمی ہے۔ لیکن اگر اسے ضروری قرار دیا جاتا تو اکثر لوگوں کی نمازیں باطل ہو جاتیں، اس لیے خشوع کے بغیر نماز ہو جاتی ہے اگرچہ وہ ناقص اور روح سے خالی ہوگی۔ خشوع انتہائی سکون کا نام ہے۔ پھر اس کا تعلق ظاہری اعضاء سے ہے اور خضوع کا تعلق دل سے ہوتا ہے اگرچہ خشوع کامل یہ ہے کہ انسان ظاہر اور باطن سے اللہ کی طرف متوجہ ہو۔ امام بخاری ؒ نے لفظ خشوع اس لیے اختیار کیا ہے کہ ظاہر اعضاء اور جوارح کا فعل ہے اور انسان کے اختیار میں ہے جبکہ خضوع دل کا فعل اور غیر اختیاری ہے، اس بنا پر اختیاری فعل پر عنوان قائم کیا ہے تاکہ دل کے افعال کے لیے پیش خیمہ ثابت ہو۔ ② رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں موجود کچھ لوگوں سے ایسی حرکات سرزد ہوئیں جو نماز کے منافی تھیں، مثلاً: حدیث میں ہے کہ ایک دن آپ نے ظہر کی نماز پڑھائی تو پچھلی صفوں میں کھڑے ہوئے ایک آدمی نے نماز اچھی طرح نہ پڑھی تو آپ نے تنبیہ کے طور پر یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔ اس طرح ایک شخص نے دوران نماز میں رسول اللہ ﷺ سے مسابقت کی تاکہ معلوم کرے کہ رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم ہوتا ہے یا نہیں، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو اسے منع فرمایا، اس طرح کے دیگر واقعات دیکھنے کے بعد آپ نے بطور تنبیہ فرمایا جو حدیث ابو ہریرہ

اور حدیث انس میں بیان ہوا ہے۔ امام بخاری ؒ نے ان دونوں احادیث کو اس عنوان کے تحت اکٹھا بیان فرمایا ہے کیونکہ یہ دونوں ایک ہی واقعے سے متعلق ہیں۔[1]

(٨٩) بَابُ مَا يَقُولُ بَعْدَ التَّكْبِيرِ

باب: 89- نمازی تکبیر تحریمہ کے بعد کیا پڑھے؟

٧٤٣ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَأَبَابَكْرٍ وَعُمَرَ كَانُوا يَفْتَتِحُونَ الصَّلَاةَ بِـ: ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾.

[743] حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر ؓ نماز کا افتتاح الحمد لله رب العالمین سے کیا کرتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ کا اصول ہے کہ جہاں قوی روایات کی وجہ سے حکم میں اختلاف ہو وہاں اپنی طرف سے کوئی حکم نہیں لگاتے۔ ② امام مالک ؒ تکبیر تحریمہ کے بعد دعائے افتتاح، تعوذ اور بَسْمَلَہ پڑھنے کے قائل نہیں ہیں، اگر کوئی پڑھ لے تو اسے جائز قرار دیتے ہیں جبکہ جمہور علماء کا فیصلہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد دعائے افتتاح، تعوذ اور بَسْمَلَہ پڑھنا سنت ہے۔ امام بخاری ؒ کا رجحان امام مالک ؒ کے موقف کی طرف ہے، اس لیے آپ نے دونوں قسم کی روایات کو جمع کر دیا ہے۔ حدیث انس ؓ سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کا آغاز الحمد لله رب العالمین سے کیا جائے جبکہ اس کے بعد حدیث ابوہریرہ ؓ کو ذکر کیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ دعائے افتتاح پڑھی جا سکتی ہے۔ ③ اب یہ مسئلہ کہ سورۂ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھنی چاہیے یا نہیں، اس میں اختلاف ہے۔ امام مالک کے نزدیک بسم اللہ بآواز بلند یا آہستہ کسی طرح بھی نہیں پڑھنی چاہیے۔ ان کی دلیل مذکورہ حدیث ہے جبکہ جمہور کا موقف ہے کہ بسم اللہ پڑھی جائے۔ وہ مذکورہ روایت کے متعلق کہتے ہیں کہ قراءت کا افتتاح الحمد للہ رب العالمین سے کرنا چاہیے جیسا کہ مذکورہ روایت میں ہے۔ پھر بسم اللہ پڑھنے والوں میں اختلاف ہے کہ اسے آہستہ پڑھنا چاہیے یا اونچی آواز سے، آہستہ پڑھنے والوں کے دلائل حسب ذیل ہیں: ✿ حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان ؓ کے پیچھے نماز پڑھی۔ میں نے ان میں سے کسی کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔[2] امام نووی ؒ نے اس حدیث پر بایں الفاظ عنوان قائم کیا ہے: ''اس شخص کی دلیل جو بسم اللہ اونچی آواز سے نہیں پڑھتا۔'' ایک دوسری روایت میں حضرت انس ؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور دیگر صحابۂ کرام ؓ بآواز بلند بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں پڑھتے تھے۔[3] بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں کہ یہ حضرات آہستہ آواز سے بسم اللہ پڑھتے تھے۔[4] بعض روایات میں بسم اللہ پڑھنے کی نفی ہے۔ حافظ ابن حجر ؒ لکھتے ہیں کہ اس نفی کو بآواز بلند پڑھنے پر محمول کیا جائے، یعنی وہ بسم اللہ بآواز بلند نہیں پڑھتے تھے۔[5] اور جو حضرات بآواز بلند پڑھنے کے قائل ہیں ان کے دلائل یہ ہیں:

---

1 فتح الباري : 298/2. 2 صحيح مسلم، الصلاة، حديث : 890 (399). 3 مسند أحمد : 179/3. 4 صحيح ابن خزيمة، باب ذكر الدليل على أن أنسا ...... : 250/1. 5 فتح الباري : 295/2.

❁ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ نماز پڑھائی تو پہلے انھوں نے بسم اللہ پڑھی، اس کے بعد سورۂ فاتحہ تلاوت کی، اس کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یقیناً میں نماز ادا کرنے میں رسول اللہ ﷺ سے بہت مشابہ ہوں۔[1] ❁ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے نماز پڑھی تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اونچی آواز سے پڑھی اور فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کی اقتدا کر رہا ہوں۔[2] ہمارے نزدیک راجح موقف یہ ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آہستہ اور اونچی آواز سے پڑھی جا سکتی ہے، البتہ پوشیدہ پڑھنے کے متعلق احادیث زیادہ صحیح اور واضح ہیں۔ ہاں، جن احادیث میں بسم اللہ کا ذکر نہیں انھیں راوی کے عدم علم یا اس کی قراءت کے مخفی ہونے پر محمول کیا جائے گا اور جن روایات میں بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھنے کا ذکر ہے انھیں اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ رسول اللہ ﷺ بعض اوقات بآواز بلند بھی پڑھتے تھے تاکہ لوگوں کو اس کی مشروعیت کا پتہ چل جائے۔ یاد رہے کہ بسم اللہ، سورۂ فاتحہ کی ایک آیت ہے جیسا کہ حدیث میں اس کی صراحت ہے۔[3]

٧٤٤ - **حَدَّثَنَا** مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عُمَارَةُ ابْنُ الْقَعْقَاعِ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو زُرْعَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَسْكُتُ بَيْنَ التَّكْبِيرِ وَبَيْنَ الْقِرَاءَةِ إِسْكَاتَةً - قَالَ: أَحْسِبُهُ قَالَ: هُنَيَّةً - فَقُلْتُ: بِأَبِي وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللهِ، إِسْكَاتُكَ بَيْنَ التَّكْبِيرِ وَبَيْنَ الْقِرَاءَةِ مَا تَقُولُ؟ قَالَ: «أَقُولُ: اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ، اَللّٰهُمَّ نَقِّنِي مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ، اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَايَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ».

[744] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ تکبیر تحریمہ اور قراءت کے درمیان کچھ سکوت فرماتے تھے۔ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! آپ تکبیر اور قراءت کے درمیان سکوت میں کیا پڑھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''میں کہتا ہوں: یا اللہ! مجھ سے میرے گناہ اتنے دور کر دے جتنا تو نے مشرق اور مغرب کے درمیان فاصلہ رکھا ہے۔ اے اللہ! مجھے گناہوں سے اس طرح پاک صاف کر دے جیسے سفید کپڑا میل کچیل سے پاک صاف کیا جاتا ہے۔ اے اللہ! میرے گناہ پانی، برف اور اولوں سے دھو دے۔''

فوائد و مسائل: ① اسے دعائے استفتاح کہا جاتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ تکبیر تحریمہ اور فاتحہ کے درمیان کچھ پڑھا جا سکتا ہے۔ واضح رہے کہ دیگر ادعیۂ افتتاح بھی احادیث میں وارد ہیں مگر مذکورہ دعا صحیح ترین ہے اور اسے آہستہ پڑھنا چاہیے۔ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل دعا بھی پڑھی جا سکتی ہے جو مختصر، آسان اور جامع ہے: [سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ وَ تَبَارَكَ اسْمُكَ وَ تَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ][4] سنن بیہقی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ افتتاح کے

---

1 السنن الكبرٰى للبيهقي، باب افتتاح القراءة في الصلاة ... : 46/2. 2 سنن الدارقطني، باب وجوب قراءة "بسم الله الرحمٰن الرحيم" في الصلاة ... : 307/1-308. 3 سلسلة الأحاديث الصحيحة، حديث: 1183. 4 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 776.

طور پر مختلف دعاؤں کو جمع بھی کیا جاسکتا ہے لیکن سند کے لحاظ سے یہ روایت صحیح نہیں جیسا کہ امام بیہقی نے خود وضاحت کر دی ہے۔[1] ② دعائے استفتاح کے بعد چونکہ قراءت شروع کرنی ہے، اس لیے قرآن کریم کے حکم کے پیش نظر تعوذ پڑھنا بھی سنت ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو دعائے استفتاح کے بعد مندرجہ ذیل تعوذ پڑھتے: [أَعُوذُ بِاللّٰهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهِ وَ نَفْخِهِ وَ نَفْثِهِ][2] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ﴾ ''جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔''[3] اس آیت کے عموم سے استدلال کرتے ہوئے متقدمین نے ہر رکعت کے شروع میں تعوذ کی مشروعیت کو بیان کیا ہے جبکہ راجح بات یہ ہے کہ تعوذ صرف پہلی رکعت ہی میں پڑھا جائے جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث اس کا واضح ثبوت ہے: رسول اللہ ﷺ جب دوسری رکعت کے لیے اٹھتے تھے تو الحمد للہ رب العالمین کے ساتھ قراءت شروع کرتے تھے۔[4]

(٩٠) بَابٌ :

باب:90- بلاعنوان

وضاحت: صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں یہاں باب کا لفظ نہیں ہے، لیکن جن نسخوں میں باب کا لفظ ہے وہاں کوئی عنوان نہیں ہے۔ ایسے ابواب کا ماقبل سے تعلق ہوتا ہے۔ اسے ہم ''باب فی الباب'' کا نام دیتے ہیں۔ بعض اوقات قارئین کی ذہنی استعداد بڑھانے کے لیے بھی ایسا کیا جاتا ہے۔ چونکہ پہلی حدیث میں دعائے استفتاح کا ذکر ہے، اس کے پیش نظر بعض فقہاء نے یہ شرط لگا دی ہے کہ دوران نماز میں وہی دعا کی جائے جس کا ثبوت قرآن سے ملتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب اس لیے قائم کیا ہے کہ قرآنی الفاظ کے علاوہ بھی دعا کی جاسکتی ہے اور یہ شرط لگانا درست نہیں۔[5]

٧٤٥ - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ قَالَ: أَخْبَرَنَا نَافِعُ ابْنُ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى صَلَاةَ الْكُسُوفِ فَقَامَ فَأَطَالَ الْقِيَامَ، ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوعَ، ثُمَّ قَامَ فَأَطَالَ الْقِيَامَ، ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوعَ، ثُمَّ رَفَعَ ثُمَّ سَجَدَ فَأَطَالَ السُّجُودَ، ثُمَّ رَفَعَ ثُمَّ سَجَدَ فَأَطَالَ السُّجُودَ، ثُمَّ قَامَ فَأَطَالَ الْقِيَامَ ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوعَ، ثُمَّ رَفَعَ فَأَطَالَ الْقِيَامَ، ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوعَ، ثُمَّ رَفَعَ فَسَجَدَ

[745] حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے نماز کسوف پڑھائی تو آپ نے طویل قیام کیا۔ پھر رکوع کیا تو اسے خوب طویل کیا۔ پھر کھڑے ہوئے تو قیام کو خوب طویل کیا۔ اس کے بعد رکوع کیا تو اسے خوب طویل کیا، پھر اپنا سر اٹھایا اور سجدہ کیا، پھر سجدے کو خوب طویل کیا۔ پھر اپنا سر اٹھایا اور سجدہ کیا، پھر سجدے کو خوب طویل کیا۔ پھر کھڑے ہو کر قیام کیا اور قیام کو لمبا کیا، پھر رکوع کیا تو رکوع کو لمبا کیا، پھر سر اٹھا کر قیام کیا اور اسے خوب لمبا کیا، پھر رکوع کیا اور اسے لمبا کیا، پھر سر اٹھا کر سجدہ کیا اور

1. السنن الكبرٰى للبيهقي، باب من روى الجمع بينهما : 35/2. 2. سنن أبي داود، الصلاة، حديث : 775. 3. النحل 98:16. 4. صحيح مسلم، المساجد و مواضع الصلاة، حديث : 1356(599). 5. فتح الباري : 299/1.

فَأَطَالَ السُّجُودَ، ثُمَّ رَفَعَ، ثُمَّ سَجَدَ فَأَطَالَ السُّجُودَ، ثُمَّ انْصَرَفَ فَقَالَ: «قَدْ دَنَتْ مِنِّي الْجَنَّةُ حَتّٰى لَوِ اجْتَرَأْتُ عَلَيْهَا لَجِئْتُكُمْ بِقِطَافٍ مِّنْ قِطَافِهَا، وَدَنَتْ مِنِّي النَّارُ حَتّٰى قُلْتُ: أَيْ رَبِّ أَوَ أَنَا مَعَهُمْ؟! فَإِذَا امْرَأَةٌ - حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ: تَخْدِشُهَا هِرَّةٌ - قُلْتُ: مَا شَأْنُ هٰذِهِ؟ قَالُوا: حَبَسَتْهَا حَتّٰى مَاتَتْ جُوعًا، لَا هِيَ أَطْعَمَتْهَا وَلَا أَرْسَلَتْهَا تَأْكُلُ». قَالَ نَافِعٌ: حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ: «تَأْكُلُ مِنْ خَشِيشِ أَوْ خَشَاشِ الْأَرْضِ». [انظر: ٢٣٦٤]

اسے خوب لمبا کیا۔ اس کے بعد اپنا سر اٹھایا اور سجدہ کیا اور سجدے کو لمبا کیا۔ پھر نماز سے فارغ ہو کر فرمایا: ''جنت میرے اتنا قریب ہو چکی تھی کہ اگر میں جراءت کرتا تو اس کے خوشوں میں سے کوئی خوشہ تمھارے پاس لے آتا اور دوزخ بھی میرے اتنا قریب ہو گئی کہ میں کہنے لگا: اے مالک! کیا میں بھی ان لوگوں کے ساتھ رکھا جاؤں گا؟ اتنے میں ایک عورت دیکھی جسے بلی پنجا مار رہی تھی۔ میں نے پوچھا: اس عورت کا کیا قصور ہے؟ فرشتوں نے جواب دیا: اس عورت نے بلی کو باندھے رکھا تھا حتی کہ وہ بھوک سے مرگئی، نہ تو وہ اسے خود کھلاتی تھی اور نہ اسے کھلا چھوڑتی تھی کہ وہ خود حشرات الارض سے اپنا پیٹ بھرے۔''

فائدہ: اس حدیث سے متعلقہ فوائد کتاب الکسوف اور کتاب بدء الخلق میں بیان ہوں گے۔

(٩١) بَابُ رَفْعِ الْبَصَرِ إِلَى الْإِمَامِ فِي الصَّلَاةِ

باب: 91- نماز میں امام کی طرف دیکھنا

وَقَالَتْ عَائِشَةُ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ فِي صَلَاةِ الْكُسُوفِ: «رَأَيْتُ جَهَنَّمَ يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا حِينَ رَأَيْتُمُونِي تَأَخَّرْتُ».

حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ نے نماز کسوف کے متعلق فرمایا: ''جب تم نے مجھے دیکھا کہ میں پیچھے ہٹ رہا ہوں تو میں نے اس وقت جہنم کو دیکھا جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو توڑ پھوڑ رہا تھا۔''

وضاحت: نماز کی حالت میں آسمان کی طرف نظر کرنا سخت منع ہے جیسا کہ اس کے لیے امام بخاری ؒ آئندہ ایک مستقل عنوان قائم کریں گے۔ اس عنوان سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ نماز کی حالت میں بوقت ضرورت امام کی طرف دیکھنا جائز ہے۔ اس معلق روایت کو امام بخاری ؒ نے خود ہی اپنی صحیح میں متصل سند سے بیان کیا ہے۔[1] اس روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم نے مجھے بحالت نماز پیچھے ہٹتے دیکھا۔'' امام بخاری ؒ نے ان الفاظ سے استدلال کیا ہے کہ نماز کی حالت میں امام کو دیکھا جا سکتا ہے، اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

٧٤٦ - حَدَّثَنَا مُوسٰى قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ عُمَيْرٍ،

[746] حضرت ابو معمر سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت خباب بن ارت ؓ سے سوال کیا: آیا رسول اللہ ﷺ نماز

1 صحيح البخاري، العمل في الصلاة، حديث: 1212.

عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ قَالَ: قُلْنَا لِخَبَّابٍ: أَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَقُلْنَا: بِمَ كُنْتُمْ تَعْرِفُونَ ذَاكَ؟ قَالَ: بِاضْطِرَابِ لِحْيَتِهِ. [انظر: ٧٦٠، ٧٦١، ٧٧٧]

ظہر اور نماز عصر میں کچھ پڑھتے تھے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں۔ ہم نے پوچھا: آپ لوگ کیسے پہچانتے تھے؟ انھوں نے فرمایا: آپ کی ڈاڑھی مبارک کے ہلنے کی وجہ سے۔

٧٤٧ - حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: أَنْبَأَنَا أَبُو إِسْحَاقَ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ ابْنَ يَزِيدَ يَخْطُبُ قَالَ: حَدَّثَنَا الْبَرَاءُ - وَهُوَ غَيْرُ كَذُوبٍ - أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا صَلَّوْا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَرَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ، قَامُوا قِيَامًا حَتَّى يَرَوْهُ قَدْ سَجَدَ. [راجع: ٦٩٠]

[747] حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ، جنھوں نے جھوٹ نہیں بولا، بیان کرتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جب نبی ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھتے تھے تو جب آپ اپنا سر رکوع سے اٹھا لیتے تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کھڑے رہتے تا آنکہ آپ کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھ لیتے (تب وہ سجدہ کرتے تھے)۔

٧٤٨ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: خَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ فَصَلَّى فَقَالُوا: يَارَسُولَ اللهِ، رَأَيْنَاكَ تَنَاوَلُ شَيْئًا فِي مَقَامِكَ ثُمَّ رَأَيْنَاكَ تَكَعْكَعْتَ، فَقَالَ: «إِنِّي أُرِيتُ الْجَنَّةَ فَتَنَاوَلْتُ مِنْهَا عُنْقُودًا وَلَوْ أَخَذْتُهُ لَأَكَلْتُمْ مِنْهُ مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا».

[748] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ کے عہد مبارک میں سورج گرہن ہوا تو آپ نے نماز کسوف پڑھی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہم نے آپ کو اپنی جگہ کھڑے ہوئے کسی چیز کو پکڑتے دیکھا، پھر ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''میں نے جنت کو دیکھا تو اس سے ایک خوشہ لینا چاہا۔ اگر میں اسے لے لیتا تو جب تک دنیا باقی ہے اس وقت تک تم اس سے کھاتے رہتے۔''

٧٤٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ قَالَ: حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ قَالَ: حَدَّثَنَا هِلَالُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: صَلَّى لَنَا النَّبِيُّ ﷺ ثُمَّ رَقِيَ الْمِنْبَرَ فَأَشَارَ بِيَدَيْهِ قِبَلَ قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ، ثُمَّ قَالَ: «لَقَدْ رَأَيْتُ الْآنَ مُنْذُ صَلَّيْتُ لَكُمُ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ مُمَثَّلَتَيْنِ فِي قِبْلَةِ هٰذَا الْجِدَارِ، فَلَمْ أَرَ كَالْيَوْمِ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ»، ثَلَاثًا. [راجع: ٩٣]

[749] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ ہمیں نبی ﷺ نے نماز پڑھائی۔ اس کے بعد منبر پر تشریف لائے اور اپنے دونوں ہاتھوں سے مسجد کے قبلے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ''میں نے ابھی جبکہ تمھیں نماز پڑھا رہا تھا جنت اور دوزخ کو دیکھا۔ ان دونوں کی اس دیوار کے قبلے میں تصویریں بنا دی گئی تھیں۔ میں نے آج کے دن جیسا کوئی دن نہیں دیکھا جس میں خیر اور شر دونوں جمع ہوں۔'' آپ نے ایسا تین مرتبہ فرمایا۔

فوائد ومسائل: ① دوران نماز میں مقتدی کی نظر کہاں ہو؟ اس میں اختلاف ہے۔ جمہور اہل علم کا موقف ہے کہ سجدہ کی جگہ پر مقتدی کی نظر ہونی چاہیے کیونکہ ایسا کرنا انتہائی خشوع کی علامت ہے، البتہ امام مالک کا موقف ہے کہ مقتدی کی نظر امام کی طرف ہونی چاہیے تاکہ اسے اس کے انتقالات کا علم ہوتا رہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ واقعی مقتدی کو اپنی نظر سجدہ گاہ پر مرکوز رکھنی چاہیے، البتہ کسی ضرورت کے پیش نظر وہ امام کی طرف نظر اٹھا سکتا ہے۔ اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔ مذکورہ روایت میں اس بات کا واضح ثبوت ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بہتر یہی ہے کہ نمازی بحالت نماز سجدہ گاہ پر نظر رکھے لیکن اگر وہ امام کو دیکھے اور سجدے کی جگہ پر نظر نہ رکھے تو اس کی گنجائش ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بحالت نماز اپنے سامنے کی طرف دیکھا اور سجدہ گاہ کی طرف نہ دیکھا۔ اس پر مقتدی کو قیاس کیا جائے گا۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کی مراد سجدہ گاہ کو دیکھنے کے لزوم کی نفی کرنا ہے۔ ③ یہ حکم قیام کی صورت میں ہے کہ نظر سجدہ گاہ پر ہو، تاہم تشہد کی حالت میں نظر دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی پر ہونی چاہیے، اس طرح کہ اسے اٹھائے رکھے اور دعا کرے۔[1]

(٩٢) بَابُ رَفْعِ الْبَصَرِ إِلَى السَّمَاءِ فِي الصَّلَاةِ

باب: 92- نماز میں آسمان کی طرف نظر اٹھانا

٧٥٠ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَرُوبَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ: أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَرْفَعُونَ أَبْصَارَهُمْ إِلَى السَّمَاءِ فِي صَلَاتِهِمْ؟» فَاشْتَدَّ قَوْلُهُ فِي ذٰلِكَ حَتَّى قَالَ: «لَيَنْتَهِيَنَّ عَنْ ذٰلِكَ أَوْ لَتُخْطَفَنَّ أَبْصَارُهُمْ».

[750] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں کو کیا ہوا وہ نماز میں نگاہیں آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں؟'' پھر آپ نے اس کے متعلق بڑی سختی سے فرمایا: ''لوگوں کو اس سے باز آنا چاہیے یا پھر ان کی بینائی کو اچک لیا جائے گا۔''

فوائد ومسائل: ① شارح بخاری علامہ ابن بطال رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ تمام علمائے امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ نماز کی حالت میں آسمان کی طرف دیکھنا انتہائی ناپسندیدہ حرکت ہے۔ نماز کے علاوہ بھی قاضی شریح وغیرہ نے اسے مکروہ کہا ہے مگر اکثر علماء نے اس کی اجازت دی ہے کیونکہ جس طرح کعبۂ معظّمہ نماز کے لیے قبلہ ہے اسی طرح آسمان دعا کا قبلہ ہے۔ قاضی عیاض نے کہا ہے کہ دوران نماز میں آسمان کی طرف دیکھنے سے ایک قسم کا قبلے سے اعراض ہوتا ہے، اس کے علاوہ نماز کی حیثیت وصورت سے بھی نکلنے کا باعث ہے۔[2] دوران نماز میں آسمان کی طرف دیکھنے سے ممانعت کیوں ہے؟ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ ایک وعید ہے اور ایسا کرنا حرام ہے لیکن امام ابن حزم نے افراط کرتے ہوئے کہا ہے کہ ایسا کرنے سے نماز باطل ہوجاتی ہے۔ بعض نے اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ اس کام سے ممانعت نگاہوں پر شفقت کے پیش نظر ہے کہ نمازیوں پر حالت نماز

1 سنن النسائي، التطبيق، حديث: 1161. 2 فتح الباري: 302/2.

میں فرشتے انوار و تجلیات کی بارش کرتے ہیں۔ اگر اس دوران میں نگاہوں کو آسمان کی طرف اٹھایا جائے تو شدت انوار کی وجہ سے ان کی روشنی سلب ہو جانے کا خطرہ ہے جیسا کہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کے واقعے میں ہے۔ اس واقعے کی تفصیل کتاب فضائل القرآن میں بیان ہوگی۔ [1] سنن ابن ماجہ میں اس روایت کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک روز اپنے صحابہ کو نماز پڑھائی، جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: ''لوگوں کا کیا حال ہے وہ اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں۔'' پھر انتہائی غصے میں فرمایا: ''وہ ایسا کرنے سے باز آجائیں بصورت دیگر اللہ تعالیٰ ان کی بصارت سلب کر لے گا۔'' [2] ② ابن بطال نے دعا کے لیے آسمان کو قبلہ قرار دیا ہے۔ یہ محل نظر ہے کیونکہ دعا اور نماز کا ایک ہی قبلہ ہے کیونکہ اولاً: دعا کے لیے آسمان کا قبلہ ہونا محتاج دلیل ہے، کتاب و سنت میں ایسی کوئی دلیل نہیں ہے، پھر رسول اللہ ﷺ دعا کرتے وقت قبلے کی طرف منہ کرتے تھے جیسا کہ متعدد احادیث سے ثابت ہے، نیز ہر چیز کا قبلہ وہی ہوتا ہے جو اس کے سامنے ہو نہ کہ اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا پڑے۔

(٩٣) بَابُ الِالْتِفَاتِ فِي الصَّلَاةِ

باب: 93- نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنا

٧٥١ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ قَالَ: حَدَّثَنَا أَشْعَثُ بْنُ سُلَيْمٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنِ الِالْتِفَاتِ فِي الصَّلَاةِ، فَقَالَ: «هُوَ اخْتِلَاسٌ يَخْتَلِسُ الشَّيْطَانُ مِنْ صَلَاةِ الْعَبْدِ».

[انظر: ٣٢٩١]

[751] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دوران نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنے کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: ''یہ تو (خشوع کو) اچک لینا ہے جو شیطان بندے کی نماز میں سے اچک لیتا ہے۔''

فائدہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے پہلے ثابت کیا تھا کہ نمازی بحالت اقتدا امام کی حرکات و سکنات پر مطلع ہونے کے لیے امام کی طرف دیکھ سکتا ہے اور اس سے نماز میں کوئی خلل نہیں آتا۔ پھر اس بات کو ثابت کیا کہ بحالت نماز آسمان کی طرف نظر کرنا حرام اور ناجائز ہے۔ اب ایک تیسری صورت بیان کرتے ہیں کہ نمازی اگر بلاوجہ ادھر ادھر نظر کرتا ہے تو اس کا یہ فعل ایک شیطانی حرکت ہے، یعنی شیطان اس طرح سے اس کی نماز کو ناقص بنا کر اس کے اجر و ثواب کو کم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب بندہ نماز پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی اس پر نظر رحمت رہتی ہے، بشرطیکہ وہ ادھر ادھر نہ جھانکے۔ جب وہ اپنے چہرے کو دوسری طرف کرتا ہے تو اللہ کی رحمت بھی اس سے دور ہو جاتی ہے۔ [3] ایک اور روایت میں ہے کہ جب تم نماز پڑھو تو ادھر ادھر مت دیکھا کرو۔ حدیث میں ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دوران نماز میں ادھر ادھر دیکھ لیا کرتے تھے یہاں تک کہ یہ آیات نازل ہوئیں: ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ﴾ [4] ''تحقیق وہی اہل ایمان فلاح یافتہ ہیں جو اپنی

---

1 فتح الباري: 303/2. 2 سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، حديث: 1044. 3 جامع الترمذي، الأمثال، حديث: 2863. 4 فتح الباري: 303/2.

نمازوں میں خشوع کو برقرار رکھتے ہیں۔"[1] اس کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اپنی نمازوں میں صرف اپنے آگے دیکھتے اور ان پر خوب توجہ دیتے اور ان کی کوشش ہوتی تھی کہ ان کی نگاہیں سجدہ گاہ سے تجاوز نہ کریں۔ ان احادیث و آثار کی وجہ سے ہمیں اپنی نمازوں کی حفاظت کرنی چاہیے اور دوران نماز میں ادھر ادھر جھانک کر اپنی نمازوں کو ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

٧٥٢ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى فِي خَمِيصَةٍ لَّهَا أَعْلَامٌ فَقَالَ: «شَغَلَتْنِي أَعْلَامُ هٰذِهِ، اذْهَبُوا بِهَا إِلٰى أَبِي جَهْمٍ وَّأْتُونِي بِأَنْبِجَانِيَّةٍ». [راجع: ٣٧٣]

[752] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک مرتبہ ایسی چادر پہن کر نماز پڑھی جس پر کچھ نقوش تھے۔ فراغت کے بعد آپ نے فرمایا: "مجھے اس چادر کے نقش و نگار نے نماز سے غافل کر دیا تھا۔ اسے ابوجہم کے پاس لے جاؤ اور مجھے سادہ چادر لا دو۔"

فوائد و مسائل: ① التفات کی کئی قسمیں ہیں: ✿ گوشۂ چشم سے ادھر ادھر دیکھنا، یہ تو سب کے نزدیک نماز میں جائز ہے لیکن ضرورت کے بغیر ایسا کرنا خلاف اولیٰ ہے۔ ✿ چہرہ پھیر کر ادھر ادھر دیکھنا لیکن سینہ قبلہ رخ رہے، یہ فعل مکروہ یا حرام ہے۔ شدید ضرورت کے پیش نظر ایسا کرنے کی گنجائش ہے۔ ✿ دائیں بائیں اس طرح دیکھنا کہ سینہ بھی قبلے کی طرف سے ہٹ جائے، ایسا کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ ② اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اس لیے پیش کیا ہے کہ اس قسم کے نقش و نگار جب نمازی دیکھے گا تو یقیناً اس کی توجہ بھی کچھ ہٹ جائے گی، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اسے اتار کر واپس کر دیا۔ اور یہ بھی ایک قسم کا التفات ہی ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے پسند نہیں فرمایا کیونکہ ایسی چیزوں کے استعمال سے نمازی کے خشوع میں فرق آ جاتا ہے جو نماز کی روح کے منافی ہے۔[2]

(٩٤) بَابٌ: هَلْ يَلْتَفِتُ لِأَمْرٍ يَّنْزِلُ بِهِ؟ أَوْ يَرٰى شَيْئًا أَوْ بُصَاقًا فِي الْقِبْلَةِ؟

باب: 94- کیا (نمازی) کسی ہنگامی ضرورت کی بنا پر یا کوئی چیز یا تھوک قبلے کی طرف دیکھے تو اس کی طرف توجہ کر سکتا ہے؟

وَقَالَ سَهْلٌ: اِلْتَفَتَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَرَأَى النَّبِيَّ ﷺ.

حضرت سہل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (نماز میں) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ادھر ادھر متوجہ ہوئے تو انھوں نے نبی ﷺ کو دیکھا۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ التفات کے متعلق استثنائی صورتیں بیان کرتے ہیں کہ اگر کسی ہنگامی ضرورت اور وقتی حاجت کے پیش نظر التفات ہو تو وہ نماز کے لیے خرابی کا باعث نہیں جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دوران نماز میں التفات کیا اور رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں نماز دوبارہ پڑھنے کے متعلق نہیں کہا بلکہ انھیں اپنی نماز جاری رکھنے کی تلقین

1. المومنون 23:1،2. 2 فتح الباري: 304/2.

فرمائی کیونکہ یہ التفات ایک ہنگامی ضرورت کے پیش نظر تھا۔[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے اس تعلیق کو اپنی سند سے متصل بیان کیا ہے۔[2]

٧٥٣ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَّافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ قَالَ: رَأَى النَّبِيُّ ﷺ نُخَامَةً فِي قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ وَهُوَ يُصَلِّي بَيْنَ يَدَيِ النَّاسِ فَحَتَّهَا، ثُمَّ قَالَ حِينَ انْصَرَفَ: «إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا كَانَ فِي الصَّلَاةِ فَإِنَّ اللهَ قِبَلَ وَجْهِهِ فَلَا يَتَنَخَّمَنَّ أَحَدٌ قِبَلَ وَجْهِهِ فِي الصَّلَاةِ». رَوَاهُ مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ وَابْنُ أَبِي رَوَّادٍ عَنْ نَّافِعٍ. [راجع: ٤٠٦]

[753] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ نے مسجد کے قبلے کی طرف تھوک دیکھا جبکہ آپ لوگوں کے آگے کھڑے ہوکر انھیں نماز پڑھا رہے تھے، آپ نے اسے زائل کر دیا۔ اس کے بعد جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی نماز میں مشغول ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے سامنے چہرے کی طرف ہوتا ہے، لہٰذا کوئی شخص نماز میں اپنے سامنے نہ تھوکے۔“ اس روایت کو موسیٰ بن عقبہ اور ابن ابورواد نے حضرت نافع سے بیان کیا ہے۔

فوائد و مسائل: ① اس روایت کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دوران نماز ہی میں تھوک کو زائل کیا لیکن پہلے یہ روایت مالک عن نافع کے طریق سے گزر چکی ہے وہاں دوران نماز میں کے الفاظ نہیں تھے۔ اسی طرح حضرت ابو ہریرہ، حضرت عائشہ، حضرت ابوسعید اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے بھی مروی یہ حدیث گزر چکی ہے ان تمام احادیث میں دوران نماز میں کے الفاظ نہیں ہیں، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے نماز میں نہیں بلکہ فراغت کے بعد ہی ایسا عمل فرمایا تھا۔ بعض دفعہ راویوں کے تصرفات و تسامحات کی وجہ سے روایت کے الفاظ مقدم و مؤخر ہو جاتے ہیں جس سے مقصد برعکس ہو جاتا ہے۔ ② موسیٰ بن عقبہ کی روایت کو امام مسلم رحمہ اللہ نے متصل سند سے بیان کیا ہے جبکہ ابن ابورواد کی روایت، جسے امام احمد رحمہ اللہ نے موصولاً بیان کیا ہے، میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز سے فراغت کے بعد تھوک کو زائل کیا تھا۔[3] واللہ أعلم.

٧٥٤ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ ابْنُ سَعْدٍ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ: بَيْنَمَا الْمُسْلِمُونَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ لَمْ يَفْجَأْهُمْ إِلَّا رَسُولُ اللهِ ﷺ قَدْ كَشَفَ سِتْرَ حُجْرَةِ عَائِشَةَ، فَنَظَرَ إِلَيْهِمْ وَهُمْ صُفُوفٌ فَتَبَسَّمَ يَضْحَكُ، وَنَكَصَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَلَى عَقِبَيْهِ لِيَصِلَ لَهُ الصَّفَّ، فَظَنَّ أَنَّهُ يُرِيدُ الْخُرُوجَ، وَهَمَّ الْمُسْلِمُونَ أَنْ

[754] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ ایک دن مسلمان نماز فجر میں مشغول تھے کہ اچانک رسول اللہ ﷺ سامنے آ گئے۔ آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کا پردہ اٹھایا اور مسلمانوں کی طرف دیکھا جبکہ اس وقت وہ نماز میں صف بستہ تھے۔ آپ ﷺ خوشی کے باعث مسکرانے لگے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے الٹے پاؤں پیچھے ہٹنے لگے تاکہ خود صف میں شامل ہو جائیں کیونکہ انھوں نے سمجھا کہ آپ باہر تشریف لانا چاہتے ہیں۔

1. فتح الباري: 303/2. 2 صحيح البخاري، الأذان، حديث: 684. 3 مسند أحمد: 34/2.

يَفْتَتِنُوا فِي صَلَاتِهِمْ، فَأَشَارَ إِلَيْهِمْ: أَنْ أَتِمُّوا صَلَاتَكُمْ، وَأَرْخَى السِّتْرَ وَتُوُفِّيَ مِنْ آخِرِ ذٰلِكَ الْيَوْمِ. [راجع: ٦٨٠]

اور مسلمانوں نے قصد کرلیا کہ مارے خوشی کے اپنی نماز توڑ دیں لیکن آپ نے انھیں اشارہ فرمایا کہ تم اپنی نماز کو پورا کرو، پھر آپ نے پردہ نیچے کردیا اور اسی دن کے آخری حصے میں آپ کی وفات ہوگئی۔

فائدہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے ثابت کیا ہے کہ نماز کی حالت میں اگر کوئی نئی خاص بات آجائے تو دوران نماز میں اس کی رعایت کی جاسکتی ہے بشرطیکہ اس میں کوئی ایسا عمل نہ کرنا پڑے جو نماز کے منافی ہو جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو الٹے پاؤں پیچھے ہٹ گئے تاکہ خود صف میں شامل ہو جائیں اور آپ کے لیے امامت کی جگہ خالی کردیں، اسی طرح صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی التفات کرکے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، پھر انھوں نے آپ کے اشارے کو بھی ملاحظہ کیا۔[1]

(٩٥) بَابُ وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ فِي الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا، فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ، وَمَا يُجْهَرُ فِيهَا وَمَا يُخَافَتُ

باب:95- سفر وحضر کی تمام سری اور جہری نمازوں میں امام اور مقتدی کے لیے قراءت کا واجب ہونا

وضاحت: نماز میں قراءتِ فاتحہ کے متعلق بعض اہل علم کا موقف ہے کہ نماز میں قراءت فاتحہ فرض نہیں بلکہ مطلق قراءت فرض ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاقْرَءُوْا مَاتَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ ''اور قرآن سے جو میسر ہو پڑھو۔''[2] ان کے نزدیک اس آیت کریمہ میں مطلق قراءت کا ذکر ہے اور وہ ایک آیت بھی ہوسکتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس موقف کی تردید میں مذکورہ بالاعنوان قائم کیا ہے اور اس کے لیے بڑے محتاط الفاظ کا انتخاب کیا ہے، حالانکہ ارشاد باری تعالیٰ: ''قرآن سے جو میسر ہو پڑھو'' سے مراد بھی سورۂ فاتحہ ہے جیسا کہ خود رسول اللہ ﷺ نے اس کی وضاحت فرمائی ہے۔[3] اس عنوان میں امام بخاری رحمہ اللہ نے منفرد نمازی، یعنی اکیلے نماز پڑھنے والے کا ذکر نہیں کیا کیونکہ اس کا حکم امام جیسا ہے۔ پھر سفر کی نماز کا بطور خاص ذکر کیا ہے تاکہ یہ وہم نہ کیا جائے کہ شاید اس میں قراءت ضروری نہیں کیونکہ اس میں کچھ رکعات کم ادا کرنے کی اجازت ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے مذکورہ عنوان میں بڑی جامعیت ہے کہ کوئی بھی نماز ہو اور کوئی بھی شخص ہو، خواہ منفرد ہو، مقتدی ہو یا امام، کسی نمازی کی کوئی نماز قراءت فاتحہ کے بغیر نہیں ہوتی۔ آپ نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ بھی لکھا ہے جس کا نام ''جزء القراءة'' ہے۔ ہم ان شاءاللہ آئندہ فوائد میں اس سے بھی استفادہ کریں گے۔

٧٥٥ - حَدَّثَنَا مُوسٰى قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عُمَيْرٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ: شَكَا أَهْلُ الْكُوفَةِ سَعْدًا إِلَى عُمَرَ

[755] حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ اہل کوفہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی شکایت کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں

1 فتح الباري: 306/2. 2 المزمل 20:73. 3 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 859.

رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، فَعَزَلَهُ وَاسْتَعْمَلَ عَلَيْهِمْ عَمَّارًا، فَشَكَوْا حَتَّى ذَكَرُوا أَنَّهُ لَا يُحْسِنُ يُصَلِّي، فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ فَقَالَ: يَا أَبَا إِسْحَاقَ، إِنَّ هٰؤُلَاءِ يَزْعُمُونَ أَنَّكَ لَا تُحْسِنُ تُصَلِّي، قَالَ: أَمَّا أَنَا وَاللهِ فَإِنِّي كُنْتُ أُصَلِّي بِهِمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللهِ ﷺ، مَا أَخْرِمُ عَنْهَا، أُصَلِّي صَلَاةَ الْعِشَاءِ فَأَرْكُدُ فِي الْأُولَيَيْنِ، وَأُخِفُّ فِي الْأُخْرَيَيْنِ، قَالَ: ذٰلِكَ الظَّنُّ بِكَ يَا أَبَا إِسْحَاقَ، فَأَرْسَلَ مَعَهُ رَجُلًا أَوْ رِجَالًا إِلَى الْكُوفَةِ، فَسَأَلَ عَنْهُ أَهْلَ الْكُوفَةِ، وَلَمْ يَدَعْ مَسْجِدًا إِلَّا سَأَلَ عَنْهُ وَيُثْنُونَ عَلَيْهِ مَعْرُوفًا حَتَّى دَخَلَ مَسْجِدًا لِّبَنِي عَبْسٍ، فَقَامَ رَجُلٌ مِّنْهُمْ يُقَالُ لَهُ: أُسَامَةُ بْنُ قَتَادَةَ - يُكْنٰى أَبَا سَعْدَةَ - قَالَ: أَمَّا إِذْ نَشَدْتَنَا فَإِنَّ سَعْدًا كَانَ لَا يَسِيرُ بِالسَّرِيَّةِ، وَلَا يَقْسِمُ بِالسَّوِيَّةِ، وَلَا يَعْدِلُ فِي الْقَضِيَّةِ: قَالَ سَعْدٌ: أَمَا وَاللهِ لَأَدْعُوَنَّ بِثَلَاثٍ: اَللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ عَبْدُكَ هٰذَا كَاذِبًا، قَامَ رِيَاءً وَّسُمْعَةً، فَأَطِلْ عُمْرَهُ، وَأَطِلْ فَقْرَهُ، وَعَرِّضْهُ بِالْفِتَنِ قَالَ: فَكَانَ بَعْدُ إِذَا سُئِلَ يَقُولُ: شَيْخٌ كَبِيرٌ مَفْتُونٌ أَصَابَتْنِي دَعْوَةُ سَعْدٍ. قَالَ عَبْدُ الْمَلِكِ: فَأَنَا رَأَيْتُهُ بَعْدُ قَدْ سَقَطَ حَاجِبَاهُ عَلَى عَيْنَيْهِ مِنَ الْكِبَرِ، وَإِنَّهُ لَيَتَعَرَّضُ لِلْجَوَارِي فِي الطُّرُقِ يَغْمِزُهُنَّ. [انظر: ٧٥٨، ٧٧٠]

معزول کر کے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو ان (کوفیوں) پر تعینات کر دیا۔ الغرض ان لوگوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی بہت شکایات کیں۔ یہ بھی کہہ دیا کہ وہ اچھی نماز نہیں پڑھتے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں بلا بھیجا اور کہا: اے ابواسحاق! یہ لوگ کہتے ہیں کہ تم نماز اچھی طرح نہیں پڑھتے ہو۔ انھوں نے جواب دیا: اللہ کی قسم! میں انھیں رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھاتا تھا۔ میں نے اس میں ذرہ بھر بھی کوتاہی کو روا نہیں رکھا۔ میں نماز عشاء پڑھاتا تو پہلی دو رکعتوں میں زیادہ دیر لگاتا اور آخری دو رکعتوں میں تخفیف کرتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابو اسحاق! تمھاری نسبت ہمارا گمان یہی ہے۔ پھر آپ نے ایک شخص یا چند اشخاص کو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ہمراہ کوفہ روانہ کیا (تاکہ وہ اہل کوفہ سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے متعلق شکایات کی تحقیق کریں)۔ انھوں نے وہاں جا کر کوئی مسجد نہ چھوڑی جہاں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا حال نہ پوچھا ہو۔ سب لوگوں نے ان کی تعریف کی۔ پھر وہ قبیلۂ عبس کی مسجد میں گئے تو وہاں ایک شخص کھڑا ہوا جس کی کنیت ابو سعدہ تھی اور اسے اسامہ بن قتادہ کہا جاتا تھا، وہ بولا: جب تم نے ہمیں قسم دلائی ہے تو سنیں! سعد (رضی اللہ عنہ) جہاد میں لشکر کے ساتھ خود نہ جاتے تھے اور نہ ہی مال غنیمت میں برابر تقسیم کرتے تھے، نیز مقدمات میں انصاف سے کام نہ لیتے تھے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا: اللہ کی قسم! میں تجھے تین بد دعائیں دیتا ہوں: اے اللہ! اگر تیرا یہ بندہ جھوٹا ہے اور صرف لوگوں کو دکھانے یا سنانے کے لیے کھڑا ہوا ہے تو اس کی عمر دراز کر دے، اس کی فقیری بڑھا دے اور آفتوں میں پھنسا دے۔ (چنانچہ ایسا ہی ہوا) اس کے بعد جب اس سے اس کا حال دریافت کیا جاتا تو کہتا کہ میں ایک آفت رسیدہ، دراز عمر بوڑھا ہوں۔ مجھے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی بددعا

لگ گئی ہے۔ عبدالملک راوی کہتا ہے کہ میں نے بھی اسے دیکھا تھا۔ بڑھاپے کی حالت میں اس کے دونوں ابرو آنکھوں پر گرنے کے باوجود وہ راستے چلتی چھوکریوں کو چھیڑتا اور ان پر دست درازی کرتا پھرتا تھا۔

فوائد و مسائل: ① حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں چودہ ہجری میں ایران فتح کرنے پر مامور کیا، عراق پر بھی ایرانیوں کی حکومت تھی، عراق فتح ہونے کے بعد سترہ ہجری میں وہاں کوفہ اور بصرہ نئے شہر آباد کرنے کا منصوبہ زیر بحث آیا، چنانچہ ان کی نگرانی میں یہ دونوں شہر آباد ہوئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اکیس ہجری تک وہاں کے گورنر رہے، اسی ضمن میں اہل کوفہ کے چند شر پسندوں نے انھیں بدنام کرنے کے لیے ان کے خلاف جھوٹی شکایات کا پلندہ تیار کیا۔ شکایت کرنے والوں میں قبیلۂ بنو اسد کے جراح بن سنان، قبیصہ اور اربد، نیز ان کے علاوہ ایک اور شخص اشعث بن قیس پیش پیش تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں معزول کر کے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کے لیے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بیت المال کی نگرانی اور حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کو مفتوحہ علاقوں کی پیمائش کرنے پر مامور فرمایا۔ روایات میں وضاحت ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تفتیش کی تو تمام شکایات بے سروپا ثابت ہوئیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ان کی بے بسی، عاجزی یا خیانت کی بنا پر معزول نہیں کیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں نماز کے متعلق جو تفصیل بیان کی ہے اسے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کیا۔ اس سے عنوان بالا کے جملہ مقاصد ثابت ہوتے ہیں، چنانچہ شارح بخاری علامہ ابن بطال فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث سعد کو مذکورہ عنوان کے تحت بیان کیا ہے کیونکہ اس میں عشاء کی پہلی دو رکعات کو لمبا اور آخری دو رکعات کو ہلکا کرنے کا بیان ہے۔ اس وضاحت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نماز کی کسی رکعت میں قراءت ترک نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کی نماز جیسی نماز پڑھاتا ہوں۔ جب اس وضاحت کو رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی کے ساتھ ملایا جائے کہ تم اسی طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے تو اس سے نماز میں قراءت کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے۔ چونکہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ امام تھے، اس لیے عنوان کے ایک جز کے ساتھ مطابقت ہوگئی۔ عنوان کے دیگر اجزاء دوسری احادیث سے ثابت ہوتے ہیں جن کی ہم آئندہ وضاحت کریں گے۔ واضح رہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حقیقت حال کا جائزہ لینے کے لیے حضرت محمد بن مسلمہ اور عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہم کو بھیجا تھا۔[1] ② امام بخاری رحمہ اللہ کا وجوب قراءت فاتحہ کے ثبوت میں، حدیث سعد رضی اللہ عنہ کا انتخاب کرنا کوئی اتفاقی حادثہ نہیں بلکہ ہمارے وجدان کے مطابق یہ آپ کی دور اندیشی اور بالغ نظری کا ایک بین اور واضح ثبوت ہے کیونکہ جس طرح سفہائے عراق نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی نماز کے خلاف طوفان بدتمیزی کھڑا کیا، اسی طرح فقہائے عراق نے نماز کی قراءت کو تختۂ مشق بنایا ہے۔ قبیلۂ بنو اسد کے چند اوباش اور شر پسند لوگوں کو مستجاب الدعوات اور صحابی جلیل حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی نماز کے متعلق یہی اعتراض تھا

1 فتح الباري: 2/308-310.

کہ یہ اپنی نماز کی تمام رکعات میں مساوی یا نہ قراءت کیوں نہیں کرتے، اس کے برعکس ان کا پہلی دو رکعات کو طویل کرنا چہ معنی دارد؟ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان جہلاء کے اعتراض کی وضاحت کی ہے۔[1] بلکہ اس جاہلانہ اعتراض کے پیش نظر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان کے متعلق بایں الفاظ تبصرہ فرمایا کہ گنوار مجھے نماز سکھانے کے لیے کھڑے ہوئے ہیں۔[2] فقہائے عراق بھی اسی قراءت کے متعلق تضادات کا شکار ہیں، چنانچہ ان کے ہاں مطلق قراءت فرض ہے، قراءت فاتحہ واجب اور قراءت فاتحہ خلف الامام کے متعلق کوئی نرم گوشہ نہیں بلکہ ان کا کہنا ہے کہ قراءت فاتحہ امام اور منفرد کے لیے پہلی دو رکعات میں واجب ہے۔ اگر ان میں بھی سہواً رہ جائے تو سجدۂ سہو سے کام چل جائے گا، ان رکعات کو دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ واجب کے ترک کر دینے کی تلافی سجدۂ سہو سے ہو سکتی ہے۔ دوسری طرف ان کا یہ قاعدہ ہے کہ اگر دو آیات باہم متعارض ہوں تو وہ محل استدلال سے گر جاتی ہیں، پھر اس قاعدے کی وضاحت اس طرح کی ہے کہ ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ ”قرآن میں سے جو تمھیں آسان ہو، اسے (نماز میں) پڑھو۔“[3] یہ آیت ایک دوسری آیت سے متعارض ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا﴾ ”جب قرآن پڑھا جائے تو خاموشی اختیار کرتے ہوئے اسے بغور سنو۔“[4] ان دونوں آیات کا تعلق نماز سے ہے اور دونوں میں تعارض ہے، لہٰذا دونوں ساقط ہیں اور ان میں سے کسی کو بطور دلیل نہیں پیش کیا جا سکتا۔[5] واضح رہے کہ فقہائے عراق نے مطلق قراءت کی فرضیت کے لیے سورۂ مزمل کی مذکورہ بالا آیت کو بطور دلیل پیش کیا اور فاتحہ خلف الامام سے راہ فرار اختیار کرنے کے لیے سورۂ اعراف کی مذکورہ آیت کو بطور ڈھال استعمال کیا، دوسری طرف ان دونوں آیات کو محل استدلال سے ساقط کر دکھایا۔ واضح رہے کہ قرآن کریم کی صراحت کے مطابق اس میں کوئی اختلاف یا آیات میں باہمی تعارض نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾ ”اگر یہ قرآن اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو لوگ اس میں بہت زیادہ اختلاف پاتے۔“[6] سرسری نظر سے دیکھنے سے جو اختلافات نظر آتے ہیں اس کی وجہ عدم رسوخ یا قرآن کریم کے جملہ مضامین پر پوری طرح مطلع نہ ہونا ہے۔

٧٥٦ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِاللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ مَحْمُودِ بْنِ الرَّبِيعِ، عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَاصَلَاةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ».

[756] حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی، اس کی نماز ہی نہیں ہوئی۔

فوائد و مسائل: ① یہ روایت صحیحین، سنن اربعہ، مسند امام احمد، سنن دارقطنی، مسند ابی عوانہ، سنن بیہقی، سنن دارمی، کتاب القراءۃ، جزء القراءۃ اور احادیث کی تقریباً تمام کتابوں میں موجود ہے بلکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو متواتر قرار دیا ہے۔

---

1 فتح الباري: 309/2. 2 صحيح مسلم، الصلاة، حديث: 1019 (453). 3 المزمل 20:73. 4 الأعراف 204:7.
5 نور الأنوار، طبع مكتبه رحمانيه، لاهور، ص: 194,193. بَحْثُ وُقُوعِ التَّعَارُضِ بَيْنَ الْحِجَجِ. 6 النسآء 82:4.

فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ ام القرآن، یعنی فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔[1] اس حدیث کے متعلق علامہ عینی نے لکھا ہے: اس حدیث سے عبداللہ بن مبارک، اوزاعی، مالک، شافعی، احمد، اسحاق، ابوثور اور داود ظاہری رحمہم اللہ نے تمام نمازوں میں فاتحہ خلف الامام پڑھنے کے وجوب پر استدلال کیا ہے۔[2] علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے پیش نظر سورۂ فاتحہ امام اور مقتدی پر ہر نماز میں پڑھنا واجب ہے۔[3] واضح رہے کہ قراءت فاتحہ نماز کے ارکان میں سے ہے اور رکن ایسی چیز کو کہتے ہیں کہ واجب التعمیل کام اس کے بغیر مکمل نہ ہو۔ اور رکن کے نہ ہونے سے شریعت کی نظر میں اس کام کا کوئی اعتبار نہ ہو۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے ارکان نماز کے متعلق لکھا ہے کہ جسے رسول اللہ ﷺ نے لفظ رکن سے ذکر کیا ہو، جیسے آپ نے فرمایا: ''فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔'' نیز آپ کا فرمان ہے کہ آدمی کی نماز جائز نہیں جب تک وہ رکوع اور سجود میں اپنی پشت کو سیدھا نہ کرے اور جسے شارع نے نماز کہا ہے، نماز کے لیے اس کے رکن ہونے کی بڑی زبردست تنبیہ ہے۔[4] پھر یہ بھی قاعدہ ہے کہ لائے نفی جنس کی خبر جب محذوف ہو تو اس میں وجود کی نفی مراد ہوتی ہے الا یہ کہ وہاں کوئی قرینۂ صارفہ موجود ہو۔ حدیث مذکور میں بھی لانفی جنس کے لیے ہے جس کے معنی ہیں کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز کا سرے سے وجود ہی برقرار نہیں رہتا۔ اسے لائے نفی کمال قرار دینا محض سینہ زوری ہے۔ ② حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت مختصر ہے۔ مفصل روایت میں امام کے پیچھے جہری نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کی صراحت ہے، چنانچہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نماز فجر میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے تھے۔ آپ نے قرآن پڑھا تو آپ پر قراءت کرنا بھاری ہو گیا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: ''شاید تم اپنے امام کے پیچھے کچھ پڑھتے ہو؟'' ہم نے عرض کیا: ہاں، اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: ''فاتحہ کے سوا اور کچھ نہ پڑھا کرو کیونکہ اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتا۔''[5] اس روایت کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے صحیح جبکہ امام ترمذی اور دار قطنی نے حسن کہا ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے دو فائدے حاصل ہوتے ہیں: ① امام کے پیچھے قرآن کریم پڑھنے کی اجازت نہیں۔ ② امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔ یہ بات واضح اور ظاہر ہے، لہٰذا اس کے متعلق تردد مناسب نہیں۔[6] اس مفصل روایت پر ایک اعتراض ہے کہ اس میں محمد بن اسحاق نامی راوی ناقابل اعتبار ہے، اس لیے یہ روایت قابل حجت نہیں۔ اس اعتراض کے متعلق ہمارے مندرجہ ذیل ملاحظات ہیں: * ابن اسحاق کے متعلق امام ابوزرعہ دمشقی فرماتے ہیں کہ ابن اسحاق وہ آدمی ہیں جن سے روایت لینے میں بڑے بڑے اہل علم متفق ہیں۔ اہل حدیث نے ان کے متعلق جانچ پڑتال کی تو انھیں صدوق پایا۔[7] * جمہور ائمۂ حدیث نے ابن اسحاق کو ثقہ اور حسن الحدیث قرار دیا ہے، لہٰذا ان پر جرح ناقابل التفات ہے۔ ابن اسحاق پر اعتراض کرنے والوں نے متعدد مسائل میں ابن اسحاق سے مروی احادیث سے استدلال کیا ہے، چنانچہ بطور مثال چند ایک مرویات کا حوالہ پیش خدمت ہے۔ ① چور کا ہاتھ کاٹنے پر اتفاق ہے لیکن کتنی مالیت کی چوری پر

---

1 جزء القراءة، حديث: 27. 2 عمدة القاري: 644/4. 3 صحيح البخاري بشرح الكرماني: 124/2. 4 حجة الله البالغة: 4/2. 5 جامع الترمذي، الصلاة، حديث: 311. 6 السيل الجرار، طبع دارا بن حزم، ص: 215/2. 7 تهذيب التهذيب: 42/9.

ہاتھ کاٹا جائے؟ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اگر دس درہم مالیت کی چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ اس سلسلے میں بطور دلیل جو روایت پیش کی ہے اس میں محمد بن اسحاق موجود ہے۔[1] ٭ نماز فجر کو خوب روشن وقت میں پڑھنے کے متعلق جو حدیث پیش کی جاتی ہے، جسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے وہ بھی ابن اسحاق کے واسطے سے مروی ہے۔[2] ③ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت متعدد ایسے طرق سے مروی ہے جس میں ابن اسحاق راوی نہیں ہے، مثلاً: ٭ امام دارقطنی، امام حاکم اور امام بیہقی رحمہم اللہ نے یہ روایت بواسطہ سعید بن عبدالعزیز عن مکحول ذکر کی ہے۔[3] ٭ امام بیہقی رحمہ اللہ نے یہ روایت بواسطہ العلا بن حارث عن مکحول ذکر کی ہے۔[4] ٭ امام بیہقی رحمہ اللہ نے یہ حدیث بواسطہ زید بن واقد عن مکحول بیان کی ہے۔[5] اس قسم کے استنادی مباحث کا مطالعہ کرنے کے لیے "توضيح الكلام في وجوب القراءة خلف الإمام" مفید رہے گی۔ ④ فاتحہ خلف الامام کے متعلق دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی مرویات حسب ذیل ہیں: ٭ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز پڑھائی، جب فارغ ہوئے تو ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: "جب امام قراءت کر رہا ہوتا ہے تو کیا تم نماز میں قراءت کرتے ہو؟" وہ سب خاموش رہے۔ آپ نے تین مرتبہ یہ سوال دہرایا، پھر انھوں نے کہا کہ ہاں! ہم ایسا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: "ایسا مت کیا کرو بلکہ ہر ایک اپنے جی میں صرف فاتحہ پڑھا کرے۔"[6] امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس روایت کو اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔[7] ٭ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس شخص نے نماز پڑھی اور اس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی وہ (نماز) ناقص ہے، ناقص ہے، ناقص ہے پوری نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: ہم امام کے پیچھے ہوتے ہیں (پھر بھی پڑھیں؟) تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں، تو اس کو اپنے جی میں پڑھ۔[8] قراءة في النفس کا معنی زبان کے ساتھ آہستہ پڑھنا ہے، چنانچہ ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں کہ اس کا معنی ہے: آہستہ پڑھ، بلند آواز سے نہ پڑھ۔[9] ٭ محمد بن ابو عائشہ رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "شاید تم اس وقت قراءت کرتے ہو جب امام پڑھ رہا ہوتا ہے؟" صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ہاں، ہم پڑھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: "فاتحہ کے علاوہ اور کچھ نہ پڑھا کرو۔"[10] علامہ ہیثمی رحمہ اللہ اس روایت کے متعلق فرماتے ہیں کہ مسند امام احمد کی اس روایت کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔[11] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔[12] ان کے علاوہ اور بھی روایات ہیں جنھیں ہم اندیشۂ طوالت کے پیش نظر چھوڑ رہے ہیں۔ واللہ المستعان. ان احادیث کے مطابق جمہور علمائے حدیث کا موقف ہے کہ مقتدی کے لیے سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے جبکہ کچھ اہل علم کا خیال ہے کہ مقتدی کے لیے امام کی قراءت ہی کافی ہے، اسے فاتحہ پڑھنا ضروری نہیں، حالانکہ مقتدی کو امام کی وہ قراءت کافی ہوتی ہے جو فاتحہ کے علاوہ ہو کیونکہ ان احادیث کے پیش نظر فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی، خواہ وہ امام کے پیچھے ہی کیوں نہ ہو۔

---

1 شرح معاني الآثار : 361/3. 2 جامع الترمذي، الصلاة، حديث : 154. 3 السنن الكبرٰى للبيهقي : 165/2. 4 كتاب القراءت. 5 السنن الكبرٰى للبيهقي : 165/2. 6 السنن الكبرٰى للبيهقي : 166/2. 7 موارد الظمآن، باب القراءة في الصلاة : 173/2، 174، حديث : 126. 8 صحيح مسلم، الصلاة، حديث : 878 (395). 9 مرقاة المفاتيح : 578/2، 579. 10 مسند أحمد : 236/4. 11 مجمع الزوائد : 111/2. 12 تلخيص الحبير : 231/1.

٧٥٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ أَبِي سَعِيدٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَدَخَلَ رَجُلٌ فَصَلّٰى فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَرَدَّ، فَقَالَ: «ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ»، فَرَجَعَ فَصَلّٰى كَمَا صَلّٰى، ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: «ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ»، ثَلَاثًا، فَقَالَ: وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا أُحْسِنُ غَيْرَهُ، فَعَلِّمْنِي، فَقَالَ: «إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَكَبِّرْ، ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ، ثُمَّ ارْكَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَعْتَدِلَ قَائِمًا، ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا، وَافْعَلْ ذٰلِكَ فِي صَلَاتِكَ كُلِّهَا». [انظر: ٧٩٣، ٦٢٥١، ٦٢٥٢، ٦٦٦٧]

[757] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے، اتنے میں ایک آدمی آیا اور اس نے نماز پڑھی پھر اس نے نبی ﷺ کو سلام کیا۔ آپ نے (سلام کا جواب دینے کے بعد) فرمایا: ''واپس جاؤ اور نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی۔'' وہ آدمی واپس گیا اور اسی طرح نماز پڑھی جیسے اس نے (پہلے) پڑھی تھی۔ پھر اس نے آ کر نبی ﷺ کو سلام کیا۔ آپ نے (سلام کا جواب دینے کے بعد) فرمایا: ''واپس جاؤ اور نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی۔'' پھر اسی طرح تین دفعہ ہوا۔ بالآخر اس نے کہا: قسم ہے اس اللہ کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں اس سے اچھی نماز نہیں پڑھ سکتا، لہٰذا آپ مجھے بتا دیجیے۔ آپ نے فرمایا: ''اچھا جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اللہ اکبر کہو، پھر قرآن سے جو تمھیں یاد ہو پڑھو۔ اس کے بعد اطمینان سے رکوع کرو، پھر سر اٹھاؤ اور سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ پھر سجدہ کرو اور سجدے میں اطمینان سے رہو۔ پھر سر اٹھا کر اطمینان سے بیٹھ جاؤ، اسی طرح اپنی پوری نماز مکمل کرو۔''

فوائد ومسائل: ① ابوداود کی روایت میں "مَاتَيَسَّرَ" کی تفسیر بیان ہوئی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: تکبیر تحریمہ کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھ۔ ابوداود کے بعض طرق میں یہ الفاظ ہیں کہ اگر تجھے قرآن یاد ہے تو اس سے کچھ پڑھ، اگر قرآن یاد نہیں تو الحمد للّٰہ، اللّٰہ أکبر اور لا إله إلا اللّٰہ پڑھتا رہ۔ جب حدیث کے الفاظ کو جمع کیا جاتا ہے تو اس طرح ترتیب بنتی ہے کہ پہلا درجہ سورۂ فاتحہ کا ہے۔ اگر یہ سورت یاد نہیں تو قرآن کریم کی کوئی بھی سورت یا آیت پڑھی جا سکتی ہے۔ اگر بالکل قرآن کریم سے ناواقف ہے تو اللہ کا ذکر اس کے قائم مقام ہو سکتا ہے۔[1] حدیث میں ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کرنے لگا: یارسول اللہ! میں قرآن میں سے کچھ بھی یاد نہیں کر سکتا، مجھے قراءت کی جگہ کافی ہونے والی کوئی چیز بتا دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لو یہ کلمات کہا کرو: [سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ][2] ② امام بخاری ؒ نے جو حدیث پیش کی ہے یہ حدیث مسیئ الصلاۃ کے نام سے مشہور ہے۔ اس پر

1. فتح الباري: 315/2. 2. سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 832.

ابن حبان نے بایں الفاظ عنوان قائم کیا ہے: ''نمازی کے لیے ہر رکعت میں فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔'' نماز میں فاتحہ پڑھنے کی اہمیت اس قدر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فاتحہ کو نماز قرار دیا ہے، چنانچہ حدیث قدسی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان تقسیم کر دیا ہے اور بندہ جو سوال کرے گا، اسے ضرور ملے گا، چنانچہ جب بندہ کہتا ہے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری تعریف کی ہے۔ اور جب بندہ کہتا ہے: ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی ہے۔ اور جب بندہ کہتا ہے: ﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے اپنے معاملات میرے سپرد کر دیے ہیں۔ اور جب بندہ کہتا ہے: ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے۔ پھر جب بندہ کہتا ہے: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ، صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ، غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرا بندہ جو مانگے گا میں اسے ضرور دوں گا۔''[1] آخر میں ہم فاتحہ خلف الامام کے قائلین صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا موقف پیش کرتے ہیں: ❁ کسی نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ میں امام کے پیچھے قراءت کروں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ سائل نے عرض کیا: اگرچہ آپ قراءت کر رہے ہوں؟ فرمایا: ہاں، اگرچہ میں قراءت کر رہا ہوں۔[2] ❁ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھو۔[3] ❁ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فاتحہ خلف الامام کے متعلق فرمایا کہ اسے آہستہ اپنے جی میں پڑھو۔[4] ❁ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فاتحہ خلف الامام کے متعلق فرمایا کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھو۔[5] ❁ حضرت انس رضی اللہ عنہ بھی امام کے پیچھے قراءت فاتحہ کا حکم دیتے تھے۔[6] ❁ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بھی قراءت فاتحہ خلف الامام کے قائل اور فاعل تھے۔[7] ❁ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بھی یہی موقف تھا۔ حضرت مجاہد انھیں امام کے پیچھے قراءت کرتے سنا کرتے تھے۔[8] ❁ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بھی امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کے قائم و فاعل تھے۔[9] نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کی مشروعیت اس طرح بھی ثابت ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ﴾ ''اور ہم نے آپ کو سات بار بار دہرائی جانے والی آیات اور قرآن عظیم عطا کیا ہے۔''[10] رسول اللہ ﷺ نے بذاتِ خود وضاحت فرمائی ہے کہ سورۂ فاتحہ ہی سات بار بار دہرائی جانے والی آیات ہیں۔[11] مفسر قرآن حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ نماز فرض ہو نفل ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ دہرائی جاتی ہے۔[12] مذکورہ حدیث و آثار اور تعامل صحابہ کے مقابلے میں فقہائے عراق کا ردعمل بھی ملاحظہ فرمائیں: شیخ الحنفیہ نعمان الوقت شیخ خواہر زادہ فرماتے ہیں کہ اگر مقتدی امام کے پیچھے قراءت کرے تو اس کی نماز فاسد ہوگی۔ معروف حنفی بزرگ عبداللہ البلخی فرماتے ہیں کہ مقتدی امام کے پیچھے قراءت کرے تو اس کے منہ میں مٹی ڈالی جائے بلکہ یہ بھی کہا گیا کہ اس کے دانت توڑ دیے جائیں۔ خلاصۂ کیدانی کے مصنف لکھتے ہیں کہ قراءت

1 صحيح مسلم، الصلاة، حديث: 878(395)، و مسند أحمد: 241/2. 2 المستدرك للحاكم: 239/1. 3 المصنف لابن أبي شيبة: 375/1. 4 صحيح مسلم، الصلاة، حديث: 878(395). 5 جزء القراءة، حديث: 57. 6 كتاب القراءت للبيهقي، حديث: 231. 7 السنن الكبرٰى للبيهقي: 165/2. 8 جزء القراءة، حديث: 60. 9 جزء القراءة، حديث: 52. 10 الحجر 87:15. 11 صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4704. 12 تفسير الطبري: 39/14.

خلف الامام حرام ہے۔ مذکورہ تمام حوالہ جات مولانا عبدالحی لکھنوی کی کتاب امام الکلام سے ماخوذ ہیں۔ درمختار میں منقول ہے کہ امام کے پیچھے قراءت کرنے والا فاسق اور اس کی نماز باطل ہے۔[1] مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی رحمہ اللہ نے صاف صاف اظہار حق کیا ہے، فرماتے ہیں: کسی مرفوع حدیث میں فاتحہ خلف الامام کی ممانعت نہیں ہے اور مخالفین جو بھی مرفوع احادیث پیش کرتے ہیں وہ صحیح نہیں ہیں یا وہ بالکل بے اصل ہیں۔[2]

(٩٦) بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الظُّهْرِ

باب:96-نماز ظہر میں قراءت کا بیان

وضاحت: اس عنوان سے امام بخاری رحمہ اللہ کا کیا مقصود ہے؟ اس کے متعلق تین احتمال ہیں: * مطلق طور پر قراءت کو ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ سری نمازوں میں بھی قراءت ضروری ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا موقف ہے کہ سری نمازوں میں قراءت ضروری نہیں۔ * اس سے نماز ظہر میں قراءت کی مقدار بیان کرنا مقصود ہے کہ اس میں کس قدر قراءت ہونی چاہیے۔ * اس سے مقصود ان سورتوں کا بیان ہے جو نماز ظہر میں پڑھی جاتی تھیں۔ لیکن پہلا احتمال راجح ہے کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے دوسرے اور تیسرے احتمال کے متعلق کوئی تعرض نہیں کیا بلکہ آپ نے اپنی دوسری تالیف میں ایک عنوان اس طرح قائم کیا ہے: ''نماز ظہر کی تمام چار رکعات میں قراءت کا بیان۔''[3] اس سلسلے میں انھوں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی ایک روایت پیش کی ہے، فرماتے ہیں: (ظہر کی) پہلی دو رکعات میں سورۂ فاتحہ اور کوئی ایک سورت پڑھی جائے اور آخری دو رکعات میں فاتحہ پڑھی جائے اور ہم آپس میں باتیں کیا کرتے تھے کہ کوئی نماز بھی فاتحہ کے بغیر نہیں ہوتی۔[4] ایک روایت میں ہے کہ ہم نماز ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعات میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ اور کوئی ایک سورت اور آخری دو رکعات میں فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔[5]

٧٥٨ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ جَابِرِ ابْنِ سَمُرَةَ قَالَ: قَالَ سَعْدٌ كُنْتُ أُصَلِّي بِهِمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللهِ ﷺ صَلَاتَيِ الْعَشِيِّ لَا أَخْرِمُ عَنْهَا، كُنْتُ أَرْكُدُ فِي الْأُولَيَيْنِ وَأَحْذِفُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ، فَقَالَ عُمَرُ ذَاكَ الظَّنُّ بِكَ. [راجع: ٧٥٥]

[758] حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اہل کوفہ کو (بعد از دوپہر) شام کی دونوں نمازیں رسول اللہ ﷺ کی نماز کی طرح پڑھاتا تھا، یعنی ان میں کسی قسم کی کمی نہیں کرتا تھا۔ میں پہلی دو رکعات میں دیر لگاتا اور آخری دو رکعات میں تخفیف کرتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا بھی تمھارے متعلق یہی گمان تھا۔

فائدہ: امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہ ہے کہ امام، منفرد اور مقتدی کے لیے نماز میں قراءت کی رکنیت و فرضیت کو ثابت کیا جائے، چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنی نماز کو رسول اللہ ﷺ کی نماز کے متعلق قرار دیا ہے اور رسول اللہ ﷺ

---

1 درمختار: 544/1. 2 التعليق الممجد: 101/1. 3 جزء القراءة، باب: 7. 4 جزء القراءة، حديث: 280.
5 سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات والسنة فيها، حديث: 843.

ہمیشہ ہی ہر رکعت میں قراءت کرتے تھے۔ اس سے فرضیت ثابت ہوتی ہے۔ اور پھر آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ آپ کا یہ امر وجوب کے لیے ہے۔ ایک روایت میں صلاۃ عشاء کا ذکر ہے اور یہاں بعد از دوپہر شام کی دونوں نمازوں کا بیان ہے۔ صلاۃ عشاء سے امام بخاری ؒ کا مقصود ثابت نہیں ہوتا، اس لیے صلاۃ عشاء والی روایت کے راوی کا وہم ہے۔ واضح رہے کہ ابوداود طیالسی، مصنف عبدالرزاق اور صحیح ابی عوانہ میں بھی پچھلے پہر کی دو نمازوں کا ذکر ہے اور یہی راجح اور صحیح ہے۔ چونکہ اہل کوفہ کی شکایت ان دونوں نمازوں سے متعلق تھی، اس لیے بطور خاص انھی دو نمازوں کو ذکر کیا گیا ہے۔ والله أعلم.

٧٥٩ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيٰى، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ مِنْ صَلَاةِ الظُّهْرِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُورَتَيْنِ يُطَوِّلُ فِي الْأُولٰى وَيُقَصِّرُ فِي الثَّانِيَةِ، وَيُسْمِعُ الْآيَةَ أَحْيَانًا، وَكَانَ يَقْرَأُ فِي الْعَصْرِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُورَتَيْنِ، وَكَانَ يُطَوِّلُ فِي الْأُولٰى، وَكَانَ يُطَوِّلُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولٰى مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ، وَيُقَصِّرُ فِي الثَّانِيَةِ. [انظر: ٧٦٢، ٧٧٦، ٧٧٨، ٧٧٩]

[759] حضرت ابوقتادہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نماز ظہر کی پہلی دو رکعات میں سورۂ فاتحہ اور دو سورتیں پڑھتے تھے۔ پہلی رکعت کو لمبا کرتے اور دوسری رکعت کو چھوٹا کرتے تھے، نیز کبھی کبھی کوئی آیت سنا بھی دیتے تھے۔ نماز عصر میں بھی سورۂ فاتحہ اور دیگر دو سورتیں تلاوت فرماتے اور پہلی رکعت کو دوسری رکعت سے کچھ لمبا کرتے۔ اسی طرح صبح کی نماز میں بھی پہلی رکعت کو طویل اور دوسری کو مختصر کرتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ظہر کی پہلی دو رکعات میں سے ہر رکعت میں تیس آیات کے برابر قراءت کرتے اور دوسری دو رکعات میں پندرہ آیات کے برابر تلاوت فرماتے، نیز عصر کی پہلی دو رکعات میں سے ہر رکعت میں پندرہ آیات کے برابر قراءت کرتے اور دوسری دو رکعات میں اس سے نصف کے بقدر قراءت کرتے تھے۔[1] صحابۂ کرام ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پہلی رکعت کو اس قدر لمبا اس لیے کرتے تھے کہ نمازی پہلی رکعت میں شریک ہوسکیں۔[2] ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ظہر اور عصر کی آخری دو رکعات میں سورۂ فاتحہ کے بعد قراءت کرنا بھی مسنون ہے اور کبھی آپ آخری دو رکعات میں صرف فاتحہ ہی پڑھتے تھے جیسا کہ حدیث الباب میں وضاحت ہے۔ بعض اوقات رسول اللہ ﷺ کی قراءت طویل ہوجاتی تھی، چنانچہ حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ نماز ظہر کے لیے اقامت ہوئی تو ایک شخص اپنے گھر سے بقیع کی طرف قضائے حاجت کے لیے گیا، وہاں سے فارغ ہوکر اپنے گھر آیا، وضو کیا، پھر مسجد میں آیا تو معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ ابھی تک پہلی رکعت میں ہیں۔[3]

---

1. مسند أحمد: 3/2. 2. سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 800. 3. صحيح مسلم، الصلاة، حديث: 1020(454).

٧٦٠ - حَدَّثَنَا عُمَرُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: حَدَّثَنِي عُمَارَةُ عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ قَالَ: سَأَلْنَا خَبَّابًا، أَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ؟ قَالَ: نَعَمْ قُلْنَا: بِأَيِّ شَيْءٍ كُنْتُمْ تَعْرِفُونَ ذٰلِكَ؟ قَالَ: بِاضْطِرَابِ لِحْيَتِهِ. [راجع: ٧٤٦]

[760] حضرت ابومعمر سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: آیا نبی ﷺ ظہر اور عصر میں قراءت کیا کرتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں۔ پھر ہم نے عرض کیا کہ آپ لوگوں کو کیسے معلوم ہوتا تھا؟ انھوں نے فرمایا کہ ہمیں آپ کی ڈاڑھی مبارک کی جنبش سے پتہ چلتا تھا۔

فوائد و مسائل: ① بعض حضرات نے کہا ہے کہ محض ڈاڑھی کی حرکت سے قراءت پر استدلال تام نہیں ہے کیونکہ اس سے کچھ پڑھنے کا پتہ چلتا ہے ممکن ہے کہ دعا یا ذکر وغیرہ پڑھتے ہوں لیکن صحابی حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے ڈاڑھی کی جنبش کو قراءت کا قرینہ قرار دیا ہے کیونکہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو جہری نمازوں میں دیکھا تھا کہ یہ محل قراءت کا ہے دعا یا ذکر کا نہیں ہے۔ اس کے ساتھ جب حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی بات کو شامل کر لیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں کبھی کبھی کوئی آیت سنا بھی دیتے تھے بلکہ بعض روایات میں سورۂ لقمان اور سورۂ ذاریات کی آیات سنانے کی صراحت ہے۔ اور ابن خزیمہ کی روایت میں ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى﴾ اور ﴿هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ﴾ پڑھنے کی وضاحت ہے۔ ② ان شواہد سے معلوم ہوا کہ ڈاڑھی کی حرکت یہاں قراءت ہی کو ظاہر کرتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ظہر اور عصر کی نمازوں میں سری قراءت کرتے تھے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ آہستہ قراءت کے لیے ضروری ہے کہ زبان اور ہونٹ حرکت کریں اور انسان خود کو سنا سکے۔ ہونٹ بند کر کے زبان کو حرکت دیے بغیر پڑھنا اس سے ڈاڑھی کو حرکت نہیں ہوتی۔ واللہ أعلم.

(٩٧) بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْعَصْرِ

باب: 97- نماز عصر میں قراءت کا بیان

٧٦١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ قَالَ: قُلْنَا لِخَبَّابِ بْنِ الْأَرَتِّ: أَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: قُلْتُ: بِأَيِّ شَيْءٍ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ قِرَاءَتَهُ؟ قَالَ: بِاضْطِرَابِ لِحْيَتِهِ. [راجع: ٧٤٦]

[761] حضرت ابومعمر سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: آیا نبی ﷺ ظہر اور عصر کی نماز میں قراءت کیا کرتے تھے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں۔ میں نے عرض کیا: آپ حضرات کو رسول اللہ ﷺ کی قراءت کا کیسے پتہ چلتا تھا؟ انھوں نے فرمایا: آپ کی ڈاڑھی مبارک کے حرکت کرنے کی وجہ سے۔

٧٦٢ - حَدَّثَنَا مَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ

[762] حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ نے فرمایا کہ نبی ﷺ ظہر اور عصر کی دو رکعات میں سورۂ فاتحہ اور

عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ، وَسُورَةٍ سُورَةٍ، وَيُسْمِعُنَا الْآيَةَ أَحْيَانًا. [راجع: ٧٥٩]

کوئی ایک ایک سورت پڑھتے تھے۔ اور کبھی کبھار ہمیں ایک آدھ آیت سنا بھی دیتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① یہ احادیث پہلے گزر چکی ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود نماز عصر میں قراءت کو ثابت کرنا ہے، چنانچہ ان احادیث میں اس کی صراحت ہے۔ اس کے علاوہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز ظہر میں ﴿وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى﴾ پڑھتے تھے، ایک دوسری روایت میں ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى﴾ پڑھنے کا ذکر ہے اور عصر میں بھی اس کی مانند کوئی سورت پڑھتے تھے اور نماز فجر میں لمبی سورتیں پڑھتے تھے۔[1] حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک دوسری روایت میں رسول اللہ ﷺ کا نماز ظہر اور عصر میں ﴿وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ﴾ اور ﴿وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ﴾ پڑھنے کا ذکر ہے۔[2] ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ان احادیث سے سری نمازوں میں بعض اوقات بآواز بلند پڑھنے کا جواز ملتا ہے اور ایسا کرنے پر سجدۂ سہو لازم نہیں ہوتا جیسا کہ احناف نے کہا ہے، خواہ رسول اللہ ﷺ بعض اوقات بیان جواز کے لیے دانستہ ایسا کرتے ہوں یا قرآن مجید میں تدبر کرتے ہوئے غیر شعوری طور پر بعض آیات کو بآواز بلند پڑھتے ہوں۔[3]

(٩٨) بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْمَغْرِبِ

باب: 98- نماز مغرب میں قراءت کا بیان

وضاحت: اس عنوان کے تحت نماز مغرب میں قراءت کا اندازہ اور مقدار بیان کرنا مقصود ہے۔ سابقہ ابواب کی طرح اس میں نفس قراءت کا اثبات مراد نہیں کیونکہ نماز مغرب میں قراءت بآواز بلند ہوتی ہے، اس لیے نفس قراءت کے اثبات کی چنداں ضرورت نہیں۔[4]

٧٦٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ ابْنِ عُتْبَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ قَالَ: إِنَّ أُمَّ الْفَضْلِ سَمِعَتْهُ وَهُوَ يَقْرَأُ ﴿وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا﴾ فَقَالَتْ: وَاللهِ يَا بُنَيَّ لَقَدْ ذَكَّرْتَنِي بِقِرَاءَتِكَ هٰذِهِ السُّورَةَ، إِنَّهَا لَآخِرُ مَا سَمِعْتُ مِنْ رَّسُولِ اللهِ ﷺ، يَقْرَأُ بِهَا فِي الْمَغْرِبِ. [انظر: ٤٤٢٩]

[763] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ (ان کی والدہ) ام الفضل رضی اللہ عنہا نے انھیں سورۂ ﴿وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا﴾ پڑھتے سنا تو کہنے لگیں: میرے بیٹے! تو نے یہ سورت پڑھ کر مجھے یاد دلا دیا کہ یہی وہ آخری سورت ہے جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی۔ آپ یہ سورت نماز مغرب میں پڑھ رہے تھے۔

---

(1) صحيح مسلم، الصلاة، حديث :1029، 1030 (459، 460). 2 سنن أبي داود، الصلاة، حديث : 805. 3 فتح الباري : 317/2. (4) فتح الباري : 319/2.

فوائد و مسائل: ① ایک روایت میں حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا نے صراحت فرمائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آخری نماز پڑھائی تھی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو فوت کرلیا تھا۔ [1] جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی مرض وفات میں آخری نماز ظہر کی پڑھائی تھی جیسا کہ صحیح بخاری (حدیث :687) میں ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس تعارض کو اس طرح دور فرمایا ہے کہ حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا نے جس نماز مغرب کا ذکر کیا ہے وہ آپ نے اپنے گھر میں پڑھی تھی جیسا کہ سنن نسائی میں ہے۔ [2] اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جس نماز ظہر کا بیان کیا ہے وہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں پڑھائی تھی جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے لیکن جامع ترمذی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہماری طرف اس حالت میں نکلے کہ آپ نے بیماری کی وجہ سے اپنے سر پر پٹی باندھ رکھی تھی، پھر آپ نے مغرب کی نماز پڑھی۔ [3] اس روایت کی توجیہ اس طرح ممکن ہے کہ آپ جہاں آرام فرما تھے وہاں سے نماز کے لیے باہر تشریف لائے، یعنی اپنے کمرے سے باہر صحن میں تشریف لائے۔ اس طرح تمام روایات میں تطبیق ہوسکتی ہے اور ان کے درمیان کوئی تعارض نہیں رہتا۔ [4] ② مغرب کی نماز کا وقت چونکہ مختصر ہے، اس لیے بالعموم چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھی جاتی ہیں لیکن اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کبھی کبھار کوئی بڑی سورت بھی پڑھ لی جائے تو کوئی حرج نہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ آپ نے ایک دفعہ مغرب میں سورۂ ''والطّور'' پڑھی تھی۔ [5] ایک روایت میں سورۂ الدخان پڑھنے کا ذکر بھی ہے۔ [6] یہ بھی مسنون طریقہ ہے۔ واللّٰہ أعلم.

٧٦٤ - حَدَّثَنِي أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَ: قَالَ لِي زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ: مَا لَكَ تَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِقِصَارٍ، وَقَدْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ بِطُولَى الطُّولَيَيْنِ؟.

[764] مروان بن حکم سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ مجھے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو نماز مغرب میں چھوٹی چھوٹی سورتیں (قصار) پڑھتا ہے جبکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز مغرب میں دو بڑی سورتوں میں سے زیادہ بڑی سورت پڑھتے ہوئے سنا ہے۔

فوائد و مسائل: ① دیگر روایات میں وضاحت ہے کہ مروان بن حکم اس وقت مدینے کا گورنر تھا اور اس نے نماز مغرب میں سورۂ اخلاص اور سورۂ کوثر پڑھیں۔ اس پر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے عمل سے تنبیہ فرمائی۔ [7] روایت میں دو بڑی سورتوں میں سے بڑی سورت کی صراحت بھی ہے کہ وہ سورۂ اعراف ہے، [8] نیز راوی نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مغرب کی پہلی دونوں رکعتوں میں سورۂ اعراف پڑھی تھی، یعنی کچھ حصہ پہلی رکعت میں اور کچھ حصہ دوسری رکعت میں تلاوت فرمایا۔ [9] ② قرآنی سورتوں کی چھوٹی بڑی ہونے کے اعتبار سے چار اقسام ہیں: ● سبع طوال: سات لمبی سورتیں۔ اس سے مراد سورۂ بقرہ سے سورۂ توبہ تک سات سورتیں ہیں۔ واضح رہے کہ مضمون کے اعتبار سے سورۂ انفال اور سورۂ

1 صحيح البخاري، المغازي حديث :4429. 2 سنن النسائي، الصلاة، حديث :986. 3 جامع الترمذي، الصلاة، حديث :308. 4 فتح الباري: 319/2. 5 سنن النسائي، الصلاة، حديث :988. 6 سنن النسائي، الصلاة، حديث :989. 7 سنن النسائي، الصلاة، حديث :990. 8 سنن النسائي، الصلاة، حديث :991. 9 سنن النسائي، الصلاة، حديث :992.

توبہ کو ایک ہی شمار کیا گیا ہے۔ ۞ مئین: اس سے مراد وہ سورتیں ہیں جن کی آیات کم از کم سو یا اس سے زیادہ ہوں۔ یہ سورۂ یونس سے سورۂ طٰہٰ تک ہیں۔ ۞ مثانی: وہ سورتیں جن کی آیات سو سے کم ہوں۔ یہ سورتیں سورۂ انبیاء سے سورۂ فتح تک ہیں۔ ۞ مفصل: اس سے مراد وہ سورتیں ہیں جن میں بکثرت بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے ذریعے سے فاصلہ آیا ہے۔ ان کی تین اقسام ہیں: ٭ طوال مفصل: سورۂ قٓ سے سورۂ عم یتساءلون تک۔ ٭ اوساط مفصل: سورۂ نازعات سے سورۂ والضحٰی تک۔ ٭ قصار مفصل: سورۂ الم نشرح سے سورۂ ناس تک۔ [1] عام طور پر رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ وہ نماز فجر میں طوال مفصل، عشاء میں اوساط مفصل اور مغرب میں قصار مفصل پڑھتے تھے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے۔ [2] لیکن امام کو اپنے مقتدی کا ضرور خیال رکھنا چاہیے کہ اس کی قراءت ان کے لیے بار خاطر نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سلسلے میں متعدد انداز سے ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔

(٩٩) بَابُ الْجَهْرِ فِي الْمَغْرِبِ

باب: 99- نماز مغرب میں بآواز بلند قراءت کرنا

وضاحت: ابن منیر نے امام بخاری رحمہ اللہ پر اعتراض کیا ہے کہ جب مغرب وعشاء کی نماز میں بآواز بلند قراءت کرنا ایک اتفاقی مسئلہ ہے اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں تو امام بخاری نے اس قسم کے عنوانات کیوں قائم کیے ہیں؟ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد بیانِ احکام ہے۔ اگر ان کے متعلق کسی کا اختلاف نہیں تب بھی حکم بیان کرنا ہی تھا، لہٰذا یہ اعتراض بے جا ہے۔ [3]

٧٦٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ قَرَأَ فِي الْمَغْرِبِ بِالطُّورِ. [انظر: ٣٠٥٠، ٤٠٢٣، ٤٨٥٤]

[765] حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ کو نمازِ مغرب میں سورۂ طور پڑھتے سنا ہے۔

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ بآواز بلند قراءت کر رہے تھے، اس لیے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ آپ کی قراءت کو بیان کر رہے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد بھی یہ تھا کہ نماز مغرب میں بآواز بلند قراءت کو ثابت کیا جائے۔ ② واضح رہے کہ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ آپ غزوۂ بدر کے جنگی قیدیوں کے متعلق مذاکرات کرنے کے لیے مدینہ آئے تھے۔ ان کا اپنا بیان ہے کہ جب میں نے سورۂ طور کو سنا تو میرا دل مارے دہشت کے پھٹنے لگا۔ میں اسی وقت مسجد سے نکل گیا۔ میرے دل میں اسی دن اسلام کی حقانیت جاگزیں ہو چکی تھی۔ [4] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حالت کفر کی دیکھی یا سنی ہوئی بات کو مسلمان ہونے کے بعد بیان کیا جا سکتا ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں۔

---

1. الإتقان في علوم القرآن للسيوطي، النوع الثامن عشر في جمعه و ترتيبه: 199/1-203، طبع دارابن كثير. 2 سنن النسائي، الصلاة، حديث: 983. 3 فتح الباري: 321/2. 4 فتح الباري: 321/2.

(١٠٠) بَابُ الْجَهْرِ فِي الْعِشَاءِ

باب: 100- نماز عشاء میں بآواز بلند قراءت کرنا

٧٦٦ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ قَالَ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ بَكْرٍ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ الْعَتَمَةَ فَقَرَأَ: ﴿إِذَا ٱلسَّمَآءُ ٱنشَقَّتْ﴾ فَسَجَدَ، فَقُلْتُ لَهُ، قَالَ: سَجَدْتُ خَلْفَ أَبِي الْقَاسِمِ ﷺ فَلَا أَزَالُ أَسْجُدُ بِهَا حَتَّى أَلْقَاهُ. [انظر: ٧٦٨، ١٠٧٤، ١٠٧٨]

[766] حضرت ابو رافع سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ ؓ کے ہمراہ نمازِ عشاء پڑھی تو انھوں نے سورۂ ﴿إِذَا ٱلسَّمَآءُ ٱنشَقَّتْ﴾ پڑھی اور اس میں سجدہ کیا۔ جب میں نے ان سے سجدے کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا: میں نے حضرت ابو القاسم ﷺ کے پیچھے سجدہ کیا ہے، لہٰذا میں ہمیشہ اس میں سجدہ کرتا رہوں گا تا آنکہ (قیامت کے دن) میری آپ سے ملاقات ہو جائے۔

فوائد و مسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ میں نے حضرت ابو القاسم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی تھی۔ آپ نے یہی سورت تلاوت کی تھی اور اس میں سجدہ کیا تھا۔[1] ② امام بخاری ؒ کا مقصد یہ ہے کہ نماز عشاء میں بآواز بلند قراءت کرنی چاہیے اور نماز میں ایسی سورت بھی پڑھی جا سکتی ہے جس میں سجدۂ تلاوت ہو۔

٧٦٧ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَدِيٍّ قَالَ: سَمِعْتُ الْبَرَاءَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ فِي سَفَرٍ، فَقَرَأَ فِي الْعِشَاءِ فِي إِحْدَى الرَّكْعَتَيْنِ بِـ: ﴿التِّينِ وَالزَّيْتُونِ﴾. [انظر: ٧٦٩، ٤٩٥٢، ٧٥٤٦]

[767] حضرت براء بن عازب ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے دوران سفر میں نماز عشاء کی دو رکعات میں سے ایک میں سورۂ ﴿وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ﴾ پڑھی۔

فوائد و مسائل: ① سنن نسائی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلی رکعت میں سورۂ والتین کی تلاوت فرمائی۔ چونکہ آپ سفر میں تھے اور دوران سفر میں تخفیف مطلوب ہوتی ہے، اس لیے آپ نے نماز عشاء میں چھوٹی چھوٹی سورتوں کی تلاوت فرمائی۔ اس سے پہلے حدیث ابو ہریرہ حضر پر محمول ہوگی کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز عشاء میں اوساط مفصل سورتیں تلاوت کی تھیں۔[2] ② یہ احادیث اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ نمازوں میں قراءت کی کوئی طے شدہ مقدار مقرر نہیں۔ امام کو چاہیے کہ وہ حالات و ظروف کا لحاظ رکھتے ہوئے قراءت کا تعین کرے، بہر حال مقتدی حضرات کا خیال رکھنا انتہائی ضروری ہے۔[3]

(١٠١) بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْعِشَاءِ بِالسَّجْدَةِ

باب: 101- نماز عشاء میں سجدے والی سورت پڑھنا

٧٦٨ - حَدَّثَنِي مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ قَالَ: حَدَّثَنَا التَّيْمِيُّ عَنْ بَكْرٍ، عَنْ أَبِي

[768] حضرت ابو رافع سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ ؓ کے ہمراہ نمازِ عشاء پڑھی تو

1. صحیح ابن خزیمۃ: 282/1، حدیث: 561. 2 فتح الباري: 324/2. 3 عمدۃ القاري: 472/4.

رَافِعٍ قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ الْعَتَمَةَ، فَقَرَأَ: ﴿إِذَا ٱلسَّمَآءُ ٱنشَقَّتْ﴾ فَسَجَدَ فَقُلْتُ: مَا هٰذِهِ؟ قَالَ: سَجَدْتُ فِيهَا خَلْفَ أَبِي الْقَاسِمِ ﷺ فَلَا أَزَالُ أَسْجُدُ فِيهَا حَتّٰى أَلْقَاهُ. [راجع: ٧٦٦]

انھوں نے سورۂ ﴿إِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ﴾ پڑھی اور اس میں سجدہ کیا۔ میں نے عرض کیا: یہ کون سا سجدہ ہے؟ انھوں نے فرمایا: میں نے حضرت ابوالقاسم ﷺ کے پیچھے اس میں سجدہ کیا ہے، اس لیے اب تو میں اس سورت میں سجدہ کرتا رہوں گا تاآنکہ (قیامت کے دن) میری آپ سے ملاقات ہو جائے۔

فوائد و مسائل: ① ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس سورت میں سجدہ کرتے نہ دیکھا ہوتا تو میں بھی اس میں سجدہ نہ کرتا۔[1] ② دراصل مالکیہ کے نزدیک فرائض کی نماز میں ایسی سورت تلاوت کرنا مکروہ ہے جس میں سجدہ ہو، امام بخاری رحمہ اللہ نے اس موقف کی تردید کرتے ہوئے مذکورہ عنوان قائم کر کے یہ حدیث پیش کی ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ نماز میں سجدے والی سورت پڑھی جا سکتی ہے۔

(١٠٢) بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْعِشَاءِ

باب: 102- نماز عشاء میں قراءت کا بیان

٧٦٩ - حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيٰى قَالَ: حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَدِيُّ بْنُ ثَابِتٍ، أَنَّهُ سَمِعَ الْبَرَاءَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ ﴿وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ﴾ فِي الْعِشَاءِ، وَمَا سَمِعْتُ أَحَدًا أَحْسَنَ صَوْتًا مِنْهُ أَوْ قِرَاءَةً. [راجع: ٧٦٧]

[769] حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو نماز عشاء میں ﴿وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ﴾ پڑھتے سنا اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ خوش الحان یا اچھا پڑھنے والا کوئی نہیں سنا۔

فوائد و مسائل: ① یہ (حدیث: 767) پہلے گزر چکی ہے۔ اس میں وضاحت ہے کہ یہ دوران سفر کا واقعہ ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اکثر لوگ یہ سوال کرتے ہیں: آیا رسول اللہ ﷺ نے سورۂ والتین کو نماز عشاء کی پہلی رکعت میں تلاوت کیا تھا یا دوسری رکعت میں؟ یا اسے دونوں رکعات میں پڑھا؟ یعنی دوسری رکعت میں بھی اس کا اعادہ کیا، اگر کوئی دوسری سورت پڑھی تو وہ کون سی تھی؟ مجھے اس کا استحضار نہیں تھا یہاں تک کہ میں نے علامہ ابوعلی ابن السکن کی تالیف ''کتاب الصحابہ'' دیکھی۔ اس میں زرعہ بن خلیفہ رضی اللہ عنہ کے حالات میں لکھا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے علاقے یمامہ میں رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ سنا تو آپ کے پاس مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ہم پر اسلام پیش کیا تو ہم مسلمان ہو گئے۔ اس وقت آپ نے نماز میں ﴿والتين﴾ اور ﴿إنا أنزلناه في ليلة القدر﴾ کی تلاوت فرمائی۔ اگر حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی تعیین کردہ نماز عشاء یہی ہے تو ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس نماز کی پہلی رکعت میں ﴿والتين والزيتون﴾ اور دوسری رکعت میں سورۂ قدر کی تلاوت فرمائی ہو۔ لیکن

---

[1] صحيح البخاري، سجود القرآن، حديث: 1074.

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما کی صراحت کے مطابق یہ واقعہ دوران سفر میں پیش آیا جبکہ حضرت زرعہ بن خلیفہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ مدینہ منورہ میں پیش آیا ہے۔ واللہ أعلم. ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس مقام پر لکھا ہے کہ ہم اس حدیث کی تشریح کتاب التوحید کے آخر میں کریں گے۔ لیکن کتاب سجود القرآن اور کتاب التوحید میں لکھا کہ اس حدیث کی تشریح کتاب الصلاۃ میں گزر چکی ہے۔[1] سبحان الذی لا ینسی عز وجل.

(١٠٣) بَابٌ: يُطَوِّلُ فِي الْأُولَيَيْنِ وَيَحْذِفُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ

باب: 103- (امام کو چاہیے کہ) پہلی دو رکعات کو طویل اور آخری دو رکعات کو مختصر کرے

٧٧٠ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي عَوْنٍ قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ سَمُرَةَ قَالَ: قَالَ عُمَرُ لِسَعْدٍ: لَقَدْ شَكَوْكَ فِي كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى الصَّلَاةِ، قَالَ: أَمَّا أَنَا فَأَمُدُّ فِي الْأُولَيَيْنِ وَأَحْذِفُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ وَلَا آلُو مَا اقْتَدَيْتُ بِهِ مِنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، قَالَ: صَدَقْتَ، ذَاكَ الظَّنُّ بِكَ، أَوْ ظَنِّي بِكَ. [راجع: ٧٥٥]

[770] حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اہل کوفہ نے آپ کے متعلق ہر معاملہ حتی کہ نماز کے متعلق بھی شکایت کی ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں پہلی دو رکعات میں طوالت اور آخری دو رکعات میں اختصار کرتا ہوں۔ اور جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز کی اقتدا کی ہے کبھی اس کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ نے سچ کہا۔ میرا بھی آپ کے متعلق یہی گمان تھا۔

فوائد و مسائل: ① پہلی دو رکعات میں قیام کے وقت سورۂ فاتحہ کے ساتھ دوسری سورت کو بھی ملایا جاتا ہے، اس لیے دوسری دو رکعات کے مقابلے میں پہلی دو رکعات طویل ہوں گی۔ دیگر روایات میں صلاۃ عشاء یا پچھلے وقت کی دو نمازوں (ظہر و عصر) کے الفاظ ہیں، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے انھی روایات کی طرف اشارہ کر کے اپنے مدعی کو ثابت کیا ہے یا پھر ظہر اور عصر کے ساتھ عشاء کا الحاق کر کے اپنے موقف کو مضبوط کیا ہے کیونکہ ان تینوں نمازوں کی چار چار رکعات ہوتی ہیں۔[2] ② حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ صبح اور ظہر و عصر کی پہلی رکعت میں طوالت اختیار کرتے تھے۔ حضرت ابوقتادہ کہتے ہیں: ہمارے گمان کے مطابق رسول اللہ ﷺ یہ چاہتے تھے کہ لوگوں کو پہلی رکعت مل جائے۔[3] اب بھی لوگوں کے لیے یہ سہولت ہونی چاہیے، یعنی اگر انھیں پہلی رکعت ملنے کی توقع ہو تو پہلی رکعت کو طویل کرنا بہتر ہے۔

(١٠٤) بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْفَجْرِ

باب: 104- نماز فجر میں قراءت کرنا

[1] فتح الباري: 911/8. [2] فتح الباري: 325/2. [3] سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 800,799.

وَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ: قَرَأَ النَّبِيُّ ﷺ بِالطُّورِ.

حضرت ام سلمہ ؓ فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ نے سورۂ ''والطّور'' تلاوت فرمائی۔

وضاحت: اس معلق روایت کو امام بخاری ؒ نے خود اپنی متصل سند سے بیان کیا ہے، حضرت ام سلمہ ؓ فرماتی ہیں کہ میں طواف کر رہی تھی جبکہ رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کے پہلو میں دوران نماز ﴿وَالطُّوْرِ ۝ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ﴾ پڑھ رہے تھے۔[1] لیکن اس متصل روایت میں نماز فجر کا ذکر نہیں، البتہ دوسری روایت میں نماز فجر کے الفاظ موجود ہیں۔[2] امام ابن خزیمہ نے بھی اس روایت کو بیان کیا ہے لیکن اس میں نماز عشاء کے الفاظ ہیں۔ چونکہ یہ الفاظ دوسری روایات کے خلاف ہیں، اس لیے محدثین کی اصطلاح میں یہ روایت شاذ ہے۔[3]

٧٧١ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا سَيَّارُ بْنُ سَلَامَةَ قَالَ: دَخَلْتُ أَنَا وَأَبِي عَلَى أَبِي بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ فَسَأَلْنَاهُ عَنْ وَقْتِ الصَّلَاةِ فَقَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي الظُّهْرَ حِينَ تَزُولُ الشَّمْسُ، وَالْعَصْرَ وَيَرْجِعُ الرَّجُلُ إِلَى أَقْصَى الْمَدِينَةِ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ، وَنَسِيتُ مَا قَالَ فِي الْمَغْرِبِ، وَلَا يُبَالِي بِتَأْخِيرِ الْعِشَاءِ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ، وَلَا يُحِبُّ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَلَا الْحَدِيثَ بَعْدَهَا وَيُصَلِّي الصُّبْحَ وَيَنْصَرِفُ الرَّجُلُ فَيَعْرِفُ جَلِيسَهُ، وَكَانَ يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ أَوْ إِحْدَاهُمَا مَا بَيْنَ السِّتِّينَ إِلَى الْمِائَةِ. [راجع: ٥٤١]

[771] سیار بن سلامہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں اور میرا باپ (ہم دونوں) حضرت ابو برزہ اسلمی ؓ کے پاس گئے اور ان سے نمازوں کے اوقات دریافت کیے۔ انھوں نے فرمایا: جب آفتاب ڈھل جاتا تو نبی ﷺ ظہر کی نماز پڑھتے تھے اور نماز عصر ایسے وقت میں ادا کرتے کہ آدمی مدینے کے آخری کنارے تک واپس پہنچ جاتا جبکہ آفتاب ابھی تغیر پذیر نہ ہوا ہوتا۔ نماز مغرب کے متعلق جو کچھ ابو برزہ ؓ نے فرمایا اسے میں بھول گیا ہوں، البتہ آپ نماز عشاء رات کے تیسرے حصے تک مؤخر کرنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے تھے لیکن اس سے پہلے نیند کرنے اور اس کے بعد باتوں میں مصروف ہونے کو ناپسند کرتے تھے۔ اور نماز صبح ایسے وقت میں پڑھتے کہ آدمی نماز سے فراغت کے بعد اپنے ساتھی کو پہچان سکتا تھا جبکہ آپ دونوں رکعات یا ہر ایک میں ساٹھ سے سو آیات تک تلاوت فرماتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① نماز فجر میں قراءت کا اندازہ بیان کرنے میں راویٔ حدیث شعبہ منفرد ہے۔ طبرانی کی روایت میں ہے کہ سورۂ الحاقہ یا اس طرح کی کوئی دوسری سورت پڑھتے تھے۔ اگر دونوں رکعات میں اتنی آیات پڑھتے تو قراءت سے متعلق یہ روایت حضرت ابن عباس ؓ سے مروی حدیث کے مطابق ہے کہ آپ جمعہ کے دن صبح کی نماز میں سورۂ سجدہ اور سورۂ دھر پڑھتے

1 صحيح البخاري، الصلاة، حديث: 464. 2 صحيح البخاري، الحج، حديث: 1619. 3 فتح الباري: 329/2.

تھے۔ اور اگر ایک رکعت میں مذکورہ مقدار تلاوت فرماتے تو یہ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے مطابق ہے کہ آپ نماز صبح میں سورۂ قٓ، یا الصافات یا الواقعہ پڑھتے تھے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کا حضرت ام سلمہ اور حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہما کی روایات کو بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ سفر وحضر کا معمول نبوی بیان کیا جائے اور آئندہ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز صبح میں قراءت کے لیے مقدار معین کی کوئی شرط نہیں ہے۔[1]

٧٧٢ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: فِي كُلِّ صَلَاةٍ يُقْرَأُ، فَمَا أَسْمَعَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ أَسْمَعْنَاكُمْ، وَمَا أَخْفَى عَنَّا أَخْفَيْنَا عَنْكُمْ، وَإِنْ لَمْ تَزِدْ عَلَى أُمِّ الْقُرْآنِ أَجْزَأَتْ، وَإِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ.

[772] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ہر نماز میں قراءت کرنی چاہیے، پھر جن نمازوں میں رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بآواز بلند سنایا ہے ہم ان میں تمھیں بآواز بلند سناتے ہیں اور جن میں آپ نے ہم سے قراءت کو پوشیدہ رکھا ہے، ان میں ہم بھی تم سے پوشیدہ رکھتے ہیں۔ اور اگر تو سورۂ فاتحہ سے زیادہ قراءت نہ کرے تو بھی کافی ہے اور اگر زیادہ پڑھ لے تو اچھا ہے۔

فوائد ومسائل: ① بعض روایات میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو مرفوعاً بیان کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ نماز قراءت کے بغیر نہیں ہوتی۔ مسند ابی عوانہ میں یہ روایت بایں الفاظ ہے کہ میں نے آپ سے سنا، آپ ﷺ فرما رہے تھے کہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی، بہر حال یہ روایت مرفوع کے حکم میں ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مدعا بایں طور ثابت ہے کہ ہر نماز میں قراءت ہے، نماز فجر بھی انھی نمازوں میں سے ہے، لہٰذا اس میں بھی قراءت ہے۔ روایت کے آخری حصے میں یہ اضافہ ہے کہ اگر تو امام ہے تو مقتدی حضرات کا خیال رکھتے ہوئے نماز میں تخفیف کر اور اگر تو اکیلا ہے تو جس قدر تو چاہے نماز کو لمبا کر اور ہر نماز میں قراءت ہے جیسا کہ مسند ابی یعلی میں ہے۔ ② اس روایت سے معلوم ہوا کہ جو شخص نماز میں فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی اور فاتحہ کے علاوہ زائد پڑھنا مستحب ہے اگرچہ بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں فاتحہ کے علاوہ دیگر آیات کا پڑھنا بھی ضروری ہے۔ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کا یہی موقف ہے۔ بہر حال حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت کا بظاہر تقاضا یہ ہے کہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی اور اس کے علاوہ دیگر آیات کا تمام رکعات میں پڑھنا مستحب ہے، ضروری نہیں۔[2]

(١٠٥) بَابُ الْجَهْرِ بِقِرَاءَةِ صَلَاةِ الصُّبْحِ

باب: 105- نماز فجر میں بآواز بلند قراءت کرنا

وَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ: طُفْتُ وَرَاءَ النَّاسِ وَالنَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي وَيَقْرَأُ بِالطُّورِ.

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں لوگوں کے پیچھے سے طواف کر رہی تھی جبکہ نبی ﷺ نماز پڑھا رہے تھے اور (نماز میں) سورۂ "الطّور" کی تلاوت کر رہے تھے۔

1 فتح الباري: 326/2. 2 فتح الباري: 327/2.

وضاحت: اس تعلیق کو امام بخاری رحمہ اللہ نے موصولاً بیان کیا ہے۔[1] اس روایت میں ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی بیماری کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ تم سوار ہو کر لوگوں کے پیچھے سے طواف کر لو کیونکہ دوران نماز میں نمازی کے آگے سے گزرنا منع ہے۔ چونکہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کو صبح کی نماز میں سورۃ والطور پڑھتے سنا، اس سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مدعا ثابت ہو گیا۔

٧٧٣ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ -هُوَ جَعْفَرُ بْنُ أَبِي وَحْشِيَّةَ- عَنْ سَعِيدِ ابْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: انْطَلَقَ النَّبِيُّ ﷺ فِي طَائِفَةٍ مِّنْ أَصْحَابِهِ عَامِدِينَ إِلَى سُوقِ عُكَاظٍ، وَقَدْ حِيلَ بَيْنَ الشَّيَاطِينِ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ، وَأُرْسِلَتْ عَلَيْهِمُ الشُّهُبُ، فَرَجَعَتِ الشَّيَاطِينُ إِلَى قَوْمِهِمْ فَقَالُوا: مَا لَكُمْ؟ فَقَالُوا: حِيلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ، وَأُرْسِلَتْ عَلَيْنَا الشُّهُبُ، قَالُوا: مَا حَالَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ إِلَّا شَيْءٌ حَدَثَ، فَاضْرِبُوا مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا فَانْظُرُوا مَا هٰذَا الَّذِي حَالَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ، فَانْصَرَفَ أُولٰئِكَ الَّذِينَ تَوَجَّهُوا نَحْوَ تِهَامَةَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ بِنَخْلَةَ عَامِدِينَ إِلَى سُوقِ عُكَاظٍ، وَهُوَ يُصَلِّي بِأَصْحَابِهِ صَلَاةَ الْفَجْرِ، فَلَمَّا سَمِعُوا الْقُرْآنَ اسْتَمَعُوا لَهُ، فَقَالُوا: هٰذَا وَاللهِ الَّذِي حَالَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ، فَهُنَالِكَ حِينَ رَجَعُوا إِلَى قَوْمِهِمْ فَقَالُوا: يَا قَوْمَنَا ﴿إِنَّا سَمِعْنَا قُرْءَانًا عَجَبًا ۝ يَهْدِىٓ إِلَى ٱلرُّشْدِ فَـَٔامَنَّا بِهِۦ ۖ وَلَن نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ أَحَدًا﴾ [الجن: ١، ٢] فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى عَلَى نَبِيِّهِ ﷺ ﴿قُلْ أُوحِىَ

[773] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ اپنے چند صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ سوق عکاظ کا ارادہ کر کے چلے جبکہ ان دنوں شیاطین کو آسمانی خبریں لینے سے روک دیا گیا تھا اور ان پر شعلے برسائے جا رہے تھے۔ ان حالات میں شیاطین اپنی قوم کی طرف لوٹ آئے۔ قوم نے پوچھا: کیا حال ہے؟ شیاطین نے کہا: ہمارے اور آسمانی خبروں کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دی گئی ہے اور اب ہم پر شعلے برسائے جا رہے ہیں۔ قوم نے کہا: تمھارے اور آسمانی خبروں کے درمیان کوئی ایسی چیز حائل ہو گئی ہے جو ابھی ابھی ظاہر ہوئی ہے، اس لیے تم روئے زمین میں مشرق و مغرب تک چل پھر کر دیکھو کہ وہ کیا چیز ہے جو تمھارے اور آسمانی خبروں کے درمیان حائل ہو گئی ہے؟ چنانچہ وہ اس کی تلاش میں نکلے۔ ان میں وہ جنات جو تہامہ کی طرف نکلے تھے، وہ نبی ﷺ کے پاس آ پہنچے۔ آپ اس وقت مقام نخلہ میں تھے اور عکاظ کی منڈی کی طرف جانے کی نیت رکھتے تھے۔ اس وقت آپ اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز فجر پڑھا رہے تھے۔ جب ان جنات نے کان لگا کر قرآن سنا تو کہنے لگے: اللہ کی قسم! یہی وہ قرآن ہے جس نے تمھارے اور آسمانی خبروں کے درمیان حجاب ڈال دیا ہے، چنانچہ اسی مقام سے وہ اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے اور ان سے کہنے لگے: بھائیو! ہم نے عجیب قرآن سنا ہے جو ہدایت کا رستہ بتاتا ہے، لہٰذا ہم اس پر

[1] صحيح البخاري، الحج، حديث: 1619.

إِلَىَّ﴾ وَإِنَّمَا أُوحِيَ إِلَيْهِ قَوْلُ الْجِنِّ. [الفتح: ٤٩٦]

ایمان لے آئے ہیں۔ اب ہم ہرگز اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔ تب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر یہ سورت ﴿قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ﴾ نازل فرمائی اور آپ کو جنوں کی گفتگو بذریعہ وحی بتائی گئی۔

فائدہ: اس حدیث میں اگرچہ نماز فجر میں جہری قراءت کی صراحت نہیں، تاہم جنات نے جب رسول اللہ ﷺ کی قراءت سنی تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ باآواز بلند قراءت فرما رہے تھے، نیز اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنوں کے اوپر جا کر آسمانی خبریں لانے پر پابندی اور ان پر شہاب برسنے کا سلسلہ رسول اللہ ﷺ کے زمانۂ نبوت میں ہوا، حالانکہ یہ سلسلہ بہت پہلے شروع ہو چکا تھا۔ اس کے متعلق علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ پہلے زمانے میں یہ سلسلہ معدودے چند تھا، رسول اللہ ﷺ کے زمانۂ نبوت میں اس میں شدت اور کثرت پیدا ہو گئی، اس پر جنات کو پریشانی ہوئی اور وہ اس کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔[1]

٧٧٤ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَرَأَ النَّبِيُّ ﷺ فِيمَا أُمِرَ وَسَكَتَ فِيمَا أُمِرَ ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾ [مريم: ٦٤] وَ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الأحزاب: ٢١]

[774] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ کو جس نماز میں جہر کا حکم ہوا آپ نے اس میں جہر کیا اور جس نماز میں آہستہ پڑھنے کا حکم ہوا وہاں آہستہ پڑھا اور تمھارا پروردگار بھولنے والا نہیں اور بلاشبہ تمھارے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی میں بہترین نمونہ ہے، یعنی ان کی پیروی کرنا ہی اچھا ہے۔

فوائد و مسائل: ① حضرت ابن عباس ؓ سری نمازوں میں قراءت کی نفی کرتے تھے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضرت ابن عباس ؓ کے چند شاگرد ان کے پاس آئے۔ انھوں نے آپ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نماز ظہر اور نماز عصر میں کچھ پڑھا کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ انھوں نے دوبارہ عرض کیا: شاید آپ آہستہ اپنے جی میں پڑھتے ہوں؟ فرمایا: یہ پہلے موقف سے بھی گھٹیا ہے۔ آپ تو عبد مامور تھے اور اللہ کے احکام لوگوں تک پہنچانے کے پابند تھے۔[2] بعض اوقات آپ قراءت کے متعلق شکوک و شبہات کا اظہار کرتے جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: مجھے پتہ نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز ظہر اور نماز عصر میں کچھ پڑھا کرتے تھے یا نہیں؟[3] اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباس ؓ قراءت کے متعلق شک میں مبتلا تھے، حالانکہ حضرت خباب بن ارت اور حضرت ابوقتادہ ؓ نے ظہر اور عصر کی نماز میں قراءت کرنا نقل فرمایا ہے، اس لیے قراءت کا اثبات اس کی نفی پر مقدم ہے۔ شاید امام بخاری ؒ نے مذکورہ روایت حضرت ابن عباس ؓ کے اختیار کردہ موقف کے جواب میں پیش کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ہمارے لیے نمونہ ہیں تو آپ سے تو قراءت کرنا ثابت ہے، اس لیے ہمیں بھی آپ کی پیروی کرتے ہوئے نماز ظہر اور عصر میں قراءت کرنی چاہیے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباس ؓ بھی ان

[1] شرح الكرماني: 134/5. [2] سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 808. [3] سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 809.

نمازوں میں قراءت کے قائل تھے جیسا کہ ابو العالیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے ان سے سوال کیا کہ آیا مجھے نماز ظہر اور نماز عصر میں قراءت کرنی چاہیے؟ تو انھوں نے فرمایا: قرآن تیرا امام ہے، اس سے تھوڑا بہت ضرور پڑھنا چاہیے۔[1] ② علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو نماز کے متعلق جملہ کیفیات وحالات کو قرآن میں بیان کر دیتا اور اللہ تعالیٰ نے اسے سہو ونسیان سے نظر انداز نہیں کیا بلکہ اسے رسول اللہ ﷺ کے بیان پر چھوڑ دیا گیا ہے کیونکہ قرآن کا بیان آپ کے فرائض منصبی میں شامل تھا اور آپ نے اپنے عمل سے اسے بیان کر دیا ہے، اس لیے قرآن کے اجمال کی وضاحت کے لیے رسول اللہ ﷺ کے افعال کی پیروی ضروری ہے۔[2] اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ پر قرآن کے علاوہ بھی وحی آتی تھی جسے قرآن کریم نے سورۂ قیامہ میں ''بیان'' سے تعبیر کیا ہے، لہٰذا ان حضرات کو غور کرنا چاہیے جو دینی احکام میں صرف قرآن پر اعتماد کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کا بیان، یعنی احادیث مبارکہ ان کے نزدیک ناقابل اعتبار ہیں بلکہ یہ حضرات ان احادیث کو عجمی سازش قرار دیتے ہیں۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنَ الزَّيْغِ وَالضَّلَالِ.

(١٠٦) بَابُ الْجَمْعِ بَيْنَ السُّورَتَيْنِ فِي رَكْعَةٍ، وَالْقِرَاءَةِ بِالْخَوَاتِمِ، وَبِسُورَةٍ قَبْلَ سُورَةٍ، وَبِأَوَّلِ سُورَةٍ،

باب: 106- ایک رکعت میں دو سورتیں جمع کرنا، سورتوں کی صرف آخری آیات تلاوت کرنا، نیز ایک سورت کو دوسری سورت سے پہلے پڑھنا اور سورت کا صرف ابتدائی حصہ تلاوت کرنا

وَيُذْكَرُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ السَّائِبِ: قَرَأَ النَّبِيُّ ﷺ [الْمُؤْمِنُونَ] فِي الصُّبْحِ حَتّٰى إِذَا جَاءَ ذِكْرُ مُوسٰى وَهَارُونَ، أَوْ ذِكْرُ عِيسٰى، أَخَذَتْهُ سَعْلَةٌ فَرَكَعَ. وَقَرَأَ عُمَرُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولٰى بِمِائَةٍ وَّعِشْرِينَ آيَةً مِّنَ الْبَقَرَةِ، وَفِي الثَّانِيَةِ بِسُورَةٍ مِّنَ الْمَثَانِي. وَقَرَأَ الْأَحْنَفُ بِالْكَهْفِ فِي الْأُولٰى، وَفِي الثَّانِيَةِ بِيُوسُفَ، أَوْ يُونُسَ، وَذَكَرَ أَنَّهُ صَلّٰى مَعَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ الصُّبْحَ بِهِمَا. وَقَرَأَ ابْنُ مَسْعُودٍ بِأَرْبَعِينَ آيَةً مِّنَ الْأَنْفَالِ، وَفِي الثَّانِيَةِ بِسُورَةٍ مِّنَ الْمُفَصَّلِ. وَقَالَ قَتَادَةُ فِيمَنْ يَّقْرَأُ بِسُورَةٍ وَّاحِدَةٍ يُفَرِّقُهَا فِي رَكْعَتَيْنِ، أَوْ يُرَدِّدُ

حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی ﷺ نے صبح کی نماز میں سورۂ مومنون پڑھنا شروع کی۔ جب حضرت موسیٰ اور ہارون یا حضرت عیسیٰ کا ذکر آیا تو آپ کو کھانسی آ گئی۔ آپ اسی وقت رکوع میں چلے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلی رکعت میں سورۂ بقرہ کی ایک سو بیس آیات پڑھیں اور دوسری رکعت میں مثانی کی ایک سورت تلاوت کی۔ حضرت احنف بن قیس نے پہلی رکعت میں سورۂ کہف اور دوسری میں سورۂ یوسف یا یونس پڑھی اور بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھی دو سورتوں کو نماز صبح میں پڑھا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے (پہلی رکعت میں) سورۂ انفال کی چالیس آیات اور دوسری رکعت میں مفصلات سے

---

1 فتح الباري: 330/2. 2 فتح الباري: 330/2.

سُورَةً وَّاحِدَةً فِي رَكْعَتَيْنِ : كُلٌّ كِتَابُ اللهِ .

ایک سورت پڑھی۔ حضرت قتادہ نے اس شخص کے متعلق جو ایک سورت کو دو رکعتوں میں (اس کے دو حصے کرکے) یا ایک ہی سورت کو دو رکعات میں دہراتا ہے، فرمایا کہ سب کتاب اللہ ہے۔ (ہر طرح سے پڑھنا جائز ہے۔)

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان میں نماز میں قراءت سے متعلق مختلف فروعات اور جزئیات کو جمع کر دیا ہے۔ یہاں چار مسائل بنیادی اور دو مسائل ضمنی طور پر بیان کیے ہیں، پھر انھیں ثابت کرتے وقت مسائل کی بیان کردہ ترتیب کو ملحوظ نہیں رکھا۔ مسائل کی تفصیل یہ ہے: ۞ دو سورتوں کو ایک رکعت میں پڑھنا، مثلاً: سورۂ الکافرون اور سورۂ اخلاص۔ ۞ کسی سورت کی آخری آیات ایک رکعت میں تلاوت کرنا، مثلاً: سورۂ جمعہ کا آخری رکوع پڑھنا۔ ۞ ایک سورت سے قبل دوسری سورت پڑھنا، مثلاً: پہلی رکعت میں سورۂ اخلاص اور دوسری میں سورۂ نصر پڑھنا۔ ۞ ایک رکعت میں سورت کی ابتدائی آیات پڑھنا، مثلاً: سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات تلاوت کرنا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے پہلے، چوتھے مسئلے کو بیان کیا ہے کہ ایک رکعت میں کسی سورت کا ابتدائی حصہ پڑھا جائے۔ صرف امام مالک رحمہ اللہ نے اسے مکروہ خیال کیا ہے۔ جمہور کے نزدیک بلا کراہت ایسا کرنا جائز ہے۔[1] اس معلق روایت کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں ابن جریج کے واسطے سے موصولاً بیان کیا ہے۔[2] اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں کسی سورت کا کچھ حصہ پڑھنا جائز ہے۔ اس موقع پر یہ اعتراض صحیح نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ہنگامی ضرورت کے پیش نظر ایسا کیا تھا کہ آپ کو کھانسی آگئی تھی کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے عام حالات میں بھی ایسا کرنا ثابت ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز مغرب میں سورۂ اعراف کو دو حصوں میں تقسیم کرکے پڑھا تھا۔[3] اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق حدیث میں ہے کہ انھوں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز صبح پڑھائی اور سورۂ بقرہ کو دونوں رکعات میں تلاوت کیا۔[4] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق ہے کہ انھوں نے نماز میں فاتحہ کے ساتھ سورۂ بقرہ کی ایک ایک آیت ہر رکعت میں تلاوت کی۔[5] اس سلسلے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عمل بھی پیش کیا ہے کہ انھوں نے پہلی رکعت میں سورۂ بقرہ کی ایک سو بیس آیات تلاوت کی تھیں۔ اس میں یہ وضاحت نہیں کہ یہ آیات شروع سورت سے پڑھیں یا سورت کے آخر سے تلاوت کیں، بہرحال دونوں احتمال ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ اثر کو مصنف ابن ابی شیبہ (273/2) میں متصل سند سے بیان کیا گیا ہے۔[6] حضرت احنف بن قیس کے اثر کو جعفر الفریابی نے کتاب الصلاۃ میں متصل سند سے بیان کیا ہے۔ اس میں شک کے بجائے جزم سے بیان کیا ہے کہ دوسری رکعت میں انھوں نے سورۂ یونس تلاوت کی تھی۔[7] اس سے امام بخاری رحمہ اللہ نے تیسرے مسئلے کو ثابت کیا ہے کہ ایک سورت سے قبل دوسری سورت پڑھی جاسکتی ہے کیونکہ انھوں نے پہلی رکعت میں سورۂ کہف اور دوسری میں سورۂ یونس تلاوت کی تھی، حالانکہ ترتیبِ مصحف اس کے خلاف ہے۔ اس میں سورۂ یونس پہلے اور کہف بعد میں ہے۔ حضرت عبداللہ بن

---

1 عمدة القاري : 487/4. 2 صحيح مسلم، الصلاة، حديث : 1022(455). 3 سنن النسائي، الصلاة، حديث : 992.
4 فتح الباري : 332/2. 5 فتح الباري : 332/2. 6 فتح الباري : 332/2. 7 فتح الباري : 333/2.

مسعود رضی اللہ عنہ کے اثر کو مصنف عبدالرزاق (103/2) میں متصل سند سے بیان کیا گیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ انھوں نے شروع انفال سے قراءت کا آغاز کیا اور ﴿نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ﴾ تک چالیس آیات پہلی رکعت میں تلاوت کیں۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے سورۂ انفال کی شروع سے چالیس آیات پڑھیں تھیں۔[1] حضرت قتادہ کے قول کو مصنف عبدالرزاق میں متصل سند سے بیان کیا گیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال مذکورہ اثر میں ان الفاظ سے ہے: ''تمام قرآن اللہ کی کتاب ہے۔'' آپ نے عنوان میں جن مسائل کو ذکر کیا ہے ان تمام پر دلیل یہی الفاظ ہیں۔[2] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے علامہ زین بن المنیر کے حوالے سے لکھا ہے کہ امام مالک ہر رکعت میں ایک سورت پڑھنے کے قائل تھے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے: ہر سورت کے لیے رکوع و سجود میں حصہ مقرر ہے، یعنی ہر رکوع وسجود یا رکعت کو ایک مکمل سورت ملنی چاہیے اور ایک سورت کو دو رکعتوں پر تقسیم نہ کیا جائے اور کسی سورت کے کسی حصے پر اکتفا نہ کیا جائے اور نہ کسی سورت کو پڑھ کر پھر اس سے قبل سورت کو پڑھا جائے کیونکہ یہ ترتیب مصحف کے خلاف ہے۔ اگر ایسا کرے گا تو نماز فاسد نہ ہوگی مگر خلاف اولیٰ ضرور ہے۔ پھر علامہ ابن المنیر نے لکھا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے جو استدلال کیے ہیں وہ امام مالک رحمہ اللہ کے خلاف نہیں کیونکہ وہ بیان جواز پر محمول ہیں۔[3] امام بخاری رحمہ اللہ نے نماز میں سورتوں کا آخری حصہ پڑھنے کی کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ آغاز سورت سے پڑھنا آخری حصے سے پڑھنے کی دلیل بن سکتا ہے کیونکہ دونوں سورتوں میں قدر مشترک یہ ہے کہ ابتدا اور آخر سے پڑھنا پوری سورت کا کچھ حصہ ہے۔ ممکن ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عمل اس کی دلیل ہو کہ انھوں نے سورۂ بقرہ کی سو آیات کو پڑھا اور حضرت قتادہ کے قول سے اس کی تائید ہوتی ہو کہ سب اللہ کی کتاب ہے۔[4]

٧٧٤ م - وَقَالَ عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: كَانَ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ يَؤُمُّهُمْ فِي مَسْجِدِ قُبَاءٍ، فَكَانَ كُلَّمَا افْتَتَحَ سُورَةً يَقْرَأُ بِهَا لَهُمْ فِي الصَّلَاةِ مِمَّا يُقْرَأُ بِهِ، افْتَتَحَ بِـ: ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهَا، ثُمَّ يَقْرَأُ بِسُورَةٍ أُخْرٰى مَعَهَا، وَكَانَ يَصْنَعُ ذٰلِكَ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ، فَكَلَّمَهُ أَصْحَابُهُ وَقَالُوا: إِنَّكَ تَفْتَتِحُ بِهٰذِهِ السُّورَةِ، ثُمَّ لَا تَرٰى أَنَّهَا تُجْزِئُكَ حَتّٰى تَقْرَأَ بِالْأُخْرٰى، فَإِمَّا أَنْ تَقْرَأَ بِهَا وَإِمَّا أَنْ تَدَعَهَا وَتَقْرَأَ بِأُخْرٰى، فَقَالَ: مَا أَنَا بِتَارِكِهَا، إِنْ أَحْبَبْتُمْ أَنْ أَؤُمَّكُمْ بِذٰلِكَ فَعَلْتُ،

[774م] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری شخص مسجد قباء میں انصار کی امامت کراتا تھا۔ اس کی یہ عادت تھی کہ جن نمازوں میں قراءت بآواز بلند کی جاتی ہے ان میں جب وہ کوئی سورت شروع کرنے کا ارادہ کرتا تو اس سے پہلے ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ سے آغاز کرتا۔ اس سے فراغت کے بعد پھر کوئی دوسری سورت شروع کرتا۔ وہ ہر رکعت میں ایسا ہی کرتا تھا۔ اس کے مقتدیوں نے اس سے بات کی اور کہا کہ تم اس سورت سے ابتدا کرتے ہو پھر تم اسے کافی خیال نہیں کرتے یہاں تک کہ دوسری سورت پڑھتے ہو، لہٰذا تم اسی سورت کو پڑھو، اس کے ساتھ دوسری سورت نہ ملاؤ یا اسے چھوڑ کر صرف دوسری سورت پڑھا

1 فتح الباري: 333/2. 2 فتح الباري: 333/2. 3 فتح الباري: 333/2. 4 فتح الباري: 331/2.

وَإِنْ كَرِهْتُمْ تَرَكْتُكُمْ، وَكَانُوا يَرَوْنَ أَنَّهُ مِنْ أَفْضَلِهِمْ، وَكَرِهُوا أَنْ يَؤُمَّهُمْ غَيْرُهُ. فَلَمَّا أَتَاهُمُ النَّبِيُّ ﷺ أَخْبَرُوهُ الْخَبَرَ فَقَالَ: «يَا فُلَانُ! مَا يَمْنَعُكَ أَنْ تَفْعَلَ مَا يَأْمُرُكَ بِهِ أَصْحَابُكَ؟ وَمَا يَحْمِلُكَ عَلَى لُزُومِ هٰذِهِ السُّورَةِ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ؟» فَقَالَ: إِنِّي أُحِبُّهَا، فَقَالَ: «حُبُّكَ إِيَّاهَا أَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ».

کرو۔ اس نے جواب دیا کہ میں اس سورت کو نہیں چھوڑ سکتا۔ اگر تمھیں پسند ہو تو اسی طرح تمھاری امامت کراؤں گا اور اگر تم اسے ناپسند کرتے ہو تو میں تمھیں چھوڑ سکتا ہوں (سورت کو نہیں چھوڑ سکتا)۔ اہل قباء اسے اپنے میں سے افضل خیال کرتے تھے، اس لیے انھوں نے اسے چھوڑ کر دوسرے کی امامت کو پسند نہ کیا۔ اتفاق سے جب نبی ﷺ ان کے پاس تشریف لائے تو انھوں نے یہ ماجرا آپ کو سنایا۔ آپ نے اس امام سے فرمایا: ''اے فلاں! تمھیں اپنے مقتدیوں کی بات ماننے سے کس چیز نے روکا ہے؟ اور کیا وجہ ہے کہ تو نے ہر رکعت میں یہ سورت پڑھنے کا التزام کر رکھا ہے؟'' اس نے جواب دیا کہ مجھے اس سورت سے محبت ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا: ''تیرا اس سورت سے محبت کرنا تجھے جنت میں داخل کرے گا۔''

فوائد ومسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے یہ ثابت کیا ہے کہ ایک رکعت میں دو سورتیں پڑھنا درست ہے اگرچہ امام شعبی وغیرہ نے کہا ہے کہ ایک رکعت میں فاتحہ کے علاوہ ایک سورت سے زیادہ نہیں پڑھنا چاہیے کیونکہ مصنف عبدالرزاق میں ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے کہا کہ میں نے ایک رکعت میں مفصل کی سب سورتیں پڑھی ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ تم نے ایسا کیا ہے؟ اللہ اگر چاہتا تو مفصل کی سب سورتوں کی ایک ہی سورت بنا کر نازل فرما دیتا، لہٰذا تم ہر سورت کو رکوع وسجود سے اس کا حصہ دو، لیکن اس موقف کے برعکس حضرت عائشہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما کی احادیث ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مفصل کی کئی کئی سورتیں ملا کر پڑھا کرتے تھے، نیز ایک رات آپ نے نماز تہجد میں سورۂ بقرہ، آل عمران اور نساء اکٹھی پڑھی تھیں۔[1] ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ مذکورہ امام کا نام کلثوم بن ہدم ہے جیسا کہ ابن مندہ نے کتاب التوحید میں بیان کیا ہے۔ اسی طرح کا ایک اور واقعہ جسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو فوجی دستے کا امیر بنا کر کسی مہم پر روانہ کیا۔ وہ جب جماعت کراتا تو قراءت کا اختتام ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ سے کرتا تھا۔ جب وہ واپس آئے تو انھوں نے اس بات کا تذکرہ رسول اللہ ﷺ سے کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے پوچھو وہ ایسا کیوں کرتا تھا۔ جب انھوں نے اس سے پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ یہ سورت اللہ رحمٰن کی صفات پر مشتمل ہے، اس لیے میں اسے تلاوت کرنا پسند کرتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسے بتا دو کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے۔''[2] ان دونوں واقعات میں حسب ذیل فرق ہے:

---

1. عمدة القاري: 4/492. 2 صحيح البخاري، التوحيد، حديث: 7375.

۞ اہل قباء کا امام قراءت کا آغاز ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ سے کرتا تھا جبکہ فوجی دستے کا امیر قراءت کے آخر میں اسے پڑھتا تھا۔ ۞ اہل قباء کا امام ہر رکعت میں ایسا کرتا تھا جبکہ امیر السریہ کے متعلق ایسی صراحت نہیں ہے۔ ۞ اہل قباء کے امام سے خود رسول اللہ ﷺ نے وجہ دریافت فرمائی جبکہ امیر سے اس کے ساتھیوں نے پوچھا۔ ۞ اہل قباء کے امام نے جواب دیا کہ مجھے اس سورت سے محبت ہے اور اسے رسول اللہ ﷺ نے جنت کی بشارت دی جبکہ فوجی دستے کے امیر نے بتایا کہ یہ رحمٰن کی صفات پر مشتمل ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے۔ ۞ اہل قباء کا امام فوجی دستے بھیجنے سے پہلے ہی فوت ہوگیا تھا جبکہ فوجی دستے کا امیر دیر تک زندہ رہا۔[1]

٧٧٥ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى ابْنِ مَسْعُودٍ فَقَالَ: قَرَأْتُ الْمُفَصَّلَ اللَّيْلَةَ فِي رَكْعَةٍ، فَقَالَ: هَذًّا كَهَذِّ الشِّعْرِ، لَقَدْ عَرَفْتُ النَّظَائِرَ الَّتِي كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَقْرُنُ بَيْنَهُنَّ، فَذَكَرَ عِشْرِينَ سُورَةً مِّنَ الْمُفَصَّلِ، سُورَتَيْنِ مِنْ آلِ حٰمٓ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ. [انظر: ٤٩٩٦، ٥٠٤٣]

[775] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا: میں نے آج رات مفصل کی تمام سورتیں ایک ہی رکعت میں پڑھ دیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو نے اس قدر تیزی سے پڑھیں جیسے اشعار پڑھے جاتے ہیں۔ بے شک میں ان جوڑا جوڑا سورتوں کو جانتا ہوں جنھیں رسول اللہ ﷺ ملا کر پڑھا کرتے تھے، پھر آپ نے مفصل کی بیس سورتیں بیان کیں، یعنی ہر رکعت میں پڑھی جانے والی دو دو سورتیں۔

فائدہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جن جوڑا جوڑا سورتوں کی نشاندہی کی ہے ان میں سے بعض موجودہ ترتیب مصحف سے مختلف ہیں جن کی تفصیل بایں طور بیان ہوئی ہے: ۞ سورۂ رحمٰن اور سورۂ نجم۔ ۞ سورۂ قمر اور سورۂ حاقہ۔ ۞ سورۂ ذاریات اور سورۂ طور۔ ۞ سورۂ واقعہ اور سورۂ نون۔ ۞ سورۂ معارج اور سورۂ نازعات۔ ۞ سورۂ مطففین اور سورۂ عبس۔ ۞ سورۂ دھر اور سورۂ قیامہ۔ ۞ سورۂ مزمل اور سورۂ مدثر۔ ۞ سورۂ نبا اور سورۂ مرسلات۔ ۞ سورۂ تکویر اور سورۂ دخان۔ انھیں مفصل کی سورتیں اکثریت کی بنا پر کہا جاتا ہے کیونکہ سورۂ دخان مفصل میں سے نہیں۔[2] اس حدیث سے ایک رکعت میں دو سورتیں پڑھنے اور موجودہ ترتیب کے خلاف پڑھنے کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ واللّٰہ أعلم.

(١٠٧) بَابٌ: يَقْرَأُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ

باب: 107- آخری دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھنا

٧٧٦ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ يَحْيَى، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ،

[776] حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور دو سورتیں مزید

1. فتح الباري: 334/2. 2 فتح الباري: 336/2.

عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ فِي الْأُولَيَيْنِ بِأُمِّ الْكِتَابِ وَسُورَتَيْنِ، وَفِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُخْرَيَيْنِ بِأُمِّ الْكِتَابِ، وَيُسْمِعُنَا الْآيَةَ، وَيُطَوِّلُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى مَا لَا يُطِيلُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ، وَهٰكَذَا فِي الْعَصْرِ، وَهٰكَذَا فِي الصُّبْحِ. [راجع: ٧٥٩]

پڑھتے تھے اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے۔ اور کبھی کبھی کوئی آیت ہمیں سنا بھی دیتے تھے۔ اور آپ پہلی رکعت کو دوسری رکعت سے لمبا کرتے تھے، اسی طرح عصر اور صبح کی نماز میں بھی یہی معمول تھا۔

فائدہ: مغرب کی تیسری رکعت کا وہی حکم ہے جو ظہر اور عصر کی آخری دو رکعتوں کا ہے۔ ممکن ہے اس میں سورۂ فاتحہ کے علاوہ مزید قراءت کرنے کا جواز ہو جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق احادیث میں ہے کہ انھوں نے مغرب کی تیسری رکعت میں ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا...... اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾[1] پڑھی تھی۔[2] بعض فقہاء کے نزدیک ظہر اور عصر کی آخری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ مزید سورت بھی پڑھنی چاہیے جبکہ کچھ حضرات کا خیال ہے کہ سورۂ فاتحہ پڑھنا بھی ضروری نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ثابت کیا ہے کہ آخری دو رکعات میں کم از کم سورۂ فاتحہ ضرور پڑھنی چاہیے۔

(١٠٨) بَابُ مَنْ خَافَتَ الْقِرَاءَةَ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ

باب: 108- ظہر اور عصر کی نماز میں آہستہ قراءت کرنا

٧٧٧ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ قَالَ: قُلْنَا لِخَبَّابٍ: أَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قُلْنَا: مِنْ أَيْنَ عَلِمْتَ؟ قَالَ: بِاضْطِرَابِ لِحْيَتِهِ. [راجع: ٧٤٦]

[777] حضرت ابومعمر سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ہم نے خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: آیا رسول اللہ ﷺ ظہر اور عصر کی نماز میں قراءت کرتے تھے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں۔ ہم نے دوبارہ عرض کیا کہ آپ کو کیسے پتہ چلتا تھا؟ انھوں نے فرمایا: آپ کی ڈاڑھی مبارک کی جنبش کی وجہ سے ہمیں معلوم ہو جاتا تھا۔

فوائد ومسائل: ① یہ حدیث اس امر پر واضح دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ ظہر اور عصر کی نماز میں آہستہ قراءت کرتے تھے کیونکہ حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق خبر دی ہے اور ڈاڑھی کی حرکت کو اس کی علامت قرار دیا ہے۔ یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے۔[3] ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی ڈاڑھی مبارک لمبی اور گھنی تھی۔

(١٠٩) بَابٌ: إِذَا أَسْمَعَ الْإِمَامُ الْآيَةَ

باب: 109- جب امام (سری نماز میں) کوئی آیت سنا دے

1 آل عمران 3:8. 2 فتح الباري: 337/2. 3 عمدة القاري: 495/4.

٧٧٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: حَدَّثَنِي الْأَوْزَاعِيُّ قَالَ: حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقْرَأُ بِأُمِّ الْكِتَابِ وَسُورَةٍ مَّعَهَا فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ مِنْ صَلَاةِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ، وَيُسْمِعُنَا الْآيَةَ أَحْيَانًا، وَكَانَ يُطَوِّلُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى. [راجع: ٧٥٩]

[778] حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی دوسری سورت بھی پڑھتے تھے اور کبھی کبھار ہمیں کوئی آیت سنا دیا کرتے تھے، نیز آپ پہلی رکعت کو لمبا کرتے تھے۔

فائدہ: سری نماز میں اگر کوئی آیت بآواز بلند پڑھ دی جائے تو اس سے نماز مکروہ نہیں ہوگی، اسی طرح اگر ایک آیت کے بجائے دو آیات سنا دی جائیں تو بھی نماز صحیح ہے۔ یہ موقف ان لوگوں کے خلاف ہے جو سہو یا غیر سہو کی وجہ سے کوئی آیت بآواز بلند پڑھنے پر سجدۂ سہو ضروری قرار دیتے ہیں۔ اس حدیث سے ان حضرات کی کھلے الفاظ میں تردید ہوتی ہے۔ [1]

(١١٠) بَابٌ: يُطَوِّلُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى

باب: 110- پہلی رکعت میں قراءت کو لمبا کرنا

٧٧٩ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُطَوِّلُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى مِنْ صَلَاةِ الظُّهْرِ، وَيُقَصِّرُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ، وَيَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ. [راجع: ٧٥٩]

[779] حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نماز ظہر کی پہلی رکعت کو لمبا کرتے تھے اور دوسری رکعت کو مختصر فرماتے تھے۔ اور صبح کی نماز میں بھی آپ کا یہی معمول تھا۔

فائدہ: حدیث کے ظاہری الفاظ کا تقاضا ہے کہ ہر نماز کی پہلی رکعت کو کچھ لمبا کیا جائے تاکہ لوگوں کو شمولیت کا موقع مل سکے، البتہ امام ابوحنیفہ کا کہنا ہے کہ صرف فجر کی نماز میں پہلی رکعت کو لمبا کیا جائے، دوسری نمازوں میں ایسا نہ کیا جائے۔ امام بیہقی نے تطبیق کی صورت بیان کی ہے کہ اگر کسی کا انتظار ہو تو پہلی رکعت کو لمبا کیا جا سکتا ہے بصورت دیگر پہلی دونوں رکعات برابر ہونی چاہییں، چنانچہ حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ میں ہر نماز کی پہلی رکعت کے متعلق یہ پسند کرتا ہوں کہ امام اسے طویل کرے تاکہ لوگوں کی شمولیت زیادہ ہو۔ اور جب میں اکیلا نماز پڑھوں تو پہلی دونوں رکعات کے برابر ہونے کو پسند کرتا ہوں۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ صبح کی نماز میں تو پہلی رکعت طویل ہونی چاہیے اور دیگر نمازوں میں اگر لوگوں کے شامل ہونے کی امید ہو تو پہلی کو طویل کیا جا سکتا ہے بصورت دیگر ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ نماز صبح میں پہلی رکعت طویل کرنے کی یہ وجہ ہے کہ نیند اور آرام سے بیدار ہونا کچھ مشکل ہوتا ہے، اس لیے ایسے لوگوں کی رعایت کرتے ہوئے پہلی رکعت کو طویل کیا جائے۔ واللہ أعلم. [2]

1 فتح الباري: 338/2. 2 فتح الباري: 339/2.

(١١١) بَابُ جَهْرِ الْإِمَامِ بِالتَّأْمِينِ

باب:111-امام کا باآواز بلند آمین کہنا

وَقَالَ عَطَاءٌ: آمِينَ دُعَاءٌ، أَمَّنَ ابْنُ الزُّبَيْرِ وَمَنْ وَرَاءَهُ حَتَّى إِنَّ لِلْمَسْجِدِ لَلَجَّةً، وَكَانَ أَبُوهُرَيْرَةَ يُنَادِي الْإِمَامَ: لَا تَفُتْنِي بِآمِينَ. وَقَالَ نَافِعٌ: كَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا يَدَعُهُ وَيَحُضُّهُمْ، وَسَمِعْتُ مِنْهُ فِي ذٰلِكَ خَيْرًا.

حضرت عطاء ؒ بیان کرتے ہیں کہ آمین ایک دعا ہے۔حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ اور ان کے مقتدیوں نے اتنی زور سے آمین کہی کہ مسجد گونج اٹھی۔حضرت ابوہریرہ ؓ اپنے امام کو کہا کرتے تھے کہ مجھے آمین سے محروم نہ کرنا۔ حضرت نافع کا کہنا ہے کہ عبداللہ بن عمر ؓ آمین کہنے کو کسی صورت میں نہیں چھوڑتے تھے بلکہ دوسروں کو بھی اس کے متعلق ترغیب دیا کرتے تھے اور میں نے آمین کے متعلق ان سے اچھے کلمات سنے ہیں۔

وضاحت: آمین اسمائے افعال میں سے ہے جس کے معنی ہیں: اے اللہ! ہماری دعا قبول فرما۔ امام بخاری ؒ اس عنوان میں امام کے لیے جہری نمازوں میں باآواز بلند آمین کہنی ثابت کرنا چاہتے ہیں، اس سلسلے میں انھوں نے مذکورہ آثار پیش کیے ہیں۔ پہلے تین آثار بایں الفاظ مصنف عبدالرزاق میں بیان ہوئے ہیں: ابن جریج نے حضرت عطاء سے سوال کیا: آیا حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد آمین کہا کرتے تھے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں اور آپ کے مقتدی بھی آمین کہا کرتے تھے حتی کہ مسجد میں گونج پیدا ہو جاتی۔ پھر فرمایا کہ آمین تو ایک دعا ہے۔ مزید فرمایا کہ حضرت ابوہریرہ ؓ جب مسجد میں داخل ہوتے اور امام جماعت کے لیے کھڑا ہو چکا ہوتا تو اسے آواز دے کر فرماتے: مجھے آمین سے محروم نہ کرنا۔[1] دراصل حضرت ابوہریرہ ؓ امام کے ساتھ آمین کہنا چاہتے تھے اور یہ تبھی ممکن ہے کہ امام باآواز بلند آمین کہے۔ اس سے مذکورہ اثر کی عنوان سے مطابقت ثابت ہوتی ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا کہ حضرت ابوہریرہ ؓ صفوں کو سیدھا کرنے میں مصروف ہوتے کہ امام جلدی سے جماعت شروع کر دیتا، ایسے حالات میں امام سے کہتے کہ میرے صف میں داخل ہونے سے پہلے ولا الضّآلین نہ کہا کرو۔[2] حضرت نافع سے مروی حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کا اثر بھی مصنف عبدالرزاق (96/2) میں متصل سند سے بیان ہوا ہے۔ اس کی عنوان سے مطابقت واضح ہے کہ آپ ہمیشہ سورۂ فاتحہ کے بعد آمین کہا کرتے تھے، خواہ آپ امام ہوتے یا مقتدی۔ حضرت عطاء کا قول ان لوگوں کی تردید کے لیے پیش کیا ہے جن کا موقف ہے کہ آمین تو جواب دعا ہے، لہٰذا امام کو آمین نہیں کہنا چاہیے۔ حافظ ابن حجر ؒ فرماتے ہیں کہ لفظ آمین تفصیل کے بعد تلخیص کے قائم مقام ہے۔ دعا کرنے والا ﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ سے آخر سورت تک تفصیل سے دعا کرتا ہے۔ اس کے بعد آمین کہتا ہے جو کہ پوری دعا کو شامل ہے گویا وہ دو مرتبہ دعا مانگتا ہے۔ ایک مرتبہ تفصیل سے اور ایک مرتبہ اختصار کے ساتھ اپنی معروضات پیش کرتا ہے۔[3] مزید یہ کہ امام دعا کرنے میں منفرد نہیں بلکہ مقتدی بھی دعا

---

1 المصنف لعبد الرزاق: 97,96/2. 2 فتح الباري: 340/2. 3 فتح الباري: 341/2.

کرنے میں اس کے ساتھ شریک ہیں کیونکہ ان کے لیے بھی سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔ جس طرح مقتدی حضرات دعا کرتے ہیں اور آمین بھی کہتے ہیں اسی طرح امام کے لیے بھی دونوں چیزوں کو اکٹھا کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں۔

٧٨٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَأَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّهُمَا أَخْبَرَاهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ فَأَمِّنُوا، فَإِنَّهُ مَنْ وَّافَقَ تَأْمِينُهُ تَأْمِينَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ». قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: وَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «آمِينَ». [انظر: ٦٤٠٢]

[780] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگئی، اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔'' ابن شہاب کا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ خود بھی آمین کہا کرتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① امام ابن خزیمہ اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے ''جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو'' فرماتے ہیں: اس فرمان نبوی سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ امام کو بآواز بلند آمین کہنی چاہیے کیونکہ رسول اللہ ﷺ امام کی آمین کے وقت آمین کہنے کا حکم اسی صورت میں دے سکتے ہیں جب مقتدی کو امام کی آمین کا پتہ ہو۔ اگر امام بآواز بلند آمین کہنے کے بجائے آہستہ کہے تو مقتدی کو معلوم نہیں ہو سکے گا کہ امام نے آمین کہی ہے یا نہیں اور یہ محال ہے کہ کسی سے کہا جائے کہ جب فلاں آدمی یہ کہے تو تم بھی اسی طرح کہو جبکہ وہ اس کی بات نہ سن رہا ہو۔ کوئی عالم بھی اس محال کا تصور نہیں کر سکتا کہ رسول اللہ ﷺ مقتدی کو آمین اس وقت کہنے کا حکم دیں جب امام آمین کہے اور مقتدی امام کی آمین نہ سن رہا ہو۔[1] کئی قرائن امام ابن خزیمہ کے مذکورہ بیان کی تائید کرتے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: ❁ حضرت نعیم مجمر سے روایت ہے، وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھنے کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب وہ ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ پر پہنچے تو انھوں نے آمین کہی اور لوگوں نے بھی آمین کہی، پھر انھوں نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! میں تم سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی نماز میں مشابہ ہوں۔[2] ❁ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ سورۂ فاتحہ کی قراءت سے فارغ ہوتے تو اپنی آواز بلند کرتے ہوئے آمین کہتے۔[3] ② دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی مرویات سے بھی بآواز بلند آمین کہنے کا پتہ چلتا ہے، مثلاً: ❁ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا: آپ نے ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ پڑھا تو آمین کہی اور اپنی آواز کو خوب کھینچا۔[4] ❁ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا: آپ نے جب ﴿وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ کہا تو آمین کہی۔[5] ③ متعدد محدثین نے اس حدیث پر بآواز بلند آمین کہنے پر عنوان قائم کیے ہیں، مثلاً: ❁ امام بخاری رحمہ اللہ جیسا کہ یہاں موجود ہے۔ ❁ امام

1. صحيح ابن خزيمه: 286/1. 2 سنن النسائي، الصلاة، حديث: 906. 3 صحيح ابن حبان: 147/3. 4 جامع الترمذي، الصلاة، حديث: 248. 5 سنن ابن ماجه، الصلاة، حديث: 854.

نسائی رحمہ اللہ نے [باب جھر الإمام بآمین] ❁ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے [باب الجھر بآمین] ❁ امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے [باب الجھر بآمین] کے عنوان قائم کیے ہیں۔ ④ صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ جب امام ﴿غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ﴾ کہے تو تم آمین کہو۔ (حدیث: 782) یہ حدیث بظاہر مذکورہ حدیث کے معارض ہے کیونکہ اس میں امام کے آمین کہنے پر آمین کا حکم ہے لیکن اس حدیث میں وَلَا الضَّآلِّیْنَ کہنے پر ہی یہ حکم دیا گیا ہے۔ جمہور علماء نے ان احادیث میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ امام کے آمین کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ آمین کہنے کا ارادہ کرے اور اس کا آمین کہنے کا ارادہ وَلَا الضَّآلِّیْنَ کہنے کے بعد ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک حدیث میں صراحت ہے کہ جب امام وَلَا الضَّآلِّیْنَ کہے تم تو آمین کہو۔ بلاشبہ فرشتے بھی آمین کہتے ہیں اور امام بھی آمین کہتا ہے۔ یہ روایت ابوداود اور نسائی میں ہے اور اس میں امام کے آمین کہنے کی صراحت ہے۔[1] ⑤ بعض حضرات امام کے آمین کہنے کے قائل نہیں۔ وہ مذکورہ حدیث کی تاویلیں کرتے ہیں، مثلاً: أَمَّنَ کا معنی آمین کہنا نہیں بلکہ مجازی معنی دعا کرنا ہے۔ دعا کرنے والے کو آمین کہنے والا کہا جاتا ہے جیسا کہ قرآن میں حضرت ہارون علیہ السلام جو آمین کہنے والے تھے انھیں داعی، یعنی دعا کرنے والا کہا گیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُکُمَا﴾[2] ''تم دونوں کی دعا قبول ہوئی۔'' حالانکہ دعا کرنے والے صرف موسیٰ علیہ السلام تھے اور حضرت ہارون تو آمین کہتے تھے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کا جواب دیا ہے کہ آمین کہنے والے کو داعی کہنے سے داعی کو آمین کہنے والا کہنا ثابت نہیں ہوتا، پھر یہ بات بھی محل نظر ہے کہ صرف موسیٰ علیہ السلام دعا کرنے والے تھے حضرت ہارون علیہ السلام دعا کرنے والوں میں شامل نہیں تھے۔[3] ❁ [أَمَّنَ] سے مراد آمین کہنا نہیں بلکہ آمین کے مقام پر پہنچنا ہے جیسا کہ عرب أَنْجَدَ کا لفظ بول کر وہ شخص مراد لیتے ہیں جو نجد کے قریب پہنچ چکا ہو لیکن ابھی داخل نہ ہوا ہو۔ ابن دقیق العید اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ معنی مجازی ہے اور مجاز پر اس وقت عمل ہوتا ہے جب حقیقی معنی متعذر یا محال ہو، ورنہ اصل یہی ہے کہ حقیقی معنی پر محمول کیا جائے۔[4] ⑥ مذکورہ حدیث میں ابن شہاب کے حوالے سے وضاحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ خود بھی آمین کہا کرتے تھے۔ علامہ کرمانی رحمہ اللہ اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ کی تفسیر ہے اور اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو اس سے مراد ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ﴾ کے الفاظ سے دعا کرنا کہتے ہیں۔[5] اس معنی کی تائید سنن نسائی کی روایت سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب امام ﴿غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ﴾ کہے تو تم آمین کہو، کیونکہ فرشتے بھی اس وقت آمین کہتے ہیں اور امام بھی آمین کہتا ہے، جس شخص کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگئی اس کے گزشتہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔''[6] گویا راویٔ حدیث حضرت ابن شہاب کو اندیشہ تھا کہ لوگ إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ کی غلط تاویل کریں گے، اس لیے انھوں نے واضح کر دیا کہ اس سے مراد حقیقی معنی، یعنی آمین کہنا ہی ہے۔ ⑦ علامہ ابن منیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایک ساتھ آمین کہنے کی ترغیب میں یہ حکمت ہے کہ اس سے مقتدی چوکس اور بیدار رہیں گے تاکہ بروقت کام ادا کریں اور کسی صورت میں غفلت کا شکار نہ ہوں جس طرح فرشتے غفلت سے کام نہیں لیتے۔ اور جو فرشتوں کی موافقت کرے گا وہ ہوشیار اور بیدار قرار پائے گا۔[7]

---

① فتح الباري: 342/2. 2 یونس 89:10. 3 فتح الباري: 341/2. 4 فتح الباري: 342/2. 5 شرح الکرماني: 145/5. 6 سنن النسائي، الصلاۃ، حدیث: 927. 7 فتح الباري: 343/2.

(١١٢) بَابُ فَضْلِ التَّأْمِينِ

باب: 112- آمین کہنے کی فضیلت

٧٨١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِذَا قَالَ أَحَدُكُمْ: آمِينَ، وَقَالَتِ الْمَلَائِكَةُ فِي السَّمَاءِ: آمِينَ، فَوَافَقَتْ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرٰى، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ».

[781] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی آمین کہتا ہے تو آسمان پر فرشتے بھی آمین کہتے ہیں۔ اگر دونوں کی آمین ایک دوسرے سے مل جائے تو اس (نمازی) کے تمام گزشتہ گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔''

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ آمین کی فضیلت بیان کرنے کے لیے ایک ایسی حدیث لائے ہیں جس میں مطلق طور پر آمین کہنے کی فضیلت کا بیان ہے اور اسے حالت نماز کے ساتھ خاص نہیں کیا گیا، تاہم صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''جب تم میں سے کوئی نماز میں آمین کہے۔'' اس روایت کے پیش نظر کہا جا سکتا ہے کہ مطلق روایت کو مقید پر محمول کیا جائے گا اور اس سے مراد نماز میں آمین کہنے والا ہی ہے لیکن بہتر ہے کہ اسے اطلاق پر ہی رکھا جائے۔ علاوہ ازیں صحیح مسلم ہی کی ایک روایت ہے کہ جب کوئی قرآن پڑھنے والا آمین کہے تو تم بھی آمین کہو۔[1] اس روایت کے پیش نظر جب کوئی بھی قاری آمین کہے تو سننے والے کے لیے، خواہ وہ نماز میں ہو یا غیر نماز میں آمین کہنا مستحب ہے۔ ممکن ہے کہ قاری سے مراد امام ہی ہو کیونکہ حدیث ایک ہی ہے جو مختلف الفاظ سے بیان ہوئی ہے۔[2] ② علامہ ابن منیر ؒ فرماتے ہیں کہ اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہو سکتی ہے کہ ایک چھوٹا سا کلمہ کہنے سے مغفرت مل رہی ہے جس کے ادا کرنے میں کوئی دشواری نہیں۔[3] آمین کہنے کے متعلق یہ فضیلت ہی کافی ہے کہ مسلمانوں کے اس عمل سے یہودی بہت حسد کرتے ہیں، چنانچہ حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہود نے تمھارے ساتھ کسی چیز پر اتنا حسد نہیں کیا جتنا سلام اور آمین کہنے پر کیا ہے۔''[4] امام ابن خزیمہ نے اس روایت کو بایں الفاظ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ یہود ایک حاسد قوم ہے۔ وہ ہم سے جتنا حسد سلام اور آمین کہنے پر کرتے ہیں اتنا کسی اور چیز سے نہیں کرتے۔''[5]

(١١٣) بَابُ جَهْرِ الْمَأْمُومِ بِالتَّأْمِينِ

باب: 113- مقتدی کا باآواز بلند آمین کہنا

٧٨٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُمَيٍّ مَوْلٰى أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ،

[782] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب امام ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا

---

1 صحيح مسلم، الصلاة، حديث: 410(920). 2 فتح الباري: 345/2. 3 فتح الباري: 344/2. 4 سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، حديث: 856. 5 صحيح ابن خزيمة: 288/1.

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِذَا قَالَ الْإِمَامُ ﴿غَيْرِ ٱلْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا ٱلضَّآلِّينَ﴾ فَقُولُوا: آمِينَ، فَإِنَّهُ مَنْ وَّافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ». تَابَعَهُ مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. وَنُعَيْمٌ الْمُجْمِرُ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ.

[انظر: ٤٤٧٥]

﴿الضَّآلِّينَ﴾ کہے تو تم آمین کہو کیونکہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے ہم آہنگ ہوئی اس کے تمام گزشتہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔'' اس (سمی) کی متابعت محمد بن عمرو نے کی ہے اور نعیم مجمر نے براہ راست حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔

فوائد و مسائل: ① حدیث میں مقتدی کے آمین کہنے کا ذکر تو ہے لیکن بآواز بلند کہنے کا نہیں، اس کے متعلق علامہ ابن منیر لکھتے ہیں: حدیث کی عنوان سے مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں مقتدی کو آمین کہنے کا حکم ہے اور جب مطلق طور پر قول کے ذریعے سے خطاب ہو تو جہر ہی پر محمول ہوگا اور جب آہستہ کہلانا مقصود ہو تو آہستہ کہنے کی قید اضافی طور پر بڑھائی جاتی ہے۔[1] ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ باب اور حدیث کی مطابقت اس طرح بھی ثابت ہوتی ہے کہ مقتدی امام کی اقتدا کا پابند ہے اور یہ ثابت ہو گیا کہ امام بآواز بلند آمین کہنے کا پابند ہے، اس لیے مقتدی کے لیے بھی لازمی ٹھہرا کہ وہ اپنے امام کی اقتدا میں بآواز بلند آمین کہے۔ اس پر اعتراض ہو سکتا ہے کہ اس اعتبار سے تو مقتدی کو سورۂ فاتحہ بھی اونچی آواز میں پڑھنی چاہیے لیکن امام کے پیچھے بآواز بلند فاتحہ پڑھنے کی ممانعت ہے، اس لیے یہ اعتراض درست نہیں۔ مزید اس موقف کی تائید حضرت عطاء کے اثر سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے مقتدی بآواز بلند آمین کہا کرتے تھے۔ ایک روایت میں حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ میں نے اس مسجد میں دو سو سے زیادہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا کہ جب امام ﴿ولا الضالین﴾ کہتا تو ان کے آمین کہنے کی گونج مجھے سنائی دیتی۔[2] علامہ سندھی فرماتے ہیں کہ فَقُولُوا آمِينَ کا حکم امام اور مقتدی دونوں کے لیے ہے۔ دراصل اس طرح کہنا چاہیے تھا کہ امام بھی آمین کہے اور تم بھی آمین کہو، لیکن چونکہ رسول اللہ ﷺ خود امام تھے، اس لیے عبارت کو مختصر طور پر اس طرح کہہ دیا کہ تم آمین کہو۔[3] ③ کتب حدیث میں متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار مروی ہیں جو مقتدی کے لیے آمین بالجہر پر دلالت کرتے ہیں۔ چند ایک کا حوالہ حسب ذیل ہے: حضرت نافع روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما امام کے ساتھ نماز پڑھتے تو جب فاتحہ پڑھنے کے بعد لوگ آمین کہتے تو آپ بھی آمین کہتے اور اسے سنت قرار دیتے،[4] نیز امام بیہقی کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما امام ہوتے یا مقتدی دونوں صورتوں میں بلند آواز سے آمین کہتے تھے۔[5] اس سلسلے میں امام بخاری رحمہ اللہ کی بیان کردہ تعلیق پہلے گزر چکی ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے متعلق بھی پہلے بیان ہو چکا ہے۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے عطاء بن ابی رباح سے سوال کیا: آیا حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سورۂ فاتحہ کے اختتام پر آمین کہتے تھے؟ تو انھوں نے کہا: ہاں، اور جو ان کے پیچھے نماز پڑھتے تھے وہ بھی آمین کہتے تھے یہاں تک کہ مسجد گونج اٹھتی تھی۔[6] اس کے علاوہ حضرت عکرمہ مولیٰ ابن عباس کہتے ہیں کہ

---

1 فتح الباري: 345/2. 2 فتح الباري: 345/2. 3 حاشية السندي: 142/1. 4 صحيح ابن خزيمة: 287/2 حديث: 572. 5 السنن الكبرى للبيهقي: 59/2. 6 المصنف لعبدالرزاق: 97,96/2.

میں نے لوگوں کو اس حال میں پایا کہ جب امام ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ کہتا تو ان کے آمین کہنے سے مساجد گونج اٹھتی تھیں۔[1] ان آثار کے مقابلے میں کسی صحابی سے صحیح اور حسن سند کے ساتھ آہستہ آواز میں آمین کہنا ثابت نہیں۔ ④ امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث کے آخر میں دو متابعت بھی ذکر کی ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: محمد بن عمرو کی متابعت کو امام احمد، دارمی، ابن خزیمہ اور امام بیہقی رحمہم اللہ نے اپنی اپنی متصل اسناد سے بیان کیا ہے جبکہ دوسری نعیم مجمر کی متابعت کو امام نسائی اور ابن خزیمہ رحمہما اللہ نے موصولاً روایت کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: نعیم مجمر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم اور سورۂ فاتحہ پڑھی۔ جب آپ ﴿وَلَا الضَّالِّينَ﴾ پر پہنچے تو آمین کہی اور آپ کے پیچھے لوگوں نے بھی آمین کہی۔ آخر میں آپ نے فرمایا: مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! میں تم سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی نماز سے مشابہ ہوں۔[2] ⑤ جس روایت میں آہستہ آمین کہنے کا ذکر آیا ہے وہ محدثین کے قائم کردہ معیار صحت پر پوری نہیں اترتی، اس لیے وہ قابل حجت نہیں۔ اگر اسے صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ سری نمازوں میں آمین آہستہ کہی جائے تاکہ دیگر روایات کے ساتھ اس کا ٹکراؤ نہ ہو۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ ابتدائی طور پر بغرض تعلیم باآواز بلند آمین کہا کرتے تھے اس کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ یہ موقف عقل و نقل کے اعتبار سے درست نہیں کیونکہ اونچی آواز سے آمین کہنا حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی آخری عمر میں اسلام لائے تھے، اس لیے ان سے مروی حدیث کو ابتدائی زمانے پر محمول کرنا ممکن نہیں۔ واللہ أعلم۔

(١١٤) بَابٌ: إِذَا رَكَعَ دُونَ الصَّفِّ

باب: 114- شمولیت صف سے پہلے رکوع کرنا

وضاحت: مناسب تھا کہ یہ عنوان ''ابواب امامت'' کے ساتھ لایا جاتا جہاں عورت کو مردوں کی صفوں کے پیچھے الگ تنہا کھڑے ہونے کا حکم مستقل باب قائم کر کے بیان کیا تھا۔[3] چونکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے کسی کتاب کے ذیلی عنوانات میں باہم مناسبت تامہ کی رعایت نہیں کی، اس لیے ہر عنوان کو سابق عنوان سے یک گونہ مناسبت کافی ہے۔ یہاں بھی قراءت فاتحہ کے بعد آمین کا باب لائے، اس کے بعد رکوع کو لے آئے، اتنی مناسبت کافی ہے۔[4]

٧٨٣ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنِ الْأَعْلَمِ - وَهُوَ زِيَادٌ - عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ: أَنَّهُ انْتَهَى إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ رَاكِعٌ فَرَكَعَ قَبْلَ أَنْ يَصِلَ إِلَى الصَّفِّ، فَذَكَرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: «زَادَكَ اللهُ حِرْصًا وَلَا تَعُدْ».

[783] حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نبی ﷺ کے قریب اس وقت پہنچے جب آپ رکوع میں تھے۔ صف میں شمولیت سے پہلے ہی انھوں نے رکوع کر لیا۔ پھر جب نبی ﷺ سے یہ ماجرا بیان کیا تو آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تمھارے شوق کو مزید ترقی دے! آئندہ ایسا مت کرنا۔''

---

1 المصنف لابن أبي شيبة: 189/2. 2 فتح الباري: 348/2. 3 فتح الباري: 346/2. 4 عمدة القاري: 502/4.

فوائد و مسائل: ① شمولیت صف سے پہلے رکوع کرنے والے کے متعلق امام بخاری ؒ نے جزم کے ساتھ کوئی حکم نہیں لگایا کہ اس کی یہ رکعت درست ہوگی یا نہیں؟ کیونکہ اس کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔ جن فقہاء کے نزدیک یہ رکعت صحیح ہے ان کا موقف ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تیز دوڑنے اور قبل از شمولیت صف رکوع کرنے سے ضرور منع فرمایا ہے لیکن ایسا کرنا حرام نہیں، اگر نہی تحریمی ہوتی تو آپ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کو مذکورہ رکعت دوبارہ پڑھنے کا حکم دیتے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ معلوم ہوا کہ ان کی وہ رکعت درست تھی۔ اور جن حضرات کے نزدیک ایسی رکعت صحیح نہیں ان کا موقف ہے کہ پہلے ایسا کرنا جائز تھا اور رکعت بھی درست تھی لیکن اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے لَا تَعُدْ کے الفاظ سے نہی فرما دی، اس لیے وہ کام کرنا جس سے آپ نے منع کر دیا ہے کسی صورت میں درست نہیں۔ صحابی مذکور کا فعل چونکہ نہی سے پہلے سرزد ہو چکا تھا، اس لیے آپ نے اسے اعادے کا حکم نہیں دیا۔ یہ آخری موقف زیادہ راجح اور احوط معلوم ہوتا ہے اور امام بخاری ؒ کا میلان بھی اسی طرف ہے کیونکہ امام بخاری ؒ کے نزدیک جس رکعت میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ رکعت درست نہیں۔ حالت مذکورہ میں ادا کی گئی رکعت بھی سورۂ فاتحہ کے بغیر ہے، لہٰذا وہ بھی درست نہ ہوگی۔ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل حدیث سے بھی اس موقف کی تائید ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ صف کے پیچھے اکیلا کھڑا نماز پڑھ رہا تھا، آپ نے اسے دوبارہ پڑھنے کا حکم دیا۔ امام بخاری اور ابن خزیمہ ؒ نے اس روایت کو درست قرار دیا ہے اور صحیح ابن خزیمہ میں مندرجہ ذیل الفاظ کا اضافہ ہے: صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھنے والے کی کوئی نماز نہیں ہوتی۔[1] ان روایات میں صف کے پیچھے منفرد کی نماز کو غیر درست قرار دیا گیا ہے، لہٰذا قبل از شمولیت صف رکوع کرنے والے نے رکعت کا جو حصہ صف کے پیچھے اکیلے ادا کیا وہ درست نہ ہوگا جس سے رکعت ادھوری رہ جائے گی، اس بنا پر وہ غیر درست قرار پائے گا۔ واللہ أعلم. ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دیر سے جماعت میں شامل ہونے والے کو چاہیے کہ وہ جس حالت میں امام کو پائے اسی حالت کو اختیار کر کے امام کے ساتھ شامل ہو جائے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: "نماز کے لیے آرام اور سکون کے ساتھ آؤ، جتنا حصہ مل جائے پڑھ لو اور جو رہ جائے وہ بعد میں پورا کر لو۔"[2] ③ امام بخاری ؒ نے اپنے رسالے "جزء القراءۃ" میں اس موضوع پر تفصیل سے گفتگو کی ہے کہ صرف رکوع پا لینے سے رکعت نہیں ہوتی کیونکہ ایسا کرنے سے دو رکن فوت ہو جاتے ہیں، یعنی قیام اور فاتحہ، یہ دونوں کتاب و سنت کے مطابق فرض ہیں۔ اس موقف پر مندرجہ ذیل احادیث کی روشنی میں اعتراض کیا گیا ہے: ○ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے آخر میں لَا تَعُدْ کے الفاظ ہیں۔ ان سے استدلال کیا جاتا ہے کہ تو اپنی نماز کو نہ لوٹا کیونکہ اس نے امام کے ساتھ رکوع پا لیا تھا۔ ○ حدیث میں ہے کہ جس نے رکوع پا لیا اس نے نماز کو پا لیا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مدرک رکوع، مدرک رکعت ہے۔ ○ جب تم نماز کے لیے آؤ اور ہم حالت سجدہ میں ہوں تو تم بھی سجدہ کرو اور اسے کچھ بھی شمار نہ کرو اور جس نے رکعت کو پا لیا، اس نے نماز کو پا لیا۔[3] اس روایت میں رکعت سے مراد رکوع ہے۔ ○ جب تم نماز کو آؤ اور امام رکوع کر رہا ہو تو تم بھی رکوع کرو اور اگر سجدے کی حالت میں ہو تو تم بھی سجدہ کرو۔ اور تم سجدے کو شمار نہ کرو جب اس کے ساتھ رکوع نہ

---

1 فتح الباري: 347/2. 2 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 572. 3 السنن الكبرى للبيهقي: 89/2.

ہو۔ [1] ٥ جس نے امام کو اپنی کمر سیدھا کرنے سے پہلے رکوع کی حالت میں پالیا اس نے نماز کو پالیا۔ [2] ان روایات کا تقاضا ہے کہ رکوع پا لینے سے رکعت ہو جاتی ہے۔ ٥ عمل صحابہ بھی اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ امام کے ساتھ رکوع پا لینا رکعت کو پالینا ہے، مثلاً: حضرت عبداللہ بن مسعود۔ [3] حضرت عبداللہ بن عمر۔ [4] حضرت زید بن ثابت۔ [5] حضرت ابوبکر صدیق [6] اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم۔ [7] یہ تمام آثار اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ رکوع پا لینے والے سے قراءت فاتحہ ساقط ہو جائے گی اور اس کی رکعت بھی صحیح ہوگی جیسا کہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔ [8] ان روایات و آثار کا جواب حسب ذیل ہے:

* حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے مدرک رکوع کی رکعت کا ہونا اور نہ ہونا دونوں ہی ثابت نہیں ہوتے۔ روایت کے اعتبار سے اس حدیث کے جو الفاظ ثابت ہیں وہ لَا تَعُدْ ہی ہیں جن کے معنی ہیں کہ دوبارہ ایسا نہ کرنا جس کی وضاحت ہم پہلے کر چکے ہیں اور جو الفاظ اعتراض میں بیان ہوتے ہیں کہ اعادہ نہ کر، نماز نہ لوٹا، تو روایت کے اعتبار سے یہ الفاظ ثابت نہیں، اس بنا پر جس حدیث میں ہے کہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی وہ محکم ہے اور مذکورہ ابوبکرہ کی روایت سے متعارض نہیں کیونکہ محکم اور محتمل میں تعارض نہیں ہوتا، اس لیے رکوع میں شامل ہونے والے کی رکعت کو کیونکر شمار کیا جائے۔ * جس نے رکوع پالیا، اس نے نماز کو پالیا، اس مفہوم پر مشتمل جتنی بھی روایات ہیں وہ محل نظر ہیں کیونکہ محدثین کے قائم کردہ معیار صحت پر پوری نہیں اترتیں۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے ایک روایت بایں الفاظ نقل فرمائی ہے کہ جس نے رکوع پالیا اس نے رکعت کو پالیا۔ [9] لیکن یہ الفاظ بالکل بے اصل ہیں جیسا کہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے خود وضاحت کر دی ہے۔ * اس تیسری روایت میں ہے کہ جس نے رکعت کو پالیا اس نے نماز کو پالیا۔ یہ روایت بھی ضعیف ہے جیسا کہ خود امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے کیونکہ اس کی سند میں یحیی بن ابی سلیمان المدینی راوی ''منکر الحدیث'' ہے جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے متعلق تبصرہ کیا ہے۔ [10] اس کے علاوہ اس میں رکعت سے مراد رکوع نہیں کیونکہ رکعت بمعنی رکوع مجاز ہے اور مجازی معنی اس وقت معتبر ہوتا ہے جب حقیقی معنی دشوار اور مشکل ہو۔ پھر اس روایت کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، خود ان کا فتویٰ یہ ہے کہ مدرک رکوع مدرک رکعت نہیں کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ تیری رکعت اس وقت تک جائز نہیں ہوگی جب تک تو امام کو حالت قیام میں نہ پالے۔ [11] * چوتھی روایت میں بھی لفظ "رجل" آیا ہے اور یہ آدمی مجہول ہے۔ ابھی تک اس کا صحابی ہونا ثابت نہیں ہو سکا۔ اگر وہ تابعی ہے تو اس کے حالات کا علم نہیں۔ اگر صحیح بھی مان لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سجدہ کے قابل اعتبار ہونے کے لیے رکوع ضروری ہے، اس کے بغیر سجود کی کوئی حیثیت نہیں۔ * پانچویں روایت کے معنی یہ نہیں کہ جس نے امام کو اپنی کمر سیدھی کرنے سے پہلے رکوع کی حالت میں پالیا، اس نے نماز کو پالیا کیونکہ روایت کے الفاظ میں رکعت ہے رکوع نہیں، پھر کمر سیدھا کرنے کے الفاظ بھی روایت کا حصہ نہیں بلکہ مدرج ہیں۔ شاید یہ امام زہری کے الفاظ ہیں جنھیں یحییٰ بن حمید

---

1 السنن الكبرٰى للبيهقي: 2/89. 2 السنن الكبرٰى للبيهقي: 2/89. 3 السنن الكبرٰى للبيهقي: 2/90. 4 السنن الكبرٰى للبيهقي: 2/90. 5 السنن الكبرٰى للبيهقي: 2/90. 6 السنن الكبرٰى للبيهقي: 2/90. 7 إرواء الغليل: 2/264. 8 إرواء الغليل: 2/264. 9 إرواء الغليل: 2/260. 10 إرواء الغليل: 2/261. 11 جزء القراءة، حديث: 131.

نے حدیث کا حصہ بنایا ہے اور اس کی وضاحت نہیں کی۔[1] امام بیہقی نے بھی اس کی وضاحت کی ہے۔ * جن روایات سے صحابۂ کرام کے عمل کو پیش کیا گیا ہے وہ ان کا عمل ہونے کی حیثیت سے شریعت کو ثابت نہیں کرتا اور خاص طور پر اس وقت جب ان کا عمل رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے معارض ہو۔ اجتہاد کی بنا پر ایسا ہونا ممکن ہے۔ ہمارے لیے سب سے پہلے رسول اکرم ﷺ کے حکم پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اور اس مقام پر معارضت موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔'' اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے قیام کو طویل کر دیتے تھے تاکہ وہ رکعت پالیں لیکن آپ نے کبھی رکوع کو طویل نہیں کیا تاکہ وہ اس میں شامل ہو کر اسے رکعت شمار کر لیں۔ واللہ أعلم.

(١١٥) بَابُ إِتْمَامِ التَّكْبِيرِ فِي الرُّكُوعِ

باب:115- رکوع میں پورے طور پر تکبیر کہنا

قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، وَفِيهِ مَالِكُ ابْنُ الْحُوَيْرِثِ.

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے نبی ﷺ سے بیان کیا ہے اور حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے بھی اس کے متعلق روایت موجود ہے۔

وضاحت: ابوداود کی ایک روایت ہے، ایک صحابی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ نے مکمل طور پر تکبیرات نہ کہیں۔ امام ابوداود رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کے معنی یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رکوع سے اٹھ کر سجدے کو جاتے وقت اور سجدے سے فراغت کے بعد اٹھتے وقت تکبیرات نہیں کہی تھیں۔[2] اس عنوان سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود اس روایت کے ضعف کی طرف اشارہ کرنا ہے۔[3] واضح رہے کہ نماز میں اٹھتے اور جھکتے وقت جو تکبیرات کہی جاتی ہیں انھیں تکبیرات انتقال کہتے ہیں۔ مذکورہ روایت صحیح نہیں۔ درست تسلیم کر لینے میں اس سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پوری طرح جہر نہ کیا یا انھیں لمبا نہ کیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو امام بخاری رحمہ اللہ نے آگے موصولاً بیان کیا ہے،[4] نیز حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی روایت بھی متصل سند سے آگے آ رہی ہے۔[5]

٧٨٤ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ الْوَاسِطِيُّ قَالَ: أَخْبَرَنَا خَالِدٌ عَنِ الْجُرَيْرِيِّ، عَنْ أَبِي الْعَلَاءِ، عَنْ مُطَرِّفٍ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ: صَلَّى مَعَ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بِالْبَصْرَةِ فَقَالَ: ذَكَّرَنَا هٰذَا الرَّجُلُ صَلَاةً كُنَّا نُصَلِّيهَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَذَكَرَ أَنَّهُ كَانَ يُكَبِّرُ كُلَّمَا رَفَعَ وَكُلَّمَا وَضَعَ.

[انظر: ٧٨٦، ٨٢٦]

[784] حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ بصرہ میں نماز ادا کی تو فرمایا: اس شخص (حضرت علی رضی اللہ عنہ) نے ہمیں وہ نماز یاد دلا دی ہے جو ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ پڑھا کرتے تھے۔ پھر انھوں نے کہا کہ آپ ﷺ جب نماز میں سر اٹھاتے اور سر جھکاتے تو اس وقت اللہ اکبر کہتے تھے۔

---

1 إرواء الغليل: 262/2. 2 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 837. 3 فتح الباري: 349/2. 4 صحيح البخاري، الأذان، حديث: 788. 5 صحيح البخاري، الأذان، حديث: 818.

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ کی وفات سے کچھ عرصہ بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ائمۂ مساجد نے نماز پڑھتے وقت تکبیرات انتقال کو ترک کر دیا تھا جیسا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہمیں وہ نماز یاد دلا دی جو ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ادا کرتے تھے۔ ہم نے ان تکبیرات انتقال کو بھلا دیا تھا یا دانستہ طور پر چھوڑ بیٹھے تھے۔[1] ② ترک کا سبب یہ ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی آواز طبعی حیا کی وجہ سے پست تھی یا بڑھاپے کی بنا پر کمزور ہو گئی تھی، چنانچہ نماز پڑھاتے وقت لوگوں کو ان کی تکبیرات سنائی نہیں دیتی تھیں جس سے یہ خیال کر لیا گیا کہ نماز میں تکبیرات انتقال ضروری نہیں ③ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حضرت عثمان اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما اور جناب زیاد کے ترک تکبیرات کے متعلق روایات پیش کی ہیں، مزید لکھا ہے کہ زیاد نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر تکبیرات کو ترک کیا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر انھیں نظر انداز کر دیا۔[2] ④ اس دور میں تکبیرات انتقال کے ترک سے مراد مطلق طور پر تکبیرات چھوڑ دینا نہیں بلکہ بآواز بلند ترک کر دینا ہے، البتہ امام طحاوی نے کچھ لوگوں کے متعلق نقل کیا ہے کہ وہ رکوع اور سجدے میں جاتے وقت تکبیرات نہیں کہا کرتے تھے۔ بہر حال جمہور کے نزدیک تکبیر تحریمہ واجب اور باقی تمام تکبیرات مستحب ہیں لیکن ہمارے نزدیک راجح بات یہ ہے کہ تمام تکبیرات واجب ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے ان کا ترک ثابت نہیں بلکہ آپ ہمیشہ انھیں کہتے رہے ہیں۔ آپ کا فرمان گرامی ہے کہ تم اسی طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

٧٨٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي بِهِمْ فَيُكَبِّرُ كُلَّمَا خَفَضَ وَرَفَعَ، فَإِذَا انْصَرَفَ قَالَ: إِنِّي لَأَشْبَهُكُمْ صَلَاةً بِرَسُولِ اللهِ ﷺ. [انظر: ٧٨٩، ٧٩٥، ٨٠٣]

[785] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھاتے تو جب بھی جھکتے اور اٹھتے تو تکبیر کہتے تھے اور جب سلام پھیرتے تو فرماتے کہ تمھاری نسبت میری نماز رسول اللہ ﷺ کی نماز سے زیادہ مشابہ ہے۔

فائدہ: اس حدیث میں تمام انتقالات نماز کے لیے تکبیر کا ذکر ہے لیکن رکوع سے اٹھتے وقت تکبیر نہیں بلکہ تسمیع مشروع ہے جس کی تفصیل آئندہ حدیث: 789 میں آ رہی ہے۔

(١١٦) بَابُ إِتْمَامِ التَّكْبِيرِ فِي السُّجُودِ

باب: 116- سجدے میں پورے طور پر تکبیر کہنا

٧٨٦ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ غَيْلَانَ بْنِ جَرِيرٍ، عَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: صَلَّيْتُ خَلْفَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَا وَعِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ، فَكَانَ إِذَا

[786] حضرت مطرف بن عبداللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ جب بھی سجدہ کرتے تو تکبیر کہتے اور جب بھی سر اٹھاتے تو تکبیر کہتے، اسی

1 فتح الباري: 349/2. 2 فتح الباري: 349/2.

سَجَدَ كَبَّرَ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ كَبَّرَ، وَإِذَا نَهَضَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ كَبَّرَ، فَلَمَّا قَضَى الصَّلَاةَ أَخَذَ بِيَدِي عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ فَقَالَ: قَدْ ذَكَّرَنِي هٰذَا صَلَاةَ مُحَمَّدٍ ﷺ، أَوْ قَالَ: لَقَدْ صَلّٰى بِنَا صَلَاةَ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ. [راجع: ٧٨٤]

طرح جب دو رکعات سے اٹھتے تو تکبیر کہتے، چنانچہ نماز مکمل ہونے کے بعد حضرت عمران بن حصین نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ انھوں نے مجھے حضرت محمد ﷺ کی نماز یاد دلا دی ہے یا انھوں نے ہمیں محمد علیہ السلام کی نماز پڑھائی ہے۔

٧٨٧ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ قَالَ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ أَبِي بِشْرٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ: رَأَيْتُ رَجُلًا عِنْدَ الْمَقَامِ يُكَبِّرُ فِي كُلِّ خَفْضٍ وَّرَفْعٍ، وَإِذَا قَامَ وَإِذَا وَضَعَ؛ فَأَخْبَرْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا فَقَالَ: أَوَلَيْسَ تِلْكَ صَلَاةَ النَّبِيِّ ﷺ لَا أُمَّ لَكَ.

[787] حضرت عکرمہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے ایک آدمی کو مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ وہ جب بھی جھکتا، اٹھتا، کھڑا ہوتا یا بیٹھتا تو تکبیر کہتا۔ میں نے حضرت ابن عباس ؓ کو بتایا تو انھوں نے فرمایا: تیری ماں نہ ہو، کیا یہ نبی ﷺ کی سی نماز نہیں۔

فوائد ومسائل: ① پہلے بیان ہوا کہ بنو امیہ کے حکمرانوں نے تکبیرات انتقال کو ترک کر دیا تھا یا وہ بالکل آہستہ کہتے تھے، اس لیے محدثین نے تکبیر انتقال کے متعلق عنوان بندی کر کے ان کی حیثیت کو واضح کیا تاکہ یہ سنت کہیں بالکل متروک نہ ہو جائے۔ دوسرا مقصد یہ بھی ہے کہ یہ تکبیرات، انتقال کی ابتدا سے لے کر انتہا تک حاوی ہونی چاہئیں۔ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ سجدے کے لیے جب اللہ اکبر کہا جاتا ہے تو سجدے میں پہنچنے سے پہلے پہلے ہی اسے ختم کر دیا جاتا ہے۔ امام بخاری ؒ نے تنبیہ فرما دی ہے کہ سجدے میں جاتے وقت پورے طور پر تکبیر کہنی چاہیے، یعنی اللہ اکبر پورے انتقال کو حاوی ہونا چاہیے۔ ② حضرت ابن عباس ؓ نے عکرمہ سے کہا کہ تیری ماں نہ رہے اس سے حقیقت مراد نہ تھی اور نہ کوئی بد دعا دینا ہی مقصود تھا بلکہ یہ ایک محاورہ ہے جسے عرب لوگ ڈانٹ ڈپٹ کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اس سے حقیقت مراد نہیں ہوتی۔ حضرت ابن عباس ؓ نے اپنے ہونہار شاگرد حضرت عکرمہ کو اس لیے ڈانٹ پلائی کہ اسے اس سنت کا علم نہیں تھا، حالانکہ اس کا تعلق روزمرہ کی نماز سے ہے۔

(١١٧) بَابُ التَّكْبِيرِ إِذَا قَامَ مِنَ السُّجُودِ

باب: 117- سجدہ کر کے کھڑا ہوتے وقت تکبیر کہنا

٧٨٨ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ: صَلَّيْتُ خَلْفَ شَيْخٍ بِمَكَّةَ فَكَبَّرَ ثِنْتَيْنِ وَعِشْرِينَ تَكْبِيرَةً، فَقُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ: إِنَّهُ أَحْمَقُ، فَقَالَ: ثَكِلَتْكَ

[788] حضرت عکرمہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے مکہ مکرمہ میں ایک بزرگ کے پیچھے نماز پڑھی تو انھوں نے (اٹھتے، جھکتے وقت) کل بائیس تکبیرات کہیں۔ میں نے حضرت ابن عباس ؓ سے کہا: یہ تو بے وقوف ہے۔

أُمُّكَ ، سُنَّةُ أَبِي الْقَاسِمِ ﷺ . [راجع: ٧٨٧]

اس پر انھوں نے فرمایا: تجھے تیری ماں گم پائے، یہ تو ابوالقاسم ﷺ کی سنت ہے۔

وَقَالَ مُوسٰى : حَدَّثَنَا أَبَانُ قَالَ : حَدَّثَنَا قَتَادَةُ قَالَ : حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ .

موسیٰ بن اسماعیل نے کہا کہ ہمیں ابان نے حدیث بیان کی، ان سے قتادہ نے، ان سے حضرت عکرمہ نے یہ حدیث بیان کی ہے۔

فوائد ومسائل: ① ہر رکعت میں چار تکبیرات انتقال ہوتی ہیں: رکوع کو جاتے وقت، سجدہ کو جاتے وقت، سجدے سے اٹھتے ہوئے پھر دوسرے سجدے کو جاتے وقت اور پانچویں دوسرے سجدے سے اٹھتے وقت، چار رکعت میں بیس، اس طرح تکبیر تحریمہ اور دو رکعتوں سے فراغت کے بعد تیسری رکعت کے لیے اٹھتے وقت اس طرح چار رکعت میں بائیس تکبیرات ہیں۔ تین رکعات والی نماز مغرب میں سترہ اور دو رکعت نماز فجر میں گیارہ۔ پانچوں وقت کی فرض نمازوں میں کل چورانوے تکبیرات ہوتی ہیں۔ حضرت عکرمہ نے چونکہ ایک سنت ثابتہ کو غیر سنت خیال کیا، اس لیے حضرت ابن عباس ؓ نے ان کا سخت الفاظ میں نوٹس لیا۔ ② امام بخاری ؒ نے حدیث کے آخر میں موسیٰ بن اسماعیل کے حوالے سے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ حضرت قتادہ نے حضرت عکرمہ سے واقعی حدیث کو سنا ہے۔ یہ اس لیے اہتمام کے ساتھ بیان کیا تاکہ تدلیسِ قتادہ کا شبہ باقی نہ رہے۔

٧٨٩ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ : أَخْبَرَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ : كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ يُكَبِّرُ حِينَ يَقُومُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْكَعُ ، ثُمَّ يَقُولُ : «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» حِينَ يَرْفَعُ صُلْبَهُ مِنَ الرُّكُوعِ ، ثُمَّ يَقُولُ وَهُوَ قَائِمٌ : «رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ» ، قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ صَالِحٍ عَنِ اللَّيْثِ : «وَلَكَ الْحَمْدُ» ، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَهْوِي ، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ ، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَسْجُدُ ، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ ، ثُمَّ يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي الصَّلَاةِ كُلِّهَا حَتّٰى يَقْضِيَهَا ، وَيُكَبِّرُ حِينَ يَقُومُ مِنَ الثِّنْتَيْنِ بَعْدَ الْجُلُوسِ .

[راجع: ٧٨٥]

[789] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے، جب رکوع کرتے تو بھی تکبیر کہتے۔ پھر جب رکوع سے اپنی پیٹھ اٹھاتے تو سمع الله لمن حمده کہتے۔ اس کے بعد بحالت قومہ ربنا لك الحمد کہتے...... راویِ حدیث عبداللہ بن صالح نے اپنے استاد لیث سے، ربنا ولك الحمد کے الفاظ نقل کیے ہیں...... پھر جب (سجدے کے لیے) جھکتے تو تکبیر کہتے۔ اس کے بعد جب (سجدے سے) سر اٹھاتے تو بھی تکبیر کہتے۔ پھر دوسرے سجدے کے لیے اللہ اکبر کہتے اور آخر میں جب دوسرے سجدے سے سر اٹھاتے تو بھی تکبیر کہتے۔ پھر اپنی تمام نماز میں ایسا ہی کرتے تاآنکہ اسے پورا کر لیتے۔ علاوہ ازیں جب تشہد بیٹھنے کے بعد دو رکعات سے فراغت کے بعد اٹھتے تو بھی تکبیر کہتے۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں تکبیرات انتقال کی تفصیل بیان ہوئی ہے کہ ہر رکعت میں تکبیر تحریمہ اور دو رکعت سے فراغت کے بعد اٹھنے کے علاوہ پانچ تکبیرات ہیں، اسی طرح چار رکعات میں کل بائیس تکبیرات ہیں، جن کا ذکر حدیثِ سابق میں تھا۔ اس سے پہلے حدیث ابوہریرہ (رقم: 785) میں ہر جھکنے اور اٹھنے میں تکبیر کہنے کا ذکر ہے۔ یہ عموم غیر مقصود ہے کیونکہ اس حدیث میں امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد جھکتے وقت تکبیر ترک کر دینے کی تردید تھا جیسا کہ بنوامیہ کی عادت تھی، نیز وہاں تسمیع اور تحمید کی نفی مقصود نہ تھی۔ ② واضح رہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد میں ایک مقصورہ بنا رکھا تھا جس میں کھڑے ہو کر نماز پڑھاتے تھے، پھر بڑھاپے کی وجہ سے آواز میں بھی کچھ ضعف آ چکا تھا، آپ کی تکبیرات کو لوگوں تک پہنچانے کے لیے مکبرین تعینات تھے۔ بنوامیہ نے خیال کیا کہ شاید حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تکبیرات کو ترک کر دیا ہے، اس لیے انھوں نے بھی تکبیرات کا اہتمام چھوڑ دیا۔ اس موقف کی تردید کے لیے محدثین کرام نے تکبیرات انتقال کے متعلق عنوانات قائم کیے اور احادیث پیش کی ہیں۔

(١١٨) بَابُ وَضْعِ الْأَكُفِّ عَلَى الرُّكَبِ فِي الرُّكُوعِ

باب: 118- بحالت رکوع ہاتھ گھٹنوں پر رکھنا

وَقَالَ أَبُو حُمَيْدٍ فِي أَصْحَابِهِ: أَمْكَنَ النَّبِيُّ ﷺ يَدَيْهِ مِنْ رُكْبَتَيْهِ.

حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگردوں سے بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ (بحالت رکوع) اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر خوب جما کر رکھتے تھے۔

وضاحت: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ دوران رکوع میں دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسری میں داخل کر کے اپنی رانوں کے درمیان رکھتے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ عنوان قائم کر کے ثابت کیا ہے کہ یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے جیسا کہ آئندہ وضاحت ہوگی۔ مذکورہ معلق روایت کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح (رقم: 828) ہی میں متصل سند سے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور اس پر سنة الجلوس في التشهد کا عنوان قائم کیا ہے۔

٧٩٠ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي يَعْفُورٍ قَالَ: سَمِعْتُ مُصْعَبَ بْنَ سَعْدٍ يَقُولُ: صَلَّيْتُ إِلَى جَنْبِ أَبِي فَطَبَّقْتُ بَيْنَ كَفَّيَّ ثُمَّ وَضَعْتُهُمَا بَيْنَ فَخِذَيَّ، فَنَهَانِي أَبِي وَقَالَ: كُنَّا نَفْعَلُهُ فَنُهِينَا عَنْهُ وَأُمِرْنَا أَنْ نَضَعَ أَيْدِيَنَا عَلَى الرُّكَبِ.

[790] حضرت مصعب بن سعد سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ اپنے باپ (حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ) کے پہلو میں نماز پڑھی تو میں نے اپنی دونوں ہتھیلیوں کو ملا کر اپنی رانوں کے درمیان رکھ لیا۔ مجھے میرے والد نے اس فعل سے منع فرمایا اور کہا کہ ہم پہلے ایسا کیا کرتے تھے پھر ہمیں ایسا کرنے سے روک دیا گیا اور حکم دیا گیا کہ (دوران رکوع میں) اپنے ہاتھ گھٹنوں پر رکھا کریں۔

فوائد ومسائل: ① سنن دارمی میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بیٹوں نے نماز پڑھی تو رکوع کے وقت انھوں

نے اپنے ہاتھوں کو اپنی رانوں کے درمیان رکھا۔ حضرت مصعب نے جب اس طرح نماز پڑھی تو ان کے باپ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ان کے ہاتھوں پر مارا، پھر حقیقتِ حال کی وضاحت فرمائی۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مصعب نے یہ طریقۂ نماز حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بیٹوں سے سیکھا اور بیٹوں نے اپنے والد گرامی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے حاصل کیا۔ ② امام ترمذی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ تطبیق اب منسوخ ہو چکی ہے۔ اہل علم کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ شاید حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اس کا نسخ نہ پہنچا ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: سنت یہ ہے کہ بحالت رکوع ہاتھوں سے گھٹنوں کو پکڑا جائے۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ تطبیق یہود کا فعل ہے اور ابتدا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہود کی موافقت پسند تھی، بعد میں اس سے منع کر دیا گیا۔[1] ممکن ہے کہ پہلے پہلے تطبیق کا فعل یہود کی موافقت کرتے ہوئے کیا ہو، اس کے بعد جب مخالفت کا حکم ہوا تو اس سے منع کر دیا گیا۔

(١١٩) بَابٌ: إِذَا لَمْ يُتِمَّ الرُّكُوعَ

باب: 119- اگر کوئی شخص رکوع پورا نہ کرے

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے متعدد عنوانات تعدیل ارکان کی ضرورت و اہمیت بتانے کے لیے قائم کیے ہیں۔ یہ اس سلسلے کا پہلا عنوان ہے۔ تعدیل ارکان کے متعلق احادیث میں بہت تاکید آئی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے وثوق کے ساتھ کوئی حکم بیان نہیں کیا کیونکہ اس حکم میں کوئی گنجلک نہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے آدمی کو دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیا جو نماز میں رکوع و سجود کو پورا نہیں کرتا تھا جس کی تفصیل آئندہ بیان ہوگی۔

٧٩١ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سُلَيْمَانَ، قَالَ: سَمِعْتُ زَيْدَ بْنَ وَهْبٍ قَالَ: رَأَى حُذَيْفَةُ رَجُلًا لَا يُتِمُّ الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ فَقَالَ: مَا صَلَّيْتَ وَلَوْ مُتَّ مُتَّ عَلَى غَيْرِ الْفِطْرَةِ الَّتِي فَطَرَ اللّٰهُ مُحَمَّدًا ﷺ. [راجع: ٣٨٩]

[791] حضرت زید بن وہب سے روایت ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ رکوع اور سجود کو پورا نہیں کر رہا تھا تو آپ نے اسے کہا: تو نے نماز نہیں پڑھی۔ اگر تجھے اسی حالت میں موت آ گئی تو تو اس دین فطرت کے خلاف مرے گا جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا ہے۔

فوائد و مسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا: تو کتنے عرصے سے اس طرح نماز پڑھ رہا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ چالیس برس سے اسی طرح نماز پڑھ رہا ہوں۔[2] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں رکوع اور سجود کو آرام اور سکون سے ادا کرنا چاہیے۔ ایسا کرنا فرض ہے۔ اس میں کوتاہی کرنا اپنی نماز کو خراب کرنے کے مترادف ہے۔ ② بعض حضرات کا کہنا ہے کہ رکوع کی حقیقت جھکنا اور سجدے کی حقیقت پیشانی کو زمین پر رکھنا ہے، اگر کوئی اتنے ہی پر اکتفا کرتا ہے تو اس کی نماز صحیح ہے۔ لیکن یہ موقف احادیث کے خلاف ہے کیونکہ احادیث میں تعدیل ارکان کی بہت تاکید ہے۔ تعدیل

---

① فتح الباري: 355/2. ② فتح الباري: 356/2.

ارکان یہ ہے کہ بدن ہیئت طبعی پر پہنچ جائے اور حرکت انتقال، سکون و اطمینان میں تبدیل ہو جائے۔ ③ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے رکوع اور سجود کو ادھورا کرنے والے کے متعلق فرمایا: تو نے نماز نہیں پڑھی جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے مسنون طریقے کے خلاف نماز خراب کر کے پڑھنے والے کو فرمایا تھا: ”جاؤ، نماز دوبارہ پڑھو، تم نے نماز نہیں پڑھی۔“ [1] ④ ان احادیث کا تقاضا ہے کہ تعدیل واطمینان ضروری ہے، اس کے بغیر فرض کی ادائیگی نہیں ہوگی۔

(۱۲۰) بَابُ اسْتِوَاءِ الظَّهْرِ فِي الرُّكُوعِ

باب: 120- رکوع میں پیٹھ کو برابر کرنے کا بیان

وَقَالَ أَبُو حُمَيْدٍ فِي أَصْحَابِهِ: رَكَعَ النَّبِيُّ ﷺ ثُمَّ هَصَرَ ظَهْرَهُ.

حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگردوں کو بیان کیا کہ نبی ﷺ نے رکوع کیا پھر آپ نے اپنی پیٹھ کو جھکا دیا۔

وضاحت: اس تعلیق کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں متصل سند سے بیان کیا ہے۔ [2] استوائے ظہر سے مراد یہ ہے کہ پیٹھ کو رکوع میں سیدھا کیا جائے۔ اپنے سر کو اس کے برابر رکھا جائے۔ سر پیٹھ سے اونچا ہو نہ نیچا۔ حدیث میں اس کی کیفیت کو پوری وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ ✱ حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ایسی نماز کفایت نہیں کرتی جس کے رکوع اور سجدے میں آدمی اپنی پیٹھ بالکل سیدھی نہ کرے۔“ [3] ✱ حالت رکوع میں کمر بالکل سیدھی ہو، سر اس کے برابر نہ زیادہ نیچا اور نہ زیادہ اونچا، دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں دونوں گھٹنوں پر ہوں۔ [4] ✱ رسول اللہ ﷺ رکوع میں اپنے ہاتھوں کی انگلیاں کھلی رکھتے اور ان کے درمیان فاصلہ کرتے تھے۔ [5] ✱ رسول اللہ ﷺ حالت رکوع میں گھٹنوں کو مضبوطی سے پکڑ لیتے اور اپنی کہنیوں کو پہلوؤں سے دور رکھتے۔ [6] نمازی کو چاہیے کہ دوران نماز میں اپنے رکوع کو طریقۂ نبوی کے مطابق ادا کرے۔

(۱۲۱) [بَابٌ]: وَحَدُّ إِتْمَامِ الرُّكُوعِ وَالْاِعْتِدَالِ فِيهِ وَالْاِطْمَأْنِينَةِ

باب: 121- رکوع پورا کرنے اور اس میں اعتدال و طمانیت کی حد کا بیان

وضاحت: یہ پہلے عنوان کا تکملہ ہے۔ اس میں اعتدال کا طریقہ بتایا تھا کہ سر اس قدر جھکایا جائے کہ پیٹھ کے برابر ہو جائے اور اس عنوان میں اتمام رکوع کی مقدار بیان کی گئی ہے۔

۷۹۲ - حَدَّثَنَا بَدَلُ بْنُ الْمُحَبَّرِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: أَخْبَرَنَا الْحَكَمُ عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ: كَانَ رُكُوعُ النَّبِيِّ ﷺ وَسُجُودُهُ، وَبَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ

[792] حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کا رکوع، سجدہ، سجدوں کے درمیان بیٹھنا اور رکوع کے بعد قومہ یہ سب تقریباً برابر ہوتے تھے، البتہ قیام اور تشہد کچھ طویل ہوتے تھے۔

---

1 فتح الباري: 356/2. 2 صحيح البخاري، الأذان، حديث: 828. 3 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 855.
4 صحيح البخاري، الأذان، حديث: 828. 5 المستدرك للحاكم: 244/1. 6 جامع الترمذي، الصلاة، حديث: 260.

مِنَ الرُّكُوعِ مَا خَلَا الْقِيَامَ وَالْقُعُودَ قَرِيبًا مِّنَ السَّوَاءِ. [انظر: ۸۰۱، ۸۲۰]

فوائد و مسائل: ① شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اعتدالِ ارکان کی تین اقسام ہیں: ☆ قیام اور تشہد میں ٹھہرنا۔ یہ مناسب حد تک طویل ہونا چاہیے کہ نمازی کو دیکھ کر کہا جا سکے کہ وہ کسی خاص چیز میں مصروف ہے۔ ☆ رکوع و سجود میں ٹھہرنا۔ یہ پہلی قسم سے کم ہونا چاہیے، البتہ حالت انتقال سے زیادہ توقف معلوم ہو۔ ☆ قومہ اور دو سجدوں کے درمیان ٹھہرنا۔ یہ ہلکا ہونا چاہیے ایسا معلوم ہو کہ حالت انتقال میں ہے۔ ② شاہ صاحب کی مذکورہ تفصیل احادیث میں ذکر کردہ تفصیل کے خلاف ہے۔ قومہ اور دو سجدوں کے درمیان ٹھہرنے کے متعلق حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رکوع سے اپنا سر اٹھاتے تو قیام فرماتے، اتنی دیر کھڑے رہتے کہ کہنے والا کہتا کہ شاید آپ بھول گئے ہیں۔ اور دونوں سجدوں کے درمیان اتنی دیر بیٹھتے کہ کہنے والا کہتا کہ شاید آپ بھول گئے ہیں۔[1] اسی طرح رکوع و سجود کی طوالت کا ذکر بھی احادیث میں آیا ہے، البتہ قیام میں تنوع ہوتا تھا۔ بعض اوقات دوران سفر میں آپ نے صبح کی نماز میں معوذتین بھی پڑھی ہیں۔ اور بعض اوقات طویل قراءت شروع فرمائی لیکن کسی بچے کے رونے کی آواز سنائی دی تو رکوع کر دیا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا قیام و قعود اور مذکورہ چاروں چیزیں برابر ہوتی تھیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ رواۃ حدیث کا تصرف ہے کیونکہ تسویہ صرف چار ہی میں ہے۔ واللہ أعلم. ③ اس مقام پر ایک اعتراض ہے کہ مذکورہ روایت سے عنوان ثابت نہیں ہوتا کیونکہ عنوان اتمام رکوع کی حد بیان کرنا ہے جبکہ حدیث میں ایک دوسرے کی مساوات کا ذکر ہے، اس مساوات سے اعتدال ثابت نہیں ہوتا؟ اس کا جواب علامہ سندھی نے یہ دیا ہے کہ بعض امور کا حکم خارج سے معلوم ہوتا ہے۔ اس مقام پر بھی اعتدال کی مقدار خارج سے معلوم ہوگی کیونکہ دیگر روایات میں رکوع اور سجود کی تسبیحات کا ذکر ہے جن سے اعتدال کی مقدار کا پتہ چلتا ہے، پھر ان امور کا ایک دوسرے کے مساوی ہونا بھی ایک حد ہے۔ ④ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ عنوان سے حدیث کی مطابقت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ اس حدیث سے رکوع، سجدہ، قومہ اور دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے کی مساوات ثابت ہوتی ہے اور صحیح مسلم کی کچھ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قومہ طویل ہوتا تھا تو اس سے تمام ارکان کا طویل ہونا ثابت ہو گیا کیونکہ ان میں مساوات کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔[2]

(۱۲۲) بَابُ أَمْرِ النَّبِيِّ ﷺ الَّذِي لَا يُتِمُّ رُكُوعَهُ بِالْإِعَادَةِ

باب: 122- نبی ﷺ کا اس شخص کو نماز دوبارہ پڑھنے کا حکم دینا جس نے رکوع پورا ادا نہیں کیا تھا

وضاحت: اس عنوان کے ذریعے سے امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث کی تشریح کی ہے کیونکہ اس میں نماز دوبارہ پڑھنے کی وجہ بیان نہیں ہوئی تھی۔ اس عنوان میں اس وجہ کو بیان کیا گیا ہے کہ اس نے رکوع و سجود کو پوری طرح ادا نہیں کیا تھا۔

۷۹۳ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: عَنِ النَّبِيِّ ﷺ دَخَلَ

[793] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ایک دفعہ مسجد میں تشریف لائے تو ایک اور آدمی بھی مسجد میں داخل ہوا۔ اس نے نماز پڑھی، اس کے بعد نبی ﷺ کی خدمت

(1) صحيح البخاري، الأذان، حديث: 821. 2 فتح الباري: 357/2.

الْمَسْجِدَ فَدَخَلَ رَجُلٌ فَصَلّٰی، ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَرَدَّ النَّبِيُّ ﷺ عَلَيْهِ السَّلَامَ، فَقَالَ: «ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ»، فَصَلّٰی ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: «ارْجِعْ فَصَلِّ، فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ» ثَلَاثًا، فَقَالَ: وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا أُحْسِنُ غَيْرَهُ، فَعَلِّمْنِي، قَالَ: «إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ، ثُمَّ ارْكَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَعْتَدِلَ قَائِمًا، ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا، ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا، ثُمَّ افْعَلْ ذٰلِكَ فِي صَلَاتِكَ كُلِّهَا». [راجع: ٧٥٧]

میں حاضر ہو کر اس نے سلام عرض کیا۔ نبی ﷺ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: ''واپس جا، نماز پڑھ تو نے نماز نہیں پڑھی۔'' اس نے پھر نماز پڑھی، واپس آیا اور نبی ﷺ کو سلام عرض کیا۔ آپ نے دوبارہ فرمایا: ''جا، نماز پڑھ، اس لیے کہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔'' بہر حال ایسا واقعہ تین مرتبہ پیش آیا۔ بالآخر اس شخص نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے! میں اس سے بہتر نماز نہیں پڑھ سکتا۔ آپ مجھے نماز کی تعلیم دیں۔ (اس کے بعد) آپ نے فرمایا: ''جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اللہ اکبر کہو، پھر قرآن سے جو میسر ہو اسے پڑھو، پھر رکوع کرو۔ جب اطمینان سے رکوع کر لو تو سر اٹھا کر سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ اس کے بعد سجدہ کرو۔ جب اطمینان سے سجدہ کر لو تو سر اٹھا کر اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔ اس کے بعد (دوسرا) سجدہ کرو تا آنکہ سجدے میں تجھے اطمینان ہو جائے۔ پھر اس طرح اپنی ساری نماز میں کرو۔''

فوائد ومسائل: ① محدثین نے اس حدیث کو ''حَدِيث مُسِيئُ الصَّلَاة'' کا نام دیا ہے۔ اور اس سے بکثرت مسائل کا استنباط کیا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں تعدیل ارکان فرض ہے، اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو بار بار نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ اس کا یہی قصور تھا کہ وہ رکوع وسجود ٹھیک طور پر ادا نہیں کرتا تھا۔ اس سے پہلے حضرت حذیفہ ؓ سے مروی ایک حدیث گزر چکی ہے کہ انھوں نے ایک شخص کو دیکھا جو رکوع وسجود ٹھیک طریقے سے ادا نہیں کر رہا تھا تو فرمایا کہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ اگر تجھے اسی حالت میں موت آگئی تو دین فطرت کے خلاف مرے گا جس دین پر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مامور فرمایا ہے۔[1] ② اس حدیث میں ان امور کی نشاندہی نہیں کی گئی جن میں کوتاہی کی وجہ سے اسے دوبارہ سہ بارہ نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا لیکن اس واقعے کو ابن ابی شیبہ نے حضرت رفاعہ بن رافع کی روایت سے بیان کیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں کہ ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا اور اس نے ہلکی سی نماز پڑھی اور اس میں رکوع وسجود کو پوری طرح ادا نہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے دوبارہ پڑھنے کا حکم دیا۔[2] امام بخاری ؒ نے عنوان کے ذریعے سے اسی روایت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ سنن نسائی میں ہے کہ اس نے دو رکعت ادا کی تھیں۔ ممکن ہے کہ تحیۃ المسجد کی دو رکعت پڑھی ہوں۔ ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ

1. المصنف لابن أبي شيبة: 78/2 (طبع مكتبة الرشد) 2 صحيح البخاري، الأذان، حديث: 791.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پہلے سورۂ فاتحہ پڑھ، پھر قرآن سے جو تجھے میسر ہو اسے تلاوت کر۔''[1] اس تفصیلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے، اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔[2]

(١٢٣) بَابُ الدُّعَاءِ فِي الرُّكُوعِ

باب: 123- رکوع میں دعا کرنا

٧٩٤ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي الضُّحٰى، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ فِي رُكُوعِهِ وَسُجُودِهِ: «سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ، اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي». [انظر: ٨١٧، ٤٢٩٣، ٤٩٦٧، ٤٩٦٨]

[794] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ رکوع اور سجدے میں یہ دعا پڑھتے تھے: [سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي]۔

فوائد و مسائل: ① رکوع میں دعا کرنے کے متعلق اختلاف ہے۔ امام مالک کہتے ہیں کہ رکوع میں دعا کرنا مکروہ ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''رکوع میں اپنے رب کی تعظیم کرو۔ بندہ سجدے کی حالت اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے، اس لیے سجدے میں دعا کیا کرو کیونکہ بحالت سجدہ دعائیں قبول ہونے کی زیادہ امید ہے۔''[3] امام بخاری ؒ کا مقصود مذکورہ موقف کی تردید کرنا ہے۔ پیش کردہ حدیث میں دعا کے لیے ایک مخصوص وقت کی تعیین کی گئی ہے، اس میں بحالت رکوع دعا کرنے کی کوئی ممانعت نہیں۔ امام بخاری ؒ نے حدیث سے ثابت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ رکوع اور سجدہ دونوں حالتوں میں دعا کرتے تھے جیسا کہ سجدے میں اللہ کی تعظیم کی جا سکتی ہے اسی طرح رکوع میں دعا کرنے کی بھی کوئی ممانعت نہیں۔[4] واللہ أعلم. ② ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ مذکورہ دعا پڑھنے میں قرآن مجید پر عمل کرتے تھے۔[5] سورۂ نصر میں ہے: ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا﴾[6] ''آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کیجیے اور اس سے مغفرت طلب کیجیے۔ بے شک وہ بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔'' حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ اس سورت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نماز میں مذکورہ دعا پڑھتے تھے۔[7]

(١٢٤) بَابُ مَا يَقُولُ الْإِمَامُ وَمَنْ خَلْفَهُ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ

باب: 124- امام اور اس کے مقتدی رکوع سے سر اٹھائیں تو کیا پڑھیں؟

٧٩٥ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ

[795] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں

1 مسند أحمد: 340/4. 2 فتح الباري: 364,360/2. 3 صحيح مسلم، الصلاة، حديث: 1074(479). 4 صحيح البخاري، الصلاة، حديث: 817. 5 فتح الباري: 364/2. 6 النصر 110:3. 7 فتح الباري: 387/2.

عَنْ سَعِيدِ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا قَالَ: «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ»، قَالَ: «اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ». وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا رَكَعَ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ يُكَبِّرُ، وَإِذَا قَامَ مِنَ السَّجْدَتَيْنِ قَالَ: «اَللهُ أَكْبَرُ». [راجع: ٧٨٥]

نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ جب سمع اللّٰه لمن حمده کہتے تھے تو اس کے بعد اَللّٰهُمَّ ربنا ولك الحمد بھی کہتے۔ جب رکوع کرتے اور رکوع سے اپنا سر اٹھاتے تو تکبیر کہتے، نیز جب دونوں سجدوں سے فارغ ہو کر کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① محدثین کی اصطلاح میں سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کو تَسْمِيع اور رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ کو تَحْمِيد کہا جاتا ہے۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ تسمیع رکوع سے اٹھنے اور تحمید رکوع کے بعد قیام کا وظیفہ ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ امام کو دونوں وظیفے ادا کرنے چاہییں کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی جس نماز کے متعلق یہ تفصیل بیان کر رہے ہیں اسے امامت ہی پر محمول کیا جائے گا، اس لیے کہ اکثر و بیشتر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے جو آپ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور اسے بیان کیا ہے وہ حالت امامت ہی میں ہے، لہٰذا امام تسمیع اور تحمید دونوں کہے گا۔ [1] ② امام، مقتدی اور منفرد سب رکوع سے اٹھتے وقت تسمیع، اور سیدھے کھڑے ہونے کے بعد تحمید کہیں گے جیسا کہ مذکورہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، اس کے علاوہ امام بھی تو اس لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، البتہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب امام سمع اللّٰه لمن حمده کہے تو تم ربنا و لك الحمد کہو۔'' [2] اس حدیث سے یہ استنباط کرنا کہ مقتدی کو سمع اللّٰه لمن حمده نہیں کہنا چاہیے اور امام کو ربنا ولك الحمد نہیں کہنا چاہیے، کسی صورت میں درست نہیں کیونکہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دونوں کلمات کہتے تھے اور اسی طرح نماز پڑھنے کا حکم دیتے تھے، تاہم واضح رہے کہ اس حدیث انس رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ بتانا نہیں کہ امام اور مقتدی اس موقع پر کیا کہیں بلکہ محض یہ بتانا ہے کہ مقتدی کی تحمید امام کی تسمیع کے بعد ہونی چاہیے جیسا کہ علامہ البانی نے اس کی وضاحت کی ہے۔ [3] اس مقام پر یہ اشکال ہے کہ پیش کردہ حدیث سے امام کا وظیفہ تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ تسمیع اور تحمید دونوں کہے گا لیکن اس عنوان کا دوسرا جز کہ مقتدی کیا کہے وہ ثابت نہیں ہوتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مقتدی امام کی پیروی کرنے کا پابند ہے، اس لیے وہ بھی امام کی پیروی کرتے ہوئے تسمیع اور تحمید دونوں کو بجا لائے گا۔ اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ اس حدیث کا بھی تقاضا ہے کہ مقتدی تسمیع و تحمید کو جمع کرے گا۔ اس سلسلے میں ایک حدیث بھی پیش کی جاتی ہے جسے امام دارقطنی نے بیان کیا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے اور آپ سمع اللّٰه لمن حمده کہتے تو آپ کے پیچھے نماز پڑھنے والے بھی سمع اللّٰه لمن حمده کہتے، لیکن امام دارقطنی نے خود وضاحت کی ہے کہ یہ الفاظ صحیح نہیں بلکہ محفوظ روایت یہ ہے کہ آپ کے پیچھے مقتدی حضرات ربنا ولك الحمد کہتے۔ [4] والله أعلم.

---

① فتح الباري: 353/2. ② صحيح البخاري، الأذان، حديث: 732. ③ صفة صلاة النبي ﷺ ص: 135. ④ فتح الباري: 365/2.

(١٢٥) بَابُ فَضْلِ: اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ

باب: 125- اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہنے کی فضیلت

٧٩٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ سُمَيٍّ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِذَا قَالَ الْإِمَامُ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَقُولُوا: اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، فَإِنَّهُ مَنْ وَّافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ». [انظر: ٣٢٢٨]

[796] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب امام سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہے تو تم اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہو کیونکہ جس کا یہ کہنا فرشتوں کے کہنے کے مطابق ہوا اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔''

فائدہ: اس باب کو شارحین بخاری کی اصطلاح میں بَابٌ فِي الْبَابِ کہا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ گزشتہ حدیث میں کوئی نئی بات ہوتی ہے اس پر متنبہ کرنے کے لیے امام بخاری رحمہ اللہ ایک عنوان قائم کر دیتے ہیں۔ گزشتہ حدیث کے بعض طرق میں اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہنے کی فضیلت وارد ہوئی تھی، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے بیان کرنے کے لیے مستقل عنوان قائم کیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ انداز متعدد مقامات پر بیان ہوا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہو سکتی ہے کہ چند کلمات ادا کرنے سے گناہوں کی بخشش کا پروانہ مل جائے، البتہ اس حدیث سے بعض اہل علم نے ثابت کیا ہے کہ امام رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ اور مقتدی سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ نہیں کہے گا کیونکہ روایت میں اس کی وضاحت نہیں ہے لیکن یہ موقف محل نظر ہے کیونکہ حدیث میں کوئی ایسی دلالت نہیں جو مقتدی اور امام کے لیے یہ کلمات کہنے کی نفی کرتی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ امام بوقت انتقال سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ اور مقتدی بوقت اعتدال رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہے گا۔ یہ مسئلہ بعینہ آمین کہنے کی طرح ہے کیونکہ آمین کے متعلق حدیث کے الفاظ یہ ہیں: جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو۔ اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ امام آمین نہیں کہے گا اگرچہ اس حدیث میں امام کے آمین کہنے کا ذکر نہیں۔ اسی طرح مذکورہ بالا حدیث میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ امام رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ نہ کہے۔ صرف عدم ذکر سے یہ لازم نہیں آتا کہ امام کو یہ الفاظ نہیں کہنے چاہییں۔ دوسری احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تسمیع اور تحمید کو جمع کرتے تھے۔[1]

(١٢٦) بَابٌ:

باب: 126- بلا عنوان

وضاحت: بعض حضرات نے باب القنوت لکھا ہے لیکن یہ عنوان صحیح بخاری کے کسی متداول نسخے میں نہیں ہے۔ یہ باب امام بخاری رحمہ اللہ نے فصل کے طور پر پیش کیا ہے جو رجوع الی الاصل کی قبیل سے ہے، یعنی قبل ازیں ایک عنوان بایں الفاظ قائم کیا

1 فتح الباري: 367,366/2.

تھا، رکوع سے سر اٹھانے کے بعد امام اور مقتدی کیا پڑھیں؟ اس باب کے تحت جب اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کے الفاظ آئے تو ان کی فضیلت بتانے کے لیے ایک الگ عنوان قائم کیا، اب باب کے لفظ سے عنوان سابق کی تکمیل فرمائی ہے، یعنی قومے کی حالت میں اللّٰھم ربنا لك الحمد کے علاوہ مزید جو کچھ پڑھا جاسکتا ہے اسے ذکر کیا جائے۔ واضح رہے کہ اذکار دو قسم کے ہیں: معمول بها اور غیر معمول بها۔ معمول بها اذکار وہ ہیں جو رسول اللہ ﷺ سے بکثرت منقول ہیں اور غیر معمول بها وظائف وہ ہیں جنھیں کسی ہنگامی ضرورت کے پیش نظر عمل میں لایا جائے۔ جو وظائف معمول بها تھے ان کی فضیلت پہلے بیان فرمائی اور اب غیر معمول بها، مثلاً: قنوت وغیرہ کا ذکر اس باب میں کیا ہے۔

٧٩٧ - حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيٰى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: لَأُقَرِّبَنَّ صَلَاةَ النَّبِيِّ ﷺ، فَكَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقْنُتُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُخْرٰى مِنْ صَلَاةِ الظُّهْرِ وَصَلَاةِ الْعِشَاءِ وَصَلَاةِ الصُّبْحِ بَعْدَ مَا يَقُولُ: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَيَدْعُو لِلْمُؤْمِنِينَ وَيَلْعَنُ الْكُفَّارَ. [انظر: ٨٠٤، ١٠٠٦، ٢٩٣٢، ٤٥٦٠، ٤٥٩٨، ٦٢٠٠، ٦٣٩٣، ٦٩٤٠]

[797] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: یقیناً میں ایسی نماز پڑھتا ہوں جو نبی ﷺ کی نماز سے مشابہ ہو، چنانچہ ابو ہریرہ ؓ ظہر، عشاء اور فجر کی آخری رکعت میں سمع اللہ لمن حمدہ کے بعد قنوت پڑھا کرتے تھے جس میں اہل ایمان کے لیے دعا فرماتے اور کفار پر لعنت کرتے تھے۔

فوائد ومسائل: ① حضرت ابو ہریرہ ؓ کے انداز سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ پوری حدیث مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ آپ کے یہ الفاظ ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کی طرح نماز پڑھتا ہوں۔[1] ② امام بخاری ؒ اس حدیث کے بعد حضرت انس ؓ کی حدیث لائے ہیں تاکہ اس بات کی طرف اشارہ ہوجائے کہ قنوت نازلہ کسی ایک نماز کے ساتھ خاص نہیں، نیز اس حدیث میں قنوت کے آخری رکعت میں ہونے کا ذکر ہے لیکن آگے ایک حدیث میں وضاحت ہے کہ قنوت بعد از رکوع قومہ میں ہوا کرتی تھی۔[2]

٧٩٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: كَانَ الْقُنُوتُ فِي الْمَغْرِبِ وَالْفَجْرِ.

[798] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ فجر اور مغرب کی نماز میں قنوت پڑھی جاتی تھی۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ان دو نمازوں میں قنوت نازلہ بکثرت پڑھی جاتی تھی کیونکہ نماز ظہر میں بھی قنوت نازلہ کا پڑھنا ثابت ہے لیکن اس میں کبھی کبھار پڑھنے کا اہتمام ہوتا تھا۔ ② قنوت کے متعلق مفصل بحث کتاب الوتر میں آئے گی۔ إن شاء اللہ۔

1 عمدة القاري: 532/4. 2 فتح الباري: 369/2.

٧٩٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نُعَيْمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْمُجْمِرِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ يَحْيَى بْنِ خَلَّادٍ الزُّرَقِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ رِفَاعَةَ ابْنِ رَافِعٍ الزُّرَقِيِّ قَالَ: كُنَّا نُصَلِّي يَوْمًا وَّرَاءَ النَّبِيِّ ﷺ فَلَمَّا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ قَالَ: «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ»، قَالَ رَجُلٌ: رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيهِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: «مَنِ الْمُتَكَلِّمُ؟» قَالَ: أَنَا، قَالَ: «رَأَيْتُ بِضْعَةً وَّثَلَاثِينَ مَلَكًا يَبْتَدِرُونَهَا، أَيُّهُمْ يَكْتُبُهَا أَوَّلُ».

[799] حضرت رفاعہ بن رافع زرقی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ ہم ایک دن نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، جب آپ نے رکوع سے سر اٹھا کر سمع اللّٰہ لمن حمدہ کہا تو ایک شخص نے (بآواز بلند) [رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيهِ] پڑھا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: ''یہ کلمات کس نے کہے تھے؟'' وہ شخص بولا: میں نے پڑھے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''میں نے تیس سے زیادہ فرشتوں کو دیکھا کہ وہ ان کلمات کی طرف لپک رہے تھے کہ کون انھیں پہلے قلمبند کرے۔''

فوائد و مسائل: ① روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ کلمات کہنے والے خود راویٔ حدیث حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ تھے، نیز اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تسمیع وظیفۂ اعتدال، یعنی قومے کا وظیفہ ہے جبکہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں اسے وظیفۂ انتقال بتایا گیا ہے اور معروف بھی یہی ہے۔ تطبیق کی یہ صورت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے رکوع سے سر اٹھانا شروع کیا تو سمع اللّٰہ لمن حمدہ کہنے کی ابتدا کی اور حالت قومہ میں اس کی تکمیل ہوئی۔[1] ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں غیر ماثور اذکار کا اضافہ جائز ہے بشرطیکہ مسنون اذکار کے مخالف نہ ہوں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اسی موقف کو اختیار کیا ہے۔[2] لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ان حالات میں ایسا کرنا درست نہیں، البتہ زمانۂ نبوت میں ایسا کرنا جائز تھا کیونکہ نزول وحی کا زمانہ تھا اور باطل، حق کی صورت میں قائم نہیں رہ سکتا تھا لیکن انقطاع وحی کے بعد جبکہ شریعت مکمل ہو چکی ہے عبادات میں ایسے الفاظ کی زیادتی جو شریعت سے ثابت نہ ہو، محل نظر ہے۔

(١٢٧) بَابُ الْاِطْمَأْنِينَةِ حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ

باب: 127- رکوع سے سر اٹھانے کے بعد اطمینان سے سیدھا کھڑا ہونا

وَقَالَ أَبُو حُمَيْدٍ: رَفَعَ النَّبِيُّ ﷺ رَأْسَهُ وَاسْتَوٰى حَتّٰى يَعُودَ كُلُّ فَقَارٍ مَّكَانَهُ.

حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے (رکوع سے) سر اٹھایا اور اس طرح سیدھے کھڑے ہو گئے کہ ہر جوڑ اپنی جگہ پر آ گیا۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو بَابُ الْجُلُوسِ فِي التَّشَهُّدِ میں متصل سند سے بیان کیا ہے۔[3]

---

1 فتح الباري: 370,369/2. 2 فتح الباري: 371/2. 3 صحيح البخاري، الأذان، حديث: 828.

٨٠٠ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ ثَابِتٍ قَالَ: كَانَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ يَنْعَتُ لَنَا صَلَاةَ النَّبِيِّ ﷺ فَكَانَ يُصَلِّي، فَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ قَامَ حَتَّى نَقُولَ: قَدْ نَسِيَ. [انظر: ٨٢١]

[800] حضرت ثابت سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ ہمیں نبی ﷺ کی نماز کا اندازہ بیان کرتے تھے، چنانچہ وہ نماز میں کھڑے ہوتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو اتنی دیر کھڑے رہتے کہ ہم (آپس میں) کہتے: شاید آپ بھول گئے ہیں۔

فوائد و مسائل: ① اس روایت میں اختصار ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے باب المكث بين السجدتين میں اسے تفصیل سے بیان کیا ہے، چنانچہ حضرت ثابت کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نماز پڑھتے وقت ایسے کام کرتے تھے کہ میں نے تم لوگوں کو وہ کام کرتے نہیں دیکھا۔ وہ جب رکوع سے اپنا سر اٹھاتے تو اتنی دیر کھڑے رہتے کہ کہنے والا کہتا: شاید آپ بھول گئے ہوں۔[1] ② اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ثابت کے زمانے میں لوگ قومہ اور دو سجدوں کے درمیان بھی نشست کو لمبا نہیں کرتے تھے جبکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ انھیں اس قدر لمبا کرتے تھے کہ دیکھنے والے خیال کرتے شاید آپ بھول گئے ہیں۔ ③ شارحین نے بھول جانے کے کئی ایک مفہوم بیان کیے ہیں، مثلاً: ✿ سجدہ کرنا بھول گئے ہیں۔ ✿ آپ بھول گئے کہ شاید نماز میں نہیں کھڑے۔ ✿ آپ بھول کر یہ سمجھتے ہوں کہ شاید قنوت کا وقت ہے۔[2]

٨٠١ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ، عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى عَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رُكُوعُ النَّبِيِّ ﷺ وَسُجُودُهُ، وَإِذَا رَفَعَ مِنَ الرُّكُوعِ وَبَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ قَرِيبًا مِّنَ السَّوَاءِ. [راجع: ٧٩٢]

[801] حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ کے رکوع، سجدے، رکوع سے سر اٹھا کر (کھڑے ہونے) اور دو سجدوں کے درمیان نشست کا دورانیہ تقریباً برابر ہوتا تھا۔

فوائد و مسائل: ① یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رکوع کے بعد کھڑا ہونا، یعنی قومہ ایک طویل رکن ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث زیادہ صراحت کے ساتھ ہے بلکہ وہ تو اس کے متعلق نص صریح کی حیثیت رکھتی ہے، اس لیے کسی کمزور دلیل کے سہارے اس سے روگردانی درست نہیں، مثلاً: یہ کہا جائے کہ قومہ میں رکوع و سجود کی طرح تسبیحات کا دہرانا مسنون نہیں، اس لیے اسے مختصر ہونا چاہیے کیونکہ یہ تو نص صریح کے مقابلے میں قیاس کرنا ہے جو کسی صورت میں صحیح نہیں، علاوہ ازیں قومے میں جو ذکر مسنون ہے وہ رکوع کے ذکر سے زیادہ طویل ہے کیونکہ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ تین مرتبہ کہنا [اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ] کے برابر ہے جبکہ قومے میں اس سے بھی طویل دعا منقول ہے، چنانچہ صحیح مسلم کی روایت میں حمدا کثیرا طیبًا کے بعد مزید یہ الفاظ ہیں: [مِلْءَ السَّمٰوٰتِ وَ مِلْءَ الْأَرْضِ وَ مِلْءَ مَاشِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ]. اس کے علاوہ بھی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے متعدد اذکار مسنونہ نقل کیے ہیں جنھیں قومے میں پڑھنا مشروع ہے۔[3] ② حدیث براء کے

[1] صحيح البخاري، الأذان، حديث: 821. [2] فتح الباري: 373/2. [3] فتح الباري: 374,373/2.

ایک معنی یہ بھی بیان کیے گئے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز اعتدال پر مبنی ہوتی تھی، وہ اس طرح کہ جب قیام میں قراءت لمبی ہوتی تو باقی ارکان، یعنی رکوع، سجود وغیرہ بھی طویل ہوتے اور جب قراءت ہلکی ہوتی تو باقی ارکان میں بھی اختصار ہوتا، مثلاً: ایک روایت میں ہے کہ آپ نے صبح کی نماز میں سورۂ صافات پڑھی، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے سجدے میں تسبیحات کا شمار کیا تو وہ دس کے قریب تھیں۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ جب آپ سورۂ صافات سے چھوٹی سورت پڑھتے تو سجدے میں دس سے کم تسبیحات کہتے تھے حتی کہ کم از کم سجدے کی تسبیحات کی تعداد تین تک مروی ہے۔[1]

٨٠٢ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ قَالَ: كَانَ مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ يُرِينَا كَيْفَ كَانَ صَلَاةُ النَّبِيِّ ﷺ وَذَاكَ فِي غَيْرِ وَقْتِ الصَّلَاةِ، فَقَامَ فَأَمْكَنَ الْقِيَامَ، ثُمَّ رَكَعَ فَأَمْكَنَ الرُّكُوعَ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَأَنْصَتَ هُنَيَّةً، قَالَ أَبُو قِلَابَةَ: فَصَلَّى بِنَا صَلَاةَ شَيْخِنَا هٰذَا أَبِي يَزِيدَ. وَكَانَ أَبُو يَزِيدَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ الْآخِرَةِ اسْتَوٰى قَاعِدًا ثُمَّ نَهَضَ. [راجع: ٦٧٧]

[802] حضرت ابوقلابہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ ہمیں اوقات نماز کے علاوہ نبی ﷺ کی نماز پڑھ کر دکھایا کرتے تھے، چنانچہ ایک دن وہ نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو جم کر قیام کیا۔ پھر رکوع کیا تو وہ بھی جم کر کیا۔ اس کے بعد رکوع سے سر اٹھایا تو تھوڑی دیر تک سیدھے کھڑے رہے۔ ابوقلابہ کہتے ہیں کہ اس وقت حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ نے ہمیں ہمارے شیخ ابویزید کی طرح نماز پڑھائی۔ اور ابویزید جب دوسرے سجدے سے سر اٹھاتے تو سیدھے ہو کر بیٹھ جاتے پھر کھڑے ہوتے تھے۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے شریعت کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے ہر رکن کو پورے سکون اور اطمینان سے ادا کیا جائے کہ جسم کا ہر عضو اپنی اپنی جگہ پر سکون و اطمینان سے ٹھہر جائے۔ شریعت کی نظر میں طول قیام کی اتنی اہمیت نہیں کیونکہ قیام میں حالات وظروف کے پیش نظر کمی وبیشی ہو سکتی ہے لیکن مواضع اربعہ، یعنی رکوع، قومہ، سجدہ اور درمیانی نشست کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا معمول ہمیشہ یکساں رہا ہے۔ ② واضح رہے کہ حدیث میں مذکور شیخ سے مراد حضرت عمرو بن سلمہ جرمی ہیں۔[2] اس حدیث میں جلسۂ استراحت کا بھی بیان ہے جس کی وضاحت ہم حدیث: 823 میں کریں گے۔

(١٢٨) بَابٌ: يَهْوِي بِالتَّكْبِيرِ حِينَ يَسْجُدُ

باب: 128- سجدے کے لیے اللہ اکبر کہتا ہوا جھکے

وَقَالَ نَافِعٌ: كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَضَعُ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ.

حضرت نافع کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما (سجدہ کرتے وقت) گھٹنوں سے پہلے اپنے ہاتھ (زمین پر) رکھتے تھے۔

وضاحت: اس عنوان میں امام بخاری رحمہ اللہ نے سجدے کو جاتے ہوئے قولی اور عملی کیفیت بیان کی ہے۔ قولی کیفیت یہ ہے کہ اللہ اکبر کہتا ہوا سجدے کے لیے نیچے جھکے جیسا کہ آئندہ مرفوع حدیث سے ثابت ہوگا اور عملی کیفیت یہ ہے کہ سجدہ کرتے وقت

1 فتح الباري: 374/2. 2 فتح الباري: 375/2.

اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے زمین پر رکھے جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے عمل سے معلوم ہو رہا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ عمل صحیح ابن خزیمہ میں متصل سند سے بیان ہوا ہے اور اس کے آگے یہ الفاظ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔[1] اگرچہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے ان اضافی الفاظ کو وہم قرار دیا ہے لیکن ان کا موقف مرجوح ہے۔[2] پھر اس عمل کی تائید حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے جب کوئی سجدہ کرے تو اونٹ کی طرح نہ بیٹھے اور اپنے ہاتھ گھٹنوں سے پہلے زمین پر رکھے۔[3] اگرچہ اس کے معارض حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے جس کے الفاظ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سجدے میں جاتے وقت اپنے گھٹنے زمین پر ہاتھوں سے پہلے رکھتے تھے۔[4] لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حدیث ابی ہریرہ کو حضرت وائل بن حجر کی روایت سے قوی قرار دیا ہے۔[5] کیونکہ حدیث وائل کو بیان کرنے میں شریک راوی تنہا ہے اور جب کسی روایت کو یہ تنہا بیان کرے تو محدثین کے نزدیک اس قسم کی روایت محل نظر ہوتی ہے، نیز اونٹ جب نیچے بیٹھتا ہے تو پہلے اپنے گھٹنے زمین پر ٹیکتا ہے پھر بیٹھتا ہے اور بحالت سجدہ اسی کیفیت سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

٨٠٣ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ، وَأَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ يُكَبِّرُ فِي كُلِّ صَلَاةٍ مِّنَ الْمَكْتُوبَةِ وَغَيْرِهَا فِي رَمَضَانَ وَغَيْرِهِ، فَيُكَبِّرُ حِينَ يَقُومُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْكَعُ، ثُمَّ يَقُولُ: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، ثُمَّ يَقُولُ: رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ قَبْلَ أَنْ يَسْجُدَ، ثُمَّ يَقُولُ: اَللّٰهُ أَكْبَرُ حِينَ يَهْوِي سَاجِدًا، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَسْجُدُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَقُومُ مِنَ الْجُلُوسِ فِي الْاِثْنَتَيْنِ، وَيَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنَ الصَّلَاةِ، ثُمَّ يَقُولُ حِينَ يَنْصَرِفُ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! إِنِّي لَأَقْرَبُكُمْ شَبَهًا بِصَلَاةِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ إِنْ كَانَتْ هٰذِهِ

[803] ابو بکر بن عبدالرحمٰن اور ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہر نماز میں تکبیر کہتے تھے، خواہ وہ نماز فرض ہو یا نفل، ماہ رمضان میں بھی اور اس کے علاوہ بھی۔ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے، پھر جب رکوع کرتے تو بھی اللہ اکبر کہتے، پھر (رکوع سے اٹھتے وقت) سمع اللّٰہ لمن حمدہ کہتے۔ بعدازاں سجدہ کرنے سے پہلے ربنا ولك الحمد کہتے۔ اس کے بعد جب سجدے کے لیے جھکتے تو اللہ اکبر کہتے، پھر جب سجدے سے سر اٹھاتے تو تکبیر کہتے۔ اس کے بعد (دوسرا) سجدہ کرتے تو بھی اللہ اکبر کہتے۔ پھر جب سجدوں سے سر اٹھاتے تو تکبیر کہتے۔ پھر جب دو رکعتوں میں بیٹھ کر اٹھتے تو بھی اللہ اکبر کہتے۔ الغرض ہر رکعت میں اسی طرح کرتے تا آنکہ نماز سے فارغ ہو جاتے۔ جب اپنی نماز ختم کر لیتے تو فرماتے: مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یقیناً میں تم سب سے رسول اللہ ﷺ کی نماز سے زیادہ مشابہت رکھتا ہوں۔

---

[1] صحيح ابن خزيمة: 319/1. [2] فتح الباري: 376/2. [3] سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 840. [4] سنن ابن ماجه، الصلاة، حديث: 882. [5] بلوغ المرام، حديث: 245.

لَصَلَاتَهُ حَتّٰى فَارَقَ الدُّنْيَا . [راجع: ٧٨٥]

بے شک یہی آپ کی نماز ہوتی تھی تا آنکہ آپ دنیا سے رخصت ہو گئے۔

٨٠٤ - قَالَا: وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: وَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ يَقُولُ: «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ»، يَدْعُو لِرِجَالٍ فَيُسَمِّيهِمْ بِأَسْمَائِهِمْ، فَيَقُولُ: «اَللّٰهُمَّ أَنْجِ الْوَلِيدَ بْنَ الْوَلِيدِ، وَسَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ وَّعَيَّاشَ بْنَ أَبِي رَبِيعَةَ، وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ، اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلٰى مُضَرَ وَاجْعَلْهَا عَلَيْهِمْ سِنِينَ كَسِنِي يُوسُفَ»، وَأَهْلُ الْمَشْرِقِ يَوْمَئِذٍ مِّنْ مُّضَرَ مُخَالِفُونَ لَهُ. [راجع: ٧٩٧]

[804] ان دونوں (ابو بکر بن عبدالرحمٰن اور ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن) نے کہا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب رکوع سے سر اٹھاتے تو سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، رَبَّنَا وَ لَكَ الْحَمْدُ کہتے اور کچھ لوگوں کے لیے ان کا نام لے کر دعا کرتے ہوئے فرماتے: ”اے اللہ! ولید بن ولید، سلمہ بن ہشام، عیاش بن ابو ربیعہ اور ناتواں مسلمانوں کو (کفار کے ظلم سے) نجات دے۔ اے اللہ! قبیلۂ مضر پر اپنی گرفت سخت کر دے اور انھیں ایسی قحط سالی میں مبتلا کر دے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے عہد میں قحط پڑا تھا۔“ اس وقت اہل مشرق سے قبیلۂ مضر کے لوگ آپ کے دشمن تھے۔

فوائد و مسائل: ① اس طریقۂ نماز کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا طریقہ قرار دیا ہے بلکہ قبل ازیں ایک حدیث میں بعینہٖ اس کیفیت کو رسول اللہ ﷺ کی طرف صراحت کے ساتھ منسوب کیا گیا ہے کہ خود آپ نے اس انداز سے نماز ادا کی۔[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ عنوان بایں الفاظ قائم کیا ہے: يَهْوِي بِالتَّكْبِيرِ حِينَ يَسْجُدُ جبکہ روایت کے الفاظ اس کے برعکس ہیں، یعنی يُكَبِّرُ حِينَ يَهْوِي سَاجِدًا، چونکہ یہاں سے سجدے کا بیان شروع ہوتا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اللہ اکبر کہنے اور سجدے کے لیے جھکنے کو لازم ملزوم قرار دیا ہے، یعنی اللہ اکبر کو سجدے کے لیے جھکتے ہی شروع کر دیا جائے، پھر اسے پوری حرکت انتقال پر پھیلا دیا جائے جیسا کہ فقہاء نے کہا ہے: اللہ اکبر جھکنے کے ساتھ اور جھکنا اللہ اکبر کے ساتھ ہو، چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ شرح تراجم بخاری میں لکھتے ہیں کہ اللہ اکبر جھکنے کے ساتھ ساتھ ہو۔ اس میں تقدیم و تاخیر نہیں ہونی چاہیے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اکمال و تکمیل کے پیش نظر دوسری حدیث ذکر کی ہے۔ باب کے ساتھ اس کی کوئی مناسبت نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قنوت کا محل رکوع سے سر اٹھانے کے بعد ہے، نیز نماز میں کسی کا نام لے کر دعا یا بددعا کرنے میں کوئی حرج نہیں، اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی جیسا کہ بعض فقہاء نے یہ موقف اختیار کیا ہے۔[2] اس حدیث سے متعلقہ دیگر مباحث ہم آئندہ حدیث: (4560) میں بیان کریں گے۔ إن شاء الله.

٨٠٥ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا

[805] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے

1 صحيح البخاري، الأذان، حديث: 789. 2 فتح الباري: 377/2.

سُفْيَانُ غَيْرَ مَرَّةٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ ابْنَ مَالِكٍ يَقُولُ: سَقَطَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ فَرَسٍ - وَرُبَّمَا قَالَ سُفْيَانُ: مِنْ فَرَسٍ - فَجُحِشَ شِقُّهُ الْأَيْمَنُ، فَدَخَلْنَا عَلَيْهِ نَعُودُهُ فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَصَلَّى بِنَا قَاعِدًا وَّقَعَدْنَا، وَقَالَ سُفْيَانُ مَرَّةً: صَلَّيْنَا قُعُودًا، فَلَمَّا قَضَى الصَّلَاةَ قَالَ: «إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوا، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا: رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا».

فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ گھوڑے سے گر پڑے تو آپ کی دائیں جانب زخمی ہوگئی۔ ہم لوگ آپ کی خدمت میں تیمار داری کے لیے حاضر ہوئے، اتنے میں نماز کا وقت آگیا تو آپ نے ہمیں بیٹھ کر نماز پڑھائی اور ہم بھی بیٹھ گئے...... سفیان راوی نے ایک مرتبہ یہ الفاظ بیان کیے کہ ہم نے بھی بیٹھ کر نماز پڑھی...... جب آپ نماز ادا کر چکے تو فرمایا: ''امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، لہٰذا جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو اور جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور جب وہ سر اٹھائے تو تم بھی سر اٹھاؤ اور جب وہ سمع اللّٰه لمن حمده کہے تو تم ربنا ولك الحمد کہو اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو۔''

[قَالَ سُفْيَانُ:] كَذَا جَاءَ بِهِ مَعْمَرٌ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: لَقَدْ حَفِظَ، كَذَا قَالَ الزُّهْرِيُّ: وَلَكَ الْحَمْدُ، حَفِظْتُ: مِنْ شِقِّهِ الْأَيْمَنِ -. فَلَمَّا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِ الزُّهْرِيِّ قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ وَأَنَا عِنْدَهُ: فَجُحِشَ سَاقُهُ الْأَيْمَنُ. [راجع: ٣٧٨]

حضرت سفیان نے کہا: کیا معمر نے اس طرح بیان کیا؟ میں نے کہا: ہاں۔ سفیان نے کہا: اس نے خوب یاد رکھا۔ زہری فرماتے ہیں کہ مجھے ''وَلَكَ الْحَمْدُ اور شِقُّهُ الْأَيْمَنُ کے الفاظ یاد ہیں۔ جب امام زہری کے پاس سے واپس آئے تو ابن جریج نے کہا کہ میں زہری کے پاس تھا تو انھوں نے یہ الفاظ بیان کیے: آپ کی دائیں پنڈلی زخمی ہوگئی۔

فوائد و مسائل: ① اس روایت کا تقاضا ہے کہ امام کے سجدے کے وقت ہی مقتدی کا سجدہ ہونا چاہیے۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ کا سجدہ جھکتے وقت اللہ اکبر کہتے ہوئے ہوتا تھا۔ حدیث کی مطابقت بھی بایں طور پر ہی ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ سجدے کے لیے جھکنے کی دونوں صفات ہیں: صفت فعلی اور صفت قولی۔ اس اعتبار سے مذکورہ حدیث سجدے کے لیے جھکنے کی دو صفات پر دلالت کرتی ہے۔[1] واللّٰه أعلم۔ یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ صحابۂ کرام ؓ رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں رہتے ہوئے اس وقت سجدے کے لیے جھکتے تھے جب آپ اپنا سر مبارک زمین پر رکھ دیتے تھے جیسا کہ صراحت کے ساتھ حدیث میں اس کا ذکر ہے، اس لیے مقتدی کو سجدہ کرتے وقت جھکنے کے ساتھ ساتھ اللہ اکبر کہتے ہوئے اس بات کا بطورِ خاص خیال رکھنا ہوگا۔ ② امام بخاری ؒ نے متن حدیث ختم ہونے کے بعد كَذَا جَاءَ بِهِ مَعْمَرٌ سے تین ایسی باتوں کا ذکر کیا ہے جن کا تعلق سند حدیث یا بیانِ روایت سے ہے۔ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے: ⊛ یہ حضرت سفیان بن عیینہ کا مقولہ ہے۔ انھوں نے اپنے

[1] عمدة القاري: 543/4.

شاگرد علی بن عبداللہ المدینی سے دریافت کیا کہ جیسے میں نے حدیث بیان کی ہے حضرت معمر بن راشد نے بھی اسی طرح بیان کی تھی؟ علی بن مدینی کہتے ہیں کہ میں نے جواب میں ہاں کہا۔ حضرت سفیان نے علی بن مدینی سے یہ اس لیے پوچھا کہ جس طرح وہ سفیان کے شاگرد ہیں اسی طرح معمر کے بھی شاگرد ہیں۔ اس کے بعد حضرت سفیان نے حضرت معمر کی توثیق کرتے ہوئے فرمایا کہ اس نے خوب یاد رکھا ہے۔ ٭ امام زہری کے بعض شاگرد، مثلاً: لیث وغیرہ ربنا لك الحمد یا اللهم ربنا لك الحمد ذکر کرتے تھے، یعنی "واؤ" کا ذکر نہیں کرتے جیسا کہ حدیث: 733 میں گزرا ہے۔ یہ بات حضرت سفیان بن عیینہ نے بطور تنبیہ فرمائی ہے۔ ٭ سفیان فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ امام زہری سے شقه الأيمن، یعنی دائیں جانب کے الفاظ ہی ضبط کیے ہیں لیکن جب ہم اپنے شیخ کے پاس واپس آئے تو ابن جریج شقه الأيمن کے بجائے ساقه الأيمن نقل کرنے لگا، جبکہ میں خود اپنے شیخ کے پاس تھا تو انھوں نے مذکورہ الفاظ کب اور کیسے سنے ہیں؟ یہ اس صورت میں ہے جب عِنْدَهٗ میں ضمیر کا مرجع امام زہری ہوں۔ اگر اس کا مرجع ابن جریج ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں تو ابن جریج کے ساتھ رہا ہوں اور ان سے جدا نہیں ہوا تو انھوں نے کب سنے ہیں؟ اس طرح کہنے سے یہ احتمال ختم ہوگیا کہ شاید انھوں نے بعد میں امام زہری سے پوچھ لیا ہو، تاہم پہلی توجیہ زیادہ قرین قیاس ہے۔[1] والله أعلم.

(١٢٩) بَابُ فَضْلِ السُّجُودِ

باب: 129- سجدے کی فضیلت کا بیان

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے ارکان نماز میں سے صرف سجدے کی فضیلت بیان کرنے کے لیے عنوان قائم کیا ہے، اس کی دو وجوہات ہیں: سجدے کے علاوہ دیگر ارکان، مثلاً: رکوع، قیام وغیرہ خارج از صلاۃ جائز نہیں جبکہ سجدہ، نماز کے علاوہ بھی جائز ہے، جیسے سجدۂ تلاوت اور سجدۂ شکر وغیرہ، اس لیے سجدے کو دیگر ارکان نماز پر برتری حاصل ہے۔ بعض روایات امام بخاری رحمہ اللہ کی شرط کے مطابق نہیں ہوتیں، ایسے حالات میں امام بخاری رحمہ اللہ عنوان کے ذریعے سے ان کی تردید یا تائید فرماتے ہیں، چنانچہ صحیح مسلم کی حدیث ہے کہ سجدے کی حالت میں بندہ اپنے رب کے بہت قریب ہوتا ہے، اس لیے بحالت سجدہ دعا کیا کرو۔ ایسی حالت میں تمھاری دعا قبول ہونے کی امید ہے۔[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان کے ذریعے سے اس حدیث کی تائید فرمائی ہے۔

٨٠٦ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَعَطَاءُ بْنُ يَزِيدَ اللَّيْثِيُّ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ أَخْبَرَهُمَا أَنَّ النَّاسَ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! هَلْ نَرَى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ: «هَلْ تُمَارُونَ فِي الْقَمَرِ لَيْلَةَ

[806] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا ہم روز قیامت اپنے پروردگار کو دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا: "شب بدر کے چاند جس پر کوئی ابر نہ ہو (اسے دیکھنے میں) تمھیں کوئی شک ہوتا ہے؟" صحابۂ کرام نے کہا: اللہ کے رسول! نہیں۔ آپ نے

(1) عمدة القاري: 544/4. 2 صحيح مسلم، الصلاة، حديث: 1074(479).

الْبَدْرِ لَيْسَ دُونَهُ سَحَابٌ؟» قَالُوا : لَا يَا رَسُولَ اللهِ! قَالَ : «فَهَلْ تُمَارُونَ فِي رُؤْيَةِ الشَّمْسِ لَيْسَ دُونَهَا سَحَابٌ؟» قَالُوا : لَا ، قَالَ : «فَإِنَّكُمْ تَرَوْنَهُ كَذٰلِكَ ، يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُولُ : مَنْ كَانَ يَعْبُدُ شَيْئًا فَلْيَتَّبِعْ ، فَمِنْهُمْ مَنْ يَتَّبِعُ الشَّمْسَ ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَتَّبِعُ الْقَمَرَ ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَتَّبِعُ الطَّوَاغِيتَ ، وَتَبْقٰى هٰذِهِ الْأُمَّةُ فِيهَا مُنَافِقُوهَا ، فَيَأْتِيهِمُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ فَيَقُولُ : أَنَا رَبُّكُمْ ، فَيَقُولُونَ : هٰذَا مَكَانُنَا حَتّٰى يَأْتِيَنَا رَبُّنَا ، فَإِذَا جَاءَ رَبُّنَا عَرَفْنَاهُ ، فَيَأْتِيهِمُ اللهُ فَيَقُولُ : أَنَا رَبُّكُمْ ، فَيَقُولُونَ : أَنْتَ رَبُّنَا فَيَدْعُوهُمْ وَيُضْرَبُ الصِّرَاطُ بَيْنَ ظَهْرَانَيْ جَهَنَّمَ فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يَجُوزُ مِنَ الرُّسُلِ بِأُمَّتِهِ ، وَلَا يَتَكَلَّمُ يَوْمَئِذٍ أَحَدٌ إِلَّا الرُّسُلُ ، وَكَلَامُ الرُّسُلِ يَوْمَئِذٍ : اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ ، وَفِي جَهَنَّمَ كَلَالِيبُ مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ ، هَلْ رَأَيْتُمْ شَوْكَ السَّعْدَانِ؟ قَالُوا : نَعَمْ ، قَالَ : فَإِنَّهَا مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ غَيْرَ أَنَّهُ لَا يَعْلَمُ قَدْرَ عِظَمِهَا إِلَّا اللهُ ، تَخْطَفُ النَّاسَ بِأَعْمَالِهِمْ : فَمِنْهُمْ مَنْ يُوبَقُ بِعَمَلِهِ ، وَمِنْهُمْ مَنْ يُخَرْدَلُ ، ثُمَّ يَنْجُو حَتّٰى إِذَا أَرَادَ اللهُ رَحْمَةَ مَنْ أَرَادَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ أَمَرَ اللهُ الْمَلَائِكَةَ أَنْ يُخْرِجُوا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللهَ ، فَيُخْرِجُونَهُمْ وَيَعْرِفُونَهُمْ بِآثَارِ السُّجُودِ ، وَحَرَّمَ اللهُ عَلَى النَّارِ أَنْ تَأْكُلَ أَثَرَ السُّجُودِ ، فَيَخْرُجُونَ مِنَ النَّارِ فَكُلُّ ابْنِ آدَمَ تَأْكُلُهُ النَّارُ إِلَّا أَثَرَ السُّجُودِ ، فَيَخْرُجُونَ مِنَ النَّارِ قَدِ امْتَحَشُوا ، فَيُصَبُّ عَلَيْهِمْ مَاءُ الْحَيَاةِ ، فَيَنْبُتُونَ

فرمایا: ''تو کیا تم آفتاب (کے دیکھنے) میں شک کرتے ہو جبکہ اس پر ابر نہ ہو؟'' صحابۂ کرام نے کہا: اللہ کے رسول! ہرگز نہیں۔ آپ نے فرمایا: ''اسی طرح تم اپنے پروردگار کو دیکھو گے۔ قیامت کے دن جب لوگ اٹھائے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جو (دنیا میں) جس کی پوجا کرتا تھا وہ اس کے پیچھے جائے، چنانچہ کوئی تو سورج کے ساتھ ہو جائے گا اور کوئی چاند کے پیچھے ہولے گا اور کوئی بتوں اور شیاطین کے پیچھے چلے گا۔ باقی اس امت کے (مسلمان) لوگ رہ جائیں گے جن میں منافق بھی ہوں گے۔ ان کے پاس اللہ تعالیٰ (ایک نئی صورت میں) تشریف لائے گا اور فرمائے گا: میں تمھارا رب ہوں۔ وہ عرض کریں گے ہم (تجھے نہیں پہچانتے ہم) اسی جگہ کھڑے رہیں گے۔ جب ہمارا رب ہمارے پاس آئے گا تو ہم اسے پہچان لیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کے پاس (اپنی اصلی شکل و صورت میں) جلوہ گر ہوگا اور فرمائے گا کہ میں تمھارا رب ہوں۔ تو وہ کہیں گے: ہاں، تو ہمارا رب ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ انھیں بلائے گا۔ اس وقت جہنم کی پشت پر پل رکھ دیا جائے گا۔ سب سے پہلے میں اپنی امت کے ساتھ اس پر سے گزروں گا۔ اس روز رسولوں کے علاوہ کسی اور کو کلام کی ہمت اور طاقت نہ ہوگی۔ اس روز رسول کہیں گے الٰہی! سلامتی دے۔ الٰہی! سلامتی دے۔ جہنم میں سعدان کے کانٹوں کی طرح آنکڑے ہوں گے۔ کیا تم نے سعدان کے کانٹے دیکھے ہیں؟'' صحابہ نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: ''بس وہ سعدان کے کانٹوں کی طرح ہوں گے مگر ان کی لمبائی اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ وہ آنکڑے لوگوں کو ان کے (برے) اعمال کے مطابق گھسیٹیں گے۔ بعض شخص تو اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے ہلاک ہو جائیں گے اور کچھ زخموں سے چور ہو کر

كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ فِي حَمِيلِ السَّيْلِ ، ثُمَّ يَفْرُغُ اللهُ مِنَ الْقَضَاءِ بَيْنَ الْعِبَادِ ، وَيَبْقَى رَجُلٌ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ - وَهُوَ آخِرُ أَهْلِ النَّارِ دُخُولًا الْجَنَّةَ - مُقْبِلًا بِوَجْهِهِ قِبَلَ النَّارِ ، فَيَقُولُ : يَا رَبِّ اصْرِفْ وَجْهِي عَنِ النَّارِ فَقَدْ قَشَبَنِي رِيحُهَا ، وَأَحْرَقَنِي ذَكَاؤُهَا ، فَيَقُولُ : هَلْ عَسَيْتَ إِنْ فُعِلَ ذٰلِكَ بِكَ أَنْ تَسْأَلَ غَيْرَ ذٰلِكَ؟ فَيَقُولُ : لَا وَعِزَّتِكَ ، فَيُعْطِي اللهَ مَا شَاءَ مِنْ عَهْدٍ وَّمِيثَاقٍ فَيَصْرِفُ اللهُ وَجْهَهُ عَنِ النَّارِ ، فَإِذَا أَقْبَلَ بِهِ عَلَى الْجَنَّةِ رَأَى بَهْجَتَهَا سَكَتَ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَّسْكُتَ ، ثُمَّ قَالَ : يَا رَبِّ قَدِّمْنِي عِنْدَ بَابِ الْجَنَّةِ ، فَيَقُولُ اللهُ لَهُ : أَلَيْسَ قَدْ أَعْطَيْتَ الْعُهُودَ وَالْمَوَاثِيقَ أَنْ لَا تَسْأَلَ غَيْرَ الَّذِي كُنْتَ سَأَلْتَ؟ فَيَقُولُ : يَا رَبِّ لَا أَكُونُ أَشْقَى خَلْقِكَ ، فَيَقُولُ : فَمَا عَسَيْتَ إِنْ أُعْطِيتَ ذٰلِكَ أَنْ لَّا تَسْأَلَ غَيْرَهُ؟ فَيَقُولُ : لَا وَعِزَّتِكَ ، لَا أَسْأَلُكَ غَيْرَ ذٰلِكَ ، فَيُعْطِي رَبَّهُ مَا شَاءَ مِنْ عَهْدٍ وَّمِيثَاقٍ ، فَيُقَدِّمُهُ إِلَى بَابِ الْجَنَّةِ ، فَإِذَا بَلَغَ بَابَهَا فَرَأَى زَهْرَتَهَا وَمَا فِيهَا مِنَ النَّضْرَةِ وَالسُّرُورِ ، فَيَسْكُتُ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَّسْكُتَ ، فَيَقُولُ : يَا رَبِّ أَدْخِلْنِي الْجَنَّةَ ، فَيَقُولُ اللهُ تَعَالَى وَيْحَكَ يَا ابْنَ آدَمَ ، مَا أَغْدَرَكَ؟ أَلَيْسَ قَدْ أَعْطَيْتَ الْعَهْدَ وَالْمِيثَاقَ أَنْ لَّا تَسْأَلَ غَيْرَ الَّذِي أُعْطِيتَ؟ فَيَقُولُ : يَا رَبِّ لَا تَجْعَلْنِي أَشْقَى خَلْقِكَ . فَيَضْحَكُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ مِنْهُ ، ثُمَّ يَأْذَنُ لَهُ فِي دُخُولِ الْجَنَّةِ ، فَيَقُولُ لَهُ : تَمَنَّ ، فَيَتَمَنَّى حَتّٰى إِذَا انْقَطَعَتْ أُمْنِيَّتُهُ ، قَالَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ : زِدْ مِنْ كَذَا وَكَذَا ، أَقْبَلَ يُذَكِّرُهُ رَبُّهُ

بچ جائیں گے حتی کہ جب اللہ تعالیٰ اہل جہنم میں سے جن پر مہربانی کرنا چاہے گا تو فرشتوں کو حکم دے گا جو لوگ اللہ کی عبادت کرتے تھے وہ نکال لیے جائیں، چنانچہ فرشتے انھیں سجدوں کے نشانات سے پہچان کر نکال لیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آگ پر سجدوں کے نشانات کو کھانا حرام کردیا ہے۔ ان لوگوں کو جہنم سے اس حالت میں نکالا جائے گا کہ نشانات سجود کے علاوہ ان کی ہر چیز کو آگ کھا چکی ہوگی۔ یہ لوگ کوئلے کی طرح سوختہ حالت میں جہنم سے نکلیں گے۔ پھر ان پر آب حیات ڈالا جائے گا تو وہ ایسے نمو پائیں گے جس طرح قدرتی بیج پانی کے بہاؤ میں اگتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا فیصلہ کرنے سے فارغ ہو جائے گا لیکن ایک شخص جنت اور دوزخ کے درمیان رہ جائے گا۔ وہ جہنم سے نکل کر جنت میں داخل ہونے کے اعتبار سے آخری ہوگا۔ اس کا منہ دوزخ کی جانب ہوگا اور وہ عرض کرے گا: اے اللہ! میرا منہ دوزخ کی طرف سے پھیر دے کیونکہ اس کی بدبو نے مجھے جھلسا دیا ہے اور اس کے شعلے نے مجھے جلا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تو آئندہ ایسا تو نہیں کرے گا کہ اگر تیرے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے تو پھر اس کے علاوہ کچھ اور مانگے؟ وہ عرض کرے گا: ہرگز نہیں، تیری عزت کی قسم! پھر اللہ تعالیٰ کو اس کی مشیئت کے مطابق عہد و پیمان دے گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس کا منہ دوزخ کی جانب سے پھیر دے گا۔ جب وہ جنت کی طرف منہ کرے گا تو اس کی تر و تازگی اور بہار دیکھ کر جتنی دیر تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا خاموش رہے گا۔ اس کے بعد کہے گا: اے میرے پروردگار! مجھے جنت کے دروازے تک پہنچا دے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تو نے اس پر قول و قرار نہ کیا تھا کہ جو کچھ تو مانگ چکا ہے اس کے علاوہ کسی اور چیز کا مطالبہ نہیں

عَزَّوَجَلَّ حَتّٰى إِذَا انْتَهَتْ بِهِ الْأَمَانِيُّ، قَالَ اللهُ تَعَالٰى: لَكَ ذٰلِكَ وَمِثْلُهُ مَعَهُ». قَالَ أَبُوسَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ لِأَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «قَالَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ: لَكَ ذٰلِكَ وَعَشَرَةُ أَمْثَالِهِ». قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: لَمْ أَحْفَظْ مِنْ رَّسُولِ اللهِ ﷺ إِلَّا قَوْلَهُ: «لَكَ ذٰلِكَ وَمِثْلُهُ مَعَهُ». قَالَ أَبُوسَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ: إِنِّي سَمِعْتُهُ يَقُولُ: «ذٰلِكَ لَكَ وَعَشَرَةُ أَمْثَالِهِ». [انظر: ٦٥٧٣، ٧٤٣٧]

کرے گا؟ اس پر وہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! تیری مخلوق میں سب سے بڑھ کر میں ہی بدنصیب نہ ہو جاؤں۔ ارشاد ہوگا: اگر تجھے یہ بھی عطا کردیا جائے تو اس کے علاوہ کچھ اور سوال تو نہیں کرے گا؟ وہ عرض پرداز ہوگا: تیری عزت کی قسم! میں اس کے علاوہ کوئی اور سوال نہیں کروں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ کو اس کی مشیئت کے مطابق قول وقرار دے گا۔ آخر اللہ تعالیٰ اسے جنت کے دروازے پر پہنچا دے گا۔ جب وہ جنت کے دروازے کے پاس پہنچ جائے گا وہاں کی شادابی تازگی اور فرحت دیکھ کر جتنی دیر اللہ کو منظور ہوگا خاموش رہے گا، پھر یوں گویا ہوگا: اے میرے پروردگار! مجھے جنت میں داخل کردے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے آدم کے بیٹے! تجھ پر افسوس تو کتنا عہد شکن اور دغا باز ہے؟ کیا تو نے اس بات کا عہد نہ کیا تھا کہ اب میں کوئی درخواست نہیں کروں گا؟ تو وہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! مجھے اپنی مخلوق میں سے سب سے زیادہ بدنصیب نہ کر۔ تب اس کی باتوں پر اللہ تعالیٰ ہنس دے گا اور اسے جنت میں جانے کی اجازت دے کر فرمائے گا کہ خواہش کر، چنانچہ وہ خواہش کرے گا یہاں تک کہ اس کی تمام خواہشات ختم ہو جائیں گی تو اللہ فرمائے گا: یہ یہ چیزیں اور مانگ۔ اس کا پروردگار اسے خود یاد دلائے گا یہاں تک کہ جب اس کی تمام خواہشیں پوری ہو جائیں گی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تجھے یہ بھی بلکہ اس کی مثل اور بھی دیا جاتا ہے۔'' حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس جگہ پر فرمایا تھا: ''اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تیرے لیے یہ بھی اور اس کے ساتھ دس گناہ مزید بھی ہے۔'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ گویا ہوئے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ سے یہی یاد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''تیرے لیے یہ اور اتنا اور ہے۔'' حضرت

ابو سعید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا: ''یہ سب کچھ تجھے دیا اور اس سے دس گنا مزید بھی دیا جاتا ہے۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے سجدے کی فضیلت کا پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پیشانی کو نہیں جلائے گا جس پر سجدے کے نشانات ہوں گے۔ اور انھی نشانات کی وجہ سے بے شمار گناہ گاروں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر جہنم سے نکال لیا جائے گا۔ جو لوگ دنیا میں نماز کی نعمت سے محروم رہے ہوں گے لیکن کلمۂ شہادت ادا کر کے اسلام قبول کیا ہوگا انھیں جہنم کے عذاب سے کیسے نجات ملے گی؟ ان کے جسم پر سجدے کے آثار و علامات نہیں ہوں گے جن سے فرشتے شناخت کر کے انھیں جہنم سے نکال لائیں تو کیا وہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہیں گے؟ غالبًا ایسے لوگوں کو خود اللہ تعالیٰ جہنم سے نکالے گا جبکہ تمام انبیاء، صلحاء اور فرشتوں کی سفارشات سے بے شمار لوگ جہنم سے نجات حاصل کر چکے ہوں گے اور جنت میں انھیں داخلہ مل چکا ہوگا۔ تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اب میری سفارش رہ گئی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ مٹھی بھر کر ایسے لوگوں کو جہنم سے نکالے گا جنھوں نے دنیا میں کبھی اچھا کام نہیں کیا ہوگا۔ ان کے پاس دھندلا سا ایمان ہوگا جو انبیاء، صلحاء اور فرشتوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہے گا۔[1] واللہ أعلم. ② اس کے متعلق اختلاف ہے کہ دوزخ کی آگ سے نمازی کے جسم کا کون سا حصہ محفوظ رہے گا؟ علامہ نووی رحمہ اللہ کی رائے ہے کہ تمام اعضائے سجدہ، یعنی پیشانی، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں جہنم کی آگ سے محفوظ رہیں گے جبکہ قاضی عیاض کا موقف ہے کہ صرف پیشانی جس سے سجدہ ہوتا ہے وہی محفوظ ہوگی کیونکہ حدیث میں ہے کہ گناہ گار لوگوں میں سے کچھ لوگ آدھی پنڈلی، کچھ گھٹنوں اور کچھ کمر تک آگ میں رہیں گے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قدم اور گھٹنے آگ سے محفوظ نہیں رہیں گے، اس لیے صرف پیشانی کو محفوظ کہہ سکتے ہیں۔ ایک دوسری حدیث سے بھی اسی موقف کی تائید ہوتی ہے کہ کچھ لوگوں کو دوزخ میں عذاب ہوگا مگر ان کے چہروں کے دائرے اس سے محفوظ ہوں گے۔ علامہ نووی رحمہ اللہ نے پہلی حدیث کا جواب بایں الفاظ دیا ہے کہ اس میں خاص لوگوں کا حال بیان ہوا ہے لیکن عام گناہ گار اہل ایمان کے تمام اعضائے سجدہ آگ سے محفوظ رہیں گے جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث کا تقاضا ہے، اس لیے جہنم میں سزا پانے والے اہل ایمان کی دو اقسام ہیں اور دونوں قسم کی احادیث کے موارد بھی الگ الگ ہیں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی قاضی عیاض کے استدلال کا جواب دیا ہے کہ آخرت کے احوال کو دنیا کے احوال پر قیاس نہیں کرنا چاہیے۔ ممکن ہے کہ کمر تک آگ میں جلنے والوں کے گھٹنے اور قدم دوزخ کی آگ سے بالکل متاثر نہ ہوں اور اعضائے سجدہ اس سے محفوظ رہیں۔ پھر لکھا ہے کہ چہرے کے دائروں والی حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نہ صرف پیشانی بلکہ چہرے کے پورے دائرے سجدے کی برکت سے محفوظ رہیں گے۔ اس بنا پر پیشانی کے استثناء والی بات بھی محل نظر ہے۔[2] ③ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما کے بیانات میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ فضائل اعمال میں اقل کو ابتدائی اور اکثر کو آخری حالات پر محمول کیا جاتا ہے۔ اس بنا پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں کم از کم قطعۂ جنت کا بیان ہے جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ کو پہلے مطلع کیا گیا

---

1 صحيح البخاري، التوحيد، حديث: 7439. 2 فتح الباري: 556/11، و 481/2.

اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں زیادہ سے زیادہ رحمت الٰہی کا بیان ہے جس پر رسول اللہ ﷺ کو بعد میں مطلع کیا گیا اور بیان کے وقت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس پر مطلع نہ ہو سکے۔[1] واللّٰہ أعلم. ④ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی بے شمار صفات کا اثبات ہے جن پر آگے کتاب الرقاق، حدیث : 6573 اور کتاب التوحید، حدیث : 7437 میں گفتگو ہوگی۔ بإذن اللّٰہ تعالٰی.

(١٣٠) بَابٌ: يُبْدِي ضَبْعَيْهِ وَيُجَافِي فِي السُّجُودِ

باب: 130- دوران سجدہ میں دونوں بازو کشادہ اور انھیں رانوں سے دور رکھنا

وضاحت: یہ عنوان کتاب الصلاۃ، (باب: 27، حدیث: 390) میں درج ذیل حدیث ہی کے ساتھ اس سے پہلے بھی گزر چکا ہے۔ وہاں یہ بتانا مقصود تھا کہ بغل اور اس سے ملے ہوئے ہاتھوں کے حصے اگر نماز میں کھلے رہیں تو وہ عدم تستر میں داخل نہیں۔ اور اس مقام پر یہ وضاحت کرنا ہے کہ سجدے کے وقت بازوؤں کو پہلو سے جدا رکھا جائے تاکہ وہ بھی آزادی سے مستقلاً سجدہ کریں۔

٨٠٧ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُكَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنِي بَكْرُ بْنُ مُضَرَ عَنْ جَعْفَرٍ، عَنِ ابْنِ هُرْمُزَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَالِكٍ ابْنِ بُحَيْنَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا صَلَّى فَرَّجَ بَيْنَ يَدَيْهِ حَتَّى يَبْدُوَ بَيَاضُ إِبْطَيْهِ.

[807] حضرت عبداللہ بن مالک ابن بحینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب نماز پڑھتے تو اپنے دونوں بازوؤں کے درمیان اس قدر کشادگی رکھتے کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نمایاں ہو جاتی تھی۔

وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ نَحْوَهُ. [راجع: ٣٩٠]

لیث نے کہا کہ مجھے بھی جعفر بن ربیعہ نے اسی طرح بیان کیا۔

فوائد ومسائل: ① حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ درندے کی طرح اپنے ہاتھ مت بچھاؤ، اپنی ہتھیلیوں کو زمین پر رکھو، اپنے بازوؤں کو کشادہ کرو، جب تم نے ایسا کیا تو گویا تمھارے تمام عضو نے سجدہ کیا۔ اسی طرح حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ سجدے کے وقت اپنے ہاتھوں کو زمین پر رکھو اور اپنی کہنیوں کو اونچا کرو۔[2] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس طرح کی دیگر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بازو کشادہ کر کے سجدہ کرنا ضروری ہے لیکن ابوداود کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا کرنا مستحب ہے، ضروری نہیں۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے دوران سجدہ میں بازوؤں کی کشادگی کی وجہ سے مشقتِ سجدہ کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا کہ گھٹنوں سے مدد لو، یعنی ان پر اپنی کہنیاں ٹیک کر سکون اور آرام حاصل کر لو۔ امام ابوداود نے اس پر بایں الفاظ عنوان قائم کیا ہے: کشادگی چھوڑ دینے کی

1 عمدة القاري: 552/4. 2 صحيح مسلم، الصلاة، حديث: 1104(494).

رخصت،[1] حالانکہ رخصت کی صورت ایک عذر کی بنا پر ہے کہ طوالت سجدہ کے وقت تھکاوٹ دور کرنے کے لیے گھٹنوں سے مدد لی جاسکتی ہے لیکن عام حالات میں بازوؤں کو دوران سجدہ میں اپنے پہلو سے الگ رکھا جائے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے گھٹنوں سے مدد لینے کا حکم سجدے سے فراغت کے بعد قیام کے لیے اٹھنے کے وقت مراد لیا ہے۔ امام طحاوی رحمہ اللہ نے قومے کے بعد سجدے کو جاتے ہوئے گھٹنوں کی مدد لینا مراد لیا ہے۔ الغرض یہ چار صورتیں الگ الگ ہیں جن کی تفصیل یہ ہے: ٭ امام بخاری رحمہ اللہ نے سجدے کی صحیح صورت عام حالات کے لیے بیان کی ہے۔ ٭ امام ابوداود رحمہ اللہ نے عذر کے وقت رانوں پر کہنیاں ٹیکنے کی اجازت کا ذکر کیا ہے۔ ٭ امام ترمذی رحمہ اللہ نے سجدے سے فراغت کے بعد اٹھتے وقت گھٹنوں کی مدد لینا بیان کیا ہے۔ ٭ امام طحاوی نے قومے سے سجدے کو جاتے ہوئے گھٹنوں کی مدد لینا ذکر کیا ہے۔ (2) امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث کے آخر میں بیان کیا ہے کہ لیث نے بھی اسی طرح جعفر بن ربیعہ سے بیان کیا ہے، یعنی یہ حدیث بیان کرنے میں بکر بن مضر متفرد نہیں۔ حضرت لیث کی حدیث کو امام مسلم نے بایں الفاظ موصول بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سجدہ کرتے تو اپنی بغلوں سے ہاتھوں کو دور رکھتے یہاں تک کہ میں آپ کی بغلوں کی سفیدی دیکھ لیتا۔[2]

(۱۳۱) بَابٌ : يَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ بِأَطْرَافِ رِجْلَيْهِ	باب:131- دوران سجدہ میں اپنے پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ رخ کرنا
قَالَهُ أَبُو حُمَيْدٍ السَّاعِدِيُّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.	اس (سنت) کو حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے بیان کیا ہے۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث کو اپنی صحیح میں متصل سند سے بیان کیا ہے۔[3] اس کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب سجدہ کیا تو اپنے دونوں ہاتھ زمین پر رکھ دیے۔ انھیں بچھائے ہوئے بھی نہیں تھے اور نہ انھیں سمیٹ ہی رکھا تھا۔ اور پاؤں کی انگلیاں قبلہ رخ کرلی تھیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ مسنون سجدے کے لیے انگلیوں کو قبلہ رخ کرنا ایک خاص صفت ہے، اس لیے امام بخاری نے ایک مستقل عنوان قائم کر کے اسے بیان کیا ہے۔ پھر زین بن منیر کے حوالے سے اس کا طریقہ بیان کیا ہے کہ دوران سجدہ میں انگلیوں کے بطون پر اپنے دونوں پاؤں کو کھڑا رکھے اور ایڑیوں کو اونچا کرے، اس سے پاؤں کا اگلا حصہ اور انگلیاں قبلہ رخ ہو جائیں گی، نیز اس دوران میں اپنی انگلیوں کو ملا کر رکھے کیونکہ اگر انھیں ملا کر نہ رکھا تو بعض انگلیوں کے سرے قبلے سے ہٹ جائیں گے۔[4] یاد رہے کہ ابوحمید ساعدی کا نام عبدالرحمٰن بن عمرو بن سعد رضی اللہ عنہ ہے۔[5]

(۱۳۲) بَابٌ : إِذَا لَمْ يُتِمَّ سُجُودَهُ	باب:132- جب نمازی اپنا سجدہ پورا نہ کرے

(1) سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 902، و فتح الباري: 381/2. (2) صحيح مسلم، الصلاة، حديث: 1106(495).

(3) صحيح البخاري، الأذان، حديث: 828. (4) فتح الباري: 382/2. (5) عمدة القاري: 554/4.

وضاحت: سجدہ پورا نہ کرنے کی صورت میں نماز ہوگی یا نہیں؟ اس میں فقہاء کا بہت اختلاف ہے، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے عنوان میں اس کے متعلق پورے وثوق سے کوئی حکم بیان نہیں کیا۔

٨٠٨ - حَدَّثَنَا الصَّلْتُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مَهْدِيٌّ عَنْ وَاصِلٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ أَنَّهُ رَأَى رَجُلًا لَا يُتِمُّ رُكُوعَهُ وَلَا سُجُودَهُ، فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ قَالَ لَهُ حُذَيْفَةُ: مَا صَلَّيْتَ - قَالَ: وَأَحْسِبُهُ قَالَ: - [وَ] لَوْ مُتَّ مُتَّ عَلَى غَيْرِ سُنَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ. [راجع: ٣٨٩]

[808] حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ دوران نماز میں اپنے رکوع و سجود کو پورا نہیں کرتا تھا۔ جب وہ اپنی نماز ختم کر چکا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: تو نے نماز نہیں پڑھی۔ میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی کہا: اگر تو اسی حالت پر مر گیا تو حضرت محمد ﷺ کے طریقے کے خلاف مرے گا۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوران سجدہ میں طمانیت ضروری ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اگر تجھے اسی حالت میں موت آ گئی تو اس فطرت کے خلاف مرے گا جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو مامور کیا ہے۔[1] واضح رہے کہ بعینہٖ یہ باب (26) مذکورہ حدیث سمیت پہلے گزر چکا ہے۔ لیکن پہلے امام بخاری رحمہ اللہ نے کسی دوسرے مقصد کے لیے بیان کیا تھا۔ اس کی تفصیل کے لیے مذکورہ حدیث کی طرف مراجعت ضروری ہے، نیز یہ حدیث پہلے (791) بیان ہو چکی ہے لیکن وہاں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرنے والے زید بن وہب جہنی تھے جو رسول اللہ ﷺ کی زیارت کے لیے گھر سے نکلے لیکن ابھی راستے میں تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی اور اس مقام پر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرنے والے حضرت ابو وائل شقیق ہیں۔[2] ② واضح رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے شخص کو نماز دوبارہ پڑھنے کا حکم دیا تھا جو اپنے رکوع و سجود کو پورے طور پر ادا نہیں کرتا تھا جیسا کہ حدیث مسیئ الصلاۃ میں تفصیل سے گزر چکا ہے۔[3]

(١٣٣) بَابُ السُّجُودِ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ

باب: 133- سات ہڈیوں پر سجدہ کرنا

وضاحت: ان ہڈیوں سے مراد سات اعضاء ہیں جن پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ چونکہ ایک روایت میں أعظم کا لفظ وارد ہے (ملاحظہ ہو حدیث: 810) اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کے الفاظ کو اپنے عنوان کا حصہ قرار دیا ہے۔

٨٠٩ - حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أُمِرَ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْضَاءٍ - وَلَا يَكُفَّ شَعَرًا وَلَا ثَوْبًا - اَلْجَبْهَةِ، وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ وَالرِّجْلَيْنِ. [انظر: ٨١٠، ٨١٢، ٨١٥، ٨١٦]

[809] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ کو سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، نیز یہ کہ وہ اس دوران میں اپنے بالوں کو نہ سمیٹیں اور نہ اپنے کپڑوں کو اکٹھا کریں۔ (وہ اعضاء) پیشانی، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں ہیں۔

---

1 صحيح البخاري، الأذان، حديث: 791. 2 عمدة القاري: 554،521/4. 3 صحيح البخاري، الأذان، حديث: 793.

٨١٠ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرٍو، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «أُمِرْنَا أَنْ نَّسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ، وَلَا نَكُفَّ ثَوْبًا وَّلَا شَعَرًا». [راجع: ٨٠٩]

[810] حضرت ابن عباس ؓ ہی سے مروی ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم سات ہڈیوں پر سجدہ کریں، نیز اس دوران میں اپنے بالوں اور کپڑوں کو نہ سمیٹیں۔''

فائدہ: ان احادیث کا حاصل یہ ہے کہ ساتوں اعضائے سجدہ بھی نمازی ہیں، یہ نہیں کہ سجدہ تو نماز پڑھنے والا کرتا ہے اور مذکورہ اعضاء اس کے سجدے کے لیے صرف معاون اور ذریعہ ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ نمازی کے بال بھی سجدہ کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دوران نماز میں کپڑوں اور بالوں کو سمیٹنے سے منع فرمایا گیا ہے لیکن کپڑے سمیٹنے کی ممانعت کو عام اور مطلق نہ سمجھا جائے کیونکہ اگر ستر کھلنے کا اندیشہ ہو تو کپڑوں کو سمیٹا جاسکتا ہے۔ دراصل پیشانی کا زمین پر رکھنا ہی سجدہ ہے اور ناک بھی پیشانی میں داخل ہے، لہٰذا ناک اور پیشانی دونوں کا زمین پر رکھنا ضروری ہے، چنانچہ بعض روایات میں پیشانی کی صراحت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے ناک کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے۔[1] اس سے معلوم ہوا کہ پیشانی اور ناک بمنزلہ عضو واحد ہیں۔ اگر انھیں الگ الگ شمار کیا گیا تو اعضائے سجدہ کی تعداد سات نہ رہے گی بلکہ آٹھ ہو جائے گی۔ تجربہ بھی اس بات کا شاہد ہے کہ جب پوری پیشانی زمین پر رکھی جائے تو ناک بھی اس کے ساتھ زمین پر ٹکے گی۔ اگر ناک زمین پر نہ رکھی جائے تو پیشانی کا کچھ حصہ زمین پر ٹکنے سے رہ جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے ناک کی طرف اشارہ کر کے یہ بتایا ہے کہ پیشانی پر سجدے کی تکمیل اسی وقت ممکن ہے جب ناک بھی اس کے ساتھ زمین پر رکھی جائے۔

٨١١ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنِي إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ يَزِيدَ الْخَطْمِيِّ قَالَ: حَدَّثَنَا الْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ وَهُوَ غَيْرُ كَذُوبٍ قَالَ: كُنَّا نُصَلِّي خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ فَإِذَا قَالَ: «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ»، لَمْ يَحْنِ أَحَدٌ مِّنَّا ظَهْرَهُ حَتَّى يَضَعَ النَّبِيُّ ﷺ جَبْهَتَهُ عَلَى الْأَرْضِ. [راجع: ٦٩٠]

[811] حضرت براء بن عازب ؓ سے روایت ہے اور وہ جھوٹے آدمی نہیں تھے، انھوں نے فرمایا: ہم نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، جب آپ سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو ہم میں سے کوئی شخص اپنی پیٹھ نہ جھکاتا جب تک نبی ﷺ اپنی پیشانی زمین پر نہ رکھ دیتے۔

فوائد و مسائل: ① امام سے پہلے مقتدی کے لیے کسی رکن میں مصروف ہونا منع ہے، اس لیے صحابۂ کرام ؓ اس حکم امتناعی کا بہت خیال رکھتے تھے۔ ② علامہ کرمانی نے اس حدیث کی عنوان سے مطابقت بایں الفاظ بیان کی ہے کہ عام طور پر دوران سجدہ میں پیشانی کو دیگر چھ اعضاء کی معاونت ہی سے زمین پر رکھا جاتا ہے، چونکہ اس حدیث میں دیگر اعضائے سجدہ کا ذکر نہیں ہے، اس لیے دیگر احادیث جن میں صرف پیشانی کا ذکر ہے تو وہ دوسرے اعضائے سجدہ کے مقابلے میں اس کے اشرف عضو ہونے کی وجہ سے ہے۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ پیشانی پر سجدہ کرنا واجب ہے، اس لیے بعض روایات میں صرف پیشانی

[1] صحيح البخاري، الأذان، حديث: 812.

کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے اور باقی اعضاء پر سجدہ مستحب ہے، اس لیے بعض روایات میں انھیں نظر انداز کر دیا گیا ہے۔[1] لیکن یہ موقف صحیح نہیں کیونکہ سات اعضاء پر سجدہ کرنے کو لفظ امر سے تعبیر کیا گیا ہے جو وجوب کے لیے ہے، لہٰذا کسی عضو کو چھوڑ کر باقی اعضاء پر اکتفا کرنا صحیح نہیں۔ ہاں، اگر کوئی عذر مانع ہو تو الگ بات ہے۔

(١٣٤) بَابُ السُّجُودِ عَلَى الْأَنْفِ

باب: 134- ناک پر سجدہ کرنے کا بیان

٨١٢ - حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ: عَلَى الْجَبْهَةِ - وَأَشَارَ بِيَدِهِ عَلَى أَنْفِهِ - وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ وَأَطْرَافِ الْقَدَمَيْنِ، وَلَا نَكْفِتَ الثِّيَابَ وَالشَّعَرَ». [راجع: ٨٠٩]

[812] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ''مجھے سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے: پیشانی پر اور اپنے ہاتھ سے ناک کی طرف اشارہ کیا، دونوں ہاتھوں، دونوں گھٹنوں اور دونوں پاؤں کی انگلیوں پر۔ اسی طرح ہم دوران سجدہ میں نہ کپڑوں کو سمیٹیں اور نہ بالوں کا جوڑا بنائیں۔''

فائدہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان میں پورے وثوق سے کوئی حکم بیان نہیں کیا، اس لیے مقصود بیان کرنے میں شارحین کا اختلاف ہے۔ شاید امام صاحب اس بات پر تنبیہ کرنا چاہتے ہوں کہ ناک کا زمین پر رکھنے کا حکم پیشانی جیسا ہے، البتہ بعض شارحین نے اس عنوان سے یہ مسئلہ کشید کیا ہے کہ سجدہ کرتے ہوئے صرف ناک پر اکتفا جائز ہے۔ یہ موقف صحیح نہیں کیونکہ شریعت نے ناک اور پیشانی کو ایک عضو قرار دیا ہے۔ ویسے بھی ناک کی اوپر والی ہڈی کا آغاز پیشانی کی ہڈی سے ہوتا ہے، اس لیے ناک کو پیشانی سے کیونکر الگ کیا جا سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ناک کی طرف اشارہ یہ بتانے کے لیے فرمایا کہ پیشانی پر سجدے کی تکمیل تب ہوگی جب اس کے ساتھ ناک کو بھی زمین پر رکھا جائے۔ واضح رہے کہ فقہاء نے اس سلسلے میں ایک عجیب جزی بیان کی ہے کہ اگر سجدے میں دونوں ہاتھوں اور دونوں گھٹنے زمین پر نہ رکھے جائیں تو اجماع ہے کہ نماز صحیح ہے۔[2] یہ موقف مذکورہ حدیث کے خلاف ہے، نیز عقل بھی اسے تسلیم نہیں کرتی۔ بھلا دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنے زمین پر رکھے بغیر سجدہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے۔

(١٣٥) بَابُ السُّجُودِ عَلَى الْأَنْفِ فِي الطِّينِ

باب: 135- کیچڑ میں ناک پر سجدہ کرنا

٨١٣ - حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ: انْطَلَقْتُ إِلَى أَبِي

[813] حضرت ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی خدمت

1 فتح الباري: 384/2. 2 فتاویٰ عالمگیری (عربی): 70/1.

سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ فَقُلْتُ: أَلَا تَخْرُجُ بِنَا إِلَى النَّخْلِ نَتَحَدَّثُ؟ فَخَرَجَ، قَالَ: قُلْتُ: حَدِّثْنِي مَا سَمِعْتَ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ، قَالَ: اعْتَكَفَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْعَشْرَ الْأُوَلَ مِنْ رَمَضَانَ، وَاعْتَكَفْنَا مَعَهُ، فَأَتَاهُ جِبْرِيلُ فَقَالَ: إِنَّ الَّذِي تَطْلُبُ أَمَامَكَ، فَاعْتَكَفَ الْعَشْرَ الْأَوْسَطَ فَاعْتَكَفْنَا مَعَهُ، فَأَتَاهُ جِبْرِيلُ فَقَالَ: إِنَّ الَّذِي تَطْلُبُ أَمَامَكَ، فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ خَطِيبًا صَبِيحَةَ عِشْرِينَ مِنْ رَمَضَانَ فَقَالَ: «مَنْ كَانَ اعْتَكَفَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَلْيَرْجِعْ، فَإِنِّي أُرِيتُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ وَإِنِّي نُسِّيتُهَا وَإِنَّهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ فِي وِتْرٍ، وَإِنِّي رَأَيْتُ كَأَنِّي أَسْجُدُ فِي طِينٍ وَمَاءٍ»، وَكَانَ سَقْفُ الْمَسْجِدِ جَرِيدَ النَّخْلِ وَمَا نَرٰى فِي السَّمَاءِ شَيْئًا، فَجَاءَتْ قَزْعَةٌ فَأُمْطِرْنَا، فَصَلّٰى بِنَا النَّبِيُّ ﷺ حَتّٰى رَأَيْتُ أَثَرَ الطِّينِ وَالْمَاءِ عَلٰى جَبْهَةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَأَرْنَبَتِهِ، تَصْدِيقَ رُؤْيَاهُ. [راجع: ٦٦٩]

میں حاضر ہوا۔ ان کے پاس جا کر میں نے عرض کیا کہ تبادلۂ خیالات کے لیے آپ اس نخلستان میں ہمارے ساتھ کیوں نہیں جاتے؟ چنانچہ آپ نکلے۔ میں نے عرض کیا کہ شب قدر کے متعلق آپ نے نبی ﷺ سے جو سنا ہے اسے بیان کریں۔ انھوں نے فرمایا: ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان کے پہلے عشرے میں اعتکاف کیا اور ہم بھی آپ کے ساتھ اعتکاف بیٹھ گئے لیکن حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ جس چیز کے آپ متلاشی ہیں وہ آگے ہے، چنانچہ آپ نے دوسرے عشرے کا اعتکاف فرمایا اور ہم بھی آپ کے ساتھ اعتکاف بیٹھ گئے۔ حضرت جبریل علیہ السلام دوبارہ تشریف لائے اور کہنے لگے کہ آپ جس چیز کی تلاش میں ہیں وہ آگے ہے۔ پھر نبی ﷺ نے بیسویں رمضان کی صبح کو خطبہ ارشاد فرمایا اور حکم دیا: ''جو شخص نبیٔ اکرم ﷺ کے ساتھ اعتکاف بیٹھ چکا ہے وہ دوبارہ اعتکاف کرے کیونکہ مجھے شب قدر خواب میں دکھا دی گئی لیکن اس کا تعین مجھے بھلا دیا گیا ہے البتہ وہ آخری عشرے کی طاق راتوں میں ہے۔ میں نے خود کو خواب میں مٹی اور پانی میں سجدہ کرتے دیکھا ہے۔'' ان دنوں مسجد کی چھت کھجور کی ٹہنیوں کی تھی۔ ہم آسمان پر کوئی ابر وغیرہ نہیں دیکھتے تھے، یعنی مطلع بالکل صاف تھا، اتنے میں ایک بادل کا ٹکڑا آیا اور ہم پر برسنے لگا۔ پھر نبی ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی تا آنکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی پیشانی اور ناک پر کیچڑ کے نشانات دیکھے۔ یہ آپ کے خواب کی تصدیق تھی۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ کا یہ طویل حدیث بیان کرنے سے مقصد یہ ہے کہ سجدے میں ناک کو زمین پر رکھنا ضروری ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے زمین کیچڑ آلود ہونے کے باوجود اپنی ناک کو زمین پر لگایا ہے اور کیچڑ وغیرہ کی کوئی پروا نہیں کی۔ حافظ ابن حجر ؒ لکھتے ہیں کہ ناک پر سجدہ کرنے کے سلسلے میں پہلے عنوان میں کچھ عموم تھا، اس باب میں عمومیت کو خاص کر دیا گیا ہے۔ گویا آپ نے اشارہ کیا ہے کہ ناک پر سجدہ کرنا امر مؤکد ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے عذر معقول کے باوجود اسے

ترک نہیں کیا بلکہ ناک پر سجدہ کرنے کا اہتمام فرمایا۔ جو حضرات اس حدیث کی بنا پر ناک پر سجدہ کرنے کو کافی خیال کرتے ہیں ان کا موقف صحیح نہیں کیونکہ سیاق حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پیشانی اور ناک پر سجدہ فرمایا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دوران سجدہ میں پیشانی اور ناک کو زمین پر لگانا ضروری ہے۔ اگر اس میں کچھ رخصت ہوتی تو رسول اللہ ﷺ کم از کم اپنی پیشانی اور ناک کو کیچڑ سے آلودہ نہ ہونے دیتے۔ ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر دوران نماز میں نمازی کی پیشانی پر زمین کی گرد و غبار لگ جائے تو نماز ہی میں اسے صاف کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔[1] ③ اس حدیث کے متعلقہ دیگر مباحث کو ہم کتاب فضل لیلۃ القدر (حدیث: 2016) میں بیان کریں گے۔ إن شاء اللّٰه.

(١٣٦) بَابُ عَقْدِ الثِّيَابِ وَشَدِّهَا، وَمَنْ ضَمَّ إِلَيْهِ ثَوْبَهُ إِذَا خَافَ أَنْ تَنْكَشِفَ عَوْرَتُهُ

باب: 136- نماز کے وقت کپڑوں کو گرہ لگانا اور انھیں باندھنا، نیز ستر کھلنے کے اندیشے کے پیش نظر انھیں سمیٹنا

٨١٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: كَانَ النَّاسُ يُصَلُّونَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَهُمْ عَاقِدُو أُزْرِهِمْ مِنَ الصِّغَرِ عَلَى رِقَابِهِمْ، فَقِيلَ لِلنِّسَاءِ: «لَا تَرْفَعْنَ رُؤُوسَكُنَّ حَتَّى يَسْتَوِيَ الرِّجَالُ جُلُوسًا». [راجع: ٣٦٢]

[814] حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ لوگ نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور چادروں کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے انھیں گردنوں سے باندھے ہوتے تھے، چنانچہ عورتوں سے کہہ دیا گیا: ”جب تک مرد سیدھے ہو کر بیٹھ نہ جائیں تم اس وقت تک اپنے سر سجدے سے نہ اٹھاؤ۔“

فوائد و مسائل: ① قبل ازیں امام بخاری رحمہ اللہ نے ابواب ثیاب میں دو ایسے عنوان قائم کیے ہیں جن کا تعلق طریقۂ نماز سے تھا، یعنی کتاب الصلاۃ میں باب: 26 ”اگر کوئی سجدہ کو مکمل نہ کرے“ اور باب: 27 ”دوران سجدہ میں بازو کشادہ رہیں اور پہلو سے دور رکھیں“ اور یہاں دو عنوان ایسے قائم کیے ہیں جن کا تعلق ابواب ثیاب سے ہے۔ ان میں سے ایک مذکورہ عنوان ہے۔ بعض شارحین نے اسے کتاب لکھنے والوں کے سہو و نسیان پر محمول کیا ہے لیکن اسے تسلیم کرنا مشکل ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے دقت نظری سے کام لیتے ہوئے دانستہ طور پر ایسا کیا ہے کیونکہ اس سے پہلے حدیث میں آیا ہے کہ نمازی کے کپڑے بھی سجدہ کرتے ہیں، لہٰذا انھیں دوران نماز میں سمیٹنا درست نہیں، نیز ایسا کرنے سے نمازی کی توجہ منتشر ہوتی ہے جو خشوع خضوع کے منافی ہے۔ اور اگر دوران نماز میں ستر کھلنے کا اندیشہ ہو تو نماز میں کپڑوں کو سمیٹنے اور انھیں گرہ لگانے میں چنداں حرج نہیں جیسا کہ مذکورہ حدیث سے واضح ہوتا ہے۔ ② واضح رہے کہ اس حدیث میں نمازیوں کی جو کیفیت بیان کی گئی ہے وہ اس وقت تھی جب بہت تنگی اور غربت کا دور تھا جیسا کہ صحیح مسلم میں راویٔ حدیث نے اس کی صراحت کی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ

1 فتح الباري: 386/2.

لکھتے ہیں کہ عام حالات میں دوران نماز میں کپڑوں کو سمیٹنے کی ممانعت ہے لیکن اضطرابی حالات میں انھیں گرہ لگانے اور سمیٹنے کی اجازت ہے۔ چونکہ اس حالت میں سجدہ کرنے کے لیے سہولت اور آسانی ہوتی ہے، اس لیے اسے ابواب سجود میں بیان کیا ہے۔[1] اس حدیث سے متعلقہ دیگر مباحث حدیث: 362 میں گزر چکے ہیں۔

(١٣٧) بَابٌ: لَا يَكُفُّ شَعَرًا

باب: 137- نمازی اپنے بالوں کو نہ سمیٹے

٨١٥ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ - وَهُوَ ابْنُ زَيْدٍ - عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: أُمِرَ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ، وَلَا يَكُفَّ ثَوْبَهُ وَلَا شَعَرَهُ. [راجع: ٨٠٩]

[815] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ کو سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا، نیز یہ بھی کہا گیا کہ آپ دوران نماز میں اپنے بالوں اور کپڑوں کو نہ سمیٹیں۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں سر کے بال مراد ہیں۔ انھیں دوران نماز میں سمیٹنے کی ممانعت ہے کیونکہ وہ بھی نمازی کے ساتھ اللہ کے حضور سجدہ کرتے ہیں۔ اگر انھیں سمیٹ کر جوڑا بنالیا جائے تو دوران نماز میں وہ شیطان کی آماجگاہ بن جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابو رافع نے حضرت حسن بن علی کو دیکھا کہ انھوں نے اپنے بالوں کو سمیٹ کر گدی پر جمع کر رکھا تھا تو انھوں نے انھیں کھول دیا اور رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے بیان کیا کہ ایسا کرنا شیطان کو بیٹھنے کے لیے جگہ مہیا کرنا ہے۔[2] ② دوران نماز میں بالوں اور کپڑوں کو سمیٹنے کا حکم امتناعی نماز کے ساتھ خاص ہے یا اپنے عموم پر ہے؟ اس کے متعلق بعض فقہاء کا خیال ہے کہ دوران نماز میں ایسا کرنا منع ہے۔ اگر نماز سے پہلے اپنے بالوں اور کپڑوں کو سمیٹ لیا جائے اور اسی حالت میں نماز پڑھ لی جائے تو ممانعت نہیں لیکن جمہور محدثین نے اس حکم امتناعی کو عموم پر محمول کیا ہے کہ اس حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے، خواہ دوران نماز میں ہو یا نماز کے علاوہ کپڑوں اور بالوں کو سمیٹ لیا جائے، بہرحال اس حالت میں نماز پڑھنا درست نہیں۔ ③ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ شرح تراجم بخاری میں لکھتے ہیں کہ نماز مہذبانہ شکل وصورت میں ادا کرنی چاہیے۔ بالوں کو سمیٹنا اور انھیں سر پر جوڑا بنالینا عربوں کے ہاں غیر مہذب عادت تھی، اس لیے یہ حالت نماز کے لیے غیر موزوں قرار دی گئی ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک بالوں کو کھلا چھوڑ کر نماز پڑھنے کا استحباب اس لیے ہے کہ بال بھی سجدہ کرتے ہیں، اس لیے انھیں سمیٹنے سے منع کیا گیا ہے۔ اگر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی بات مان لی جائے تو حکم امتناعی صرف وقتی حالات کے پیش نظر ہوگا کیونکہ اگر کسی وقت لوگ بالوں کو باندھنا یا انھیں سمیٹ کر رکھنا اچھا خیال کرتے ہوں تو کیا اس وقت ایسی حالت میں نماز پڑھنا مستحسن ہوگا؟ ہرگز نہیں! اس لیے نماز کے معاملات کو خارجی عادات کے ساتھ مربوط نہیں کرنا چاہیے۔ واللہ أعلم.

(١٣٨) بَابٌ: لَا يَكُفُّ ثَوْبَهُ فِي الصَّلَاةِ

باب: 138- دوران نماز میں اپنے کپڑوں کو نہ سمیٹے

1 فتح الباري: 366/2. 2 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 646.

٨١٦ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ عَمْرٍو، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةٍ، لَا أَكُفُّ شَعَرًا وَّلَا ثَوْبًا».

[راجع: ٨٠٩]

[816] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سات ہڈیوں پر سجدہ کروں اور دوران نماز میں اپنے بالوں کو نہ سمیٹوں اور نہ کپڑوں ہی کو اکٹھا کروں۔''

فوائد و مسائل: ① علامہ عینی نے داودی کے متعلق لکھا ہے کہ ان کے نزدیک دوران نماز میں بالوں کو اکٹھا کرنا اور کپڑوں کو سمیٹنا، پھر اسی حالت میں نماز پڑھنا منع ہے۔ اگر کوئی نماز سے پہلے بالوں کو اکٹھا کرے اور کپڑوں کو سمیٹ لے اور پھر نماز پڑھے تو ممانعت نہیں جبکہ جمہور محدثین کا موقف ہے کہ اس حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے، خواہ یہ عمل نماز سے پہلے کرے یا دوران نماز میں سرانجام دے۔[1] بعض شارحین نے امام بخاری ؒ کے متعلق لکھا ہے کہ انھوں نے کف شعر کے عنوان کو مطلق رکھا ہے اور کف ثیاب کو نماز کے ساتھ مقید کیا ہے۔ اس سے انھوں نے یہ مسئلہ کشید کیا ہے کہ امام بخاری ؒ نے کپڑوں کے متعلق داودی کے موقف کو اختیار کیا ہے، حالانکہ امام بخاری ؒ کی باریک بینی اور دقت نظری کے پیش نظر یہ موقف درست نہیں یہ ان کا تفنن اور اسلوب بیان ہے۔ اس سے داودی کی موافقت کا اندازہ لگانا سخن سازی اور کور ذوقی ہے۔ ② واضح رہے کہ امام بخاری ؒ نے مذکورہ حدیث کو پانچ مختلف طرق سے بیان کیا ہے اور ہر ایک طریق پر ایک نیا عنوان قائم کیا ہے۔ ایسے فقیہ اور مجتہد سے یہ بعید ہے کہ وہ ظاہر بین داودی کی موافقت کر کے حرفیت پسندی کا ثبوت دیں گے۔

(١٣٩) بَابُ التَّسْبِيحِ وَالدُّعَاءِ فِي السُّجُودِ

باب: 139- سجدے میں تسبیح پڑھنا اور دعا کرنا

٨١٧ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي مَنْصُورُ بْنُ الْمُعْتَمِرِ عَنْ مُسْلِمٍ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُكْثِرُ أَنْ يَقُولَ فِي رُكُوعِهِ وَسُجُودِهِ: «سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ، اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي»، يَتَأَوَّلُ الْقُرْآنَ.

[راجع: ٧٩٤]

[817] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ بکثرت اپنے رکوع اور سجدے میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي. اس طرح آپ قرآنی حکم کی تعمیل کرتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بندہ اپنے رب کے بہت زیادہ قریب بحالت سجدہ ہوتا ہے، لہٰذا تم اس حالت میں بکثرت دعا کیا کرو۔''[2] ایک روایت میں ہے کہ سجدے میں کوشش سے دعا کیا کرو

1 عمدة القاري: 557/4. 2 صحيح مسلم، الصلاة، حديث: 1083(482).

کیونکہ یہ اس لائق ہے کہ تمھاری دعا قبول کرلی جائے۔[1] ان روایات کی وجہ سے شاید کہا جا سکے کہ سجدے میں دعا ہی کرنی چاہیے۔ اس میں تسبیح وغیرہ نہ پڑھی جائے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے تنبیہ فرمائی کہ سجدے میں تسبیح پڑھنا اور دعا کرنا دونوں ثابت ہیں۔ مذکورہ حدیث سے ثابت ہے کہ رکوع میں دعا اور سجدے میں تسبیح پڑھی جا سکتی ہے اور جس روایت میں ہے کہ رکوع میں اپنے رب کی تعظیم کرو اور سجدے میں کوشش سے دعا کرو۔ یہ روایت مذکورہ حدیث کے معارض نہیں۔[2] ② رسول اللہ ﷺ سے دوران نماز میں متعدد مقامات میں دعائیں کرنا ثابت ہیں۔ ان میں سے کچھ مندرجہ ذیل ہیں: ✿ تکبیر تحریمہ کے بعد قراءت سے پہلے ✿ رکوع کی حالت میں ✿ قومے کی حالت میں ✿ سجدے کی حالت میں ✿ دونوں سجدوں کے درمیان ✿ تشہد کے بعد سلام سے قبل۔ فرائض میں دوران جماعت چونکہ مقتدی حضرات کی رعایت کرتے ہوئے تخفیف کا حکم ہے، اس لیے فرائض میں اگر مقتدی حضرات پر گرانی نہ ہو تو بکثرت دعائیں کی جا سکتی ہیں۔ واللہ أعلم. ③ سورۂ نصر میں رسول اللہ ﷺ کو استغفار کا حکم ہوا تھا، یہ اسی قرآنی حکم کی تعمیل تھی کہ آپ کثرت کے ساتھ رکوع اور سجدے میں اس دعا کو پڑھا کرتے تھے۔

(١٤٠) بَابُ الْمُكْثِ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ

باب: 140- دونوں سجدوں کے درمیان ٹھہرنے کا بیان

٨١٨ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ ابْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ: أَنَّ مَالِكَ ابْنَ الْحُوَيْرِثِ قَالَ لِأَصْحَابِهِ: أَلَا أُنَبِّئُكُمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللهِ ﷺ؟ قَالَ: وَذَاكَ فِي غَيْرِ حِينِ صَلَاةٍ، فَقَامَ ثُمَّ رَكَعَ فَكَبَّرَ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ، فَقَامَ هُنَيَّةً ثُمَّ سَجَدَ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ هُنَيَّةً فَصَلَّى صَلَاةَ عَمْرِو بْنِ سَلَمَةَ شَيْخِنَا هٰذَا، قَالَ أَيُّوبُ: كَانَ يَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ أَرَهُمْ يَفْعَلُونَهُ، كَانَ يَقْعُدُ فِي الثَّالِثَةِ وَالرَّابِعَةِ. [راجع: ٦٧٧]

[818] حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے ایک مرتبہ اپنے شاگردوں سے فرمایا: کیا میں تمھیں رسول اللہ ﷺ کی نماز کے متعلق خبر نہ دوں؟ راویٔ حدیث کہتا ہے کہ وہ کسی فرض نماز کا وقت نہ تھا۔ آپ کھڑے ہوئے اور قیام کیا، پھر رکوع کیا۔ بعد ازاں اللہ اکبر کہا۔ اس کے بعد اپنا سر اٹھایا تو کچھ دیر کھڑے رہے، پھر سجدہ کیا، پھر اپنا سر اٹھایا اور تھوڑی دیر تک اٹھائے رکھا۔ (اس طرح) انھوں نے ہمارے شیخ عمرو بن سلمہ کی سی نماز پڑھی۔ (راویٔ حدیث) حضرت ایوب کہتے ہیں کہ وہ ایک ایسا کام کرتے تھے جو ہم نے اور لوگوں کو کرتے نہیں دیکھا، چنانچہ وہ تیسری اور چوتھی رکعت (کے درمیان) میں بیٹھا کرتے تھے۔

٨١٩ - قَالَ: فَأَتَيْنَا النَّبِيَّ ﷺ فَأَقَمْنَا عِنْدَهُ،

[819] انھوں نے (حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ نے) کہا

1 صحیح مسلم، الصلاة، حدیث: 1074(479). 2 فتح الباري: 388/2.

فَقَالَ: «لَوْ رَجَعْتُمْ إِلٰى أَهَالِيكُمْ صَلُّوا صَلَاةَ كَذَا، فِي حِينِ كَذَا، صَلُّوا صَلَاةَ كَذَا فِي حِينِ كَذَا، فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ أَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ». [راجع: ٦٢٨]

کہ ہم (اسلام لانے کے بعد) نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کچھ عرصہ ہم نے آپ کے پاس قیام کیا تو آپ نے فرمایا: ''اگر تم اپنے اہل وعیال میں واپس جاؤ تو اس طرح ان اوقات میں نماز ادا کیا کرو، فلاں نماز، فلاں وقت میں پڑھا کرو، لہٰذا جب نماز کا وقت آجائے تو تم میں سے کوئی اذان کہہ دے اور امامت تم میں سے وہ کرائے جو عمر میں بڑا ہو۔''

فائدہ: دوسجدوں کے درمیان اطمینان سے بیٹھنے کو قعدہ کہا جاتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے ثابت کرنے کے لیے یہ عنوان قائم کیا ہے اور احادیث وآثار کو پیش کیا ہے، چنانچہ حدیث میں دوسجدوں کے درمیان بیٹھنے کی صراحت موجود ہے۔ اس قعدہ کی کیفیت حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب سجدے سے اپنا سر اٹھاتے تو اپنا بایاں پاؤں موڑتے، پھر اس پر بیٹھ جاتے اور سیدھے ہوتے یہاں تک کہ ہر ہڈی اپنے ٹھکانے پر آجاتی پھر دوسرا سجدہ کرتے۔[1] رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ بیٹھتے وقت اپنا دایاں پاؤں کھڑا کر لیتے۔[2] اور کبھی کبھی رسول اللہ ﷺ اپنے قدموں اور ہڈیوں پر بیٹھتے۔[3]

٨٢٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الزُّبَيْرِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلٰى، عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ: كَانَ سُجُودُ النَّبِيِّ ﷺ وَرُكُوعُهُ وَقُعُودُهُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ قَرِيبًا مِّنَ السَّوَاءِ. [راجع: ٧٩٢]

[820] حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ کا سجدہ، رکوع اور دوسجدوں کے درمیان بیٹھنا تقریباً برابر ہوتا تھا۔

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ دوسجدوں کے درمیان بڑے اطمینان اور سکون سے بیٹھتے تھے اور یہ بیٹھنا فرض ہے۔ اور اس میں طمانیت واعتدال بھی فرض ہے لیکن افسوس کہ عام لوگوں کو اس قعدے کا علم ہی نہیں کہ وہ کیا ہوتا ہے۔ ② حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ دونوں سجدوں کے درمیان یہ دعا پڑھتے تھے: [اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي وَارْحَمْنِي وَعَافِنِي وَاهْدِنِي وَارْزُقْنِي][4] ''اے اللہ! مجھے بخش دے، مجھ پر رحم فرما، مجھے عافیت سے رکھ، مجھے ہدایت دے اور مجھے روزی عطا فرما۔'' حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دوسجدوں کے درمیان یہ دعا پڑھا کرتے تھے: [رَبِّ اغْفِرْلِي، رَبِّ اغْفِرْلِي][5] ''اے میرے رب! مجھے معاف فرما۔ اے میرے رب! مجھے معاف فرما۔''

---

1 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 730. 2 صحيح البخاري، الأذان، حديث: 828. 3 صحيح مسلم، المساجد، حديث: 1198(536). 4 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 850. 5 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 874.

٨٢١ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: إِنِّي لَا آلُو أَنْ أُصَلِّيَ بِكُمْ كَمَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّي بِنَا، قَالَ ثَابِتٌ: كَانَ أَنَسٌ يَصْنَعُ شَيْئًا لَمْ أَرَكُمْ تَصْنَعُونَهُ، كَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ قَامَ حَتَّى يَقُولَ الْقَائِلُ: قَدْ نَسِيَ، وَبَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ حَتَّى يَقُولَ الْقَائِلُ: قَدْ نَسِيَ. [راجع: ٨٠٠]

[821] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ میں اس امر میں کوتاہی نہیں کروں گا کہ تمھیں ایسے نماز پڑھاؤں جیسا کہ میں نے نبی ﷺ کو نماز پڑھاتے دیکھا ہے۔ (راویٔ حدیث) حضرت ثابت کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ ایک ایسا کام کرتے تھے کہ میں نے تمھیں وہ کام کرتے نہیں دیکھا۔ وہ جب رکوع سے اپنا سر اٹھاتے تو اتنی دیر کھڑے رہتے کہ کہنے والا کہتا: شاید آپ (سجدہ کرنا) بھول گئے۔ اور دونوں سجدوں کے درمیان اتنی دیر تک بیٹھے رہتے کہ کہنے والا کہتا: شاید آپ (دوسرا سجدہ) بھول گئے ہیں۔

فائدہ: اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نماز پڑھتے وقت دو سجدوں کے درمیان کافی دیر بیٹھتے یہاں تک کہ کہنے والا کہتا کہ شاید آپ دوسرا سجدہ بھول گئے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد حضرت ثابت کہتے ہیں کہ یہ ایک ایسا عمل ہے جسے تم لوگ نہیں بجا لاتے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے مخاطب ایسے لوگ تھے جو دونوں سجدوں کے درمیان دیر تک نہیں بیٹھتے تھے لیکن جب کسی سنت کا ثبوت مل جائے تو اس پر عمل کرنے والے کو مخالفین کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔[1] واللہ المستعان.

(١٤١) بَابٌ: لَا يَفْتَرِشُ ذِرَاعَيْهِ فِي السُّجُودِ

باب: 141- نمازی دوران سجدہ میں اپنی کہنیاں (زمین پر) نہ بچھائے

وَقَالَ أَبُو حُمَيْدٍ: سَجَدَ النَّبِيُّ ﷺ وَوَضَعَ يَدَيْهِ غَيْرَ مُفْتَرِشٍ وَلَا قَابِضِهِمَا.

حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے سجدہ کیا اور اپنے دونوں ہاتھ (زمین پر) رکھ دیے، نہ انھیں بچھائے ہوئے تھے اور نہ انھیں سمیٹے ہوتے تھے۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی معلق روایت کو اپنی صحیح میں متصل سند سے بیان کیا ہے۔ اس میں وضاحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بحالت سجدہ اپنے ہاتھوں کو زمین پر بچھا کر نہیں رکھا اور نہ انھیں پیٹ سے ملا کر رکھا۔[2]

٨٢٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ قَالَ: سَمِعْتُ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ

[822] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”سجدے میں اعتدال کرو۔ اور تم میں سے کوئی اپنی کلائیاں اس طرح نہ

1 فتح الباري: 390/2. 2 صحيح البخاري، الأذان، حديث: 828.

ﷺ قَالَ: «اعْتَدِلُوا فِي السُّجُودِ، وَلَا يَنْبَسِطْ أَحَدُكُمْ ذِرَاعَيْهِ انْبِسَاطَ الْكَلْبِ». [راجع: ٢٤١]

پھیلائے جس طرح کتا بچھاتا ہے۔"

فوائد و مسائل: ① حدیث میں ہے کہ سجدہ کرتے وقت نمازی کے ہاتھ بھی سجدہ کرتے ہیں اور ان کے سجدے کی یہی صورت ہے کہ وہ آگے سے جھکے ہوئے اور پیچھے سے اٹھے ہوئے ہوں لیکن افتراش کی صورت میں سجدے کی حالت نہیں ہوگی، نیز رسول اللہ ﷺ نے نماز میں بری ہیئت اور حیوانات سے تشبیہ کو ناپسند کیا ہے اور کلائیاں زمین پر بچھانے سے کتے کی مشابہت ہوتی ہے، اس لیے آپ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ ② حافظ ابن حجر ؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں حکم امتناعی کے ساتھ اس کی علامت بھی بیان کر دی ہے کہ گھٹیا اور ذلیل چیزوں سے مشابہت ترک کرنا ہوگی کیونکہ ایسا کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نمازی اپنی نماز میں خالص توجہ نہیں دیتا اور اس کی پروا نہیں کرتا۔[1]

(١٤٢) بَابُ مَنِ اسْتَوَى قَاعِدًا فِي وِتْرٍ مِّنْ صَلَاتِهِ ثُمَّ نَهَضَ

باب:142- جو شخص اپنی نماز کی طاق رکعات میں سیدھا ہو کر بیٹھے پھر کھڑا ہو

وضاحت: طاق رکعات سے مراد پہلی اور تیسری رکعات ہیں۔ ان میں آخری سجدے سے فراغت کے بعد اچھی طرح سیدھے ہو کر بیٹھنے کے بعد کھڑے ہونے کو جلسۂ استراحت کہتے ہیں۔ یہ مسنون ہے جیسا کہ آئندہ احادیث میں صراحت سے بیان ہوگا۔

٨٢٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ قَالَ: أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ قَالَ: أَخْبَرَنِي مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ اللَّيْثِيُّ: أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّي فَإِذَا كَانَ فِي وِتْرٍ مِّنْ صَلَاتِهِ لَمْ يَنْهَضْ حَتَّى يَسْتَوِيَ قَاعِدًا.

[823] حضرت مالک بن حویرث ؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا۔ جب آپ طاق رکعت میں ہوتے تو اس وقت تک نہ اٹھتے جب تک سیدھے ہو کر اچھی طرح بیٹھ نہ لیتے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے جلسۂ استراحت کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے جس کی صورت ایک طریق میں ان الفاظ کے ساتھ بیان ہوئی ہے: رسول اللہ ﷺ اللہ اکبر کہتے ہوئے (دوسرے سجدے سے) اٹھتے اور اپنا بایاں پاؤں موڑتے ہوئے اس پر بیٹھتے پھر (دوسری رکعت کے لیے) کھڑے ہوتے۔[2] ② جلسۂ استراحت سے اٹھتے وقت دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک کر اٹھنا چاہیے جیسا کہ اگلی حدیث میں وضاحت ہے۔ ③ بعض حضرات جلسۂ استراحت کو واجب کہتے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مسیئ الصلاۃ کو اس کا حکم دیا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔[3] مذکورہ حدیث کے راوی حضرت مالک بن حویرث ؓ کو اعمال صلاۃ بتانے

---

1 فتح الباري: 390/2. 2 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 730. 3 صحيح البخاري، الاستئذان، حديث: 6251.

کے بعد آپ ﷺ نے آخر میں فرمایا تھا: ''نماز اس طرح پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔''[1] ④ امام ترمذی رحمہ اللہ نے دوسرے سجدے سے فراغت کے بعد اٹھنے کا طریقہ بتانے کے لیے ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے۔ اس کے لیے انھوں نے حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے مروی مذکورہ حدیث صحیح بخاری ذکر کی، پھر فرمایا کہ اسی پر بعض اہل علم، امام اسحاق بن راہویہ اور ہمارے اصحاب کا عمل ہے۔[2] پھر امام ترمذی رحمہ اللہ نے ایک دوسرا باب قائم کیا ہے اور حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ دوسرے سجدے سے فراغت کے بعد جلسۂ استراحت کیے بغیر اپنے پاؤں کے پنجوں پر کھڑے ہوتے تھے اور اس پر لکھا کہ اس پر بھی بعض اہل علم کا عمل ہے لیکن اس حدیث کے متعلق فرمایا کہ اس میں ایک راوی خالد بن ایاس ہے جو محدثین کے ہاں ضعیف ہے۔[3] علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔[4] ⑤ بعض حضرات جلسۂ استراحت کی بابت اختلاف کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر رسول اللہ ﷺ کی عادت ہمیشہ جلسۂ استراحت کرنے کی ہوتی تو ہر شخص اسے بیان کرتا جو طریقۂ نماز بیان کرتا ہے۔ اس کا جواب حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بایں الفاظ دیا ہے کہ متفق علیہ سنتوں کو ہر ایک نے مکمل طور پر بیان نہیں کیا بلکہ ان کے مجموعے کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے لیا گیا ہے، اس لیے اس اعتراض کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔[5] ⑥ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ نماز میں سجدۂ تلاوت سے اٹھ کر امام اور مقتدی جلسۂ استراحت کے لیے نہیں بیٹھتے بلکہ سجدے سے سیدھے قیام کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں، حالانکہ اس مسئلے کے متعلق وارد احادیث کے عموم کا یہی تقاضا ہے کہ سجدۂ تلاوت کرنے کے بعد بھی جلسۂ استراحت کیا جائے۔ واللہ أعلم۔ ⑥ مخالفینِ جلسۂ استراحت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے کچھ آثار بھی پیش کرتے ہیں لیکن مرفوع احادیث کے مقابلے میں ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ واللہ أعلم۔ ⑦ اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کمزوری یا بیماری کی وجہ سے جلسۂ استراحت کیا تھا۔ اسی طرح یہ قیاس بھی درست نہیں کہ نماز کا موضوع استراحت نہیں۔ یہ قیاس نص کے مقابلے میں ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

(١٤٣) بَابٌ: كَيْفَ يَعْتَمِدُ عَلَى الْأَرْضِ إِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَةِ

باب:143- نمازی اپنی رکعت سے اٹھتے وقت زمین کا کس طرح سہارا لے؟

٨٢٤ - حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ قَالَ: جَاءَنَا مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ فَصَلَّى بِنَا فِي مَسْجِدِنَا هٰذَا، فَقَالَ: إِنِّي لَأُصَلِّي بِكُمْ وَمَا أُرِيدُ الصَّلَاةَ وَلٰكِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُرِيَكُمْ كَيْفَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ

[824] حضرت ابو قلابہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ایک مرتبہ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ ہمارے پاس آئے اور ہماری اس مسجد میں ہمیں نماز پڑھائی، نیز فرمایا کہ میں تمھیں نماز پڑھاتا ہوں، میرا نماز پڑھنے کا ارادہ نہیں لیکن میں تمھیں دکھانا چاہتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ

---

(1) صحيح البخاري، الأذان، حديث: 631. 2 جامع الترمذي، الصلاة، حديث: 287. 3 جامع الترمذي، الصلاة، حديث: 288. (4) إرواء الغليل، حديث: 362. 5 فتح الباري: 391/2.

ﷺ يُصَلِّي، قَالَ أَيُّوبُ: فَقُلْتُ لِأَبِي قِلَابَةَ: وَكَيْفَ كَانَتْ صَلَاتُهُ؟ قَالَ: مِثْلَ صَلَاةِ شَيْخِنَا هٰذَا - يَعْنِي: عَمْرَو بْنَ سَلِمَةَ - قَالَ أَيُّوبُ: وَكَانَ ذٰلِكَ الشَّيْخُ يُتِمُّ التَّكْبِيرَ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ عَنِ السَّجْدَةِ الثَّانِيَةِ جَلَسَ وَاعْتَمَدَ عَلَى الْأَرْضِ ثُمَّ قَامَ. [راجع: ٦٧٧]

کو نماز پڑھتے ہوئے کس طرح دیکھا؟ (راوی حدیث) ایوب کہتے ہیں کہ میں نے ابوقلابہ سے کہا: تو پھر حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی نماز کیسی تھی؟ انھوں نے فرمایا: ہمارے اس شیخ، یعنی عمرو بن سلمہ کی نماز کی طرح۔ ایوب کہتے ہیں کہ وہ شیخ پوری طرح ''اللہ اکبر'' کہتے اور جب اپنا سر دوسرے سجدے سے اٹھاتے تو بیٹھ جاتے، زمین پر ٹیک لگا کر پھر اٹھتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں ابوقلابہ کے شیخ عمرو بن سلمہ کی نماز کو رسول اللہ ﷺ کی نماز کی مانند قرار دیا گیا ہے۔ ان کی نماز میں دو چیزیں بطور خاص ذکر ہوئی ہیں: ٭ اتمام تکبیر ٭ اعتماد علی الارض۔ اتمام تکبیر کے دو معنی ہیں: ○ نماز کی تمام تکبیرات کا عدد پورا کیا جائے جو چار رکعات میں بائیس تک ہے۔ ○ اللہ اکبر کو لمبا کیا جائے جو پوری حرکت انتقال پر محیط ہو۔ اعتماد علی الارض کے بھی دو معنی ہیں: ○ دوران سجدہ میں کہنیوں کو گھٹنوں یا رانوں پر رکھنا جیسا کہ امام ترمذی نے باب الاعتماد في السجود میں مراد لیا ہے۔ ○ دوسرے سجدے سے فراغت کے بعد اٹھتے وقت دونوں ہاتھوں کو زمین پر ٹیک دینا۔ اس مقام پر اعتماد علی الارض کے دوسرے معنی مراد ہیں، چنانچہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ سجدے سے فراغت کے بعد زمین پر ہاتھوں سے ٹیک لگا کر اٹھنا امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سنت ہے اور احناف نے اس کی سنیت سے انکار کیا ہے۔ سجدے سے فراغت کے بعد اٹھتے وقت وہ اپنے دونوں ہاتھوں پر ٹیک لگا کر اٹھنے کے بجائے سیدھے تیر کی طرح اٹھتے ہیں اور بطور استدلال یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے دونوں ہاتھوں پر ٹیک لگائے بغیر تیر کی مانند اٹھتے تھے، لیکن یہ حدیث من گھڑت اور موضوع ہے کیونکہ اس کی سند میں خصیب بن جحدر نامی ایک راوی کذاب ہے،[1] نیز یہ روایت صحیح بخاری کی مذکورہ حدیث کے بھی خلاف ہے جس میں دوسرے سجدے سے فراغت کے بعد اٹھتے وقت دونوں ہاتھوں کو زمین پر ٹیک دینے کی صراحت ہے۔ ② سوال یہ ہے کہ زمین پر ٹیک لگا کر اٹھتے وقت ہاتھوں کی کیفیت کیا ہو؟ کیا کھلے ہاتھوں اٹھنا چاہیے یا مٹھی بند کر کے کھڑے ہونا چاہیے؟ اس کے متعلق ازرق بن قیس کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ نماز میں جب دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہوتے تو آٹا گوندھنے والے کی طرح مٹھی بند کر کے زمین پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے۔ میں نے ان سے اس کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔[2] اگرچہ اس روایت پر ہیثم بن عمران کی وجہ سے اعتراض کیا گیا ہے لیکن امام ابن حبان نے اسے کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔ محدث العصر علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے۔[3] بعض معاصر اہل علم نے اس کی یہ توجیہ بھی کی ہے کہ آٹا گوندھتے وقت کبھی کھلے ہاتھ بھی استعمال ہوتے ہیں، لہٰذا کھلے ہاتھوں سے ٹیک لگا کر اٹھنے کی بھی گنجائش ہے، لیکن یہ توجیہ امر واقعہ کے خلاف ہے کیونکہ کھلے

---

1 مجمع الزوائد: 135/2، حديث: 2806. 2 غريب الحديث لأبي إسحاق الحربي، باب عجن: 525/2. 3 سلسلة الأحاديث الضعيفة: 392/2.

ہاتھوں سے آٹا نہیں گوندھا جاتا بلکہ مٹھی بند کر کے اسے گوندھا جاتا ہے۔ اس بنا پر ہماری تحقیق یہی ہے کہ ہر رکعت سے کھڑے ہوتے وقت مٹھی بند کر کے زمین پر ٹیک لگا کر کھڑے ہونا چاہیے۔ ہاں اگر کوئی عذر یا اس میں دقت ہو تو کھلے ہاتھوں اٹھنے کی گنجائش ہے۔ واللہ أعلم۔ علامہ عینی ؒ نے فقہاء کے حوالے سے اس کیفیت کو بیان کیا ہے۔[1] ③ اختصار کے ساتھ کیفیت سجدہ حسب ذیل ہے: ۞ سجدے کے لیے جھکتے وقت پہلے دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھا جائے۔[2] ۞ سجدہ کرتے وقت درج ذیل سات اعضاء زمین پر لگنے چاہئیں: (1) پیشانی اور ناک (2 - 3) دونوں ہاتھ (4 - 5) دونوں پاؤں (6 - 7) دونوں گھٹنے۔[3] ۞ دوران سجدہ میں ہاتھ زمین پر جبکہ کہنیاں زمین سے اٹھی ہوئی ہوں۔[4] ۞ دوران سجدہ میں قدموں کی ایڑیاں ملی ہوئی ہوں۔[5] ۞ سجدے میں پاؤں کی انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف اور قدم کھڑے ہونے چاہئیں۔[6] ۞ سجدے میں دونوں بازو کشادہ، ہاتھ پہلوؤں سے دور، سینہ، پیٹ اور رانیں زمین سے اونچی، پیٹ کو رانوں سے اور رانوں کو پنڈلیوں سے جدا رکھیں۔[7] ۞ بحالت سجدہ ہاتھوں کی انگلیاں ملی ہوئی ہوں۔[8] نیز بوقت ضرورت کسی کپڑے پر سجدہ کرنا جائز ہے۔[9] واضح رہے کہ مرد اور عورت کے لیے سجدے کا یہی طریقہ ہے جو اوپر بیان ہوا ہے، اس کے علاوہ کوئی خاص طریقہ عورت کے لیے کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

(١٤٤) بَابٌ: يُكَبِّرُ وَهُوَ يَنْهَضُ مِنَ السَّجْدَتَيْنِ

باب: 144- دو رکعات سے اٹھتے وقت ”اللہ اکبر“ کہنا

وَكَانَ ابْنُ الزُّبَيْرِ يُكَبِّرُ فِي نَهْضَتِهِ.

حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ اٹھتے وقت ”اللہ اکبر“ کہتے تھے۔

وضاحت: اس تعلیق کو ابن ابی شیبہ نے اپنی کتاب ”المصنف“ (72/2) میں صحیح متصل سند سے بیان کیا ہے۔ اکثر علماء کا خیال ہے کہ نمازی کو دوران نماز میں جھکتے اور اٹھتے وقت اللہ اکبر کا آغاز کر دینا چاہیے، البتہ امام مالک کے نزدیک پہلے تشہد سے فراغت کے بعد اٹھتے وقت سیدھا کھڑا ہو کر اللہ اکبر کہنا چاہیے۔ انھوں نے حضرت ابو ہریرہ اور عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت کیا ہے کہ وہ سیدھے کھڑے ہو کر ”اللہ اکبر“ کہتے تھے۔ بعض مالکیہ نے اس کی توجیہ بایں الفاظ بیان کی ہے کہ تکبیر افتتاح بحالت قیام ہوتی ہے اور دو رکعت سے فراغت کے بعد کھڑے ہونا بھی اسی طرح ہے کیونکہ نماز کی فرضیت پہلے دو رکعت تھیں، پھر رباعی نماز میں دو رکعت کا مزید اضافہ ہوا، اس لیے مزید کا افتتاح بھی مزید علیہ کی طرح ہونا چاہیے۔[10]

---

① عمدة القاري: 568/4. ② مسند أحمد: 381/2. ③ صحيح مسلم، الصلاة، حديث: 1100(491). ④ صحيح مسلم، الصلاة، حديث: 1104(494). ⑤ المستدرك للحاكم: 228/1. ⑥ صحيح البخاري، الأذان، حديث: 828. ⑦ سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 730، 963. ⑧ المستدرك للحاكم: 244/1. ⑨ صحيح البخاري، الصلاة، حديث: 385. ⑩ فتح الباري: 393/2.

٨٢٥ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ صَالِحٍ قَالَ: حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ: صَلَّى لَنَا أَبُو سَعِيدٍ فَجَهَرَ بِالتَّكْبِيرِ حِينَ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ، وَحِينَ سَجَدَ، وَحِينَ رَفَعَ، وَحِينَ قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ، وَقَالَ: هٰكَذَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ.

[825] حضرت سعید بن حارث سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ہمیں ایک مرتبہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی تو جس وقت انھوں نے اپنا سر (پہلے) سجدے سے اٹھایا، پھر جب سجدہ کیا اور جب انھوں نے (دوسرے سجدے سے) سر اٹھایا اور جب دو رکعتوں سے اٹھے تو باآواز بلند "اللہ اکبر" کہا۔ پھر انھوں نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔

فوائد و مسائل: ① جب مروان بن حکم مدینہ کے گورنر تھے تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں امامت کرانے پر مامور تھے۔ ایک دفعہ وہ بیمار ہوئے تو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے قبل ازیں ایک عنوان (117) بایں الفاظ قائم کیا تھا: "سجدے سے فراغت کے بعد کھڑے ہوتے وقت تکبیر کہنا۔" وہاں حضرت ابن عباس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کی احادیث پیش کی تھیں کہ سجدے سے کھڑے ہوتے وقت اللہ اکبر کہنا چاہیے۔ مذکورہ عنوان میں بھی اسی بات کو بیان کیا ہے۔ گویا یہ تکرار ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عنوان میں سجدتین سے مراد رکعتیں ہے جیسا کہ مذکورہ روایت میں وضاحت ہے۔ باب: 117 میں پہلی رکعت اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدے سے فراغت کے بعد اٹھتے وقت اللہ اکبر کہنے کا بیان ہے اور اس باب میں پہلے تشہد سے فراغت کے بعد اٹھتے وقت تکبیر کہنے کا ذکر ہے۔ ② اس میں اختلاف ہے کہ دو رکعت کے بعد تکبیر کب کہی جائے؟ اٹھتے وقت ہی اسے شروع کر دیا جائے جسے تکبیر انتقال کہتے ہیں یا سیدھا کھڑا ہونے کے بعد اللہ اکبر کہا جائے جسے تکبیر قیام کہا جاتا ہے۔ امام مالک کا موقف ہے کہ یہ تکبیر قیام ہے اور جمہور کے نزدیک اسے تکبیر انتقال کہا جائے گا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے جمہور کی تائید کرتے ہوئے مذکورہ عنوان قائم کیا ہے اور احادیث پیش کی ہیں۔ واللّٰہ أعلم.

٨٢٦ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا غَيْلَانُ بْنُ جَرِيرٍ عَنْ مُطَرِّفٍ: قَالَ: صَلَّيْتُ أَنَا وَعِمْرَانُ صَلَاةً خَلْفَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ فَكَانَ إِذَا سَجَدَ كَبَّرَ، وَإِذَا رَفَعَ كَبَّرَ، وَإِذَا نَهَضَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ كَبَّرَ، فَلَمَّا سَلَّمَ أَخَذَ عِمْرَانُ بِيَدِي فَقَالَ: لَقَدْ صَلَّى بِنَا هٰذَا صَلَاةَ مُحَمَّدٍ ﷺ أَوْ قَالَ: لَقَدْ ذَكَّرَنِي هٰذَا صَلَاةَ مُحَمَّدٍ ﷺ. [راجع: ٧٨٤]

[826] حضرت مطرف سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی، چنانچہ وہ جب سجدہ کرتے تو تکبیر کہتے، جب سجدے سے سر اٹھاتے تو تکبیر کہتے اور جب دو رکعتوں سے اٹھتے تو بھی تکبیر کہتے۔ جب انھوں نے سلام پھیرا تو حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: انھوں نے ہمیں حضرت محمد ﷺ کی نماز پڑھائی یا کہا کہ انھوں نے ہمیں حضرت محمد ﷺ کی نماز یاد دلا دی ہے۔

فوائد و مسائل: ① حافظ ابن حجر ؒ نے زین بن منیر کے حوالے سے لکھا ہے کہ امام بخاری ؒ نے عنوان اور حضرت ابن زبیر ؓ کے عمل سے مذکورہ احادیث کی وضاحت کی ہے کہ تکبیر کی ابتدا دو رکعت سے فراغت کے بعد اٹھتے وقت ہی ہو جانی چاہیے کیونکہ یہ احادیث اس کے متعلق صریح نہیں ہیں۔[1] دراصل شارع ؑ کا منشا یہ ہے کہ جب نماز میں ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف انتقال ہو تو حرکت انتقال اللہ کے ذکر سے معمور ہونی چاہیے۔ امام بخاری ؒ نے اس عنوان اور احادیث سے ثابت کیا ہے کہ دو رکعت سے فراغت کے بعد تیسری رکعت کے لیے اٹھتے وقت ہی اللہ اکبر شروع کر دیا جائے۔ ② اس سے مالکیہ کا رد مقصود ہے جن کا موقف ہے کہ جب نمازی سیدھا کھڑا ہو جائے تو پھر ''اللہ اکبر'' کہے۔ ان کے موقف کے مطابق آخری دونوں رکعات کا پہلی دو رکعات سے تشاکل ہو جائے گا لیکن امور شرعیہ کا مدار یہ نہیں ہے۔ اس کے لیے اسلاف کا تعامل بھی دیکھنا چاہیے اور وہ مالکیہ کے موقف کے برعکس ہے۔ واللہ أعلم.

(١٤٥) بَابُ سُنَّةِ الْجُلُوسِ فِي التَّشَهُّدِ

باب: 145- تشہد میں بیٹھنے کا مسنون طریقہ

وَكَانَتْ أُمُّ الدَّرْدَاءِ تَجْلِسُ فِي صَلَاتِهَا جِلْسَةَ الرَّجُلِ، وَكَانَتْ فَقِيهَةً.

حضرت ام درداء ؓ فقیہہ تھیں اور وہ نماز میں مردوں کی طرح بیٹھا کرتی تھیں۔

وضاحت: نماز میں بیٹھنے کے چار مواقع ہیں: * دو سجدوں کے درمیان * جلسۂ استراحت * پہلے اور دوسرے تشہد میں بیٹھنا * اس عنوان میں پہلے اور دوسرے تشہد میں بیٹھنے کا طریقہ بتایا جائے گا۔ حضرت ابو درداء ؓ کی بیوی صحابیہ تھیں جن کا نام خیرہ بنت ابی حدرد ہے۔ ان کی کنیت ام درداء ہے۔ ان کی وفات کے بعد حضرت ابو درداء ؓ نے دوسری شادی ایک جہیمہ نامی تابعیہ عورت سے کی جو ام درداء صغریٰ کے لقب سے مشہور ہوئیں۔ مذکورہ یہی ام درداء صغریٰ مراد ہیں۔ اس اثر کو ابن ابی شیبہ نے اپنی کتاب ''المصنف'' (125/2) میں متصل سند سے بیان کیا ہے۔[2] امام بخاری ؒ نے اس اثر کو بطور دلیل نہیں بلکہ تائید و تقویت کے لیے پیش کیا ہے کیونکہ تابعین کے اقوال شرعی مسائل کے ثبوت کے لیے پیش نہیں کیے جا سکتے۔ مطلب یہ ہے کہ تشہد بیٹھنے میں مرد اور عورت کا کوئی فرق نہیں ہے جیسا کہ بعض فقہاء کا موقف ہے۔[3]

٨٢٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ كَانَ يَرَى عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَتَرَبَّعُ فِي الصَّلَاةِ إِذَا جَلَسَ، فَفَعَلْتُهُ وَأَنَا يَوْمَئِذٍ حَدِيثُ السِّنِّ فَنَهَانِي عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: إِنَّمَا سُنَّةُ الصَّلَاةِ أَنْ

[827] حضرت عبداللہ بن عبداللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے اپنے باپ عبداللہ بن عمر ؓ کو دیکھا وہ نماز میں چار زانو بیٹھتے تھے۔ میں چونکہ نو عمر تھا، اس لیے میں نے بھی ایسا کیا تو عبداللہ بن عمر ؓ نے مجھے منع کر دیا اور فرمایا کہ نماز میں بیٹھنے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ تم اپنا دایاں پاؤں کھڑا کرو اور بایاں پاؤں پھیلا دو۔ میں نے کہا

1 فتح الباري: 393/2. 2 عمدة القاري: 570/4. 3 فتح الباري: 395/2.

تَنْصِبَ رِجْلَكَ الْيُمْنٰى، وَتَثْنِيَ الْيُسْرٰى، فَقُلْتُ: إِنَّكَ تَفْعَلُ ذٰلِكَ؟ فَقَالَ: إِنَّ رِجْلَيَّ لَا تَحْمِلَانِي.

آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا: میری ٹانگیں میرا بوجھ نہیں اٹھا سکتیں۔

فوائد ومسائل: ① اس روایت میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ بایاں پاؤں پھیلانے کے بعد اس پر بیٹھتے تھے یا تورک کرتے تھے لیکن امام مالک کی بیان کردہ روایت میں وضاحت ہے کہ بایاں پاؤں پھیلانے کے بعد اس پر بیٹھتے نہیں تھے بلکہ اپنے کولہے پر بیٹھتے تھے۔ اس مفصل روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت میں بیان کردہ طریقہ دوسرے تشہد سے متعلق ہے جیسا کہ موطأ ہی کی روایت میں صراحت ہے کہ آپ آخری تشہد میں ایسا کرتے تھے۔ اگر صحیح بخاری میں پیش کردہ روایت کو پہلے تشہد پر محمول کرلیا جائے تو بھی کوئی اشکال نہیں ہے جیسا کہ امام نسائی ؒ نے حضرت ابن عمر ؓ سے بیان کیا ہے کہ نماز میں بیٹھنے کا مسنون طریقہ دائیں پاؤں کو کھڑا کرنا اور بائیں پاؤں پر بیٹھنا ہے۔[1] ② واضح رہے کہ نماز میں چارزانو بیٹھنا درست نہیں ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ بیان کرتے ہیں کہ مجھے نماز میں چارزانو بیٹھنے سے کوئلوں پر بیٹھنا زیادہ پسند ہے، البتہ عذر کی وجہ سے نفل یا فرض نماز میں چارزانو بیٹھا جاسکتا ہے۔[2] والله أعلم.

٨٢٨ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ خَالِدٍ، عَنْ سَعِيدٍ -هُوَ ابْنُ أَبِي هِلَالٍ- عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَلْحَلَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ.

وَحَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ وَيَزِيدَ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَلْحَلَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ أَنَّهُ كَانَ جَالِسًا فِي نَفَرٍ مِّنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَذَكَرْنَا صَلَاةَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ أَبُو حُمَيْدٍ السَّاعِدِيُّ: أَنَا كُنْتُ أَحْفَظَكُمْ لِصَلَاةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، رَأَيْتُهُ إِذَا كَبَّرَ جَعَلَ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ، وَإِذَا رَكَعَ أَمْكَنَ يَدَيْهِ مِنْ رُكْبَتَيْهِ ثُمَّ هَصَرَ ظَهْرَهُ، فَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ اسْتَوٰى حَتّٰى يَعُودَ كُلُّ

[828] حضرت محمد بن عمرو بن عطاء سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے چند اصحاب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ اس دوران میں نبی ﷺ کی نماز کا ذکر ہونے لگا تو حضرت ابوحمید ساعدی ؓ نے فرمایا: مجھے رسول اللہ ﷺ کی نماز تم سب سے زیادہ یاد ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے تکبیر تحریمہ کہی تو اپنے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر لے گئے۔ اور جب آپ نے رکوع کیا تو دونوں ہاتھ اپنے گھٹنوں پر جما لیے، پھر اپنی کمر کو خمیدہ کیا۔ اور جب آپ نے سر اٹھایا تو ایسے سیدھے کھڑے ہوئے کہ ہر ہڈی اپنی جگہ پر آگئی۔ اور جب آپ نے سجدہ کیا تو نہ آپ دونوں ہاتھوں کو بچھائے ہوئے تھے اور نہ ہی سمیٹے ہوئے تھے اور پاؤں کی انگلیاں قبلہ رخ تھیں۔ اور جب دو رکعتوں میں بیٹھتے تو بایاں پاؤں بچھا کر بیٹھتے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھتے۔ اور جب آخری رکعت میں بیٹھتے تو بایاں پاؤں

[1] سنن النسائي، التطبيق، حديث: 1158. [2] فتح الباري: 396/2.

فَقَارٍ مَكَانَهُ، فَإِذَا سَجَدَ وَضَعَ يَدَيْهِ غَيْرَ مُفْتَرِشٍ وَلَا قَابِضِهِمَا وَاسْتَقْبَلَ بِأَطْرَافِ أَصَابِعِ رِجْلَيْهِ الْقِبْلَةَ، فَإِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ جَلَسَ عَلَى رِجْلِهِ الْيُسْرَى وَنَصَبَ الْيُمْنَى، وَإِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ قَدَّمَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَنَصَبَ الْأُخْرَى وَقَعَدَ عَلَى مَقْعَدَتِهِ.

آگے کر لیتے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھتے، پھر اپنی نشست گاہ کے بل بیٹھ جاتے۔

وَسَمِعَ اللَّيْثُ يَزِيدَ بْنَ أَبِي حَبِيبٍ، وَيَزِيدُ مُحَمَّدَ بْنَ عَمْرِو بْنِ حَلْحَلَةَ، وَابْنُ حَلْحَلَةَ مِنِ ابْنِ عَطَاءٍ. وَقَالَ أَبُو صَالِحٍ عَنِ اللَّيْثِ: كُلُّ فَقَارٍ. وَقَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَيُّوبَ قَالَ: حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ أَبِي حَبِيبٍ، أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ عَمْرِو بْنِ حَلْحَلَةَ حَدَّثَهُ: كُلُّ فَقَارٍ.

لیث نے یزید بن ابی حبیب سے، یزید بن ابی حبیب نے محمد بن عمرو بن حلحلہ سے اور ابن حلحلہ نے ابن عطاء سے اس حدیث کو سنا۔ اور ابو صالح نے حضرت لیث سے "فقار" کا لفظ بیان کیا ہے۔ (اسی طرح) ابن مبارک نے اپنی سند سے "کل فقار" کے الفاظ بیان کیے ہیں۔

فوائد و مسائل: ① یہ روایت مختلف طرق سے کہیں مجمل اور کہیں مفصل بیان ہوئی ہے۔ مذکورہ روایت کے مطابق پہلے تشہد میں افتراش اور دوسرے میں تورک کا ذکر ہے۔ اس کے تین طریقے احادیث میں بیان ہوئے ہیں: ٭ دایاں پاؤں کھڑا کر کے بائیں پاؤں کو دائیں ران کے نیچے سے آگے بڑھا دیا جائے پھر سرین پر بیٹھا جائے جیسا کہ حدیث بالا میں مذکور ہے۔ ٭ حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ چوتھی رکعت میں ہوتے تو بائیں سرین کے ساتھ زمین پر بیٹھ جاتے اور اپنے دونوں قدموں کو ایک جانب سے نکال لیتے۔[1] ٭ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز میں بیٹھتے تو بائیں پاؤں کو ران اور پنڈلی کے درمیان میں کر لیتے اور دایاں پاؤں بچھا لیتے۔[2] ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے تورک ثابت ہے اور آپ کبھی ایک طریقہ استعمال کرتے اور کبھی دوسرا، اور تورک اس تشہد میں ہوتا جس میں سلام پھیرا جاتا ہے۔ اس کی وجہ اور علت میں اختلاف ہے۔ امام احمد کے نزدیک اس کی علت "تفریق" ہے، یعنی پہلے اور دوسرے تشہد میں فرق کرنے کے لیے ایسا کیا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز فجر اور نماز جمعہ میں تورک نہیں ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی علت تخفیف ہے، یعنی تشہد اول چھوٹا ہوتا ہے اس میں تورک کی ضرورت نہیں اور تشہد ثانی طویل ہوتا ہے، اس لیے اس میں تخفیف ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ طول قعود کے پیش نظر ہر نماز کے آخری تشہد میں تورک ہوگا، نماز فجر اور نماز جمعہ میں بھی تورک کیا جائے۔ بہرحال ہمیں اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں کیونکہ روایات میں صراحت ہے کہ جس تشہد میں سلام پھیرنا ہوتا اس میں تورک کیا جاتا۔ ابن حبان کی روایت میں نماز کے خاتمے کے الفاظ ہیں۔ ② ایک روایت میں

[1] سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 731. [2] صحيح مسلم، الصلاة، حديث: 1307 (579).

ہے کہ اس مجلس میں موجود تمام صحابۂ کرام ؓ نے حضرت ابو حمید ساعدی ؓ کے بیان کی تصدیق کی اور بیک زبان فرمایا کہ واقعی رسول اللہ ﷺ اسی طرح نماز پڑھتے تھے۔[1] حافظ ابن حجر ؒ نے لکھا ہے کہ اس مجلس میں بیٹھنے والے دس صحابۂ کرام ؓ میں حضرت سہل بن سعد، ابو اسید ساعدی، محمد بن مسلمہ، حضرت ابو ہریرہ اور ابو قتادہ ؓ نے نماز کا طریقہ عملی طور پر اور بعض روایات کے مطابق زبان سے بیان فرمایا ہے۔ واللہ أعلم.[2] ﴿3﴾ اس روایت کے آخر میں امام بخاری ؒ نے کچھ اسنادی مباحث بھی ذکر کیے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے: (1) اس حدیث کی سند میں تصریح سماع نہ تھی، امام بخاری نے دوسرے طریق بیان کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ سند کے تمام راویوں نے اپنے شیوخ سے اس حدیث کو سنا ہے۔ (2) حضرت عبداللہ بن مبارک کی روایت کو جعفر فریابی، علامہ جوزقی اور ابراہیم الحربی نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔[3] واضح رہے کہ مذکورہ حدیث طریقہ نماز کے متعلق ایک اصولی اور تفصیلی بیان کی حیثیت رکھتی ہے۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ صحابیٔ جلیل ؓ نے اس حدیث کا آغاز طریقۂ وضو اور استقبال قبلہ کے ذکر سے کیا تھا۔

(١٤٦) بَابُ مَنْ لَمْ يَرَ التَّشَهُّدَ الأَوَّلَ وَاجِبًا

باب: 146- جو شخص پہلے تشہد کو واجب خیال نہیں کرتا

لِأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ وَلَمْ يَرْجِعْ.

کیونکہ نبی ﷺ دو رکعت کے بعد کھڑے ہو گئے اور واپس نہیں آئے۔

وضاحت: امام بخاری ؒ کا مقصود یہ ہے کہ پہلا تشہد نماز کا رکن یا فرض نہیں جس کے ترک سے نماز باطل ہو جائے کیونکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام ؓ نے رسول اللہ ﷺ کو بلا تشہد کھڑے ہونے پر توجہ بھی دلائی لیکن آپ نے رجوع نہیں فرمایا بلکہ بعد میں اس ترک کی تلافی سجدۂ سہو سے فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ تشہد اول فرض نہ تھا ورنہ اس کے ترک سے نماز باطل اور کالعدم ہو جاتی۔ چنانچہ امام بخاری ؒ نے اس عنوان میں حکم اور دلیل حکم کو بیان فرمایا ہے۔

٨٢٩ – حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ هُرْمُزَ مَوْلَى بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ - وَقَالَ مَرَّةً: مَوْلَى رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ أَنَّ عَبْدَ اللهِ ابْنَ بُحَيْنَةَ وَهُوَ مِنْ أَزْدِ شَنُوءَةَ وَهُوَ حَلِيفٌ لِبَنِي عَبْدِ مَنَافٍ، وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى بِهِمُ الظُّهْرَ، فَقَامَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ

[829] حضرت عبداللہ ابن بحینہ ؓ ..... جو قبیلہ ازد شنوءہ سے ہیں اور بنو عبد مناف کے حلیف، نیز نبی ﷺ کے اصحاب سے تھے .. سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک دن انھیں نماز ظہر پڑھائی اور پہلی دو رکعات کے بعد بیٹھنے کے بجائے کھڑے ہو گئے۔ لوگ بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے جب آپ اپنی نماز پوری کر چکے تو لوگ انتظار میں تھے کہ اب سلام پھیریں گے آپ نے بیٹھے ہی بیٹھے اللہ اکبر

1 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 730. 2 فتح الباري: 397/2. 3 فتح الباري: 400/2.

الأوليين لم يجلس، فقام الناس معه، حتى إذا قضى الصلاة، وانتظر الناس تسليمه كبر وهو جالس، فسجد سجدتين قبل أن يسلم ثم سلم. [انظر: ٨٣٠، ١٢٢٤، ١٢٢٥، ١٢٣٠، ٦٦٧٠]

کیا سلام سے پہلے دو سجدے کیے پھر سلام پھیرا۔

فوائد و مسائل: ① نماز میں جو ضروری امور ہیں ان کی دو اقسام ہیں: ایک وہ ہیں جن کی تلافی سجدۂ سہو سے ہو سکتی ہے اور دوسرے وہ جن کی بجا آوری ضروری ہوتی ہے۔ اگر وہ رہ جائیں تو ان کی تلافی سجدۂ سہو سے نہیں ہو سکتی۔ پہلا تشہد ایک ایسا امر ہے کہ اگر رہ جائے تو اس کی تلافی سجدۂ سہو سے ممکن ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کے استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ لوگوں نے ترک تشہد پر سبحان اللہ بھی کہا لیکن آپ اسے ادا کرنے کے لیے دوبارہ نہیں بیٹھے بلکہ نماز کے آخر میں سجدۂ سہو سے اس کی تلافی فرمائی ہے۔ اگر فرض یعنی رکن ہوتا تو اسی وقت بیٹھ جاتے اور اسے بجا لاتے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے اس حدیث پر بایں الفاظ عنوان قائم کیا ہے: "تشہد اول کے لیے حکم ہے، اگر وہ بھول کی وجہ سے رہ جائے تو سجدۂ سہو سے ساقط ہو جاتا ہے۔" تشہد اول کے ضروری ہونے کے لیے اسی روایت کے الفاظ ہیں کہ آپ کے ذمے بیٹھنا تھا۔[1] ③ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے علامہ ابن رشید کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب احادیث میں لفظ جلوس کسی قید کے بغیر استعمال ہو تو اس سے مراد جلوس تشہد ہوتا ہے۔ اسی سے حدیث کی عنوان مذکور سے مطابقت ظاہر ہوتی ہے۔[2]

(١٤٧) بَابُ التَّشَهُّدِ فِي الْأُولَى

باب: 147- پہلے قعدہ میں تشہد کا بیان

٨٣٠ - حدثنا قتيبة بن سعيد قال: حدثنا بكر عن جعفر بن ربيعة، عن الأعرج، عن عبد الله ابن مالك ابن بحينة قال: صلى بنا رسول الله ﷺ الظهر، فقام وعليه جلوس، فلما كان في آخر صلاته سجد سجدتين وهو جالس. [راجع: ٨٢٩]

[830] حضرت عبداللہ بن مالک ابن بحینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک دن نماز ظہر پڑھائی۔ آپ کھڑے ہو گئے، حالانکہ آپ کے ذمے بیٹھنا تھا۔ پھر نماز کے آخر میں بیٹھے بیٹھے آپ نے دو سجدے کیے۔

فائدہ: پہلے باب سے گمان ہو سکتا ہے کہ شاید تشہد اول کی کوئی حیثیت ہی نہیں، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے تنبیہ فرمادی کہ پہلا تشہد اگرچہ اس قدر لازم نہیں کہ اس کے ترک پر اعادہ ضروری ہو، تاہم اس کی یہ حیثیت ضرور ہے کہ اگر رہ جائے تو اس پر سجدۂ سہو ہے جیسا کہ حدیث بالا سے ظاہر ہوتا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ علامہ کرمانی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اس سے پہلا باب اس لیے قائم کیا گیا تھا کہ پہلا تشہد واجب نہیں اور یہ عنوان اس کی مشروعیت بیان کرنے کے لیے، قطع نظر اس کے کہ وہ

1 صحيح البخاري، السهو، حديث: 1230. 2 فتح الباري: 402/2.

واجب ہے یا مستحب۔[1]

(١٤٨) بَابُ التَّشَهُّدِ فِي الْآخِرَةِ

باب:148- آخری قعدہ میں تشہد کا بیان

وضاحت: اس سے پہلے درمیانی تشہد کا حکم بیان ہوا تھا۔ اب آخری تشہد کا بیان ہے جو پہلے سے زیادہ اہم اور ضروری ہے۔ اس طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے تینوں ابواب میں درجہ بدرجہ تشہد کے احکام بیان کیے ہیں۔

٨٣١ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ شَقِيقِ بْنِ سَلَمَةَ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ: كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ رَسُولِ اللهِ ﷺ قُلْنَا: اَلسَّلَامُ عَلٰى جِبْرِيلَ وَمِيكَائِيلَ، اَلسَّلَامُ عَلٰى فُلَانٍ وَّفُلَانٍ، فَالْتَفَتَ إِلَيْنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «إِنَّ اللهَ هُوَ السَّلَامُ، فَإِذَا صَلّٰى أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ: اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ، وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا، وَعَلٰى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ - فَإِنَّكُمْ إِذَا قُلْتُمُوهَا أَصَابَتْ كُلَّ عَبْدٍ لِلّٰهِ صَالِحٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ - أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ». [انظر: ٨٣٥، ١٢٠٢، ٦٢٣٠، ٦٢٦٥، ٦٣٢٨، ٧٣٨١]

[831] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز میں یہ پڑھا کرتے تھے: ''جبرائیل اور میکائیل پر سلام ہو۔ فلاں اور فلاں پر سلام ہو'' تو رسول اللہ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تو خود ہی سلام ہے، لہٰذا تم میں سے جب کوئی نماز پڑھے تو کہے: [اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ ...... الصَّالِحِينَ] ''تمام قولی، بدنی اور مالی عبادات اللہ کے لیے خاص ہیں۔ اے نبی! آپ پر اللہ کی رحمت، سلامتی اور برکتیں ہوں، نیز ہم پر اور اللہ کے (دوسرے) نیک بندوں پر بھی سلامتی ہو...... جب تم یہ دعائیہ کلمات کہو گے تو اللہ کے ہر نیک بندے کو پہنچ جائیں گے، خواہ وہ آسمان میں ہو یا زمین میں...... میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔''

فوائد و مسائل: ① یہ مختصر روایت ہے، مفصل روایت کے الفاظ یہ ہیں: ہم نماز میں کہا کرتے تھے کہ اللہ کے بندوں کی طرف سے اس پر سلامتی ہو، ان الفاظ پر رسول اللہ ﷺ نے تنبیہ فرمائی۔[2] اس روایت میں تشہد پڑھنے کے محل کی تعیین نہیں ہے دوسری روایت میں اس کی وضاحت ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم دو رکعت میں بیٹھو تو اس طرح کہو۔''[3] ابن خزیمہ کی روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز کے وسط اور آخر کے لیے تشہد کی تعلیم دی۔[4] صحیح بخاری میں ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے تشہد کے کلمات سکھائے جبکہ میرا ہاتھ آپ کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا آپ نے مجھے یہ کلمات اس طرح سکھائے جیسے قرآن کی کوئی سورت سکھائی جاتی ہے۔[5]

1 فتح الباري : 402/2. 2 صحيح البخاري، الأذان، حديث : 835. 3 سنن النسائي، التطبيق، حديث : 1164.
4 صحيح ابن خزيمة : 350/1، حديث : 708. 5 صحيح البخاري، الاستئذان، حديث : 6265.

روایات میں مروی صیغۂ امر سے معلوم ہوتا ہے کہ تشہد کا پڑھنا ضروری ہے بلکہ دارقطنی کی روایت میں وضاحت ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تشہد فرض ہونے سے پہلے ہمیں معلوم نہیں تھا کہ اس میں کیا پڑھا جاتا ہے۔[1] اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تشہد پڑھنا فرض ہے۔[2] ② مختلف صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے تشہد کے مختلف الفاظ مروی ہیں، ان میں سے جو بھی یاد ہو پڑھ لیا جائے، تاہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی تشہد پڑھنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ یہ صحیحین کی روایات سے ثابت ہے۔ تشہد کے الفاظ کی تفصیل حسب ذیل ہے: ❀ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی تشہد [التحيات لله والصلوات والطيبات السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته، السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين، أشهد أن لا إله إلا الله و أشهد أن محمدًا عبده و رسوله][3] ❀ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی تشہد [التحيات المباركات الصلوات الطيبات لله، السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته، السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين، أشهد أن لا إله إلا الله و أشهد أن محمدا رسول الله][4] ❀ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی تشہد [التحيات لله، الزاكيات لله، الطيبات لله، السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته، السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين، أشهد أن لا إله إلا الله و أشهد أن محمدا عبده و رسوله][5] ③ تشہد پڑھتے وقت گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کی دو صورتیں ہیں: ❀ دائیں ہاتھ کو دائیں اور بائیں ہاتھ کو بائیں گھٹنے پر رکھیں۔[6] ❀ دایاں ہاتھ اپنی دائیں اور بایاں ہاتھ اپنی بائیں ران پر رکھیں۔[7] اس سے معلوم ہوا کہ نمازی کو اختیار ہے کہ وہ دوران تشہد ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھے یا رانوں پر رکھے۔ ④ آخری قعدہ میں تشہد کے بعد رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھنا بھی نماز کا حصہ ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک تو فرض ہے۔ لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے تشہد کے بعد دعاؤں کے ابواب شروع کیے ہیں، درود کے متعلق کوئی عنوان قائم نہیں کیا، حالانکہ اس سلسلے میں ان کے ہاں صحیح حدیث موجود ہے جسے انھوں نے كتاب الدعوات میں بیان کیا ہے، وہاں اس حدیث پر الصلاة على النبي ﷺ کا عنوان قائم کیا ہے۔[8] اسی طرح امام ترمذی رحمہ اللہ نے تشہد کے ابواب کے بعد رسول اللہ ﷺ پر درود کے متعلق کوئی عنوان قائم نہیں کیا۔ اس کے متعلق کوئی معقول توجیہ ہماری سمجھ میں نہیں آئی، شارحین بخاری نے بھی اس کے متعلق کچھ نہیں لکھا جبکہ امام مسلم، امام ابوداود، امام نسائی اور امام ابن ماجہ رحمہم اللہ نے اس کے متعلق تشہد کے بعد مستقل عنوانات قائم کیے ہیں، تفصیل حسب ذیل ہے: ❀ صحيح مسلم، الصلاة، باب الصلاة على النبي ﷺ بعد التشهد باب : 17. ❀ سنن أبي داود، الصلاة، باب الصلاة على النبي ﷺ بعد التشهد، باب : 179,178. ❀ سنن النسائي، السهو، باب الأمر بالصلاة على النبي ﷺ، باب : 49. ❀ سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب الصلاة على النبي ﷺ، باب : 25. ⑤ حضرت ابو مسعود انصاری سے مروی ایک حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ جب ہم نماز کے اندر درود پڑھا کریں تو کس

---

(1) سنن الدارقطني : 350/1. (2) فتح الباري : 404/2. (3) صحيح البخاري، الأذان، حديث : 831. (4) صحيح مسلم، الصلاة، حديث : 902(403). (5) عمدة القاري : 266/1. (6) صحيح مسلم، المساجد، حديث : 1307(579). (7) صحيح مسلم، المساجد، حديث : 1308(579). (8) صحيح البخاري، الدعوات، حديث : 6357.

طرح پڑھیں تو رسول اللہ ﷺ نے درود ابراہیمی پڑھنے کی تلقین فرمائی۔ اس روایت کو امام احمد، امام بیہقی، امام حاکم، امام ابن خزیمہ اور دار قطنی نے بیان کیا ہے۔ ان سب نے اس روایت کی تصحیح بھی کی ہے۔ اس روایت سے نماز میں درود پڑھنے کا محل بھی متعین ہو جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو: مسند أحمد: 119/4، والسنن الكبرٰى للبيهقي: 147/2.

(١٤٩) بَابُ الدُّعَاءِ قَبْلَ السَّلَامِ

باب: 149- سلام سے پہلے دعا کا بیان

٨٣٢ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنَا عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَدْعُو فِي الصَّلَاةِ: «اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَأَعُوذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَفِتْنَةِ الْمَمَاتِ، اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ»، فَقَالَ لَهُ قَائِلٌ: مَا أَكْثَرَ مَا تَسْتَعِيذُ مِنَ الْمَغْرَمِ؟. فَقَالَ: «إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا غَرِمَ حَدَّثَ فَكَذَبَ، وَوَعَدَ فَأَخْلَفَ». [انظر: ٨٣٣، ٢٣٩٧، ٦٣٦٨، ٦٣٧٥، ٦٣٧٦، ٦٣٧٧، ٧١٢٩]

[832] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں یہ دعا کیا کرتے تھے: [اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنْ ...... الْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ] ”اے اللہ! میں عذاب قبر سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور فتنۂ دجال سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں، زندگی اور موت کے فتنے سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ اے اللہ! میں گناہ اور قرض سے تیری پناہ کا طالب ہوں۔“ آپ سے کسی نے عرض کیا: آپ قرض سے بہت پناہ مانگتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ”انسان جب قرض دار ہو جاتا ہے تو بات کرتے وقت جھوٹ بولتا ہے اور جب وعدہ کرتا ہے تو اس کی خلاف ورزی کرتا ہے۔“

٨٣٣ - وَعَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ: أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَسْتَعِيذُ فِي صَلَاتِهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ. [راجع: ٨٣٢]

[833] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز میں فتنۂ دجال سے پناہ مانگتے ہوئے سنا۔

٨٣٤ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ أَبِي الْخَيْرِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ: عَلِّمْنِي دُعَاءً أَدْعُو بِهِ فِي صَلَاتِي: قَالَ: «قُلْ: اَللّٰهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيرًا وَّلَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ، فَاغْفِرْ لِي مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ، وَارْحَمْنِي

[834] حضرت ابو بکر صدیق ؓ سے روایت ہے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ مجھے کوئی ایسی دعا سکھا دیں جو میں نماز میں پڑھا کروں۔ آپ نے فرمایا: ”یہ پڑھا کرو: [اَللّٰهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ ...... أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ] ”اے اللہ! میں نے اپنے آپ پر بہت ظلم کیا۔ اور گناہوں کو تیرے سوا کوئی معاف کرنے والا نہیں، اس لیے تو مجھے اپنی طرف سے معاف کر دے اور مجھ پر مہربانی

إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ». [انظر: ٦٣٢٦، ٧٣٨٨] کر دے۔ یقیناً تو ہی بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔“

فوائد و مسائل: ① ان احادیث کی عنوان سے مطابقت دو طرح سے ہے: ٭ قرینہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ مذکورہ استعاذہ تشہد کے بعد پڑھنا چاہیے جیسا کہ علامہ کرمانی لکھتے ہیں: نماز کے ہر مقام کے لیے ذکر و دعا مخصوص ہے تو مذکورہ استعاذہ تمام ارکان سے فراغت کے بعد ہوگا کیونکہ نماز کے چار مقام زیادہ اہم ہیں: قیام، رکوع، سجدہ اور تشہد۔ قیام میں قراءت ہوتی ہے، رکوع اور سجدہ کے لیے تسبیحات اور دعائیں مخصوص ہیں، تشہد کے لیے یہ استعاذہ ہے جو سلام سے قبل پڑھا جاتا ہے۔ ٭ احادیث ایک دوسرے کی تفسیر کرتی ہیں، چنانچہ حضرت عبداللہ بن طاؤس اپنے باپ طاؤس سے بیان کرتے ہیں کہ وہ تشہد کے بعد استعاذہ پڑھا کرتے تھے۔ پھر وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً بیان کرتے تھے۔ اس کے علاوہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں کوئی آخری تشہد سے فارغ ہو جائے تو چار چیزوں سے پناہ مانگے۔“[1] ② حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ نے تشہد کے بعد پسندیدہ دعا پڑھنے کا اختیار دیا ہے تو ممکن ہے کہ انھوں نے اسی وقت آپ سے سوال کیا ہو اور آپ نے مذکورہ دعا پڑھنے کی تلقین فرمائی ہو۔[2] ان ادعیہ کے علاوہ بھی دعائیں پڑھی جا سکتی ہیں جیسا کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تشہد کے بعد سلام پھیرنے سے قبل یہ دعا پڑھتے تھے: [اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ وَمَا أَسْرَفْتُ وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَ أَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ] ”اے اللہ! تو میرے اگلے، پچھلے، پوشیدہ اور ظاہر تمام گناہ معاف کر دے اور جو میں نے زیادتی کی اور وہ گناہ جنھیں تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے وہ بھی معاف فرما۔ تو ہی آگے کرنے والا اور تو ہی پیچھے کرنے والا ہے، تیرے سوا کوئی بھی معبود برحق نہیں ہے۔“[3]

(١٥٠) بَابُ مَا يُتَخَيَّرُ مِنَ الدُّعَاءِ بَعْدَ التَّشَهُّدِ، وَلَيْسَ بِوَاجِبٍ

باب: 150- تشہد کے بعد اپنی پسندیدہ دعا کرنا لیکن یہ واجب نہیں ہے

٨٣٥ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ: حَدَّثَنِي شَقِيقٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: كُنَّا إِذَا كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي الصَّلَاةِ قُلْنَا: السَّلَامُ عَلَى اللهِ مِنْ عِبَادِهِ، السَّلَامُ عَلَى فُلَانٍ وَفُلَانٍ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَا تَقُولُوا: السَّلَامُ عَلَى اللهِ، فَإِنَّ اللهَ هُوَ السَّلَامُ، وَلٰكِنْ قُولُوا:

[835] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: جب ہم نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تو یوں کہتے: اللہ کے بندوں کی طرف سے اس پر سلامتی ہو۔ فلاں اور فلاں پر بھی سلامتی ہو۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا: ”ایسا نہ کہو کہ اللہ پر سلامتی ہو، اللہ تو خود سراپا سلامتی ہے، البتہ یوں کہا کرو: [اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ .... مُحَمَّدًا

---

1 صحيح مسلم، المساجد، حديث: 1324(588). 2 فتح الباري: 414/2. 3 صحيح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 1821(771).

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ، وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ - فَإِنَّكُمْ إِذَا قُلْتُمْ ذٰلِكَ أَصَابَ كُلَّ عَبْدٍ فِي السَّمَاءِ أَوْ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ - أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، ثُمَّ لِيَتَخَيَّرْ مِنَ الدُّعَاءِ أَعْجَبَهُ إِلَيْهِ فَيَدْعُو». [راجع: ٨٣١]

عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ] ''تمام قولی، بدنی اور مالی عبادات صرف اللہ کے لیے ہیں۔ سلامتی ہو آپ پر اے اللہ کے نبی! اس کی رحمت اور برکات کا نزول ہو۔ ہم پر بھی سلامتی ہو اور اللہ کے نیک بندوں پر بھی...... جب تم ایسا کہو گے تو یہ سلامتی اللہ کے ہر اس بندے کو پہنچ جائے گی جو آسمانوں میں ہے یا زمین و آسمان کے درمیان ہے...... میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔'' اس کے بعد جو دعا اسے پسند ہو پڑھے۔''

فوائد و مسائل: ① پہلے باب کی احادیث میں تشہد کے بعد دعا کرنے کا ذکر تھا، مذکورہ حدیث میں بھی دعا کرنے کا حکم ہے، اس سے وجوب دعا کا شبہ ہوتا ہے۔ امام بخاری ؒ نے مذکورہ عنوان قائم کر کے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ دعا کرنا واجب نہیں، البتہ استعاذے کے متعلق بہت تاکید ہے کیونکہ بعض احادیث میں استعاذے کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا امر وارد ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی آخری تشہد سے فارغ ہو تو چار چیزوں سے اللہ کی پناہ طلب کرے۔''[1] اہل ظاہر نے اسے واجب قرار دیا ہے۔ حضرت طاؤس نے اپنے بیٹے کو دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیا تھا کیونکہ اس نے تشہد کے بعد استعاذہ نہیں پڑھا تھا۔[2] جمہور نے اسے مستحب قرار دیا ہے۔ امام بخاری ؒ نے اہل ظاہر کے موقف کی تردید کرنے کے لیے مذکورہ عنوان قائم کیا ہے۔ امام ابن منذر فرماتے ہیں کہ اگر حدیث میں یہ الفاظ ''اس کے بعد جو دعا اسے پسند ہو پڑھے'' نہ ہوتے تو میں بھی اس کے وجوب کے متعلق کہتا۔[3] ہمارے نزدیک دلائل کی رو سے دوسرے تشہد میں استعاذہ ضروری ہے اور امام ابن منذر ؒ کے مذکورہ بالا اشکال کا جواب یہ ہے کہ اختیار دعا تعوذ پڑھنے کے بعد ہے جیسا کہ بعض طرق میں اس کی صراحت ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: (أصل صفة صلاة النبي ﷺ:998/3) ② علماء نے اس مسئلے میں بھی اختلاف کیا ہے کہ حسب منشا صرف ادعیہ ماثورہ ہی پڑھ سکتا ہے یا دنیا و آخرت کی جو بھی دعا چاہے پڑھ سکتا ہے؟ بعض حضرات کا موقف ہے کہ قرآن و سنت میں موجود ماثور و مسنون دعائیں ہی پڑھ سکتا ہے۔ ہمارے نزدیک بھی بہتر یہی ہے کہ پسندیدہ دعا کا انتخاب ادعیہ ماثورہ میں سے کرے کیونکہ بے شمار مسنون دعائیں ایسی موجود ہیں جو ہمارے جملہ مقاصد و مطالب پر مشتمل ہیں، ان کا پڑھنا باعث صد خیر و برکت ہوگا۔ جملہ مقاصد پر مشتمل درج ذیل جامع دعا ہی کافی ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے منقول ہے۔ وہ اپنے شاگردوں کو بطور خاص اس کی تعلیم دیتے تھے اور اسے بہت جامع قرار دیتے تھے۔ وہ دعا یہ

---

1. صحیح مسلم، المساجد، حدیث: 1324(588). 2. صحیح مسلم، المساجد، حدیث: 1330(590)، و مسند أحمد: 237/2. 3. فتح الباري: 414/2.

ہے:[اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ كُلِّهِ مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَا لَمْ أَعْلَمْ، وَ أَعُوذُبِكَ مِنَ الشَّرِّ كُلِّهِ مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَا لَمْ أَعْلَمْ، اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا سَأَلَكَ عِبَادُكَ الصَّالِحُونَ، وَ أَعُوذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَ بِهِ عِبَادُكَ الصَّالِحُونَ، اَللّٰهُمَّ! رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ، رَبَّنَا! اغْفِرْلَنَا ذُنُوبَنَا، وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ، رَبَّنَا! وَ آتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّكَ لَاتُخْلِفُ الْمِيعَادَ][1]

(١٥١) بَابُ مَنْ لَّمْ يَمْسَحْ جَبْهَتَهُ وَأَنْفَهُ حَتّٰى صَلّٰى

باب: 151- جو شخص اپنی پیشانی اور ناک سے مٹی وغیرہ نماز ختم ہونے تک صاف نہیں کرتا

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: رَأَيْتُ الْحُمَيْدِيَّ يَحْتَجُّ بِهٰذَا الْحَدِيثِ أَنْ لَّا يَمْسَحَ الْجَبْهَةَ فِي الصَّلَاةِ.

ابوعبداللہ (امام بخاری) رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ شیخ محترم امام حمیدی اس امر پر درج ذیل حدیث بطور دلیل پیش کرتے تھے کہ دوران نماز میں اپنی پیشانی سے مٹی وغیرہ صاف کرنا درست نہیں ہے۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف معلوم ہوتا ہے کیونکہ انھوں نے امام حمیدی کے متعلق اس معاملے میں کوئی اعتراض نہیں کیا اگرچہ پیش کردہ دلیل کے متعلق بہت کچھ کہنے کی گنجائش ہے۔[2]

٨٣٦ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيٰى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا سَعِيدِ الْخُدْرِيَّ فَقَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَسْجُدُ فِي الْمَاءِ وَالطِّينِ حَتّٰى رَأَيْتُ أَثَرَ الطِّينِ فِي جَبْهَتِهِ. [راجع: ٦٦٩]

[836] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو پانی اور مٹی میں سجدہ کرتے ہوئے دیکھا حتی کہ مٹی کے نشانات (نماز کے بعد) آپ کی پیشانی پر نظر آرہے تھے۔

فائدہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے مسئلہ اور اس کی دلیل ذکر کردی لیکن اس کے متعلق کوئی دوٹوک فیصلہ نہیں کیا کیونکہ اس دلیل کے کئی ایک احتمالات ہیں کیونکہ مٹی کے نشانات پیشانی پر ظاہر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ نے اسے دوران نماز میں صاف نہیں کیا تھا کیونکہ صاف کرنے کے بعد بھی اس کے اثرات باقی رہ جاتے ہیں، نیز ممکن ہے کہ بھول کی وجہ سے اسے صاف نہ کرسکے ہوں یا آپ نے اپنے خواب کی تصدیق کے لیے اسے دانستہ چھوڑ دیا ہو یا آپ نے کیچڑ کے نشانات کو محسوس نہ کیا ہو یا بیان جواز کے لیے ایسا کیا ہو۔ جب اس طرح کے احتمالات دلیل میں موجود ہوں تو وہ استدلال کے قابل نہیں رہتی۔[3] اس سے زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ سجدہ سے اگر مٹی کے نشانات پیشانی پہ پڑ جائیں تو چنداں حرج نہیں۔

1. المصنف لعبد الرزاق: 207/2، و المصنف لابن أبي شيبة: 264/1. 2. فتح الباري: 416/2. 3 فتح الباري: 416/2.

(١٥٢) بَابُ التَّسْلِيمِ

٨٣٧ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ هِنْدٍ بِنْتِ الْحَارِثِ: أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا سَلَّمَ قَامَ النِّسَاءُ حِينَ يَقْضِي تَسْلِيمَهُ وَمَكَثَ يَسِيرًا قَبْلَ أَنْ يَقُومَ. قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: فَأُرَى وَاللهُ أَعْلَمُ أَنَّ مُكْثَهُ لِكَيْ يَنْفُذَ النِّسَاءُ قَبْلَ أَنْ يُدْرِكَهُنَّ مَنِ انْصَرَفَ مِنَ الْقَوْمِ. [انظر: ٨٤٩، ٨٥٠]

باب:152-سلام پھیرنے کا بیان

[837] حضرت ام سلمہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ جب سلام پھیرتے تھے تو خواتین آپ کے سلام پھیرتے ہی کھڑی ہو کر اپنے گھروں کو روانہ ہو جاتی تھیں اور آپ کھڑے ہونے سے پہلے کچھ دیر ٹھہر جاتے۔

ابن شہاب کہتے ہیں کہ اصل علم تو اللہ تعالیٰ کو ہے، البتہ جو میں سمجھا ہوں وہ یہ ہے کہ آپ اس لیے کچھ دیر ٹھہرے رہتے تھے تاکہ خواتین جلدی چلی جائیں قبل ازیں کہ مرد حضرات نماز سے فارغ ہو کر انھیں پا سکیں۔

فوائد و مسائل: ① تعارض ادلہ اور قوتِ اختلاف کی بنا پر امام بخاری ؒ نے اختتام نماز کے موقع پر سلام کے متعلق فیصلہ نہیں کیا کہ یہ واجب ہے یا سنت۔ ممکن ہے کہ مذکورہ حدیث کے ان الفاظ سے وجوب ثابت کیا جائے کہ ''جب آپ سلام پھیرتے تھے'' کیونکہ اس سے رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارکہ کا پتہ چلتا ہے۔ اور آپ نے فرمایا ہے: ''اس طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔'' اس کے علاوہ ایک اور حدیث ہے کہ نماز کو صرف سلام کے ساتھ ہی ختم کیا جا سکتا ہے۔[1] ② ہمارے نزدیک نماز کے آخر میں سلام پھیرنا ایک رکن کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ حضرت علی ؓ سے مروی ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ نماز کو صرف سلام ہی سے ختم کیا جا سکتا ہے۔[2] حدیث کے الفاظ تَحْلِيلُهَا میں اضافت حصر کا فائدہ دیتی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ لا تحليل لها غيره، یعنی سلام کے علاوہ کسی چیز سے نماز کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی پر مداومت اختیار فرمائی۔ حدیث میں ہے کہ آپ سلام کے ساتھ نماز ختم کرتے تھے۔[3] ان احادیث کے پیش نظر ان حضرات کا موقف محل نظر ہے جو کہتے ہیں کہ نمازی اپنے کسی بھی فعل کے ذریعے سے نماز سے نکل سکتا ہے۔ اس سلسلے میں یہ حضرات ایک حدیث پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب امام نماز مکمل کر کے بیٹھ جائے اور سلام پھیرنے سے قبل بے وضو ہو جائے تو اس کی نماز پوری ہوگی۔''[4] اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن زیاد افریقی ہے جس کے متعلق علامہ نووی فرماتے ہیں کہ حفاظ کے فیصلے کے مطابق یہ راوی ضعیف ہے۔[5] ③ اس حدیث میں سلام کی تعداد کا بھی ذکر نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود اور سعد بن ابی وقاص ؓ سے مروی احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ سلام دو طرف، یعنی دائیں اور بائیں پھیرنا چاہیے۔[6] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی دائیں اور بائیں جانب اسی طرح سلام کہتے تھے: [اَلسَّلَامُ

---

1 فتح الباري: 417/2. 2 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 618. 3 صحيح مسلم، الصلاة، حديث: 1110(498).

4 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 617. 5 المجموع للنووي: 462/3. 6 فتح الباري: 417/2.

عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ][1] حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے بھی اس کے ہم معنی حدیث مروی ہے۔[2] حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی آپ دائیں طرف سلام پھیرتے تو کہتے ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' اور بائیں طرف پھیرتے تو کہتے ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' یعنی صرف دائیں طرف والے سلام میں ''وبرکاتہ'' کا اضافہ کرتے۔[3] ④ تین سلام کے متعلق کوئی قابل اعتبار حدیث مروی نہیں ہے۔

(١٥٣) بَابٌ: يُسَلِّمُ حِينَ يُسَلِّمُ الْإِمَامُ

باب:153- امام کے سلام کے ساتھ مقتدی بھی سلام پھیر دے

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَسْتَحِبُّ إِذَا سَلَّمَ الْإِمَامُ أَنْ يُسَلِّمَ مَنْ خَلْفَهُ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس بات کو پسند کرتے تھے کہ جب امام سلام پھیرے تو پیچھے والے بھی اسی وقت سلام پھیر دیں۔

وضاحت: مقتدی کو چاہیے کہ وہ امام کے ساتھ سلام پھیر دے، اپنی دعاؤں میں مصروف رہتے ہوئے اس میں تاخیر نہ کرے۔ مالکیہ کا مشہور موقف یہ ہے کہ مقتدی امام کے سلام کے بعد سلام پھیرے، امام کے ساتھ سلام نہ پھیرے کیونکہ اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کی تردید فرمائی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اثر کو مصنف ابن ابی شیبہ (180/2) میں متصل سند سے نقل کیا گیا ہے لیکن الفاظ یہ نہیں ہیں بلکہ روایت بالمعنی کے طور پر ہے۔[4]

٨٣٨ - حَدَّثَنَا حِبَّانُ بْنُ مُوسَى قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ مَحْمُودِ بْنِ الرَّبِيعِ، عَنْ عِتْبَانَ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: صَلَّيْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَسَلَّمْنَا حِينَ سَلَّمَ. [راجع:٤٢٤]

[838] حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ ہم نے نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی جب آپ نے سلام پھیرا تو ہم نے بھی سلام پھیر دیا۔

فائدہ: امام بخاری رحمہ اللہ کا قائم کردہ عنوان حدیث بالا سے ماخوذ ہے۔ اس میں کئی ایک احتمال ہیں: یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ امام کی ابتدا کے بعد مقتدی اپنے سلام کا آغاز کرے، یعنی مقتدی اپنے امام کے اختتام سلام سے پہلے پہلے سلام کا آغاز کر دے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ جب امام اپنے سلام کو پورا کرے تو اس کے بعد مقتدی اس کا آغاز کرے، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے متعلق ایک مجتہد کو غور وفکر کرنے کا موقع فراہم کیا ہے۔[5] ہمارے نزدیک امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہ ہے کہ مقتدیوں کو سلام پھیرنے میں دیر نہیں کرنی چاہیے بلکہ امام کی متابعت کرتے ہوئے ساتھ ہی سلام پھیر دینا چاہیے۔ واللّٰہ أعلم.

(١٥٤) بَابُ مَنْ لَمْ يَرُدَّ السَّلَامَ عَلَى الْإِمَامِ، وَاكْتَفَى بِتَسْلِيمِ الصَّلَاةِ

باب: 154- اس شخص کا بیان جو نماز کے سلام کو کافی سمجھتے ہوئے امام کو سلام نہیں کرتا

---

1 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 996. 2 سنن الدارقطني: 356/1. 3 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 997.
4 فتح الباري: 417/2. 5 فتح الباري: 417/2.

٨٣٩ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي مَحْمُودُ بْنُ الرَّبِيعِ، وَزَعَمَ أَنَّهُ عَقَلَ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَعَقَلَ مَجَّةً مَجَّهَا مِنْ دَلْوٍ كَانَتْ فِي دَارِهِمْ. [راجع: ٧٧]

[839] حضرت محمود بن ربیع ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی آمد یاد ہے اور مجھے ہوش ہے جب رسول اللہ ﷺ نے ہمارے گھر میں ڈول سے کلی کر کے میرے منہ پر پانی ڈالا تھا۔

٨٤٠ - قَالَ: سَمِعْتُ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ الْأَنْصَارِيَّ ثُمَّ أَحَدَ بَنِي سَالِمٍ، قَالَ: كُنْتُ أُصَلِّي لِقَوْمِي بَنِي سَالِمٍ، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَقُلْتُ: إِنِّي أَنْكَرْتُ بَصَرِي وَإِنَّ السُّيُولَ تَحُولُ بَيْنِي وَبَيْنَ مَسْجِدِ قَوْمِي، فَلَوَدِدْتُ أَنَّكَ جِئْتَ فَصَلَّيْتَ فِي بَيْتِي مَكَانًا أَتَّخِذُهُ مَسْجِدًا، فَقَالَ: «أَفْعَلُ إِنْ شَاءَ اللهُ»، فَغَدَا عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَبُو بَكْرٍ مَعَهُ بَعْدَ مَا اشْتَدَّ النَّهَارُ، فَاسْتَأْذَنَ النَّبِيُّ ﷺ فَأَذِنْتُ لَهُ فَلَمْ يَجْلِسْ حَتَّى قَالَ: «أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ مِنْ بَيْتِكَ؟» فَأَشَارَ إِلَيْهِ مِنَ الْمَكَانِ الَّذِي أَحَبَّ أَنْ يُصَلِّيَ فِيهِ، فَقَامَ فَصَفَفْنَا خَلْفَهُ ثُمَّ سَلَّمَ وَسَلَّمْنَا حِينَ سَلَّمَ. [راجع: ٤٢٤]

[840] حضرت محمود بن ربیع ؓ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت عتبان بن مالک ؓ سے سنا جو بنو سالم قبیلہ کے ایک فرد تھے، انھوں نے فرمایا: میں اپنی قوم بنو سالم کو نماز پڑھاتا تھا، ایک دفعہ میں نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں اپنی بینائی میں کمزوری محسوس کرتا ہوں اور یہ سیلابوں کا پانی میرے اور میری قوم کی مسجد کے درمیان حائل ہو جاتا ہے، لہٰذا میری خواہش ہے کہ آپ میرے گھر میں کسی جگہ پر نماز پڑھیں تاکہ میں اسے مسجد بناؤں۔ آپ نے فرمایا: ''میں ان شاء اللہ ایسا کروں گا۔'' چنانچہ ایک دن دھوپ چڑھے رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر ؓ کی معیت میں تشریف لائے، آپ نے اندر آنے کی اجازت مانگی تو میں نے آپ کو اجازت دے دی۔ آپ نے بیٹھنے سے پہلے ہی فرمایا: ''تم گھر کے کس حصے میں میرا نماز پڑھنا پسند کرتے ہو؟'' انھوں نے ایک مقام کی طرف اشارہ کیا جہاں وہ اپنے لیے نماز پڑھنا پسند کرتے تھے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو گئے اور ہم لوگوں نے بھی آپ کے پیچھے صف بنالی۔ اس کے بعد آپ نے سلام پھیرا اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ سلام پھیر دیا۔

فوائد ومسائل: ① بعض فقہاء کا موقف ہے کہ نماز کے آخر میں صرف ایک مرتبہ سلام کہا جائے جیسا کہ سعد بن ابی وقاص ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے آخر میں صرف ایک مرتبہ السلام علیکم کہتے تھے۔[1] لیکن اکثر فقہاء و محدثین نے اس

1 شرح معاني الآثار: 266/1، و الاستذكار: 291/4.

موقف کو اختیار کیا ہے کہ نماز کے آخر میں دو دفعہ سلام کہا جائے ایک دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب، اسے سلام نماز بھی کہتے ہیں۔تقریباً بیس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے دو دفعہ سلام کہنا مروی ہے اور ایک دفعہ سلام کہنے کی روایت وہم پر مبنی ہے کیونکہ حضرت ابن مبارک نے اس روایت کو دو سلام سے بیان کیا ہے۔[1] ہمارے نزدیک راجح بات یہی ہے کہ ایک سلام پر اکتفا بھی جائز ہے، اگرچہ اکثر و بیشتر آپ کی عادت مبارکہ دو سلام کی تھی، اس لیے اسے وہم قرار دینا محل نظر ہے، نیز یہ سلام سامنے منہ کر کے ہی پھیرنا ہے۔ دیکھیے: (أصل صفة صلاة النبي ﷺ:1030/3) بعض روایات میں ہے کہ امام کو بھی سلام کہنا چاہیے جیسا کہ حضرت سمرہ بن جندب کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں امام کو سلام کہنے کا حکم دیا تھا۔[2] اس کی توجیہ بعض شارحین نے بایں طور فرمائی ہے کہ ایک سلام دائیں جانب، دوسرا بائیں جانب والوں کو، اور تیرا سامنے امام کو کیا جائے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس موقف کی تردید فرمائی ہے کیونکہ امام کو سلام کہنے کا مطلب ہے کہ جو شخص دائیں جانب ہے وہ بائیں سلام میں اور جو بائیں جانب ہے وہ دائیں سلام میں امام کے لیے سلام کی نیت کرے اور جو امام کے پیچھے ہے وہ پہلے سلام میں امام کی نیت کرے۔ ② حدیث کی عنوان سے مطابقت اسی طرح ہے کہ روایت کے مطابق پہلے رسول اللہ ﷺ نے سلام پھیرا، پھر قوم نے بھی سلام پھیر دیا۔ اس میں تیسرے سلام کا کوئی ذکر نہیں ہے۔[3] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے کہ حدیث کے ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کی متابعت میں آپ کے سلام جیسا سلام کیا اور آپ کا سلام ایک تھا جس سے نماز ختم کی گئی یا اس کے ساتھ دوسرا سلام بھی تھا، تیسرے سلام کے لیے دلیل درکار ہے جیسا کہ بعض مالکی حضرات کا موقف ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس مؤخر الذکر موقف کی تردید کے لیے عنوان بندی کی ہے اور حدیث پیش کی ہے۔[4] واللہ أعلم.

(١٥٥) بَابُ الذِّكْرِ بَعْدَ الصَّلَاةِ

باب:155-نماز کے بعد ذکر کا بیان

٨٤١ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَمْرٌو، أَنَّ أَبَا مَعْبَدٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ: أَنَّ رَفْعَ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ حِينَ يَنْصَرِفُ النَّاسُ مِنَ الْمَكْتُوبَةِ كَانَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: كُنْتُ أَعْلَمُ إِذَا انْصَرَفُوا بِذَلِكَ إِذَا سَمِعْتُهُ. [انظر: ٨٤٢]

[841] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ فرض نماز سے فراغت کے بعد بآواز بلند ذکر کرنا رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں جاری تھا، نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے تو لوگوں کا نماز سے فراغت کا پتہ اس ذکر کی آواز سن کر چلتا تھا۔

فائدہ: حدیث میں نماز کے بعد ذکر کی فضیلت منقول ہے لیکن اس ذکر سے کیا مراد ہے؟ دور حاضر میں نماز کے بعد بآواز

1 عمدة القاري: 601/4. 2 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 1001. 3 عمدة القاري: 602/4. 4 فتح الباري: 418/2.

بلند اجتماعی طور پر جو اللہ اللہ کی ضربیں لگائی جاتی ہیں، یہ قطعی طور پر غیر شرعی کام ہے بلکہ اس سے مراد ''اللہ اکبر'' کہنا ہے جیسا کہ آئندہ حدیث میں اس کی وضاحت ہے۔

٨٤٢ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرٌو قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُومَعْبَدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كُنْتُ أَعْرِفُ انْقِضَاءَ صَلَاةِ النَّبِيِّ ﷺ بِالتَّكْبِيرِ. قَالَ عَلِيٌّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو، قَالَ كَانَ أَبُو مَعْبَدٍ أَصْدَقَ مَوَالِي ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ عَلِيٌّ: وَاسْمُهُ نَافِذٌ. [راجع: ٨٤١]

[842] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ میں نبی ﷺ کی نماز کا تمام ہونا اللہ اکبر کی آواز سے پہچان لیتا تھا۔ علی بن مدینی نے کہا: ہم سے سفیان نے بیان کیا، وہ عمرو سے بیان کرتے ہیں، انھوں نے کہا کہ ابن عباس کے غلاموں میں سے سب سے سچا ابو معبد تھا (جس نے اس حدیث کو حضرت ابن عباس ؓ سے بیان کیا ہے) علی بن مدینی نے کہا کہ اس کا نام نافذ تھا۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حدیث سابق میں بآواز بلند ذکر کرنے سے مراد اللہ اکبر کہنا ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ فرض نماز کا سلام پھیر کر بآواز بلند اللہ اکبر کہتے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ امام اور مقتدیوں کو نماز سے فارغ ہوتے ہی بلند آواز سے ایک بار ''اللہ اکبر'' کہنا چاہیے۔ نماز سے فراغت کے بعد دیگر اذکار پڑھنے کا ثبوت بھی احادیث سے ملتا ہے، چنانچہ حضرت ثوبان ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنی نماز ختم کرتے تو تین بار أَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ، کہتے اور اس کے بعد یہ کلمات کہتے: اَللّٰھُمَّ! أَنْتَ السَّلَامُ وَ مِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَالْجَلَالِ وَ الْإِكْرَامِ ''اے اللہ! تو سراپا سلام ہے۔ تیری ہی طرف سے سلامتی ہے۔ اے عظمت وجلال والے! تو بڑا ہی بابرکت ہے۔''[1] ② حدیث کے آخر میں حضرت ابن عباس ؓ کے غلام ابو معبد نافذ کا تذکرہ ہے جس کے متعلق راوی حدیث عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے ابو معبد سے اس حدیث کا تذکرہ کیا تو اس نے صاف انکار کر دیا کہ میں نے تجھے یہ حدیث بیان نہیں کی۔ امام شافعی نے فرمایا ہے کہ شاید وہ بیان کے بعد بھول گئے ہوں، بہر حال حدیث کے صحیح ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے۔[2]

٨٤٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ سُمَيٍّ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: جَاءَ الْفُقَرَاءُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالُوا: ذَهَبَ أَهْلُ الدُّثُورِ مِنَ الْأَمْوَالِ بِالدَّرَجَاتِ الْعُلَى وَالنَّعِيمِ الْمُقِيمِ، يُصَلُّونَ كَمَا نُصَلِّي، وَيَصُومُونَ كَمَا نَصُومُ، وَلَهُمْ فَضْلُ أَمْوَالٍ يَحُجُّونَ بِهَا، وَيَعْتَمِرُونَ،

[843] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ کچھ نادار لوگ نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ مال دار لوگ تو بڑے بڑے درجات اور دائمی عیش لے گئے کیونکہ ہماری طرح وہ نماز پڑھتے ہیں اور ہماری طرح وہ روزے بھی رکھتے ہیں لیکن ان کے پاس مال ودولت کی فراوانی ہے جس سے وہ حج، عمرہ، جہاد اور صدقہ وخیرات بھی کرتے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا: ''کیا میں تمھیں ایسی بات

---

1 صحيح مسلم، المساجد، حديث: 1334(591). 2 فتح الباري: 421/2.

وَيُجَاهِدُونَ، وَيَتَصَدَّقُونَ، فَقَالَ: «أَلَا أُحَدِّثُكُمْ بِمَا إِنْ أَخَذْتُمْ بِهِ أَدْرَكْتُمْ مَّنْ سَبَقَكُمْ وَلَمْ يُدْرِكْكُمْ أَحَدٌ بَعْدَكُمْ، وَكُنْتُمْ خَيْرَ مَنْ أَنْتُمْ بَيْنَ ظَهْرَانَيْهِمْ، إِلَّا مَنْ عَمِلَ مِثْلَهُ، تُسَبِّحُونَ وَتَحْمَدُونَ وتُكَبِّرُونَ خَلْفَ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِينَ»، فَاخْتَلَفْنَا بَيْنَنَا، فَقَالَ بَعْضُنَا: نُسَبِّحُ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِينَ، وَنَحْمَدُ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِينَ، وَنُكَبِّرُ أَرْبَعًا وَّثَلَاثِينَ. فَرَجَعْتُ إِلَيْهِ، فَقَالَ: تَقُولُ سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَاللهُ أَكْبَرُ، حَتّٰى يَكُونَ مِنْهُنَّ كُلِّهِنَّ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِينَ. [انظر: ٦٣٢٩]

نہ بتاؤں کہ اس پر عمل کر کے تم ان لوگوں تک پہنچ جاؤ گے جو تم سے سبقت لے گئے ہیں۔ اور تمھارے بعد تمھیں کوئی نہیں پا سکے گا۔ اور تم جن لوگوں میں ہو ان سے بہتر ہو جاؤ گے سوائے اس شخص کے جو اس کے مثل عمل کرے (وہ تمھارے برابر ہو سکے گا)۔ تم ہر نماز کے بعد 33 بار سبحان اللّٰہ 33 بار الحمدللّٰہ اور 33 بار اللّٰہ أکبر پڑھ لیا کرو۔'' راوی کہتا ہے کہ پھر ہمارا باہمی اختلاف ہو گیا۔ ہم میں سے بعض نے کہا کہ ہم 33 مرتبہ سبحان اللہ، 33 مرتبہ الحمد للہ اور 34 مرتبہ اللہ اکبر پڑھیں گے، چنانچہ میں نے دوبارہ اپنے استاذ سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ واللّٰہ أکبر پڑھا کرو حتی کہ ان میں سے ہر ایک 33 مرتبہ ہو جائے۔

فوائد و مسائل: ① بعض روایات میں نادار لوگوں کے نام بھی ذکر ہوئے ہیں: ❁ حضرت ابوذر غفاری ❁ حضرت ابوالدرداء ❁ حضرت ابو ہریرہ ❁ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم لیکن صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ مہاجرین میں سے نادار لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے جبکہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ انصار میں سے ہیں، ممکن ہے کہ اکثریت کی بنا پر انھیں مہاجرین کہا گیا ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ فقراء مہاجرین دوبارہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اللہ کے رسول! ہمارے صاحب ثروت بھائیوں نے جب سنا کہ ہم نے نماز کے بعد آپ کا بتایا ہوا وظیفہ پڑھنا شروع کر دیا ہے تو انھوں نے بھی اس پر عمل کرنا شروع کر دیا ہے، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ تو اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے۔''[1] ② حدیث میں مذکور وظیفے کو ''تسبیح فاطمہ'' کہا جاتا ہے۔ اصل تسبیح فاطمہ تو وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ نے اپنی لخت جگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اس وقت پڑھنے کی تعلیم دی تھی جب انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے گھر کی خدمت کے لیے ایک غلام کا مطالبہ کیا۔ مزید برآں وہ نماز کے بعد پڑھنے کے متعلق بھی نہ تھی بلکہ سوتے وقت پڑھنے کی تلقین فرمائی تھی۔[2] چونکہ ان دونوں کی نوعیت ایک جیسی ہے اس لیے یہ وظیفہ بھی تسبیح فاطمہ کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اس کی تین صورتیں ماثور ہیں: ✱ [سبحان اللّٰہ 33 بار، الحمد للّٰہ 33 بار، اللّٰہ أکبر 33 بار اور ایک بار لا إله إلا اللّٰہ وحدہٗ لاشریك له له الملك وله الحمد وهو علی کل شيءٍ قدیر][3] ✱ جو شخص الحمد للّٰہ 33 بار، سبحان اللّٰہ 33 بار اور اللّٰہ أکبر 34 بار کہے گا وہ کبھی نامراد نہیں ہوگا۔[4] ✱ سبحان اللّٰہ 25 بار، الحمد للّٰہ 25 بار، اللّٰہ أکبر 25 بار، لا إله إلا اللّٰہ 25 بار۔[5] اس کے علاوہ حضرت

(1) فتح الباري: 2/422-424. 2 صحيح البخاري، الدعوات، حديث: 6318. 3 صحيح مسلم، المساجد، حديث: 1352(597). 4 صحيح مسلم، المساجد، حديث: 1349(596). 5 صحيح ابن خزيمة: 370/1.

انس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت علی بن ابی طالب اور ام مالک انصاریہ رضی اللہ عنہم سے سبحان اللہ 10 مرتبہ، الحمد للہ 10 مرتبہ اور اللہ أکبر 10 مرتبہ پڑھنے کے متعلق روایات بھی کتب احادیث میں مروی ہیں۔ ان تمام روایات کو علامہ عینی نے ذکر کیا ہے۔[1]

٨٤٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ وَرَّادٍ كَاتِبِ لِلْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ: أَمْلَى عَلَيَّ الْمُغِيرَةُ فِي كِتَابٍ إِلَى مُعَاوِيَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُولُ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ مَّكْتُوبَةٍ: «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ».

[844] حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ نبی ﷺ ہر فرض نماز کے بعد پڑھتے تھے: [لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ ...... ذَالْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ] ''اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ وہ ایک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کی بادشاہت ہے اور اسی کے لیے تعریف ہے۔ اور وہ ہر بات پر قادر ہے۔ اے اللہ! تیری عطا کو کوئی روکنے والا نہیں اور تیری روکی ہوئی چیز کو کوئی عطا کرنے والا نہیں اور کسی دولت مند کو اس کی تونگری تیرے عذاب سے نہیں بچا سکتی۔''

وَقَالَ شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، بِهٰذَا. وَقَالَ الْحَسَنُ: جَدٌّ: غِنًى. عَنِ الْحَكَمِ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُخَيْمِرَةَ، عَنْ وَرَّادٍ بِهٰذَا. [انظر: ١٤٧٧، ٢٤٠٨، ٥٩٧٥، ٦٣٣٠، ٦٤٧٣، ٦٦١٥، ٧٢٩٢]

امام شعبہ نے بھی عبدالملک بن عمیر سے یہ حدیث بیان کی ہے۔ حسن بصری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ جَدّ کے معنی تونگری اور بے نیازی کے ہیں، نیز امام شعبہ نے حکم کے واسطے سے بھی یہ روایت ورّاد سے بیان کی ہے۔

فوائد و مسائل: ① حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے، انھوں نے اپنے گورنر کو خط لکھا کہ مجھے وہ وظیفہ لکھ کر ارسال کرو جسے رسول اللہ ﷺ نماز کے بعد پڑھتے ہوں تو انھوں نے مذکورہ وظیفہ لکھ کر بھیجا تھا۔ طبرانی کی روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں: [يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ حَيٌّ لَّايَمُوتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ] ''وہ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے۔ وہ ایسا زندۂ جاوید ہے کہ اسے کبھی موت نہیں آئے گی اور اس کے ہاتھ خیر و برکت ہے۔''[2] امام بخاری رحمہ اللہ کی عادت ہے کہ اگر حدیث میں کوئی مشکل لفظ آجائے اور اسی طرح کا لفظ قرآن میں بھی آتا ہو تو قرآنی لفظ کا معنی بتانے کے لیے مفسرین کا حوالہ دیتے ہیں، اس مقام پر حسن بصری سے لفظ جد کی وضاحت کی ہے کہ اس کے معنی بے نیازی کے ہیں جیسا کہ قرآن میں ہے: ﴿وَ اَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا﴾[3] ''اور یہ کہ بہت بلند ہے شان ہمارے رب کی'' اکثر روایات میں یہ تفسیری بیان ذکر نہیں ہوا۔[4] ② حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: ''اے معاذ! اللہ کی قسم، میں تجھ سے محبت کرتا ہوں۔'' میں نے کہا: میں بھی آپ سے محبت کرتا ہوں۔ پھر آپ نے فرمایا: ''تو میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ ہر فرض نماز

---

1 عمدة القاري: 611/4. 2 فتح الباري: 429/2. 3 الجن 3:72. 4 فتح الباري: 430/2.

کے بعد یہ ضرور پڑھا کرو: رَبِّ أَعِنِّي عَلٰى ذِكْرِكَ وَ شُكْرِكَ وَ حُسْنِ عِبَادَتِكَ "اے میرے رب! ذکر کرنے، شکر کرنے اور اچھی عبادت کرنے میں میری مدد کر۔" [1]

(١٥٦) بَابٌ: يَسْتَقْبِلُ الْإِمَامُ النَّاسَ إِذَا سَلَّمَ

باب: 156- امام کو چاہیے کہ وہ سلام پھیرنے کے بعد لوگوں کی طرف منہ کر کے بیٹھے

٨٤٥ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا صَلَّى صَلَاةً أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ. [انظر: ١١٤٣، ١٣٨٦، ٢٠٨٥، ٢٧٩١، ٣٢٣٦، ٣٣٥٤، ٤٦٧٤، ٦٠٩٦، ٧٠٤٧]

[845] حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ جب نماز پڑھ لیتے تو اپنا روئے مبارک ہماری طرف کر لیتے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارکہ کو بیان کیا گیا ہے کہ نماز سے فراغت کے بعد آپ مقتدیوں کی طرف منہ کر لیتے تھے۔ شارحین نے اس کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ باہر سے آنے والے کو معلوم ہو جائے کہ جماعت ہو چکی ہے۔ اگر امام قبلہ رو ہو کر بیٹھا رہے گا تو وہم ہو سکتا ہے کہ شاید وہ تشہد میں بیٹھا ہوا ہے۔ دوسری حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ مقتدی حضرات کو ایسے امور کی تعلیم دے جس کے وہ ضرورت مند ہیں، یا انھیں وعظ و نصیحت کرے۔ ② علامہ زین بن منیر لکھتے ہیں کہ امام کا مقتدیوں کی طرف پیٹھ کرنا امامت کی وجہ سے تھا، جب نماز ہو چکی تو یہ سبب بھی ختم ہو گیا، چونکہ اب امامت سے فارغ ہو چکا ہے، اس لیے امام کو چاہیے کہ وہ مقتدیوں کی طرف منہ کر کے بیٹھے ایسا کرنے سے تکبر و غرور اور مقتدی حضرات پر ترفع وغیرہ کا وہم نہیں ہوگا۔ بہر حال امام کو چاہیے کہ وہ نماز سے فراغت کے بعد مقتدیوں کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھنے کی بجائے ان کی طرف منہ کر کے بیٹھے، رسول اللہ ﷺ کی یہی عادت مبارک تھی۔ اگر ضرورت ہو تو سلام کے بعد اپنی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے فوراً جا سکتا ہے جیسا کہ آئندہ بیان ہوگا۔ [2]

٨٤٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِاللهِ ابْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ أَنَّهُ قَالَ: صَلَّى لَنَا النَّبِيُّ ﷺ صَلَاةَ الصُّبْحِ بِالْحُدَيْبِيَةِ عَلٰى إِثْرِ سَمَاءٍ كَانَتْ مِنَ اللَّيْلِ، فَلَمَّا

[846] حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے مقام حدیبیہ پر بارش کے بعد جو رات آئی، اس میں ہمیں نماز فجر پڑھائی۔ فراغت کے بعد لوگوں کی طرف منہ کر کے فرمایا: "تم جانتے ہو کہ تمھارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے؟" صحابہ نے عرض کیا

---

1. سنن النسائي، الصلاة، حديث: 1304. 2 فتح الباري: 431/2.

انْصَرَفَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ: «هَلْ تَدْرُونَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ؟» قَالُوا: اَللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: «أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِي مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ، فَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللّٰهِ وَرَحْمَتِهِ فَذٰلِكَ مُؤْمِنٌ بِي كَافِرٌ بِالْكَوْكَبِ، وَأَمَّا مَنْ قَالَ: بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا، فَذٰلِكَ كَافِرٌ بِي وَمُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ». [انظر: ١٠٣٨، ٤١٤٧، ٧٥٠٣]

کہ اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''(اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ) میرے بندوں میں سے کچھ میرے ساتھ ایمان لائے اور کچھ نے کفر کی روش اختیار کی۔ جس نے کہا کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہم پر بارش ہوئی وہ تو میرا مومن بندہ اور ستارے کا منکر ہے اور جس نے کہا کہ ہم پر فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی ہے وہ میرا منکر اور ستارے پر ایمان لانے والا ہے۔''

فوائد و مسائل: ① مختلف روایات سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز سے فراغت کے بعد دائیں طرف، کبھی بائیں طرف اور کبھی بالکل مقتدیوں کی طرف منہ کر کے بیٹھتے، یعنی تینوں حالتیں رسول اللہ ﷺ کے بیٹھنے پر محمول ہیں۔ بعض حضرات کی رائے ہے کہ دائیں، بائیں طرف پھرنے کی روایات گھر جانے یا کوئی اور کام کرنے پر محمول ہیں اور لوگوں کی طرف منہ کرنے کی روایت بیٹھنے پر محمول ہے۔ اس اختلاف کی وجہ سے محدثین نے انصراف و استقبال وغیرہ کے متعلق مستقل عنوان قائم کیے ہیں لیکن ہمارے نزدیک یہ موقف صحیح نہیں ہے کیونکہ اگر دائیں بائیں جانب جانے کی بات ہے تو جدھر ضرورت ہوگی ادھر چلا جائے گا اس میں دائیں یا بائیں پھرنے کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ کا یہی مقصود معلوم ہوتا ہے کہ امام کا مقتدیوں کی طرف منہ کرنا، اس کے تین انداز ہیں: دائیں یا بائیں یا بالکل مقتدیوں کی طرف منہ کر کے بیٹھنا۔ اگر تو لوگوں کو تعلیم دینا یا وعظ کرنا مقصود ہوتا تو لوگوں کی طرف منہ کر کے خطاب کرتے، بصورت دیگر دائیں یا بائیں منہ کر کے اذکار وغیرہ میں مصروف رہتے۔ واللہ أعلم. ② ستاروں کی تاثیر سعادت و نحوست کے اعتبار سے کچھ بھی نہیں ہے۔ ہمارے ہاں عام طور پر مصیبت کے وقت کہا جاتا ہے کہ میرا ستارہ گردش میں ہے۔ ایسا عقیدہ رکھنا کفر ہے۔ اسی طرح ان کی ذاتی تاثیر کا عقیدہ رکھنا بھی ایمان کے منافی ہے، البتہ تحت الاسباب ان کے طبعی اثرات ضرور ہیں، مثلاً: موسموں میں تبدیلی، گرمی و سردی کا ہونا، سمندر میں اتار چڑھاؤ کا آنا، جسے جوار بھاٹا یا مد و جزر کہا جاتا ہے۔ بہر حال اشیاء میں طبعی آثار و خواص تو ہیں لیکن ان کی تاثیر اذن الٰہی پر موقوف ہے جیسا کہ آگ کی تاثیر جلانا ہے لیکن اللہ کا اذن نہ ہونے کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ نہ جلا سکی بلکہ ان کے لیے جنت و گلزار بن گئی، اس لیے کہنے والے کی نیت کو دیکھا جائے گا اگر وہ ستاروں کے متعلق ذاتی طور پر بارش برسانے کا عقیدہ رکھتا ہے تو بلاشبہ وہ دین اسلام سے خارج ہے اور اگر ان کی تاثیر بطور عادت اور اذن الٰہی پر موقوف مانتا ہے تو کافر نہیں ہوگا۔ واللہ أعلم.

٨٤٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ: سَمِعَ يَزِيدَ قَالَ: أَخْبَرَنَا حُمَيْدٌ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: أَخَّرَ النَّبِيُّ ﷺ الصَّلَاةَ ذَاتَ لَيْلَةٍ إِلَى شَطْرِ اللَّيْلِ ثُمَّ خَرَجَ

[847] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے ایک دفعہ نماز کو آدھی رات تک مؤخر کر دیا، پھر ہمارے پاس نماز پڑھانے کے لیے

عَلَيْنَا ، فَلَمَّا صَلَّى أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ فَقَالَ: «إِنَّ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا وَرَقَدُوا وَإِنَّكُمْ لَنْ تَزَالُوا فِي صَلَاةٍ مَّا انْتَظَرْتُمُ الصَّلَاةَ» . [راجع: ٥٧٢]

آئے۔ جب نماز پڑھ چکے تو چہرۂ انور سے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ''لوگ تو نماز پڑھ کر سو چکے ہیں اور تم برابر نماز میں رہے کیونکہ تم نماز کا انتظار کرتے رہے۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں بھی امام کا مقتدیوں کی طرف منہ کر کے بیٹھنا اور انھیں وعظ کرنا مذکور ہے۔ امام بخاری ؒ کا مقصود بھی یہی ہے کہ نماز سے فراغت کے بعد امام کو چاہیے کہ وہ مقتدیوں کی طرف منہ کر کے بیٹھے۔ ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب نمازی، نماز باجماعت کے انتظار میں ہوتا ہے تو اس کے انتظار کرنے پر اسے نماز ہی کا ثواب ملتا ہے جیسا کہ دیگر احادیث میں اس کی صراحت ہے، چنانچہ امام بخاری ؒ نے ایک عنوان بایں الفاظ قائم کیا ہے: [مَنْ جَلَسَ فِي الْمَسْجِدِ يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ......] ''جو شخص مسجد میں نماز کے انتظار کے لیے بیٹھتا ہے......''[1] پھر حدیث بیان کی ہے کہ جو شخص نماز کے انتظار میں ہو اسے نماز ہی کا ثواب دیا جاتا ہے، گویا وہ نماز میں ہے۔[2] لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ مسجد میں صرف نماز کے انتظار کے لیے بیٹھے، اسے کوئی ذاتی غرض و مقصد نہ ہو کیونکہ حدیث میں ہے کہ مذکورہ اعزاز کا حقدار صرف وہ شخص ہے جسے اپنے گھر سے صرف نماز روکے ہوئے ہو۔ اگر دل میں محبت اور اخلاص ہے تو مسجد سے باہر جاتے وقت اگر اپنے دل اور توجہ کو مسجد سے وابستہ کر دیتا ہے تو قیامت کے دن اسے اللہ تعالیٰ کے عرش کا سایہ نصیب ہوگا۔[3]

(١٥٧) بَابُ مُكْثِ الْإِمَامِ فِي مُصَلَّاهُ بَعْدَ السَّلَامِ

باب: 157- سلام پھیرنے کے بعد امام کا اپنی جگہ پر ٹھہرے رہنا

وضاحت: امام بخاری ؒ کے اس عنوان سے دو مقاصد ہیں: ✱ امام سلام پھیرنے کے بعد وہیں نفل وغیرہ پڑھ سکتا ہے اسے جگہ بدلنے کی ضرورت نہیں۔ ✱ امام کا لوگوں کی طرف منہ کر کے بیٹھنا ضروری نہیں جیسا کہ عنوان سابق میں تھا۔

٨٤٨ - وَقَالَ لَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ قَالَ: كَانَ ابْنُ عُمَرَ يُصَلِّي فِي مَكَانِهِ الَّذِي صَلَّى فِيهِ فَرِيضَةً وَّفَعَلَهُ الْقَاسِمُ. وَيُذْكَرُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، رَفَعَهُ: «لَا يَتَطَوَّعُ الْإِمَامُ فِي مَكَانِهِ»، وَلَمْ يَصِحَّ.

[848] حضرت نافع سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ اسی جگہ پر نفل وغیرہ پڑھتے جہاں پہلے فرض نماز ادا کی ہوتی۔ حضرت قاسم (ابن محمد بن ابی بکر صدیق) نے بھی ایسے ہی کیا تھا، البتہ حضرت ابو ہریرہ ؓ سے مرفوعاً بیان کیا جاتا ہے کہ امام اسی جگہ نفل نماز نہ پڑھے جہاں اس نے فرض نماز ادا کی تھی، لیکن یہ حدیث صحیح نہیں۔

فوائد و مسائل: ① امام جب نماز سے فراغت کے بعد مقتدیوں کی طرف منہ کر کے بیٹھتا ہے تو وہ حسب ضرورت جو چاہے

---

1. صحیح البخاري، الأذان، باب: 36. 2. صحیح البخاري، الأذان، حدیث: 659. 3. صحیح البخاري، الأذان، حدیث: 660، و صحیح مسلم، الزکاة، حدیث: 2380 (1031).

کر سکتا ہے۔ اس کا مصلے پر ٹھہرے رہنا کسی خاص کیفیت کے ساتھ مقید نہیں، وہ ذکر و دعا میں خود کو مصروف کرے یا دعوت و ارشاد کا فریضہ ادا کرے یا سنن و نوافل ادا کرے، چنانچہ اس عنوان کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے امام کا اسی جگہ پر نفل پڑھنے کا جواز ثابت کیا ہے اور بطور دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل پیش کیا ہے، نیز بتایا ہے کہ حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر بھی ایسا کرتے تھے۔ اس اثر کو امام ابن ابی شیبہ نے متصل سند کے ساتھ اپنی کتاب ''المصنف'' میں بیان کیا ہے۔ حضرت عبید اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت قاسم اور حضرت سالم کو دیکھا وہ پہلے فرض نماز ادا کرتے پھر اسی جگہ پر نوافل پڑھتے تھے۔[1] ② امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بالمعنی بیان کیا ہے۔ ابو داود میں یہ روایت بایں الفاظ مروی ہے: ''کیا تم میں سے کوئی اس بات سے عاجز ہے کہ نفل پڑھنے کے لیے اپنی جگہ سے آگے پیچھے یا دائیں بائیں ہو کر پڑھے۔''[2] سنن بیہقی میں یہ روایت اس طرح بیان ہوئی ہے: ''اگر کوئی فرض نماز کے بعد نفل پڑھنا چاہے تو آگے ہو کر انھیں ادا کرے۔''[3] امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث ابو ہریرہ کے متعلق فیصلہ کیا ہے کہ وہ صحیح نہیں کیونکہ اس کے متن میں اضطراب اور سند میں کمزوری ہے جس کی تفصیل انھوں نے اپنی تصنیف، تاریخ الکبیر میں بیان کی ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ یہ حدیث ثابت نہیں۔ اس طرح حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''امام اس جگہ نفل نماز نہ پڑھے جہاں وہ فرض پڑھا چکا ہے، اسے چاہیے کہ وہاں سے دوسری طرف ہٹ کر نفل پڑھے۔'' لیکن اس کی سند منقطع ہے۔[4] ③ مختلف احادیث کے پیش نظر امام کی مختلف حالتیں ہیں: * جس نماز سے سلام پھیر کر فارغ ہوا ہے اس کے بعد سنن و نوافل بھی ہیں۔ * جس نماز سے سلام پھیر کر فارغ ہوا ہے اس کے بعد نوافل یا سنتیں وغیرہ نہیں ہیں جیسا کہ نماز فجر میں ہے۔ پہلی صورت میں اختلاف ہے کہ پہلے مسنون وظائف کیے جائیں یا نوافل وغیرہ ادا کیے جائیں؟ جمہور کا موقف ہے کہ پہلے وظائف پڑھے جائیں پھر نوافل ادا کیے جائیں، اگر وظائف کے بجائے جگہ بدل لی جائے تو بھی کافی ہے جیسا کہ سائب بن یزید کہتے ہیں کہ انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ نماز جمعہ ادا کی، جماعت کے بعد سنت پڑھنے لگا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جمعہ کی نماز کے بعد دوسری نماز اس وقت تک نہ پڑھی جائے جب تک گفتگو یا وظائف وغیرہ نہ کر لیے جائیں یا جگہ نہ بدل لی جائے۔ اس حدیث کے پیش نظر نوافل وغیرہ پڑھنے کے لیے صرف جگہ بدل لینا ہی کافی ہے۔ دوسری صورت جس میں نماز کے بعد سنن و نوافل نہیں ہیں تو اس صورت میں امام اور مقتدی کو چاہیے کہ وہ خود کو مسنون وظائف میں مشغول رکھیں۔ اس کے لیے کسی جگہ کو متعین کرنے کی ضرورت نہیں۔ ان کی مرضی ہے کہ وہ نماز کے بعد وہیں بیٹھے بیٹھے اپنے وظائف مکمل کریں یا وہاں سے کسی دوسری جگہ پر انھیں پڑھ لیں۔ اگر وہیں اپنے وظائف پورے کرنے ہیں اور امام انھیں وعظ و نصیحت کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ مقتدیوں کی طرف پوری طرح متوجہ ہو کر یہ فریضہ سرانجام دے۔[5]

٨٤٩ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ   [849] حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

---

1 المصنف لابن أبي شيبة، (باب) من رخص أن يتطوع في مكانه: 23/2. 2 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 1006.
3 السنن الكبرى للبيهقي: 190/2. 4 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 616، و فتح الباري: 433/2. 5 فتح الباري: 433/2.

ابْنُ سَعْدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ هِنْدٍ بِنْتِ الْحَارِثِ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا سَلَّمَ يَمْكُثُ فِي مَكَانِهِ يَسِيرًا. قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: فَنُرَى - وَاللهُ أَعْلَمُ - لِكَيْ يَنْفُذَ مَنْ يَنْصَرِفُ مِنَ النِّسَاءِ. [راجع: ٨٣٧]

جب سلام پھیرتے تو کچھ دیر اپنی جگہ پر بیٹھے رہتے۔ ابن شہاب کہتے ہیں کہ ہمارے خیال کے مطابق رسول اللہ ﷺ یہ اس لیے کرتے تھے تاکہ عورتیں (مردوں سے) پہلے چلی جائیں۔ واللہ أعلم.

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام نماز سے فراغت کے بعد کچھ دیر کے لیے اپنے مصلی پر ٹھہر سکتا ہے۔ عہد نبوی میں سنت یہی تھی کہ مرد حضرات اتنی دیر تک ٹھہرے رہتے کہ عورتیں مسجد سے نکل کر اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو جائیں تاکہ مردوں کا عورتوں سے اختلاط نہ ہو۔ اس روایت سے رسول اللہ ﷺ کا کم از کم وقت اپنے مصلے پر ٹھہرنے کا پتہ چلتا ہے۔[1] واللہ أعلم.

٨٥٠ - وَقَالَ ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ: أَخْبَرَنَا نَافِعُ بْنُ يَزِيدَ قَالَ: حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ أَنَّ ابْنَ شِهَابٍ كَتَبَ إِلَيْهِ قَالَ: حَدَّثَتْنِي هِنْدُ ابْنَةُ الْحَارِثِ الْفِرَاسِيَّةُ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ وَكَانَتْ مِنْ صَوَاحِبَاتِهَا قَالَتْ: كَانَ يُسَلِّمُ فَيَنْصَرِفُ النِّسَاءُ فَيَدْخُلْنَ بُيُوتَهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَنْصَرِفَ رَسُولُ اللهِ ﷺ.

[850] نبی ﷺ کی زوجۂ محترمہ حضرت ام سلمہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ سلام پھیرتے تو عورتیں واپس ہوکر اپنے گھروں میں داخل ہو جاتی تھیں قبل ازیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی جگہ سے اٹھیں۔

وَقَالَ ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَخْبَرَتْنِي هِنْدُ الْفِرَاسِيَّةُ. وَقَالَ عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ: حَدَّثَتْنِي هِنْدُ الْقُرَشِيَّةُ. وَقَالَ الزُّبَيْدِيُّ: أَخْبَرَنِي الزُّهْرِيُّ، أَنَّ هِنْدًا بِنْتَ الْحَارِثِ الْقُرَشِيَّةَ أَخْبَرَتْهُ وَكَانَتْ تَحْتَ مَعْبَدِ بْنِ الْمِقْدَادِ وَهُوَ حَلِيفُ بَنِي زُهْرَةَ، وَكَانَتْ تَدْخُلُ عَلَى أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ. وَقَالَ شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: حَدَّثَتْنِي هِنْدُ الْقُرَشِيَّةُ. وَقَالَ ابْنُ أَبِي عَتِيقٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ هِنْدٍ الْفِرَاسِيَّةِ. وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي يَحْيَى

ابن وہب نے یونس عن ابن شہاب کی سند سے بیان کیا تو ہند فراسیہ کہا۔ اور عثمان بن عمر نے یونس عن الزہری بیان کیا تو ہند قرشیہ کہا۔ زبیدی نے زہری سے روایت کرتے ہوئے ہند بنت حارث قرشیہ کہا اور (یہ بھی کہا کہ) وہ بنوزہرہ کے حلیف معبد بن مقداد کی بیوی تھی اور نبی ﷺ کی ازواج مطہرات کے ہاں اس کا آنا جانا بھی تھا۔ اور شعیب نے امام زہری سے بیان کیا تو ہند قرشیہ کہا جبکہ ابن عتیق نے زہری سے بیان کرتے ہوئے ہند فراسیہ کہا۔ لیث نے کہا کہ یحییٰ بن سعید نے مجھے امام زہری سے حدیث بیان کرتے ہوئے کہا کہ قریش کی ایک خاتون نے نبی ﷺ سے حدیث بیان کی ہے۔

1 فتح الباري: 434/2.

ابْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَهُ [عَنِ] ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ امْرَأَةٍ مِّنْ قُرَيْشٍ، حَدَّثَتْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [راجع: ٨٣٧]

فوائد و مسائل: ① حدیث بیان کرنے کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ نے سندوں کا اختلاف بیان کیا ہے تا کہ ہند کی نسبت کا اختلاف بیان کیا جائے۔ کسی راوی نے اسے فراسیہ اور کسی نے اسے قرشیہ قرار دیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس شخص کی تردید کی ہے جو قرشیہ کو تصحیف قرار دیتا ہے کیونکہ لیث کی روایت میں اس کے قرشیہ ہونے کی تصریح ہے لیکن یہ روایت موصول نہیں۔ بہر حال ہند فراسیہ یا قرشیہ نے براہ راست رسول اللہ ﷺ سے کچھ نہیں سنا۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کا ان احادیث کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جہاں فرض پڑھے گئے ہوں وہاں نفل وغیرہ بھی پڑھے جا سکتے ہیں، تاہم بہتر ہے کہ دیگر صحیح روایات کے پیش نظر ذرا جگہ تبدیل کر لی جائے یا کچھ گفتگو کر لی جائے تا کہ فرض اور نفل نماز میں اختلاط کا وہم نہ ہو۔ واللہ أعلم. ③ اس حدیث سے درج ذیل مسائل معلوم ہوتے ہیں: ٭ امام کو چاہیے کہ وہ مقتدی حضرات کا پورا پورا خیال رکھے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ خواتین کا خیال رکھتے تھے۔ ٭ ہر اس سبب سے اجتناب کرنا چاہیے جو انسان کو کسی ممنوع کام تک پہنچا دینے والا ہو۔ ٭ ایسے مقامات سے احتراز کرنا چاہیے جہاں انسان پر تہمت یا کوئی الزام لگنے کا خطرہ ہو۔ ٭ راستے میں مردوں کا عورتوں سے اختلاط شریعت کی نظر میں انتہائی مکروہ فعل ہے۔ ٭ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں عورتیں بھی نماز باجماعت ادا کرتی تھیں۔[1]

(١٥٨) بَابُ مَنْ صَلَّى بِالنَّاسِ فَذَكَرَ حَاجَةً فَتَخَطَّاهُمْ

باب: 158- اگر امام کو نماز کے بعد کسی کام کا خیال آئے تو وہ ٹھہرنے کے بجائے لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا چلا جائے

وضاحت: امام صاحب ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ نماز سے فراغت کے بعد امام کا اپنے مصلے پر ٹھہرنا ضروری نہیں ہے، اگر کوئی ضرورت ہو تو وہاں سے اٹھ کر جا سکتا ہے، نیز بوقت ضرورت لوگوں کی گردنیں پھلانگنا جائز ہے۔

٨٥١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ عُمَرَ بْنِ سَعِيدٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عُقْبَةَ قَالَ: صَلَّيْتُ وَرَاءَ النَّبِيِّ ﷺ بِالْمَدِينَةِ الْعَصْرَ فَسَلَّمَ فَقَامَ مُسْرِعًا فَتَخَطَّى رِقَابَ النَّاسِ إِلَى بَعْضِ حُجَرِ نِسَائِهِ، فَفَزِعَ النَّاسُ مِنْ سُرْعَتِهِ فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ فَرَأَى أَنَّهُمْ قَدْ عَجِبُوا مِنْ سُرْعَتِهِ، فَقَالَ:

[851] حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے ایک دفعہ نماز عصر نبی ﷺ کے پیچھے مدینہ منورہ میں ادا کی۔ جب آپ نے سلام پھیرا تو جلدی سے کھڑے ہو گئے اور لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے اپنی بیویوں کے کسی حجرے کی طرف تشریف لے گئے۔ لوگ آپ کی اس سرعت سے گھبرا گئے۔ بہر حال آپ ان کے پاس واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ وہ آپ کی

1 فتح الباري: 434/2.

«ذَكَرْتُ شَيْئًا مِّنْ تِبْرٍ عِنْدَنَا فَكَرِهْتُ أَنْ يَّحْبِسَنِي، فَأَمَرْتُ بِقِسْمَتِهِ». [انظر: ١٢٢١، ١٤٣٠، ٦٢٧٥]

عجلت کی وجہ سے تعجب میں ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''مجھے سونے کا ایک ٹکڑا جو ہمارے پاس تھا یاد آ گیا، میں نے اس بات کو ناپسند کیا کہ مبادا مجھے وہ اللہ کی یاد سے روک دے، لہٰذا میں نے اسے تقسیم کرنے کا حکم دے دیا۔''

فائدہ: اس حدیث سے مندرجہ ذیل احکام ثابت ہوتے ہیں: ٭ نماز سے فراغت کے بعد مصلے پر ٹھہرنا ضروری نہیں، ضرورت کے وقت فوراً اٹھ کر جانا جائز ہے۔ ٭ گردنیں پھلانگ کر آنے جانے میں اگر لوگوں کو کوئی تکلیف نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ عام حالات میں اس کی ممانعت ہے۔[1] ٭ دوران نماز میں جائز امور کو بجالانے کا عزم کیا جاسکتا ہے۔ ٭ جو کام خود کرسکتا ہے اگر کسی دوسرے کو اس کے متعلق کہہ دیا جائے تو جائز ہے۔[2]

(١٥٩) بَابُ الْاِنْفِتَالِ وَالْاِنْصِرَافِ عَنِ الْيَمِينِ وَالشِّمَالِ

باب: 159- نماز سے فراغت کے بعد دائیں یا بائیں جانب سے پھرنے یا لوٹنے کا بیان

وَكَانَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ يَّنْفَتِلُ عَنْ يَّمِينِهِ وَعَنْ يَّسَارِهِ، وَيَعِيبُ عَلٰى مَنْ يَّتَوَخّٰى -أَوْ مَنْ يَّعْمِدُ- الْاِنْفِتَالَ عَنْ يَّمِينِهِ.

حضرت انس بن مالک ؓ نماز سے فراغت کے بعد دائیں اور بائیں جانب سے پھرتے تھے اور جو شخص دانستہ طور پر دائیں جانب پھرنے کو لازم قرار دیتا اس پر عیب لگاتے تھے۔

وضاحت: امام بخاری ؒ نے عنوان میں انفتال اور انصراف دو لفظ استعمال کیے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز سے فراغت کے بعد مقتدیوں کی طرف منہ کرنے اور اپنی حاجت کے لیے چلے جانے میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔ حضرت انس ؓ کے مذکورہ اثر کو امام مسدد نے اپنی مسند کبیر میں متصل سند سے بیان کیا ہے۔ حضرت انس ؓ کا مذکورہ اثر ان کی روایت کردہ حدیث جسے امام مسلم نے ذکر کیا ہے، کے منافی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کو اکثر دائیں جانب سے پھرتے دیکھا تھا۔ ان دونوں میں تطبیق کی یہ صورت ہے کہ جو شخص دائیں جانب پھرنے کو لازم قرار دے لے اس پر اعتراض کرتے تھے۔ اگر کسی کے نزدیک دونوں طرف سے پھرنا برابر ہے تو اس کے لیے دائیں جانب بہتر ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو ہر کام میں دائیں جانب پسند ہوتی تھی۔[3]

٨٥٢ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنِ الْأَسْوَدِ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ: لَا يَجْعَلْ أَحَدُكُمْ لِلشَّيْطَانِ شَيْئًا مِّنْ صَلَاتِهِ يَرٰى أَنَّ حَقًّا عَلَيْهِ أَنْ

[852] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز میں شیطان کا حصہ نہ بنائے، وہ اس طرح کہ نماز کے بعد دائیں جانب سے پھرنے کو ضروری خیال کرے۔ یقیناً میں نے نبی ﷺ

1 مسند أحمد: 424/3. 2 فتح الباري: 436/2. 3 فتح الباري: 436/2.

لَا يَنْصَرِفُ إِلَّا عَنْ يَمِينِهِ، لَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ كَثِيرًا يَنْصَرِفُ عَنْ يَسَارِهِ. کو اکثر اپنی بائیں جانب سے بھی پھرتے دیکھا ہے۔

فوائد و مسائل: ① شریعت نے اگر کسی کام کے متعلق دو حیثیت سے وسعت دی ہو تو کسی ایک پر جمود یا انحصار کرنا درست نہیں، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض اوقات ترک مستحب پر تنبیہ بھی کی جاسکتی ہے۔ ابن منیر نے کہا ہے کہ مستحب مکروہ کے دائرے میں شامل ہو جاتا ہے جبکہ اسے اس کے مرتبے سے اونچا کر دیا جائے کیونکہ دائیں جانب تمام کاموں میں مستحب ہے لیکن جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو خطرہ محسوس ہوا کہ لوگ اسے اپنے آپ پر واجب قرار دے لیں گے تو اس کے مکروہ ہونے کی طرف اشارہ فرمایا۔ جب مباح کام کو لازم قرار دینے سے شیطان کا حصہ سمجھا جائے تو جو کام ناجائز یا بدعت ہے اسے اگر کوئی لازم قرار دے لے اور اس کے نہ کرنے پر دوسروں کو ملامت کرے تو ایسے انسان پر تو شیطان پوری طرح مسلط ہو جاتا ہے۔[1] ہمارے اس دور میں یہ وبا بہت عام ہے کہ بدعات و رسومات، مثلاً: قل خوانی، فاتحہ، چہلم اور برسی وغیرہ کو عام و خاص نے اپنے آپ پر لازم قرار دے لیا ہے اور نہ کرنے والوں کو لعن و طعن کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ والله المستعان. ② حضرت انس رضی اللہ عنہ کے کہنے کے مطابق نماز سے فراغت کے بعد اکثر طور پر رسول اللہ ﷺ دائیں جانب مڑتے تھے جبکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اکثر بائیں جانب مڑتے دیکھا ہے۔ ان دونوں حضرات کے بیان میں بظاہر تضاد ہے۔ تطبیق کی حسب ذیل دو صورتیں ہیں: * حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو مسجد میں نماز پڑھنے پر محمول کیا جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے گھر مسجد کی بائیں جانب تھے جبکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بیان کو اس کے علاوہ سفر وغیرہ پر محمول کیا جائے۔ * بحالت نماز اگر پھرنے کی ضرورت ہوتی تو اکثر اوقات بائیں جانب سے پھرتے جیسا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا ہے۔ اگر مقتدی حضرات کی طرف منہ کرنا ہوتا تو نماز کے بعد دائیں جانب سے ان کی طرف پھرتے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا ہے۔ اس بنا پر انصراف کسی معین جہت کے ساتھ خاص نہ تھا۔[2] والله أعلم.

(١٦٠) بَابُ مَا جَاءَ فِي الثُّومِ النِّيءِ وَالْبَصَلِ وَالْكُرَّاثِ

باب: 160- ان روایات کا بیان جو کچے لہسن، پیاز اور گندنے کے متعلق وارد ہیں

وَقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «مَنْ أَكَلَ الثُّومَ أَوِ الْبَصَلَ مِنَ الْجُوعِ أَوْ غَيْرِهِ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا».

نبی ﷺ کا فرمان ہے: ”جس نے بھوک یا اس کے علاوہ کسی اور وجہ سے لہسن یا پیاز استعمال کیا وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے۔“

وضاحت: یہ روایت بالمعنی ہے کیونکہ ”بھوک یا اس کے علاوہ کسی وجہ سے“ کے الفاظ فرمودۂ نبوی نہیں ہیں بلکہ یہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی فقاہت کے پیش نظر استنباط کے طور پر ذکر کیے ہیں۔ یہ عنوان اور اس کے بعد آنے والے عنوانات احکام

1 فتح الباري: 437/2. 2 فتح الباري: 437/2.

مساجد سے متعلق ہیں، اس سے پہلے طریقۂ نماز کا بیان تھا۔ امام بخاری ؒ نے کتاب الاذان میں اذان واقامت، امامت و صف بندی، نماز باجماعت، پھر طریقۂ نماز بیان کیا ہے۔ ان کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے۔ اس ترتیب سے نماز باجماعت میں حاضر ہونے کی فضیلت کا پتہ چلتا ہے، اس لیے مناسب تھا کہ ان عوارض کو بیان کیا جائے جو نماز باجماعت کے لیے رکاوٹ کا باعث ہیں، جیسے لہسن یا پیاز کا استعمال۔ اور جن پر نماز فرض نہیں ہے، جیسے بچے وغیرہ، نیز جن کے لیے بعض اوقات جماعت میں شامل ہونا مستحب ہے جبکہ بعض اوقات کسی وجہ سے مسجد میں حاضر نہیں ہو سکتے، جیسے خواتین وغیرہ۔ اس بنا پر امام بخاری ؒ نے انھیں بیان کر کے طریقۂ نماز کے باب کو ختم کیا ہے۔[1]

٨٥٣ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ فِي غَزْوَةِ خَيْبَرَ: «مَنْ أَكَلَ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ - يَعْنِي الثُّومَ - فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا». [انظر: ٤٢١٥، ٤٢١٧، ٤٢١٨، ٥٥٢١، ٥٥٢٢]

[853] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے غزوۂ خیبر کے موقع پر فرمایا تھا: ''جو شخص اس پودے، یعنی لہسن کو کھائے اسے ہماری مسجد میں ہرگز نہیں آنا چاہیے۔''

فوائد و مسائل: ① بعض حضرات کے خیال کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ خیبر کے لیے جاتے یا واپسی کے وقت لہسن کھانے کے متعلق مذکورہ حکم امتناعی جاری فرمایا۔ انھوں نے یہ سمجھا کہ حدیث میں مسجد سے مراد مسجد نبوی ہے، حالانکہ صحیح مسلم میں حضرت ابوسعید ؓ سے مروی ایک حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح خیبر کے بعد یہ ہدایت جاری فرمائی تھی، اس بنا پر مسجد سے مراد مسجد نبوی نہیں بلکہ وہ جگہ ہے جو خیبر میں نماز ادا کرنے کے لیے تیار کی گئی تھی یا اس سے مراد جنس ہے کہ ایسا انسان مسلمانوں کی مساجد میں نہ آئے، چنانچہ مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ ابن جریج نے اپنے شیخ عطاء سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا مذکورہ حکم امتناعی مسجد حرام کے ساتھ خاص ہے یا تمام مساجد اس میں شامل ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ یہ حکم تمام مساجد کے لیے ہے۔[2] ② کسی بھی بدبودار چیز کو مسجد میں لے جانا اور اسے کھانے کے بعد مسجد میں آنا سخت منع ہے کیونکہ لوگوں کو اس سے تکلیف ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ویسے بھی مسجد ایک پاک جگہ ہوتی ہے جہاں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے، لہٰذا کسی صورت میں اس کے تقدس کو مجروح نہیں کرنا چاہیے۔ کچا لہسن، پیاز، مولی، سگریٹ اور بیڑی وغیرہ کا ایک ہی حکم ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ لہسن، پیاز اور مولی وغیرہ کو پکا کر استعمال کیا جاسکتا ہے کیونکہ ایسا کرنے سے ان کی بو دور ہو جاتی ہے لیکن تمباکو نوشی اور بیڑی وغیرہ کسی صورت میں جائز نہیں ہے۔ دیار عرب کے علماء نے اس کی حرمت کا فتویٰ دیا ہے۔

٨٥٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ:

[854] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اس پودے،

1 فتح الباري: 438/2. 2 المصنف لعبد الرزاق: 445،444/1.

أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَنْ أَكَلَ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ - يُرِيدُ الثُّومَ - فَلَا يَغْشَانَا فِي مَسْجِدِنَا». قُلْتُ: مَا يَعْنِي بِهِ؟ قَالَ: مَا أُرَاهُ يَعْنِي إِلَّا نِيئَهُ. وَقَالَ مَخْلَدُ بْنُ يَزِيدَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ: إِلَّا نَتْنَهُ. [انظر: ٨٥٥، ٥٤٥٢، ٧٣٥٩]

یعنی لہسن سے کچھ کھائے وہ ہماری مسجد میں ہمارے پاس نہ آئے۔" راوی کہتا ہے، میں نے کہا کہ اس سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ کچا لہسن مراد ہے۔ اور مخلد بن یزید نے ابن جریج سے بیان کیا کہ اس سے اس کی بو مراد ہے۔

فوائد ومسائل: ① لہسن کے ساتھ کچے کی قید ہے، اسی طرح پیاز اور مولی وغیرہ کھا کر مساجد اور دینی اجتماعات میں جانا شریعت میں ناپسندیدہ ہے کیونکہ اس سے انسانوں اور فرشتوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ دیگر احادیث میں ہے کہ ایسے شخص کو مسجد سے نکال کر بقیع کی طرف دھکیل دیا جاتا تھا، نیز اذکار اور تلاوت قرآن کے وقت بھی منہ سے گندی بو نہیں آنی چاہیے۔ ② جمہور کے نزدیک ایسی چیزوں کا کھانا تو حلال ہے لیکن نماز وغیرہ کے وقت ایسی چیزوں سے احتراز ضروری ہے تاکہ دوسرے لوگ اس سے تکلیف محسوس نہ کریں۔ والله أعلم.

٨٥٥ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: زَعَمَ عَطَاءٌ أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ زَعَمَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «مَنْ أَكَلَ ثُومًا أَوْ بَصَلًا فَلْيَعْتَزِلْنَا، أَوْ فَلْيَعْتَزِلْ مَسْجِدَنَا أَوْ لِيَقْعُدْ فِي بَيْتِهِ»، وَأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أُتِيَ بِقِدْرٍ فِيهِ خَضِرَاتٌ مِّنْ بُقُولٍ فَوَجَدَ لَهَا رِيحًا فَسَأَلَ فَأُخْبِرَ بِمَا فِيهَا مِنَ الْبُقُولِ فَقَالَ: «قَرِّبُوهَا»، إِلٰى بَعْضِ أَصْحَابِهِ كَانَ مَعَهُ، فَلَمَّا رَآهُ كَرِهَ أَكْلَهَا قَالَ: «كُلْ فَإِنِّي أُنَاجِي مَنْ لَّا تُنَاجِي». [راجع: ٨٥٤]

[855] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "جو شخص لہسن یا پیاز کھائے وہ ہم سے علیحدہ رہے یا فرمایا کہ ہماری مسجد سے الگ تھلگ رہے یا (فرمایا کہ) اسے چاہیے کہ اپنے گھر میں بیٹھا رہے۔" ایک مرتبہ نبی ﷺ کے پاس ہنڈیا لائی گئی جس میں سبز ترکاریاں تھیں۔ آپ نے اس میں کچھ ناگوار بو پائی تو دریافت فرمایا: "کہ اس میں کیا ہے؟" چنانچہ آپ کو ان ترکاریوں کے متعلق بتایا گیا تو آپ نے فرمایا: "اسے میرے کسی ساتھی کے قریب کردو۔" جب آپ نے دیکھا کہ وہ بھی اسے ناپسند کرتا ہے تو آپ نے فرمایا: "تم کھاؤ کیونکہ میں تو اس ذات سے مناجات کرتا ہوں جس سے تم نہیں کرتے ہو۔"

وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ وَهْبٍ أُتِيَ بِبَدْرٍ. قَالَ ابْنُ وَهْبٍ: يَعْنِي طَبَقًا فِيهِ خَضِرَاتٌ. وَلَمْ يَذْكُرِ اللَّيْثُ وَأَبُو صَفْوَانَ عَنْ يُونُسَ قِصَّةَ الْقِدْرِ، فَلَا أَدْرِي هُوَ مِنْ قَوْلِ الزُّهْرِيِّ أَوْ فِي

احمد بن صالح نے ابن وہب سے یوں نقل کیا ہے کہ آپ کے سامنے بدر، یعنی طباق لایا گیا جس میں ترکاریاں تھیں۔ لیث اور ابوصفوان نے اپنے شیخ یونس سے ہنڈیا کا قصہ بیان نہیں کیا، اس لیے امام بخاری ؒ کہتے ہیں کہ

الحَدِيث۔ مجھے معلوم نہیں کہ مذکورہ الفاظ زہری کا کلام ہے یا حدیث کا حصہ ہیں۔

فوائد و مسائل: ① مذکورہ حدیث دو حصوں پر مشتمل ہے: پہلا تو وہی ہے جسے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے غزوۂ خیبر کے حوالے سے بیان کیا ہے اور دوسرا حصہ جس کے متعلق امام بخاری رحمہ اللہ کو تردد ہے کہ یہ موصول ہے یا مرسل، جس میں ہنڈیا کا ذکر ہے۔ گویا یہ دو احادیث ہیں۔ پہلی حدیث اور دوسری حدیث کے درمیان تقریباً سات سال کا وقفہ ہے کیونکہ غزوۂ خیبر سات ہجری کو ہوا تھا اور دوسرا ہنڈیا کا واقعہ ہجرت کے پہلے سال پیش آیا جس کی تفصیل صحیح مسلم میں بیان ہوئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے گھر قیام فرمایا اور حضرت ابوایوب آپ ﷺ کے کھانے وغیرہ کا بندوبست کرتے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ کھانے سے فارغ ہوتے اور بقیہ کھانا واپس بھیجتے تو ابوایوب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی انگلیوں کے نشانات تلاش کر کے وہاں سے کھانا کھاتے۔ ایک دفعہ انھوں نے کھانے میں رسول اللہ ﷺ کی انگلیوں کے نشانات نہ دیکھے تو پتہ چلا کہ آپ نے کھانا نہیں کھایا ہے کیونکہ اس میں لہسن ڈالا گیا تھا۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یہ حرام ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ حرام تو نہیں لیکن میں اسے ناپسند کرتا ہوں کیونکہ اس طرح کی چیزیں فرشتوں سے مناجات میں رکاوٹ کا باعث ہیں۔ اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے جن سے مناجات کا ذکر کیا ہے اس سے مراد فرشتے ہیں جیسا کہ صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان میں اس کی صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہ کھانا تم خود تناول کرو کیونکہ میں تمھاری طرح نہیں ہوں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں یہ کھانا تناول کرنے سے میرے ساتھیوں (فرشتوں) کو تکلیف ہو۔[1] ② امام بخاری رحمہ اللہ کے شیخ سعید بن عفیر نے ہنڈیا کا لفظ بیان کیا ہے جبکہ آپ کے دوسرے شیخ احمد بن صالح نے لفظ بدر روایت کیا ہے جس کے معنی طباق ہیں جو امام بخاری رحمہ اللہ نے خود بیان کیا ہے۔[2] وہاں بھی امام بخاری رحمہ اللہ نے اس تردد کا اظہار کیا ہے لیکن لیث اور ابوصفوان نے سرے سے اس حدیث (جس میں ہنڈیا کا ذکر ہے) ہی کو بیان نہیں کیا۔ لیث کی روایت کو امام ذہلی نے زہریات میں بیان کیا ہے جبکہ ابوصفوان کی روایت خود امام بخاری رحمہ اللہ نے متصل سند سے روایت کی ہے۔[3] امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس تردد کے متعلق فرمایا ہے کہ متصل حدیث میں اگر کسی لفظ کے مدرج ہونے کی صراحت ہو تو اسے مرسل کا نام دیا جا سکتا ہے بصورت دیگر ہم پوری روایت کو متصل ہی کا درجہ دیں گے۔[4] واللہ أعلم۔ ③ لفظ قِدر سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانے میں جو لہسن ڈالا گیا تھا اسے پکایا گیا تھا لیکن اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے اسے تناول نہیں فرمایا اور نہ کھانے کی وجہ بھی بیان کی۔ دراصل لہسن کو جتنا بھی پکا لیا جائے اس میں ناگواری ہوا رہتی ہے، تاہم امت کو پکا کر استعمال کرنے کی اجازت ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ پکا ہوا ہونے کے باوجود اس سے پرہیز کرتے تھے جیسا کہ اس حدیث پر امام ابن خزیمہ نے بایں الفاظ عنوان قائم کیا ہے: ''رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت تھی کہ آپ پکا ہوا لہسن بھی استعمال نہیں کرتے تھے۔'' امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ لہسن کو اس قدر نہیں پکایا گیا تھا کہ اس سے ناگواری ہوا ختم ہو گئی ہو، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اسے واپس کر دیا۔[5]

---

1 صحیح ابن خزیمة:3/81، وصحیح ابن حبان:2524,525. 2 صحیح البخاري، الاعتصام بالکتاب والسنة، حدیث: 7359. 3 صحیح البخاري، الأطعمة، حدیث: 5452. 4 فتح الباري:2/442. 5 فتح الباري:2/442.

٨٥٦ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَارِثِ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ قَالَ: سَأَلَ رَجُلٌ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، مَا سَمِعْتَ نَبِيَّ اللهِ ﷺ يَذْكُرُ فِي الثُّومِ؟ فَقَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَنْ أَكَلَ مِنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ فَلَا يَقْرَبَنَا وَلَا يُصَلِّيَنَّ مَعَنَا».

[انظر: ٥٤٥١]

[856] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ان سے کسی آدمی نے سوال کیا کہ آپ نے نبی ﷺ سے اس لہسن کے متعلق کیا سنا ہے؟ انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "جو شخص اس پودے سے کچھ کھائے وہ نہ تو ہمارے پاس آئے اور نہ ہمارے ساتھ نماز ہی پڑھے۔"

فوائد و مسائل: ① بعض حضرات نے اس حدیث سے یہ مسئلہ کشید کیا ہے کہ نماز باجماعت ادا کرنا فرض نہیں کیونکہ کچا لہسن کھا کر مسجد میں آنے سے روک دیا گیا ہے جبکہ نماز باجماعت کا اہتمام مسجد ہی میں ہوتا ہے۔ یہ استدلال محل نظر ہے کیونکہ ناگوار بو پر مشتمل اشیاء کو استعمال کرنا نماز باجماعت فرض ہونے کے منافی نہیں جیسا کہ کھانا اگر سامنے آجائے تو جماعت چھوڑ دینے کی اجازت ہے۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو سہولت دی ہے کہ اس طرح کی مباح چیزوں کی وجہ سے جماعت کو چھوڑا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی نماز باجماعت چھوڑنے کے لیے ایسی چیزوں کو بطور حیلہ استعمال کرتا ہے تو یقیناً اس کے لیے یہ چیزیں استعمال کرنی ناجائز اور حرام ہیں جیسا کہ ابن دقیق العید نے اس موقف کا اظہار کیا ہے کہ نماز باجماعت فرض ہے لیکن بہرحال عذر کی وجہ سے اسے ترک کیا جا سکتا ہے۔[1] ② امام ابن خزیمہ نے ایک حدیث سے اس کی حد مقرر کی ہے کہ جو آدمی لہسن یا پیاز استعمال کرے اسے تین دن تک مسجد کے قریب نہیں آنا چاہیے اور اس پر باقاعدہ عنوان قائم کیا ہے لیکن یہ استنباط صحیح نہیں کیونکہ عدد کا تعلق قریب کے جانے قول سے ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ کہا تھا۔ حدیث کے ظاہر سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ منع کی علت ناگواری بو پایا جانا ہے اور وہ تین دن تک منہ میں نہیں رہتی۔[2]

(١٦١) بَابُ وُضُوءِ الصِّبْيَانِ، وَمَتَى يَجِبُ عَلَيْهِمُ الْغُسْلُ وَالطُّهُورُ، وَحُضُورِهِمُ الْجَمَاعَةَ وَالْعِيدَيْنِ وَالْجَنَائِزَ، وَصُفُوفِهِمْ؟

باب: 161- کمسن بچوں کا وضو کرنا، نیز ان پر غسل اور وضو کب واجب ہوتا ہے؟ اس کے علاوہ ان کی جماعت، عیدین، جنائز میں شمولیت اور ان کی صف بندی کس طرح ہو؟

وضاحت: حدیث میں بچے کے متعلق ہے کہ وہ مرفوع القلم ہے لیکن اگر وہ بلوغت سے پہلے نماز پڑھے تو کیا قابل اعتنا ہے یا نہیں؟ جمہور کے نزدیک اگر بچہ صاحب تمیز ہے تو اس کی طرف سے احکام کی بجا آوری کا اعتبار ہوگا لیکن کفر و الحاد کی وجہ سے اسے سزا نہیں دی جائے گی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں اسی مسئلے کو بیان کیا ہے کہ اس کی دو حالتیں ہیں: ایک اس کی عبادت کا معتبر ہونا، دوسری اس پر اسے ثواب کا ملنا۔ ان سب چیزوں کا اعتبار ہوگا لیکن اگر وہ انھیں ترک کرے گا تو عقاب و سزا کا حق دار

1 فتح الباري: 443/3. 2 فتح الباري: 444/2.

نہیں ہوگا۔

٨٥٧ - حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنَّى قَالَ: حَدَّثَنِي غُنْدَرٌ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: سَمِعْتُ سُلَيْمَانَ الشَّيْبَانِيَّ قَالَ: سَمِعْتُ الشَّعْبِيَّ قَالَ: أَخْبَرَنِي مَنْ مَرَّ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ عَلَى قَبْرٍ مَنْبُوذٍ فَأَمَّهُمْ وَصَفُّوا عَلَيْهِ فَقُلْتُ: يَا أَبَا عَمْرٍو مَنْ حَدَّثَكَ؟ فَقَالَ: ابْنُ عَبَّاسٍ. [انظر: ١٢٤٧، ١٣١٩، ١٣٢١، ١٣٢٢، ١٣٢٦، ١٣٣٦، ١٣٤٠]

[857] حضرت شعبی سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ مجھے اس شخص نے خبر دی جو نبی ﷺ کی معیت میں ایک ایسی قبر سے گزرے جو دوسری قبروں سے الگ تھلگ تھی، رسول اللہ ﷺ نے ان کی امامت کرائی اور انھوں نے صف بندی کی۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے ابو عمرو سے سوال کیا کہ تجھے کس نے بیان کیا تھا؟ انھوں نے جواب دیا: مجھے حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے خبر دی تھی۔

٨٥٨ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: حَدَّثَنِي صَفْوَانُ بْنُ سُلَيْمٍ عَنْ عَطَاءِ ابْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «الْغُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ». [انظر: ٨٧٩، ٨٨٠، ٨٩٥، ٢٦٦٥]

[858] حضرت ابو سعید خدری ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "جمعے کے دن غسل کرنا ہر بالغ کے لیے ضروری ہے۔"

٨٥٩ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو قَالَ: أَخْبَرَنِي كُرَيْبٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: بِتُّ عِنْدَ خَالَتِي مَيْمُونَةَ لَيْلَةً فَنَامَ النَّبِيُّ ﷺ، فَلَمَّا كَانَ فِي بَعْضِ اللَّيْلِ قَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَتَوَضَّأَ مِنْ شَنٍّ مُعَلَّقٍ وُضُوءًا خَفِيفًا، يُخَفِّفُهُ عَمْرٌو وَيُقَلِّلُهُ جِدًّا، ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي فَقُمْتُ فَتَوَضَّأْتُ نَحْوًا مِمَّا تَوَضَّأَ، ثُمَّ جِئْتُ فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ فَحَوَّلَنِي فَجَعَلَنِي عَنْ يَمِينِهِ، ثُمَّ صَلَّى مَا شَاءَ اللهُ، ثُمَّ اضْطَجَعَ فَنَامَ حَتَّى نَفَخَ، فَأَتَاهُ الْمُنَادِي يُؤْذِنُهُ بِالصَّلَاةِ، فَقَامَ مَعَهُ إِلَى الصَّلَاةِ فَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ، قُلْنَا لِعَمْرٍو: إِنَّ نَاسًا يَقُولُونَ إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ تَنَامُ عَيْنُهُ وَلَا يَنَامُ قَلْبُهُ، قَالَ عَمْرٌو:

[859] حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہ ؓ کے پاس ایک رات گزاری، نبی ﷺ نے بھی ان کے ہاں قیام فرمایا۔ جب رات کا کچھ حصہ گزر گیا تو رسول اللہ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک لٹکتے ہوئے پرانے مشکیزے سے ہلکا سا وضو کیا۔ ... راوی حدیث حضرت عمرو اسے بہت ہلکا اور خفیف سا بیان کرتے تھے۔ پھر آپ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ اس دوران میں میں بھی اٹھا اور آپ کے وضو جیسا وضو کیا، پھر آ کر آپ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنے پیچھے سے پھیر کر اپنی دائیں جانب کھڑا کر لیا، پھر جس قدر اللہ کو منظور تھا آپ نے نماز پڑھی۔ اس کے بعد آپ لیٹ گئے اور نیند میں خراٹے بھرنے لگے۔ اتنے میں مؤذن آیا اور اس نے آپ کو نماز کی اطلاع دی تو

سَمِعْتُ عُبَيْدَ بْنَ عُمَيْرٍ يَقُولُ: إِنَّ رُؤْيَا الأَنْبِيَاءِ وَحْيٌ ثُمَّ قَرَأَ: ﴿إِنِّي أَرَى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ﴾ [الصافات: ١٠٢] [راجع: ١١٧]

آپ ﷺ اس کے ہمراہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے آپ نے نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔ ہم نے حضرت عمرو سے کہا کہ ہماری شنید کے مطابق نبی ﷺ کی آنکھ سوتی تھی لیکن دل بیدار رہتا تھا۔ عمرو نے کہا: میں نے (اپنے شیخ) عبید بن عمیر سے سنا وہ فرماتے تھے کہ حضرات انبیاء ﷩ کے خواب وحی ہوتے ہیں، پھر انھوں نے بطور تائید یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿إِنِّي أَرَى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ﴾ "(بیٹے!) میں خواب میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔"

٨٦٠ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ جَدَّتَهُ مُلَيْكَةَ دَعَتْ رَسُولَ اللهِ ﷺ لِطَعَامٍ صَنَعَتْهُ فَأَكَلَ مِنْهُ فَقَالَ: «قُومُوا فَلأُصَلِّيَ بِكُمْ». فَقُمْتُ إِلَى حَصِيرٍ لَنَا قَدِ اسْوَدَّ مِنْ طُولِ مَا لُبِسَ فَنَضَحْتُهُ بِمَاءٍ، فَقَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَالْيَتِيمُ مَعِي وَالْعَجُوزُ مِنْ وَرَائِنَا فَصَلَّى بِنَا رَكْعَتَيْنِ. [راجع: ٣٨٠]

[860] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ ان کی دادی حضرت ملیکہ ؓ نے ایک وقعہ رسول اللہ ﷺ کو کھانے کے لیے بلایا جو انھوں نے آپ کے لیے تیار کیا تھا۔ جب آپ کھانے سے فارغ ہو گئے تو فرمایا: "اٹھو میں تمھیں نماز پڑھاؤں۔" چنانچہ میں ایک چٹائی لینے کے لیے اٹھا جو دیر تک پڑی رہنے کی وجہ سے سیاہ ہو چکی تھی۔ میں نے اس پر پانی چھڑکا تو رسول اللہ ﷺ اس پر نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔ یتیم بچہ میرے ساتھ اور بڑھیا ہمارے پیچھے تھی۔ آپ نے ہمیں دو رکعت پڑھائیں۔

٨٦١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ قَالَ: أَقْبَلْتُ رَاكِبًا عَلَى حِمَارٍ أَتَانٍ وَأَنَا يَوْمَئِذٍ قَدْ نَاهَزْتُ الاحْتِلَامَ وَرَسُولُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي بِالنَّاسِ بِمِنًى إِلَى غَيْرِ جِدَارٍ، فَمَرَرْتُ بَيْنَ يَدَيْ بَعْضِ الصَّفِّ فَنَزَلْتُ وَأَرْسَلْتُ الأَتَانَ تَرْتَعُ وَدَخَلْتُ فِي الصَّفِّ فَلَمْ يُنْكِرْ ذَلِكَ عَلَيَّ أَحَدٌ. [راجع: ٧٦]

[861] حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں گدھی پر سوار ہو کر آیا جبکہ میں اس وقت قریب البلوغ تھا اور رسول اللہ ﷺ منیٰ میں دیوار کے علاوہ (کسی چیز کی طرف منہ کر کے) لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے۔ میں صف کے ایک حصے سے گزر کر خود صف میں شامل ہو گیا اور گدھی کو چرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ اس ساری کارروائی کے متعلق مجھ پر کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔

٨٦٢ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ

[862] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے

عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ: أَعْتَمَ النَّبِيُّ ﷺ، وَقَالَ عَيَّاشٌ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى قَالَ: حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: أَعْتَمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي الْعِشَاءِ حَتَّى نَادَى عُمَرُ: قَدْ نَامَ النِّسَاءُ وَالصِّبْيَانُ، فَخَرَجَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «إِنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ يُصَلِّي هٰذِهِ الصَّلَاةَ غَيْرُكُمْ» وَلَمْ يَكُنْ أَحَدٌ يَوْمَئِذٍ يُصَلِّي غَيْرَ أَهْلِ الْمَدِينَةِ. [راجع: ٥٦٦]

فرمایا کہ نبی ﷺ نے ایک رات نماز عشاء میں دیر کردی یہاں تک حضرت عمر ؓ نے آپ کو باآواز بلند کہا: عورتیں اور بچے سو گئے ہیں۔ (حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ) پھر رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اور فرمایا: ”روئے زمین پر تمھارے علاوہ اور کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو اس وقت نماز پڑھ رہا ہو۔“ ان دنوں اہل مدینہ کے علاوہ اور کوئی یہ نماز نہیں پڑھتا تھا۔

٨٦٣ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَابِسٍ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ لَهُ رَجُلٌ: شَهِدْتَ الْخُرُوجَ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ؟ قَالَ: نَعَمْ، وَلَوْلَا مَكَانِي مِنْهُ مَا شَهِدْتُهُ - يَعْنِي مِنْ صِغَرِهِ - أَتَى الْعَلَمَ الَّذِي عِنْدَ دَارِ كَثِيرِ بْنِ الصَّلْتِ، ثُمَّ خَطَبَ، ثُمَّ أَتَى النِّسَاءَ فَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ أَنْ يَتَصَدَّقْنَ، فَجَعَلَتِ الْمَرْأَةُ تُهْوِي بِيَدِهَا إِلَى حَلْقِهَا، تُلْقِي فِي ثَوْبِ بِلَالٍ، ثُمَّ أَتَى هُوَ وَبِلَالٌ الْبَيْتَ. [راجع: ٩٨]

[863] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ ان سے کسی آدمی نے دریافت کیا: آیا رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ آپ کو عید کی جانے کا اتفاق ہوا ہے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں، اور اگر میرا مرتبہ اور مقام رسول اللہ ﷺ کے ہاں اتنا نہ ہوتا تو میں چھوٹا ہونے کی وجہ سے آپ کے ساتھ حاضر نہیں ہوسکتا تھا۔ آپ پہلے اس نشان کے پاس آئے جو کثیر بن صلت کے مکان کے قریب ہے، وہاں آپ نے خطبہ دیا، پھر عورتوں کے پاس تشریف لائے، انھیں وعظ و نصیحت کی اور صدقہ و خیرات کرنے کا حکم دیا، چنانچہ کوئی عورت (اپنی بالی کوئی انگوٹھی اور کوئی) اپنے زیور کی طرف ہاتھ بڑھا کر اسے اتار کر حضرت بلال ؓ کی چادر میں ڈالنے لگی۔ اس کے بعد آپ حضرت بلال ؓ کے ہمراہ اپنے گھر لوٹ آئے۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ عنوان بندی کے سلسلے میں بہت محتاط رویہ اختیار کرتے ہیں، چنانچہ آپ نے بچوں کے وضو کے متعلق وثوق اور جزم کے ساتھ کوئی فیصلہ نہیں کیا، صرف اس کی مشروعیت بیان کی ہے کیونکہ اگر اسے ترکیب کا درجہ دیتے تو اس کا تقاضا تھا کہ بچوں کی وضو کے بغیر بھی نماز صحیح ہو جائے اور اگر اس کے واجب ہونے کا فیصلہ کرتے تو ضروری تھا کہ بچے کو اس کے ترک پر سزا دی جاتی کیونکہ واجب کا تارک سزا کا حق دار ہوتا ہے، اس لیے امام بخاری نے ایک ایسا عنوان تجویز کیا جو اس قسم کے اعتراضات سے محفوظ ہے۔ پھر آپ نے بچوں کے متعلق غسل وغیرہ کا ذکر نہیں کیا کیونکہ ان کے لیے کوئی موجب غسل

نہیں۔[1] ﴿ مذکورہ عنوان کئی ایک اجزاء پر مشتمل ہے: پہلا جز بچوں کے لیے وضو کی مشروعیت ہے۔ دوسرا جز یہ ہے کہ ان پر غسل اور وضو کب واجب ہوتا ہے۔ تیسرا جز بچوں کے لیے نماز باجماعت، عیدین اور جنازوں میں شرکت کرنے سے متعلق ہے اور چوتھا جز ان کی صف بندی سے متعلق ہے۔ اس سلسلے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے سات احادیث ذکر کی ہیں: پہلی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے جس میں قبر پر نماز پڑھنے کا ذکر ہے۔ یہ حدیث لانے کا مقصد یہ ہے کہ بچوں کی نماز میں شرکت کو ثابت کیا جائے اور صف بندی کو بیان کیا جائے، چنانچہ اس حدیث میں صراحت کے ساتھ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نابالغ ہونے کے باوجود نماز میں شرکت کی اور صف بندی میں حصہ لیا۔ دوسری حدیث حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس سے ثابت کیا ہے کہ غسل جمعہ بچوں پر واجب نہیں کیونکہ اس کے وجوب کے لیے بالغ ہونا شرط ہے۔ جمہور علماء کا یہی موقف ہے کہ غسل کے وجوب کے لیے بلوغت شرط ہے۔ تیسری حدیث بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جس میں وضاحت ہے کہ انھوں نے وضو کیا اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مل کر نماز ادا کی۔ اس سے ان کا وضو اور نماز ادا کرنا صحیح ثابت ہوا۔ چوتھی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ہے جس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک بچے کا صف بنانا اور نماز پڑھنا مذکور ہے۔ حدیث میں لفظ یتیم آیا ہے جس کا اطلاق قبل از بلوغ پر ہوتا ہے۔ پانچویں حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے جس میں نماز عشاء دیر سے پڑھنے کا ذکر ہے تا آنکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بآواز بلند کہا کہ اب تو بچے اور عورتیں سو چکے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں کے ساتھ بچے بھی نماز میں شرکت کے لیے موجود تھے۔ چھٹی حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے جس میں ان کے صف میں شامل ہونے اور رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز ادا کرنے کا ذکر ہے۔ اس میں صراحت ہے کہ آپ اس وقت قریب البلوغ تھے۔ آخر میں امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ایک حدیث کا حوالہ دیا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نماز عید میں شرکت کی۔ اس طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے عنوان کے تمام اجزاء کو احادیث سے ثابت کیا ہے۔ واضح رہے کہ ان کی صف بندی سے مراد ان کا لوگوں کے ساتھ صف میں کھڑا ہونا ہے، اس سے بچوں کی خاص صف مراد نہیں ہے۔[2] ﴿ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ بچے جب سن شعور کو پہنچ جائیں تو وہ عیدین اور جنازوں میں شرکت کر سکتے ہیں اور انھیں وضو بھی کرنا ہوگا اگرچہ وہ ان احکام کے مکلف نہیں، تاہم انھیں عادت ڈالنے کے لیے ان باتوں پر صغر سنی میں عمل کرانا چاہیے۔

(١٦٢) بَابُ خُرُوجِ النِّسَاءِ إِلَى الْمَسَاجِدِ بِاللَّيْلِ وَالْغَلَسِ

باب: 162- رات اور اندھیرے میں مستورات کا مسجدوں کی طرف جانا

٨٦٤ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: أَعْتَمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِالْعَتَمَةِ حَتَّى نَادَاهُ عُمَرُ: نَامَ النِّسَاءُ

[864] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے نماز عشاء میں تاخیر کر دی یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بآواز بلند آپ کو پکارا کہ عورتیں اور بچے سو گئے ہیں۔ اس کے بعد نبی ﷺ

1. فتح الباري: 446/2. 2. فتح الباري: 447/2.

وَالصِّبْيَانُ، فَخَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: «مَا يَنْتَظِرُهَا أَحَدٌ غَيْرُكُمْ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ»، وَلَا يُصَلَّى يَوْمَئِذٍ إِلَّا بِالْمَدِينَةِ، وَكَانُوا يُصَلُّونَ الْعَتَمَةَ فِيمَا بَيْنَ أَنْ يَغِيبَ الشَّفَقُ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ الْأَوَّلِ. [راجع: ٥٦٦]

باہر تشریف لائے اور فرمایا: "اہل زمین میں سے تمہارے علاوہ کوئی بھی اس نماز کا منتظر نہیں ہے۔" ان دنوں مدینہ کے علاوہ کہیں نماز نہیں پڑھی جاتی تھی۔ اور لوگ سرخی غائب ہونے کے بعد رات کی پہلی تہائی تک عشاء کی نماز پڑھ لیتے تھے۔

٨٦٥ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنْ حَنْظَلَةَ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِذَا اسْتَأْذَنَكُمْ نِسَاؤُكُمْ بِاللَّيْلِ إِلَى الْمَسْجِدِ فَأْذَنُوا لَهُنَّ».

[865] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "اگر رات کے وقت تمہاری عورتیں مسجد میں جانے کی اجازت مانگیں تو انھیں اجازت دے دو۔"

تَابَعَهُ شُعْبَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [انظر: ٨٧٣، ٨٩٩، ٩٠٠، ٥٢٣٨]

اس کی متابعت شعبہ نے کی ہے، وہ اعمش سے بیان کرتے ہیں، انھوں نے مجاہد سے روایت کیا ہے، وہ ابن عمر سے وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ نے اس عنوان کے تحت پیش کردہ احادیث سے عورتوں کے لیے رات اور اندھیرے کے وقت مساجد میں جانے کا جواز بتایا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری ؒ اس جواز کو عدم فتنہ سے مقید کرتے ہیں کیونکہ رات کا وقت اور اندھیرا فتنوں سے محفوظ رہنے کا سبب ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مردوں کی طرف سے عورتوں کے لیے فتنے کا خوف ہو یا عورتوں کی طرف سے مردوں کے لیے ابتلا کا اندیشہ ہو تو عورتوں کو مساجد کا رخ نہیں کرنا چاہیے۔ امام بخاری ؒ نے اس سلسلے میں حضرت عائشہ ؓ سے مروی اپنی پہلی حدیث بیان کی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت عورتیں مسجد میں نماز عشاء پڑھنے کے لیے آتی تھیں، چنانچہ حضرت عمر ؓ نے بآواز بلند کہا تھا کہ عورتیں اور بچے سو گئے ہیں۔ دوسری حدیث میں بھی رات کی قید موجود ہے اور جن روایات میں رات کی قید نہیں ہے انھیں بھی اس پر محمول کیا جائے گا۔ حافظ ابن حجر ؒ لکھتے ہیں کہ رات کا وقت خصوصیت کے ساتھ اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ اس میں عورتوں کے لیے پردہ پوشی زیادہ ہوتی ہے۔ یہ بھی اس وقت ہے جب فتنہ و فساد کا اندیشہ نہ ہو۔[1] صحیح مسلم میں یہ اضافہ ہے کہ جب حضرت ابن عمر ؓ نے یہ حدیث بیان کی تو ان کے بیٹے واقد نے کہا کہ عورتیں اس اجازت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اسے اپنی مطلب برآری کا ذریعہ بنا لیں گی۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے اس کے سینے پر گھونسا مارا اور فرمایا کہ میں تجھے رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتا ہوں اور تو اس سے انکار کرتا ہے! بعض احادیث میں بیٹے کا نام بلال بتایا گیا ہے۔ صحیح مسلم میں اسی طرح کا بیان کردہ ایک اور واقعہ ہے جب حضرت ابن عمر ؓ نے یہ حدیث بیان کی کہ جب تمہاری عورتیں اجازت طلب کریں تو مسجد میں ان کے لیے خیر و برکت کا جو حصہ

---

[1] فتح الباري: 449,448/2.

رکھا ہے اسے مت روکو۔ ان کے بیٹے بلال نے کہا کہ ہم تو ضرور روکیں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ میں تو اپنی بیوی کو نہیں جانے دوں گا، اگر کوئی دوسرا انھیں کھلا چھوڑ دے تو اس کی مرضی۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اسے بہت برا بھلا کہا اور اس پر تین دفعہ لعنت کی بلکہ ایک روایت میں ہے کہ اس سے زندگی بھر گفتگو نہیں کی۔[1] ③ حدیث کے آخر میں امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک متابعت بیان کی ہے کہ حضرت شعبہ نے یہ حدیث بیان کرنے میں عبیداللہ بن موسیٰ شیخ بخاری کی متابعت کی ہے۔ اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں متصل سند سے بیان کیا ہے۔

باب: 163 - لوگوں کا نماز کے بعد امام کے اٹھنے کا انتظار کرنا	(١٦٣) [بَابُ انْتِظَارِ النَّاسِ قِيَامَ الْإِمَامِ الْعَالِمِ]

وضاحت: صحیح بخاری کے اکثر نسخوں میں یہ باب نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہما اللہ نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا، بلکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "تنبیہ" کے عنوان سے اس کی تردید کی ہے۔[2] اس کے باوجود ناشرین نے اس عنوان کو فتح الباری اور عمدۃ القاری میں لکھ دیا ہے، حالانکہ شرح میں اس کا کہیں ذکر نہیں۔ ہمارے نزدیک یہ باب در باب کی قبیل سے ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی یہ عادت ہے کہ ایک حدیث جس کا تعلق قائم کردہ عنوان سے ہوتا ہے اور اس میں کسی نئی بات کا ذکر ہوتا ہے، اس حدیث پر ایک نیا عنوان قائم کر کے اس کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں، پھر آگے جو احادیث بیان کرتے ہیں ان کا تعلق سابق عنوان سے ہوتا ہے۔ اس قسم کے عنوان کو ہنگامی طور پر درمیان میں ذکر کر دیتے ہیں۔

٨٦٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: حَدَّثَتْنِي هِنْدُ بِنْتُ الْحَارِثِ أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ أَخْبَرَتْهَا أَنَّ النِّسَاءَ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ كُنَّ إِذَا سَلَّمْنَ مِنَ الْمَكْتُوبَةِ قُمْنَ، وَثَبَتَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَمَنْ صَلَّى مِنَ الرِّجَالِ مَا شَاءَ اللهُ، فَإِذَا قَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَامَ الرِّجَالُ.

[866] نبی ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں خواتین فرض نماز سے سلام پھیرنے کے فوراً بعد اٹھ جاتی تھیں جبکہ رسول اللہ ﷺ اور مرد حضرات جس قدر اللہ کو منظور ہوتا نماز کے بعد اپنی جگہ پر بیٹھے رہتے۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ اٹھتے تو دوسرے مرد بھی کھڑے ہو جاتے۔

فوائد و مسائل: ① بنیادی طور پر اس حدیث کا تعلق عنوان سابق سے ہے کہ مستورات مسجد میں نماز کے لیے آسکتی ہیں۔ ② اس حدیث سے ایک نیا مسئلہ معلوم ہوا کہ ہنگامی حالات کے پیش نظر لوگوں کو چاہیے کہ وہ نماز سے فراغت کے بعد اپنے امام

1 صحيح مسلم، الصلاة، حديث: 888، 892، 994، 995 [442] و فتح الباري: 448/2. 2 عمدة القاري: 847/4.
2 فتح الباري: 452/2.

کے اٹھنے کا انتظار کریں، جب وہ اٹھے تو دوسرے لوگ بھی کھڑے ہو کر اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس پر متنبہ کرنے کے لیے ایک عنوان قائم کر دیا ہے۔

٨٦٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، ح: وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: إِنْ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَيُصَلِّي الصُّبْحَ فَيَنْصَرِفُ النِّسَاءُ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوطِهِنَّ مَا يُعْرَفْنَ مِنَ الْغَلَسِ. [راجع: ٣٧٢]

[867] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ جب نماز صبح سے فارغ ہوتے تو عورتیں اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی واپس ہوتی تھیں اور اندھیرے کی وجہ سے انھیں پہچانا نہیں جاتا تھا۔

٨٦٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مِسْكِينٍ قَالَ: حَدَّثَنَا بِشْرٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا الْأَوْزَاعِيُّ قَالَ: حَدَّثَنِي يَحْيَى ابْنُ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنِّي لَأَقُومُ إِلَى الصَّلَاةِ وَأَنَا أُرِيدُ أَنْ أُطَوِّلَ فِيهَا فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَأَتَجَوَّزُ فِي صَلَاتِي كَرَاهِيَةَ أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمِّهِ». [راجع: ٧٠٧]

[868] حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب میں نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہوں تو چاہتا ہوں کہ نماز کو لمبا کروں، پھر کسی بچے کے رونے کی وجہ سے اسے مختصر کر دیتا ہوں مبادا اس کی ماں کو مشقت میں مبتلا کر دوں۔“

٨٦٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: لَوْ أَدْرَكَ النَّبِيُّ ﷺ مَا أَحْدَثَ النِّسَاءُ لَمَنَعَهُنَّ الْمَسْجِدَ كَمَا مُنِعَتْ نِسَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ. قُلْتُ لِعَمْرَةَ: أَوَمُنِعْنَ؟ قَالَتْ: نَعَمْ.

[869] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: اگر نبی ﷺ کو ان حالات کا علم ہوتا جو عورتوں نے آج پیدا کر لیے ہیں تو یقیناً انھیں مسجد میں جانے سے منع کر دیتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو روک دیا گیا تھا۔ (یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ) میں نے حضرت عمرہ سے دریافت کیا: واقعی بنی اسرائیل کی عورتوں کو روک دیا گیا تھا؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں۔

فوائد و مسائل: ① ان احادیث کا باب سابق سے تعلق ہے جس میں بیان ہوا تھا کہ مستورات رات اور اندھیرے میں نماز کے لیے مسجد کا رخ کر سکتی ہیں، چنانچہ حدیث عائشہ میں ہے کہ صحابیات مبشرات نماز صبح مسجد نبوی میں ادا کرتی تھیں۔ نماز سے فراغت کے بعد منہ اندھیرے اپنے گھروں کو واپس ہو جاتی تھیں۔ اس حدیث میں ہے کہ وہ اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہ جاتی تھیں۔ اس سے مراد معرفت جنس نہیں ہے کہ مرد ہیں یا عورت کی معرفت نہ ہوتی تھی بلکہ معرفت شخص ہے، یعنی عائشہ کو خدیجہ

سے نہ پہچانا جاتا تھا جیسا کہ ایک روایت میں صراحت ہے کہ وہ ایک دوسرے سے پہچانی نہ جاتی تھیں۔[1] حدیث ابو قتادہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ عہد نبوی میں صحابیات بھی رسول اللہ ﷺ کی معیت میں نماز باجماعت ادا کرتی تھیں۔ جب کسی کا بچہ رونے لگتا تو رسول اللہ ﷺ نماز مختصر کر دیتے۔ حدیث میں صراحت ہے کہ قراءت میں تخفیف کر دیتے تاکہ ماں اپنے بچے کی وجہ سے پریشان نہ ہو۔ دوسری احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ ایسے حالات میں عورتوں پر پابندی تھی کہ خوشبو لگا کر، قیمتی کپڑے پہن کر اور آواز والے زیورات سے مسجد میں نہ آئیں بلکہ سادہ لباس میں اپنے گھروں سے نکلیں۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت دینے کے باوجود آپ نے انھیں ترغیب دی کہ ان کا گھر میں نماز پڑھنا بہتر ہے۔ ⑤ آخری حدیث عائشہ سے بعض حضرات نے یہ مسئلہ کشید کیا ہے کہ عورتیں مطلق طور پر مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے نہیں آسکتیں، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ان حضرات کا مذکورہ استنباط محل نظر ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول سے مساجد میں عورتوں کی حاضری کا حکم تبدیل نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے جس شرط کے ساتھ معلق کیا وہ نہیں پائی گئی۔ انھوں نے یہ کہا کہ اگر رسول اللہ ﷺ یہ حالات دیکھتے تو انھیں منع کر دیتے۔ اس پر کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے ان حالات کو نہ دیکھا اور نہ اس سے منع فرمایا، اس لیے حکم نبوی اپنی جگہ پر برقرار رہا۔ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی منع کی صراحت نہیں فرمائی اگرچہ ان کے کلام سے منع کا اشارہ نکلتا ہے۔ اس کے علاوہ قابل غور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تو ضرور معلوم تھا کہ آئندہ حالات میں عورتوں کے متعلق کیا کیا نئے امور پیدا ہوں گے لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو مساجد سے روکنے کے لیے کوئی وحی نازل نہیں فرمائی۔ اگر نئے حالات کی وجہ سے عورتوں کو منع کرنا لازم آتا تو مساجد کے علاوہ دوسرے مقامات بازار وغیرہ سے بھی انھیں ضرور منع کر دیا جاتا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ فیشن پرستی کی لپیٹ میں تمام عورتیں نہیں آتیں بلکہ کچھ عورتیں اس کا شکار ہوتی ہیں، لہٰذا تمام پر پابندی لگانا کوئی عقل مندی نہیں، اس لیے بہتر یہ ہے کہ ان امور کا سد باب کیا جائے جو منکرات و فواحش کا پیش خیمہ ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "عورتیں خوشبو لگا کر اور زیورات سے مزین ہو کر گھروں سے باہر نہ نکلیں بلکہ سادہ لباس پہن کر مساجد میں آئیں۔" رات کی پابندی کا ذکر بھی احادیث میں ملتا ہے۔[2] ان حقائق کے پیش نظر ہمارا موقف ہے کہ عورتیں شرعی قیود کا لحاظ کرتے ہوئے مسجد میں نماز ادا کر سکتی ہیں اگرچہ ان کا گھروں میں نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔ واللہ أعلم. ⑥ اس حدیث کے آخر میں بنی اسرائیل کی عورتوں پر بھی مساجد میں داخلے کے متعلق پابندی کا ذکر ہے۔ اس کی وضاحت ایک موقوف اثر میں اس طرح ہے کہ بنی اسرائیل کی عورتوں نے مردوں سے تاک جھانک کے لیے اپنی ٹانگوں سے لمبے لمبے بانس باندھ لیے تاکہ اونچی ہو کر مردوں کو دیکھ سکیں۔ اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے انھیں مساجد میں آنے سے روک دیا اور ان پر حیض مسلط کر دیا۔[3] لیکن یہ روایت مرفوع روایت کے مقابلے میں ناقابل التفات ہے جیسا کہ کتاب الحیض کے آغاز میں اپنے فوائد میں ہم اس کی وضاحت کر آئے ہیں۔ اس لیے اگر یہ بات صحیح ہے کہ بنو اسرائیل کی عورتوں کو مساجد میں آنے سے روک دیا گیا تھا کیونکہ یہ موقوف قول ہے، تو اس کی کیا وجہ تھی؟ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ کسی صحیح مرفوع روایت میں نہ روکے جانے والی بات بیان ہوئی

(1) صحیح البخاري، الأذان، حدیث: 872. (2) فتح الباري: 452/2. (3) المصنف لعبد الرزاق: 149/3، حدیث: 5114.

ہے اور نہ اس کی کوئی وجہ ہی ہے۔ واللہ أعلم

(١٦٤) بَابُ صَلَاةِ النِّسَاءِ خَلْفَ الرِّجَالِ

باب:164- عورتوں کا مردوں کے پیچھے نماز پڑھنا

٨٧٠ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ هِنْدٍ بِنْتِ الْحَارِثِ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا سَلَّمَ قَامَ النِّسَاءُ حِينَ يَقْضِي تَسْلِيمَهُ، وَيَمْكُثُ هُوَ فِي مَقَامِهِ يَسِيرًا قَبْلَ أَنْ يَقُومَ، قَالَ: نُرَى - وَاللهُ أَعْلَمُ - أَنَّ ذٰلِكَ كَانَ لِكَيْ يَنْصَرِفَ النِّسَاءُ قَبْلَ أَنْ يُدْرِكَهُنَّ أَحَدٌ مِّنَ الرِّجَالِ. [راجع: ٨٣٧]

[870] حضرت ام سلمہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ جب سلام پھیرتے تو خواتین آپ کے سلام پھیرتے ہی جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوتیں، جبکہ آپ ﷺ کھڑے ہونے سے قبل تھوڑی دیر اپنی جگہ ٹھہرے رہتے۔ امام زہری کہتے ہیں کہ ہمارے خیال کے مطابق آپ اس لیے ایسا کرتے تاکہ عورتیں مردوں سے پہلے چلے روانہ ہو جائیں۔ واللہ أعلم

فائدہ: اس حدیث کی عنوان سے مطابقت اس طرح ہے کہ اگر عورتیں مردوں کے آگے ہوتیں تو مردوں سے پہلے چلے جانے کی یہی صورت ہوتی تھی کہ وہ ان کی گردنوں کو پھلانگتی ہوئی مسجد سے نکلتیں، حالانکہ اس کی ممانعت ہے، اس لیے لازمی طور پر ان کی صفیں پیچھے ہوتی تھیں تاکہ اس تحکم اتخائی کا ارتکاب نہ ہو۔ علامہ عینی ؒ نے لکھا ہے کہ عنوان بالا سے مقصود یہ ہے کہ عورتوں کی صفیں مردوں سے پیچھے ہوں کیونکہ انھیں ستر کی ضرورت ہے اور مردوں کے پیچھے رہنے ہی میں ان کے لیے زیادہ ستر پوشی ہے۔[2]

٨٧١ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ فِي بَيْتِ أُمِّ سُلَيْمٍ فَقُمْتُ وَيَتِيمٌ خَلْفَهُ وَأُمُّ سُلَيْمٍ خَلْفَنَا. [راجع: ٣٨٠]

[871] حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک دن ام سلیم ؓ کے گھر میں نماز پڑھی تو میں اور ایک یتیم لڑکا آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے جبکہ ام سلیم ؓ نے ہمارے پیچھے صف بندی کی۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کا مقام مردوں سے پیچھے ہے لیکن یہ اس صورت میں ہے جب عورتوں کے لیے عہد رسالت کی طرح ایک ہی ہال میں انتظام ہو، لیکن جب عورتوں کے لیے مردوں سے الگ ہال ہو یا دوسری منزل کی گیلری میں انتظام ہو تو وہاں آگے پیچھے کا مسئلہ ختم ہو جاتا ہے کیونکہ وہاں کوئی بے پردگی نہیں ہوتی جس کی وجہ سے عورتوں کے لیے پچھلی صفوں میں انتظام کیا جاتا تھا۔ ② اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اکیلی عورت کی صف بھی مکمل شمار ہوتی ہے۔ اس کے

---

[1] فتح الباري: 2/483. [2] عمدة القاري: 4/651.

ساتھ کسی دوسری عورت کا کھڑا ہونا ضروری نکلا۔ واضح رہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھڑے ہونے والے یتیم لڑکے کا نام ضمیرہ ہے۔

(١٦٥) بَابُ سُرْعَةِ انْصِرَافِ النِّسَاءِ مِنَ الصُّبْحِ وَقِلَّةِ مَقَامِهِنَّ فِي الْمَسْجِدِ

باب: 165- صبح کی نماز کے وقت عورتوں کے جلدی واپس جانے اور مسجد میں کم ٹھہرنے کا حکم

٨٧٢ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ قَالَ: حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي الصُّبْحَ بِغَلَسٍ فَيَنْصَرِفْنَ نِسَاءُ الْمُؤْمِنِينَ لَا يُعْرَفْنَ مِنَ الْغَلَسِ أَوْ لَا يَعْرِفُ بَعْضُهُنَّ بَعْضًا. [راجع: ٣٧٢]

[872] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز منہ اندھیرے پڑھتے تھے، چنانچہ مومنوں کی عورتیں جب نماز پڑھ کر واپس جاتیں تو اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہیں جاتی تھیں یا وہ خود ایک دوسرے کو نہیں پہچان سکتی تھیں۔

فوائد و مسائل: ① صبح کی نماز کے فوراً بعد مستورات کی واپسی کا عمل شروع ہو جاتا تھا اور وہ اندھیرے میں مسجد سے چلی جاتی تھیں۔[1] ② امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان میں نماز صبح کا بطور خاص ذکر کیا ہے کیونکہ اگر وہ مسجد میں نماز کے بعد ٹھہر تیں تو دن روشن ہو جاتا جو ان کے ستر کے لیے مناسب نہیں تھا۔ عشاء کا معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ اس کے بعد اگر مسجد میں ٹھہر جائیں تو تاریکی میں مزید اضافہ ہوگا جو ان کے پردے کے لیے زیادہ موزوں ہے۔[2] ③ عنوان بالا کا مقصد یہی ہے کہ عورتیں نماز کے بعد گھروں کو واپس جانے میں جلدی سے کام لیں کیونکہ ان کا ٹھہرنا مردوں کے لیے تکلیف اور آزمائش کا باعث ہے۔

(١٦٦) بَابُ اسْتِئْذَانِ الْمَرْأَةِ زَوْجَهَا بِالْخُرُوجِ إِلَى الْمَسْجِدِ

باب: 166- عورت کا مسجد میں جانے کے لیے اپنے شوہر سے اجازت لینا

٨٧٣ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «إِذَا اسْتَأْذَنَتِ امْرَأَةُ أَحَدِكُمْ فَلَا يَمْنَعْهَا». [راجع: ٨٦٥]

[873] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کی عورت (مسجد جانے کے لیے) اجازت مانگے تو وہ اسے منع نہ کرے۔''

فوائد و مسائل: ① اس سے معلوم ہوا کہ عورت کو مسجد میں جانے کے لیے اپنے شوہر سے اجازت لینا ضروری ہے۔ اسے یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ نماز ادا کرنا تو اللہ کا حق ہے اس میں شوہر سے اجازت لینے کی کیا ضرورت۔ اگر حالات ناسازگار ہوں یا

---

1 عمدة القاري: 861/4. 2 فتح الباري: 453/2.

فتنے فساد کا اندیشہ ہو تو خاوند اپنے اختیارات استعمال کرتے ہوئے اسے روک بھی سکتا ہے۔ اگرچہ اس روایت میں مسجد جانے کا ذکر نہیں لیکن علامہ اسماعیلی نے جب اس روایت کو اسی سند سے بیان کیا ہے تو اس میں مسجد کے الفاظ بیان کیے ہیں۔[1] ② اجازت لینے کا معاملہ صرف مسجد کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عورت کو چاہیے کہ وہ عیدین اور اپنے کسی عزیز کی قبر کی زیارت کے لیے بھی اپنے شوہر سے اجازت لے جب مباح اور جائز کاموں میں اجازت لینا ضروری ہے تو فرائض و مستحبات کی ادائیگی بھی شوہر کی اجازت کے بغیر نہیں ہونی چاہیے مثلاً: ادائے شہادت یا فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے باہر جانا یا اپنے والدین اور عزیز و اقارب کی ملاقات کے لیے جانا، یہ سب کام خاوند کی اجازت پر موقوف ہیں۔[2]

تنبیہ

((تكرر هنا باب : ١٦٤ مع حديثيه برقم جديد: ٨٧٤، ٨٧٥ في نسخة محمد فؤاد، وقد حذفنا التجميع وليس هذا التكرار في الأصل)) (الناشر)

محمد فواد کے نسخے میں اس جگہ سابقہ باب: (164) اپنی دونوں حدیثوں (870 اور 871) کی نئی ترقیم: 874 اور 876 کے ساتھ مکرر لایا گیا ہے، جبکہ اصل نسخے میں یہ تکرار نہیں ہے، اس لیے اس تکرار کو ہم نے حذف کر دیا ہے۔

[1] فتح الباري: 484/2. [2] عمدة القاري: 653/4.

جمعۃ المبارک کی فضیلت واہمیت

جمعہ ایک اسلامی تہوار ہے۔اسے دور جاہلیت میں العروبۃ کہا جاتا تھا۔دور اسلام میں سب سے پہلے حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے انصار مدینہ کے ہمراہ نماز اور خطبہ جمعہ کا اہتمام کیا۔چونکہ اس میں لوگ خطبہ سننے اور نماز ادا کرنے کے لیے جمع ہوتے ہیں،اس لیے اس کا نام جمعہ رکھا گیا۔دن رات کی نمازوں کے علاوہ کچھ نمازیں ایسی ہیں جو صرف اجتماعی طور پر ہی ادا کی جاتی ہیں۔وہ اپنی مخصوص نوعیت اور امتیازی شان کی وجہ سے اس امت کا شعار ہیں۔ان میں سے ایک نماز جمعہ ہے جو ہفتہ وار اجتماع سے عبارت ہے۔نماز پنجگانہ میں ایک محدود حلقے کے لوگ،یعنی ایک محلے کے مسلمان جمع ہوسکتے ہیں،اس لیے ہفتے میں ایک ایسا دن رکھا گیا ہے جس میں پورے شہر اور مختلف محلوں کے مسلمان ایک خاص نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد میں جمع ہوں۔ایسے بڑے اجتماع کے لیے ظہر کا وقت ہی مناسب تھا تاکہ تمام مسلمان اس میں شریک ہوسکیں،پھر نماز جمعہ صرف دو رکعت رکھی گئی اور اس عظیم اجتماع کو تعلیمی اور تربیتی لحاظ سے زیادہ مفید اور مؤثر بنانے کے لیے خطبہ،وعظ و نصیحت کو لازمی قرار دیا گیا۔اس کے لیے ہفتے کے سات دنوں میں سے بہتر اور باعظمت دن جمعہ کو مقرر کیا گیا۔اس دن اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت بندوں کی طرف زیادہ متوجہ ہوتی ہے۔اس دن اللہ کی طرف سے بڑے بڑے اہم واقعات رونما ہوئے ہیں اور آئندہ رونما ہونے والے ہیں۔اس اجتماع میں شرکت و حاضری کی بہت تاکید کی گئی ہے۔نماز سے پہلے اس اجتماع میں شرکت کے لیے غسل کرنے،صاف ستھرے کپڑے پہننے اور خوشبو لگانے کی ترغیب بلکہ تاکید کی گئی ہے تاکہ مسلمانوں کا یہ عظیم ہفتہ وار اجتماع توجہ الی اللہ اور ذکر و دعا کی باطنی برکات کے علاوہ ظاہری حیثیت سے بھی خوش منظر اور پر بہار ہو۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی مایہ ناز تالیف "زاد المعاد" میں جمعہ کی 32 خصوصیات ذکر کی ہیں۔ان میں چند ایک حسب ذیل ہیں: ٭اسے یوم عید قرار دیا گیا ہے۔٭اس دن غسل،خوشبو،مسواک اور اچھے کپڑے زیب تن کرنے کی تاکید ہے۔٭اس دن مساجد کو معطر کرنے کا حکم ہے۔٭نمازی حضرات کا جمعہ کی ادائیگی کے لیے صبح سویرے مسجد میں آکر خطیب کے آنے تک خود کو عبادت میں معروف رکھنا اللہ کو بہت محبوب ہے۔٭اس دن ایک گھڑی ہے جس میں دعا قبول ہوتی ہے۔٭اس دن کو خصوصیت کے ساتھ روزہ رکھنا منع ہے۔[1]

---

1 زاد المعاد: 376/1، 421، و فتح الباري 456/2.

امام بخاری ؒ نے جمعہ کے احکام بیان کرنے کے لیے بڑا عنوان کتاب الجمعۃ قائم کیا ہے۔ اس کے تحت چالیس کے قریب چھوٹے چھوٹے عنوانات رکھے ہیں جن میں فرضیت جمعہ، فضیلت جمعہ، آداب جمعہ (ان میں غسل کرنا، خوشبو اور تیل لگانا، صاف ستھرے اچھے کپڑے پہننا، مسواک کرنا اور اس کے لیے آرام و سکون سے آنا وغیرہ شامل ہیں۔) آداب صلاۃ جمعہ، شہروں اور بستیوں میں مشروعیت جمعہ، آداب خطبہ جمعہ، اذان جمعہ، سامعین، مؤذن اور خطیب کے آداب بیان کرتے ہیں۔ آخر میں جمعہ سے متعلق متفرق مسائل کو ذکر کیا ہے۔ امام بخاری ؒ نے اس بڑے عنوان کتاب الجمعۃ میں 79 مرفوع احادیث بیان کی ہیں جن میں 64 موصول اور 15 معلق اور متابعات ہیں۔ ان میں 36 مکرر اور 43 احادیث خالص اور صافی ہیں۔ نیز اس میں صحابۂ کرام ؓ اور تابعین عظام کے 14 آثار بھی نقل کیے ہیں۔ واضح رہے کہ امام بخاری ؒ کی بیان کردہ 12 احادیث کے علاوہ باقی تمام احادیث کو امام مسلم ؒ نے بھی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

امام بخاری ؒ نے اپنی دینی ذہانت کو بروئے کار لاتے ہوئے بے شمار حدیثی فوائد اور اسنادی لطائف بیان کیے ہیں جو پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ وہ ہماری معروضات کو پیش نظر رکھ کر اس (کتاب الجمعۃ) کا مطالعہ کریں تاکہ امام بخاری ؒ کے بیان کردہ علوم و معارف کا اندازہ ہو سکے اور اس سے استفادہ اور افادہ میسر ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قیامت کے دن محدثین کے زمرے میں شامل فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

11 - كِتَابُ الْجُمُعَةِ

جمعۃ المبارک سے متعلق احکام و مسائل

(١) بَابُ فَرْضِ الْجُمُعَةِ

باب:1- جمعے کی فرضیت کا بیان

لِقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: ﴿إِذَا نُودِيَ لِلصَّلٰوةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ﴾ ﴿فَاسْعَوْا﴾: فَامْضُوا [الجمعة: ٩]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''جب جمعے کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔'' آیت میں آنے والے لفظ ﴿فَاسْعَوْا﴾ کے معنی فَامْضُوا ہیں۔

وضاحت: قرآن کریم کے اس انداز بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات کے نزول سے پہلے مسلمان اذان اور جمعہ دونوں چیزوں سے خوب متعارف تھے کیونکہ انھیں صرف یہ کہا جا رہا ہے کہ جب جمعہ کے لیے اذان ہو جائے تو خرید و فروخت اور دوسرے دنیوی مشاغل ترک کر کے فوراً خطبۂ جمعہ سننے اور نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے مسجد میں پہنچ جاؤ، حالانکہ قرآن کریم میں کہیں بھی کسی دوسرے مقام پر کلمات اذان کا ذکر نہیں ہے، نہ نماز جمعہ اور خطبۂ جمعہ کی ترکیب کا بیان ہے۔ یہ باتیں رسول اللہ ﷺ کی بتائی ہوئی تھیں جن کی قرآن کریم نے توثیق کی ہے۔ اس سے صاف واضح ہے کہ جس طرح قرآنی احکام واجب الاتباع ہیں اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے فرمودات بھی واجب الاتباع ہیں۔ جو شخص احادیث رسول کو نظر انداز کر کے صرف قرآن کریم کو واجب الاتباع خیال کرتا ہے وہ دراصل قرآن کریم کا بھی منکر ہے۔ احادیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ طیبہ میں تشریف لانے سے پہلے حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے بنی بیاضہ کے علاقے میں 40 آدمیوں کے ساتھ نماز جمعہ کا آغاز فرما دیا تھا۔[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے آیت کریمہ سے جمعہ کی فرضیت ثابت کی ہے۔ ان سے پہلے امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی اس آیت سے جمعہ کے وجوب پر استدلال کیا ہے، چنانچہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز جمعہ کے لیے اذان دی جاتی ہے اور جس کام کے لیے اذان دی جائے وہ فرض ہوتا ہے جیسا کہ نماز پنجگانہ کا معاملہ ہے، نیز اذان کے بعد اس کے لیے سعی کرنے کا امر ہے۔ یہ بھی اس کے واجب ہونے کا قرینہ ہے کیونکہ سعی کسی ضروری کام کے لیے ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اذان کے بعد خرید و فروخت میں

[1] السنن الكبرى للبيهقي: 177/3.

مشغول ہونا بھی منع ہے۔ یہ انداز بھی کسی فرض کام کے لیے اختیار کیا جاتا ہے کیونکہ کسی مباح یا جائز کام کے لیے خرید و فروخت ترک کرنا شرع میں ثابت نہیں۔ البتہ جمعہ کی فرضیت کب ہوئی ہے، ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں یا ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں؟ علمائے امت کی اکثریت کا یہ موقف ہے کہ جمعہ مدینہ منورہ میں فرض ہوا۔ یہ سورت بھی مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہے لیکن الشیخ ابو حامد نے کہا ہے کہ جمعہ مکہ میں فرض ہوا تھا لیکن یہ بات صحیح نہیں کیونکہ جمعہ کے لیے کھلے ماحول اور اس کی نماز کا باجماعت ادا کرنا ضروری ہے۔ یہ دونوں باتیں مکہ مکرمہ میں انتہائی مشکل تھیں، البتہ اس کی مشروعیت مکہ میں نازل ہوئی تھی کہ آپ کے حکم سے اسے مدینہ منورہ میں شروع کر دیا گیا تھا۔[1] حدیث میں نماز کے لیے دوڑ کر آنے کی ممانعت ہے،[2] جبکہ آیت کریمہ میں نماز جمعہ کے لیے سعی کا حکم ہے جس کے معنی دوڑ کر آنا ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے رفع اشکال کے لیے وضاحت فرمائی کہ آیت کریمہ میں لفظ ﴿فَاسْعَوْا﴾ دوڑنے اور تیز چلنے کے معنی میں نہیں بلکہ چل پڑنے کے معنی میں ہے، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ اس کے لیے ایک مستقل عنوان قائم کریں گے۔[3]

٨٧٦ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ: أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ هُرْمُزَ الْأَعْرَجَ - مَوْلَى رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ - حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، بَيْدَ أَنَّهُمْ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا، ثُمَّ هٰذَا يَوْمُهُمُ الَّذِي فُرِضَ عَلَيْهِمْ فَاخْتَلَفُوا فِيهِ فَهَدَانَا اللهُ لَهُ فَالنَّاسُ لَنَا فِيهِ تَبَعٌ، الْيَهُودُ غَدًا وَالنَّصَارَى بَعْدَ غَدٍ». [راجع: ٢٣٨]

[876] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''ہم بعد میں آئے ہیں لیکن قیامت کے دن سب سے آگے ہوں گے۔ صرف اتنی بات ہے کہ پہلے لوگوں کو ہم سے قبل کتاب دی گئی، پھر یہی جمعہ کا دن ان کے لیے بھی مقرر تھا مگر وہ اس کے متعلق اختلافات کا شکار ہو گئے لیکن ہمیں اللہ تعالیٰ نے اس کی ہدایت کر دی، اس بنا پر سب لوگ ہمارے پیچھے ہو گئے۔ یہودی کل (ہفتے) کے دن اور عیسائی پرسوں (اتوار) کے دن (عبادت کریں گے)۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے واضح طور پر جمعہ کی فرضیت معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس میں یہود و نصاریٰ پر اس کے فرض ہونے کا ذکر ہے۔ جب انھوں نے اس سے انحراف کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی فرضیت کے متعلق ہماری رہنمائی فرما دی۔ بعض روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس جمعہ کو ہم پر لکھ دیا ہے۔[4] علامہ ابن منیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ جمعہ فرض عین ہے، فرض کفایہ نہیں کیونکہ اس کی فرضیت کو مطلق طور پر بیان کیا گیا ہے، پھر ان الفاظ کے عموم کا بھی یہی تقاضا ہے: ''ہمیں اللہ تعالیٰ نے اس کی ہدایت کر دی اس بنا پر لوگ ہمارے پیچھے ہو گئے۔''[5] واللّٰہ أعلم۔ ② دراصل حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہود سے کہا تھا کہ جمعے کا دن باقی ایام سے افضل ہے، لہٰذا اس کی تعظیم کرو اور اسے عبادت کے لیے وقف کر دو۔ انھوں نے حسد اور عناد کی وجہ سے کہا کہ ہفتے کا

---

[1] فتح الباري: 458/2. [2] صحيح البخاري، الجمعة، حديث: 908. [3] صحيح البخاري، الجمعة، باب: 18. [4] فتح الباري: 459/2. [5] فتح الباري: 457/2.

دن افضل ہے، ہم اس کی تعظیم کریں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ پھر انھوں نے اس دن کا جو حشر کیا وہ اصحاب السبت کے کردار سے واضح ہے۔ شارح بخاری ابن بطال کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خود ان پر کوئی دن مقرر نہیں فرمایا بلکہ انھیں یہ کہا تھا کہ وہ ہفتے میں کسی ایک دن کی تعظیم کریں اور اس میں عبادت کو بجا لائیں تو انھوں نے آپس میں اختلاف کیا۔ یہود نے ہفتے کے دن کا انتخاب کیا کہ اس دن اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کی تخلیق سے فارغ ہوا تھا۔ اور نصاریٰ نے اتوار کو پسند کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس دن تمام مخلوق کو پیدا کرنے کا آغاز کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے لیے ان کے خود پسند کردہ دنوں (ہفتہ، اتوار) کی تعظیم کو ان پر لازم کر دیا اور اس امت کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے جمعے کا دن پسند کیا جو ان کے لیے ہر طرح سے بابرکت ثابت ہوا۔[1] شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔[2] بہرحال جمعہ کی فرضیت کسی قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے جمعے سے پیچھے رہنے والے لوگوں کے متعلق فرمایا: ''بے شک میں نے ارادہ کیا ہے کہ میں کسی آدمی کو نماز پڑھانے پر مامور کروں پھر میں ان لوگوں کے گھروں کو جلا ڈالوں جو جمعے سے پیچھے رہتے ہیں۔''[3] نیز آپ نے فرمایا: ''لوگ نماز جمعہ چھوڑنے سے باز آجائیں بصورت دیگر اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا پھر وہ غافل لوگوں میں شمار ہوں گے۔''[4] بلکہ رسول اللہ ﷺ نے واضح طور پر فرمایا: ''نماز جمعہ ہر مسلمان پر باجماعت ادا کرنا حق اور واجب ہے۔''[5] اس سلسلے میں ایک حدیث پیش کی جاتی ہے کہ جس شخص نے کسی عذر کے بغیر جمعہ ترک کر دیا اسے چاہیے کہ ایک دینار صدقہ کرے اور اگر ایک دینار موجود نہ ہو تو نصف دینار صدقہ کرے۔[6] لیکن یہ حدیث صحیح نہیں۔

(۲) بَابُ فَضْلِ الْغُسْلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَهَلْ عَلَى الصَّبِيِّ شُهُودُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ؟ أَوْ عَلَى النِّسَاءِ؟	باب: 2- جمعے کے دن غسل کی فضیلت، نیز کیا بچوں اور عورتوں پر نماز جمعہ میں حاضر ہونا ضروری ہے؟

وضاحت: علامہ زین بن منیر فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے جمعے کے دن غسل کرنے کا حکم بیان نہیں کیا کہ ضروری ہے یا مستحب؟ کیونکہ اس میں علمائے امت کا کافی اختلاف ہے بلکہ صرف اس کی فضیلت بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے کیونکہ اس کے متعلق کسی کو اختلاف نہیں۔[7] نیز اس عنوان کے دو جز ہیں: ایک جز میں فضیلت کا بیان ہے جبکہ دوسرے جز میں بچوں اور عورتوں کے متعلق ذکر کیا ہے کہ ان پر جمعے کے دن حاضری ضروری نہیں جیسا کہ ابوداود کی ایک روایت میں صراحت ہے کہ بچوں اور عورتوں پر جمعہ ضروری نہیں۔[8]

٨٧٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا

[877] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ

1 فتح الباري: 458/2. 2 حجة الله البالغة: 686/2، طبع مكتبة الكوثر. 3 صحيح مسلم، المساجد، حديث: 1488(652). 4 صحيح مسلم، الجمعة، حديث: 2002(865). 5 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 1067. 6 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 1053. 7 فتح الباري: 460/2. 8 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 1067.

مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ». [انظر: ٨٩٤، ٩١٩]

ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی نماز جمعہ کے لیے آئے تو اسے چاہیے کہ غسل کرے۔''

فوائد و مسائل: ❶ امام بخاری رحمہ اللہ کے اس عنوان سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے دن غسل کرنا ضروری نہیں بلکہ مستحب و افضل ہے جیسا کہ علماء کے ایک گروہ کی یہی رائے ہے۔ ان کا استدلال ان روایات سے ہے جن میں اس سبب کی وضاحت کی گئی ہے جس کی وجہ سے جمعہ کے دن غسل کا حکم دیا گیا تھا، چنانچہ روایت میں ہے کہ لوگ اس وقت محنت مزدوری کرتے تھے۔ جب جمعے کا وقت ہوتا تو اسی حالت میں جمعہ کے لیے چلے آتے اور ان کے کپڑوں سے پسینے وغیرہ کی ناگوار بو آتی تھی جس سے دوسروں کو تکلیف ہوتی تھی۔ اس بات کی شکایت جب رسول اللہ ﷺ سے کی گئی تو آپ نے فرمایا: ''جو تم میں سے جمعہ کے لیے آئے اسے چاہیے کہ غسل کرے۔''[1] صحیح بخاری کی ایک روایت ہے کہ حضرت عمرہ نے ایک دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جمعہ کے دن غسل کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے فرمایا: لوگ گزر اوقات کے لیے محنت مزدوری کرتے تھے، جب جمعہ کے لیے آتے تو اسی حالت میں چلے آتے۔ انھیں کہا گیا: ''بہتر ہے کہ تم غسل کر کے آؤ۔''[2] ایک روایت میں ہے کہ ان کے کپڑوں سے ناگوار بو آنے کی وجہ سے انھیں غسل کا حکم دیا گیا۔[3] تاہم دوسرے علماء وجوب غسل کے قائل ہیں جس کی تفصیل آگے آئے گی۔ ❷ بعض حضرات نے امام بخاری رحمہ اللہ پر اعتراض کیا ہے کہ مذکورہ حدیث کا عنوان سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ عنوان تھا کہ آیا عورتیں اور بچے جمعہ کے لیے حاضر ہوں؟ جبکہ اس حدیث میں ان کے حاضر ہونے یا نہ ہونے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس کا بایں طور جواب دیا گیا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ عورتوں اور بچوں کو جمعہ کے لیے حاضر ہونا ضروری نہیں ہے کیونکہ آئندہ حدیث (879) میں ہے کہ جمعہ کے دن غسل کرنا بالغ افراد کے لیے ہے جبکہ بچے اس حکم سے مستثنیٰ ہیں تو انھیں جمعہ میں شریک ہونا بھی ضروری نہیں بلکہ انھوں نے اس طریقے سے ایک حدیث کی طرف اشارہ فرمایا ہے جس میں اس امر کی وضاحت ہے کہ عورتوں اور بچوں پر جمعہ میں حاضر ہونا ضروری نہیں۔[4]

٨٧٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْمَاءَ قَالَ: حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ بْنُ أَسْمَاءَ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ بَيْنَمَا هُوَ قَائِمٌ فِي الْخُطْبَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، إِذْ جَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ الْأَوَّلِينَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ،

[878] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن کھڑے ہو کر خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک نبی ﷺ کے صحابہ کرام اور مہاجرین اولین میں سے ایک صاحب آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آواز دی کہ یہ کون سا آنے کا وقت ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں ایک ضرورت کی وجہ سے مصروف ہو گیا۔ ابھی اپنے گھر

---

1. فتح الباري: 461/2. 2. صحيح البخاري، الجمعة، حديث: 903. 3. صحيح البخاري، البيوع، حديث: 2071.
4. سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 1067.

فَنَادَاهُ عُمَرُ: أَيَّةُ سَاعَةٍ هٰذِهِ؟ قَالَ: إِنِّي شُغِلْتُ فَلَمْ أَنْقَلِبْ إِلٰى أَهْلِي حَتّٰى سَمِعْتُ التَّأْذِينَ فَلَمْ أَزِدْ عَلٰى أَنْ تَوَضَّأْتُ، فَقَالَ: وَالْوُضُوءُ أَيْضًا؟ وَقَدْ عَلِمْتَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَأْمُرُ بِالْغُسْلِ. [انظر: ١٨٨٢]

واپس نہیں جا سکا تھا کہ اذان کی آواز سن لی تو صرف وضو کر سکا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (ایک لیٹ آئے ہو اور پھر) صرف وضو کر کے آئے ہو! حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ غسل کا حکم دیتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① دیر سے آنے والے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔ ② اس روایت سے مذکورہ دونوں قسم کے علماء نے استدلال کیا ہے جو وجوب غسل کے قائل ہیں، وہ کہتے ہیں کہ چونکہ صحابہ کا عام رجحان وجوب غسل کا تھا، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صرف وضو کر کے آنے پر تعجب کا اظہار کیا اور حدیث رسول بیان فرمائی جس میں غسل کرنے کا حکم ہے اور امر (حکم) عام طور پر وجوب ہی کے لیے ہوتا ہے۔ عدم وجوب کے قائلین کہتے ہیں کہ اگر غسل واجب ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو غسل کرنے کا حکم دیتے، صرف تعجب کا اظہار کرنے اور حدیث رسول بیان کرنے پر اکتفا نہ کرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہاں غسل کا حکم وجوب کے لیے نہیں بلکہ استحباب کے لیے ہے۔ انھوں نے دیگر احادیث سے بھی استدلال کیا ہے، جیسے حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جمعے کے دن جس نے وضو کیا اس نے اچھا اور بہتر کیا اور جس نے غسل کیا تو غسل افضل اور بہترین ہے۔"[1] امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کے بعد لکھتے ہیں کہ صحابہ اور ان کے بعد آنے والے اہل علم کا اس پر عمل ہے۔ انھوں نے جمعے کے دن غسل کو پسند تو کیا ہے لیکن اس رائے کا اظہار بھی کیا ہے کہ جمعے کے دن وضو، غسل سے کفایت کر جاتا ہے۔[2] آغاز میں جمعے کے دن وجوب غسل کا سبب یہ تھا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مشکل حالات کی بنا پر موسم گرما میں بھی اونی لباس پہنے ہوتے تھے۔ انھی کپڑوں میں محنت مزدوری کرتے تھے۔ جب وہ مسجد میں آتے تو ان کے پسینے کی بو پھیل جاتی جس سے نمازی اور فرشتے سخت تکلیف محسوس کرتے ہیں، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے انھیں فرمایا کہ تم اس دن غسل کر لیا کرو۔ ایسے حالات میں ان علماء کے نزدیک اب بھی غسل کرنا واقعی ضروری ہے لیکن عام حالات میں ان کے نزدیک غسل جمعہ سنت مؤکدہ اور مستحب ہے۔

٨٧٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «الْغُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُحْتَلِمٍ». [راجع: ٨٥٨]

[879] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہر بالغ پر جمعے کے دن غسل کرنا واجب ہے۔"

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچوں پر غسل جمعہ واجب نہیں، اس بنا پر انھیں جمعے کے لیے مسجد میں

[1] سنن أبي داود، الطهارة، حديث: 354. [2] جامع الترمذي، الصلاة، حديث: 497.

آنا بھی ضروری نہیں۔ یہ حدیث وجوب غسل پر واضح ہے لیکن عدم وجوب کے قائلین کہتے ہیں کہ اس حدیث میں وجوب کے لفظ سے مقصود صرف تاکید اور ترغیب ہے، یعنی اس حد تک تاکید ہے گویا واجب کی طرح ہے۔[1] ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے غسل جمعہ کی فرضیت کے متعلق دلیل لی گئی ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم اور امام ابن منذر سے غسل جمعہ کا وجوب ہی نقل کیا گیا ہے۔ امام ابن حزم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر کئی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے جمعے کے لیے غسل کرنے کے وجوب کو بیان کیا۔ پھر اس کے متعلق متعدد آثار بھی نقل کیے ہیں، مثلاً: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نہیں سمجھتا کہ کوئی مسلمان غسل جمعہ چھوڑ دے گا۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی وضاحت بایں طور کی ہے کہ حدیث میں آنے والے لفظ "واجب" میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ غسل جمعہ ضروری ہے۔ اس کے بغیر نماز جمعہ کے لیے طہارت نامکمل ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ نظافت وحسن اخلاق کے پیش نظر نماز جمعہ کے لیے غسل کا اہتمام مستحب مؤکد ہے، فرض نہیں۔ امام شافعی نے حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے واقعے سے استدلال کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نماز کے لیے غسل کا اہتمام نہیں کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی انھیں دوبارہ غسل کے متعلق نہیں کہا۔ یہ قرینہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان حضرات کے نزدیک بھی غسل کا حکم اختیاری ہے۔[2] نیز دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا ان دونوں کی موافقت کرنا بھی اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ نماز جمعہ کے صحیح ہونے کے لیے غسل جمعہ شرط نہیں۔ بہرحال اس مسئلے میں دونوں ہی رائیں پائی جاتی ہیں۔ عدم وجوب کے قائلین بھی اسے سنت مؤکدہ اور وجوب ہی کے قریب سمجھتے ہیں۔ اس بنا پر دونوں موقف ایک دوسرے کے قریب ہی ہیں۔ بنابریں وجوب کا موقف ہی راجح، اقرب الی الدلیل اور احوط ہے۔ واللہ أعلم۔ ③ علامہ خطابی نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ نماز جمعہ غسل کے بغیر بھی ہو جاتی ہے۔[3] امت کے بڑے بڑے ائمہ اور نامور علماء غسل جمعہ کے عدم وجوب پر متفق ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث کی وضاحت میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جمعے کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ غسل جمعہ واجب نہیں، البتہ زیادہ طہارت اور پاکیزگی غسل ہی میں ہے لیکن جو غسل نہیں کرتا اس پر کوئی حرج نہیں کیونکہ اس پر واجب نہیں ہے۔ دراصل غسل جمعہ کی ابتدا اس وجہ سے ہوئی تھی کہ لوگ محنت مزدوری کر کے گزر اوقات کرتے تھے، اون سے تیار کردہ موٹے کپڑے پہنتے تھے اور اس وقت مسجد بھی تنگ تھی جب رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ ان لوگوں کو ایک دوسرے سے تکلیف پہنچ رہی ہے اور پسینے کی وجہ سے بو محسوس ہو رہی ہے تو آپ نے انھیں غسل کا حکم دیا اور خوشبو وغیرہ کے استعمال کی بھی ہدایت فرمائی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مزید فرمایا کہ اس کے بعد وہ وقت جاتا رہا، لوگ مالی دار ہو گئے محنت مزدوری کے محتاج نہ رہے، کپڑے بھی اون کے علاوہ دوسرے استعمال کرنے لگے، مسجد بھی وسیع ہو گئی اور پسینہ وغیرہ کی تکلیف بھی جاتی رہی اس بنا پر سبب کے ختم ہونے سے اس کا وجوب بھی ختم ہو گیا۔[4] اس سے معلوم ہوا کہ غسل کے واجب ہونے کی تاکید جمعہ کے بڑے اجتماع کے پیش نظر ہے کہ کسی کو اذیت نہ ہو اور یہ تاکید حالات کے پیش نظر وجوب تک بھی پہنچ سکتی ہے جبکہ پسینے کی وجہ سے ماحول بدبودار ہو رہا ہو، البتہ عام حالات میں صرف استحباب ہے جیسا کہ امت کے اکثر علماء نے اس موقف کو اختیار کیا ہے۔ واللہ أعلم۔

---

1 عمدة القاري: 15/5. 2 فتح الباري: 465/2. 3 فتح الباري: 466/2. 4 فتح الباري: 467/2.

(۳) بَابُ الطِّيبِ لِلْجُمُعَةِ

باب:3- جمعے کے دن خوشبو لگانا

۸۸۰ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا حَرَمِيُّ بْنُ عُمَارَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ: حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ سُلَيْمٍ الْأَنْصَارِيُّ قَالَ: أَشْهَدُ عَلَى أَبِي سَعِيدٍ قَالَ: أَشْهَدُ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ: «الْغُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ، وَأَنْ يَسْتَنَّ، وَأَنْ يَمَسَّ طِيبًا إِنْ وَجَدَ».

[880] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان پر گواہ ہوں کہ "جمعے کے دن ہر بالغ آدمی پر غسل کرنا واجب ہے اور یہ کہ وہ مسواک کرے اور اگر خوشبو میسر ہو تو اسے بھی استعمال میں لائے۔"

قَالَ عَمْرٌو: أَمَّا الْغُسْلُ فَأَشْهَدُ أَنَّهُ وَاجِبٌ، وَأَمَّا الْاِسْتِنَانُ وَالطِّيبُ فَاللهُ أَعْلَمُ، أَوَاجِبٌ هُوَ أَمْ لَا؟ وَلَكِنْ هٰكَذَا فِي الْحَدِيثِ.

راوی حدیث عمرو بن سلیم کہتے ہیں کہ غسل کے متعلق اس کے واجب ہونے کی میں گواہی دیتا ہوں لیکن مسواک کرنے اور خوشبو لگانے کے متعلق اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ واجب ہے یا نہیں؟ البتہ حدیث میں اسی طرح ہے۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: هُوَ أَخُو مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ وَلَمْ يُسَمَّ أَبُو بَكْرٍ هٰذَا، رَوَى عَنْهُ بُكَيْرُ بْنُ الْأَشَجِّ وَسَعِيدُ بْنُ أَبِي هِلَالٍ وَعِدَّةٌ. وَكَانَ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ يُكْنَى بِأَبِي بَكْرٍ وَأَبِي عَبْدِ اللهِ. [راجع: ۸۵۸]

ابو عبداللہ امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ (ابوبکر بن منکدر) محمد بن منکدر کے بھائی ہیں اور اس ابوبکر کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ ان سے بکیر بن اشج، سعید بن ابی ہلال اور متعدد لوگوں نے روایت لی ہے۔ اور محمد بن منکدر کی کنیت ابوبکر اور ابو عبداللہ تھی۔

فوائد و مسائل: ① جمعے کے دن خوشبو استعمال کرنے کے متعلق صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں اختلاف تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس کے متعلق وجوب کے قائل تھے جیسا کہ سفیان بن عیینہ نے اپنی جامع میں ان کے متعلق بیان کیا ہے لیکن ائمۂ اربعہ اور اصحاب ظواہر میں اب اس کے متعلق کوئی اختلاف نہیں۔ سب استحباب کے قائل ہیں۔ اس کے متعلق تاکید ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ جمعے کے دن خوشبو استعمال کرو اگرچہ عورت ہی کی کیوں نہ ہو حالانکہ مردوں کے لیے عورتوں کی خوشبو استعمال کرنا ناپسندیدہ عمل ہے لیکن اس کے باوجود جمعے کے دن اگر خوشبو نہ مل سکے تو بامر مجبوری کارروائی کے طور پر عورت کی خوشبو استعمال کرنے کی اجازت ہے۔[1] ② حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یہ عید کا دن ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے مقرر کیا ہے، لہٰذا تم میں سے جو شخص جمعے کے لیے آئے وہ غسل کر کے آئے اور اگر خوشبو میسر ہو تو اسے استعمال

1 فتح الباري: 468,467/2

کرے اس کے علاوہ مسواک کرنے کا بھی اہتمام کرے۔"[1] حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو جمعہ کے دن غسل کرے اور اگر اس کے پاس خوشبو موجود ہو تو اسے استعمال کرے، اپنے بہترین کپڑے زیب تن کرے، اطمینان کے ساتھ مسجد میں آئے، پھر اگر موقع ملے تو نفل پڑھ لے، حاضرین میں سے کسی کو تکلیف نہ دے، پھر جب امام صاحب تشریف لائیں تو خاموش رہے تا آنکہ نماز ادا کرلے تو اس کا یہ سارا عمل اس جمعے سے آئندہ جمعہ تک گناہوں کا کفارہ بن جائے گا۔"[2] ③ حدیث کے آخر میں امام بخاری رحمہ اللہ نے وضاحت کی ہے کہ روایت میں ابوبکر نامی راوی محمد بن منکدر کے بھائی ہیں۔ ان کے نام کی صراحت کہیں سے دستیاب نہیں ہوسکی بلکہ ان کی کنیت ہی ان کا نام ہے۔ مختصر یہ ہے کہ ان دونوں بھائیوں کی کنیت ابوبکر ہے لیکن ان کے مابین فرق ہے کہ ایک کے متعلق نام کی صراحت ہے جبکہ دوسرے کی کنیت ہی اس کا نام ہے، نیز ایک بھائی محمد بن منکدر کی ایک دوسری کنیت ابوعبداللہ بھی مشہور ہے۔ الغرض ابوبکر بن منکدر بھی معروف آدمی ہیں۔ ان سے متعدد راویوں نے روایت لی ہے۔[3]

(٤) بَابُ فَضْلِ الْجُمُعَةِ

باب: 4- جمعے کی فضیلت کا بیان

٨٨١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ سُمَيٍّ - مَوْلَى أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ - عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ غُسْلَ الْجَنَابَةِ، ثُمَّ رَاحَ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَدَنَةً، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّانِيَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَقَرَةً، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّالِثَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ كَبْشًا أَقْرَنَ، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الرَّابِعَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ دَجَاجَةً، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الْخَامِسَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَيْضَةً، فَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ حَضَرَتِ الْمَلَائِكَةُ يَسْتَمِعُونَ الذِّكْرَ».

[881] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص جمعے کے دن غسل جنابت کی طرح (اہتمام سے) غسل کرے، پھر نماز کے لیے جائے تو گویا اس نے ایک اونٹ کی قربانی دی۔ جو شخص دوسری گھڑی میں جائے تو گویا اس نے گائے کی قربانی کی۔ اور جو شخص تیسری گھڑی میں جائے تو گویا اس نے سینگ دار مینڈھا بطور قربانی پیش کیا۔ جو چوتھی گھڑی میں جائے تو گویا اس نے ایک مرغی کا صدقہ کیا۔ اور جو پانچویں گھڑی میں جائے تو اس نے گویا ایک انڈا اللہ کی راہ میں صدقہ کیا۔ پھر جب امام خطبے کے لیے آجاتا ہے تو فرشتے خطبہ سننے کے لیے مسجد میں حاضر ہوجاتے ہیں۔"

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں امام بخاری رحمہ اللہ نے خطبے کے لیے پہلے وقت آنے والوں کی فضیلت کو بیان کیا ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ فضیلت کا وقت صبح ہی سے شروع ہو جاتا ہے یا زوال آفتاب کے بعد جب نماز جمعہ کا وقت شروع ہوتا ہے، چنانچہ امام مالک بعد زوال کے قائل ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے تعامل اہل مدینہ اس کے موافق نہیں پایا بلکہ وہ زوال

---

1 السنن الكبرى للبيهقي: 243/3. 2 مسند أحمد: 420/5. 3 عمدة القاري: 18/5.

کے بعد مسجد میں آتے تھے۔ اس کے علاوہ لفظ رَاحَ، رواح سے مشتق ہے جس کے معنی زوال کے بعد چلنے کے ہیں جبکہ جمہور اہل علم نے اس موقف سے اتفاق نہیں کیا۔ ان کا استدلال تعامل سلف ہے کہ یہ حضرات صبح ہی سے مسجد میں آنا شروع کر دیتے تھے اور فراغت کے بعد واپس جا کر دوپہر کا کھانا کھاتے اور قیلولہ کرتے تھے، نیز لغت عرب میں رواح کے معنی مطلق جانے کے بھی آتے ہیں۔ اس کے علاوہ ممکن ہے کہ اہل مدینہ اپنی ضروریات و مشاغل کی وجہ سے صبح سویرے وقت کے لیے نہ آتے ہوں، اس لیے ایسے حالات میں تعامل اہل مدینہ کو پیش کرنا صحیح نہیں۔ ③ واضح رہے کہ بعض حضرات نے اس حدیث سے مرغی کی قربانی دینے کا مسئلہ بھی کشید کیا ہے، حالانکہ یہاں قربانی کے مسائل بیان نہیں ہوئے بلکہ فضیلت کے مختلف مراتب سمجھانے کے لیے جانوروں کی قربانی کے اعلیٰ اور ادنیٰ مراتب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ علمائے امت میں سے کسی نے بھی اس حدیث سے قربانی کا مسئلہ کشید نہیں کیا اور نہ اس کے متعلق کوئی امت کا تعامل پیش کیا جا سکتا ہے۔ اگر اس قسم کے اجتہاد پر اصرار ہے تو حدیث میں تو انڈے کا بھی ذکر ہے تو اس کی قربانی بھی جائز ہونی چاہیے۔ واللہ أعلم۔ ④ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعے کے دن غسل جنابت کر کے مسجد میں آنے والے کو مذکورہ فضیلت ملتی ہے، یعنی جمعے کے دن پہلے بیوی سے ہم بستری کرے پھر غسل کر کے جلدی مسجد میں آئے۔ علامہ نووی نے اس مفہوم کو غلط قرار دیا ہے لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس مفہوم کو غلط قرار دینے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے کیونکہ جمعے کا دن اجتماع کا دن ہوتا ہے۔ اس کے لیے بازاروں سے گزر کر مسجد میں آنا ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ کسی عورت پر نظر پڑ جائے پھر وہ بدنظری کا مرتکب ہو۔ اس سے محفوظ رہنے کا طریقہ یہی ہے کہ وہ اس قسم کے اسباب و خیالات سے فارغ ہو جائے کیونکہ جب ہم بستری سے فارغ ہو کر غسل جنابت کیا ہو گا تو طبیعت میں آسودگی اور سکون ہو گا۔ اس سے یکجائی کیفیت پیدا ہو گی نہ بدنظری کا خطرہ ہو گا، اس لیے اس مفہوم کو کسی صورت غلط قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ⑤ اس حدیث کی عنوان سے بایں طور مطابقت ہے کہ جمعہ کی ادائیگی گویا بدنی اور مالی عبادات کو بجا لانا ہے کیونکہ ذاتی طور پر نماز جمعہ ایک بدنی عبادت ہے لیکن اس کے لیے پہلے پہلے آنے والے کو اونٹ، گائے، بکری وغیرہ ذبح کرنے کا ثواب بھی ملتا ہے، چنانچہ جانوروں کو اللہ کی راہ میں ذبح کرنا مالی عبادت ہے۔ اس طرح نماز جمعہ ادا کرنے سے انسان کو بدنی اور مالی دونوں عبادات کا ثواب ملتا ہے۔ یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو دیگر نمازوں کی ادائیگی سے حاصل نہیں ہوتی۔ ⑥ حدیث میں وارد ساعات سے مراد مختصر لمحات ہیں جو زوال آفتاب سے لے کر خطیب کے منبر پر بیٹھنے تک ہیں یا ان سے مراد حقیقی ساعات ہیں جن کا آغاز طلوع آفتاب سے شروع ہوتا ہے؟ امام ابن دقیق العید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان سے معروف ساعات مراد لینا زیادہ مناسب ہے۔ اگرچہ اس حدیث میں پانچ ساعات کا ذکر ہے لیکن ایک روایت میں چھٹی گھڑی بھی بیان ہوئی ہے۔[3] ایک دوسری روایت میں جمعہ کی بارہ گھڑیوں کا بھی ذکر ہے۔[4]

ان دن کی بارہ گھڑیوں کی تفصیل حسب ذیل ہے:

---

1 فتح الباري: 471/2. 2 عمدة القاري: 16/5. 3 سنن النسائي، الجمعة، حديث: 1388، اس میں چھٹا کا ذکر ہے لیکن یہ الفاظ منکر ہیں، قاله الألباني. 4 سنن النسائي، الجمعة، حديث: 1390، و سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 1048.

① الشروق ② البكور ③ الغدوة ④ الضحى ⑤ الهاجرة ⑥ الظهيرة
⑦ الرواح ⑧ العصر ⑨ القصر ⑩ الأصيل ⑪ العشي ⑫ الغروب

٭ رات کی بارہ گھڑیاں مندرجہ ذیل ہیں:

① الشفق ② الغسق ③ العتمة ④ السدفة ⑤ الجهمة ⑥ الزلة
⑦ الزلفة ⑧ البهرة ⑨ السحر ⑩ الفجر ⑪ الصبح ⑫ الصباح

(٥) بَابٌ:

باب:5-بلاعنوان

٨٨٢ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بَيْنَمَا هُوَ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِذْ دَخَلَ رَجُلٌ فَقَالَ عُمَرُ: لِمَ تَحْتَبِسُونَ عَنِ الصَّلَاةِ؟ فَقَالَ الرَّجُلُ: مَا هُوَ إِلَّا سَمِعْتُ النِّدَاءَ تَوَضَّأْتُ، فَقَالَ: أَلَمْ تَسْمَعُوا النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «إِذَا رَاحَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْجُمُعَةِ فَلْيَغْتَسِلْ». [راجع: ٨٧٨]

[882] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے کہ اس دوران میں ایک شخص حاضر ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم لوگ نماز کے لیے آنے میں دیر کیوں کرتے ہو؟ اس شخص نے کہا کہ اذان کی آواز سنتے ہی میں نے وضو کیا اور چلا آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا: ''جب تم میں سے کوئی نماز جمعہ کے لیے روانہ ہو تو غسل کرے۔''

فوائد و مسائل: ① حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس عنوان کا ماقبل سے تعلق ہے کیونکہ اس سے پہلے باب میں صبح ہی سے نماز جمعہ کے لیے حاضری کی فضیلت بیان ہوئی تھی اور اس عنوان میں ان حضرات کی تردید ہے جو ترک تبکیر پر اہل مدینہ کا اجماع بتاتے ہیں کیونکہ اس حدیث کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ کے اجتماع میں ترک تبکیر پر انکار کیا ہے۔ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک جمعہ کی فضیلت اور اس کی عظمت واہمیت نہ ہوتی تو وہ دیر سے آنے پر اس طرح خطبہ چھوڑ کر مجمع عام میں برملا انکار نہ فرماتے۔ جب جمعہ کے لیے صبح جلدی آنے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے تو اس سے جمعہ کی فضیلت بھی ثابت ہوتی ہے۔ وھو المقصود [1] ② واضح رہے کہ حسب تصریح محدثین دیر سے آنے والے بزرگ حضرت ذوالنورین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے۔ ③ اس عنوان میں امام بخاری رحمہ اللہ نے امام مالک کی تردید کی ہے۔ ان کے نزدیک زوال آفتاب کے بعد جلدی آنے کی فضیلت بیان ہوئی کیونکہ حدیث میں لفظ تہجیر بیان ہوا ہے جس کے معنی زوال آفتاب کے بعد نکلنا ہیں جبکہ جمہور محدثین کے نزدیک تبکیر، یعنی جمعہ کے دن صبح سویرے آنا باعث فضیلت ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ

1 فتح الباري: 476/2.

نے امام مالک کے موقف کو رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے خلاف قرار دیا ہے۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی مایۂ ناز تصنیف "زادالمعاد" میں اس بحث کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔[1]

(٦) بَابُ الدُّهْنِ لِلْجُمُعَةِ

باب:6- جمعے کے لیے بالوں کو تیل لگانا

٨٨٣ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي عَنِ ابْنِ وَدِيعَةَ، عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَا يَغْتَسِلُ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَيَتَطَهَّرُ مَا اسْتَطَاعَ مِنَ الطُّهْرِ، وَيَدَّهِنُ مِنْ دُهْنِهِ أَوْ يَمَسُّ مِنْ طِيبِ بَيْتِهِ، ثُمَّ يَخْرُجُ فَلَا يُفَرِّقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ، ثُمَّ يُصَلِّي مَا كُتِبَ لَهُ، ثُمَّ يُنْصِتُ إِذَا تَكَلَّمَ الْإِمَامُ إِلَّا غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرَى». [انظر: ٩١٠]

[883] حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور جس قدر ممکن ہو صفائی کر کے تیل لگائے یا اپنے گھر کی خوشبو لگا کر نماز جمعہ کے لیے نکلے اور دو آدمیوں کے درمیان تفریق نہ کرے (جو مسجد میں بیٹھے ہوں) پھر جتنی نماز اس کی قسمت میں ہو ادا کرے اور جب امام خطبہ دینے لگے تو خاموش رہے، ایسے شخص کے وہ گناہ جو اس جمعہ سے دوسرے جمعہ کے درمیان ہوئے ہوں سب بخش دیے جائیں گے۔"

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعے کے دن بالوں کی پراگندگی دور کر کے تیل وغیرہ استعمال کرنا چاہیے، نیز خوشبو وغیرہ بھی لگانی چاہیے۔ ایک روایت میں ہے کہ خوشبو ضرور استعمال کرنی چاہیے خواہ بیوی ہی کی کیوں نہ ہو۔ دوسری روایت میں ہے کہ اچھا لباس زیب تن کرنا چاہیے۔ جمعہ کے لیے صفائی وطہارت کا اہتمام کرنے سے اس کے سابقہ جمعہ تک کے صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ایک روایت میں مزید تین دن کا بھی ذکر ہے لیکن صغیرہ گناہوں کی معافی کے لیے ضروری ہے کہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے جیسا کہ سنن ابن ماجہ کی روایت میں اس کی وضاحت ہے۔ اگر کبیرہ گناہ نہیں ہوں گے تو امید ہے کہ صغیرہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔ الغرض گناہوں کی معافی کے لیے مندرجہ ذیل امور کی بجا آوری ضروری ہے: ٭ غسل کرنا۔ ٭ بالوں میں تیل لگانا۔ ٭ خوشبو استعمال کرنا۔ ٭ اچھا لباس زیب تن کرنا۔ ٭ سکون و وقار کے ساتھ راستہ طے کرنا۔ ٭ مسجد میں پہنچ کر لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگنا۔ ٭ دو آدمیوں کے درمیان نہ گھسنا۔ ٭ حسب استطاعت نفل پڑھنا۔ ٭ خاموش بیٹھ کر خطبہ سننا۔ ٭ لغویات سے اجتناب کرنا۔[2] واللہ أعلم.

٨٨٤ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ طَاوُسٌ: قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ: ذَكَرُوا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «اغْتَسِلُوا يَوْمَ

[884] حضرت طاؤس سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ لوگ کہتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا ہے: "جمعے کے دن غسل کرو اور

---

[1] زادالمعاد: 1/399-407. [2] فتح الباري: 2/479.

الْجُمُعَةِ وَاغْسِلُوا رُؤُوسَكُمْ، وَإِنْ لَمْ تَكُونُوا جُنُبًا، وَأَصِيبُوا مِنَ الطِّيبِ». قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: أَمَّا الْغُسْلُ فَنَعَمْ، وَأَمَّا الطِّيبُ فَلَا أَدْرِي. [انظر: ۸۸۵]

اپنے سروں کو دھوؤ اگرچہ تم جنبی نہ ہو، پھر خوشبو استعمال کرو۔" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ غسل کا حکم تو صحیح ہے لیکن خوشبو کے متعلق مجھے علم نہیں۔

۸۸۵ – حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى قَالَ: أَخْبَرَنَا هِشَامٌ أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ قَالَ: أَخْبَرَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مَيْسَرَةَ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ ذَكَرَ قَوْلَ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْغُسْلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَقُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ: أَيَمَسُّ طِيبًا أَوْ دُهْنًا إِنْ كَانَ عِنْدَ أَهْلِهِ؟ فَقَالَ: لَا أَعْلَمُهُ. [راجع: ۸۸٤]

[885] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے جب نبی ﷺ کا فرمان جمعہ کے دن غسل سے متعلق بیان کیا تو راوی حدیث حضرت طاوس نے دریافت کیا کہ اس کے گھر میں تیل یا خوشبو ہو تو اسے بھی استعمال کرے؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں نہیں جانتا۔

فائدہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو اس لیے بیان کیا ہے کہ جمعے کے دن غسل کے علاوہ جتنے بھی پسندیدہ کام ہیں، مثلاً: بالوں میں تیل لگانا، خوشبو استعمال کرنا، ان کے متعلق اتنی تاکید نہیں ہے، البتہ غسل کرنے کی بہت تاکید ہے، نیز ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو خوشبو وغیرہ کے استعمال کے متعلق کچھ تردد تھا، حالانکہ ایک روایت میں وہ خود رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ اگر خوشبو میسر ہو تو اسے استعمال کرے۔ شارحین نے اس کے کئی ایک جوابات دیے ہیں: ٭ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی جس حدیث میں خوشبو کا ذکر ہے وہ روایت ضعیف ہے۔[1] ٭ ممکن ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما خوشبو سے متعلق روایت کو بھول گئے ہوں۔ ٭ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی حدیث کا علم نہ ہوسکا ہو۔ ٭ چونکہ مردوں اور عورتوں کی خوشبو الگ الگ ہوتی ہے، اس لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو خوشبو کے متعلق شرح صدر نہ ہوسکا کہ مرد، عورتوں کی بہترین خوشبو لگا کر مسجد جائیں۔ واللہ أعلم۔

(۷) بَابٌ: يَلْبَسُ أَحْسَنَ مَا يَجِدُ

باب: 7- جمعے کے لیے حسب توفیق بہترین لباس پہنے

۸۸٦ – حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ رَأَى حُلَّةً سِيَرَاءَ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! لَوْ

[886] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد کے دروازے کے پاس ایک ریشمی جوڑا فروخت ہوتے دیکھا تو عرض کیا: اللہ کے رسول! اگر آپ اسے خرید لیں تو اچھا ہے تاکہ جمعہ اور سفیروں کی آمد کے

1 فتح الباري: 480/2.

اشْتَرَيْتَ هٰذِهِ فَلَبِسْتَهَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلِلْوَفْدِ إِذَا قَدِمُوا عَلَيْكَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «إِنَّمَا يَلْبَسُ هٰذِهِ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ فِي الْآخِرَةِ» ثُمَّ جَاءَتْ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ مِنْهَا حُلَلٌ، فَأَعْطٰى مِنْهَا عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ حُلَّةً، فَقَالَ عُمَرُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! كَسَوْتَنِيهَا وَقَدْ قُلْتَ فِي حُلَّةِ عُطَارِدٍ مَا قُلْتَ؟ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «إِنِّي لَمْ أَكْسُكَهَا لِتَلْبَسَهَا» فَكَسَاهَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَخًا لَهُ بِمَكَّةَ مُشْرِكًا. [البخاري: ٨٨٦، ٩٤٨، ٢١٠٤، ٢٦١٢، ٢٦١٩، ٣٠٥٤، ٥٨٤١، ٥٩٨١=٦٠٨١]

وقت اسے زیب تن فرما لیا کریں؟ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اسے تو وہ شخص پہنے گا جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو۔“ اس کے بعد کہیں سے رسول اللہ ﷺ کے پاس اس قسم کے ریشمی جوڑے آ گئے۔ ان میں سے آپ نے ایک جوڑا عمر رضی اللہ عنہ کو بھی دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ نے مجھے یہ جوڑا عنایت فرمایا ہے، حالانکہ آپ خود ہی حلہ عطارد کے متعلق کچھ فرما چکے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں نے تمھیں یہ اس لیے نہیں دیا کہ اسے خود پہنو۔“ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ جوڑا اپنے مشرک بھائی کو پہنچا دیا جو کہ مکہ میں رہائش پذیر تھا۔[1]

فوائد ومسائل: (1) اس حدیث کی باب سے مطابقت ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ریشمی دھاری دار جوڑا خریدنے کی خواہش کا اظہار کیا تاکہ رسول اللہ ﷺ اسے جمعے کے دن زیب تن کیا کریں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعے کے دن اچھا لباس پہننا رائج تھا اور رسول اللہ ﷺ نے اس خواہش پر کوئی انکار نہیں فرمایا۔ چونکہ وہ ریشم کا تھا اس لیے آپ اس کے خریدنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ دوسری حدیث سے جمعے کے دن اچھا لباس پہننے کی وضاحت ملتی ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے جمعے کے دن رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”کتنا اچھا ہو اگر تم لوگ محنت ومزدوری کے کپڑوں کے علاوہ جمعہ کے دن کے لیے دو کپڑے اور خرید لو۔“ (2) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے مادری بھائی عثمان بن حکیم کو ریشمی حلہ بطور تحفہ دیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی کافر ومشرک کو ریشمی لباس بطور ہدیہ دیا جا سکتا ہے، نیز اس سے پتہ چلتا ہے کہ کفار فروعی احکام کے مکلف نہیں ہیں۔ اس کے متعلق علمائے امت کے تین اقوال ہیں۔ ● کفار فروعی احکام کے ادائیگی واعتقاد کے لحاظ سے مکلف ہیں اور انھیں قیامت کے دن ترک ایمان وعمل کی وجہ سے عذاب ہوگا۔ ● فروعی مسائل کے اعتقاد اور ادائیگی کے لحاظ سے مخاطب نہیں ہیں۔ قیامت کے دن انھیں صرف ترک ایمان کی وجہ سے سزا دی جائے گی۔ ● اعتقادًا مخاطب ہیں، ادائیگی کے لحاظ سے مکلف نہیں ہیں۔ قیامت کے دن انھیں جو عذاب دیا جائے گا وہ ترک ایمان اور فروعات سے متعلق ترک اعتقاد کے باعث ہوگا۔ محدثین کے نزدیک کفار ایمان کے علاوہ فروعی مسائل کے بھی ادا اور اعتقادًا مکلف ہیں۔ (3) اس حدیث میں ہے کہ ریشمی لباس پہننے والا قیامت کے دن اس سے محروم ہوگا۔ یہ محرومی اس اعتبار سے ہوگی کہ انھیں ریشمی لباس پہننے کا خیال تو آئے گا لیکن انھیں اس سے محروم ہونا پڑے گا، یعنی وہ اس کی خواہش نہیں کریں گے اور جنت میں ہر چیز ملنے کا وعدہ اہل جنت کی خواہش پر موقوف ہوگا، جس طرح اہل جنت اپنے سے اعلیٰ مراتب والوں کے مرتبہ ومقام کی طلب وخواہش نہیں کریں گے۔ قرآن پاک

[1] سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 1078.

میں ہے: ﴿وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ﴾[1] ''اور اس میں تمھارے لیے وہ (سب کچھ) ہے جو تمھارے جی چاہیں گے اور اس میں تمھارے لیے وہ (سب کچھ) ہے جو تم مانگو گے۔'' علامہ عینی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس قسم کے لوگوں کی محرومی کو بعض حضرات نے حقیقت پر محمول کیا ہے، خواہ انھوں نے توبہ ہی کیوں نہ کر لی ہو مگر اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ اگر انسان توبہ کرنے کے بعد فوت ہوگا تو جنت میں اس قسم کی نعمتوں سے محروم نہیں رہے گا۔[2]

(٨) بَابُ السِّوَاكِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

باب: 8- جمعے کے دن مسواک کرنا

وَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «يَسْتَنُّ».

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ (نماز جمعہ کے دن) مسواک کرتے۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس معلق روایت کو خود اپنی متصل سند سے بیان کیا ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان پر گواہ ہوں کہ جمعے کے دن ہر بالغ آدمی پر غسل کرنا واجب ہے اور یہ کہ وہ مسواک کرے اور اگر خوشبو میسر ہو تو اسے استعمال میں لائے۔[3]

٨٨٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي - أَوْ لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى النَّاسِ - لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ مَعَ كُلِّ صَلَاةٍ». [انظر: ٧٢٤٠]

[887] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں اپنی امت یا لوگوں پر گراں نہ سمجھتا تو انھیں ہر نماز کے لیے مسواک کرنے کا حکم ضرور دیتا۔''

٨٨٨ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعَيْبُ بْنُ الْحَبْحَابِ قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسٌ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَكْثَرْتُ عَلَيْكُمْ فِي السِّوَاكِ».

[888] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمھیں مسواک کرنے کے متعلق بہت تلقین کر چکا ہوں۔''

٨٨٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ وَحُصَيْنٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَشُوصُ فَاهُ. [راجع: ٢٤٥]

[889] حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ جب رات کو اٹھتے تو اپنا منہ مسواک سے خوب صاف کرتے۔

---

1 حٰم السجدة 31:41. 2 عمدة القاري: 29/5. 3 صحيح البخاري، الجمعة، حديث: 880.

فوائد و مسائل: ① کچھ اہل علم کے نزدیک جمعے کے دن مسواک کرنا ضروری ہے حتی کہ اگر دانستہ طور پر مسواک ترک کر دی جائے تو ان کے نزدیک جمعہ صحیح نہیں ہے جبکہ جمہور اہل علم کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان بھی جمہور اہل علم کی طرف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے عام روایات ہی سے استدلال کیا ہے، چنانچہ آپ نے اس سلسلے میں تین متصل روایات بیان کی ہیں: پہلی روایت میں ہر نماز کے لیے مسواک کرنے کا ذکر ہے۔ اس عموم میں نماز جمعہ بھی شامل ہے۔ حضرت زین بن منیر فرماتے ہیں کہ جمعے کے لیے غسل، نظافت اور خوشبو وغیرہ سے اپنے ظاہر کو سنوارنے کا حکم ہے، اس لیے ضروری ہے کہ نمازی کا منہ جو مناجات الہیہ کے لیے ظرف اور محل کی حیثیت رکھتا ہے اسے بھی صاف رکھا جائے اور اس سے ہر تکلیف دہ چیز کو دور کیا جائے جو انسانوں اور فرشتوں کے لیے نفرت کا باعث ہے۔ اسی طرح دوسری حدیث کے عموم سے امام بخاری رحمہ اللہ نے جمعے کے دن مسواک کرنے پر استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بکثرت مسواک کرنے کے متعلق امت کو تلقین کیا کرتے تھے۔ جمعے کا دن چونکہ اصل اجتماع کا دن ہے، اس کے لیے بالاولی مسواک کا اہتمام کرنا چاہیے۔ حدیث حذیفہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو اٹھتے وقت مسواک کے ذریعے سے اپنے منہ کو صاف کرنے کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے تاکہ آپ کا اندرون صاف ستھرا رہے۔ جمعے کے دن تو ظاہر اور باطن کو خوبصورت بنانے کا حکم ہے، اس لیے جمعے کے لیے مسواک کے ذریعے سے صفائی کا اہتمام انتہائی ضروری ہے۔[1] ② نمازی کے منہ سے قرآن کی تلاوت ہوتی ہے، نیز اللہ تعالیٰ سے مناجات کا ذریعہ ہے۔ فرشتے جو نمازی کے منہ سے قرآن مجید اور ذکر الٰہی کے کلمات سنتے ہیں اور فرط اشتیاق سے تلاوت کرنے والے کے منہ پر اپنا منہ رکھ دیتے ہیں تاکہ جو آواز بھی قرآن پڑھنے اور ذکر کرنے والے کے منہ سے نکلے وہ سب فرشتے کے منہ میں چلی جائے جیسا کہ مسند بزار کی ایک حدیث میں اس کی صراحت ہے۔[2] ایسے حالات میں منہ کو نہایت صاف ستھرا رکھنے کی جتنی بھی کوشش کی جائے کم ہے۔[3] ③ مسواک کے متعلق اکابر امت کا اختلاف ہے کہ یہ نماز کی سنت ہے یا وضو کی یا دین کی؟ احادیث سے ہر موقف کی تائید ہوتی ہے۔ ہر دیندار کو تمام حالات میں سنت مسواک پر عمل کرنا چاہیے۔ وضو کے وقت، نماز کے وقت اور منہ میں کسی قسم کا تغیر آ لے کے وقت خاص طور پر مسواک کا اہتمام کرنا چاہیے۔ علمائے امت نے پانچ اوقات میں مسواک کرنے کو مستحب قرار دیا ہے: ① وضو کے وقت۔ ② نماز کے وقت۔ ③ جب منہ میں بدبو پیدا ہو جائے۔ ④ جب دانت زرد ہو جائیں۔ ⑤ جب نیند سے بیدار ہو۔ ④ مسواک کرتے وقت رسول اللہ ﷺ کے منہ سے أُعْ أُعْ کی آواز نکلتی تھی جیسا کہ قے کرنے کی کیفیت ہوتی ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ اچھی طرح منہ کے اندر مسواک کی جائے تاکہ حلق اور سینے کا بلغم نکل جائے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ آواز صاف ہو جاتی ہے اور منہ خوشبودار ہو جاتا ہے۔ واضح رہے کہ اس طرح منہ کے متعدد امراض خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔[4]

(۹) بَابُ مَنْ تَسَوَّكَ بِسِوَاكِ غَيْرِهِ

باب: 9- کسی دوسرے کی مسواک استعمال کرنا

[1] فتح الباري: 482/2. [2] مسند البزار البحر الزخار: 214/2، و سلسلة الأحاديث الصحيحة، حديث: 1213. [3] فتح الباري: 484/2. [4] حجة الله البالغة: 567/1، طبع مكتبة الكوثر.

٨٩٠ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ ابْنُ بِلَالٍ قَالَ: قَالَ هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ: أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: دَخَلَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ وَمَعَهُ سِوَاكٌ يَسْتَنُّ بِهِ، فَنَظَرَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقُلْتُ لَهُ: أَعْطِنِي هٰذَا السِّوَاكَ يَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ، فَأَعْطَانِيهِ، فَقَصَمْتُهُ، ثُمَّ مَضَغْتُهُ فَأَعْطَيْتُهُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَاسْتَنَّ بِهِ وَهُوَ مُسْتَنِدٌ إِلَى صَدْرِي. [انظر: ۱۳۸۹، ۳۱۰۰، ۳۷۷۴، ۴۴۳۸، ۴۴۴۶، ۴۴۴۹، ۴۴۵۰، ۴۴۵۱، ۵۲۱۷، ۶۵۱۰]

[890] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر ؓ آئے اور ان کے پاس مسواک تھی جسے وہ استعمال کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف دیکھا تو میں نے ان سے کہا: اے عبدالرحمٰن! یہ مسواک مجھے دے دو۔ انھوں نے مسواک مجھے دے دی۔ میں نے اسے (دانتوں سے) توڑا، پھر اسے چبا کر رسول اللہ ﷺ کو دے دی۔ آپ نے اس سے دانت صاف کیے جبکہ آپ اس وقت میرے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ کا مقصود یہ ہے کہ جمعے کے دن مسواک ضرور کی جائے۔ اگر اپنے پاس نہیں ہے تو کسی دوسرے کی مسواک کو اس کی اجازت سے استعمال کر لیا جائے۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کسی دوسرے کی استعمال شدہ مسواک استعمال کرنے میں کوئی قباحت نہیں، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ تعاون کے طور پر کسی دوسرے کو مسواک نرم کر کے دی جا سکتی ہے۔ علامہ عینی نے لکھا ہے کہ امام بخاری ؒ کا مقصد تھوک کی طہارت بیان کرنا ہے لیکن اس کا محل کتاب الوضو ہے۔ ② ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ ؓ نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن ؓ سے مسواک لے کر رسول اللہ ﷺ کو دی لیکن بیماری سے نقاہت کی بنا پر مسواک کرنے میں آپ کو دشواری محسوس ہوئی۔ حضرت عائشہ ؓ نے عرض کیا کہ میں آپ کے لیے اسے نرم کر دیتی ہوں۔ پھر حضرت عائشہ ؓ نے مسواک کے سخت ریشوں کو اپنے دانتوں سے کاٹ کر پھینک دیا اور خود چبا کر انھیں نرم کیا، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اسے استعمال فرمایا۔ جب رسول اللہ ﷺ مسواک سے فارغ ہوئے تو آپ نے اپنے ہاتھ کی انگلی سے اوپر کی طرف اشارہ فرمایا۔ اس کے بعد اپنی جان، جان آفریں کے حوالے کر دی۔ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ اس طرح اللہ تعالیٰ نے دنیا کے آخری دن اور آخرت کے پہلے دن میرے اور رسول اللہ ﷺ کے لعاب کو باہم اکٹھا رکھنے کا سبب پیدا کر دیا۔[1]

(۱۰) بَابُ مَا يُقْرَأُ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

باب: 10- جمعے کے دن نماز فجر میں کون سی سورت پڑھی جائے

٨٩١ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ - هُوَ

[891] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ جمعے کے دن نماز فجر میں الٓمٓ تنزیل السجدۃ

1 صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4448.

ابْنُ هُرْمُزَ الْأَعْرَجُ - عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ: ﴿الٓمٓ ۝ تَنزِيلُ﴾ [السجدة ۳۲: ۱، ۲] وَ﴿هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَٰنِ﴾ [الإنسان ۷۶: ۱] [انظر: ۱۰۶۸]

اور هل اتی علی الانسان پڑھا کرتے تھے۔

فوائد ومسائل: ① بعض روایات میں صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ پہلی رکعت میں سورۂ سجدہ اور دوسری رکعت میں سورۂ دہر پڑھتے تھے جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔ پھر حدیث مذکور میں لفظ کان سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعے کے دن نماز فجر میں ان سورتوں کے پڑھنے پر مواظبت فرمائی ہے، بلکہ طبرانی کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ تو اس عمل پر مداومت فرمائی۔ کچھ لوگوں کا دعویٰ ہے کہ اہل مدینہ نے اس عمل کو ترک کر دیا تھا لیکن اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے کیونکہ اکثر اہل علم اس کے قائل اور فاعل ہیں حتی کہ ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف جو مدینہ کے کبار تابعین میں سے ہیں ان کے متعلق روایات میں آتا ہے کہ انھوں نے جمعے کے دن لوگوں کو نماز فجر پڑھائی اور نماز میں ان دو سورتوں کو تلاوت فرمایا جیسا کہ ابن ابی شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ اسے روایت کیا ہے۔[1] ② ان سورتوں کو جمعے کے دن نماز فجر میں پڑھنے کی حکمت یہ بیان کی جاتی ہے کہ ان میں خلق آدم اور قیامت آنے کا ذکر ہے، پھر حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش جمعے کے دن ہوئی تھی اور قیامت کے متعلق بھی احادیث میں ہے کہ جمعے کے دن آئے گی، اس لیے خلق آدم اور آمد قیامت کے مضامین کو تازہ کرنے کے لیے جمعے کے دن نماز فجر میں سورۂ سجدہ اور سورۂ دہر پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔[2]

(۱۱) بَابُ الْجُمُعَةِ فِي الْقُرَى وَالْمُدُنِ

باب: 11- دیہاتوں اور شہروں میں جمعہ پڑھنا

وضاحت: بعض لوگ انعقاد جمعہ کے لیے خود ساختہ شرائط عائد کرتے ہیں، یعنی مخصوص عدد، مخصوص جگہ یا مخصوص امام کی تعیین کی شرط لگاتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک جمعے کے لیے اس قسم کی غیر شرعی شرائط لگانا درست نہیں کیونکہ یہ عام نمازوں کی طرح ہے۔ کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جس سے ثابت ہو کہ نماز جمعہ دیگر نمازوں سے ممتاز اور الگ حیثیت رکھتی ہے۔ مذکورہ عنوان میں امام بخاری رحمہ اللہ نے انعقاد جمعہ کے لیے مخصوص جگہ کی شرط کو غیر شرعی ثابت کیا ہے۔

۸۹۲ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ عَنْ أَبِي جَمْرَةَ الضُّبَعِيِّ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ: إِنَّ أَوَّلَ جُمُعَةٍ جُمِّعَتْ بَعْدَ جُمُعَةٍ فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي مَسْجِدِ عَبْدِ الْقَيْسِ

[892] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد کے بعد پہلا جمعہ بنو عبدالقیس کی مسجد میں شروع ہوا جو علاقہ بحرین کے جواثی مقام میں تھی۔

[1] فتح الباري: 458/2. [2] فتح الباري: 487/2.

بِجُوَاثَى مِنَ الْبَحْرَيْنِ. [انظر: ٤٣٧١]

فوائد و مسائل: ① واضح رہے کہ "جواثی" بحرین کے دیہاتوں میں سے ایک دیہات تھا جیسا کہ دیگر روایات میں ہے۔[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے تحت ان لوگوں کی تردید کی ہے جو نماز جمعہ کو شہروں کے ساتھ خاص کر کے دیہاتوں میں اقامت جمعہ کا انکار کرتے ہیں جن میں سرفہرست احناف ہیں۔ جن کی دلیل ابن ابی شیبہ (538/2) میں منقول سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا موقوف اثر ہے۔ اس کے برعکس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق ابن ابی شیبہ (537/2) میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ انھوں نے اہل بحرین کو لکھا تھا کہ تم جہاں کہیں بھی ہو اقامت جمعہ کا اہتمام کرو۔ یہ عموم شہروں اور دیہاتوں دونوں کو شامل ہے۔ اس کے علاوہ حضرت لیث بن سعد سے بھی مروی ہے کہ وہ ہر شہر اور دیہات جہاں اہل اسلام کے چند افراد ہوں اقامت جمعہ کے قائل تھے، چنانچہ اہل مصر اور اس کے آس پاس رہنے والے حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے حکم سے جمعہ ادا کرتے تھے اور وہاں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی ہوا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مکہ اور مدینہ کے درمیان بسنے والے لوگوں کو جمعہ پڑھتے دیکھتے تو کوئی اعتراض نہ کرتے تھے۔[2] ② بعض مؤرخین نے "جواثی" کے متعلق لکھا ہے کہ یہ آبادی ایک شہر پر مشتمل تھی جبکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کے ایک دوسرے مقام پر اس کے دیہات ہونے کی صراحت کی ہے۔[3] یہ بھی ممکن ہے کہ جب اس مقام پر جمعہ پڑھنے کا اہتمام ہوا تو یہ ایک گاؤں تھا پھر آبادی کے بڑھنے سے ایک شہر کی صورت اختیار کر گیا جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی صراحت کی ہے۔[4] واضح رہے کہ قبیلۂ عبدالقیس نے وہاں رسول اللہ ﷺ کے حکم ہی سے اقامت جمعہ کا اہتمام کیا تھا کیونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اپنی طرف سے نزول وحی کے زمانے میں کسی شرعی کام کا اہتمام نہیں کرتے تھے۔ اگر یہ اقدام ناجائز ہوتا تو بذریعۂ وحی ضرور انھیں متنبہ کر دیا جاتا۔ اس کے علاوہ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے نقیع الخضمات کے علاقے میں بنو بیاضہ کی بستی حزم النبیت" میں جمعہ قائم کیا تھا۔[5] یہ بستی مدینہ منورہ سے ایک میل کے فاصلے پر تھی۔ دیہاتوں میں جمعہ پڑھنے کی سب سے بڑی دلیل ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَوٰةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ﴾[6] "اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو تم اللہ کے ذکر کی طرف چلے آؤ اور خرید و فروخت کو ترک کر دو۔" یہ آیت کریمہ تمام اہل ایمان کے لیے عام ہے، خواہ وہ شہری ہوں یا دیہاتی۔ الغرض اسلام نے جمعہ کی ادائیگی کے لیے کسی خاص جگہ کی پابندی نہیں لگائی۔ اس کے متعلق جو شرائط بیان کی جاتی ہیں وہ سب خود ساختہ ہیں۔ اقامت جمعہ کے متعلق شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی نے بڑا جامع تبصرہ کیا ہے، فرماتے ہیں: اہل علم نے اقامت جمعہ کے محل کے متعلق اختلاف کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے متبعین کا خیال ہے کہ جمعہ صرف مصر جامع ہی میں صحیح ہے، جبکہ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شہروں اور دیہاتوں غرضیکہ ہر جگہ جائز اور صحیح ہے۔ امام ابو حنیفہ نے اس حدیث کو بطور دلیل پیش کیا ہے کہ جمعہ اور عید صرف مصر جامع میں ہی صحیح ہے لیکن امام احمد بن حنبل نے اس روایت کے

---

(1) صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4371. (2) سنن أبي داود، حديث: 1068. (3) فتح الباري: 488/2. (4) صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4371. (4) فتح الباري: 489/2. (5) سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 1069. (6) الجمعة 9:62.

مرفوع ہونے کو ضعیف قرار دیا ہے۔ امام ابن حزم نے اس کا موقوف ہونا صحیح تسلیم کیا ہے، یعنی یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ چونکہ یہ موقوف ہے اور اس میں اجتہاد کی کافی گنجائش ہے، اس لیے اس روایت کو بطور دلیل پیش نہیں کیا جا سکتا۔ نیز اس روایت سے سورۂ جمعہ کی آیت جو مطلق ہے اس کا مقید ہونا لازم آتا ہے جو اصول کے اعتبار سے صحیح نہیں۔[1]

٨٩٣ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمَرْوَزِيُّ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنَا سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «كُلُّكُمْ رَاعٍ» وَزَادَ اللَّيْثُ - قَالَ يُونُسُ: وَكَتَبَ رُزَيْقُ بْنُ حُكَيْمٍ إِلَى ابْنِ شِهَابٍ وَأَنَا مَعَهُ يَوْمَئِذٍ بِوَادِي الْقُرَى: هَلْ تَرَى أَنْ أُجَمِّعَ؟ وَرُزَيْقٌ عَامِلٌ عَلَى أَرْضٍ يَعْمَلُهَا وَفِيهَا جَمَاعَةٌ مِّنَ السُّودَانِ وَغَيْرِهِمْ، وَرُزَيْقٌ يَوْمَئِذٍ عَلَى أَيْلَةَ، فَكَتَبَ ابْنُ شِهَابٍ، وَأَنَا أَسْمَعُ، يَأْمُرُهُ أَنْ يُجَمِّعَ، يُخْبِرُهُ أَنَّ سَالِمًا حَدَّثَهُ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ: اَلْإِمَامُ رَاعٍ وَمَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِي أَهْلِهِ وَهُوَ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا وَمَسْؤُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا، وَالْخَادِمُ رَاعٍ فِي مَالِ سَيِّدِهِ وَمَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ». قَالَ: وَحَسِبْتُ أَنْ قَدْ قَالَ: «وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِي مَالِ أَبِيهِ وَهُوَ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَمَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ». [انظر: ٢٤٠٩، ٢٥٥١، ٢٥٥٨، ٢٧٥١، ٥١٨٨، ٥٢٠٠، ٧١٣٨]

[893] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''تم میں سے ہر شخص نگران ہے۔'' (راوی حدیث) حضرت لیث نے اس حدیث کو کچھ اضافے کے ساتھ بیان کیا ہے: (میرے شیخ) یونس نے کہا کہ میں ان دنوں وادی القری میں ابن شہاب زہری کے ساتھ تھا جب رزیق بن حکیم نے امام ابن شہاب کو لکھ بھیجا کہ یہاں جمعہ قائم کرنے کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ رزیق ان دنوں (حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی طرف سے) ایلہ کے گورنر تھے اور اس کے اطراف میں ایک زمین کے فارم میں کاشت کاری کراتے تھے، وہاں حبشیوں اور دوسرے لوگوں کی ایک جماعت آباد تھی۔ اندریں حالات امام ابن شہاب زہری نے جواب لکھا کہ وہاں اقامت جمعہ کا اہتمام کریں۔ یونس کہتے ہیں کہ میں ان کا جواب سن رہا تھا، انھوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور اس سے اپنی رعیت کے متعلق باز پرس ہوگی۔ امام نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق باز پرس ہوگی۔ مرد اپنے گھر کا نگران ہے اور اس سے اپنے اہل خانہ کے متعلق سوال ہوگا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق پوچھا جائے گا۔ خادم اپنے آقا کے مال کا نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق پوچھا جائے گا۔'' راوی کہتا ہے کہ میرے گمان کے مطابق آپ نے یہ بھی کہا: ''آدمی اپنے باپ کے مال کا نگران ہے اور اس سے اس کے متعلق باز پرس ہوگی۔ تم

[1] مرعاة المفاتيح: 288/2.

میں سے ہر شخص نگران ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے متعلق سوال ہوگا۔“

فوائد و مسائل: ① وادی قری، مدائن صالح کو کہتے ہیں جو ایک سو تیس گاؤں پر مشتمل تھی اور یہ آبادی مدینہ منورہ کے قریب پڑتی تھی۔ اور ایلہ ایک مشہور شہر ہے جو مدینہ اور مصر کے مابین بحر قلزم کے کنارے پر واقع تھا۔ حضرت رزیق، خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی طرف سے وہاں کے گورنر تھے اور وہ ایلہ کے اطراف میں ایک مقام پر اپنے نوکروں سے کاشت کاری کراتے تھے۔ چونکہ وہاں سوڈانیوں اور دیگر مزارعین کی جماعت آباد تھی، اس لیے انھوں نے امام زہری کی طرف خط لکھا کہ میں اس زرعی فارم پر اقامت جمعہ کا اہتمام کروں؟ امام زہری نے جواب دیا کہ وہاں جمعہ کا اہتمام کرنا تمھاری ذمہ داری میں شامل ہے کیونکہ تم اس علاقے کے حاکم ہو اور ہر حاکم سے اس کی رعایا کے مفاد کے متعلق باز پرس ہوگی۔ لوگوں کے لیے باعث اصلاح امور کی حفاظت تمھارے ذمے ہے اور اقامت جمعہ بھی لوگوں کی اصلاح کے لیے ہے، اس لیے جمعے کا اہتمام کرنا تمھارے فرائض میں شامل ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے یہیں سے گاؤں میں اقامت جمعہ پر استدلال کیا ہے جو اپنے مفہوم میں بہت واضح اور شفاف ہے۔ شارح بخاری علامہ زین بن منیر کہتے ہیں کہ اس واقعے سے اشارہ ملتا ہے کہ حاکم وقت کی اجازت کے بغیر بھی جمعہ ہو سکتا ہے بشرطیکہ وہاں کوئی عوام الناس کی ضروریات کا خیال رکھنے والا موجود ہو۔ اور اس واقعے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ گاؤں میں اقامت جمعہ کا اہتمام ہو سکتا ہے۔ یہ موقف ان لوگوں کے خلاف ہے جو اقامت جمعہ کے لیے شہر ہونے کی شرط لگاتے ہیں۔[1] ③ راوی حدیث یونس بن یزید ایلی سے بیان کرنے والے عبداللہ بن مبارک اور حضرت لیث بن سعد ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کی روایت میں ”یس منظر“ کا ذکر نہیں ہے جبکہ حضرت لیث نے اس واقعے کو بھی ذکر کیا ہے جس کے تناظر میں حضرت امام زہری رحمہ اللہ نے یہ حدیث بیان کی۔ لیکن لیث کی روایت معلق ہے جسے امام ذہلی نے لیث بن سعد کے کاتب ابو صالح سے موصولاً بیان کیا ہے۔[2]

(١٢) بَابٌ: هَلْ عَلَى مَنْ لَمْ يَشْهَدِ الْجُمُعَةَ غُسْلٌ مِنَ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ وَغَيْرِهِمْ؟

باب: 12- کیا ان عورتوں اور بچوں وغیرہ کے لیے غسل جمعہ ضروری ہے جنھیں جمعے کے لیے آنا ضروری نہیں؟

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: إِنَّمَا الْغُسْلُ عَلَى مَنْ تَجِبُ عَلَيْهِ الْجُمُعَةُ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ غسل ان لوگوں کے لیے ضروری ہے جن پر جمعہ ادا کرنا واجب ہے۔

وضاحت: جمعہ کے دن غسل کرنے کے متعلق امام بخاری رحمہ اللہ کے قائم کردہ عنوان ”جمعہ کے دن غسل کی فضیلت“ کے تحت تفصیل گزر چکی ہے۔ اس عنوان میں ”غیرھم“ کے الفاظ سے غلام، مسافر اور معذور کو خارج کرنا مقصود ہے۔ یعنی جس طرح بچوں اور عورتوں پر غسل جمعہ ضروری نہیں اسی طرح ان سب پر جمعہ بھی فرض نہیں، ہاں اگر ادا کرلیں تو ان سے نماز ظہر ساقط

---

[1] فتح الباري: 490/2. [2] فتح الباري: 489/2.

ہو جائے گی۔ مذکورہ اثر کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی متصل سند سے بیان کیا ہے۔ اس میں صریح الفاظ یہ ہیں کہ جمعہ کی ادائیگی اس انسان کے لیے ضروری ہے جو فراغت کے بعد گھر آ سکتا ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو انسان اتنی مسافت سے جمعہ پڑھنے کے لیے آئے کہ فراغت کے بعد غروب آفتاب سے پہلے پہلے اپنے گھر والوں آ جائے اور جو اس سے زیادہ مسافت طے کر کے آئے اس کے ذمے جمعہ کی ادائیگی ضروری نہیں۔ اس اثر کو پیش کرنے سے مقصود یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک غسل جمعہ اس انسان کے لیے مشروع ہے جس پر جمعہ کی ادائیگی ضروری ہے۔[1] واللّٰہ أعلم.

٨٩٤ – حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: حَدَّثَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «مَنْ جَاءَ مِنْكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ». [راجع: ٨٧٧]

[894] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "تم میں سے جو شخص جمعہ کی نماز کے لیے آئے تو وہ غسل کرے۔"

٨٩٥ – حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ». [راجع: ٨٥٨]

[895] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جمعے کے دن غسل کرنا ہر بالغ مرد کے لیے ضروری ہے۔"

٨٩٦ – حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا وَأُوتِينَا مِنْ بَعْدِهِمْ، فَهَذَا الْيَوْمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ فَهَدَانَا اللهُ، فَغَدًا لِلْيَهُودِ، وَبَعْدَ غَدٍ لِلنَّصَارَى». فَسَكَتَ. [راجع: ٢٣٨]

[896] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہم بعد میں آئے ہیں لیکن قیامت کے دن سب سے آگے ہوں گے، فرق صرف اس قدر ہے کہ انھیں ہم سے پہلے کتاب دی گئی اور ہمیں بعد میں ملی، چنانچہ جمعہ کا یہ دن جس کے متعلق اہل کتاب نے اختلاف کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کی رہنمائی کر دی، اس لیے کل کا دن یہود کے لیے اور پرسوں کا دن نصاریٰ کے لیے ہے۔" پھر تھوڑی دیر خاموش رہے۔

٨٩٧ – ثُمَّ قَالَ: «حَقٌّ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ أَنْ يَغْتَسِلَ فِي كُلِّ سَبْعَةِ أَيَّامٍ يَوْمًا يَغْسِلُ فِيهِ رَأْسَهُ

[897] اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ سات دن میں ایک دن

1 فتح الباری: 492-491/2.

وَجَسَدَهُ» . [انظر: ٨٩٨، ٣٤٨٧]

غسل کرے، جس میں اپنے سر اور جسم کو دھوئے۔"

٨٩٨ - رَوَاهُ أَبَانُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لِلّٰهِ تَعَالَى عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ حَقٌّ أَنْ يَغْتَسِلَ فِي كُلِّ سَبْعَةِ أَيَّامٍ يَوْمًا». [راجع: ٨٩٧]

[898] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کا ہر مسلمان پر یہ حق ہے کہ وہ ہر سات دن میں ایک دن ضرور غسل کرے۔"

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ کی عادت ہے کہ جہاں روایات مختلف ہوں یا کسی مسئلے میں ائمہ کا اختلاف ہو وہاں کوئی حکم لگانے کے بجائے لفظ "هَلْ" سے اختلاف کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں، چنانچہ جمعے کے دن غسل کے متعلق دو قسم کی روایات ہیں: ایک روایت یہ ہے کہ جمعے کے دن ہر بالغ کے لیے غسل کرنا ضروری ہے، خواہ نماز پڑھے یا نہ پڑھے۔ ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ غسل جمعہ صرف نماز پڑھنے والے کے لیے ہے، خواہ کوئی بھی ہو۔ ان دونوں روایات کے عموم میں تعارض ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے لفظ "هَلْ" سے اسی تعارض کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ پھر اختلاف روایات کی بنا پر اس امر میں بھی اختلاف ہے کہ یہ غسل نماز جمعہ کے لیے ہے یا یوم جمعہ کے لیے۔ پھر ایک تیسری روایت بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہفتے میں ایک دن ضرور غسل کرنا چاہیے، گویا الگ الگ تین قسم کے غسل ہیں: ◯ نماز جمعہ کے لیے۔ ◯ یوم جمعہ کے لیے۔ ◯ غسل نظافت جو ہفتے میں ایک دن کرنا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام بخاری کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھا ہے: حدیث ابی ہریرہ کے الفاظ ہیں کہ ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ جمعے کے دن غسل کرے۔ یہ حکم مرد و زن، بچوں اور غلاموں الغرض تمام کو شامل ہے لیکن حدیث ابن عمر میں یہ شرط ہے کہ جو آدمی جمعے کے لیے آئے وہ غسل کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جسے جمعے کے لیے آنا ضروری نہیں اس پر غسل کرنا ضروری نہیں۔ پھر حدیث ابی سعید میں بالغ افراد کی شرط ہے۔ اس سے غیر بالغ افراد پر غسل کا عدم وجوب ثابت ہوا۔ اس تفصیل سے یہ پتہ چلتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ احادیث کو اس عنوان کے تحت کیوں بیان کیا ہے۔ ② حدیث ابی ہریرہ میں ہے کہ ہر مسلمان کو ہر سات دن میں ایک دن ضرور غسل کرنا چاہیے۔ اس حدیث میں کسی دن کا تعین نہیں ہے، جبکہ سنن نسائی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں وضاحت ہے کہ مسلمان کو ہر ہفتے میں جمعے کے دن ضرور غسل کرنا چاہیے، نیز ابو بکر بن ابی شیبہ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث بیان کی ہے جس کے الفاظ ہیں کہ مسلمان کو جمعے کے دن ضرور غسل کرنا چاہیے۔ امام طحاوی رحمہ اللہ نے ایک انصاری سے اس قسم کی حدیث بیان کی ہے۔ ان تمام روایات سے معلوم ہوا کہ جن احادیث میں مطلق طور پر غسل کرنے کا ذکر ہے ان سے مراد جمعے کا دن ہے۔[1]

1 فتح الباري: 492/2.

(۱۳) [بَابٌ]:

باب:13- بلا عنوان

وضاحت: صحیح بخاری کے متعدد نسخوں میں اس مقام پر "باب" کا اضافہ نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بخاری کی شرح کرتے وقت جس نسخے کو سامنے رکھا ہے اس میں بھی لفظ باب کی صراحت نہیں ہے، البتہ شارحین نے صحیح بخاری اور شرح بخاری (فتح الباری) میں یہاں "باب" کا ذکر کیا ہے، گویا یہ باب سابقہ عنوان کا تتمہ اور تکملہ ہے۔ واللہ أعلم۔

٨٩٩ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى: حَدَّثَنَا شَبَابَةُ: حَدَّثَنَا وَرْقَاءُ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «ائْذَنُوا لِلنِّسَاءِ بِاللَّيْلِ إِلَى الْمَسَاجِدِ». [راجع: ٨٦٥]

[899] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "رات کے وقت عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت دے دو۔"

٩٠٠ - حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ مُوسَى: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: كَانَتِ امْرَأَةٌ لِعُمَرَ تَشْهَدُ صَلَاةَ الصُّبْحِ وَالْعِشَاءِ فِي الْجَمَاعَةِ فِي الْمَسْجِدِ، فَقِيلَ لَهَا: لِمَ تَخْرُجِينَ وَقَدْ تَعْلَمِينَ أَنَّ عُمَرَ يَكْرَهُ ذٰلِكَ وَيَغَارُ؟ قَالَتْ: وَمَا يَمْنَعُهُ أَنْ يَنْهَانِي؟ قَالَ: يَمْنَعُهُ قَوْلُ رَسُولِ اللهِ ﷺ: «لَا تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللهِ مَسَاجِدَ اللهِ». [راجع: ٨٦٥]

[900] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ فجر اور عشاء کی نماز ادا کرنے کے لیے مسجد میں جاتیں اور جماعت میں شریک ہوتی تھیں۔ ان سے کہا گیا کہ تم باہر کیوں نکلتی ہو جبکہ تمھیں معلوم ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو یہ ناگوار گزرتا ہے اور انھیں اس پر غیرت آتی ہے؟ زوجہ محترمہ نے جواب دیا کہ وہ مجھے روکتے کیوں نہیں ہیں؟ ان کے لیے کیا رکاوٹ ہے؟ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان باعث رکاوٹ ہے: "اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے مت روکو۔"

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ عورتوں کے رات کے وقت نماز کے لیے مسجد میں جانے سے متعلق اس حدیث کو ادنیٰ تعلق اور معمولی مناسبت کی وجہ سے لائے ہیں۔ مفہوم موافق کی بنا پر یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر عورتیں جمعہ کے لیے گھروں سے نکلیں تو وہ بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا کیونکہ رات کی نسبت دن کا وقت فتنوں سے امن کا ہے، البتہ احناف نے مفہوم مخالف کی بنا پر اس حدیث سے یہ اخذ کیا ہے کہ رات کی قید سے جمعہ کی شرکت خارج ہوگئی کیونکہ رات کے وقت تو فساق و فجور سوئے اپنی بدکرداری میں مصروف ہوتے ہیں اور دن میں انھیں کام نہیں ہوتا، اس لیے وہ آزادی سے گھومتے ہیں اور عورتوں کا تعاقب کر کے ان کے لیے فتنے کا باعث بنتے ہیں۔ ان حضرات کا موقف اس لیے غلط ہے کہ فساق کا فتنہ دن کے وقت بہت کم ہوتا ہے نیز دوسرے لوگوں کی وجہ سے وہ چھیڑ چھاڑ کی جرأت نہیں کر سکیں گے۔ ② حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ کا نام عاتکہ بنت زید تھا جو حضرت

سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ تھیں۔ یہ پابندی کے ساتھ نماز عشاء اور نماز فجر مسجد میں باجماعت ادا کرتی تھیں حتی کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں زہر آلود خنجر سے زخمی ہوئے تو ان کی مذکورہ بیوی مسجد ہی میں تھیں۔ اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کا مسجد میں آنا ناگوار تھا لیکن انھیں منع نہیں کرتے تھے۔[1]

(١٤) بَابُ الرُّخْصَةِ إِنْ لَمْ يَحْضُرِ الْجُمُعَةَ فِي الْمَطَرِ

باب: 14- اگر بارش ہو رہی ہو تو جمعے میں حاضری ضروری نہیں

٩٠١ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ الْحَمِيدِ - صَاحِبُ الزِّيَادِيِّ - قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْحَارِثِ ابْنُ عَمِّ مُحَمَّدِ ابْنِ سِيرِينَ: قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لِمُؤَذِّنِهِ فِي يَوْمٍ مَطِيرٍ: إِذَا قُلْتَ: أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ، فَلَا تَقُلْ: حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، قُلْ: صَلُّوا فِي بُيُوتِكُمْ، فَكَأَنَّ النَّاسَ اسْتَنْكَرُوا، فَقَالَ: فَعَلَهُ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنِّي. إِنَّ الْجُمُعَةَ عَزْمَةٌ وَإِنِّي كَرِهْتُ أَنْ أُخْرِجَكُمْ فَتَمْشُونَ فِي الطِّينِ وَالدَّحْضِ. [راجع: ٦١٦]

[901] حضرت عبداللہ بن حارث جو محمد بن سیرین کے چچازاد ہیں، سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بارش کے وقت اپنے مؤذن سے کہا کہ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ کے بعد حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ مت کہنا بلکہ اس کے بجائے صَلُّوا فِي بُيُوتِكُمْ کہنا، یعنی اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو۔ لوگوں نے اس پر تعجب کیا تو انھوں نے فرمایا کہ ایسا اس شخصیت نے کیا تھا جو مجھ سے کہیں بہتر تھی۔ نماز جمعہ اگرچہ فرض ہے لیکن مجھے یہ پسند نہیں کہ تمھیں (تنگی میں مبتلا کرتے ہوئے) اس حالت میں گھروں سے نکالوں کہ تم کیچڑ اور پھسلن میں چلتے رہو۔

فوائد و مسائل: ① امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک بارش وغیرہ ترک جمعہ کے لیے کوئی معقول عذر نہیں جبکہ جمہور کے نزدیک اگر بارش بہت زیادہ ہو تو نماز جمعہ میں حاضری کے لیے عذر بن سکتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کو جمہور کی تائید میں پیش کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے نماز جمعہ ادا نہیں کی بلکہ اس کی جگہ ظہر کی نماز پڑھی تھی۔[1] ② محدثین نے بیماری کو بھی عذر قرار دیا ہے اور اگر کسی مریض کی تیمارداری میں زیادہ مصروفیت کی ضرورت ہو یا اس سے دور ہونا بیماری میں اضافے کا باعث ہو تو اس صورت میں نماز جمعہ ترک کی جاسکتی ہے، البتہ اس کے بجائے نماز ظہر ادا کرنا ہوگی۔[2] صَلُّوا فِي بُيُوتِكُمْ کے الفاظ اذان کے درمیان کہے جائیں یا اس سے فراغت کے بعد آخر میں ادا کیے جائیں؟ اس کی تفصیل ہم حدیث: 616 کے تحت بیان کر آئے ہیں۔

(١٥) بَابٌ: مِنْ أَيْنَ تُؤْتَى الْجُمُعَةُ، وَعَلَى مَنْ تَجِبُ؟ لِقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿إِذَا نُودِيَ

باب: 15- ارشاد باری تعالیٰ: "جب جمعے کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی

[1] فتح الباري: 493/2. [2] فتح الباري: 494/2. [3] عمدة القاري: 52/5.

﴿إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَوٰةِ مِن يَوْمِ ٱلْجُمُعَةِ فَٱسْعَوْا۟ إِلَىٰ ذِكْرِ ٱللَّهِ﴾ [الجمعة:9]

طرف چلے آؤ" اس کے پیش نظر کتنی مسافت سے جمعے کے لیے آنا چاہیے اور کس پر جمعہ واجب ہے؟

وَقَالَ عَطَاءٌ: إِذَا كُنْتَ فِي قَرْيَةٍ جَامِعَةٍ فَنُودِيَ بِالصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَحَقٌّ عَلَيْكَ أَنْ تَشْهَدَهَا، سَمِعْتَ النِّدَاءَ أَوْ لَمْ تَسْمَعْهُ. وَكَانَ أَنَسٌ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِي قَصْرِهِ أَحْيَانًا يُجَمِّعُ وَأَحْيَانًا لَا يُجَمِّعُ، وَهُوَ بِالزَّاوِيَةِ عَلَى فَرْسَخَيْنِ.

عطاء بن ابی رباح نے کہا کہ جب تم کسی بستی میں ہو جہاں جمعہ کی نماز ہوتی ہو اور جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو تم پر نماز جمعہ کے لیے حاضر ہونا ضروری ہے، خواہ تم اذان سنو یا نہ سنو۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اپنے قصر (محل) میں رہتے تھے جو کہ زاویہ میں بصرہ سے چھ میل کے فاصلے پر تھا۔ آپ کبھی وہاں جمعہ پڑھتے اور کبھی نہ پڑھتے تھے۔ (بلکہ بصرہ کی جامع مسجد میں جمعہ کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔)

وضاحت: ① اس عنوان کا مطلب یہ ہے کہ جہاں جمعہ واجب ہے، اس کے اردگرد رہنے والوں پر جمعہ واجب ہے یا نہیں؟ چونکہ آیت کریمہ آس پاس کے لوگوں پر جمعہ فرض ہونے کے متعلق صریح نہ تھی، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے وجوب کو بطریق استفہام پیش کیا ہے اور اپنی طرف سے اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ جمہور کے نزدیک جو حضرات اذان جمعہ سنتے ہوں یا سننے کی پوزیشن میں ہوں ان سب پر جمعہ واجب ہو جاتا ہے، خواہ شہر کے اندرون رہائش پذیر ہوں یا بیرون شہر رہنے والے ہوں۔ امام شافعی کے نزدیک محل وجوب کا تعین اس طرح ہے کہ مؤذن بلند آواز ہو، ماحول پرسکون ہو اور آدمی کی قوت سماعت متاثر نہ ہو، ایسے حالات میں جتنے فاصلے پر آواز پہنچے گی وہاں کے رہنے والوں پر جمعہ فرض ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے اس سلسلے میں ایک مرفوع حدیث مروی ہے: "جمعہ ہر اس انسان پر واجب ہے جو اذان سنتا ہے۔"[1] باقی رہی ایک دوسری حدیث کہ جو جمعہ پڑھ کر رات تک گھر واپس جا سکتے ہیں ان پر بھی جمعہ فرض ہے۔ اس حدیث کو امام احمد نے ضعیف کہا ہے، نیز یہ روایت اس لیے بھی مرجوح ہے کہ اس سے جمعہ کے لیے سعی اور بھاگ دوڑ شروع دن سے لازم آتی ہے جو آیت کریمہ کے مفہوم کے خلاف ہے کیونکہ جب اتنی مسافت پر جمعہ واجب ہوا کہ رات تک گھر پہنچ سکے تو گھر سے نکل جمعہ تک بھی اتنی ہی مسافت طے کرے گا، للہذا صبح ہی سے چلے گا تاکہ جمعہ پڑھ سکے جبکہ آیت کریمہ سے اذان جمعہ کے بعد گھر سے چلنے کا حکم ہے۔[2] ② عطاء بن ابی رباح کے اثر کو امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف (3/169) میں ابن جریج سے موصولاً بیان کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اندرون شہر جب اذان ہو جائے تو نماز جمعہ کے لیے آنا ضروری ہے، خواہ اسے خود سنے یا نہ سنے۔ امام احمد نے اس بات کی صراحت کی ہے اور علامہ نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس کے متعلق کوئی اختلاف نہیں ہے۔ مصنف عبدالرزاق میں یہ اضافہ ہے کہ

1 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 1056، وإرواء الغليل، حديث: 593. 2 فتح الباري: 496/2.

حضرت عطاء سے قریہ جامعہ کے متعلق سوال ہوا تو انھوں نے فرمایا کہ جہاں جماعت ہو، امیر ہو، قاضی ہو نیز بہت سے گھر ایک جگہ جمع ہوں اور ایک دوسرے سے متصل ہوں جیسا کہ جدہ شہر ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے متعلق روایت دو مختلف آثار سے مرکب ہے۔ مذکورہ اثر کو امام مسدد نے اپنی مسند کبیر میں متصل سند سے بیان کیا ہے جبکہ مصنف ابن ابی شیبہ (539/2) میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ زاویہ سے جمعہ پڑھنے کے لیے بصرہ جایا کرتے تھے جو اس سے دو فرسخ، یعنی چھ میل کی مسافت پر تھا۔ اور عبدالرزاق نے اپنی مصنف (193/3) میں روایت کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنی زمین میں ہوتے جو بصرہ سے تین میل کی مسافت پر تھی تو وہاں سے جمعہ پڑھنے کے لیے بصرہ آیا کرتے تھے۔ ان دونوں آثار میں تطبیق یہ ہے کہ بصرہ سے قصر چھ میل کی مسافت پر تھا وہاں سے کبھی جمعہ پڑھنے کے لیے بصرہ آجاتے اور کبھی وہیں جمعہ پڑھ لیتے اور فارم کی اراضی صرف تین میل پر تھی، وہاں سے جمعہ پڑھنے کے لیے بصرہ ضرور آتے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے نزدیک اگر شہر سے تین میل دور ہو تو اسے شہر میں جمعہ پڑھنا ضروری ہے اور اگر اس سے زیادہ مسافت ہو تو جمعہ پڑھنے کے لیے شہر میں آنا ضروری نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قصر میں جمعہ پڑھنے یا نہ پڑھنے کا اختیار مروی ہے جبکہ زرعی فارم پر اس قسم کی تخییر کی روایت نہیں ملتی۔[1] واللہ اعلم.

٩٠٢ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي جَعْفَرٍ: أَنَّ مُحَمَّدَ ابْنَ جَعْفَرِ بْنِ الزُّبَيْرِ حَدَّثَهُ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ: كَانَ النَّاسُ يَنْتَابُونَ الْجُمُعَةَ مِنْ مَنَازِلِهِمْ وَالْعَوَالِي، فَيَأْتُونَ فِي الْغُبَارِ، فَيُصِيبُهُمُ الْغُبَارُ وَالْعَرَقُ، فَيَخْرُجُ مِنْهُمُ الْعَرَقُ فَأَتَى رَسُولَ اللهِ ﷺ إِنْسَانٌ مِنْهُمْ وَهُوَ عِنْدِي فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَوْ أَنَّكُمْ تَطَهَّرْتُمْ لِيَوْمِكُمْ هٰذَا».

[902] نبی ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ لوگ اپنے گھروں اور مدینہ کے بالائی علاقوں سے نماز جمعہ پڑھنے کے لیے باری باری آتے تھے۔ چونکہ وہ گرد و غبار میں چل کر آتے، اس لیے ان کے بدن سے غبار اور پسینے کی وجہ سے بدبو آنے لگتی، چنانچہ ان میں سے ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا جبکہ آپ اس وقت میرے گھر میں تھے، تب نبی ﷺ نے فرمایا: ''کاش کہ تم لوگ اس مبارک دن میں نہا دھو لیا کرو۔''

فوائد و مسائل: ① عوالی، مدینے کے بالائی علاقے میں تین چار میل پر واقع آبادی کو کہتے ہیں۔ معلوم ہوا اتنی مسافت پر رہنے والوں کو شہر کی مساجد میں جمعے کے لیے حاضر ہونا ضروری نہیں۔ اگر ضروری ہوتا تو باری باری آنے کی بجائے سب کے سب حاضر ہوتے۔ ان حضرات کا باری باری آنا تعلیم کے لیے تھا جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ایک انصاری صحابی باری باری مسجد نبوی میں حصول علم کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ ② اس حدیث سے کئی ایک چیزوں کا پتہ چلتا ہے، مثلاً: * عالم دین کو طلباء کے ساتھ نرمی کرنی چاہیے۔ * اہل خیر کی مجالس میں نظافت اور صفائی کا خیال رکھنا چاہیے۔ * مسلمان کی اذیت رسانی سے اجتناب

[1] فتح الباري: 488/2.

کرنا چاہیے۔ ● صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم امتثالِ اوامر پر بڑے حریص تھے اگرچہ انھیں مشقت اٹھانا پڑتی تھی۔

(١٦) بَابٌ: وَقْتُ الْجُمُعَةِ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ

باب: 16- جب سورج ڈھل جائے تو جمعے کا وقت شروع ہو جاتا ہے

وَكَذَا يُذْكَرُ عَنْ عُمَرَ، وَعَلِيٍّ، وَالنُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ، وَعَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ.

حضرت عمر، حضرت علی، حضرت نعمان بن بشیر اور حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہم سے اسی طرح بیان کیا جاتا ہے۔

وضاحت: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق سوید بن غفلہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ہمراہ نماز جمعہ بعد از زوال آفتاب پڑھی۔ مصنف ابن ابی شیبہ (217/2) میں یہ صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔ اسی طرح حدیث سقیفہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جمعے کے دن جب سورج ڈھل گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور منبر پر رونق افروز ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی یہی معمول تھا کہ وہ بھی زوال آفتاب کے بعد جمعہ پڑھتے تھے، چنانچہ ابو رزین کہتے ہیں کہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جمعہ پڑھتے، کبھی دیواروں کا سایہ مل جاتا اور کبھی اس سے محروم رہتے۔ نیز ابو اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں نماز جمعہ بعد از زوال آفتاب ادا کی تھی۔ ان آثار کو ابن ابی شیبہ نے (2/548-550 میں) صحیح سند سے بیان کیا ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ جو یزید بن معاویہ کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے ان کے متعلق سماک بن حرب بیان کرتے ہیں کہ ہمیں زوال آفتاب کے بعد جمعہ پڑھاتے تھے۔ عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ کے متعلق ولید بن عیزار بیان کرتے ہیں کہ میں نے کسی کو ان سے اچھی نماز جمعہ پڑھاتے نہیں دیکھا، وہ ہمیشہ زوال آفتاب کے بعد نماز پڑھاتے تھے۔ ان آثار کو امام ابن ابی شیبہ نے بیان کیا ہے۔[1] حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما سے اس کے خلاف بھی مروی ہے کہ انھوں نے بوقت چاشت جمعہ پڑھا تھا لیکن اس کی اسناد صحیح نہیں۔[2]

٩٠٣ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ أَنَّهُ سَأَلَ عَمْرَةَ عَنِ الْغُسْلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ؟ فَقَالَتْ: قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا: كَانَ النَّاسُ مَهَنَةَ أَنْفُسِهِمْ، وَكَانُوا إِذَا رَاحُوا إِلَى الْجُمُعَةِ رَاحُوا فِي هَيْئَتِهِمْ، فَقِيلَ لَهُمْ: «لَوِ اغْتَسَلْتُمْ». [انظر: ٢٠٧١]

[903] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ لوگ اپنا کام کاج خود کیا کرتے تھے اور جب جمعے کے لیے آتے تو اسی حالت میں چلے آتے۔ اندریں حالات ان سے کہا گیا: "کاش! تم نے غسل کر لیا ہوتا۔"

فوائد ومسائل: ① جمعہ کا وقت جمہور امت کے نزدیک وقت ظہر ہی ہے، یعنی اسے بھی زوال آفتاب کے بعد پڑھنا چاہیے جبکہ امام احمد کا موقف ہے کہ جمعہ عیدین کے وقت بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان میں امام احمد رحمہ اللہ کے موقف

1 المصنف لابن أبي شيبة 2/550. 2 فتح الباري 2/498.

سے اختلاف کر کے جمہور کے موقف کو ثابت کیا ہے، چنانچہ اس حدیث میں لفظ "رَاحُوا" استعمال ہوا ہے جس کے معنی بعد از زوال جانا ہے جیسا کہ اکثر اہل لغت نے اس کی صراحت کی ہے۔ پھر اس حدیث میں وضاحت ہے کہ اسی حالت میں لوگوں کو پسینہ آ جاتا جس سے بدبو پھیل جاتی۔ ایسا ہونا سخت گرمی میں ممکن ہے جبکہ وہ عوالی سے آتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ لوگ زوال یا اس کے قریب قریب مسجد میں آتے ہوں گے۔ اسی مناسبت سے امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کو ذکر کیا ہے۔[1] ⑤ بعض حنابلہ نے نماز جمعہ قبل از زوال، یعنی چاشت کے وقت پڑھنا جائز قرار دیا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کو مسلمانوں کی عید قرار دیا ہے، اس بنا پر عیدین کے وقت اسے پڑھا جا سکتا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اسے مسلمانوں کی عید قرار دینے کا مطلب یہ نہیں کہ عید کے تمام احکام اس پر چسپاں کر دیے جائیں۔ عید کے دن روزہ رکھنا حرام ہے لیکن جمعے کے دن روزہ رکھا جا سکتا ہے۔[2] اس کے علاوہ جمعہ میں خطبہ نماز سے پہلے ہے جبکہ عیدین میں نماز کے بعد ہے۔ عیدین میں نماز سے پہلے نوافل ادا کرنا منع ہے جبکہ جمعے سے پہلے جائز ہے۔ عیدین کے لیے اذان و اقامت نہیں جبکہ جمعے کے لیے اذان اور اقامت کہی جاتی ہے۔

٩٠٤ - حَدَّثَنَا سُرَيْجُ بْنُ النُّعْمَانِ قَالَ: حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ عُثْمَانَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّي الْجُمُعَةَ حِينَ تَمِيلُ الشَّمْسُ.

[904] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ سورج ڈھلتے ہی نماز جمعہ ادا کر لیتے تھے۔

٩٠٥ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا حُمَيْدٌ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كُنَّا نُبَكِّرُ بِالْجُمُعَةِ وَنَقِيلُ بَعْدَ الْجُمُعَةِ. [انظر: ٩٤٠]

[905] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ ہم لوگ جمعے کے دن صبح سویرے نکلتے اور جمعے سے فراغت کے بعد قیلولہ کرتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ نماز جمعہ زوال آفتاب کے بعد ہی پڑھا کرتے تھے جبکہ دوسری حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آپ نماز جمعہ صبح صبح پڑھ لیتے تھے لیکن احادیث میں تعارض پیدا کرنے کے بجائے ان میں تطبیق کی صورت پیدا کرنی چاہیے، چنانچہ تبکیر کے دو معنی ہیں: ایک کسی کام کو جلدی کرنا اور دوسرا کسی کام کو صبح صبح سرانجام دینا۔ اس مقام پر پہلا معنی مقصود ہے، یعنی اسے دوسرے کاموں سے پہلے جلدی ادا کر لیتے تھے اور قیلولہ نماز جمعہ کے بعد کرتے لیکن نماز ظہر میں پہلے قیلولہ کرتے، پھر نماز پڑھتے تھے گویا امام بخاری رحمہ اللہ نے پہلی روایت سے دوسری روایت کی تفسیر بیان کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ ان احادیث کے درمیان کوئی تعارض نہیں۔[3] ② ایک روایت میں ہے کہ ہم لوگ دوپہر کا کھانا اور قیلولہ نماز جمعہ کے بعد کرتے تھے۔[4] اس روایت سے بھی نماز جمعہ قبل از زوال پڑھنے پر استدلال کیا گیا ہے کیونکہ دوپہر

---

1 فتح الباري: 489/2. 2 فتح الباري: 498/2. 3 فتح الباري: 499/2. 4 صحيح البخاري، الجمعة، حديث: 939.

کے کھانے اور قیلولہ کرنے کا وقت قبل از زوال ہے۔ اس کے متعلق حافظ ابن حجر رشاللہ لکھتے ہیں کہ اس روایت سے قبل از زوال نماز پڑھنے کا استدلال صحیح نہیں کیونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا کہنا ہے کہ ہم لوگ نماز سے قبل جمعہ کی تیاری کرتے، انتظار نماز پھر ادائے نماز کی وجہ سے ہمارے روزانہ کے معمولات بدل جاتے تھے، یعنی قبل از زوال طعام اور قیلولہ کا معمول تبدیل ہو جاتا تھا بلکہ علامہ زین بن منیر نے تو یہ دعویٰ کیا ہے کہ ان کی بات سے نماز جمعہ کا ثبوت بعد از زوال معلوم ہوتا ہے کیونکہ اپنی عادت کے مطابق وہ زوال سے پہلے کھانے کے بعد قیلولہ کرتے تھے لیکن جمعہ کے متعلق صحابی نے خبر دی ہے کہ ہم لوگ جمعہ کے لیے تیاری اور مصروفیت کی وجہ سے طعام اور قیلولہ مؤخر کر دیتے تھے، یعنی انھیں نماز جمعہ کے بعد سرانجام دیتے تھے۔[1] مختصر یہ ہے کہ جمعہ کے دن دوپہر کا کھانا اور قیلولہ نماز کے بعد کرنے کی صورت یہ نہ تھی کہ زوال سے پہلے نماز پڑھ لیتے اور اپنے روزانہ کے معمولات کے مطابق کھانا اور قیلولہ بھی اپنے وقت پر زوال سے پہلے کرتے تھے بلکہ اس کی صورت یہ تھی کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم صبح ہی سے نماز جمعہ کی تیاری میں لگ جاتے، مسجد میں جا کر نماز جمعہ کا انتظار کرتے اور اس سے فراغت کے بعد گھروں میں پہنچ کر کھانا کھاتے اور قیلولہ کرتے تھے جو روزانہ کے معمول سے مؤخر ہوتا تھا۔ واللہ اعلم

(١٧) بَابٌ: إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

باب: 17- جب جمعے کے دن گرمی زیادہ ہو؟

وضاحت: سخت گرمی میں نماز ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنے پر اتفاق ہے، البتہ سخت گرمی میں جمعے میں ابراد ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام بخاری رشاللہ ابراد جمعہ کی مشروعیت کی طرف رجحان رکھتے ہیں لیکن انھوں نے روایت میں احتمال کی وجہ سے اس کے متعلق کوئی دوٹوک فیصلہ نہیں کیا۔

٩٠٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ قَالَ: حَدَّثَنِي حَرَمِيُّ بْنُ عُمَارَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو خَلْدَةَ - وَهُوَ خَالِدُ بْنُ دِينَارٍ - قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا اشْتَدَّ الْبَرْدُ بَكَّرَ بِالصَّلَاةِ، وَإِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ أَبْرَدَ بِالصَّلَاةِ - يَعْنِي الْجُمُعَةَ -.

[906] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: جب سردی زیادہ ہوتی تو نبی ﷺ نماز جلدی پڑھ لیتے اور جب گرمی زیادہ ہوتی تو آپ کچھ ٹھنڈک ہونے پر نماز پڑھتے تھے۔ اس سے مراد نماز جمعہ ہے۔

وَقَالَ يُونُسُ بْنُ بُكَيْرٍ: أَخْبَرَنَا أَبُو خَلْدَةَ وَقَالَ: بِالصَّلَاةِ، وَلَمْ يَذْكُرِ الْجُمُعَةَ.

(راوی حدیث) یونس بن بکیر نے ابوخلدہ سے بیان کیا تو انھوں نے جمعہ کے ذکر کے بجائے صرف نماز کا تذکرہ کیا۔

وَقَالَ بِشْرُ بْنُ ثَابِتٍ: حَدَّثَنَا أَبُو خَلْدَةَ قَالَ: صَلَّى بِنَا أَمِيرٌ الْجُمُعَةَ، ثُمَّ قَالَ لِأَنَسٍ رَضِيَ اللهُ

بشر بن ثابت نے جب ابوخلدہ سے یہ روایت بیان کی تو فرمایا کہ ہمیں امیر وقت نے جمعہ کی نماز پڑھائی پھر

[1] فتح الباري: 2/550.

عنه: كَيْفَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي الظُّهْرَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ نبی ﷺ نماز ظہر کیسے پڑھتے تھے؟

فوائد و مسائل: ① قبل ازیں روایت انس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز جمعہ اول وقت میں پڑھتے تھے۔ اس میں مطلق تعجیل کا ذکر ہے، موسم کے گرم یا سرد ہونے کی تفصیل نہیں ہے،[1] جبکہ مذکورہ روایت میں یہ تفصیل موجود ہے، نیز بشر بن ثابت کی معلق روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے نزدیک نماز ظہر اور نماز جمعہ میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ سوال تو نماز جمعہ کے متعلق تھا لیکن جواب میں نماز ظہر کا وقت بیان کیا گیا ہے۔ اس سے بھی واضح وہ روایت ہے جس میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے یزید ضبی کے سوال کا جواب دیا تھا جبکہ حجاج بن یوسف کی طرح اس کا نائب حکم بن ابی عقیل ثقفی بھی طویل خطبہ دیتا اور نماز میں تاخیر کرتا تھا۔ یزید ضبی نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے باآواز بلند سوال کیا کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نمازیں پڑھی ہیں، آپ نماز جمعہ کس طرح پڑھا کرتے تھے؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہم موسم سرما میں نماز جلدی اور گرما میں دیر سے پڑھتے تھے۔ گویا آپ نے جمعہ کو ظہر پر قیاس کرکے یہ جواب دیا اور نماز جمعہ کے لیے تاخیر کی وجہ بیان کر دی جس پر حاکم وقت سے اعتراض اٹھ گیا۔ لیکن اس کی بنیاد الفاظ حدیث پر نہیں بلکہ قیاس پر ہے، پھر اکثر احادیث نماز جمعہ اور نماز ظہر کے مابین فرق پر دلالت کرتی ہیں۔ ② علامہ زین بن منیر نے کہا ہے کہ اس عنوان اور حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز جمعہ کو نماز ظہر پر قیاس کرکے اسے تاخیر سے پڑھا جا سکتا ہے۔ جب نماز کو ٹھنڈا کرکے پڑھنا جمعہ کے لیے بھی مشروع ہے تو یہ بھی ثابت ہوا کہ جمعہ زوال سے پہلے پڑھنا مشروع نہیں، اس لیے کہ اگر وہ زوال سے پہلے مشروع ہوتا تو زیادہ گرمی کی وجہ سے تاخیر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کیونکہ زوال سے پہلے ٹھنڈے وقت میں پڑھا جا سکتا تھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شریعت کا منشا ہر طرح سے نمازی کو تشویش و پریشانی سے محفوظ رکھنا ہے تاکہ وہ پورے اطمینان اور خشوع خضوع سے نماز ادا کرے۔ گرمی میں نماز کو ٹھنڈا کرکے پڑھنے کی رعایت کا یہی منشا ہے جبکہ موسم سرما میں یہ رعایت کسی صورت میں نہیں ہے۔[2] ③ یونس عن تکبیر کی معلق روایت کو مصنف نے الادب المفرد میں متصل سند سے بیان کیا ہے اور بشر بن ثابت کی روایت کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں موصولاً بیان کیا ہے۔[3]

(١٨) بَابُ الْمَشْيِ إِلَى الْجُمُعَةِ

باب: 18- جمعے کے لیے روانگی کا بیان

وَقَوْلِ اللهِ جَلَّ ذِكْرُهُ: ﴿فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ﴾ [الجمعة ٩] وَمَنْ قَالَ: السَّعْيُ: الْعَمَلُ وَالذَّهَابُ، لِقَوْلِهِ تَعَالَى. ﴿وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا﴾ [الإسراء ١٩].

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "جب جمعہ کی اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو۔" بعض حضرات کا قول ہے کہ سعی سے مراد عمل کرنا اور چلنا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "جس نے آخرت کے لیے کوشش اور محنت کی۔"

---

1 صحيح البخاري، الجمعة، حديث: 905. 2 فتح الباري: 503/2. 3 فتح الباري: 500/2.

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا : يَحْرُمُ الْبَيْعُ حِينَئِذٍ .

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: اذان جمعہ کے بعد خرید و فروخت حرام ہے۔

وَقَالَ عَطَاءٌ: تَحْرُمُ الصِّنَاعَاتُ كُلُّهَا .

حضرت عطاء بن ابی رباح کا قول ہے: خرید و فروخت کے ساتھ ساتھ تمام کام اور مشاغل حرام ہیں۔

وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ : إِذَا أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَهُوَ مُسَافِرٌ فَعَلَيْهِ أَنْ يَشْهَدَ .

حضرت ابراہیم بن سعد نے امام زہری سے نقل کیا ہے کہ جمعہ کے دن جب مؤذن اذان دے تو مسافر کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ جمعہ میں شرکت کرے۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ اس عنوان سے چند ایک چیزیں ثابت کرنا چاہتے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: * جمعہ کے لیے پیدل جانے کی فضیلت۔ * قرآنی آیت میں آنے والے لفظ "سعی" کے معنی کی تعیین۔ * قرآنی آیت میں جمعہ کے لیے دوڑ کر آنے کا حکم اور احادیث میں اس کی ممانعت ہے، اس میں رفع تعارض کا بیان۔ * اذان جمعہ کے بعد آیا صرف خرید و فروخت منع ہے یا دیگر دنیوی مشاغل کی بھی ممانعت ہے؟ * جب مسافر اذان جمعہ سنے تو کیا اسے جمعہ کے لیے حاضر ہونا ضروری ہے یا اسے کوئی رخصت ہے؟ چنانچہ عنوان کے تحت پیش کردہ احادیث میں جمعہ کے لیے پیدل آنے کو "في سبيل الله" سے تعبیر کیا گیا ہے اور قرآنی آیت میں مستعمل لفظ سعی کے معنی دوڑ کر آنا نہیں بلکہ اس کے معنی عمل کرنا اور صرف چل کر آنا ہیں جیسا کہ ایک دوسری آیت میں اس کے معنی عمل کرنا اور کوشش کرنا متعین ہیں۔ اس سے قرآنی آیت اور حدیث میں بظاہر تعارض بھی ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اذان جمعہ کے بعد صرف خرید و فروخت ہی منع نہیں بلکہ ہر قسم کے دنیوی مشاغل ممنوع ہیں جو جمعہ میں رکاوٹ کا باعث ہوں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام ابن منذر سے نقل کیا ہے کہ مسافر پر جمعہ فرض نہیں۔ اس پر اہل علم کا اجماع ہے، اس لیے مسافر کے متعلق امام زہری کے قول کی تاویل کرنا ہوگی، یعنی اسے دو حالتوں پر محمول کرنا ہوگا: * مسافر پر جمعہ نہیں کا مطلب ہوگا کہ اس پر فرض نہیں۔ * امام زہری کے قول "مسافر کو جمعہ پڑھنا چاہیے" یہ استحباب پر محمول کیا جائے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ امام زہری سے نقل کرنے والے ابراہیم بن سعد کا قول ایک خاص صورت پر محمول کیا جائے کہ جب اتفاق سے مسافر ایسی جگہ پر موجود ہو جہاں جمعہ ہوتا ہو اور وہاں وہ جمعہ کی اذان سن لے تو اسے جمعہ پڑھنا چاہیے۔[1]

٩٠٧ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبَايَةُ بْنُ رِفَاعَةَ قَالَ: أَدْرَكَنِي أَبُو عَبْسٍ وَأَنَا أَذْهَبُ إِلَى الْجُمُعَةِ فَقَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «مَنِ اغْبَرَّتْ

[907] حضرت عبایہ بن رفاعہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نماز جمعہ کے لیے جا رہا تھا کہ مجھے پیچھے سے حضرت ابو عبس (عبدالرحمٰن بن جبر) رضی اللہ عنہ آ کر ملے، انھوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "جس شخص کے قدم اللہ کے راستے میں غبار آلود ہو گئے

[1] فتح الباري: 503/2.

قَدَمَاهُ فِي سَبِيلِ اللهِ حَرَّمَهُ اللهُ عَلَى النَّارِ». اللہ تعالیٰ اسے جہنم پر حرام کر دے گا۔"

[انظر: ۲۸۱۱]

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث سے جمعہ کے لیے پیدل جانے کی فضیلت ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ صحابی رسول حضرت ابوعبس رضی اللہ عنہ نے اسے جہاد فی سبیل اللہ کے مترادف قرار دیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک اس میں عموم ہے، یعنی فی سبیل اللہ میں ہر قسم کی طاعت آجاتی ہے لیکن ہمارے نزدیک اس قسم کی طاعات کو مجاہدہ تو کہہ سکتے ہیں لیکن اسے جہاد سے تعبیر کرنا محل نظر ہے کیونکہ جہاد تو اپنے نفس اور نفیس اشیاء کو قربان کر دینے کا نام ہے، ذیلی طاعات اس کے برابر کیسے ہو سکتی ہیں؟ یہی وجہ ہے کہ مذکورہ حدیث کو امام ترمذی نے کتاب الجہاد میں بیان کیا ہے لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے جمعہ کو جہاد کے ساتھ ملحق کیا ہے، تاہم جہاد کے خاص فضائل عالیہ دوسری طاعات پر حاصل نہ ہوں گے۔ ② صحیح بخاری کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ واقعہ عبایہ بن رفاعہ کو حضرت ابی عبس کے ہمراہ پیش آیا۔ سنن نسائی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ یزید بن ابی مریم کو عبایہ کے ساتھ پیش آیا۔ یزید کہتے ہیں کہ میں جمعہ کے لیے پیدل جا رہا تھا کہ مجھے پیچھے سے عبایہ بن رفاعہ ملے جبکہ وہ سوار تھے تو آپ نے فرمایا کہ تجھے مبارک ہو، تیرے یہ قدم اللہ کے راستے میں شمار ہوں گے کیونکہ میں نے ابوعبس بن جبر سے سنا ہے، آگے انھوں نے مذکورہ حدیث بیان کی۔ ممکن ہے کہ یہ واقعہ ہر ایک کے ساتھ پیش آیا ہو۔ اس پر مکمل بحث تو کتاب الجہاد میں آئے گی، تاہم امام بخاری رحمہ اللہ نے "في سبيل الله" کے عموم کے پیش نظر اسے بیان کر دیا ہے جس میں جمعہ بھی شامل ہے۔[1]

٩٠٨ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ سَعِيدٍ وَأَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. وَحَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا تَأْتُوهَا تَسْعَوْنَ، وَأْتُوهَا تَمْشُونَ، وَعَلَيْكُمُ السَّكِينَةُ، فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا، وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا». [راجع: ٦٣٦]

[908] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "جب نماز کے لیے اقامت کہی جائے تو نماز کے لیے دوڑتے ہوئے مت آؤ بلکہ اطمینان اور سکون سے چلتے ہوئے آؤ۔ وقار و طمانیت تم پر لازم ہے۔ نماز کا جو حصہ تمھیں مل جائے اسے پڑھو اور جو رہ جائے اسے پورا کرلو۔"

فائدہ: امام بخاری رحمہ اللہ کا اس حدیث کو بیان کرنے سے مقصد یہ ہے کہ آیت کریمہ میں جمعہ کے لیے جس سعی کا ذکر ہے اس سے مراد وہ سعی نہیں جس کی حدیث مذکورہ میں ممانعت ہے کیونکہ آیت میں سعی سے مراد کوشش کر کے جانا ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کی تفسیر مروی ہے اور حدیث میں سعی سے مراد دوڑ کر آنا ہے جس کی شرعاً ممانعت ہے کیونکہ اس کے مقابلے میں لفظ مشي استعمال ہوا ہے جس کے معنی پیدل چلنا ہیں۔[2] اس کے علاوہ سعي إلى الصلاة اور سعي إلى الجمعة

---

1. فتح الباري: 502/2. 2. فتح الباري: 502/2.

میں فرق بھی ہے۔ سعی الی للصلاۃ اس لیے منع ہے کہ جب انسان نماز کے لیے دوڑ کر آئے گا تو ہانپتا ہوا نماز میں شامل ہوگا، ایسا کرنا نماز میں خضوع و خشوع کے منافی ہے جبکہ سعی الی الجمعۃ میں ایسا نہیں ہوتا کیونکہ جب جمعہ کے لیے سعی کر کے آئے گا تو اسے نماز سے پہلے کچھ وقت سستانے اور آرام کرنے کے لیے مل جائے گا اور نماز میں کوئی خلل واقع نہیں ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز بھی نتیجے اور انجام کے لحاظ سے سکون و وقار کے منافی ہوگی وہ منع ہے اور جس سے سکون و وقار میں خلل پیدا نہیں ہوگا اس کے بجالانے میں کوئی حرج نہیں۔[1]

٩٠٩ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو قُتَيْبَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يَحْيَى ابْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ - قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: لَا أَعْلَمُهُ إِلَّا عَنْ أَبِيهِ - [عَنِ النَّبِيِّ ﷺ] قَالَ: «لَا تَقُومُوا حَتَّى تَرَوْنِي وَعَلَيْكُمُ السَّكِينَةُ». [راجع: ٦٣٧]

[909] حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "جب تک مجھے دیکھ نہ لو نماز کے لیے کھڑے نہ ہوا کرو اور تم اطمینان و سکون کو خود پر لازم کرلو۔"

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو کتاب الاذان میں (رقم: 638 کے تحت) بیان کیا تھا اور اس پر بایں الفاظ عنوان بندی کی تھی: (باب: لا يقوم إلى الصلاة مستعجلا وليقم إليها بالسكينة والوقار) "نماز کے لیے جلد بازی سے کھڑا نہیں ہونا چاہیے بلکہ آرام اور سکون سے کھڑا ہونا چاہیے۔" وہاں مذکورہ روایت کو بطور متابعت بیان کیا تھا۔ اس مقام پر محل استشہاد وعليكم السكينة کے الفاظ ہیں۔ علامہ ابن رشید رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اس کلم امتناعی میں نکتہ یہ ہے کہ اگر مقتدی حضرات جلد بازی میں نماز کے لیے کھڑے ہوں گے تو اسی حالت میں وہ نماز شروع کریں گے۔ ایسا کرنے سے نماز کے لیے ہیئت وقار و سکون مجروح ہوگی جو مقاصد نماز کے منافی ہے۔" ② حدیث مذکور کی عنوان سے مطابقت بھی واضح ہوگئی کہ جمعہ کے لیے دوڑ کر آنے کی ممانعت ہے کیونکہ ایسا کرنا وقار اور سکون کے منافی ہے۔[2]

(١٩) بَابٌ: لَا يُفَرِّقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

باب: 19- جمعے کے دن دو آدمیوں کے درمیان جدائی نہ کرے

٩١٠ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ وَدِيعَةَ، عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ

[910] حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور جس قدر ممکن ہو صفائی کر کے تیل لگائے یا خوشبو استعمال کرے، پھر نماز جمعہ کے لیے نکلے اور دو آدمیوں

[1] فتح الباري: 504/2. [2] فتح الباري: 504/2.

الْجُمُعَةِ وَتَطَهَّرَ بِمَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُهْرٍ، ثُمَّ ادَّهَنَ أَوْ مَسَّ مِنْ طِيبٍ، ثُمَّ رَاحَ فَلَمْ يُفَرِّقْ بَيْنَ اثْنَيْنِ، فَصَلَّى مَا كُتِبَ لَهُ، ثُمَّ إِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ أَنْصَتَ، غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرَى». [راجع: ۸۸۳]

کے درمیان تفریق نہ کرے، پھر جتنی نماز اس کی قسمت میں ہو ادا کرے اور جب امام خطبہ دینے لگے تو خاموش رہے تو اس کے وہ گناہ جو اس جمعے سے سابقہ جمعے کے درمیان ہوئے ہوں سب معاف کر دیے جائیں گے۔"

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ خطبۂ جمعہ کے آداب بیان کر رہے ہیں کہ مسجد میں آ کر دو آدمیوں کے درمیان تفریق نہ کرے۔ اس کے دو معنی ہیں: ٭ دو آدمیوں کے درمیان بیٹھ جانا۔ ٭ دو آدمیوں کے درمیان فساد ڈال دینا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ نے ایک تیسرے معنی بیان کیے ہیں کہ لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے جائے۔ وہ دو آدمی خواہ بھائی ہوں یا دوست کیونکہ اس طرح ان کے درمیان وحشت اور گھبراہٹ واقع ہوگی۔ یہ انداز اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ ② حافظ ابن حجر ؒ نے لکھا ہے کہ گردنیں پھلانگنے کی سنگینی کے متعلق متعدد احادیث ہیں لیکن وہ اسنادی ضعف سے خالی نہیں۔ اس بارے میں وارد چند قوی روایات درج ذیل ہیں: ⓐ دوران خطبہ میں ایک آدمی لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا آیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بیٹھ جاؤ تم دوسروں کے لیے تکلیف کا باعث بنا ہے۔"[1] ⓑ "جس نے جمعے کے دن لوگوں کی گردنوں کو پھلانگا، اس کے لیے ظہر ہوگی (جمعے کے ثواب سے محروم ہوگا)۔"[2] زین بن منیر فرماتے ہیں کہ لوگوں کی گردنیں پھلانگنے میں کئی ایک قباحتیں ہیں، یعنی لوگوں کے سروں اور کندھوں تک اپنے پاؤں اٹھانا یہ انتہائی بدتمیزی کی بات ہے۔ بعض اوقات دوسروں کے کپڑے وغیرہ بھی خراب ہو سکتے ہیں جبکہ اس کے پاؤں پر کوئی چیز لگی ہو۔[3] ③ اس حکم سے مندرجہ ذیل صورتیں مستثنیٰ ہیں: ٭ اگر منبر تک پہنچنے کے لیے خطیب کو راستہ نہ ملے تو اس کے لیے یہ عمل غیر مکروہ ہے کیونکہ منبر تک پہنچنا اس کی ضرورت ہے۔ ٭ آگے صف میں جگہ موجود ہو لیکن وہاں تک پہنچنا اس کے بغیر ناممکن ہو، اب اس کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں کہ لوگوں کی گردنوں کو پھلانگ کر اگلی صفوں میں موجود خالی جگہ پر کی جائے۔[4] ④ ان امور کی ممانعت اس لیے ہے کہ اس عمل سے دوسروں کو تکلیف ہوتی ہے جو شرعاً حرام ہے، نیز جمعہ میں اجتماع کی شان ہے تفریق کا عمل بے محل اور خلاف مقصود ہے۔ واللہ أعلم.

(۲۰) بَابٌ: لَا يُقِيمُ الرَّجُلُ أَخَاهُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَيَقْعُدُ مَكَانَهُ

باب: 20- جمعے کے دن اپنے بھائی کو اٹھا کر خود اس کی جگہ بیٹھنے کی ممانعت

۹۱۱ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَخْلَدُ بْنُ يَزِيدَ قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ: سَمِعْتُ نَافِعًا

[911] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص اپنے بھائی کو اس

1 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 1118. 2 سنن أبي داود، الطهارة، حديث: 347. 3 فتح الباري: 503/2. 4 المغني لابن قدامة: 231/3

يَقُولُ: سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يُقِيمَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَقْعَدِهِ وَيَجْلِسَ فِيهِ، قُلْتُ لِنَافِعٍ: الْجُمُعَةَ؟ قَالَ: الْجُمُعَةَ وَغَيْرَهَا. [انظر: ٦٢٦٩، ٦٢٧٠]

کی جگہ سے اٹھا کر خود وہاں بیٹھ جائے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے حضرت نافع سے دریافت کیا کہ یہ حکم اختصاصی جمعہ کے لیے خاص ہے؟ انھوں نے کہا: جمعہ اور غیر جمعہ دونوں کے لیے یہی حکم ہے۔

فائدہ: آداب جمعہ میں سے ہے کہ آدمی کو نہایت سنجیدگی کے ساتھ جہاں جگہ ملے وہاں بیٹھ جائے، دھکم پیل نہ کرے۔ حدیث میں جمعہ کے دن کی شرط نہیں ہے، البتہ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں اس کی وضاحت ہے، آپ نے فرمایا: ”کوئی شخص جمعہ کے دن اپنے بھائی کو وہاں سے اٹھا کر خود وہاں نہ بیٹھے، البتہ گنجائش پیدا کرنے کا مطالبہ کرسکتا ہے۔“[1] اگر کسی کو اس کی جگہ سے اٹھانے کا کام تکبر اور غرور کی وجہ سے کیا ہے تو انتہائی معیوب ہے اور اگر ذاتی ترجیح وفضیلت یا اپنی قدر ومنزلت کام میں لاتے ہوئے ایسے کیا ہے تو بھی انتہائی شناعت وقباحت کا حامل ہے۔[2] واضح رہے کہ زبان سے کہہ کر بھی نہ اٹھائے اور اپنی ظاہری وجاہت کی وجہ سے بھی اٹھنے کا اشارہ نہ کرے۔ دونوں صورتیں منع ہیں۔ چونکہ مساجد اللہ کا گھر ہیں، ان میں سب لوگ برابر کی حیثیت رکھتے ہیں، اس لیے جو شخص پہلے جس جگہ بیٹھ گیا وہ اس کا زیادہ حقدار ہے، ہاں اگر کوئی اہل علم کے لیے ایثار کرتے ہوئے وہاں سے خود اٹھ جائے اور کسی اہل علم کو خود اپنی جگہ پر بٹھا دے تو ایسا کرنا شرعاً ممنوع نہیں۔

(٢١) بَابُ الْأَذَانِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

باب: 21- جمعے کے دن اذان دینے کا بیان

٩١٢ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ: كَانَ النِّدَاءُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَوَّلُهُ إِذَا جَلَسَ الْإِمَامُ عَلَى الْمِنْبَرِ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، فَلَمَّا كَانَ عُثْمَانُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَكَثُرَ النَّاسُ زَادَ النِّدَاءَ الثَّالِثَ عَلَى الزَّوْرَاءِ. [انظر: ٩١٣، ٩١٥، ٩١٦]

[912] حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں جمعے کے دن پہلی اذان اس وقت ہوتی تھی جب امام منبر پر بیٹھ جاتا تھا لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں جب لوگ زیادہ ہو گئے تو آپ نے مقام زوراء پر تیسری اذان کا اضافہ فرما دیا۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: الزَّوْرَاءُ مَوْضِعٌ بِالسُّوقِ بِالْمَدِينَةِ.

ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) کہتے ہیں کہ زوراء مدینہ کے بازار میں واقع ایک جگہ کا نام ہے۔

فوائد و مسائل: ① صحیح ابن خزیمہ میں یہ الفاظ ہیں: وہ اذان جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کیا ہے جمعے کے دن اس وقت ہوتی تھی جب امام خطبے کے لیے تشریف لے آتا۔[3] ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکر اور

[1] صحیح مسلم، السلام، حدیث: 5688 (2178). [2] فتح الباری: 506/2. [3] صحیح ابن خزیمہ: 136/3.

حضرت عمر فاروق ؓ کے عہد میں دو اذانیں ہوتی تھیں۔[1] امام ابن خزیمہ وضاحت کرتے ہیں کہ ان اذانوں سے مراد اذان خطبہ اور اقامت نماز ہے۔ چونکہ اذان خطبہ غیر موجود لوگوں کو اطلاع اور اقامت، حاضرین کو آگاہ کرنے کے لیے کہی جاتی ہے اس لیے دونوں کو اذان کہہ دیا جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے۔ اس سے مراد بھی اذان اور اقامت ہے۔[2] ② عثمانی اذان اضافے کے اعتبار سے تیسری اور ترتیب کے لحاظ سے پہلی ہے۔ بعض روایات میں اسے اذان ثانی سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔[3] حقیقی اذان نبوی کے مقابلے میں اسے دوسری اذان کہا جاتا ہے اگرچہ ترتیب کے اعتبار سے اذان عثمانی پہلی ہے۔ روایات میں عام طور پر اذان نبوی کا وقت بتایا گیا ہے کہ جب امام منبر پر فروکش ہو جاتا تو اذان کہی جاتی تھی، محل کا ذکر نہیں ملتا۔ محل اذان سے متعلق معجم طبرانی میں حدیث ہے: [وَكَانَ النِّدَاءُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَ أَبِي بَكْرٍ وَ عُمَرَ عِنْدَ الْمِنْبَرِ] ''رسول اللہ ﷺ اور حضرات ابوبکر و عمر ؓ کے زمانے میں اذان (جمعہ) منبر کے پاس ہوتی تھی۔''[4] اس روایت کی سند صحیح ہے۔ ائمہ اربعہ کے ہاں بھی اسی پر عمل ہے۔ ③ اس سلسلے میں جمعے کے لیے پہلی اذان کا مسئلہ بھی قابل توجہ ہے۔ اس کے متعلق ہماری گزارش یہ ہے کہ مذکورہ بالا حدیث بخاری سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر ؓ کے زمانے میں جمعے کے لیے صرف ایک ہی اذان دی جاتی تھی، وہ بھی اس وقت کہی جاتی تھی جب خطیب منبر پر بیٹھ جاتا تھا، پھر حضرت عثمان ؓ نے لوگوں کی کثرت کے باعث بازار میں ایک اونچے مقام (زوراء) پر ایک اذان کا اضافہ صرف اس لیے کیا تھا تاکہ لوگوں کو بآسانی خبردار کیا جا سکے۔ اسے صحابۂ کرام ؓ کی اکثریت نے اختیار کر لیا۔ اگر آج بھی ایسے حالات ہوں تو اس عمل کو مباح قرار دیا جا سکتا ہے لیکن عصر حاضر میں تقریباً ہر مسجد میں لاؤڈ سپیکر موجود ہوتا ہے جس کے ذریعے سے دور دراز علاقوں میں اذان کی آواز پہنچانا کوئی مسئلہ نہیں رہا۔ ان حالات میں کسی ہنگامی اذان کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی، لہٰذا حضرت عثمان ؓ کے عمل سے پہلی اذان کا جواز کشید کرنا محل نظر ہے۔ یہ دعویٰ کرنا کہ پہلی اذان کے جواز پر صحابۂ کرام ؓ کا اجماع سکوتی ہے۔ یہ بھی غوروفکر کا متقاضی ہے کیونکہ حضرت ابن عمر ؓ سے مروی ہے کہ جمعہ کے دن پہلی اذان کہنا بدعت ہے۔[5] حافظ ابن حجر ؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عمر ؓ نے یہ بات علی سبیل الانکار کہی تھی اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے آپ کی مراد انکار نہ ہو بلکہ تحسین کے طور پر ایسا کہا ہو کہ اگرچہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں یہ اذان نہیں تھی، تاہم ایک اچھا عمل ہے جسے ایک ہنگامی ضرورت کے پیش نظر شروع کیا گیا ہے۔[6] ہمارے نزدیک پہلا احتمال راجح ہے کیونکہ حضرت علی ؓ نے دارالحکومت کوفہ میں اسے ختم کر کے اذان نبوی ہی کو برقرار رکھا۔[7] اس کے علاوہ حافظ ابن حجر ؒ نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ نویں صدی ہجری کے نصف تک مغرب ادنیٰ (تونس و طرابلس) کے علاقے میں جمعہ کے لیے صرف ایک اذان دینے کا اہتمام تھا۔[8] امام شافعی ؒ جمعہ کی اذان کے متعلق عہد رسالت ہی کے طرز عمل کو زیادہ پسند کرتے تھے۔[9] واضح رہے کہ ہم جمعہ کے لیے پہلی اذان کو بدعت بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ خلیفۂ راشد سیدنا عثمان ؓ نے یہ اذان دوسری نمازوں پر قیاس کرتے ہوئے شروع کی تھی، وہ اس طرح کہ کسی بھی

---

1 صحیح ابن خزیمۃ: 137/3. 2 صحیح ابن خزیمۃ: 137/3. 3 صحیح البخاري، الجمعۃ، حدیث: 915.
4 المعجم الکبیر للطبراني 146/7. 5 المصنف لابن أبي شیبۃ: 470/3. 6 فتح الباري: 507/2. 7 تفسیر القرطبي:
100/18. 8 فتح الباري: 507/2. 9 کتاب الأم: 195/1.

نماز کے لیے اذان اس لیے دی جاتی ہے تاکہ لوگوں کو نماز کے وقت سے خبردار کیا جا سکے۔ چونکہ لوگوں کی کثرت کے باعث جمعہ کے دن ایسا ممکن نہ تھا کہ ایک ہی اذان سے سب کو اطلاع ہو جائے اور ان کے دیر سے آنے کی وجہ سے اجر کے ضیاع کا بھی اندیشہ تھا، اس لیے انھوں نے پہلی اذان کا اہتمام کر دیا، لیکن جن حضرات کو اس کے جاری رکھنے پر اصرار ہے انھیں چاہیے کہ سنت عثمان پر عمل کرتے ہوئے بازار میں کسی اونچے مقام پر کھڑے ہو کر پہلی اذان دینے کا اہتمام کریں۔ ہمارے نزدیک تفصیل بالا کے پیش نظر سنت نبوی کے مطابق جہاں ایک اذان دینے کا عمل ہے وہاں اسے برقرار رہنا چاہیے، کسی خاص مکتب فکر کے لوگوں کو خوش کرنے کے لیے اس نبوی طرز عمل کو بدلنا قطعاً مستحسن نہیں، البتہ جہاں دو اذانیں ہوتی ہیں وہاں دیکھا جائے کہ اگر کسی قسم کے فتنہ و فساد کا اندیشہ ہو تو وہاں ایک اذان پر اکتفا کیا جائے۔ اگر حالات سازگار نہ ہوں تو ان کے سازگار ہونے تک دونوں اذانوں کو برقرار رکھنے کی گنجائش موجود ہے لیکن سنت نبوی پر عمل کرنے کے لیے ذہن سازی کرتے رہنا اولین فریضہ ہونا چاہیے۔ اس بنا پر ایسے معاملات کو باہمی اختلاف و جدال کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔

(٢٢) بَابُ الْمُؤَذِّنِ الْوَاحِدِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

باب: 22- جمعے کے دن ایک ہی مؤذن ہو

٩١٤ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ ابْنُ أَبِي سَلَمَةَ الْمَاجِشُونُ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ أَنَّ الَّذِي زَادَ التَّأْذِينَ الثَّالِثَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ حِينَ كَثُرَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ وَلَمْ يَكُنْ لِلنَّبِيِّ ﷺ مُؤَذِّنٌ غَيْرُ وَاحِدٍ، وَكَانَ التَّأْذِينُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ حِينَ يَجْلِسُ الْإِمَامُ - يَعْنِي: عَلَى الْمِنْبَرِ -.

[راجع: ٩١٢]

[913] حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب اہل مدینہ کی آبادی زیادہ ہو گئی تو اس وقت جمعہ کے دن تیسری اذان کا اہتمام کرنے والے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔ اور نبی ﷺ کا تو ایک ہی مؤذن تھا۔ اور جمعہ کے دن اس وقت اذان دی جاتی تھی جب امام منبر پر بیٹھ جاتا تھا۔

فوائد و مسائل: ① ابن حبیب وغیرہ کا موقف ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب منبر پر تشریف رکھتے تو یکے بعد دیگرے تین مؤذن اذان دیا کرتے تھے اور تیسرے کی اذان سے فراغت کے بعد رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ شروع فرماتے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس موقف کی تردید کے لیے یہ عنوان قائم کیا ہے۔ یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں۔• شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ حرمین میں یہ رواج ہے کہ جمعے کے دن اور دوسرے ایام میں بھی کئی مؤذن جمع ہو کر بلند آواز سے اذان دیتے ہیں۔ یہ دستور رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں نہیں تھا کیونکہ عہد رسالت میں ایک ہی مؤذن اذان دیتا تھا، تاہم اس عمل کو بدعت اس لیے نہیں کہہ سکتے کہ اس کی بنیاد موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ کو فرمایا تھا کہ وہ

• فتح الباري: 509/2.

اذان کے کلمات حضرت بلال پر القا کریں۔ اس طرح دونوں حضرات بلند آواز سے اذان کہتے تھے۔ (شرح تراجم بخاری از شاہ ولی اللہ ؒ) کی بات اس لیے محل نظر ہے کہ حضرت بلال ؓ کو اذان سکھانے کا معاملہ صرف ایک مرتبہ ہوا تھا، ہر اذان کے موقع پر یہ عمل مسلسل دہرایا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ آج کل حرمین میں ایک ہی مؤذن اذان دیتا ہے، بیک وقت متعدد اذانیں دینے کا عمل متروک ہو چکا ہے۔ ② بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر ؓ نے تیسری اذان دینے کا اہتمام کیا تھا۔ آپ نے حکم دیا تھا کہ اذان دینے والے مسجد سے باہر اذان دیں تاکہ لوگوں کو وقت جمعہ کا پتہ چل جائے، نیز آپ نے یہ بھی حکم دیا تھا کہ اذان خطبہ منبر کے پاس کہی جائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر ؓ کے دور میں معمول تھا۔ آپ نے فرمایا کہ ہم نے اس تیسری اذان کا اہتمام اس لیے کیا ہے کہ مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہو چکی ہے۔ لیکن یہ روایت صحیح نہیں کیونکہ حضرت عمر ؓ سے بیان کرنے والے حضرت مکحول ہیں۔ ان دونوں کے درمیان انقطاع ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ تیسری اذان کا اہتمام حضرت عثمان ؓ نے فرمایا تھا جیسا کہ صحیحین وغیرہ میں ہے۔ واللہ أعلم. ③ عہد رسالت میں حضرت ابو محذورہ اور حضرت سعد القرظ ؓ بھی اذان دیا کرتے تھے لیکن مسجد نبوی میں ان کا اذان دینا ثابت نہیں بلکہ وہ اپنے اپنے قبیلے کی مساجد میں اذان کے لیے تعینات تھے۔ حضرت ابن ام مکتوم ؓ کا نام بھی اذان دینے والوں میں ملتا ہے لیکن وہ صرف صبح کی دوسری اذان کہتے تھے، دیگر اذانوں کے لیے صرف سیدنا بلال ؓ تعینات تھے جیسا کہ حضرت سائب بن یزید ؓ فرماتے ہیں: جمعہ اور غیر جمعہ کی تمام نمازوں کے لیے ایک ہی مؤذن ہوا کرتا تھا، وہی اذان دیتا اور تکبیر کہتا۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت بلال ؓ جمعہ کے لیے اس وقت اذان کہتے جب رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف فرماتے اور جب منبر سے اترتے تو تکبیر کہتے۔ (دیکھیے ترجمۃ الباب والی حدیث)

(٢٣) بَابٌ: يُجِيبُ الْإِمَامُ عَلَى الْمِنْبَرِ إِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ

باب: 23- امام بھی جب منبر پر بیٹھا اذان سنے تو اس کا جواب دے

٩١٤ - حَدَّثَنَا ابْنُ مُقَاتِلٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ قَالَ: سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ بْنَ أَبِي سُفْيَانَ وَهُوَ جَالِسٌ عَلَى الْمِنْبَرِ، أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ فَقَالَ: اللهُ أَكْبَرُ، اللهُ أَكْبَرُ، قَالَ مُعَاوِيَةُ: اللهُ أَكْبَرُ، اللهُ أَكْبَرُ، فَقَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، قَالَ مُعَاوِيَةُ: وَأَنَا، فَلَمَّا قَالَ: أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللهِ، قَالَ مُعَاوِيَةُ: وَأَنَا، فَلَمَّا أَنْ قَضَى

[914] حضرت معاویہ بن ابی سفیان ؓ سے روایت ہے کہ وہ جمعہ کے دن منبر پر تشریف فرما تھے تو مؤذن نے اذان دی۔ جب اس نے اللہ اکبر، اللہ اکبر کہا تو حضرت معاویہ ؓ نے اللہ أکبر اللہ أکبر کہا۔ جب اس نے أشهد أن لا إله إلا الله کہا تو حضرت معاویہ ؓ نے کہا: میں بھی یہ گواہی دیتا ہوں۔ پھر اس نے أشهد أن محمدا رسول الله کہا تو حضرت معاویہ ؓ نے کہا: میں بھی یہی گواہی دیتا ہوں۔ پھر اذان ختم ہو گئی تو حضرت معاویہ ؓ نے کہا: اے لوگو! میں نے رسول اللہ ﷺ سے اسی مقام پر

① فتح الباري، 507/2

التَّأْذِينَ، فَقَالَ: يَاأَيُّهَا النَّاسُ، إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَلَى هٰذَا الْمَجْلِسِ حِينَ أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ يَقُولُ: مَا سَمِعْتُمْ مِنِّي مِنْ مَقَالَتِي.

[راجع: ٦١٢]

سنا کہ جب مؤذن نے اذان دی تو آپ بھی وہی فرماتے تھے جو تم نے مجھے کہتے ہوئے سنا ہے۔

فائدہ: اس حدیث سے امام اور خطیب کے لیے اذان کے جواب کا استحباب معلوم ہوتا ہے، دوسرے لوگوں کو بھی اذان کا جواب دینا چاہیے۔ نیز معلوم ہوا کہ امام اگر چہ منبر پر فروکش ہو تو بھی تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری رکھ سکتا ہے۔ اس کے علاوہ شہادتین کا جواب صرف ضمیر متکلم سے بھی دیا جا سکتا ہے، چنانچہ امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں اس کے متعلق مستقل عنوان قائم کیا ہے۔[1]

(٢٤) بَابُ الْجُلُوسِ عَلَى الْمِنْبَرِ عِنْدَ التَّأْذِينِ

باب: 24- اذان کے وقت (خطیب کا) منبر پر بیٹھنا

٩١٥ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ السَّائِبَ ابْنَ يَزِيدَ أَخْبَرَهُ: أَنَّ التَّأْذِينَ الثَّانِيَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَمَرَ بِهِ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ حِينَ كَثُرَ أَهْلُ الْمَسْجِدِ، وَكَانَ التَّأْذِينُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ حِينَ يَجْلِسُ الْإِمَامُ. [راجع: ٩١٢]

[915] حضرت سائب بن یزید ؓ سے روایت ہے کہ جمعے کے دن اذان ثانی کا حکم حضرت عثمان ؓ نے دیا جبکہ اہل مسجد کی تعداد زیادہ ہو گئی۔ اور جمعے کے دن اذان اس وقت ہوتی تھی جب امام (منبر پر) بیٹھ جاتا تھا۔

فوائد و مسائل: ﴿1﴾ بعض اہل کوفہ کے نزدیک اذان کے وقت خطیب کا منبر پر بیٹھنا غیر مشروع ہے جبکہ امام مالک، شافعی اور جمہور فقہاء ؒ نے اسے سنت قرار دیا ہے۔ امام بخاری ؒ نے بھی ان حضرات کی تائید میں یہ عنوان قائم کیا ہے۔[2] ﴿2﴾ اس میں اختلاف ہے کہ اذان کے وقت منبر پر بیٹھنا استراحت کے لیے ہے یا اذان کو اطمینان و سکون سے سننے کے لیے ہے۔ جو حضرات اسے استراحت کے لیے قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک جمعہ و عیدین میں کوئی فرق نہیں اور جن کے نزدیک یہ بیٹھنا استماع اذان کے لیے ہے ان کا کہنا ہے کہ جمعہ میں بیٹھنا مشروع ہے اور عیدین میں بیٹھنا درست نہیں کیونکہ وہاں تو اذان نہیں ہوتی۔ ﴿3﴾ علامہ عینی نے لکھا ہے کہ امام بخاری ؒ کو بایں الفاظ عنوان قائم کرنا چاہیے تھا: ''جب امام منبر پر بیٹھے تو اس وقت اذان دینے کا بیان'' کیونکہ حدیث سے یہی ثابت ہوتا ہے۔[3] لیکن امام بخاری ؒ کے عنوان میں زیادہ وزن ہے جیسا کہ ہم نے اس کی وضاحت کی ہے۔

(٢٥) بَابُ التَّأْذِينِ عِنْدَ الْخُطْبَةِ

باب: 25- خطبے کے وقت اذان کہنا

---

1 صحیح ابن حبان: 97/4. 2 فتح الباری: 510/2. 3 عمدۃ القاری: 78/2.

٩١٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: سَمِعْتُ السَّائِبَ بْنَ يَزِيدَ يَقُولُ: إِنَّ الْأَذَانَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ كَانَ أَوَّلُهُ حِينَ يَجْلِسُ [الْإِمَامُ] يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا. فَلَمَّا كَانَ فِي خِلَافَةِ عُثْمَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَكَثُرُوا أَمَرَ عُثْمَانُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِالْأَذَانِ الثَّالِثِ فَأُذِّنَ بِهِ عَلَى الزَّوْرَاءِ فَثَبَتَ الْأَمْرُ عَلَى ذٰلِكَ. [راجع: ٩١٢]

[916] حضرت سائب بن یزید ؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ جمعے کے دن اذان کا آغاز اس وقت ہوتا تھا جب امام جمعے کے دن (خطبے کے لیے) منبر پر بیٹھ جاتا۔ رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر ؓ کے زمانے تک یہی معمول رہا۔ پھر جب حضرت عثمان ؓ کی خلافت کا دور آیا اور لوگ بہت زیادہ ہو گئے تو حضرت عثمان ؓ نے جمعے کے دن تیسری اذان کا حکم دیا۔ یہ اذان مقام "زوراء" پر دی گئی، بعد میں بھی دستور قائم رہا۔

فائدہ: امام بخاری ؒ نے کتاب الاذان کے آغاز میں ایک عنوان بایں الفاظ قائم کیا تھا: "اذان اور تکبیر کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہیے؟" وہاں آپ نے امام ترمذی کی بیان کردہ ایک روایت کی تائید کی تھی کہ اذان اور تکبیر کے درمیان اتنا توقف ہونا چاہیے کہ کھانے والا اپنے کھانے سے فارغ ہو جائے اور ضرورت مند اپنی حاجت پوری کرے۔ مذکورہ عنوان قائم کر کے امام بخاری ؒ اسے سابقہ عنوان سے مستثنیٰ کرنا چاہتے ہیں کہ اذان خطبہ اور خطبہ میں کوئی فصل نہیں ہونا چاہیے، نیز خطبہ نماز جمعہ کا ایک حصہ ہے، یعنی جمعہ کی اذان دوسری نمازوں کے خلاف طریقے پر مشروع ہوتی ہے۔ دوسری نمازوں کے لیے اذان اور نماز کے درمیان کچھ وقفہ ہوتا ہے لیکن جمعہ کی اذان خطبے سے متصل ہونی چاہیے۔ واللہ أعلم۔

(٢٦) بَابُ الْخُطْبَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ

باب: 26- منبر پر خطبہ دینا

وَقَالَ أَنَسٌ: خَطَبَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى الْمِنْبَرِ.

حضرت انس ؓ نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے منبر پر خطبہ دیا۔

وضاحت: امام بخاری ؒ نے اس معلق روایت کو کتاب الفتن (حدیث: 7089) اور کتاب الاعتصام (حدیث: 7294) میں متصل سند سے بیان کیا ہے۔

٩١٧ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ [بْنُ سَعِيدٍ] قَالَ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ ابْنِ عَبْدٍ الْقَارِيُّ الْقُرَشِيُّ الْإِسْكَنْدَرَانِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو حَازِمِ بْنُ دِينَارٍ: أَنَّ رِجَالًا أَتَوْا سَهْلَ ابْنَ سَعْدٍ السَّاعِدِيَّ وَقَدِ امْتَرَوْا فِي الْمِنْبَرِ مِمَّ

[917] حضرت ابو حازم بن دینار سے روایت ہے کہ کچھ لوگ حضرت سہل بن سعد ساعدی ؓ کے پاس آئے جنھیں رسول اللہ ﷺ کے منبر کے متعلق شک تھا کہ وہ کس لکڑی سے تیار ہوا تھا؟ انھوں نے اس کی بابت حضرت سہل ؓ سے دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا: اللہ کی قسم! مجھے خوب پہچان ہے کہ وہ کس سے تیار ہوا تھا۔ میں نے اسے پہلے دن

عُودُهُ؟ فَسَأَلُوهُ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ: وَاللّٰهِ إِنِّي لَأَعْرِفُ مِمَّا هُوَ، وَلَقَدْ رَأَيْتُهُ أَوَّلَ يَوْمٍ وُضِعَ، وَأَوَّلَ يَوْمٍ جَلَسَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ. أَرْسَلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِلَى فُلَانَةَ، امْرَأَةٍ مِّنَ الْأَنْصَارِ قَدْ سَمَّاهَا سَهْلٌ: «مُرِي غُلَامَكِ النَّجَّارَ أَنْ يَعْمَلَ لِي أَعْوَادًا أَجْلِسُ عَلَيْهِنَّ إِذَا كَلَّمْتُ النَّاسَ»، فَأَمَرَتْهُ، فَعَمِلَهَا مِنْ طَرْفَاءِ الْغَابَةِ ثُمَّ جَاءَ بِهَا، فَأَرْسَلَتْ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَأَمَرَ بِهَا فَوُضِعَتْ هٰهُنَا، ثُمَّ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ صَلّٰى عَلَيْهَا وَكَبَّرَ وَهُوَ عَلَيْهَا ثُمَّ رَكَعَ وَهُوَ عَلَيْهَا، ثُمَّ نَزَلَ الْقَهْقَرٰى فَسَجَدَ فِي أَصْلِ الْمِنْبَرِ، ثُمَّ عَادَ، فَلَمَّا فَرَغَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ: «أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّمَا صَنَعْتُ هٰذَا لِتَأْتَمُّوا بِي، وَلِتَعَلَّمُوا صَلَاتِي». [راجع ۳۷۷]

بھی دیکھا جب اسے تیار کر کے رکھا گیا تھا اور اس وقت بھی دیکھا جب اس پر پہلے دن رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہوئے۔ واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک انصاری عورت کی طرف پیغام بھیجا، جس کا نام حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے لیا تھا لیکن میں اسے بھول گیا ہوں: "تم اپنے بڑھئی غلام کو کہو وہ میرے لیے لکڑیوں کا ایک منبر بنا دے تاکہ میں جب لوگوں سے مخاطب ہوں تو اس پر بیٹھا کروں۔" چنانچہ اس عورت نے اپنے غلام کو یہ حکم دیا تو وہ غابہ جنگل کے جھاؤ سے (منبر) تیار کر کے اس کے پاس لے آیا۔ اس نے وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا۔ آپ نے حکم دیا کہ اسے اس جگہ پر رکھ دیا جائے۔ پھر میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس پر نماز پڑھنا شروع کی، تکبیر تحریمہ اس پر کہی، پھر آپ نے رکوع بھی اسی پر کیا، پھر الٹے پاؤں نیچے اتر آئے اور منبر کی جڑ میں سجدہ کیا۔ پھر واپس منبر پر آ گئے۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: "لوگو! میں نے یہ سب کچھ اس لیے کیا ہے تاکہ تم میری اقتدا کرو اور میری نماز سیکھ لو۔"

فوائد و مسائل: ① بعض حضرات کا خیال ہے کہ منبر پر خطبہ دینا امیر المومنین کا حق ہے، چنانچہ ابن بطال نے لکھا ہے کہ اگر خطیب مسلمانوں کا خلیفہ ہو تو اسے چاہیے کہ منبر پر خطبہ دے، اگر اس کے علاوہ ہو تو اسے اختیار ہے منبر استعمال کرے یا زمین پر کھڑا ہو جائے۔ علامہ زین بن منیر کہتے ہیں کہ یہ بات امام بخاری رحمہ اللہ کے مقصود کے برعکس ہے۔ اصل بات تو سامعین کو وعظ کرنا اور انھیں امور دین کی تعلیم دینا ہے۔ جو بھی یہ فریضہ سرانجام دے گا اسے منبر پر خطبہ دینے کی اجازت ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔[1] ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام اگر کوئی خلاف عادت کام کرے تو اسے چاہیے کہ علت الناس کے سامنے اس کی وضاحت کر دے تاکہ شکوک و شبہات پیدا نہ ہوں۔ ③ اس روایت میں تکبیر تحریمہ کے بعد قراءت کرنے اور رکوع کے بعد کھڑے ہونے کا ذکر نہیں ہے۔ اس قسم کی تفصیل ابو حازم سے سفیان نے بیان کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ اکبر کہا، پھر قراءت فرمائی، اس کے بعد رکوع کیا، پھر رکوع سے اپنے سر کو اٹھایا، اس کے

[1] فتح الباري: 514/2

بعد الٹے پاؤں واپس ہوئے۔ اس کے علاوہ طبرانی کی روایت یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلے خطبہ دیا، پھر تکبیر کہی گئی تو آپ نے منبر پر ہی تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز کا آغاز فرمایا۔[1] اس روایت سے پتہ چلا کہ خطبہ نماز سے پہلے ہے۔[2] امام ابن حزم نے اس نماز کو نفل قرار دیا ہے لیکن طبرانی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے منبر پر جمعے کا خطبہ دیا، پھر نماز جمعہ ادا فرمائی تھی۔ واللہ أعلم۔

٩١٨ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ أَنَسٍ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللهِ قَالَ: كَانَ جِذْعٌ يَقُومُ عَلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ فَلَمَّا وُضِعَ لَهُ الْمِنْبَرُ سَمِعْنَا لِلْجِذْعِ مِثْلَ أَصْوَاتِ الْعِشَارِ، حَتَّى نَزَلَ النَّبِيُّ ﷺ فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَيْهِ. [راجع: ٤٤٩]

[918] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ مسجد میں ایک کھجور کا تنا تھا جس پر ٹیک لگا کر نبی ﷺ کھڑے ہوتے تھے۔ جب آپ کے لیے منبر رکھا گیا تو ہم نے اس تنے سے دس ماہ کی حاملہ اونٹنی کے بلبلانے جیسی آواز سنی۔ آخر کار نبی ﷺ منبر سے اترے اور اس تنے پر اپنا دست مبارک رکھا۔

وَقَالَ سُلَيْمَانُ عَنْ يَحْيَى: أَخْبَرَنِي حَفْصُ بْنُ عُبَيْدِاللهِ بْنِ أَنَسٍ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللهِ.

سلیمان بن بلال نے بھی یحییٰ بن سعید سے اسی طرح بیان کیا ہے (تاہم انھوں نے ابن انس کا نام بھی ذکر کیا ہے)۔

فوائد و مسائل: ① صحیح بخاری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب اس تنے پر ہاتھ رکھا تو اسے سکون آ گیا اور اس نے رونا بند کر دیا۔[3] ایک روایت میں اس کے رونے کی وجہ بھی بیان ہوئی ہے کہ وہ اللہ کا ذکر سنا کرتا تھا جس سے وہ محروم ہو گیا۔[4] نیز سنن نسائی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی جدائی کی وجہ سے اس پر لرزہ طاری ہو گیا اور اس طرح رونے لگا جس طرح گم شدہ بچے والی اونٹنی روتی ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ہم کتاب المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام میں کریں گے۔ ② امام بخاری ؒ نے اس روایت سے منبر پر خطبہ دینا ثابت کیا ہے جس کی صراحت حدیث: 3584 اور 3585 میں ہے۔ واللہ أعلم۔

٩١٩ - حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَخْطُبُ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ: «مَنْ جَاءَ إِلَى الْجُمُعَةِ فَلْيَغْتَسِلْ». [راجع: ٨٧٧]

[919] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا جبکہ آپ منبر پر خطبہ دے رہے تھے: "جو شخص جمعہ کے لیے آئے وہ غسل ضرور کرے۔"

---

[1] المعجم الكبير للطبراني: 134/8، حديث: 6752. [2] فتح الباري: 514/2. [3] صحيح البخاري، المناقب، حديث: 3585. [4] صحيح البخاري، المناقب، حديث: 3584.

فوائد و مسائل: ① یہ روایت جمعہ کے دن غسل کے بیان میں گزر چکی ہے۔ ② اس مقام پر امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود صرف منبر پر خطبے کا اثبات کرنا ہے۔ ③ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ منبر پر حاضرین کو احکام دین کی تعلیم دینی چاہیے۔[1]

(۲۷) بَابُ الْخُطْبَةِ قَائِمًا

باب: 27- کھڑے ہو کر خطبہ دینا

وَقَالَ أَنَسٌ: بَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ قَائِمًا.

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ دے رہے تھے۔

وضاحت: اس معلق روایت کو امام بخاری رحمہ اللہ نے خود موصولاً بیان کیا ہے۔[2]

۹۲۰ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ الْقَوَارِيرِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ قَائِمًا ثُمَّ يَقْعُدُ، ثُمَّ يَقُومُ كَمَا تَفْعَلُونَ الْآنَ. [انظر: ۹۲۸]

[920] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے، درمیان میں کچھ دیر بیٹھ جاتے پھر کھڑے ہو جاتے تھے جیسا کہ تم اب کرتے ہو۔

فائدہ: اگر بیٹھ کر جمعے کا خطبہ دینا جائز ہو تو دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنے کی کیا حیثیت باقی رہتی ہے؟ نیز آیت قرآنی ﴿وَتَرَكُوكَ قَائِمًا﴾ کے مفہوم کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جمعے کا خطبہ کھڑے ہو کر دیا جائے۔ مندرجہ ذیل حدیث سے اس کی مزید وضاحت ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر جمعے کا خطبہ ارشاد فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ دوران خطبہ میں شام سے ایک تجارتی قافلہ آ گیا۔ جب لوگوں کو پتہ چلا تو وہ خطبہ چھوڑ کر اس طرف چلے گئے حتی کہ صرف بارہ آدمی باقی رہ گئے تو اس وقت یہ آیت ﴿وَتَرَكُوكَ قَائِمًا﴾ نازل ہوئی۔[3] اس کے علاوہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ جس نے کہا کہ آپ بیٹھ کر خطبہ دیتے تھے اس نے جھوٹ بولا۔ اللہ کی قسم! میں نے آپ کے ساتھ دو ہزار سے زائد نمازیں پڑھی ہیں۔[4] ہاں اگر کوئی عذر ہو تو بیٹھ کر خطبہ دیا جا سکتا ہے جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پیٹ کی چربی اور گوشت زیادہ ہو گیا تو انھوں نے بیٹھ کر خطبہ دیا۔ جمعے کے علاوہ دیگر مواعظ میں بیٹھ کر خطبہ دینا جائز ہے جیسا کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن منبر پر (وعظ کرنے کے لیے) بیٹھے اور ہم بھی آپ کے گرد بیٹھ گئے۔[5] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مصنف عبدالرزاق سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ، حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم جمعے کے دن کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر کھڑے ہو کر خطبہ دینا گراں ہوتا تو تھوڑے کھڑے ہو کر بیٹھ جاتے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی روایت میں ہے کہ وہ پہلا خطبہ بیٹھ کر دیتے اور دوسرے کے لیے

1 فتح الباري: 515/2. 2 صحيح البخاري، الاستسقاء، حديث: 1013، 1014. 3 صحيح البخاري، الجمعة، حديث: 936. 4 صحيح مسلم، الجمعة، حديث: 1996 (862). 5 صحيح البخاري، الجمعة، حديث: 921.

کھڑے ہو جائے۔ یہ واقعات بیٹھ کر خطبہ دینے کی دلیل نہیں کیونکہ ایسا کرنا ایک ضرورت کے پیش نظر تھا۔[1] حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ ایک وقت مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ عبدالرحمٰن بن ام حکم بیٹھ کر جمعے کا خطبہ دے رہے تھے۔ آپ نے اس فعل کا انکار کرتے ہوئے فوراً ﴿تَرَكُوكَ قَائِمًا﴾ آیت تلاوت فرمائی۔[2]

(٢٨) بَابُ اسْتِقْبَالِ النَّاسِ الْإِمَامَ إِذَا خَطَبَ

باب: 28- خطبے کے وقت امام اور حاضرین کا ایک دوسرے کی طرف منہ کرنا

وَاسْتَقْبَلَ ابْنُ عُمَرَ وَأَنَسٌ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمُ الْإِمَامَ.

حضرت ابن عمر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم امام کے سامنے بیٹھ کر متوجہ ہوتے تھے۔

وضاحت جب امام حاضرین کی طرف منہ کرے گا تو قبلے کی طرف اس کی پشت ہوگی۔ ایک عظیم مقصد کے پیش نظر قبلے کی طرف پشت کرنے کی گنجائش ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ لوگ خطبہ سننے کے لیے ہمہ تن گوش ہوں گے اور اس کے وعظ و نصیحت کو توجہ اور غور سے سنیں گے بشرطیکہ امام بھی اپنے قلب اور قالب سے ان کی طرف متوجہ ہو۔[3] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اثر کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے متصل سند سے بیان کیا ہے کہ آپ امام کے تشریف لانے سے پہلے پہلے نوافل وغیرہ سے فارغ ہو جاتے اور جب امام منبر پر بیٹھ جاتا تو آپ اس کی طرف متوجہ ہوتے۔ اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اثر کو بھی امام بیہقی رحمہ اللہ نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔[4]

٩٢١ - حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيَى، عَنْ هِلَالِ بْنِ أَبِي مَيْمُونَةَ: حَدَّثَنَا عَطَاءُ بْنُ يَسَارٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ قَالَ: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ جَلَسَ ذَاتَ يَوْمٍ عَلَى الْمِنْبَرِ وَجَلَسْنَا حَوْلَهُ. [انظر: ١٤٦٥، ٢٨٤٢، ٦٤٢٧]

[921] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ ایک دن منبر پر تشریف فرما ہوئے تو ہم آپ کے اردگرد بیٹھ گئے۔

فوائد و مسائل: [1] یہ حدیث ایک طویل حدیث کا حصہ ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الزکاۃ، کتاب الجہاد اور کتاب الرقاق میں بیان کیا ہے۔ یہاں الفاظ ہیں: "تشریف فرما ہوئے" جبکہ ایک روایت میں ہے کہ آپ منبر پر کھڑے ہوئے۔[5] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث سے یہ مسئلہ بایں طور استنباط کیا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا رسول اللہ ﷺ کے اردگرد ہمہ تن گوش ہو کر بیٹھنا اور آپ کے وعظ کو سماعت کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ سب آپ کی طرف متوجہ

1 فتح الباري: 518/2. 2 سنن النسائي، الجمعة، حديث: 1399. 3 فتح الباري: 517/2. 4 السنن الكبرى للبيهقي: 199/3. 5 صحيح البخاري، الجهاد والسير، حديث: 2842.

تھے۔ (تو معلوم ہوا کہ آپ بھی ان کی طرف متوجہ تھے۔) امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے متعلق صراحت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے کچھ بھی ثابت نہیں۔ ⑤ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطبۂ جمعہ کے علاوہ کسی اور وعظ کا ذکر ہے کیونکہ خطبۂ جمعہ کے دوران میں آپ کا کھڑا ہونا ثابت ہے۔ جب خطبۂ جمعہ کے علاوہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اس قدر انہماک تھا تو خطبۂ جمعہ میں تو اس سے کہیں زیادہ ہوگا کیونکہ اس کے لیے خاموش ہونے اور اسے بغور سننے کا حکم ہے۔[1] ⑥ ہماری مساجد میں تو صف بندی کے ساتھ ساتھ استقبال بھی ہو جاتا ہے، البتہ مسجد نبوی میں اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہاں محراب اور منبر میں کچھ فاصلہ ہے، درمیان میں کچھ صفیں ہیں وہاں استقبال امام کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ امام ان کے پیچھے ہوتا ہے۔ اگلی صفوں میں بیٹھنے والوں کو چاہیے کہ وہ امام کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھیں اگرچہ ایسی حالت میں قبلے کی طرف پیٹھ ہو جائے گی۔

(٢٩) بَابُ مَنْ قَالَ فِي الْخُطْبَةِ بَعْدَ الثَّنَاءِ: أَمَّا بَعْدُ

باب: 29- خطبے میں حمد و ثنا کے بعد أما بعد کہنا

رَوَاهُ عِكْرِمَةُ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

حضرت عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور انھوں نے نبی ﷺ سے ایسا ہی روایت کیا ہے۔

وضاحت: اس معلق روایت کو امام بخاری رحمہ اللہ نے خود ہی متصل سند سے بیان کیا ہے۔ دیکھیے: (حدیث: 927)

٩٢٢ - وَقَالَ مَحْمُودٌ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ قَالَ: أَخْبَرَتْنِي فَاطِمَةُ بِنْتُ الْمُنْذِرِ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ قَالَتْ: دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ وَالنَّاسُ يُصَلُّونَ، قُلْتُ: مَا شَأْنُ النَّاسِ؟ فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا إِلَى السَّمَاءِ، فَقُلْتُ: آيَةٌ؟ فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا: أَيْ نَعَمْ، قَالَتْ: فَأَطَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ جِدًّا حَتَّى تَجَلَّانِي الْغَشْيُ وَإِلَى جَنْبِي قِرْبَةٌ فِيهَا مَاءٌ فَفَتَحْتُهَا، فَجَعَلْتُ أَصُبُّ مِنْهَا عَلَى رَأْسِي، فَانْصَرَفَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ، فَخَطَبَ النَّاسَ فَحَمِدَ اللهَ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، ثُمَّ قَالَ: «أَمَّا بَعْدُ». قَالَتْ: وَلَغَطَ نِسْوَةٌ مِنَ

[922] حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی جبکہ لوگ نماز پڑھ رہے تھے۔ میں نے دریافت کیا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے سر کے ساتھ آسمان کی طرف اشارہ فرمایا۔ میں نے عرض کیا: کوئی نشانی ہے؟ تو انھوں نے اپنے سر سے اشارہ کیا کہ ہاں۔ وہ (حضرت اسماء رضی اللہ عنہا) کہتی ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے اتنی طوالت کی کہ مجھ پر غشی طاری ہونے لگی۔ میرے پہلو میں پانی کا ایک مشکیزہ تھا، میں نے اسے کھولا اور اس سے پانی لے کر اپنے سر پر ڈالنے لگی۔ پھر رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوئے تو سورج روشن ہو چکا تھا۔ اس کے بعد آپ نے خطبہ دیا۔ اس میں اللہ کی حمد و ثنا بیان کی جس کا وہ مستحق ہے، پھر

1 فتح الباري: 517/2.

الأنصار، فانكفأت إليهن لأسكتهن، فقلت لعائشة: ما قال؟ قالت: قال: «ما من شيء لم أكن أريته إلا وقد رأيته في مقامي هذا حتى الجنة والنار، وإنه قد أوحي إلي أنكم تفتنون في القبور مثل أو قريبا من فتنة المسيح الدجال، يؤتى أحدكم فيقال له: ما علمك بهذا الرجل؟ فأما المؤمن - أو قال: الموقن - شك هشام - فيقول: هو رسول الله، هو محمد ﷺ جاءنا بالبينات والهدى فآمنا وأجبنا واتبعنا وصدقنا، فيقال له: نم صالحا، قد كنا نعلم أن كنت لمؤمنا به. وأما المنافق - أو قال: المرتاب - شك هشام - فيقال له: ما علمك بهذا الرجل؟ فيقول: لا أدري، سمعت الناس يقولون شيئا فقلته».

"اما بعد" کہا۔ وہ (حضرت اسماء ؓ) کہتی ہیں کہ انصار کی کچھ عورتوں نے شور کرنا شروع کیا تو میں انھیں خاموش کرانے کے لیے ان کی طرف متوجہ ہوئی۔ اس اثنا میں میں نے حضرت عائشہ ؓ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے کیا فرمایا ہے؟ حضرت عائشہ ؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو مجھے نہ دکھائی گئی ہو۔ میں نے اسے آج اپنی اسی جگہ سے دیکھ لیا ہے حتی کہ میں نے جنت اور دوزخ کو بھی دیکھ لیا۔ اور میری طرف یہ وحی کی گئی کہ تمھارا مسیح دجال کے فتنے کی طرح یا اس کے قریب قریب قبروں میں امتحان لیا جائے گا، چنانچہ تم میں سے (ہر) ایک کے پاس فرشتہ آئے گا اور اس (ہر ایک) سے پوچھا جائے گا کہ اس "شخصیت" کے متعلق تم کیا جانتے ہو؟ جو شخص ایمان یا یقین والا ہوگا تو وہ کہے گا کہ یہ اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ ہیں جو ہمارے پاس ہدایت کی باتیں اور کھلی دلیلیں لے کر آئے۔ ہم ان پر ایمان لائے، ان کی دعوت کو قبول کیا، نیز ان کی پیروی اور تصدیق کی۔ پھر اس شخص سے کہا جائے گا کہ تو اطمینان و سکون سے سو جا۔ ہم جانتے تھے کہ تو یقین و ایمان والا تھا۔ اور جو شخص منافقت یا شک رکھنے والا ہوگا - ہشام کو شک ہے - اس سے کہا جائے گا کہ تو اس شخص کے متعلق کیا معلومات رکھتا ہے؟ تو وہ کہے گا کہ میں تو کچھ نہیں جانتا۔ لوگوں سے ایک بات سنتا تھا تو میں بھی ایسے ہی کہہ دیتا تھا۔"

قال هشام: فلقد قالت لي فاطمة فأوعيته غير أنها ذكرت ما يغلظ عليه. [راجع ٨٦]

ہشام کہتے ہیں کہ مجھے فاطمہ بنت منذر نے جو کہا میں نے اسے خوب یاد کر لیا، البتہ منافقین پر کی جانے والی سختیاں جو اس نے بیان کی تھیں وہ یاد نہ رہیں۔

فائدہ: امام بخاری ؒ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ خطبے میں أما بعد کہنا سنت ہے۔ حضرت داود ؑ کے متعلق قرآن میں ہے کہ

انھیں فصل خطاب سے نوازا گیا تھا۔[1] اس کا بھی تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کو اپنے اصل خطاب سے اما بعد کے ذریعے سے الگ کیا جائے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی مقصد کے لیے متعدد احادیث پیش کی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس انداز کو عادتاً اختیار فرمایا ہے۔ چونکہ امام بخاری رحمہ اللہ کو ان کی شرط کے مطابق کوئی خاص حدیث خطبہ جمعہ سے متعلق نہ مل سکی، اس لیے انھوں نے دوسری احادیث نقل کر دیں جن سے مقصد مذکورہ حاصل ہو اور یہ انداز جمعہ کے لیے قابل عمل ہے۔ اس حدیث کی مکمل تشریح کتاب الکسوف میں ذکر ہوگی۔ بإذن اللہ۔

٩٢٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَعْمَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ، عَنْ جَرِيرِ بْنِ حَازِمٍ قَالَ: سَمِعْتُ الْحَسَنَ يَقُولُ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ تَغْلِبَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ أُتِيَ بِمَالٍ أَوْ بِشَيْءٍ فَقَسَمَهُ فَأَعْطَى رِجَالًا وَتَرَكَ رِجَالًا فَبَلَغَهُ أَنَّ الَّذِينَ تَرَكَ عَتَبُوا، فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ: «أَمَّا بَعْدُ، فَوَاللهِ إِنِّي لَأُعْطِي الرَّجُلَ وَأَدَعُ الرَّجُلَ، وَالَّذِي أَدَعُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الَّذِي أُعْطِي، وَلٰكِنِّي أُعْطِي أَقْوَامًا لِمَا أَرَى فِي قُلُوبِهِمْ مِنَ الْجَزَعِ وَالْهَلَعِ، وَأَكِلُ أَقْوَامًا إِلَى مَا جَعَلَ اللهُ فِي قُلُوبِهِمْ مِنَ الْغِنَى وَالْخَيْرِ، فِيهِمْ عَمْرُو بْنُ تَغْلِبَ». فَوَاللهِ مَا أُحِبُّ أَنَّ لِي بِكَلِمَةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ حُمْرَ النَّعَمِ. [انظر: ٣١٤٥، ٧٥٣٥]

[923] حضرت عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ مال یا کوئی اور چیز لائی گئی جسے آپ نے تقسیم فرما دیا لیکن آپ نے کچھ لوگوں کو دیا اور کچھ کو نہ دیا۔ پھر آپ کو اطلاع ملی کہ جن کو آپ نے نہیں دیا وہ ناخوش ہیں۔ آپ نے اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: "اما بعد! اللہ کی قسم! میں کسی کو دیتا ہوں اور کسی کو نہیں دیتا لیکن جسے چھوڑ دیتا ہوں وہ میرے نزدیک اس شخص سے زیادہ عزیز ہوتا ہے جسے دیتا ہوں، نیز کچھ لوگوں کو اس لیے دیتا ہوں کہ ان میں بے صبری اور بوکھلاہٹ دیکھتا ہوں اور کچھ کو ان کی سیر چشمی اور بھلائی کی وجہ سے چھوڑ دیتا ہوں جو اللہ نے ان کے دلوں میں پیدا کی ہے۔ عمرو بن تغلب بھی انھی میں سے ہے۔" ان کا بیان ہے کہ اللہ کی قسم! مجھے یہ پسند نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اس کلمے کے عوض مجھے سرخ اونٹ ملیں۔

فائدہ: اس حدیث سے رسول اللہ ﷺ کے خلق عظیم کا پتہ چلتا ہے کہ آپ کو نہ تو کسی کی ناراضی گوارا تھی اور نہ آپ کسی کی دل شکنی ہی کرتے تھے، نیز صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی آپ سے دلی محبت اور قلبی تعلق تھا۔ اس حدیث کی مکمل وضاحت کتاب فرض الخمس میں آئے گی۔ بإذن اللہ

٩٢٤ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ

[924] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ آدھی رات کے وقت گھر سے نکلے تو مسجد میں آ کر نماز پڑھی۔ کچھ لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ نماز ادا

---

1 صٓ 38: 20.

ﷺ خَرَجَ لَيْلَةً مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ فَصَلَّى فِي الْمَسْجِدِ، فَصَلَّى رِجَالٌ بِصَلَاتِهِ. فَأَصْبَحَ النَّاسُ فَتَحَدَّثُوا، فَاجْتَمَعَ أَكْثَرُ مِنْهُمْ فَصَلَّوْا مَعَهُ، فَأَصْبَحَ النَّاسُ فَتَحَدَّثُوا. فَكَثُرَ أَهْلُ الْمَسْجِدِ مِنَ اللَّيْلَةِ الثَّالِثَةِ، فَخَرَجَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَصَلَّوْا بِصَلَاتِهِ، فَلَمَّا كَانَتِ اللَّيْلَةُ الرَّابِعَةُ عَجَزَ الْمَسْجِدُ عَنْ أَهْلِهِ حَتَّى خَرَجَ لِصَلَاةِ الصُّبْحِ. فَلَمَّا قَضَى الْفَجْرَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَتَشَهَّدَ، ثُمَّ قَالَ: «أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّهُ لَمْ يَخْفَ عَلَيَّ مَكَانُكُمْ لَكِنِّي خَشِيتُ أَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ فَتَعْجِزُوا عَنْهَا». تَابَعَهُ يُونُسُ. [راجع: ٧٢٩]

کی۔ صبح کے وقت لوگ باتیں کرنے لگے تو دوسرے روز ان سے بھی زیادہ لوگ جمع ہو گئے اور انھوں نے بھی رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نماز ادا کی۔ صبح کو لوگوں نے ایک دوسرے سے بیان کیا تو تیسری رات ان سے بھی زیادہ لوگ اکٹھے ہو گئے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو لوگوں نے آپ کے ساتھ نماز ادا کی۔ پھر جب چوتھی رات ہوئی تو لوگ اس قدر جمع ہوئے کہ مسجد میں گنجائش نہ رہی۔ بالآخر رسول اللہ ﷺ نماز فجر کے لیے باہر تشریف لائے۔ جب فجر کی نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف توجہ فرمائی۔ تشہد، یعنی خطبہ پڑھتے ہوئے فرمایا: ''اما بعد! بے شک تمھارا اجتماع مجھ سے مخفی نہ تھا لیکن مجھے خوف ہوا کہ مبادا تم پر فرض ہو جائے تو پھر تم اس کے ادا کرنے سے عاجز ہو جاؤ گے۔'' اس کی یونس بن یزید نے متابعت کی ہے۔

فائدہ: اس حدیث میں اما بعد کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے صرف اسی مقصد کے پیش نظر اس حدیث کو بیان کیا ہے۔ اس حدیث کی مکمل تشریح کتاب التہجد میں بیان کریں گے۔ إن شاء اللہ۔

نوٹ: یونس بن یزید کی متابعت کو امام مسلم نے اپنی متصل سند سے بیان کیا ہے۔[1]

٩٢٥ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَامَ عَشِيَّةً بَعْدَ الصَّلَاةِ فَتَشَهَّدَ وَأَثْنَى عَلَى اللهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، ثُمَّ قَالَ: «أَمَّا بَعْدُ». تَابَعَهُ أَبُو مُعَاوِيَةَ وَأَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «أَمَّا بَعْدُ». وَتَابَعَهُ الْعَدَنِيُّ، عَنْ سُفْيَانَ فِي: «أَمَّا بَعْدُ». [انظر: ١٥٠٠، ٢٥٩٧، ٦٦٣٦، ٦٩٧٩، ٧١٧٤، ٧١٩٧]

[925] حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک رات نماز کے بعد کھڑے ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی ایسی حمد و ثنا بیان کی جو اس کے شایان شان تھی۔ پھر فرمایا: اما بعد! (امام زہری کے ساتھ) ابو معاویہ اور ابو اسامہ نے اس روایت کی متابعت (ہشام سے) کی ہے، اسی طرح عدنی نے بھی سفیان سے روایت کرتے ہوئے لفظ اما بعد بیان کرنے میں اس کی متابعت کی ہے۔

---

1 فتح الباری: 520/2.

فوائد ومسائل: ① اس مقام پر امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث کو اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس میں ابن لتبیہ کا قصہ بیان ہوا ہے جس کی مکمل تفصیل کتاب الزکاۃ میں بیان کی جائے گی۔ ② امام مسلم نے ابومعاویہ اور ابواسامہ کی متابعت کو اپنی متصل سند سے بیان کیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ابواسامہ کی روایت کو اختصار کے ساتھ کتاب الزکاۃ (حدیث: 1500) میں ذکر کیا ہے، نیز عبداللہ بن ولید عدنی کی متابعت کو علامہ اسماعیلی نے اپنی مسند میں متصل سند سے ذکر کیا ہے۔[1]

٩٢٦ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ قَالَ: قَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَسَمِعْتُهُ حِينَ تَشَهَّدَ يَقُولُ: «أَمَّا بَعْدُ».

تَابَعَهُ الزُّبَيْدِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ. [انظر: ٣١١٠، ٣٧١٤، ٣٧٢٩، ٥٢٣٠، ٥٢٧٨]

[926] حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے، جب آپ نے تشہد، یعنی خطبہ پڑھا تو میں نے آپ کو "اما بعد" کہتے سنا۔

زبیدی نے امام زہری سے بیان کرنے میں شعیب کی متابعت کی ہے۔

فائدہ: جب حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے لعین امت ابوجہل کی بیٹی سے منگنی کا پروگرام بنایا تو اس وقت رسول اللہ ﷺ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا، حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ نے اسے بیان کیا ہے۔ اس کی مکمل تفصیل کتاب المناقب میں بیان ہوگی۔ چونکہ اس میں اما بعد کا ذکر تھا، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے صرف اسی قدر بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے۔

٩٢٧ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ الْغَسِيلِ قَالَ: حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: صَعِدَ النَّبِيُّ ﷺ الْمِنْبَرَ وَكَانَ آخِرَ مَجْلِسٍ جَلَسَهُ مُتَعَطِّفًا مِلْحَفَةً عَلَى مَنْكِبَيْهِ، قَدْ عَصَبَ رَأْسَهُ بِعِصَابَةٍ دَسِمَةٍ، فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: «أَيُّهَا النَّاسُ إِلَيَّ»، فَثَابُوا إِلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: «أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ هَذَا الْحَيَّ مِنَ الْأَنْصَارِ يَقِلُّونَ وَيَكْثُرُ النَّاسُ، فَمَنْ وَلِيَ شَيْئًا مِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ فَاسْتَطَاعَ أَنْ يَضُرَّ فِيهِ أَحَدًا وَيَنْفَعَ فِيهِ أَحَدًا، فَلْيَقْبَلْ مِنْ مُحْسِنِهِمْ وَيَتَجَاوَزْ عَنْ مُسِيئِهِمْ». [انظر: ٣٦٢٨، ٣٨٠٠]

[927] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور یہ آپ کی آخری نشست تھی جس میں آپ شریک ہوئے۔ آپ اپنے شانوں پر بڑی چادر ڈالے ہوئے سر پر چکنی پٹی باندھے ہوئے تھے۔ آپ نے اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: "لوگو! میرے قریب ہو جاؤ۔" چنانچہ لوگ آپ کے قریب جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا: "اما بعد! دیگر لوگ تو بڑھتے جائیں گے مگر قبیلۂ انصار کم ہوتا جائے گا، لہٰذا امت محمد ﷺ میں سے جو شخص کسی بھی شکل میں حکومت کرے جس کی وجہ سے دوسروں کو نفع یا نقصان پہنچانے کا اختیار رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ انصار کے نیکوکاروں کی نیکی قبول کرے اور خطا کاروں کی لغزشوں سے درگزر کرے۔"

---

[1] فتح الباري: 521/2.

فوائد ومسائل: ① اس میں کوئی شک نہیں کہ انصار مدینہ نے دینی خدمات کے حوالے سے تاریخ اسلام میں ایک سنہری باب رقم کیا ہے۔ وہ امت مسلمہ کے بہت بڑے محسن ہیں، اس لیے ان کی عزت و احترام ہر مسلمان کا مذہبی فریضہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "انصار کی تعداد دن بدن کم ہوتی جائے گی حتی کہ کھانے میں نمک کے برابر رہ جائے گی۔" (حدیث: 3628) ② اس حدیث میں "اما بعد" کا استعمال ہوا تھا اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے ذکر فرمایا ہے۔ اس کی مکمل تفصیل مناقب انصار میں بیان ہوگی۔ ③ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مذکورہ احادیث کے علاوہ بھی چند ایک احادیث کا ذکر کیا ہے جن میں اما بعد کا لفظ استعمال ہوا ہے اور بتایا ہے کہ حافظ عبدالقادر رہاوی رحمہ اللہ نے ان احادیث کی تخریج کی ہے جن میں لفظ اما بعد استعمال ہوا ہے۔ تقریباً 32 صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ایسی احادیث مروی ہیں۔ ان میں ایک حدیث حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بھی خطبہ ارشاد فرماتے تو اس میں "اما بعد" کہتے۔ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ اس حدیث کے الفاظ کا تقاضا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس عمل پر ہمیشگی فرماتے تھے۔[1]

(٣٠) بَابُ الْقَعْدَةِ بَيْنَ الْخُطْبَتَيْنِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

باب: 30- جمعے کے دن دو خطبوں کے درمیان بیٹھنے کا بیان

٩٢٨ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ خُطْبَتَيْنِ يَقْعُدُ بَيْنَهُمَا. [راجع: ٩٢٠]

[928] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ دو خطبے دیتے اور ان کے درمیان بیٹھتے تھے۔

فوائد ومسائل: ① علامہ زین بن منیر نے کہا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے قائم کردہ عنوان سے دو خطبوں کے درمیان بیٹھنے کا حکم واجب معلوم نہیں ہوتا کیونکہ اس عمل کی دلیل واستناد فعل نبوی ہے اور فعل میں عموم نہیں ہوتا۔ صاحب منتقی نے لکھا ہے کہ اس کو اکثر اہل علم نے واجب نہیں کہا جس میں کوئی ذکر وغیرہ مشروع نہیں ہے۔ جو اس کے وجوب کے قائل ہیں، ان کے ہاں اس کی مقدار جلسہ استراحت جتنی ہے، یا اتنی ہے جتنی دیر میں سورۂ اخلاص پڑھی جا سکتی ہے۔[2] ② سنن ابوداود کی روایت میں کچھ تفصیل ہے جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں: رسول اللہ ﷺ دو خطبے ارشاد فرماتے۔ جب منبر پر تشریف لاتے تو بیٹھ جاتے تاآنکہ مؤذن اذان سے فارغ ہو جاتا۔ پھر کھڑے ہوتے اور خطبہ دیتے، پھر بیٹھ جاتے اور کلام وغیرہ نہ کرتے، پھر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے۔[3] اس روایت سے معلوم ہوا کہ بیٹھنے کے دوران میں امام کو کسی قسم کی گفتگو نہیں کرنی چاہیے، البتہ سری ذکر کرنا منع نہیں۔ واللہ أعلم۔

---

1 فتح الباري: 621/2. 2 فتح الباري: 522/2. 3 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 1092.

(٣١) بَابُ الْاِسْتِمَاعِ إِلَى الْخُطْبَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

باب: 31- جمعے کے دن خطبہ بغور سننا

٩٢٩ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ الْأَغَرِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ وَقَفَتِ الْمَلَائِكَةُ عَلَى بَابِ الْمَسْجِدِ يَكْتُبُونَ الْأَوَّلَ فَالْأَوَّلَ، وَمَثَلُ الْمُهَجِّرِ كَمَثَلِ الَّذِي يُهْدِي بَدَنَةً، ثُمَّ كَالَّذِي يُهْدِي بَقَرَةً، ثُمَّ كَبْشًا، ثُمَّ دَجَاجَةً، ثُمَّ بَيْضَةً. فَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ طَوَوْا صُحُفَهُمْ وَيَسْتَمِعُونَ الذِّكْرَ». [انظر: ٣٢١١]

[929] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "جب جمعے کا دن ہوتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں، پہلے اور اس کے بعد آنے والوں کے ثواب کو لکھتے رہتے ہیں۔ صبح سویرے آنے والے کو اونٹ کی قربانی دینے والے کی طرح، اس کے بعد گائے ذبح کرنے والے کی مثل، پھر مینڈھا قربانی کرنے والے کی طرح، اس کے بعد مرغی اور اس کے بعد انڈا اللہ کی راہ میں دینے کا ثواب ملتا ہے لیکن جب امام خطبے کے لیے برآمد ہوتا ہے تو فرشتے اپنے دفاتر لپیٹ کر ذکر الٰہی سننے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔"

فوائد و مسائل: ① شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس حدیث کے مطابق فرشتے غور اور توجہ سے خطبۂ جمعہ سنتے ہیں دیگر لوگوں کو بطریق اولیٰ کان لگا کر سننا چاہیے کیونکہ انسان کو عبادت کے لیے مکلف قرار دیا گیا ہے جبکہ فرشتے اللہ کی عبادت کے مکلف نہیں ہیں۔ ② حاضرین کو کب گفتگو سے باز رہنا چاہیے؟ حدیث سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ جب امام خطبہ شروع کرے تو لوگوں کا گفتگو وغیرہ میں مصروف ہونا ناجائز ہے کیونکہ بغور سننے کی تاکید آغاز خطبہ کے بعد ہو سکتی ہے جبکہ احناف کا موقف ہے کہ جب امام برآمد ہو تو اس وقت گفتگو میں مصروف ہونا ناجائز ہے۔ اس سلسلے میں ایک ضعیف حدیث بھی پیش کی جاتی ہے جس کی اسنادی حیثیت ہم آئندہ بیان کریں گے۔[1] اس حدیث کے پیش نظر خطبۂ جمعہ سننا واجب ہے، البتہ امام بوقت ضرورت دوران خطبہ میں کسی کو کوئی بات یا کام کہہ سکتا ہے، اس پر کوئی قدغن نہیں ہے۔ واللہ أعلم

(٣٢) بَابٌ: إِذَا رَأَى الْإِمَامُ رَجُلًا جَاءَ وَهُوَ يَخْطُبُ أَمَرَهُ أَنْ يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ

باب: 32- دوران خطبہ میں اگر امام کسی کو آتا دیکھے تو اسے دو رکعت ادا کرنے کا حکم دے

٩٣٠ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ ابْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ وَالنَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ

[930] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ جمعے کے دن ایک شخص اس وقت آیا جب نبی ﷺ لوگوں سے خطاب فرما رہے تھے۔ آپ نے پوچھا:

1 فتح الباري: 523/2

النَّاسَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَقَالَ: «أَصَلَّيْتَ يَا فُلَانُ؟» فَقَالَ: لَا، قَالَ: «قُمْ فَارْكَعْ». [انظر: ٩٣١، ١١٦٦]

"اے فلاں! کیا تو نے نماز پڑھی ہے؟" اس نے عرض کیا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: "کھڑے ہو کر نماز ادا کرو۔"

فائدہ: اس باب میں امام اور خطیب کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ اگر کسی کو دیکھے کہ دوران خطبہ میں تحیۃ المسجد ادا کیے بغیر بیٹھ گیا ہے تو اسے دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم دے۔ اس کی تفصیل ہم آئندہ باب میں بیان کریں گے۔

(٣٣) بَابُ مَنْ جَاءَ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ

باب: 33- اگر کوئی دوران خطبہ میں آئے تو اسے چاہیے کہ ہلکی پھلکی دو رکعت پڑھ لے

٩٣١ – حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو، سَمِعَ جَابِرًا قَالَ: دَخَلَ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالنَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ فَقَالَ: «صَلَّيْتَ؟» قَالَ: لَا، قَالَ: «فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ». [راجع: ٩٣٠]

[931] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ جمعے کے دن ایک شخص اس وقت آیا جب نبی ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ آپ نے اس سے پوچھا: "کیا تو نے نماز پڑھی ہے؟" اس نے جواب دیا: نہیں۔ تو آپ نے فرمایا: "(کھڑے ہو کر) دو رکعت پڑھو۔"

فوائد و مسائل: ① علامہ زین بن منیر مذکورہ عنوانات میں باہمی الفاظ فرق بیان کرتے ہیں کہ پہلے عنوان میں آنے والے کو دو رکعت ادا کرنے کا حکم دینا اس بات سے مشروط ہے کہ امام اسے دوران خطبہ میں دیکھے اور اس سے پوچھے کہ تو نے نماز پڑھی ہے یا نہیں؟ اور یہ سب معاملات خطیب کے ساتھ خاص ہیں۔ دوسرا عنوان مسجد میں آنے والے سے متعلق ہے کہ اسے چاہیے کہ دوران خطبہ میں دو رکعت پڑھ کر خطبہ سننے کے لیے بیٹھے۔ امام بخاری ؒ نے اپنے قائم کردہ عنوانات میں ان تمام باتوں کو ملحوظ رکھا ہے، حالانکہ دونوں میں حدیث ایک ہی بیان کی ہے۔[1] نیز اس عنوان میں ہلکی پھلکی دو رکعت پڑھنے کا ذکر ہے جبکہ پیش کردہ حدیث میں اس قسم کی کوئی وضاحت نہیں ہے۔ اصل میں امام بخاری ؒ کی یہ عادت ہے کہ وہ عنوان کے ذریعے سے کسی ایسی حدیث کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں جو صحیح ہوتی ہے لیکن ان کی شرائط کے مطابق نہیں ہوتی، چنانچہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے ہلکی پھلکی دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا۔[2] ② دوران خطبہ میں آنے والا شخص سلیک بن ہدبہ غطفانی تھا جیسا کہ صحیح مسلم کی روایات میں اس کی صراحت ہے۔ بعض روایات میں آنے والے کا نام نعمان بن نوفل بتایا گیا ہے لیکن محدثین نے اسے کسی راوی کا وہم قرار دیا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس دوران خطبہ میں حضرت ابوذر ؓ آئے تھے تو آپ نے انھیں دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ اس روایت میں ابن لہیعہ راوی نے "دوران خطبہ میں" کے الفاظ شاذ طور پر بیان کر دیے ہیں کیونکہ محفوظ الفاظ یہ ہیں کہ حضرت ابوذر ؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس اس وقت آئے جبکہ آپ

[1] فتح الباري: 530/2. [2] صحيح مسلم، الجمعة، حديث: 2018 (875).

مسجد میں تشریف فرما تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ قیس قبیلے کا ایک شخص آپ کے پاس آیا تھا۔ اس سے مراد بھی سلیک ہے کیونکہ قبیلۂ غطفان قیس کی ایک شاخ ہے۔ ابن بشکوال نے اسی آدمی کا نام ابو ہدیہ لکھا ہے۔ اگر یہ الفاظ محفوظ ہیں تو ممکن ہے کہ سلیک رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو ہدیہ ہو۔ اتفاق سے ان کے باپ کا نام بھی ہدیہ ہے۔[1] واللہ أعلم. ﴿﴾ یہ احادیث اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ جمعہ کے دن دوران خطبہ میں اگر کوئی شخص آئے تو اسے دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھ کر بیٹھنا چاہیے لیکن فقہائے کوفہ نے بعض ضعیف روایات کا سہارا لے کر اس موقف کی تردید کی ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا خطبہ بند کر دیا تھا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں ان تمام حیلوں بہانوں کا ذکر کیا ہے جن کے سہارے یہ حضرات اس سنت کا انکار کرتے ہیں، پھر دلائل و براہین سے محدثین کے موقف کو ثابت کیا ہے۔ یہ قابل قدر بحث صفحہ 526 سے 529 تک پھیلی ہوئی ہے۔ ہم اس سلسلے میں حجۃ الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کا فیصلہ نقل کر کے اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: جب کوئی نمازی ایسے حالات میں آئے کہ امام خطبہ دے رہا ہو تو اسے چاہیے کہ ہلکی پھلکی دو رکعتیں پڑھ کر بیٹھے تاکہ سنت راتبہ اور ادب خطبہ ہر دو کی رعایت ہو سکے۔ اور اس مسئلے کے متعلق تمہارے شہر کے لوگ جو شور و غوغا کرتے ہیں ان کے دھوکے میں نہیں آنا چاہیے کیونکہ اس مسئلے کے متعلق صحیح احادیث ہیں جن کی اتباع ضروری ہے۔[2] مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی بیان کر دیا جائے جسے امام ترمذی نے بیان کیا ہے: عبداللہ بن ابی سرح بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن مسجد میں اس وقت آئے جب مروان بن حکم خطبہ دینے میں مصروف تھا۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے تو مروان کے سپاہی آئے اور آپ کو زبردستی نماز سے باز رکھنا چاہا مگر حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے نماز توڑنے سے انکار کر دیا اور مکمل کر کے سلام پھیرا۔ نماز کے بعد ہم نے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور عرض کیا کہ وہ سپاہی آپ پر حملہ آور ہونا ہی چاہتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ میں بھی ان دو رکعات کو چھوڑنے والا نہیں تھا خواہ سپاہی کچھ بھی کر گزرتے کیونکہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے، ایک پراگندہ حال آدمی مسجد میں داخل ہوا، رسول اللہ ﷺ نے اسی حالت میں اسے دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا، وہ نماز پڑھتا رہا جبکہ رسول اللہ ﷺ خطبہ دینے میں مصروف رہے۔[3]

(٣٤) بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ فِي الْخُطْبَةِ

باب: 34- خطبے میں دونوں ہاتھوں کا اٹھانا

٩٣٢ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ، عَنْ أَنَسٍ وَعَنْ يُونُسَ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: بَيْنَمَا النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ يَوْمَ جُمُعَةٍ إِذْ قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! هَلَكَ الْكُرَاعُ وَهَلَكَ الشَّاءُ،

[932] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ جمعہ کے دن نبی ﷺ خطبہ دے رہے تھے کہ اس اثنا میں اچانک ایک آدمی اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا: اللہ کے رسول! مال مویشی اور بکریاں ہلاک ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ ہم پر بارش برسائے، چنانچہ آپ نے دونوں

[1] فتح الباري: 524/2. [2] حجة الله البالغة: 29/2، طبع المكتبة السلفية، لاهور. [3] جامع الترمذي، الجمعة، حديث: 511.

فَادْعُ اللهَ أَنْ يَسْقِيَنَا، فَمَدَّ يَدَيْهِ وَدَعَا. [انظر: ٩٣٣، ١٠١٣، ١٠١٩، ١٠٢٩، ١٠٣٣، ٣٥٨٢، ٦٠٩٣، ٦٣٤٢]

ہاتھ پھیلا کر دعا فرمائی۔

فائدہ: حضرت عمارہ بن رؤیبہ رضی اللہ عنہ نے بشر بن مروان کو دیکھا کہ وہ منبر پر ہاتھ اٹھائے ہوئے تھا۔ آپ نے اسے اس حالت دیکھ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تیرے ہاتھوں کا ستیاناس کرے! میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ وہ تو انگشت شہادت سے اشارہ فرماتے تھے۔[1] جبکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے دوران خطبہ میں دونوں ہاتھ اٹھانے کا اثبات کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحابی کا انکار ایک مخصوص طرز عمل سے متعلق تھا،[2] یعنی وہ دوران خطبہ میں ہاتھ اٹھا اٹھا کر شعلہ بیانی کا مظاہرہ کر رہا تھا جبکہ امام بخاری رحمہ اللہ دعا کرتے وقت ہاتھ اٹھانے کے عمل کو ثابت کر رہے ہیں۔

(٣٥) بَابُ الْاِسْتِسْقَاءِ فِي الْخُطْبَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

باب: 35- خطبۂ جمعہ کے دوران میں بارش کے لیے دعا کرنا

٩٣٣ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَمْرٍو الْأَوْزَاعِيُّ قَالَ: حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: أَصَابَتِ النَّاسَ سَنَةٌ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ، فَبَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ فِي يَوْمِ جُمُعَةٍ قَامَ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! هَلَكَ الْمَالُ وَجَاعَ الْعِيَالُ، فَادْعُ اللهَ لَنَا. فَرَفَعَ يَدَيْهِ، وَمَا نَرَى فِي السَّمَاءِ قَزَعَةً، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا وَضَعَهُمَا حَتَّى ثَارَ السَّحَابُ أَمْثَالَ الْجِبَالِ ثُمَّ لَمْ يَنْزِلْ عَنْ مِنْبَرِهِ حَتَّى رَأَيْتُ الْمَطَرَ يَتَحَادَرُ عَلَى لِحْيَتِهِ ﷺ فَمُطِرْنَا يَوْمَنَا ذٰلِكَ وَمِنَ الْغَدِ وَمِنْ بَعْدِ الْغَدِ وَالَّذِي يَلِيهِ حَتَّى الْجُمُعَةِ الْأُخْرَى، وَقَامَ ذٰلِكَ الْأَعْرَابِيُّ - أَوْ قَالَ: غَيْرُهُ - فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! تَهَدَّمَ الْبِنَاءُ وَغَرِقَ الْمَالُ، فَادْعُ اللهَ لَنَا، فَرَفَعَ يَدَيْهِ فَقَالَ:

[933] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ کے زمانے میں ایک مرتبہ لوگ قحط میں مبتلا ہو گئے۔ دریں اثنا نبی ﷺ جمعے کے دن خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک اعرابی نے کھڑے ہو کر عرض کیا: اللہ کے رسول! مال تلف ہو گیا اور بچے بھوکوں مرنے لگے، آپ اللہ سے ہمارے لیے دعا فرمائیے۔ آپ نے دعا کے لیے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور اس وقت ہمیں آسمان پر ابر کا ایک ٹکڑا بھی نظر نہیں آ رہا تھا مگر اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! آپ اپنے ہاتھوں کو نیچے بھی نہ کر پائے تھے کہ پہاڑوں جیسا بادل گھر آیا۔ پھر آپ منبر سے بھی نہ اترنے تھے کہ میں نے آپ کی داڑھی مبارک پر بارش کے قطروں کو ٹپکتے دیکھا۔ اس دن خوب بارش ہوئی، اور دوسرے تیسرے دن بھی پھر چوتھے دن بھی یہاں تک کہ دوسرے جمعے تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس کے بعد وہی اعرابی یا کوئی دوسرا شخص کھڑا ہوا اور عرض کرنے لگا: اللہ کے

---

1 صحيح مسلم، الجمعة، حديث: 2018(874). 2 فتح الباري: 630/2.

«اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا»، فَمَا يُشِيرُ بِيَدِهِ إِلَى نَاحِيَةٍ مِنَ السَّحَابِ إِلَّا انْفَرَجَتْ، وَصَارَتِ الْمَدِينَةُ مِثْلَ الْجَوْبَةِ وَسَالَ الْوَادِي قَنَاةُ شَهْرًا، وَلَمْ يَجِئْ أَحَدٌ مِنْ نَاحِيَةٍ إِلَّا حَدَّثَ بِالْجَوْدِ. [راجع: ٩٣٢]

رسول! مکانات گر گئے اور مال غرق ہو گیا، اس لیے آپ اللہ سے ہمارے لیے دعا کریں۔ چنانچہ آپ نے (دونوں) ہاتھ اٹھا کر فرمایا: ''اے اللہ! ہمارے آس پاس بارش برسا مگر ہم پر نہ برسا۔'' پھر آپ اس وقت ابر کے جس ٹکڑے کی طرف اشارہ فرماتے وہ پھٹ جاتا، آخر کار مدینہ تالاب کی طرح ہو گیا اور وادی قنات مہینہ بھر خوب بہتی رہی پھر جس طرف سے بھی کوئی شخص آتا وہ بارش کی کثرت بیان کرتا تھا۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بحالت خطبہ امام سے کسی عوامی ضرورت کے لیے دعا کی درخواست کی جا سکتی ہے اور امام دوران خطبہ ہی میں ایسی درخواست پر عمل درآمد کر سکتا ہے۔ ② استسقاء کی تین صورتیں ہیں: * باقاعدہ باہر کسی کھلے میدان میں جا کر نماز پڑھنا پھر ایک مخصوص طریقے سے دعا کرنا۔ * کسی بھی نماز کے بعد بارش کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا۔ * دوران خطبہ میں کسی کی درخواست پر ہاتھ اٹھا کر بارش کے لیے دعا کرنا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آخری صورت کو یہاں بیان کیا ہے۔ اس کا تفصیلی ذکر کتاب الاستسقاء میں آئے گا۔ ③ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ایک اہم معجزہ بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بادلوں کو آپ کا فرمان تسلیم کرنے پر مامور فرما دیا۔ واللہ أعلم۔

(٣٦) بَابُ الْإِنْصَاتِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ

باب: 36- جمعے کے دن دوران خطبہ میں خاموشی اختیار کرنا

وَإِذَا قَالَ لِصَاحِبِهِ: أَنْصِتْ، فَقَدْ لَغَا، وَقَالَ سَلْمَانُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «يُنْصِتُ إِذَا تَكَلَّمَ الْإِمَامُ».

جب کوئی دوران خطبہ اپنے ساتھی کو خاموشی اختیار کرنے کے متعلق کہتا ہے تو یقیناً وہ لغو بات کرتا ہے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جب امام گفتگو کرتا ہے تو وہ خاموشی اختیار کرتا ہے۔''

وضاحت: خطبۂ جمعہ کے متعلق دو حکم ہیں: * استماع، یعنی اسے بغور سماعت کرنا۔ * انصات، یعنی اس دوران میں خاموشی اختیار کرنا۔ اور یہ دونوں باتیں ہی مطلوب ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بسا اوقات استماع تو ہوتا ہے مگر مستمع دوران استماع میں کچھ بول بھی دیتا ہے اگرچہ اس کا کان متکلم کی طرف لگا ہوتا ہے اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ خاموش رہتا ہے مگر استماع نہیں ہوتا، یعنی کان نہیں لگاتا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے خطبۂ جمعہ کے لیے استماع اور انصات دونوں کا حکم دیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے استماع اور انصات کے متعلق دو الگ الگ عنوان قائم کیے ہیں۔ واضح رہے کہ استماع نزدیک والے کے لیے اور انصات دور والے کے لیے ہے جس تک خطیب کی آواز نہیں پہنچ رہی، یعنی جسے خطیب کی آواز نہیں پہنچ رہی اسے بھی خاموشی اختیار

کرنے کا حکم ہے۔ ﴿وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ﴾ کے الفاظ بڑھا کر امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک اور اختلاف کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ انصات کب واجب ہے؟ کلام امام کے وقت یا خروج امام کے وقت۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک کلام امام، قاطع کلام ہے، یعنی جب تک امام خطبے کا آغاز نہ کرے حاضرین کو کلام کی اجازت ہے لیکن جب خطبہ شروع کر دے گا تو سامعین کو گفتگو کی اجازت نہیں ہے۔ انھیں چاہیے کہ وہ فوراً خاموش ہو جائیں۔ حدیث میں ہے کہ اگر کوئی جمعے کے دن دوران خطبہ اپنے ساتھی کو خاموشی اختیار کرنے کے متعلق کہتا ہے تو وہ لغو اور بے ہودہ بات کرتا ہے۔[1] حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی معلق روایت کو امام بخاری رحمہ اللہ نے (حدیث: 883 میں) متصل سند سے بیان کیا ہے، یعنی جو انسان جمعے کے دن اپنے گھر سے غسل کر کے آتا ہے، پھر خوشبو اور تیل بھی استعمال کرتا ہے، مسجد میں کسی کی گردن نہیں پھلانگتا، پھر جس قدر میسر ہو نماز پڑھتا ہے اور دوران خطبہ میں خاموشی اختیار کرتا ہے تو اس کے پچھلے جمعے تک کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ امام ابن خزیمہ نے لکھا ہے کہ انصات سے مراد لوگوں سے گفتگو کے متعلق خاموشی اختیار کرنا ہے، اللہ کا ذکر اسے شامل نہیں لیکن یہ بات درست نہیں کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ دوران خطبہ میں قراءت قرآن اور ذکر الٰہی ہو سکتا ہے، حالانکہ الفاظ کے ظاہر کا تقاضا تو انصات سے مراد مطلق طور پر خاموشی اختیار کرنا ہے۔ جو مذکورہ بالا فرق کرتا ہے اسے دلیل پیش کرنی چاہیے، اور خاص دلیل کی بنا پر تحیۃ المسجد کے جواز سے مطلق ذکر کا جواز کشید نہیں کیا جا سکتا۔[2]

٩٣٤ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ [عَنْ عُقَيْلٍ]: أَخْبَرَنِي ابْنُ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ أَخْبَرَهُ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «إِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ: أَنْصِتْ، وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ».

[934] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر تو نے دوران خطبہ میں اپنے ساتھی سے کہہ دیا کہ خاموش رہو تو تو نے لغو اور بے ہودہ بات کی۔“

فوائد و مسائل: ① کسی انسان کو دوران خطبہ میں موذی جانور سے خبردار کرنا یا کسی نابینے انسان کی رہنمائی کرنا اس نہی میں شامل نہیں، تاہم بہتر ہے کہ ایسے حالات میں بھی ممکن حد تک اشارے سے کام لیا جائے۔ ② لغو کے معنی لایعنی کام میں مشغول ہونے کے ہیں۔ ③ دوران خطبہ میں بات کرنے والے کو اشارے سے بھی روکا جا سکتا ہے، اس لیے زبانی روکنا ایک لغو اور بے فائدہ حرکت ہے۔ حدیث میں دوران خطبہ بات کرنے یا گفتگو کرنے والے کو خاموش کرانے کی سخت ممانعت ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جو کسی کو خاموش رہنے کی تلقین کرتا ہے اس کا جمعہ نہیں ہوتا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ایسے شخص کو جمعے کے ثواب سے محروم کر دیا جاتا ہے، تاہم فرض کی ادائیگی اس سے ساقط ہو جائے گی۔[3]

---

1 سنن النسائي، الجمعة، حديث: 1402. 2 فتح الباري: 532/2. 3 فتح الباري: 533/2.

(٣٧) بَابُ السَّاعَةِ الَّتِي فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ

باب: 37- اس گھڑی کا بیان جو جمعے کے دن ہوتی ہے

وضاحت: اس سے مراد وہ گھڑی ہے جس میں انسان کی دعا قبول ہوتی ہے جیسا کہ آئندہ حدیث میں اس کی وضاحت ہے۔

٩٣٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ ذَكَرَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالَ: «فِيهِ سَاعَةٌ لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي يَسْأَلُ اللهَ تَعَالَى شَيْئًا إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ». وَأَشَارَ بِيَدِهِ يُقَلِّلُهَا. [انظر: ٥٢٩٤، ٦٤٠٠]

[935] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے دن دوران وعظ فرمایا: "اس میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ اگر ٹھیک اس گھڑی میں بندۂ مسلم کھڑا ہو کر نماز پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مانگے تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ چیز ضرور عطا کرتا ہے۔" اور آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے بتایا کہ وہ گھڑی تھوڑی دیر کے لیے آتی ہے۔

فوائد و مسائل: ⁽¹⁾ اس گھڑی کی تعیین کے متعلق حافظ ابن حجر ؒ نے 42 اقوال ذکر کیے ہیں۔ ان میں دو قول زیادہ مشہور ہیں: ٭ وہ گھڑی امام کے منبر پر بیٹھنے سے لے کر اختتام صلاۃ جمعہ تک ہے۔ اس قول کو امام مسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ سے بیان کیا ہے۔ ٭ عصر کے بعد سے لے کر غروب شمس تک ہے۔ اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ عصر کے بعد کوئی نماز نہیں ہوتی جبکہ اس گھڑی کے متعلق ہے کہ انسان اس وقت حالت نماز میں ہوتا ہے؟ یہی اشکال ایک صحابی نے دوسرے صحابی کے سامنے رکھا تو انھوں نے جواب دیا کہ کیا رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نہیں ہے کہ جو نماز کا انتظار کرتا ہے وہ نماز ہی میں شمار ہوتا ہے۔ ⁽²⁾ حافظ ابن حجر ؒ نے علامہ محب طبری کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس کے متعلق زیادہ صحیح حدیث، حدیث ابی موسیٰ ہے اور سب سے زیادہ مشہور قول عبداللہ بن سلام کا ہے۔ ان کے علاوہ جتنے بھی اقوال ہیں وہ ان دونوں یا کسی ایک کے مطابق ہیں یا وہ ضعیف الاسناد یا موقوف روایات ہیں۔ امام بیہقی ؒ نے امام مسلم سے نقل کیا ہے کہ حدیث ابی موسیٰ اس بات میں سب سے زیادہ عمدہ اور صحیح ہے اور یہی بات خود امام بیہقی، ابن العربی اور جماعت محدثین نے کہی ہے۔ امام قرطبی ؒ نے کہا ہے کہ حدیث، اختلاف کے وقت بمنزلہ نص کے فیصلہ کن ہے، لہذا دوسرے احتمالات کی طرف التفات نہ کیا جائے، جبکہ بعض دوسرے حضرات نے حضرت عبداللہ بن سلام ؓ کے قول کو ترجیح دی ہے۔ امام ترمذی نے امام احمد ؒ سے نقل کیا ہے کہ اکثر احادیث سے عبداللہ بن سلام ؓ کے قول کی تائید ہوتی ہے۔ علامہ ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن سلام کا قول أثبت شيء في هذا الباب ہے۔[1] ⁽³⁾ حافظ ابن حجر ؒ نے ابن منیر کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس گھڑی کے پوشیدہ رکھنے میں لیلۃ القدر کے مخفی رکھنے کی طرح یہ فائدہ ہے کہ اس کی تلاش کے لیے بکثرت نوافل ادا کیے جائیں اور دعائیں مانگی جائیں۔ اس صورت میں ضرور وہ گھڑی مل جائے گی جس کی وہ متلاشی ہے۔ اگر انھیں ظاہر کر دیا جاتا تو لوگ بھروسا کر کے بیٹھ جاتے اور صرف اسی گھڑی میں

[1] فتح الباري: 542/2.

عبادت کرتے، اس لیے اس شخص پر بڑا تعجب ہے جو اسے کسی محدود مدت میں حاصل کرنے پر بھروسا کیے ہوئے ہے۔ ① واضح رہے کہ ساعت موعودہ اس شخص کے لیے ہے جو نماز کا پابند ہو نہ کہ وہ شخص جو ساعت اجابت کی وجہ سے صرف جمعہ پڑھنے کے لیے آجائے اور باقی نمازوں کو پابندی سے ادا نہ کرے۔

(٣٨) بَابٌ: إِذَا نَفَرَ النَّاسُ عَنِ الْإِمَامِ فِي صَلَاةِ الْجُمُعَةِ فَصَلَاةُ الْإِمَامِ وَمَنْ بَقِيَ جَائِزَةٌ

باب: 38- اگر نماز جمعہ میں کچھ لوگ امام کو چھوڑ کر چلے جائیں تو امام اور باقی ماندہ نمازیوں کی نماز صحیح ہوگی

وضاحت: کچھ حضرات نے انعقاد جمعہ کے لیے مخصوص تعداد کی شرط لگائی ہے، اس سلسلے میں ان کی آراء مختلف ہیں، یعنی چار، سات، بارہ، تیس، چالیس، پچاس اور ستر آدمیوں کی تعداد بتائی جاتی ہے جبکہ نمازیوں کی تعداد کے متعلق کوئی صحیح حدیث منقول نہیں۔ چونکہ دیگر نمازوں کی جماعت کم از کم دو آدمیوں سے منعقد ہو جاتی ہے، اس لیے نماز جمعہ کی جماعت کے لیے بھی کم از کم دو افراد کافی ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس قسم کی مخصوص شرائط کی نفی کرتے ہوئے مذکورہ عنوان قائم کیا ہے۔

٩٣٦ - حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو قَالَ: حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ قَالَ: حَدَّثَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ نُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ إِذْ أَقْبَلَتْ عِيرٌ تَحْمِلُ طَعَامًا فَالْتَفَتُوا إِلَيْهَا، حَتَّى مَا بَقِيَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ إِلَّا اثْنَا عَشَرَ رَجُلًا، فَنَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ ﴿وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا﴾ [الجمعة: ١١]. [انظر: ٢٠٥٨، ٢٠٦٤، ٤٨٩٩]

[936] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ہم نبی ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک ایک تجارتی قافلہ آیا جس کے ساتھ اونٹوں پر غلہ لدا ہوا تھا۔ لوگ اس قافلے کی طرف دوڑ پڑے حتی کہ نبی ﷺ کے ہمراہ صرف بارہ آدمی رہ گئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ”اور جب وہ (لوگ) تجارت کا مال یا کھیل کود کا سامان دیکھتے ہیں تو آپ کو کھڑا چھوڑ کر اس کی طرف دوڑ جاتے ہیں۔“

فوائد و مسائل: ① ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں غلے کی سخت کمی تھی کہ ایک تجارتی قافلہ غلہ لے کر شام سے مدینے آیا۔ اس کی خبر سن کر کچھ لوگ عین خطبے کی حالت میں باہر چلے گئے تو اس پر مذکورہ آیت جمعہ نازل ہوئی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس واقعے سے یہ ثابت کیا ہے کہ کچھ فقہاء جمعہ کی صحت کے لیے مخصوص تعداد کی شرط لگاتے ہیں وہ صحیح نہیں۔ بس اتنی تعداد ضروری ہے جسے جماعت کہا جا سکے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے اکثر لوگ چلے گئے لیکن آپ نے پھر بھی نماز جمعہ ادا فرمائی۔ ② واضح رہے کہ لوگ بحالت خطبہ آپ کو چھوڑ کر گئے تھے کیونکہ متعدد صحابۂ کرام ؓ نے اس آیت کریمہ سے کھڑے ہو کر خطبہ دینے کو ثابت کیا ہے جیسا کہ حضرت ابن مسعود اور حضرت کعب بن عجرہ ؓ سے مروی ہے۔ روایات میں اس کی وضاحت موجود ہے۔

① فتح الباري: 542/2.

یہاں پر ایک اعتراض ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام ؓ کی شان قرآن کریم نے بایں الفاظ بیان کی ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جنھیں تجارت وغیرہ اللہ کے ذکر اور نماز کے قیام سے غافل نہیں کرتی۔[1] اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ واقعہ آیت کے نزول سے پہلے کا ہے۔ اس کے بعد یہ حضرات اس سے رک گئے، پھر صحیح معنوں میں آیت کا مصداق بن گئے۔[2] ③ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صرف بارہ آدمی باقی رہ گئے تھے، جن میں ابوبکر اور عمر ؓ بھی تھے، نیز ان میں حضرت جابر، حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ، حضرت بلال، حضرت عبداللہ بن مسعود اور کچھ انصاری لوگ بھی تھے..... جیسا کہ..... بعض روایات میں عشرہ مبشرہ کے نام ملتے ہیں۔[3] واللہ أعلم

(٣٩) بَابُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْجُمُعَةِ وَقَبْلَهَا

باب: 39- جمعے کے بعد اور اس سے پہلے سنتیں پڑھنا

وضاحت: امام بخاری ؒ کے نزدیک جمعہ کے بعد سنتوں کی اہمیت زیادہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عنوان میں انھیں پہلے ذکر کیا ہے، حالانکہ ترتیب کے اعتبار سے پہلی سنتوں کو پہلے اور بعد والی سنتوں کو بعد میں ذکر کرنا چاہیے تھا کیونکہ بعد والی سنتیں نص حدیث سے ثابت ہیں اور پہلے والی سنتوں کو نماز ظہر پر قیاس کرتے ہوئے ثابت کیا ہے، اس لیے یہ ترتیب رکھی ہے۔

٩٣٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي قَبْلَ الظُّهْرِ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ، وَبَعْدَ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ فِي بَيْتِهِ، وَبَعْدَ الْعِشَاءِ رَكْعَتَيْنِ، وَكَانَ لَا يُصَلِّي بَعْدَ الْجُمُعَةِ حَتَّى يَنْصَرِفَ فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ.

[انظر: ١١٦٥، ١١٧٢، ١١٨٠]

[937] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ظہر سے پہلے دو رکعتیں اور اس کے بعد دو رکعتیں، نیز مغرب کے بعد اپنے گھر میں دو رکعتیں اور نماز عشاء کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ جمعہ کے بعد نماز نہیں پڑھتے تھے تاآنکہ گھر لوٹ آتے، واپس آ کر دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ نے عنوان میں جمعہ سے پہلے نماز کا ذکر کیا ہے لیکن پیش کردہ حدیث میں اس کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ اس کے متعلق علامہ ابن منیر نے لکھا ہے کہ امام بخاری ؒ نے اصلاً ظہر و جمعہ کی حیثیت برابر ہونے کے اعتبار سے کسی دوسری دلیل کی ضرورت محسوس نہیں کی، اور بعد والی سنتوں کی اہمیت کے پیش نظر حدیث میں ان سے ذکر کا حوالہ دیا ہے۔ حضرت نافع فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر ؓ جمعہ سے قبل لمبی نماز پڑھتے اور جمعہ کے بعد اپنے گھر میں دو رکعت ادا کرتے تھے اور پھر رسول اللہ ﷺ کے عمل کا حوالہ دیتے تھے۔ حافظ ابن حجر ؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس سے مراد جمعہ کا وقت شروع ہونے کے بعد نماز پڑھنا ہے تو یہ درست نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ زوال شمس کے بعد تشریف لاتے تو خطبۂ جمعہ میں مشغول ہو جاتے تھے۔

1 النور 24:37. 2 فتح الباري: 547/2. 3 فتح الباري: 546/2.

اس لیے رسول اکرم ﷺ سے تو اس کا ثبوت نہیں ہے۔ اور اگر اس سے مراد وقت شروع ہونے سے پہلے نماز پڑھنا ہے تو یہ مطلق نوافل ہیں، سنن رواتب نہیں، نیز فرماتے ہیں کہ جمعے سے پہلے دو رکعت کے متعلق سب سے زیادہ قوی روایت ابن حبان کی ہے جس میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ مرفوعاً بیان کرتے ہیں کہ ہر فرض نماز سے پہلے دو رکعتیں ہیں۔[1] شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث، یعنی "ہر فرض نماز سے پہلے دو رکعتیں پڑھے" والی حدیث سے جمعے سے پہلے دو سنتیں پڑھنے کا استدلال باطل ہے کیونکہ رسول اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں ایک اذان اور اقامت ہوتی تھی اور اس دوران میں آپ ﷺ خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ امام بوصیری سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ اس بارے میں وارد تمام روایات ضعیف ہیں۔ اس حدیث سے فرض نمازوں سے قبل اور اذان کے بعد نماز پڑھنا ثابت ہوتا ہے جبکہ جمعے کی اذان کے بعد خطبہ ہے نہ کہ نماز۔[2] یاد رہے کہ شیخ موصوف کا مقصود مطلق نوافل کی نفی نہیں بلکہ صرف سنت مؤکدہ کی نفی کرنا چاہتے ہیں۔ ② ہمارے نزدیک جمعے سے پہلے اور اس کے بعد نماز پڑھنے کے متعلق کچھ تفصیل ہے کہ خطبۂ جمعہ شروع ہونے سے قبل غیر محدود نوافل پڑھے جا سکتے ہیں کیونکہ حدیث میں ان کی حد مقرر نہیں، بلکہ انسان کی استطاعت پر موقوف ہیں، یعنی جس قدر اسے میسر ہو نوافل پڑھ سکتا ہے۔[3] اس سے معلوم ہوا کہ جمعے سے پہلے نوافل پڑھنے کی کوئی متعین حد نہیں۔ اگر کوئی دوران خطبہ میں آتا ہے تو اسے صرف دو رکعت پڑھنے کی اجازت ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی جمعے کے دن آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو دو رکعتیں ادا کرے اور ان دونوں رکعات کو اختصار کے ساتھ پڑھے۔[4] جمعے کے بعد چار رکعت پڑھنے کے متعلق احادیث ہیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نماز جمعہ ادا کرے تو اس کے بعد چار رکعات ادا کرے۔[5] لیکن رسول اللہ ﷺ گھر میں دو رکعت پڑھتے تھے جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ترجمۃ الباب کے تحت حدیث میں ہے۔[6] اس لیے اگر مسجد میں جمعے کے بعد نماز پڑھنی ہے تو دو دو کرکے چار رکعت پڑھنا افضل ہے۔ اور اگر گھر میں پڑھنی ہے تو دو رکعت ادا کی جائیں۔ واللہ أعلم۔

(٤٠) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَوٰةُ فَانتَشِرُوا فِى الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ﴾ [الجمعة: ١٠]

باب: 40- ارشاد باری تعالیٰ کہ "جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو"

٩٣٨ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلٍ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: كَانَتْ فِينَا امْرَأَةٌ تَجْعَلُ عَلَى أَرْبِعَاءَ

[938] حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ ہم میں ایک عورت تھی جس نے چھوٹی سی نہر کے کنارے اپنے کھیت میں چقندر کاشت کر رکھے تھے۔

---

[1] صحيح ابن حبان (الإحسان): 77/4، والصحيحة للألباني، حديث: 232. [2] سلسلة الأحاديث الصحيحة: 465/1. [3] صحيح مسلم، الجمعة، حديث: 1987 (857). [4] صحيح مسلم، الجمعة، حديث: 2019 (875). [5] صحيح مسلم، الجمعة، حديث: 2036، 2037 (881). [6] صحيح البخاري، الجمعة، حديث: 937.

فِي مَزْرَعَةٍ لَهَا سِلْقًا، فَكَانَتْ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ تَنْزِعُ أُصُولَ السِّلْقِ فَتَجْعَلُهُ فِي قِدْرٍ ثُمَّ تَجْعَلُ عَلَيْهِ قَبْضَةً مِنْ شَعِيرٍ تَطْحَنُهَا فَتَكُونُ أُصُولُ السِّلْقِ عَرْقَهُ، وَكُنَّا نَنْصَرِفُ مِنْ صَلَاةِ الْجُمُعَةِ فَنُسَلِّمُ عَلَيْهَا فَتُقَرِّبُ ذٰلِكَ الطَّعَامَ إِلَيْنَا فَنَلْعَقُهُ، وَكُنَّا نَتَمَنَّى يَوْمَ الْجُمُعَةِ لِطَعَامِهَا ذٰلِكَ. [انظر: ٩٣٩، ٩٤١، ٢٣٤٩، ٥٤٠٣، ٦٢٤٨، ٦٢٧٩]

جب جمعہ کا دن ہوتا تو چقندر کے چند پودے جڑوں سے کھینچ لاتی اور انھیں ہنڈیا میں ڈال کر پکاتی۔ اس کے اوپر مٹھی بھر جو کا آٹا ڈالتی جو اس نے پیس کر رکھا ہوا تھا۔ تیار ہونے کے بعد وہ چقندر (ذائقے میں) یوں لگتے جس طرح ہڈی پر لگا گوشت ہوتا ہے۔ جب ہم نماز جمعہ سے فارغ ہوتے تو اس عورت کے پاس آ کر اسے سلام کرتے اور وہ تیار شدہ کھانا ہمارے پاس لا کر رکھ دیتی تھی تو ہم اسے تناول کرتے تھے، چنانچہ ہم لوگوں کو اس کے اس کھانے کی وجہ سے جمعہ کے دن کی تمنا ہوتی تھی۔

٩٣٩ – حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ سَهْلٍ بِهٰذَا، وَقَالَ: مَا كُنَّا نَقِيلُ وَلَا نَتَغَدَّى إِلَّا بَعْدَ الْجُمُعَةِ. [راجع: ٩٣٨]

[939] حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، وہ مذکورہ حدیث کے ساتھ یہ بھی فرماتے تھے کہ ہم نماز جمعہ کے بعد ہی دوپہر کا کھانا تناول کرتے اور قیلولہ کرتے تھے۔

فوائد و مسائل: ﴿1﴾ چونکہ نماز جمعہ سے پہلے جمعے کی تیاری کے لیے لوگوں کو معاش، کسب رزق اور خرید و فروخت سے روک دیا گیا تھا، جمعے کے بعد اس کی اجازت دی گئی جیسا کہ آیت بالا میں وضاحت ہے۔ ﴿2﴾ بعض اہل ظاہر نے اس اجازت کو وجوب پر محمول کیا ہے اور کہا ہے کہ جمعے کے بعد کاروبار اور خرید و فروخت کر کے رزق تلاش کرنا ضروری ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ عنوان اور پیش کردہ حدیث سے یہ ثابت کیا ہے کہ مذکورہ آیت میں جو امر کے صیغے ہیں وہ وجوب کے لیے نہیں بلکہ اباحت کے لیے ہیں کیونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے نماز جمعہ کے بعد اپنے آپ کو خرید و فروخت اور کاروبار میں مصروف نہیں کیا بلکہ انھوں نے اپنے معمولات نقل کیے ہیں کہ خرید و فروخت کے بجائے وہ کھانا کھاتے اور ذکر کثیر کرنے کے بجائے وہ قیلولہ کرتے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ آیت کریمہ میں مذکورہ امر اباحت کے لیے ہے، اس پر امت کا اتفاق ہے۔[1] اس حدیث پر مصنف ابن ابی شیبہ میں ایک عنوان بایں الفاظ قائم کیا گیا ہے: "اس شخص کی دلیل جو نماز جمعہ دن کے پہلے حصے میں جائز قرار دیتا ہے۔" اور اس حدیث سے ثابت کیا گیا ہے کہ نماز جمعہ قبل از زوال جائز ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس حدیث سے یہ موقف ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جمعہ کی تیاری اور اس کی مصروفیت کی وجہ سے دوپہر کا کھانا اور قیلولہ مؤخر کر دیتے تھے۔ اس کی وضاحت پہلے بھی ہو چکی ہے۔[2]

1 فتح الباري: 548/2. 2 فتح الباري: 550/2.

(٤١) بَابُ الْقَائِلَةِ بَعْدَ الْجُمُعَةِ

باب:41- جمعے کے بعد قیلولہ کرنا

٩٤٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُقْبَةَ الشَّيْبَانِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْفَزَارِيُّ، عَنْ حُمَيْدٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا يَقُولُ: «كُنَّا نُبَكِّرُ إِلَى الْجُمُعَةِ ثُمَّ نَقِيلُ». [راجع: ٩٠٥]

[940] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ہم جمعے کی نماز جلدی ادا کر لیتے، پھر (فراغت کے بعد) قیلولہ کرتے تھے۔

٩٤١ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ، عَنْ سَهْلٍ قَالَ: كُنَّا نُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ الْجُمُعَةَ، ثُمَّ تَكُونُ الْقَائِلَةُ. [راجع: ٩٣٨]

[941] حضرت سہل بن سعد ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ ہم لوگ نبی ﷺ کے ہمراہ نماز جمعہ پڑھتے تھے پھر ہمارا قیلولہ ہوتا تھا۔

فوائد و مسائل: ❶ ان احادیث کی اپنے عنوان سے مطابقت ظاہر ہے کیونکہ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام ؓ نماز جمعہ کے بعد قیلولہ کیا کرتے تھے اور اول وقت نماز جمعہ کے لیے گھروں سے روانہ ہو جاتے تھے، لفظ تبکیر کے یہی معنی ہیں کہ کسی کام کے لیے جلدی کرنا۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دوپہر کے وقت سونا پسندیدہ امر ہے، خود اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن پاک میں اس کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُم مِّنَ الظَّهِيرَةِ﴾ "اور ظہر کے وقت جب تم (آرام کرنے کے لیے) اپنے کپڑے اتارتے ہو۔"[1] اس آیت میں قیلولہ کرنے کا بیان ہے۔ ❷ براعت الاختتام: قیلولے کا حکم تو حدیث انس میں آ چکا تھا لیکن امام بخاری ؒ نے حدیث سہل ؓ بیان کی ہے اور اس کے آخر میں ثُمَّ تَكُونُ الْقَائِلَةُ کے الفاظ سے براعت الاختتام کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ امام بخاری ؒ کی عادت ہے کہ کتاب کے اختتام پر ایسا لفظ بیان کرتے ہیں جس سے آخرت اور موت کی یاد دہانی ہو، چنانچہ مشہور ہے کہ نیند، موت کی بہن ہے۔ اس طرح امام بخاری ؒ نے موت کے لیے تیار رہنے کی تنبیہ فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا و آخرت میں سرخرو کرے اور ہمارا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔ آمین۔

1 النور 58:24. 2 عمدة القاري: 131/5.

نماز خوف کی مشروعیت و اہمیت

پر امن حالات میں جو نماز ادا کی جاتی ہے اسے صلاۃ الطمانینۃ کہتے ہیں، اس کے مقابلے میں جب جنگی حالات ہوں اور چاروں طرف سے خطرات منڈلا رہے ہوں تو ایسے حالات میں صلاۃ الخوف ادا کی جاتی ہے۔ اس کی بہت سی انواع ہیں کیونکہ دشمن کبھی قبلہ کی سمت ہوتا ہے اور کبھی قبلے کی مخالف سمت میں۔ کوئی نماز چار رکعت، کوئی تین رکعت جبکہ نماز فجر دو رکعت پر مشتمل ہے۔ کبھی جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی ہے اور کبھی مسلسل جنگ کی حالت میں باجماعت ادا کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ مجاہدین کبھی سوار ہوتے ہیں اور کبھی پیدل چلتے ہیں، بعض اوقات حالت نماز میں مسلسل چلنا پڑتا ہے۔ اس لیے احادیث میں نماز خوف کی متعدد صورتیں بیان ہوئی ہیں۔ صحیح بخاری میں دو، سنن ابی داود میں چھ اور صحیح ابن حبان میں نو طریقے بیان ہوئے ہیں، کچھ دوسری کتب حدیث میں مروی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ذی قرد، عسفان، نجد اور طائف وغیرہ میں نماز خوف ادا کی ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے نماز جمعہ کے بعد نماز خوف کو بیان فرمایا ہے جبکہ اس کے برعکس دیگر محدثین نماز جمعہ کے بعد نماز عیدین کو بیان کرتے ہیں۔ دیگر محدثین اس لیے ایسا کرتے ہیں کہ جمعہ بھی عید ہے اور اس میں تجمل ہوتا ہے، لہٰذا اس مناسبت سے اس کے بعد نماز عیدین کو بیان کرتے ہیں جبکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس ترتیب کو ملحوظ نہیں رکھا کیونکہ نماز جمعہ فرض ہے، نماز خوف بھی فرض ہے، نماز جمعہ، ظہر کا بدل ہے اور نماز خوف بھی صلاۃ طمانینۃ کا بدل ہے، اسی مناسبت سے انھوں نے اسے نماز جمعہ کے بعد بیان فرمایا ہے۔

بعض فقہاء نے غزوۂ خندق میں نمازوں کو مؤخر کر دینے کی وجہ سے نماز خوف کو منسوخ کہا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کی تردید کرتے ہوئے اس کی مشروعیت کو ثابت کیا ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے نماز خوف سے متعلق آیت کریمہ کا حوالہ دیا ہے جو غزوۂ ذات الرقاع کے موقع پر نازل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کے نزول کے بعد پہلی مرتبہ نماز خوف، غزوۂ ذات الرقاع کے موقع پر ادا کی۔ اس کے چار سال بعد مقام عسفان پر اسے ادا کیا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں چھ موصول احادیث بیان کی ہیں جن میں دو مکرر اور چار خالص ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کے علاوہ دیگر احادیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ ان مرفوع احادیث کے علاوہ

مختلف صحابہ اور تابعین کے چھ آثار بھی بیان کیے ہیں جن میں امام مجاہد کا اثر موصول اور باقی آثار کو معلق طور پر بیان کیا ہے۔ انھوں نے ان احادیث و آثار سے مختلف مسائل و احکام کا استنباط کیا ہے جس کے لیے چھ مختلف عنوان قائم کیے ہیں۔ اس کے علاوہ متعدد حقائق و معارف، اسرار و رموز اور اسنادی مباحث کو ذکر کیا ہے جو پڑھنے سے متعلق ہیں۔ اس سے امام بخاری رحمہ اللہ کی قوت استدلال، دقت فہم اور تبحر علمی بصیرت کا پتہ چلتا ہے۔ رحمة الله عليه رحمة واسعة.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

12 - أَبْوَابُ صَلَاةِ الْخَوْفِ

نمازِ خوف سے متعلق احکام و مسائل

(١) [بَابُ صَلَاةِ الْخَوْفِ]

باب: 1- نمازِ خوف کا بیان

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى ﴿وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَوٰةِ إِنْ خِفْتُمْ أَن يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِينًا ۝ وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَوٰةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِن وَرَائِكُمْ وَلْتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُم مَّيْلَةً وَاحِدَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّن مَّطَرٍ أَوْ كُنتُم مَّرْضَىٰ أَن تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا﴾ [النساء: ١٠١، ١٠٢].

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تمھارے لیے نماز قصر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، خصوصاً جب تمھیں اندیشہ ہو کہ کافر تمھیں تشویش میں ڈال دیں گے کیونکہ کافر تو بلاشبہ تمھارے کھلے دشمن ہیں۔ اور جب آپ مسلمانوں میں موجود ہوں اور انھیں (جنگی حالات میں) نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوں تو ایک گروہ آپ کے ساتھ نماز کے لیے کھڑا ہو اور وہ اپنے ہتھیار پاس رکھیں، جب یہ گروہ سجدہ کر چکے تو پیچھے ہٹ جائے اور دوسرا گروہ جس نے ابھی تک نماز ادا نہیں کی آگے آئے اور آپ کے ساتھ نماز ادا کرے، انھیں بھی چاہیے کہ وہ اپنا دفاع کا سامان اور ہتھیار اپنے ساتھ رکھیں۔ کافر چاہتے ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں اور سامانِ دفاع سے غافل ہو جاؤ تاکہ وہ تم پر یکبارگی حملہ کر دیں۔ ہاں! کوئی حرج نہیں اگر تم بارش کی وجہ سے یا بیماری کی بنا پر ہتھیار پہننے میں تکلیف محسوس کرو تو انھیں اتار سکتے ہو، پھر بھی اپنے بچاؤ کا پورا پورا خیال رکھو، اللہ تعالیٰ نے یقیناً کافروں کے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ کو نمازِ خوف کی مشروعیت کے لیے بیان کیا ہے، جبکہ کچھ فقہاء اسے نمازِ سفر

پرعمل کرتے ہیں، چنانچہ جب تم زمین میں سفر کرو، کا تقاضا ہے کہ سفر کے علاوہ نماز قصر جائز نہیں اور جب تمھیں دشمن سے خطرہ، کا تقاضا ہے کہ حالت امن میں ایسا کرنا جائز نہیں۔ یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے باعث تشویش ہوئی کہ آیت کریمہ میں دوران سفر جنگی حالات میں قصر کی اجازت ہے جبکہ ہم حالات امن میں بھی دوران سفر قصر کرتے ہیں۔ آپ نے اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے اظہار تشویش کیا تو آپ نے فرمایا: "یہ اللہ کی طرف سے تمھارے لیے صدقہ ہے، لہٰذا تمھیں یہ صدقہ قبول کرنا چاہیے۔"[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ آیت نماز سفر سے متعلق ہے اور اس میں جنگی حالات کی شرط اتفاقی ہے کہ نزول آیت سے پہلے ایسے حالات درپیش تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان حالات کے مطابق جنگی حالات کا تذکرہ کر دیا ہے لیکن ہنگامی حالات کے علاوہ بھی دوران سفر میں نماز قصر کی جا سکتی ہے، ایسا کرنا اللہ کی طرف سے بطور صدقہ ہے۔ البتہ دوسری آیت نماز خوف سے متعلق ہے۔ اس میں نماز خوف کی صفت و کیفیت کو تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے جبکہ دوسری کسی نماز کے متعلق اتنی تفصیل ایک ہی جگہ پر بیان نہیں کی گئی بلکہ ان کے ارکان، یعنی قیام و قراءت اور رکوع و سجود کو فرداً فرداً بہت سی آیات میں بیان کیا ہے، پھر اس آیت کریمہ میں پہلی رکعت کے متعلق تفصیل بیان ہوئی ہے لیکن دوسری رکعت کیسے ادا کی جائے، اس میں تفصیل کے بجائے اجمال کو ملحوظ رکھا ہے تاکہ عمل میں توسع رہے۔ کچھ علمائے امت نے اس آیت کریمہ کے متعلق ایک دوسرا تفسیری انداز اختیار کیا ہے۔ ان کے نزدیک آیت کریمہ میں قصر سے مراد دو چیزیں ہیں: ٭ قصر عدد، یعنی رکعات میں کمی کی جائے، چار کے بجائے دو پڑھی جائیں۔ ٭ قصر صفت، جماعت کے بجائے انفرادی طور پر چلتے پھرتے پڑھی جائے۔ اس قصر کے لیے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے جو سفر اور خوف ہیں۔ جب سفر اور خوف دونوں ہوں تو قصر تام ہوگا اور اگر ان میں سے ایک ہو تو قصر ناقص پر عمل ہوگا۔ اس کے متعلق چار صورتیں ممکن ہیں: ٭ جب دوران سفر میں جنگی حالات درپیش ہوں تو قصر عدد اور قصر صفت دونوں ہوں گے۔ ٭ جب دوران سفر میں جنگی حالات نہ ہوں تو قصر عدد ہوگا، قصر صفت پر عمل جائز نہ ہوگا۔ ٭ جب دوران اقامت میں جنگی حالات درپیش ہوں تو قصر عدد کی بجائے صرف قصر صفت ہوگا۔ ٭ جب دوران اقامت میں حالات پرامن ہوں تو پوری نماز پڑھنا ہوگی، یعنی قصر عدد اور قصر صفت جائز نہیں ہوگا۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اسی موقف کو اختیار کیا ہے۔[2]

٩٤٢ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ سَأَلْتُهُ هَلْ صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ يَعْنِي - صَلَاةَ الْخَوْفِ؟ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَالِمٌ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ قِبَلَ نَجْدٍ فَوَازَيْنَا الْعَدُوَّ فَصَافَفْنَاهُمْ، فَقَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي لَنَا، فَقَامَتْ طَائِفَةٌ مَعَهُ وَأَقْبَلَتْ طَائِفَةٌ عَلَى الْعَدُوِّ، فَرَكَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِمَنْ مَعَهُ وَسَجَدَ

[942] امام زہری رحمہ اللہ سے (راوی حدیث) شعیب نے پوچھا: کیا نبی ﷺ نے نماز خوف پڑھی ہے؟ انھوں نے جواب دیا: مجھے سالم نے خبر دی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں ایک دفعہ نبی ﷺ کے ہمراہ نجد کی طرف جہاد کے لیے گیا۔ جب ہم دشمن کے سامنے صف آرا ہوئے تو رسول اللہ ﷺ ہمیں نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے۔ ایک گروہ تو آپ کے ساتھ کھڑا ہوا اور دوسرا گروہ دشمن کے مقابلے میں ڈٹا رہا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہمراہ گروہ

[1] صحیح مسلم، صلاة المسافرین و قصرها، حدیث: 1573(686). [2] زادالمعاد: 529/1.

سَجْدَتَيْنِ، ثُمَّ انْصَرَفُوا مَكَانَ الطَّائِفَةِ الَّتِي لَمْ تُصَلِّ فَجَاؤُوا فَرَكَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِهِمْ رَكْعَةً وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ، فَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ فَرَكَعَ لِنَفْسِهِ رَكْعَةً وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ».

[انظر: ۹٤۲، ۱۱۳۳، ۱۱٤۲، ۲٥۰۸]

کے ساتھ ایک رکوع اور دو سجدے کیے۔ اس کے بعد یہ لوگ اس گروہ کی جگہ چلے گئے جس نے نماز نہیں پڑھی تھی۔ جب وہ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ بھی ایک رکوع اور دو سجدے ادا کیے اور سلام پھیر دیا۔ پھر ان میں سے ہر آدمی کھڑا ہوا اور ایک رکوع اور دو سجدے اپنے اپنے طور پر کیے۔

فوائد و مسائل: ① مختلف احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ نمازِ خوف ادا کرنے کے سترہ (17) طریقے ہیں لیکن امام ابن قیم نے جملہ احادیث کا تجزیہ کر کے بنیادی طور پر اس کی ادائیگی کے چھ (6) طریقے منتخب کیے ہیں، حالات و ظروف کے پیش نظر جو طریقہ مناسب ہو اسے اختیار کر لیا جائے۔ پیش کردہ حدیث کے بعض طرق میں ہے کہ پہلا گروہ سلام پھیرے بغیر ایک رکعت ادا کر کے دوسرے گروہ کی جگہ چلا جائے گا۔[1] اس حدیث میں دوسری رکعت ادا کرنے کے متعلق مکمل تفصیل نہیں ہے کہ دونوں گروہ اپنی باقی ماندہ رکعت کیسے ادا کریں گے۔ اس کی وضاحت حدیث ابن مسعود میں ہے کہ جب امام دو رکعت مکمل کر کے سلام پھیرے گا تو دوسرا گروہ اپنی باقی ماندہ ایک رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے گا، پھر وہ اس گروہ کی جگہ چلے جائیں گے جنھوں نے سلام کے بغیر پہلی رکعت باجماعت پڑھی تھی، وہ مقام جماعت پر آ کر اپنی اپنی ایک رکعت ادا کر کے نماز مکمل کریں گے۔[2] دونوں گروہ باری باری اپنی باقی ماندہ رکعت ادا کریں گے کیونکہ اگر اکٹھے ادا کریں گے تو ان سے دشمن سے حفاظت کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ ② فوج کو دو گروہوں میں تقسیم کر کے نماز پڑھانے کا ایک اور طریقہ بھی ہے جسے حضرت ابو ہریرہ ؓ نے بیان کیا ہے، فرماتے ہیں: ایک گروہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کھڑا ہو گیا اور دوسرا گروہ دشمن کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے تکبیر تحریمہ کہی تو جو گروہ آپ کے ساتھ تھا اور جو دشمن کے بالمقابل تھا سب نے تکبیر تحریمہ کہی، پھر آپ نے رکوع کیا تو آپ کے ساتھ موجود گروہ نے بھی رکوع کیا اور اسی طرح سجدہ بھی کیا لیکن اس دوران میں دوسرا گروہ دشمن کے سامنے ڈٹا رہا۔ پھر رسول اللہ ﷺ جب دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ سے قریبی صف والے بھی کھڑے ہوئے اور دشمن کے سامنے چلے گئے جبکہ وہ گروہ جو دشمن کے سامنے تھا، رسول اللہ ﷺ کے پیچھے آ گیا اور آ کر رکوع اور دو سجدے کیے اسی دوران میں رسول اللہ ﷺ کھڑے رہے، جب وہ پہلی رکعت مکمل کر کے کھڑے ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے رکوع کیا اور انھوں نے بھی آپ کے ساتھ دوسری رکعت کا رکوع کیا، پھر آپ نے سجدہ کیا تو انھوں نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا، پھر وہ گروہ جو دشمن کے مقابلے میں تھا آیا اور انھوں نے رکوع اور دو سجدے کیے لیکن اس دوران میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے قریبی صف والے بیٹھے رہے، پھر آپ نے سلام پھیرا تو ان سب نے اکٹھے سلام پھیر دیا، اس طرح رسول اللہ ﷺ کی بھی دو رکعتیں ہوئیں اور ہر گروہ کی بھی دو رکعتیں ہو گئیں۔[3]

---

1 صحیح البخاري، التفسیر، حدیث: 4535. 2 سنن أبي داود، صلاة السفر، حدیث: 1244. 3 سنن أبي داود، صلاة السفر، حدیث: 1240.

(٢) بَابُ صَلَاةِ الْخَوْفِ رِجَالًا وَرُكْبَانًا،

رَاجِلٌ: قَائِمٌ.

باب : 2- پیدل اور سوار ہو کر نماز خوف پڑھنا

راجل کے معنی پیدل چلنے والا ہیں

وضاحت: خوف کی دو اقسام ہیں: ٭ حالت قتال کا خوف جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أَمِنتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ﴾ "اگر تم حالت خوف میں ہو تو خواہ پیدل ہو یا سوار (تو جیسے ممکن ہو نماز ادا کر لو) مگر جب امن میسر آجائے تو اللہ کو اسی طریقے سے یاد کرو جو اس نے تمھیں سکھایا ہے جسے تم پہلے نہیں جانتے تھے۔"[1] ٭ حالت غیر قتال کا خوف جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَن يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ "جب تم زمین میں سفر کرو تو تمھارے لیے نماز قصر کر لینے میں کوئی حرج نہیں جبکہ تمھیں اندیشہ ہو کہ کافر تمھیں تشویش میں ڈال دیں گے۔"[2] امام بخاری رحمہ اللہ بتانا چاہتے ہیں کہ جب میدان کارزار گرم ہو تو مجاہدین چلتے پھرتے یا سواری کی حالت میں بھی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ مجاہد اگر اپنی سواری سے نہیں اتر سکتا، ایسی مجبوری کے وقت بھی نماز معاف نہیں ہے۔ وہ سواری ہی پر نماز پڑھ لے، رکوع اور سجدہ اشارے سے کرتا رہے اور جس طرف بھی اس کا منہ ہو جائے نماز کی ادائیگی میں لگا رہے۔ اسی طرح پیدل چلتے بھی نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ سورۂ بقرہ کی آیت کریمہ میں لفظ ﴿رجالا﴾ استعمال ہوا ہے۔ امام بخاری نے اس کی لغوی تفسیر بیان فرمائی ہے کہ اس سے مراد رجل، یعنی آدمی کی جمع رجال نہیں بلکہ اس سے مراد پیدل چلنے والا ہے جیسا کہ سورۂ حج میں ہے: ﴿وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا﴾ "آپ لوگوں میں حج کا اعلان کر دیں تو وہ آپ کے پاس پیدل چل کر آئیں گے۔"[3]

٩٤٣ – حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْقُرَشِيُّ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ نَحْوًا مِنْ قَوْلِ مُجَاهِدٍ إِذَا اخْتَلَطُوا قِيَامًا. وَزَادَ ابْنُ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: "وَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَلْيُصَلُّوا قِيَامًا وَرُكْبَانًا". [راجع: ٩٤٢]

[943] حضرت نافع سے روایت ہے، وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مجاہد کے قول کی طرح بیان کرتے ہیں کہ جب مسلمانوں کی دشمن سے مڈبھیڑ ہو جائے تو کھڑے کھڑے ہی نماز پڑھ لیں۔ البتہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ سے یہ اضافہ بیان کیا ہے: "اگر دشمن زیادہ ہوں تو مسلمان کھڑے کھڑے یا سوار ہو کر، یعنی جس طرح بھی ممکن ہو سکے نماز پڑھیں۔"

فوائد و مسائل: ① حضرت نافع ایک دوسرے مقام پر وضاحت کرتے ہیں کہ جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نماز خوف کے متعلق سوال کیا جاتا تو آپ نماز خوف کے طریقے سے آگاہ فرماتے، نیز کہتے کہ اگر حالات زیادہ سنگین ہوں تو لوگ پاپیادہ کھڑے کھڑے نماز پڑھیں گے اور اگر سوار ہوں تو اپنی سواریوں پر اسے ادا کریں گے، خواہ اس وقت قبلے کی جانب منہ ہو سکے یا نہ

1. البقرة 2:239. 2. النسآء 4:101. 3. الحج 22:27.

ہو سکے۔ حضرت نافع نے کہا مجھے اطمینان ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات رسول اللہ ﷺ ہی سے استفادہ کر کے بیان کی ہوگی۔[1] ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس مقام پر مجاہد کے حوالے سے اس روایت کو بیان کیا ہے لیکن مجاہد کی بات کو کسی جگہ پر بیان نہیں کیا، اس لیے موجودہ عبارت کے مفہوم میں اختلاف پیدا ہوا، البتہ علامہ اسماعیلی نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ جب دشمن سے مڈبھیڑ (مقابلہ) ہو جائے تو سر کے اشارے سے بھی نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول بھی مجاہد کی طرح بیان ہوا ہے کہ جب دشمن سے مڈبھیڑ ہو جائے تو زبان سے ذکر اور سر کے اشارے سے نماز ادا کی جائے جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے، البتہ ان دونوں کے اقوال میں فرق یہ ہے کہ حضرت مجاہد نے اپنی رائے کی بنیاد پر یہ موقف اختیار کیا ہے جبکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا موقف، رسول اللہ ﷺ سے مروی حدیث کی بنا پر ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی بیان کردہ روایت کی تشریح امام ابن بطال نے صحیح طور پر کی ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔[2] ③ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے إذا اختلطوا قیاما میں لفظ قیاما کو تصحیف قرار دیا ہے، وہ فرماتے ہیں: دراصل یہ لفظ إسماء ہے کیونکہ روایات میں [إذا اختلطوا فإنما هو الإشارة بالرأس] ہے۔[3] لیکن ہمارے نزدیک اسے تصحیف قرار دینے کی ضرورت نہیں کیونکہ امام بخاری نے رجالا کے معنی قیاما سے کیے ہیں۔ یہ معنی اس وقت درست ہو سکتے ہیں جب روایت میں قیاما کے لفظ کو صحیح تسلیم کیا جائے، بصورت دیگر امام بخاری رحمہ اللہ کا عنوان بلا دلیل رہے گا۔ واللہ أعلم.

(٣) بَابُ: يَحْرُسُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فِي صَلَاةِ الْخَوْفِ

باب: 3- نماز خوف ادا کرتے وقت ایک دوسرے کی حفاظت کا خیال رکھنا

وضاحت: اس عنوان سے نماز خوف کی کوئی صورت بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ امام بخاری رحمہ اللہ اس بات پر تنبیہ کرنا چاہتے ہیں کہ اکثر احادیث میں بحالت نماز التفات سے منع فرمایا گیا ہے کہ بندہ جب ادھر ادھر التفات کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے توجہ ہٹا لیتا ہے۔ لیکن نماز خوف میں ایک دوسرے کی حفاظت کا بھی خیال رکھنا چاہیے کیونکہ نماز خوف میں بہت سے افعال جائز قرار دیے گئے ہیں جو عام نمازوں میں منع ہیں، اس لیے نماز خوف میں اگر التفات، ایک دوسرے کی حفاظت کے لیے ہو تو اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا۔

٩٤٤ - حَدَّثَنَا حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَرْبٍ عَنِ الزُّبَيْدِيِّ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَامَ النَّبِيُّ ﷺ وَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ، فَكَبَّرَ وَكَبَّرُوا مَعَهُ، وَرَكَعَ وَرَكَعَ نَاسٌ مِّنْهُمْ ثُمَّ سَجَدَ وَسَجَدُوا مَعَهُ، ثُمَّ

[944] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ ایک دفعہ نبی ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو لوگ بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ جب آپ نے تکبیر تحریمہ کہی تو انھوں نے بھی آپ کے ساتھ تکبیر تحریمہ کہی۔ پھر آپ نے رکوع کیا اور لوگوں میں سے چند ایک نے رکوع کیا۔ پھر آپ نے سجدہ کیا تو ان لوگوں نے بھی

1 صحیح البخاري، التفسیر، حدیث: 4535. 2 عمدة القاري: 140/5. 3 فتح الباري: 556/2.

قَامَ لِلثَّانِيَةِ فَقَامَ الَّذِينَ سَجَدُوا مَعَهُ وَحَرَسُوا إِخْوَانَهُمْ، وَأَتَتِ الطَّائِفَةُ الْأُخْرَى فَرَكَعُوا وَسَجَدُوا مَعَهُ، وَالنَّاسُ كُلُّهُمْ فِي صَلَاةٍ وَلٰكِنْ يَحْرُسُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا.

آپ کے ساتھ سجدہ کیا، پھر جب آپ دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہوئے تو وہ لوگ بھی آپ کے ہمراہ کھڑے ہو گئے جنھوں نے سجدہ کر لیا تھا اور وہ اپنے بھائیوں کی حفاظت کرنے لگے، چنانچہ دوسرا گروہ آیا اور انھوں نے آپ کے ہمراہ رکوع اور سجدہ کیا۔ دریں اثنا تمام لوگ نماز میں تھے لیکن ایک دوسرے کی حفاظت کرتے تھے۔

فوائد و مسائل: [1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے نزدیک امام بخاری رحمہ اللہ نے نماز خوف کی ایک دوسری صورت بیان فرمائی ہے۔ آپ کی عادت ہے کہ بعض اوقات بطور تفنن عنوان قائم کر دیتے ہیں لیکن اصل مقصود روایت بیان کرنا ہوتا ہے۔ اس مقام پر نماز خوف کی دوسری صورت یہ ہے کہ اگر دشمن قبلے کی طرف ہو تو مجاہدین کو الگ الگ دو حصوں میں تقسیم نہیں کیا جائے گا لیکن اگر دشمن قبلے کے علاوہ کسی دوسری طرف ہو تو انھیں الگ الگ دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے گا جیسا کہ قبل ازیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں وضاحت ہے۔ اس روایت کے مطابق تمام مجاہدین امام کے ساتھ نماز کا آغاز کریں گے، پھر رکوع اور سجدہ صرف امام کے متصل صف والے ادا کریں اور دوسری صف والے ان کی حفاظت میں مصروف رہیں گے۔ جب امام ایک رکعت مکمل کرے گا تو پہلی صف والے پیچھے ہٹ جائیں گے جیسا کہ ایک روایت میں اس کی صراحت ہے۔[1] پھر دوسری صف والے آگے بڑھ کر امام کے ساتھ دوسری رکعت پڑھیں گے، ان میں سے کوئی بھی فوت شدہ رکعت کو پورا نہیں کرے گا جیسا کہ دیگر احادیث میں اس کی وضاحت ہے۔[2] حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں یہ بھی صراحت ہے کہ انھوں نے دوسری رکعت مکمل پڑھی۔ اس صورت میں امام کی دو رکعت اور مجاہدین کی ایک ایک رکعت ہوگی۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں بھی نماز خوف کی یہ صورت بیان ہوئی ہے۔[3] اس صورت کی تائید ایک دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے جسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے رسول کے ذریعے سے حضر کی چار رکعت، سفر کی دو رکعت اور صلاۃ خوف کی ایک رکعت کو فرض کیا ہے۔[4] جمہور کے نزدیک نماز خوف میں صرف ایک رکعت پر اکتفا جائز نہیں لیکن صریح اور صحیح احادیث کے پیش نظر ان کا موقف محل نظر ہے۔ واللّٰہ أعلم۔[5]

(4) بَابُ الصَّلَاةِ عِنْدَ مُنَاهَضَةِ الْحُصُونِ وَلِقَاءِ الْعَدُوِّ

باب: 4- قلعوں پر چڑھائی اور دشمن سے مقابلے کے وقت نماز کا بیان

وَقَالَ الْأَوْزَاعِيُّ: إِنْ كَانَ تَهَيَّأَ الْفَتْحُ وَلَمْ يَقْدِرُوا عَلَى الصَّلَاةِ صَلَّوْا إِيمَاءً كُلُّ امْرِئٍ

امام اوزاعی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ اگر فتح قریب ہو اور مجاہدین نماز پڑھنے پر قادر نہ ہو سکیں تو ہر مجاہد الگ الگ

[1] سنن النسائي، صلاة الخوف، حديث: 1535. [2] سنن النسائي، صلاة الخوف، حديث: 1534. [3] سنن النسائي، صلاة الخوف، حديث: 1546. [4] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 1575 (687). [5] فتح الباري: 558/2.

لِنَفْسِهِ، فَإِنْ لَمْ يَقْدِرُوا عَلَى الْإِيمَاءِ أَخَّرُوا الصَّلَاةَ حَتَّى يَنْكَشِفَ الْقِتَالُ أَوْ يَأْمَنُوا فَيُصَلُّوا رَكْعَتَيْنِ، فَإِنْ لَمْ يَقْدِرُوا صَلَّوْا رَكْعَةً وَسَجْدَتَيْنِ، فَإِنْ لَمْ يَقْدِرُوا فَلَا يُجْزِيهِمُ التَّكْبِيرُ وَيُؤَخِّرُونَهَا حَتَّى يَأْمَنُوا. وَبِهِ قَالَ مَكْحُولٌ.

اشارے سے نماز پڑھے اگر اشارے سے بھی پڑھنے کی قدرت نہ ہو تو نماز کو مؤخر کر دیں یہاں تک کہ لڑائی کا فیصلہ ہو جائے اور مجاہدین محفوظ ہو جائیں تو پھر دو رکعت ادا کریں۔ اگر دو رکعت پڑھنے کی فرصت نہ ہو تو ایک رکوع اور دو سجدے کر لیں۔ اگر اس پر بھی قادر نہ ہوں تو انھیں محض "اللہ اکبر" کہنا کافی نہیں ہوگا بلکہ امن کے وقت تک اسے مؤخر کر دیں۔ مکحول تابعی کا بھی یہی قول ہے۔

وَقَالَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ: حَضَرْتُ عِنْدَ مُنَاهَضَةِ حِصْنِ تُسْتَرَ عِنْدَ إِضَاءَةِ الْفَجْرِ وَاشْتَدَّ اشْتِعَالُ الْقِتَالِ، فَلَمْ يَقْدِرُوا عَلَى الصَّلَاةِ فَلَمْ نُصَلِّ إِلَّا بَعْدَ ارْتِفَاعِ النَّهَارِ، فَصَلَّيْنَاهَا وَنَحْنُ مَعَ أَبِي مُوسَى فَفُتِحَ لَنَا. قَالَ أَنَسٌ: وَمَا يَسُرُّنِي بِتِلْكَ الصَّلَاةِ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں قلعہ تُستر پر چڑھائی کے وقت وہاں موجود تھا جبکہ فریقین کی جنگ فجر روشن ہونے کے وقت شروع ہوئی، گھمسان کی جنگ جاری تھی۔ مجاہدین نماز صبح ادا کرنے پر قادر نہ تھے، چنانچہ ہم نے نماز فجر کو طلوع آفتاب کے بعد ادا کیا، ہم نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ہمراہ نماز پڑھی جبکہ وہ قلعہ فتح ہو گیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے مزید فرمایا: مجھے اس نماز کے عوض میں دنیا اور اس کی تمام چیزیں بھی خوش نہ کر سکیں۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں عبدالرحمن بن عمرو اوزاعی کے موقف کی طرف اشارہ کیا ہے جسے ولید بن مسلم نے اپنی کتاب "السیر" میں بیان کیا ہے۔ چونکہ بعض تابعین کا موقف ہے کہ اگر گھمسان کی جنگ جاری ہو اور اشارے وغیرہ سے نماز پڑھنا ممکن نہ ہو تو سبحان اللہ و الحمد للہ ولا إله إلا الله و الله أكبر پڑھتا رہے، یہی مجاہد کی نماز ہے۔ حصول امن کے بعد نماز دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ سفیان ثوری رحمہ اللہ کا بھی موقف ہے۔ حضرت امام مجاہد اور اسحاق بن راہویہ نے بھی اسے اختیار کیا ہے لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کی مخالفت کرتے ہوئے امام اوزاعی اور امام مکحول کا موقف پیش کیا ہے کہ ایسے حالات میں نماز کو مؤخر کر دیا جائے۔ تکبیر، تسبیح اور تحمید وغیرہ کافی نہیں ہوگی۔ امام مکحول کے اثر کو عبد بن حمید نے اپنی تفسیر میں متصل سند سے بیان کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: "جنگی حالات کے پیش نظر اگر زمین پر نماز پڑھی جا سکے تو سواری پر دو رکعت پڑھ لی جائیں۔ اگر دو رکعت پڑھنے کا وقت نہ مل سکے تو ایک رکعت ہی کافی ہے۔ اگر ایسا ممکن نہ ہو تو حالات پر امن ہونے تک نماز کو مؤخر کر دیا جائے۔"[1] حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اثر کو ابن سعد اور ابن ابی شیبہ نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔ ان کے علاوہ عمر بن شبہ نے اپنی کتاب "اخبار بصرہ" میں بیان کیا ہے کہ حضرت قتادہ سے شدت جنگ کے وقت نماز سے متعلق سوال

[1] فتح الباري: 560/2.

ہوا تو انھوں نے حضرت انس ؓ کے حوالے سے بیان کیا کہ انھوں نے حضرت عمر ؓ کے دور خلافت میں حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ کے زیر کمان علاقہ اہواز کے شہر تستر کے قلعہ پر چڑھائی کی تو مذکورہ واقعہ پیش آیا جسے امام بخاری ؒ نے بیان کیا ہے۔[1]

٩٤٥ - حَدَّثَنَا يَحْيَى، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ عَلِيِّ ابْنِ الْمُبَارَكِ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: جَاءَ عُمَرُ يَوْمَ الْخَنْدَقِ فَجَعَلَ يَسُبُّ كُفَّارَ قُرَيْشٍ وَيَقُولُ: يَا رَسُولَ اللهِ مَا صَلَّيْتُ الْعَصْرَ حَتَّى كَادَتِ الشَّمْسُ أَنْ تَغِيبَ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «وَأَنَا وَاللهِ مَا صَلَّيْتُهَا بَعْدُ». قَالَ: فَنَزَلَ إِلَى بُطْحَانَ فَتَوَضَّأَ وَصَلَّى الْعَصْرَ بَعْدَ مَا غَابَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ صَلَّى الْمَغْرِبَ بَعْدَهَا. [راجع: ٥٩٦]

[945] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ غزوۂ خندق کے دن حضرت عمر ؓ تشریف لائے اور کفار قریش کو برا بھلا کہتے ہوئے کہنے لگے: اللہ کے رسول! میں نماز عصر نہیں پڑھ سکا تا آنکہ سورج غروب کے قریب ہو گیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں بھی ابھی تک نماز عصر نہیں پڑھ سکا ہوں۔'' اس کے بعد آپ وادی بطحان میں اترے، وضو کیا اور سورج غروب ہونے کے بعد نماز عصر ادا کی اور اس کے بعد نماز مغرب پڑھی۔

فوائد و مسائل: ⓵ غزوۂ خندق کے موقع پر نماز عصر مؤخر کر دینے کی کئی ایک وجوہات ممکن ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: ٭ سہو ونسیان کی بنا پر ایسا ہوا کہ نماز پڑھنے کا خیال نہ آیا۔ ٭ درج ذیل وجوہات کی بنا پر دانستہ ایسا کیا: ٭ جنگی مصروفیات کی وجہ سے نماز پڑھنے کا موقع نہ مل سکا۔ ٭ حالات کی سنگینی کی وجہ سے وضو کا وقت میسر نہ آسکا۔ ٭ نماز خوف کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔ امام بخاری ؒ کے نزدیک نماز خوف کے احکام نازل ہو چکے تھے لیکن جنگی مصروفیات کی وجہ سے نماز باجماعت یا الگ الگ پڑھنے کا موقع نہ مل سکا اور نہ اشارے ہی سے پڑھنے کی قدرت تھی، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے نماز عصر کو مؤخر کر دیا۔ ⓶ اس سے امام بخاری ؒ نے ثابت کیا ہے کہ جنگی مصروفیات کی وجہ سے اگر نماز باجماعت پڑھنے کی قدرت نہ ہو تو الگ الگ ہر شخص اشارے سے پڑھ لے۔ اگر اشارے سے نماز پڑھنا ممکن نہ ہو تو نماز کو مؤخر کر دیا جائے اور حالات کے سازگار ہونے کا انتظار کیا جائے۔ ایسے حالات میں تسبیح و تہلیل اور تکبیر وغیرہ نماز ادا کرنے کے قائم مقام نہیں ہوگی۔ واللہ أعلم.

(٥) بَابُ صَلَاةِ الطَّالِبِ وَالْمَطْلُوبِ رَاكِبًا وَإِيمَاءً

باب: 5- جو دشمن کی تلاش میں نکلے یا دشمن اس کی تلاش میں ہو تو اس کا سواری پر اشارے سے نماز پڑھنا

وَقَالَ الْوَلِيدُ: ذَكَرْتُ لِلْأَوْزَاعِيِّ صَلَاةَ شُرَحْبِيلَ بْنِ السِّمْطِ وَأَصْحَابِهِ عَلَى ظَهْرِ الدَّابَّةِ، فَقَالَ: كَذَلِكَ الْأَمْرُ عِنْدَنَا إِذَا تُخُوِّفَ

حضرت ولید بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام اوزاعی ؒ سے حضرت شرحبیل بن سمط اور ان کے ساتھیوں کے سواری پر نماز پڑھنے کا ذکر کیا تو انھوں نے

1- فتح الباري: 560/2.

الْفَوْتَ. وَاحْتَجَّ الْوَلِيدُ بِقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: ((لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ الْعَصْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ))

فرمایا کہ جب نماز کے قضا ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کا حکم ہمارے نزدیک ایسا ہی ہے۔ حضرت ولید بن مسلم اس موقف کی تائید میں رسول اللہ ﷺ کا درج ذیل ارشاد پیش کیا کرتے تھے: ''تم میں سے کوئی بھی نمازِ عصر بنو قریظہ کے علاوہ کہیں نہ پڑھے۔''

وضاحت: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ جو شخص دشمن کی تلاش میں اس کے پیچھے دوڑ رہا ہو یا جس کی تلاش میں دشمن اس کے پیچھے دوڑ رہا ہو، اگر اسے نماز کا وقت آ جائے تو وہ اشارے سے نماز پڑھ سکتا ہے بشرطیکہ خطرے کی وجہ سے وہ رکوع اور سجود پر قادر نہ ہو۔ دشمن جس کے تعاقب میں ہے وہ بے چارہ خوف زدہ اور پریشان ہے، اس حالت میں اگر نماز کا وقت آ جائے تو وہ اپنی سواری پر اشارے سے نماز پڑھ سکتا ہے اور اگر پیدل بھاگ رہا ہے تو بھی چلتے چلتے اشارے سے پڑھنے کی اجازت ہے، چنانچہ امام ابن منذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مغلوب انسان اپنی سواری پر اشارے سے نماز پڑھے۔ اس کے برعکس اگر کوئی مجاہد دشمن کے تعاقب میں ہے، اسے بھی اپنی سواری پر اشارے سے نماز پڑھنے کی اجازت ہے کیونکہ اگر سواری سے اتر کر نماز پڑھی تو دشمن کے نکل جانے کا اندیشہ ہے یا پلٹ کر حملہ آور ہونے کا، ایسے حالات میں اسے اپنی سواری پر اشارے سے نماز پڑھ لینی چاہیے، لیکن جب اس قسم کا اندیشہ یا خطرہ نہ ہو تو اپنی سواری سے اتر کر تسلی سے نماز پڑھے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ وہ مجاہد جس کے پیچھے دشمن لگا ہوا ہے وہ تو بہر صورت اپنی سواری ہی پر نماز ادا کرے گا، البتہ جو مجاہد دشمن کے تعاقب میں ہے اسے دیکھا جائے گا کہ وہ کس قسم کی صورت حال سے دوچار ہے۔ لیکن امام اوزاعی کا موقف یہ ہے کہ اگر نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو غالب اور مغلوب دونوں کو سواری پر اشارے سے نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔ ابو اسحاق فزاری نے اپنی کتاب ''السیر'' میں امام اوزاعی کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب حملہ آور مجاہد کو یہ خطرہ ہو کہ اگر سواری سے اتر کر زمین پر نماز پڑھی تو دشمن بھاگنے میں کامیاب ہو جائے گا تو ایسی صورت میں اسے اپنی سواری پر اشارے سے نماز پڑھنے کی اجازت ہے اور استقبال قبلہ کی شرط بھی نہیں ہے۔¹ شرحبیل بن سمط اور اس کا بھائی ثابت بن سمط اپنے ساتھیوں سمیت کسی مہم کے لیے جا رہے تھے، راستے میں کسی مقام پر دشمن کا خطرہ محسوس ہوا تو شرحبیل نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تمہیں نمازِ فجر اپنی سواریوں ہی پر ادا کرنی ہے۔ ان میں اشتر نخعی بھی تھا وہ نیچے اترا اور زمین پر نماز پڑھنا شروع کر دی تو امیر لشکر نے فرمایا کہ اس نے ہماری مخالفت کی ہے، اللہ اسے خلاف ورزی کی سزا دے گا، چنانچہ وہ اس فتنے میں زخمی ہو گیا۔ اس واقعے سے معلوم ہوا کہ وہ اپنی سواریوں پر تھے اور راستے میں انھیں کسی دشمن کے حملہ آور ہونے کا خطرہ تھا، اس لیے انھوں نے نمازِ فجر اپنی سواریوں پر ادا کی۔ معلوم ہوا کہ مغلوب آدمی سواری پر نماز پڑھ سکتا ہے اور اس پر اجماع ہے، البتہ حملہ آور مجاہد کے متعلق تفصیل ہے کہ اگر اسے نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو یا دشمن کے بھاگ جانے کا یا پلٹ کر حملہ کر دینے کا ڈر ہو تو اسے بھی اپنی سواری پر نماز پڑھنے کی اجازت ہے، بصورت دیگر نہیں۔²

¹ فتح الباري: 562/2. ² عمدة القاري: 146/5.

٩٤٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْمَاءَ: حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَنَا لَمَّا رَجَعَ مِنَ الْأَحْزَابِ: «لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ الْعَصْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ». فَأَدْرَكَ بَعْضَهُمُ الْعَصْرُ فِي الطَّرِيقِ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَا نُصَلِّي حَتَّى نَأْتِيَهَا، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: بَلْ نُصَلِّي، لَمْ يُرَدْ مِنَّا ذٰلِكَ، فَذُكِرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَلَمْ يُعَنِّفْ أَحَدًا مِنْهُمْ. [انظر: ٤١١٩]

[946] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ جب غزوۂ خندق سے واپس ہوئے تو ہمیں حکم فرمایا: ''کوئی بھی نماز عصر بنو قریظہ کے علاوہ کہیں اور نہ پڑھے۔'' چنانچہ بعض لوگوں کو راستے میں عصر کا وقت آ گیا تو کچھ نے کہا کہ ہم تو بنو قریظہ پہنچ کر نماز پڑھیں گے اور کچھ کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ کا مقصد یہ نہ تھا کہ ہم نماز قضا کر دیں، لہذا ہم تو نماز پڑھیں گے۔ جب اس واقعے کا ذکر نبی ﷺ سے ہوا تو آپ نے کسی کو ملامت نہ کی۔

فوائد و مسائل: ﴿1﴾ ولید بن مسلم نے امام اوزاعی کے موقف کی تائید میں مذکورہ بالا واقعہ بطور دلیل پیش کیا جسے امام بخاری ؒ نے اس واقعے کو پہلے معلق ذکر کرنے کے بعد متصل سند سے بیان کیا ہے تاکہ صحت حدیث اور صحت استدلال کا علم ہو جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب غزوۂ خندق سے واپس آئے تو آپ نے ہتھیار اتار دیے۔ حضرت جبرئیل ؑ تشریف لائے اور فرمایا کہ تم نے ابھی اپنے ہتھیار نہیں اتارے کیونکہ ہمارا بنو قریظہ سے نمٹنے کا ارادہ ہے۔ انھوں نے منافقانہ طریقے سے دشمن کی مدد کی تھی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ بھی ان کا کام تمام کرنے کے لیے تیار ہو گئے، پھر آپ نے صحابۂ کرام ؓ کو ارشاد فرمایا جس کا مذکورہ حدیث میں ذکر ہے۔ جن لوگوں کو رسول اللہ ﷺ نے روانہ ہونے کا حکم دیا تھا وہ حملہ آور تھے اور آپ نے انھیں وہاں جلد پہنچنے کا حکم دیا تھا۔ اگرچہ روایت میں صراحت نہیں ہے کہ انھوں نے سواریوں سے اتر کر نماز پڑھی یا سوار رہتے ہوئے اسے ادا کیا تاہم جلد پہنچنے کے تقاضے سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے سواریوں پر نماز پڑھی ہوگی۔ حضرت ولید بن مسلم نے سکوت سے استدلال کیا ہے کیونکہ حدیث میں سواریوں پر یا اتر کر نماز پڑھنے کی صراحت نہیں ہے۔ علامہ عینی نے اس حدیث کی عنوان سے مطابقت بایں الفاظ ذکر کی ہے کہ مطلوب آدمی نماز کو اشارے سے پڑھ سکتا ہے حالانکہ اس پر رکوع اور سجود کا صحیح حالت میں ادا کرنا ضروری ہے جیسا کہ صحابۂ کرام ؓ کا بروقت نماز پڑھنا ضروری تھا لیکن انھوں نے تعمیل حکم کرتے ہوئے اسے مؤخر کیا اور بنو قریظہ میں جا کر اسے ادا کیا۔[1] ﴿2﴾ حملہ آور کی نماز کے متعلق ایک روایت بایں الفاظ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن انیس ؓ کو خالد بن سفیان ہذلی کا کام تمام کرنے کے لیے روانہ کیا۔ فرماتے ہیں کہ جب میں نے اسے دیکھا تو نماز عصر کا وقت بھی ہو چکا تھا۔ مجھے اس کے فوت ہونے کا اندیشہ ہوا تو میں نے چلتے چلتے اشارے سے نماز ادا کر لی کیونکہ اگر ٹھہر کر تسلی سے نماز پڑھتا تو دشمن کے نکل جانے کا اندیشہ تھا، چنانچہ میں نے اسے قتل کر دیا۔[2] امام ابو داود ؒ نے اس حدیث پر ''حملہ آور کی نماز'' کا عنوان قائم کیا ہے۔ حافظ ابن حجر ؒ نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔[3] ﴿3﴾ بعض صحابۂ کرام ؓ نے رسول اللہ ﷺ کے فرمان کا یہ مطلب لیا کہ راستے میں کسی جگہ پڑاؤ کیے بغیر ہم جلدی پہنچیں، انھوں نے نماز

---

1 عمدة القاري: 147/8. 2 سنن أبي داود، صلاة السفر، حديث: 1249. 3 فتح الباري: 584/2.

قصر نہ کی اور اسے سواری ہی پر ادا کر لیا جبکہ دوسرے اصحاب ؓ نے آپ کے ارشاد گرامی کو ظاہر پر محمول کیا کہ اگر تعمیل حکم میں نماز دیر سے بھی ادا ہوئی تو ہم گناہ گار نہیں ہوں گے۔ چونکہ فریقین کی نیت درست تھی، اس لیے کوئی بھی قابل ملامت نہ ٹھہرا۔

(٦) بَابُ التَّكْبِيرِ وَالْغَلَسِ بِالصُّبْحِ، وَالصَّلَاةِ عِنْدَ الْإِغَارَةِ وَالْحَرْبِ

باب: 6- بوقت جنگ اللہ اکبر کہنا اور نماز فجر منہ اندھیرے پڑھنا، نیز غارت گری اور لڑائی کے وقت نماز ادا کرنا

وضاحت: بخاری کے اکثر نسخوں میں تکبیر کا لفظ ہے جس کے معنی بوقت جنگ اللہ اکبر کہنا ہیں، لیکن کچھ نسخوں میں تبکیر ہے جس کے معنی صبح سویرے کسی کام کو سرانجام دینا ہیں۔ حافظ ابن حجر ؒ نے اس دوسرے لفظ کو اوجہ، یعنی زیادہ مناسب قرار دیا ہے۔[1]

٩٤٧ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ، وَثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ صَلَّى الصُّبْحَ بِغَلَسٍ، ثُمَّ رَكِبَ فَقَالَ: «اللهُ أَكْبَرُ، خَرِبَتْ خَيْبَرُ، إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ»، فَخَرَجُوا يَسْعَوْنَ فِي السِّكَكِ وَيَقُولُونَ: مُحَمَّدٌ وَالْخَمِيسُ، قَالَ: وَالْخَمِيسُ: الْجَيْشُ - فَظَهَرَ عَلَيْهِمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَتَلَ الْمُقَاتِلَةَ وَسَبَى الذَّرَارِيَّ، فَصَارَتْ صَفِيَّةُ لِدِحْيَةَ الْكَلْبِيِّ، وَصَارَتْ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ ثُمَّ تَزَوَّجَهَا وَجَعَلَ صَدَاقَهَا عِتْقَهَا. فَقَالَ عَبْدُ الْعَزِيزِ لِثَابِتٍ: يَا أَبَا مُحَمَّدٍ! أَنْتَ سَأَلْتَ أَنَسَ ابْنَ مَالِكٍ مَا أَمْهَرَهَا؟ قَالَ: أَمْهَرَهَا نَفْسَهَا، فَتَبَسَّمَ. [راجع: ٣٧١]

[947] حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر صبح سویرے منہ اندھیرے پڑھی، پھر سوار ہوئے، اس کے بعد فرمایا: ''اللہ اکبر، خیبر ویران ہو گیا۔ یقیناً جب ہم کسی قوم کے میدان میں اترتے ہیں تو تنبیہ کردہ لوگوں کی صبح بہت بری ہوتی ہے۔'' چنانچہ وہ لوگ، یعنی یہودی گلی کوچوں میں یہ کہتے ہوئے دوڑنے لگے: محمد اپنے لشکر سمیت آ گیا۔ بہرحال رسول اللہ ﷺ نے ان پر فتح حاصل کی، جنگجو لوگوں کو قتل کر دیا، عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا۔ حضرت صفیہ ؓ دحیہ کلبی کے حصے میں آئیں، پھر رسول اللہ ﷺ کے لیے ہو گئیں جن سے بعد میں آپ نے نکاح کر لیا اور ان کی آزادی ہی کو ان کا حق مہر قرار دیا۔ (راوی حدیث) عبدالعزیز نے اپنے شیخ ثابت سے دریافت کیا: اے ابو محمد! آپ نے حضرت انس ؓ سے پوچھا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان (سیدہ صفیہ ؓ) کا حق مہر کیا مقرر کیا تھا؟ انھوں نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ ان کی ذات گرامی ہی کو ان کا حق مہر قرار دیا گیا تھا۔

---

1 فتح الباري: 564/2.

فوائد و مسائل: ⓵ بعض حضرات کا خیال ہے کہ شدت جنگ کے وقت جب اطمینان و سکون میسر نہ ہو تو نماز کو مؤخر کر دیا جائے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس موقف کی تردید میں یہ عنوان قائم کیا ہے کہ ایسے حالات میں نماز کو مؤخر کر دینا ضروری نہیں بلکہ اطمینان و سکون میسر نہیں ہے تو بھی اسے اول وقت پڑھا جا سکتا ہے۔[1] ⓶ اگر عنوان کا آغاز لفظ تکبیر سے ہے تو امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ ہر ہولناک اور پریشان کن کام کے شروع میں اللہ اکبر کہنا "ذکر مسنون" ہے جیسا کہ جہاد کے موقع پر نعرۂ تکبیر بلند کرنا مجاہدین کی ایک شناختی علامت ہے۔[2] ⓷ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دشمن پر چڑھائی کرتے وقت اللہ اکبر کہنا درست ہے لیکن دینی اجتماعات کے موقع پر تقاریر کے دوران میں نعرۂ تکبیر لگانا محتاج دلیل ہے۔ واللہ أعلم

1 عمدة القاري: 140/5. 2 فتح الباري: 565/2.

عیدین کی مشروعیت و مفہوم

لفظی طور پر عید کی بنیاد لفظ عود ہے جس کے معنی رجوع کرنا اور لوٹنا ہیں۔ چونکہ ان دنوں میں اللہ تعالیٰ کی بے پایاں عنایات پلٹ پلٹ کر مسلمانوں پر نازل ہوتی ہیں، اس لیے انھیں ہم ''عیدین'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان میں مخصوص طریقے سے پڑھی جانے والی نماز کو صلاۃ العیدین اور وعظ و نصیحت کے طور پر دیے جانے والے خطبے کو خطبۃ العیدین کہا جاتا ہے۔

عرب لوگوں کی اصطلاح میں ہر وہ اجتماع جو خوشی و مسرت کے اظہار کے لیے ہو عید کہلاتا ہے۔ ہم اسے تہوار یا جشن سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس عالم رنگ و بو میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس کے ہاں تہوار یا جشن کے دن مقرر نہ ہوں جن میں وہ اپنی اندرونی خوشی کے اظہار کے لیے حیثیت کے مطابق اچھا لباس پہنتے ہیں اور عمدہ کھانا استعمال کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو اہل مدینہ کے ہاں بھی اظہار مسرت کے لیے دو دن مقرر تھے۔ ان میں وہ اچھے کپڑے پہنتے اور کھیل تماشا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے دریافت کیا کہ ان دنوں کی حقیقت اور حیثیت کیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ ہم دور جاہلیت سے یہ تہوار اسی طرح مناتے چلے آ رہے ہیں، وہی انداز جاہلی رواج کے مطابق اب تک قائم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے ان تہواروں کے بدلے ان سے بہتر دو دن مقرر کر دیے ہیں ان میں سے ایک عید الفطر اور دوسرا عید الاضحیٰ کا دن ہے۔[1]

دراصل قوموں کے تہوار ان کے عقائد و افکار اور ان کی تاریخی روایات کے آئینہ دار ہوتے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے جو تہوار مقرر فرمائے ہیں وہ اس کے توحیدی مزاج، تاریخی روایات اور ان کے عقائد و نظریات کے ترجمان ہیں۔ الغرض ہم مسلمانوں کے لیے یہی دو دن قومی تہوار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے علاوہ ہمارے ہاں جو تہوار رواج پا چکے ہیں ان کی کوئی مذہبی حیثیت نہیں ہے بلکہ بنظر غائر ان کا مطالعہ کیا جائے تو ان میں بے شمار خرافات اور غیر اسلامی رسوم در آئی ہیں۔ ہمارے ہاں دو تہواروں میں ایک عید الفطر ہے جو ماہ رمضان کے اختتام پر یکم شوال کو منائی جاتی ہے کیونکہ ماہ مبارک کی تکمیل پر یہ دن ایمانی اور روحانی برکات کی وجہ سے اس قابل ہے کہ اسے امت مسلمہ کے

---

1 سنن أبي داود، الصلاة، حديث 1134.

لیے قومی تہوار کا درجہ دیا جائے جبکہ دوسرے تہوار عید الاضحیٰ کے لیے دس ذوالحجہ کا دن مقرر ہے کیونکہ اس دن حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ادنیٰ اشارے پر اپنے لخت جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کے لیے تیار ہو گئے اور اللہ کو راضی کرنے کے لیے ان کے گلے پر چھری رکھ کر انھوں نے اپنی سچی وفاداری کا ثبوت دیا تھا۔ ان خصوصیات کی وجہ سے انھیں یوم عید کہا جاتا ہے۔

اسلامی طریقے کے مطابق ان دنوں میں خوشی منانے کا کیا انداز ہونا چاہیے؟ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے متعلق امت مسلمہ کی رہنمائی کے لیے تقریباً بیالیس (42) احادیث کا انتخاب کیا ہے، پھر موقع محل کی مناسبت سے ان پر تقریباً چھبیس (26) چھوٹے چھوٹے عنوان قائم کیے ہیں جن میں نماز عید، خطبۂ عید اور ان کے متعلقات سے ہمیں مطلع کیا ہے۔ اس دن خوشی کے اظہار کے لیے ہمارے کپڑوں کی نوعیت کیا ہو؟ کھیل اور تماشے کی حدود کیا ہیں؟ سب سے پہلے کیا کام کیا جائے؟ کھانے پینے سے متعلق کیا ہدایات ہیں؟ عیدگاہ کے لیے کس قسم کی جگہ کا انتخاب کیا جائے؟ وہاں جانے کا انداز اور طریقہ کیا ہو؟ وہاں پہنچ کر بطور شکر پہلے نماز ادا کی جائے یا لوگوں کی رہنمائی کے لیے خطبہ دیا جائے؟ صنف نازک، یعنی مستورات اس عظیم اسلامی تہوار میں کیونکر شرکت کریں؟ کس قسم کی خواتین کو وہاں جانا چاہیے؟ پھر خاص طور پر ان کی رشد و ہدایت کے لیے کیا طریق کار اختیار کیا جائے؟ اگر کوئی اس روحانی اجتماع میں شریک نہ ہو سکے تو اس کی تلافی کیسے ممکن ہے؟ فراغت کے بعد گھر واپس آنے کے لیے کون سا راستہ اختیار کیا جائے؟ اور اس طرح دیگر بے شمار احکام و مسائل کو یکجا بیان فرمایا ہے۔

واضح رہے کہ اس مقام پر صرف نماز عید اور خطبۂ عید سے متعلقہ ہدایات کا بیان ہے۔ صدقۂ فطر اور قربانی سے متعلق مکمل رہنمائی کے لیے امام بخاری نے آئندہ دو الگ الگ عنوان قائم کیے ہیں جن میں ایک باب فرض صدقة الفطر اور دوسرا كتاب الأضاحي ہے جن میں بے شمار فقہی احکام زیر بحث آئیں گے۔ بإذن الله.

امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب العیدین میں 45 احادیث بیان کی ہیں جن میں چار معلق اور باقی متصل سند سے بیان کی ہیں۔ ان میں 26 مکرر اور 19 خالص ہیں۔ چھ (6) کے علاوہ امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی ان احادیث کو اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔ ان مرفوع احادیث کے علاوہ صحابہ و تابعین سے مروی 23 آثار بھی بیان کیے ہیں۔ فقہی احکام کے علاوہ بے شمار فنی اور اسنادی مباحث کو بھی امام بخاری رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے جن سے آپ کی وسعت علم اور دقت نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ قارئین سے گزارش ہے کہ وہ ہماری معروضات کو سامنے رکھتے ہوئے کتاب العیدین کا مطالعہ کریں۔ اور اپنی عملی زندگی کو ان احادیث کی روشنی میں سنوارنے کی کوشش کریں۔ واللہ الموفق و هو يهدي من يشاء إلى سواء السبيل.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

13 - كِتَابُ الْعِيدَيْنِ

عیدین سے متعلق احکام و مسائل

(۱) بَابٌ: فِي الْعِيدَيْنِ وَالتَّجَمُّلِ فِيهِ

باب:۱- عیدین اور ان میں زیب و زینت کا بیان

٩٤٨ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ: أَخَذَ عُمَرُ جُبَّةً مِنْ إِسْتَبْرَقٍ تُبَاعُ فِي السُّوقِ، فَأَخَذَهَا فَأَتَى رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! ابْتَعْ هٰذِهِ، تَجَمَّلْ بِهَا لِلْعِيدِ وَالْوُفُودِ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّمَا هٰذِهِ لِبَاسُ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ». فَلَبِثَ عُمَرُ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَلْبَثَ، ثُمَّ أَرْسَلَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِجُبَّةِ دِيبَاجٍ فَأَقْبَلَ بِهَا عُمَرُ فَأَتَى بِهَا رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّكَ قُلْتَ: «إِنَّمَا هٰذِهِ لِبَاسُ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ»، وَأَرْسَلْتَ إِلَيَّ بِهٰذِهِ الْجُبَّةِ؟ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «تَبِيعُهَا أَوْ تُصِيبُ بِهَا حَاجَتَكَ». [راجع: ٨٨٦]

[948] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ریشمی جبہ لیا جو بازار میں فروخت ہو رہا تھا، پھر اسے لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ اسے خرید لیں تاکہ عید کے دن اور وفود کی آمد کے وقت زیب تن فرما کر خود کو آراستہ کیا کریں۔ آپ نے فرمایا: ”یہ تو ان لوگوں کا لباس ہے جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، جس قدر اللہ کو منظور تھا، ٹھہرے رہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کے پاس ایک ریشمی جبہ بھیجا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے تو فرمایا تھا: ”یہ ان لوگوں کا لباس ہے جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔“ اس کے باوجود آپ نے یہ جبہ میرے پاس بھیج دیا؟ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”اسے فروخت کر کے اپنی کوئی ضرورت پوری کر لو۔“

فوائد و مسائل: ① اس حدیث کی عنوان سے مطابقت واضح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ریشمی جبہ لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تاکہ آپ عید کے دن زیب تن فرما کر خود کو آراستہ کریں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عیدین کے موقع پر

اچھا لباس پہننا رائج تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس خواہش پر کوئی انکار نہیں فرمایا۔ چونکہ وہ ریشم کا تھا، اس لیے آپ اسے لینے پر آمادہ نہ ہوئے بلکہ فرمایا کہ ایسا لباس وہ لوگ پہنتے ہیں جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ دوسری احادیث سے عیدین کے موقع پر بہترین لباس پہننے کے متعلق رہنمائی ملتی ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ عیدین اور جمعے کے دن سرخ دھاری دار جوڑا زیب تن فرماتے تھے۔[1] صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی عیدین کے موقع پر بہترین لباس استعمال کرتے تھے جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق حدیث میں ہے کہ وہ عیدین کے دن بہترین لباس پہنا کرتے تھے۔[2] ⓘ امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الجمعہ میں اس حدیث پر بایں الفاظ عنوان قائم کیا تھا: بَابُ يَلْبَسُ أَحْسَنَ مَا يَجِدُ "جمعے کے لیے حسب توفیق بہترین لباس پہننا" لیکن کتاب العیدین میں اس حدیث پر جو عنوان قائم کیا ہے اس سے اشارہ ملتا ہے کہ جمعے کے دن نئے کپڑے ہونا ضروری نہیں بلکہ صاف ستھرے ہونے چاہئیں لیکن اگر عیدین کے موقع پر نیا لباس بنا لیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ واضح رہے کہ کتاب الجمعہ میں اس حدیث کے الفاظ تھے کہ اسے آپ جمعے کے لیے زیب تن کیا کریں جبکہ اس روایت میں عیدین کے موقع پر پہننے کا ذکر ہے، وجہ یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے عیدین اور جمعے سے متعلق دونوں الفاظ مروی ہیں، البتہ حضرت سالم نے عید کے الفاظ جبکہ حضرت نافع نے جمعے کے الفاظ نقل کیے ہیں۔[3] علامہ کرمانی نے اس طرح تطبیق دی ہے کہ قصہ تو ایک ہی ہے، چونکہ جمعہ بھی اہل اسلام کے لیے عید کی حیثیت رکھتا ہے، اس لیے ان الفاظ میں کوئی تعارض نہیں۔[4]

(٢) بَابُ الْحِرَابِ وَالدَّرَقِ يَوْمَ الْعِيدِ

باب: 2- عید کے دن برچھیوں اور ڈھالوں سے جہادی مشق کرنا

٩٤٩ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَمْرٌو أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَسَدِيَّ حَدَّثَهُ عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَعِنْدِي جَارِيَتَانِ تُغَنِّيَانِ بِغِنَاءِ بُعَاثٍ، فَاضْطَجَعَ عَلَى الْفِرَاشِ وَحَوَّلَ وَجْهَهُ، وَجَاءَ أَبُو بَكْرٍ فَانْتَهَرَنِي وَقَالَ: مِزْمَارَةُ الشَّيْطَانِ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ؟ فَأَقْبَلَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «دَعْهُمَا»، فَلَمَّا غَفَلَ غَمَزْتُهُمَا فَخَرَجَتَا. [انظر: ٩٥٢، ٩٨٧، ٢٩٠٧، ٣٥٣٠، ٣٩٣١]

[949] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ میرے ہاں تشریف لائے۔ اس وقت میرے پاس دو لڑکیاں جنگِ بعاث کے گیت گا رہی تھیں۔ آپ چہرۂ مبارک دوسری طرف پھیر کر لیٹ گئے۔ اتنے میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ انھوں نے مجھے ڈانٹتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس یہ شیطانی آوازیں، یعنی باجے؟ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: "انھیں اپنے حال پر چھوڑ دو۔" پھر جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے توجہ ہٹائی تو میں نے ان لڑکیوں کو اشارہ کیا، چنانچہ وہ وہاں سے چلی گئیں۔

---

1 السنن الکبرٰی للبیہقی: 280/3. 2 السنن الکبرٰی للبیہقی: 281/3. 3 فتح الباری: 567/2. 4 عمدۃ القاری: 152/5.

٩٥٠ - وَكَانَ يَوْمَ عِيدٍ يَلْعَبُ فِيهِ السُّودَانُ بِالدَّرَقِ وَالْحِرَابِ، فَإِمَّا سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَإِمَّا قَالَ: «أَتَشْتَهِينَ تَنْظُرِينَ؟» قُلْتُ: نَعَمْ، فَأَقَامَنِي وَرَاءَهُ، خَدِّي عَلَى خَدِّهِ وَهُوَ يَقُولُ «دُونَكُمْ يَا بَنِي أَرْفِدَةَ» حَتَّى إِذَا مَلِلْتُ قَالَ: «حَسْبُكِ؟» قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: «فَاذْهَبِي». [راجع: ٤٥٤]

[950] (حضرت عائشہ ؓ سے ہی روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ) چونکہ وہ عید کا دن تھا، اس لیے حبشی ڈھالوں اور برچھیوں سے کھیل رہے تھے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی یا آپ نے خود فرمایا: ''کیا تم یہ کھیل دیکھنا چاہتی ہو؟'' میں نے ہاں میں جواب دیا تو آپ نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا کیا، میرا رخسار آپ کے رخسار پر تھا۔ آپ نے فرمایا: ''اے بنو ارفدہ! اپنا کام جاری رکھو۔'' یہاں تک کہ جب میں اکتا گئی تو آپ نے مجھ سے فرمایا: ''بس تجھے کافی ہے؟'' میں نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: ''اب چلی جاؤ۔''

فوائد ومسائل: ① یہ دراصل ایک ہی حدیث ہے۔ چونکہ اس میں دو قسم کے مضامین تھے، اس لیے اس حدیث کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ پہلی حدیث کے بعض طرق میں ہے کہ انصاری بچیاں عید کے دن گیت گا رہی تھیں۔[1] ایک روایت میں ہے کہ حج کے موقع پر قیام منیٰ کے دوران میں ایسا ہوا اور وہ گانے کے ساتھ دف بھی بجا رہی تھیں۔[2] ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابوبکر! ہر قوم کا ایک تہوار ہوتا ہے جس میں وہ خوش ہوتے اور جشن مناتے ہیں اور ہماری عید آج کے دن ہے۔''[3] ② اس حدیث سے بعض روشن خیال حضرات نے گانے بجانے اور آلات موسیقی کے جائز ہونے پر استدلال کیا ہے۔ اس کے متعلق ہماری گزارشات یہ ہیں کہ گانے والی بچیاں پیشہ ور گلوکارائیں نہیں تھیں بلکہ وہ اپنے اسلاف کی شجاعت و بہادری پر مشتمل اشعار پڑھ رہی تھیں جیسا کہ ایک روایت میں اس کی وضاحت ہے۔[4] اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونوں گانے بجانے کے فن سے ناواقف تھیں جس طرح عام طور پر گانے بجانے کا کام کرنے والی لڑکیاں واقف ہوا کرتی ہیں۔ مغنیہ اسے کہتے ہیں جو خاص طور پر اپنے فن کے مطابق گائے، جس میں لے اور زیر و بم ہوتا ہے جس سے جذبات میں ہیجان پیدا ہوتا ہے اور اس میں فواحش و منکرات کی تصریح یا تعریض ہوتی ہے، جبکہ مذکورہ واقعے میں ایسا نہیں تھا۔ اس حدیث کی روشنی میں مندرجہ ذیل شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے خوشی کے موقع پر دف بجایا جا سکتا ہے اور اس کے ساتھ اشعار بھی پڑھے جا سکتے ہیں: ⓐ دف صرف ایک طرف سے بجائی جاتی ہے اور اس کے بجانے سے سادہ سی آواز پیدا ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ گھنگھرو کی جھنکار نہیں ہوتی۔ ⓑ دف بجاتے وقت دیگر آلات موسیقی استعمال نہ کیے جائیں کیونکہ آلات موسیقی کی حرمت پر قرآن مجید کی واضح نصوص موجود ہیں۔ قرآن کریم نے انھیں ''لہو الحدیث'' کہہ کر ان سے نفرت کا اظہار کیا ہے، بلکہ رسول اللہ ﷺ نے قرب قیامت کی یہ

[1] صحیح البخاري، العیدین، حدیث: 952. [2] صحیح البخاري، التعبیر، حدیث: 987. [3] صحیح البخاري، مناقب الأنصار، حدیث: 3931. [4] صحیح البخاري، العیدین، حدیث: 952.

علامت بنائی ہے کہ لوگ اسے جائز سمجھ کر استعمال کرنا شروع کر دیں گے۔ ٭ رزمیہ یعنی شجاعت و بہادری پر مشتمل اشعار ہوں، بزمیہ اشعار، یعنی ہیجان انگیز اور عشقیہ غزلیں نہ گائی جائیں۔ ٭ جوان عورتیں اس میں حصہ نہ لیں بلکہ نابالغ بچیاں اس طرح خوشی کا اظہار کر سکتی ہیں۔ ٭ یہ اہتمام بھی ایسے حلقے میں ہونا چاہیے جہاں اپنے ہی عزیز و اقارب ہوں، اجنبی لوگوں کے سامنے ایسا کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ ٭ گیت اور اشعار خلاف شرع نہ ہوں کیونکہ اس قسم کے اشعار پڑھنا حرام اور ناجائز ہے۔ ٭ اس کے باوجود اگر فتنے کا اندیشہ ہو تو اس طرح کا مباح کام کرنا بھی ناجائز قرار پائے گا۔ مذکورہ شرائط کی پابندی کرتے ہوئے خوشی کے موقع پر دف کے ساتھ اشعار پڑھے جا سکتے ہیں۔ ③ اس حدیث پر ایک دوسرے پہلو سے بھی غور کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بچیوں کے گانے اور دف بجانے کے وقت اپنا چہرہ مبارک دوسری طرف پھیر لیا تھا اور بعض روایات کے مطابق اسے کپڑے سے ڈھانپ لیا تھا، گویا چشم پوشی کے ساتھ اپنی ناپسندیدگی ظاہر فرمائی اور یہ بھی تاثر دیا کہ آپ اس گیت اور دف کی آواز سے کسی طرح بھی محظوظ نہیں ہو رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسے حالات میں گانا اور دف بجانا بھی اباحت مرجوحہ کے درجے میں تھا۔ واللہ أعلم ④ امام بخاری ؒ نے حدیث کے دوسرے حصے سے عنوان کو ثابت کیا ہے کہ عید کے موقع پر ہتھیاروں کی مشق اور اسلحے سے کھیل جائز ہیں، البتہ اس کے بعد ایک دوسرا عنوان بایں الفاظ قائم کیا ہے: [بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنْ حَمْلِ السِّلَاحِ فِي الْعِيدِ وَالْحَرَمِ] "عید کے دن اور حرم میں ہتھیار لے کر جانا مکروہ ہے۔" ان دونوں عنوانات میں بظاہر تعارض ہے۔ اسے یوں حل کیا گیا ہے کہ ہتھیاروں سے کھیلنے کی اجازت حالت امن کے ساتھ خاص ہے اور ہتھیار ساتھ لے کر چلنے کی ممانعت بدامنی کے پیش نظر ہے۔ بعض شارحین نے بایں طور تطبیق دی ہے کہ کھیلنے کی اجازت مسجد سے باہر نماز عید سے فراغت کے بعد ہے، عید کے دن اظہار سرور کے پیش نظر ایسا کرنا جائز ہے، البتہ عید کو جاتے وقت یا حرم میں اجتماع کے موقع پر ہتھیار لے کر چلنا منع ہے مبادا بے پروائی میں کسی کو نقصان پہنچ جائے۔ ⑤ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورتوں کا اجنبی مردوں کی جہادی مشقیں دیکھنا جائز ہے کیونکہ ناجائز وہ نظر ہے جو غیر مردوں کے محاسن کی طرف ہو یا بطور لذت کے ہو، چنانچہ امام بخاری ؒ نے اس حدیث پر ایک عنوان بایں الفاظ قائم کیا ہے: [بَابُ نَظَرِ الْمَرْأَةِ إِلَى الْحَبَشِ وَنَحْوِهِمْ مِنْ غَيْرِ رِيبَةٍ] "کسی قسم کے شک و شبے کے بغیر عورت کا اہل حبشہ اور دوسرے لوگوں کو دیکھنا۔" (كتاب النكاح، باب نمبر 115) واضح رہے کہ اس وقت پردے کے احکام بھی نازل ہو چکے تھے جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنی چادر سے چھپا رکھا تھا۔[1]

(٣) بَابُ سُنَّةِ الْعِيدَيْنِ لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ

باب: 3- اہل اسلام کے لیے عیدین کا طریقہ

وضاحت: باب میں مذکور لفظ سنت سے مراد مسنون طریقہ ہے، یعنی عیدین کے موقع پر کون کون سے کام مسنون ہیں یا سنت سے مراد مطلق طریقہ ہے، یعنی عیدین کے موقع پر اہل اسلام کا طریق کار بیان کرنا مقصود ہے، چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث

1. صحيح البخاري، الصلاة، حديث: 454.

دہلوی رحمہ اللہ شرح تراجم بخاری میں لکھتے ہیں کہ سنت بمعنی استنان ہے، یعنی طریقہ جاری ہونا۔ مطلب یہ ہے کہ اہل اسلام کے لیے عیدین کا کیا طریقہ جاری ہے۔

٩٥١ – حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: أَخْبَرَنِي زُبَيْدٌ قَالَ: سَمِعْتُ الشَّعْبِيَّ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَخْطُبُ فَقَالَ: «إِنَّ أَوَّلَ مَا نَبْدَأُ بِهِ فِي يَوْمِنَا هٰذَا أَنْ نُصَلِّيَ ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ. فَمَنْ فَعَلَ فَقَدْ أَصَابَ سُنَّتَنَا». [انظر: ٩٥٩، ٩٦٥، ٩٦٨، ٩٧٦، ٩٨٣، ٥٥٤٥، ٥٥٦٠، ٥٥٦٣، ٦٦٧٣]

[951] حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا آپ نے فرمایا: ''سب سے پہلی چیز جس سے ہم آج کے دن کا آغاز کریں وہ ہمارا نماز پڑھنا ہے، پھر گھر واپس جا کر قربانی کرنا ہے، جس نے اس طرح کیا اس نے ہماری سنت کو پا لیا۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عیدین کے موقع پر سب سے پہلے نماز ادا کی جائے پھر قربانی کی جائے، حالانکہ قربانی کا تعلق عید الاضحیٰ سے ہے۔ اس کا جواب علامہ زین بن منیر نے بایں الفاظ دیا ہے کہ اس دن اصل کام تو نماز پڑھنا ہے اور خطبہ دینا، قربانی کرنا اور دیگر اذکار میں مصروف ہونا ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔ نماز کی ادائیگی دونوں عیدوں میں قدر مشترک ہے، اس لیے باب دونوں عیدوں کے بارے میں باندھا۔[1] ② امام بخاری رحمہ اللہ نے نماز عید کا طریقہ نہیں بتایا۔ ممکن ہے کہ جن احادیث میں طریقہ بیان ہوا ہے وہ آپ کی شرائط کے مطابق نہ ہوں، چنانچہ احادیث میں رسول اللہ ﷺ کے قولی اور عملی دونوں طریقے بیان ہوئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عید الفطر کی پہلی رکعت میں سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں کہی جائیں اور قراءت ان تکبیرات کے بعد کی جائے۔[2] نیز حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز عیدین کی پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں قراءت سے پہلے پانچ تکبیریں کہیں۔[3] نیز احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عیدین کی نماز میں ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ اور ﴿هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ﴾ کی قراءت کرتے تھے۔[4] بعض اوقات رسول اللہ ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز میں ﴿قٓ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ﴾ اور ﴿اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ﴾ کی قراءت فرماتے تھے۔[5] ایک روایت میں ہے کہ ہر دو تکبیروں کے درمیان ایک کلمے کی مقدار کے برابر فاصلہ ہونا چاہیے۔[6] لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔

٩٥٢ – حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: دَخَلَ أَبُو بَكْرٍ وَعِنْدِي

[952] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ میرے پاس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس وقت تشریف لائے جب انصار کی دو بچیاں وہ شعر گا رہی تھیں

1 فتح الباري 575/2. 2 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 1151. 3 جامع الترمذي، العيدين، حديث: 536.
4 صحيح مسلم، الجمعة، حديث: 2028 (878). 5 صحيح مسلم، صلاة العيدين، حديث: 2059 (891). 6 مجمع الزوائد: 205/2.

جَارِيَتَانِ مِنْ جَوَارِي الْأَنْصَارِ تُغَنِّيَانِ بِمَا تَقَاوَلَتِ الْأَنْصَارُ يَوْمَ بُعَاثَ، قَالَتْ: وَلَيْسَتَا بِمُغَنِّيَتَيْنِ. فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: أَبِمَزَامِيرِ الشَّيْطَانِ فِي بَيْتِ رَسُولِ اللهِ ﷺ؟ وَذَلِكَ فِي يَوْمِ عِيدٍ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَا أَبَا بَكْرٍ! إِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيدًا، وَهٰذَا عِيدُنَا» [راجع ٩٤٩]

جو انصار نے جنگ بعاث کے موقع پر ایک دوسرے کے متعلق پڑھے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے وضاحت کی کہ وہ بچیاں معروف گلوکارائیں نہ تھیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر فرمایا: یہ شیطانی ساز، رسول اللہ ﷺ کے گھر میں موجود ہیں، باعث تعجب ہے۔ یہ واقعہ عید کے دن کا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابوبکر! ہر قوم کے لیے عید ہوتی ہے (جس دن وہ خوشیاں مناتے ہیں) یہ ہمارا عید کا دن ہے (اس لیے انھیں خوشیاں منا لینے دو)۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل اسلام کی عید میں جائز قسم کے کھیل تماشے مباح ہیں لیکن اس سے پہلے نماز ادا کی جائے اور خود کو عبادت میں مصروف رکھا جائے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ بچیوں کو گانا وغیرہ اس وقت جائز ہے جب اس میں کوئی ہیجان انگیز اشعار نہ ہوں اور اجتماع مخلوط نہ ہو، نیز آلات محرمہ نہ ہوں اور نہ کسی عبادت ہی کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو۔ اس کے متعلق ہم تفصیلی نوٹ قبل ازیں لکھ چکے ہیں۔ بہرحال امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ عید کے دن تمام مسلمانوں کے لیے سب کھیل تماشے، دل بہلانے کے طریقے، خوشی منانے کے انداز جائز ہیں بشرطیکہ ان میں کوئی شرعی قباحت اور گناہ کا اندیشہ نہ ہو۔ ② اس مقام پر ایک اشکال ہے کہ اگر بچیوں کے اشعار پڑھنے جائز تھے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے شیطانی آوازیں کیوں قرار دیا؟ اور اگر ناجائز تھے تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں کیوں برقرار رکھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اشعار ممنوعہ گیتوں پر مشتمل نہ تھے بلکہ جنگی کارناموں پر مشتمل تھے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے انھیں برقرار رکھا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سدباب کے طور پر اپنے خیالات کا اظہار فرمایا کہ آئندہ لوگ اسے غیر مباح کاموں کے لیے بطور ذریعہ استعمال کریں گے۔

(٤) بَابُ الْأَكْلِ يَوْمَ الْفِطْرِ قَبْلَ الْخُرُوجِ

باب: 4- عید الفطر کے دن عیدگاہ میں جانے سے قبل کچھ کھانا

٩٥٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ: أَخْبَرَنَا سَعِيدُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ أَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَا يَغْدُو يَوْمَ الْفِطْرِ حَتَّى يَأْكُلَ تَمَرَاتٍ.

[953] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر کے دن جب تک چند کھجوریں تناول نہ فرما لیتے نماز کے لیے نہ جاتے تھے۔

وَقَالَ مُرَجَّى بْنُ رَجَاءٍ: حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي أَنَسٌ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَيَأْكُلُهُنَّ وِتْرًا.

حضرت انس ؓ ہی سے ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ طاق عدد میں کھجوریں کھاتے تھے۔

فوائد ومسائل: ① محدثین نے عیدالفطر کے موقع پر نماز سے پہلے کچھ کھانے کی علت اس طرح بیان کی ہے کہ جس اللہ نے حکم سے رمضان کے پورے مہینے میں کھانا پینا بند رہا آج جب اس کی طرف سے دن میں کھانے کا اذن ملا اور اس میں اس کی رضا اور خوشنودی معلوم ہوئی تو محتاج بندے کی طرح صبح ہوتے ہی اس کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کا اہتمام کیا جائے، پھر اس کے لیے رسول اللہ ﷺ کھجوروں کا انتخاب کرتے تھے کہ کھجور کا ایمان کے ساتھ گہرا تعلق ہے جیسا کہ قرآن کریم میں اس مناسبت کا ذکر ہے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ عیدالفطر کے موقع پر نماز سے پہلے تین، پانچ یا سات یا اس سے کم وبیش طاق مقدار میں کھجوریں استعمال کرتے تھے۔[1] ② طاق کے استعمال میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف اشارہ ہے۔ ③ اگر کھجور میسر نہ ہو تو شربت نوش کرنا بھی صحیح ہے۔ اگر گھر میں میسر نہ آئے تو راستے میں یا عیدگاہ پہنچ کر بھی کھا پی لے۔ بہرحال اس کا ترک ناپسندیدہ عمل ہے۔

(٥) بَابُ الْأَكْلِ يَوْمَ النَّحْرِ

باب: 5- عیدالاضحیٰ کے دن کھانے کا بیان

٩٥٤ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَلْيُعِدْ» فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ: هٰذَا يَوْمٌ يُشْتَهَى فِيهِ اللَّحْمُ، وَذَكَرَ مِنْ جِيرَانِهِ فَكَأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَدَّقَهُ، قَالَ: وَعِنْدِي جَذَعَةٌ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ شَاتَيْ لَحْمٍ، فَرَخَّصَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ، فَلَا أَدْرِي أَبَلَغَتِ الرُّخْصَةُ مَنْ سِوَاهُ أَمْ لَا. [انظر: ٩٨٤، ٥٥٤٦، ٥٥٤٩، ٥٥٦١]

[954] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے نماز عید سے پہلے قربانی کو ذبح کر لیا وہ دوبارہ قربانی کرے۔'' ایک شخص کھڑا ہو کر عرض کرنے لگا کہ آج کے دن گوشت کی بہت خواہش ہوتی ہے اور اس نے اپنے پڑوسیوں کا تذکرہ کیا، نبی ﷺ نے اس کی باتوں پر مہر تصدیق ثبت فرمائی۔ اس نے عرض کیا: میرے پاس ایک بکری کا بچہ ہے جو گوشت کی دو بکریوں سے مجھے زیادہ محبوب ہے۔ نبی ﷺ نے اسے ذبح کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ راوی کہتا ہے کہ اب مجھے پتہ نہیں کہ یہ اجازت اس کے علاوہ دوسرے لوگوں کو بھی ہے یا نہیں۔

فائدہ: ایک روایت کے مطابق اس شخص نے اپنے پڑوسیوں کی بھوک اور تنگ دستی کا ذکر کیا۔[2] بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ جب اس نے اپنے ہمسائے کی محتاجی کا ذکر کیا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے معذور خیال فرمایا۔[3] دیگر روایات میں

1 فتح الباري: 2/ 577، 578. 2 صحيح البخاري، العيدين، حديث: 984. 3 صحيح البخاري، الأضاحي، حديث: 5561.

صراحت ہے کہ وہ شخص ابو بردہ بن نیار تھے اور رسول اللہ ﷺ نے اسے قربانی کے لیے یک سالہ بکری کا بچہ ذبح کرنے کی اجازت دی اور فرمایا کہ یہ رخصت صرف تیرے لیے ہے، کسی دوسرے کو اس رخصت سے فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں۔[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان میں عیدالاضحیٰ کے دن کھانا تناول کرنے کو کسی وقت کے ساتھ مشروط نہیں کیا جیسا کہ عیدالفطر کے دن نماز سے پہلے کے ساتھ مقید کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک عیدالاضحیٰ کے دن کھانے کے متعلق کوئی پابندی نہیں، خواہ قربانی ذبح کرنے سے پہلے ہو یا بعد میں، چنانچہ مذکورہ حدیث میں ہے کہ جب اس شخص نے اپنی قربانی نماز سے پہلے ذبح کر ڈالی اور عرض کیا کہ اس دن گوشت کھانے کی ہر ایک کو چاہت ہوتی ہے تو آپ نے قبل از وقت قربانی ذبح کرنے پر تو انکار کیا لیکن نماز عید سے پہلے گوشت کھانے پر سکوت فرما کر اس عمل کو برقرار رکھا، شاید اس انداز سے امام بخاری رحمہ اللہ نے ان احادیث کے ضعف کی طرف اشارہ فرمایا ہے جن میں عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے موقع پر کھانے کے متعلق فرق کو ملحوظ رکھا گیا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ عیدالفطر کے دن اس وقت تک نہ نکلتے جب تک کچھ کھا نہ لیتے اور عیدالاضحیٰ میں اس وقت تک کچھ نہ کھاتے جب تک نماز نہ پڑھ لیتے۔[2] اس قسم کی دیگر احادیث کے متعلق بھی محدثین نے کلام کیا ہے۔[3] اگرچہ محدثین نے ان روایات پر کلام کیا ہے، تاہم راجح بات یہی ہے کہ یہ روایات صحیح اور حسن درجے کی ہیں جیسا کہ شیخ البانی رحمہ اللہ اور دیگر کئی محققین نے اس کی صراحت کی ہے، اس لیے عیدالاضحیٰ کے روز عید کی نماز سے پہلے کچھ نہ کھانا ہی سنت ہے۔

٩٥٥ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ: خَطَبَنَا النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ الْأَضْحَى بَعْدَ الصَّلَاةِ، فَقَالَ: «مَنْ صَلَّى صَلَاتَنَا وَنَسَكَ نُسُكَنَا فَقَدْ أَصَابَ النُّسُكَ، وَمَنْ نَسَكَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَإِنَّهُ قَبْلَ الصَّلَاةِ وَلَا نُسُكَ لَهُ». فَقَالَ أَبُو بُرْدَةَ بْنُ نِيَارٍ خَالُ الْبَرَاءِ: يَا رَسُولَ اللهِ فَإِنِّي نَسَكْتُ شَاتِي قَبْلَ الصَّلَاةِ وَعَرَفْتُ أَنَّ الْيَوْمَ يَوْمُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ، وَأَحْبَبْتُ أَنْ تَكُونَ شَاتِي أَوَّلَ شَاةٍ تُذْبَحُ فِي بَيْتِي، فَذَبَحْتُ شَاتِي وَتَغَدَّيْتُ قَبْلَ أَنْ آتِيَ الصَّلَاةَ. قَالَ: «شَاتُكَ شَاةُ لَحْمٍ». فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ فَإِنَّ عِنْدَنَا عَنَاقًا لَنَا جَذَعَةً هِيَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ شَاتَيْنِ،

[955] حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے عیدالاضحیٰ کے دن نماز کے بعد ہمارے سامنے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ”جو شخص ہمارے جیسی نماز پڑھے اور ہمارے جیسی قربانی کرے تو اس کا فریضہ پورا ہو گیا اور جس نے نماز سے قبل قربانی کی تو وہ نماز سے پہلے ہونے کی بنا پر قربانی نہیں ہے۔“ اس پر حضرت براء رضی اللہ عنہ کے ماموں ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میں نے اپنی بکری نماز سے پہلے ہی ذبح کر دی ہے کیونکہ میرے علم میں تھا کہ آج کھانے پینے کا دن ہے، اس لیے میری خواہش تھی کہ سب سے پہلے میرے ہی گھر میں بکری ذبح کی جائے، اس بنا پر میں نے اپنی بکری ذبح کر دی اور نماز کے لیے آنے سے قبل کچھ ناشتہ بھی کر لیا۔ آپ نے فرمایا: ”تمھاری بکری تو صرف

[1] صحيح البخاري، الأضاحي، حديث: 5560. [2] جامع الترمذي، العيدين، حديث: 542. [3] فتح الباري: 578/2.

أَفَتَجْزِي عَنِّي؟ قَالَ: «نَعَمْ، وَلَنْ تَجْزِيَ عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ». [راجع: ۹۵۱]

گوشت کی بکری ٹھہری (قربانی نہیں ہے)۔" انھوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہمارے پاس بھیڑ کا ایک سالہ بچہ ہے جو مجھے دو بکریوں سے زیادہ عزیز ہے کیا وہ میرے لیے کافی ہو جائے گا؟ آپ نے فرمایا: "ہاں! لیکن تمھارے علاوہ کسی دوسرے کو کافی نہ ہوگا۔"

فوائد و مسائل: ① اس سے پہلی حدیث میں قبل از وقت ذبح کی گئی قربانی کو کھانے کا ذکر نہیں تھا جبکہ اس روایت میں اس سے ناشتہ کرنے کی صراحت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے صرف قربانی کے متعلق فرمایا کہ یہ غیر معتبر ہے کیونکہ یہ قبل از وقت کی گئی ہے لیکن اسے تناول کرنے پر کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا۔ اسی خاموشی سے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ عیدالاضحیٰ کے دن کھانے پینے کے متعلق کوئی پابندی نہیں ہے، اگرچہ حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ سے یہ عمل محض عدم علم کی بنا پر ہوا لیکن آپ نے اسے برقرار رکھا، البتہ قابل اصلاح عمل کی اصلاح فرما دی کہ قربانی دوبارہ کی جائے۔ ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دین کسی کے پاکیزہ جذبات کا نام نہیں بلکہ اس کے لیے منزل من اللہ ہونا ضروری ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ شرح تراجم بخاری میں لکھتے ہیں کہ عنوان کا ثبوت اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صرف قربانی دوبارہ ذبح کرنے کا حکم دیا جو اس بات کے جائز ہونے کا ثبوت ہے کہ ذبح شدہ جانور کو پکا کر کھایا جا سکتا ہے۔ لوگ عید سے پہلے کھانا جائز نہیں سمجھتے تھے، آپ نے نماز سے پہلے کھانے پر سکوت فرمایا گویا اس کے جواز کو برقرار رکھا۔ علامہ عینی نے امام بخاری رحمہ اللہ کے استدلال کی بایں الفاظ وضاحت کی ہے کہ حضرت ابو بردہ بن نیار نے رسول اللہ ﷺ کے حضور عرض کیا کہ عید کا دن کھانے پینے کا دن ہے، نیز انھوں نے کہا کہ میں نے قبل از نماز ناشتہ بھی کر لیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس عمل پر اسے کوئی ملامت نہیں فرمائی۔ اس سے پتہ چلا کہ نماز سے پہلے کھانا یا ناشتہ کرنا قابل ملامت نہیں ہے۔[1]

(٦) بَابُ الْخُرُوجِ إِلَى الْمُصَلَّى بِغَيْرِ مِنْبَرٍ

باب: 6- عیدگاہ میں منبر کے بغیر جانا

وضاحت: اس عنوان سے امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مروان نے عیدگاہ میں منبر لے جانے کا حکم دیا اور نماز سے پہلے خطبہ دینا شروع کیا تو ایک آدمی کھڑا ہوا اور کہنے لگا: اے مروان! تو نے خلاف سنت کام کیا ہے۔[2]

٩٥٦ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ، عَنْ عِيَاضِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي سَرْحٍ، عَنْ أَبِي

[956] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے دن عیدگاہ تشریف لے جاتے تو پہلے جو کام کرتے وہ نماز

1 عمدة القاري: 166/5۔ 2 سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، حديث: 1275۔

سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَالأَضْحَى إِلَى الْمُصَلَّى، فَأَوَّلُ شَيْءٍ يَبْدَأُ بِهِ الصَّلَاةُ، ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَيَقُومُ مُقَابِلَ النَّاسِ، وَالنَّاسُ جُلُوسٌ عَلَى صُفُوفِهِمْ فَيَعِظُهُمْ وَيُوصِيهِمْ وَيَأْمُرُهُمْ، فَإِنْ كَانَ يُرِيدُ أَنْ يَقْطَعَ بَعْثًا قَطَعَهُ، أَوْ يَأْمُرَ بِشَيْءٍ أَمَرَ بِهِ ثُمَّ يَنْصَرِفُ. فَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ: فَلَمْ يَزَلِ النَّاسُ عَلَى ذَلِكَ حَتَّى خَرَجْتُ مَعَ مَرْوَانَ وَهُوَ أَمِيرُ الْمَدِينَةِ فِي أَضْحًى أَوْ فِطْرٍ، فَلَمَّا أَتَيْنَا الْمُصَلَّى إِذَا مِنْبَرٌ بَنَاهُ كَثِيرُ بْنُ الصَّلْتِ، فَإِذَا مَرْوَانُ يُرِيدُ أَنْ يَرْتَقِيَهُ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ فَجَبَذْتُهُ بِثَوْبِهِ فَجَبَذَنِي، فَارْتَفَعَ فَخَطَبَ قَبْلَ الصَّلَاةِ، فَقُلْتُ لَهُ: غَيَّرْتُمْ وَاللهِ، فَقَالَ: أَبَا سَعِيدٍ! قَدْ ذَهَبَ مَا تَعْلَمُ، فَقُلْتُ: مَا أَعْلَمُ خَيْرٌ وَاللهِ مِمَّا لَا أَعْلَمُ، فَقَالَ: إِنَّ النَّاسَ لَمْ يَكُونُوا يَجْلِسُونَ لَنَا بَعْدَ الصَّلَاةِ فَجَعَلْتُهَا قَبْلَ الصَّلَاةِ.

[راجع: ۳۰۴]

ہوتی۔ اس سے فراغت کے بعد آپ لوگوں کے سامنے کھڑے ہوتے۔ لوگ اپنی صفوں میں بیٹھے رہتے۔ تب آپ انھیں نصیحت وتلقین کرتے اور اچھی باتوں کا حکم دیتے۔ پھر اگر آپ کوئی لشکر بھیجنا چاہتے تو اسے تیار کرتے یا جس کام کا حکم کرنا چاہتے اس کا حکم دے دیتے۔ اس کے بعد گھر لوٹ آتے۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد بھی لوگ ایسا ہی کرتے رہے یہاں تک کہ میں ایک دفعہ مروان کے ہمراہ عید الفطر یا عید الاضحیٰ پڑھنے گیا۔ وہ ان دنوں مدینے کا گورنر تھا۔ جب ہم عید گاہ پہنچے تو ایک منبر وہاں رکھا ہوا تھا جسے کثیر بن صلت نے تیار کیا تھا۔ مروان نے چاہا کہ اچانک نماز پڑھنے سے قبل اس پر چڑھے چنانچہ میں نے اس کا کپڑا پکڑ کر کھینچا لیکن اس نے مجھے جھٹک دیا۔ پھر وہ منبر پر چڑھ گیا، بعد ازاں اس نے نماز سے پہلے خطبہ دیا تو میں نے اس سے کہا: اللہ کی قسم! تم لوگوں نے سنت نبوی کو بدل دیا ہے۔ اس نے جواب دیا: ابو سعید! وہ بات جاتی رہی جو تم جانتے ہو۔ میں نے جواباً کہا: اللہ کی قسم! جو میں جانتا ہوں وہ اس سے کہیں بہتر ہے جسے میں نہیں جانتا۔ اس پر مروان گویا ہوا: بات دراصل یہ ہے کہ لوگ ہمارے خطبے کے لیے نماز کے بعد بیٹھتے نہیں، لہٰذا میں نے خطبے کو نماز سے پہلے کر دیا۔

فوائد ومسائل: ① سنت یہی ہے کہ عید گاہ میں خطبۂ عید کے لیے منبر استعمال نہ کیا جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا خطبۂ عید کے متعلق یہی معمول تھا۔ کھلی جگہ میں اس کی ضرورت بھی نہیں کیونکہ ایسی جگہ میں امام کو خطبہ دیتے ہوئے ہر کوئی دیکھ سکتا ہے جبکہ مسجد میں منبر کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ جگہ تنگ ہونے کی بنا پر تمام سامعین خطیب کو نہیں دیکھ سکتے، اس لیے مسجد میں خطبے کے لیے منبر کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اس روایت سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں خطبۂ عید کے لیے منبر کا اہتمام نہیں کیا جاتا تھا کیونکہ آپ نماز کی ادائیگی کے بعد رخ پھیر کر لوگوں کے بالمقابل کھڑے ہو جاتے تھے۔ ابن حبان کی روایت میں ہے کہ آپ نماز پڑھنے کی جگہ میں کھڑے ہو جاتے، بلکہ ابن خزیمہ کی روایت میں ہے کہ نماز ادا کرنے کے بعد اپنی

اپنے پاؤں کے بل کھڑے ہوجاتے۔[1] ﴿ امام بخاری رحمہ اللہ کی پیش کردہ روایت میں یہ صراحت ہے کہ پہلا شخص جس نے عیدگاہ میں منبر کا اہتمام کیا، مروان بن حکم ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے پہلے خطبۂ عید کے لیے منبر استعمال نہیں ہوتا تھا، البتہ بخاری کی بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ خطبے سے فراغت کے بعد نیچے اترے اور خواتین کی طرف تشریف لے گئے۔[2] اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں "نیچے اترنے" کے الفاظ ملتے ہیں۔[3] ان روایات سے بعض حضرات نے عیدگاہ میں منبر کے اہتمام کا مسئلہ کشید کیا ہے۔ اس کا جواب حافظ ابن قیم نے بایں الفاظ دیا ہے کہ روایات کے مطابق سب سے پہلے عیدگاہ میں خطبۂ عید کے لیے منبر کا اہتمام مروان بن حکم نے کیا تھا، پھر وہاں مستقل طور پر پکی اینٹوں کا منبر بنا دیا گیا۔ پھر اکثر روایات میں نیچے اترنے کے الفاظ نہیں ہیں، ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ کسی اونچی جگہ پر کھڑے ہوں، پھر وہاں سے اتر کر خواتین کو خطبہ دینے کے لیے ان کے پاس گئے ہوں۔[4] البتہ صحیح ابن حبان میں صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی سواری پر خطبۂ عید ارشاد فرمایا۔[5] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی سواری وغیرہ پر بیٹھ کر خطبۂ عید مباح اور جائز ہے۔ واللہ أعلم۔

(٧) بَابُ الْمَشْيِ وَالرُّكُوبِ إِلَى الْعِيدِ وَالصَّلَاةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ وَبِغَيْرِ أَذَانٍ وَلَا إِقَامَةٍ

باب: 7- عید کے لیے پیدل یا سوار ہو کر جانا، خطبے سے پہلے نماز ادا کرنا اور اذان و اقامت کے بغیر نماز پڑھنا

وضاحت: یہ عنوان تین احکام پر مشتمل ہے: ٭ عیدگاہ میں کس طرح جانا چاہیے، پیدل یا سواری پر؟ ٭ خطبے سے پہلے نماز ادا کرنا۔ اس کے متعلق مستقل عنوان آئندہ آئے گا۔ ٭ نماز عید سے قبل اذان یا تکبیر نہیں ہونی چاہیے۔

٩٥٧ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي فِي الْأَضْحَى وَالْفِطْرِ ثُمَّ يَخْطُبُ بَعْدَ الصَّلَاةِ. [انظر: ٩٦٣]

[957] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر میں نماز پڑھتے تھے پھر نماز کے بعد خطبہ دیتے تھے۔

٩٥٨ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى قَالَ: أَخْبَرَنَا هِشَامٌ أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: سَمِعْتُهُ يَقُولُ: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ يَوْمَ الْفِطْرِ فَبَدَأَ

[958] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ عیدالفطر کے دن عیدگاہ کی طرف تشریف لے گئے اور خطبے سے پہلے نماز پڑھی۔

---

1 فتح الباري: 2/579. 2 صحيح البخاري، العيدين، حديث: 978. 3 صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4895.
4 زاد المعاد لابن قيم: 1/447. 5 صحيح ابن حبان، الصلاة، حديث: 2825.

بِالصَّلَاةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ. [التحفة: ٦٩٦٠، ١٩٧٨]

٩٥٩ - قَالَ: وَأَخْبَرَنِي عَطَاءٌ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ أَرْسَلَ إِلَى ابْنِ الزُّبَيْرِ فِي أَوَّلِ مَا بُويِعَ لَهُ: إِنَّهُ لَمْ يَكُنْ يُؤَذَّنُ بِالصَّلَاةِ يَوْمَ الْفِطْرِ، وَإِنَّمَا الْخُطْبَةُ بَعْدَ الصَّلَاةِ.

[959] عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی طرف پیغام بھیجا جبکہ ان کے لیے بیعت لی جا رہی تھی: آج عید الفطر کے دن نماز کے لیے اذان نہیں کہی جاتی تھی اور خطبہ نماز کے بعد ہوتا تھا۔

٩٦٠ - وَأَخْبَرَنِي عَطَاءٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَا: لَمْ يَكُنْ يُؤَذَّنُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَلَا يَوْمَ الْأَضْحٰى.

[960] حضرت عطاء سے روایت ہے، وہ حضرت ابن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم سے بیان کرتے ہیں، انھوں نے فرمایا کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن اذان نہیں دی جاتی تھی۔

٩٦١ - وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ. سَمِعْتُهُ يَقُولُ: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَامَ فَبَدَأَ بِالصَّلَاةِ، ثُمَّ خَطَبَ النَّاسَ بَعْدُ، فَلَمَّا فَرَغَ نَبِيُّ اللهِ ﷺ نَزَلَ فَأَتَى النِّسَاءَ فَذَكَّرَهُنَّ وَهُوَ يَتَوَكَّأُ عَلَى يَدِ بِلَالٍ، وَبِلَالٌ بَاسِطٌ ثَوْبَهُ يُلْقِي فِيهِ النِّسَاءُ صَدَقَةً.

[961] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ کھڑے ہوئے، پہلے نماز پڑھی پھر لوگوں کے سامنے خطبہ دیا۔ جب نبی ﷺ خطبے سے فارغ ہوئے تو اتر کر عورتوں کے پاس آئے اور انھیں نصیحت فرمائی جبکہ آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کا سہارا لیا ہوا تھا اور بلال اپنا کپڑا پھیلائے ہوئے تھے۔ عورتیں اس میں اپنے صدقات ڈال رہی تھیں۔

قُلْتُ لِعَطَاءٍ: أَتَرَى حَقًّا عَلَى الْإِمَامِ الْآنَ أَنْ يَأْتِيَ النِّسَاءَ فَيُذَكِّرَهُنَّ حِينَ يَفْرُغُ؟ قَالَ: إِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ عَلَيْهِمْ، وَمَا لَهُمْ أَنْ لَا يَفْعَلُوا؟ [راجع: ٩٥٨]

(راوی حدیث کہتے ہیں کہ) میں نے حضرت عطاء سے کہا: اب بھی آپ امام کے لیے ضروری سمجھتے ہیں کہ وہ نماز سے فارغ ہو کر عورتوں کے پاس آئے اور انھیں نصیحت کرے؟ انھوں نے جواب دیا کہ یہ ان کی ذمہ داری تو ہے لیکن اب انھیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری پوری نہیں کرتے۔

فوائد و مسائل: ① نماز عید کے لیے پیدل چل کر جانے کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے، آپ نے فرمایا کہ عیدگاہ کی جانب پیدل چل کر جانا سنت ہے۔[1] امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے پیش نظر لکھا ہے کہ اہل علم کی اکثریت عید کے لیے پیدل جانے کو پسند کرتی ہے، نیز ان کا کہنا ہے کہ کوئی بھی عذر کے بغیر سوار نہ ہو۔ لیکن امام بخاری رحمہ اللہ کے قائم کردہ عنوان اور پیش کردہ احادیث کے پیش نظر معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک عید کے لیے پیدل یا سوار ہو کر جانا دونوں

1. جامع الترمذي، العيدين، حديث: 530.

طرح جائز ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ شاید امام بخاری نے اس عنوان کو قائم کر کے نماز عید کے لیے پیدل جانے کے استحباب میں وارد روایات کے کمزور ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔[1] پیدل جانے کے استحباب کے لیے جو حدیث ترمذی کے حوالے سے پیش کی گئی ہے اس میں ایک راوی حارث اعور ہے جسے امام نووی نے بالاتفاق کذاب کہا ہے، اس بنا پر یہ حدیث قابل حجت نہیں ہے۔[2] امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں جو احادیث پیش کی ہیں ان میں پیدل یا سوار ہو کر جانے کی کوئی صراحت نہیں ہے۔ اس اطلاق کا تقاضا ہے کہ اس کے متعلق دونوں پہلو مساوی حیثیت رکھتے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ کا ایک اور احتمال بھی ذکر کیا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب عورتوں کو وعظ فرمایا تو انھوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کا سہارا لیا ہوا تھا، حالانکہ آپ نے پہلے کسی سہارے کے بغیر خطبہ دیا تھا، جب آپ کو تھکاوٹ محسوس ہوئی تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا سہارا لے لیا۔ اسی طرح بہتر ہے کہ عیدگاہ پیدل جائے، ہاں ضرورت کے پیش نظر سواری کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔[3] ❸ عید کی نماز پہلے پڑھی جائے یا خطبہ دیا جائے؟ اس کے متعلق ہم آئندہ بیان کریں گے، البتہ نماز عید کے لیے اذان یا اقامت نہیں کہنی چاہیے جیسا کہ ابن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث ترک اذان کے متعلق واضح ہیں، البتہ بعض دیگر روایات میں اقامت نہ کہنے کی بھی صراحت ہے، چنانچہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ایک یا دو مرتبہ نہیں بلکہ کئی مرتبہ نماز عید اذان اور اقامت کے بغیر پڑھی ہے۔[4] اگرچہ بعض فقہاء نے نماز عید کے لیے [الصلاة جامعة] کے الفاظ کہنے کی اجازت دی ہے لیکن ایسے الفاظ کہنے کی شرعاً اجازت نہیں ہے کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی بعض طرق میں ہے کہ نماز عید سے پہلے اذان، اقامت یا دوسرے کلمات سے اعلان کرنا صحیح نہیں۔[5] لہٰذا نماز عید کے لیے کسی قسم کے الفاظ سے اعلان کرنا صحیح نہیں۔ واللہ اعلم

(٨) بَابُ الْخُطْبَةِ بَعْدَ الْعِيدِ

باب:8- نماز عید کے بعد خطبہ دینا

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ کے دور سے پہلے سب و شتم پر مشتمل خطبات عید زبردستی سنانے کے لیے سرکاری سطح پر خطبۂ عید کو نماز عید سے پہلے کر دیا گیا تھا تاکہ حاضرین میں سے کوئی بھی اٹھ کر نہ جا سکے۔ اگرچہ اس وقت اس تحریک کو سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا اور کتاب و سنت کے حاملین نے اسے برملا خلاف سنت کہا، یہاں تک کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے خطبہ بعد از نماز کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے مستقل طور پر یہ عنوان قائم کیا ہے اور اس کے تحت متعدد احادیث ذکر کی ہیں تاکہ خلفائے بنو امیہ کے غلط تعامل سے پیدا شدہ غلط فہمی اچھی طرح دور ہو جائے۔

٩٦٢ - حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي الْحَسَنُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ

[962] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ میں نے نماز عید رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکر،

---

1 فتح الباري: 582/2. 2 نيل الأوطار: 325,324/3. 3 فتح الباري: 582/2. 4 صحيح مسلم، صلاة العيدين، حديث: 2051 (887). 5 فتح الباري: 583/2.

طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: شَهِدْتُ الْعِيدَ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ فَكُلُّهُمْ كَانُوا يُصَلُّونَ قَبْلَ الْخُطْبَةِ. [راجع: ۹۸]

حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ پڑھی ہے، یہ سب حضرات خطبے سے پہلے نماز عید پڑھتے تھے۔

٩٦٣ – حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يُصَلُّونَ الْعِيدَيْنِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ. [راجع: ۹۵۷]

[963] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما عیدین کی نماز خطبے سے پہلے پڑھتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① قبل ازیں حدیث میں بیان ہوا ہے کہ نماز عید سے قبل خطبہ دینے کا سلسلہ مروان بن حکم نے شروع کیا، جب حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے اسے ٹوکا تو اس نے کہا کہ لوگ ہمارا خطبہ سننے کے لیے بیٹھتے نہیں، اس لیے میں نے اسے نماز سے پہلے کر دیا ہے۔[1] ایک دوسری حدیث میں ہے کہ مروان نے سب سے پہلے قبل از نماز خطبہ دینے کا اہتمام کیا، چنانچہ ایک دفعہ کسی شخص نے اسے کہا کہ خطبے سے پہلے نماز کا اہتمام ہونا چاہیے۔ مروان نے جواب دیا کہ اب یہ طریقہ متروک ہو چکا ہے۔ اس پر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بلاشبہ اس شخص نے اپنی ذمہ داری ادا کر دی ہے۔[2] امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ دونوں احادیث سے ثابت کیا ہے کہ نماز عید خطبے سے پہلے ہے۔ حالات کی تبدیلی سے اس سنت کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ ② شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ شرح تراجم بخاری میں لکھتے ہیں کہ نماز عید کے بعد خطبہ دینا ہی رسول اللہ ﷺ کی سنت اور خلفائے راشدین کا معمول ہے۔ جمعہ پر قیاس کرتے ہوئے نماز عید سے پہلے خطبہ پڑھنا بدعت ہے۔ اس کی ابتدا مروان سے ہوئی تھی۔ الحمد للہ اب یہ بدعت اپنے انجام کو پہنچ چکی ہے۔

٩٦٤ – حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى يَوْمَ الْفِطْرِ رَكْعَتَيْنِ لَمْ يُصَلِّ قَبْلَهَا وَلَا بَعْدَهَا، ثُمَّ أَتَى النِّسَاءَ وَمَعَهُ بِلَالٌ فَأَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ فَجَعَلْنَ يُلْقِينَ، تُلْقِي الْمَرْأَةُ خُرْصَهَا وَسِخَابَهَا. [راجع: ۹۸]

[964] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے عید الفطر کے دن دو رکعت نماز پڑھی، اس سے پہلے اور اس کے بعد کوئی نماز ادا نہ کی، پھر عورتوں کی طرف تشریف لائے اور آپ کے ہمراہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے۔ عورتوں کو آپ نے صدقہ کرنے کا حکم دیا تو وہ خیرات ڈالنے لگیں حتی کہ عورتیں اپنی بالیاں اور ہار تک ڈالنے لگیں۔

---

1 صحيح البخاري، العيدين، حديث: 956. 2 سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، حديث: 1275.

فوائد ومسائل: ① اس حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے نماز عید پڑھنے کے بعد عورتوں کو صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ آپ کا انھیں وعظ کرنا خطبۂ عید کا نتیجہ تھا جیسا کہ حدیث جابر ؓ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلے نماز پڑھی، پھر لوگوں کے سامنے خطبہ دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ خطبے سے فارغ ہوئے تو اتر کر عورتوں کے پاس آئے اور انھیں نصیحت فرمائی۔[1] ② یہ بھی ممکن ہے کہ امام بخاری ؒ نے اس حدیث کو محض "فائدہ جدیدہ" کے طور پر ذکر کیا ہو کیونکہ اس حدیث کا عیدین کی نماز سے گہرا تعلق ہے۔[2]

٩٦٥ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا زُبَيْدٌ قَالَ: سَمِعْتُ الشَّعْبِيَّ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّ أَوَّلَ مَا نَبْدَأُ فِي يَوْمِنَا هٰذَا أَنْ نُصَلِّيَ ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ، فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ أَصَابَ سُنَّتَنَا، وَمَنْ نَحَرَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَإِنَّمَا هُوَ لَحْمٌ قَدَّمَهُ لِأَهْلِهِ لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِي شَيْءٍ». فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ يُقَالُ لَهُ أَبُو بُرْدَةَ بْنُ نِيَارٍ: يَا رَسُولَ اللهِ! ذَبَحْتُ وَعِنْدِي جَذَعَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّسِنَّةٍ. فَقَالَ: «اجْعَلْهُ مَكَانَهُ وَلَنْ تُوفِيَ أَوْ تَجْزِيَ عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ».
[راجع: ٩٥١]

[965] حضرت براء بن عازب ؓ سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "سب سے پہلی چیز جس سے ہم آج کے دن کا آغاز کریں وہ یہ ہے کہ ہم نماز پڑھیں، پھر گھروں کو واپس ہوں اور قربانی کریں۔ جس نے ایسا کیا اس نے ہماری سنت کو پالیا اور جس نے نماز سے پہلے قربانی ذبح کی تو وہ صرف گوشت ہے جو اس نے اپنے گھر والوں کے لیے تیار کیا، قربانی نہیں ہے۔" انصار کے ایک آدمی نے کہا جسے ابوبردہ بن نیار کہا جاتا تھا: اللہ کے رسول! میں تو قربانی کا جانور ذبح کر چکا ہوں، اب میرے پاس یک سالہ بکری کا ایک بچہ ہے جو دو دانتے سے بہتر ہے۔ آپ نے فرمایا: "اسے اس کی جگہ ذبح کر دو مگر تمھارے بعد کسی دوسرے کے لیے کافی نہیں ہوگا۔"

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ ہدایات نماز سے قبل ارشاد فرمائیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے نماز سے پہلے خطبہ دیا ہوگا، چنانچہ بقول ابن بطال امام نسائی ؒ نے اس حدیث پر بایں الفاظ عنوان قائم کیا ہے: [صلاة العيدين قبل الخطبة] "نماز سے پہلے خطبہ دینا" حالانکہ حقیقت حال اس کے برعکس ہے کیونکہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلے نماز پڑھی پھر خطبہ دیتے ہوئے مذکورہ الفاظ ارشاد فرمائے کہ عید کے دن پہلا کام نماز ادا کرنا ہے۔ عرب کے ہاں یہ اسلوب عام ہے کہ ماضی کی جگہ فعل مستقبل کو استعمال کر لیتے ہیں۔ اس موقف کی تائید ایک روایت سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ عیدالاضحیٰ کے دن بقیع (عیدگاہ) کی طرف گئے، دو رکعت نماز عید ادا کی، پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اس دن ہماری پہلی عبادت یہ ہے کہ ہم نماز پڑھیں، پھر گھر لوٹ کر قربانی کریں۔[3] اس روایت میں صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ الفاظ خطبے میں ارشاد فرمائے تھے۔ ② حضرت براء بن عازب ؓ سے روایت

[1] صحيح البخاري، العيدين، حديث: 961. [2] فتح الباري: 585/2. [3] صحيح البخاري، العيدين، حديث: 976.

ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عید الاضحیٰ کے دن نماز کے بعد ہمیں خطبہ دیا کہ جو شخص ہمارے جیسی نماز پڑھے اور ہمارے جیسی قربانی کرے تو اس کا فریضہ پورا ہو گیا۔[1] ان حقائق کی روشنی میں اس حدیث سے تقدیم خطبہ کا مسئلہ کشید کرنا محل نظر ہے۔[2]

(٩) بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنْ حَمْلِ السِّلَاحِ فِي الْعِيدِ وَالْحَرَمِ

باب: 9- عیدین اور حرم پاک میں ہتھیار اٹھانا مکروہ ہے

وَقَالَ الْحَسَنُ: نُهُوا أَنْ يَحْمِلُوا السِّلَاحَ يَوْمَ عِيدٍ إِلَّا أَنْ يَخَافُوا عَدُوًّا.

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کو عید کے دن ہتھیار اٹھانے سے روک دیا گیا، ہاں! اگر دشمن کا خطرہ ہو تو اجازت ہے۔

وضاحت: اس سے قبل امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک عنوان بایں الفاظ قائم کیا تھا: [باب الحراب والدرق يوم العيد] ”عیدین کے دن برچھیوں اور ڈھالوں سے کھیلنا“ بظاہر دونوں عنوانات میں تعارض ہے کیونکہ قبل ازیں عنوان سے ہتھیار (اسلحہ) کا استعمال جائز اور مستحب معلوم ہوتا ہے جبکہ اس عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ عیدین کے موقع پر ہتھیار اٹھانا مکروہ ہیں۔ ان دونوں میں تطبیق کی یہ صورت ہے کہ پہلی صورت جہادی مشق پر محمول ہے بشرطیکہ کسی کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو جبکہ دوسری صورت تکبر اور فتنہ انگیزی کے طور پر ہتھیار اٹھانے پر محمول ہے بالخصوص جبکہ تنگ راستوں پر لوگوں کی بھیڑ ہو تو ہتھیار اٹھانے کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ حضرت حسن بصری کا مذکورہ اثر متصل سند سے نہیں ملا، البتہ امام ابن منذر نے حضرت حسن سے اس سے ملتے جلتے الفاظ نقل کیے ہیں۔[1]

٩٦٦ - حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ يَحْيَى أَبُو السُّكَيْنِ قَالَ: حَدَّثَنَا الْمُحَارِبِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُوقَةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ: كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ حِينَ أَصَابَهُ سِنَانُ الرُّمْحِ فِي أَخْمَصِ قَدَمِهِ فَلَزِقَتْ قَدَمُهُ بِالرِّكَابِ، فَنَزَلْتُ فَنَزَعْتُهَا وَذَلِكَ بِمِنًى، فَبَلَغَ الْحَجَّاجَ فَجَعَلَ يَعُودُهُ فَقَالَ الْحَجَّاجُ: لَوْ نَعْلَمُ مَنْ أَصَابَكَ، فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: أَنْتَ أَصَبْتَنِي، قَالَ: وَكَيْفَ؟ قَالَ: حَمَلْتَ السِّلَاحَ فِي يَوْمٍ لَمْ يَكُنْ يُحْمَلُ فِيهِ، وَأَدْخَلْتَ السِّلَاحَ الْحَرَمَ، وَلَمْ يَكُنِ السِّلَاحُ

[966] حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ہمراہ تھا جب ان کے پاؤں کے تلوے میں نیزے کی نوک چبھ گئی اور ان کا پاؤں رکاب سے چمٹ گیا، چنانچہ میں نیچے اترا اور اسے پاؤں سے نکالا۔ یہ واقعہ منیٰ میں ہوا تھا۔ حجاج بن یوسف کو جب اس کی اطلاع ملی تو وہ آپ کی عیادت کے لیے آیا اور کہنے لگا: کاش! ہمیں معلوم ہو جائے کہ کس نے آپ کو یہ تکلیف پہنچائی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ تو نے خود ہی مجھے یہ تکلیف پہنچائی ہے۔ اس نے کہا: ایسا کیونکر ہو سکتا ہے؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ تو

---

1 صحیح الطحاوي بعلاسين، حديث: 855. 2 فتح الباري: 2/588. 1 فتح الباري: 2/588.

يَا دْخَالِ الْحَرَمِ . [انظر: ٩٦٦]

نے ہی اس دن ہتھیار اٹھائے جس دن ہتھیار نہیں اٹھائے جاتے اور تو نے ہی حرم میں ہتھیار داخل کیے۔ حالانکہ حرم میں ہتھیار نہیں لائے جاتے۔

٩٦٧ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يَعْقُوبَ قَالَ: حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِي، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: دَخَلَ الْحَجَّاجُ عَلَى ابْنِ عُمَرَ وَأَنَا عِنْدَهُ، فَقَالَ: كَيْفَ هُوَ؟ فَقَالَ: صَالِحٌ، قَالَ: مَنْ أَصَابَكَ؟ قَالَ: أَصَابَنِي مَنْ أَمَرَ بِحَمْلِ السِّلَاحِ فِي يَوْمٍ لَا يَحِلُّ فِيهِ حَمْلُهُ، يَعْنِي الْحَجَّاجَ . [راجع: ٩٦٦]

[967] حضرت سعید بن عمرو سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ حجاج، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت میں بھی آپ کے پاس تھا۔ اس نے آپ کا حال پوچھا تو آپ نے فرمایا: ٹھیک ہوں۔ اس نے پوچھا کہ آپ کو یہ تکلیف کس نے پہنچائی ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ مجھے اس شخص نے تکلیف پہنچائی ہے جس نے ایسے دن میں ہتھیار اٹھانے کی اجازت دی جس دن ہتھیار اٹھانا جائز نہ تھا۔ انھوں نے اس سے حجاج کو مراد لیا۔

فوائد و مسائل: ① عید کے دن اور حرم پاک میں ہتھیار اٹھانے کی نفی مطلق اور مقید دونوں طرح احادیث میں آئی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عید کے دن ہتھیار اٹھا کر جانے سے منع فرمایا ہے، نیز حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں ہتھیار اٹھانے سے منع کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عیدین کے موقع پر ہتھیار لگا کر نکلنے سے منع فرمایا ہے، ہاں اگر دشمن سامنے ہو تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔[1] ② اس واقعے کا پس منظر یہ ہے کہ عبدالملک بن مروان نے حجاج بن یوسف کو لکھا کہ کسی معاملے میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مخالفت نہ کرنا۔ یہ پابندی اس کے لیے بہت گراں گزری تو اس نے ایک آدمی کو زہر آلود نیزہ دے کر آپ کا کام تمام کرنے پر مامور کیا۔ اس شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاؤں میں نیزہ چبھو دیا۔ چند دن کے بعد آپ کی وفات ہو گئی۔ پہلی حدیث میں صراحت کے ساتھ حجاج بن یوسف کو "مجرم" ٹھہرایا گیا جبکہ دوسری روایت میں اشارے کے ساتھ اس کی طرف جرم کی نسبت کی گئی۔ ایک تیسری روایت کے مطابق حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کے متعلق گفتگو کرنا بھی گوارا نہ کیا۔ ان تمام روایات کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق حجاج نے جو منصوبہ سازی کی تو خود بار بار تیمارداری کرنے کے لیے حاضر ہوا، چنانچہ پہلی مرتبہ تو خود اسے مجرم ٹھہرایا گیا، پھر اس کی طرف اشارہ کیا، تیسری مرتبہ اسے نظر انداز کر کے اس سے گفتگو کرنا بھی گوارا نہ فرمائی۔ ان دونوں احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حجاج بن یوسف نے حرم پاک اور عید کے دنوں میں ہتھیار اٹھانے کی اجازت دے رکھی تھی جس کی شرعاً اجازت نہ تھی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ عیدین اور حرم پاک میں ہتھیار اٹھانا جائز نہیں۔[2]

---

[1] فتح الباري: 588/2. [2] فتح الباري: 587/2.

(١٠) بَابُ التَّبْكِيرِ لِلْعِيدِ

باب:10- نماز عید کے لیے صبح سویرے جانا

وَقَالَ عَبْدُاللهِ بْنُ بُسْرٍ: إِنْ كُنَّا فَرَغْنَا فِي هٰذِهِ السَّاعَةِ وَذٰلِكَ حِينَ التَّسْبِيحِ.

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم تو اس وقت نماز عید سے فارغ ہو جاتے تھے۔ آپ نے یہ بات بوقت چاشت فرمائی جس وقت نفل پڑھنا جائز ہوتا ہے۔

وضاحت: اس معلق روایت کو امام ابوداود رحمہ اللہ نے اپنی متصل سند کے ساتھ ذرا تفصیل سے بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ جب لوگوں کے ہمراہ نماز عید پڑھنے گئے تو امام نے نماز عید پڑھانے میں دیر کر دی۔ آپ نے اس تاخیر کا شدت سے انکار کرتے ہوئے فرمایا: ہم تو عہد نبوی میں اس وقت نماز عید سے فارغ ہو جاتے تھے۔ اس وقت چاشت کا وقت تھا۔[1] طبرانی میں ہے: یہ اشراق کا وقت تھا۔[2]

٩٦٨ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ زُبَيْدٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ: خَطَبَنَا النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ النَّحْرِ فَقَالَ: «إِنَّ أَوَّلَ مَا نَبْدَأُ بِهِ فِي يَوْمِنَا هٰذَا: أَنْ نُصَلِّيَ ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ، فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ أَصَابَ سُنَّتَنَا، وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ فَإِنَّمَا هُوَ لَحْمٌ عَجَّلَهُ لِأَهْلِهِ لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِي شَيْءٍ». فَقَامَ خَالِي أَبُو بُرْدَةَ بْنُ نِيَارٍ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنِّي ذَبَحْتُ قَبْلَ أَنْ أُصَلِّيَ وَعِنْدِي جَذَعَةٌ خَيْرٌ مِنْ مُسِنَّةٍ، قَالَ: «اجْعَلْهَا مَكَانَهَا». أَوْ قَالَ: «اذْبَحْهَا وَلَنْ تَجْزِيَ جَذَعَةٌ عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ». [راجع: ٩٥١]

[968] حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے قربانی کے دن ہمیں خطبہ دیا تو فرمایا: "سب سے پہلے ہم جس کام سے اس دن کا آغاز کرتے ہیں: وہ نماز پڑھنا ہے، پھر واپس جا کر قربانی کرنا۔ جس نے ایسا کیا اس نے ہماری سنت کو پالیا اور جس نے نماز سے پہلے قربانی ذبح کر دی تو وہ گوشت ہے جو اس نے اپنے گھر والوں کے لیے جلدی تیار کر لیا ہے، قربانی نہیں ہے۔" میرے ماموں حضرت ابوبردہ بن نیار کھڑے ہوئے اور کہا: اللہ کے رسول! میں نے اپنی قربانی کو قبل از نماز ذبح کر دیا ہے اور میرے پاس بکری کا یک سالہ بچہ ہے جو دو دانتے سے بہتر ہے۔ آپ نے فرمایا: "اسے پہلے کی جگہ پر کر دے ..... یا فرمایا: اس کی جگہ ذبح کر دے لیکن تیرے بعد کسی دوسرے کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں ہوگا۔"

فوائد و مسائل: ① حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس دن کے آغاز میں صرف نماز کی تیاری ہو گی اور چیز میں معروف نہیں ہونا چاہیے۔ تیاری کے بعد نماز پڑھنے کے لیے جلدی روانہ ہونا چاہیے۔ یہ اہتمام اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ نماز عید کے لیے جلدی کی جائے۔ دوسری معروفیات کی بنا پر اس میں تاخیر نہ کی جائے۔[3] ② ان احادیث کا تقاضا ہے کہ نماز عید طلوع

---

[1] سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 1135. [2] عمدة القاري: 181/5. [3] فتح الباري: 2/566.

آفتاب سے پہلے نہیں پڑھی جاسکتی اور نہ عین طلوع کے وقت اسے پڑھنا چاہیے کیونکہ یہ کراہت کے اوقات ہیں۔ طلوع آفتاب کے بعد جب نوافل پڑھنے کا وقت ہوتا ہے تو نماز عید کے وقت کا آغاز ہو جاتا ہے۔ شارح بخاری ابن بطال رحمہ اللہ نے اس پر فقہاء کا اجماع نقل کیا ہے۔ ③ نماز عید کا آخری وقت زوال آفتاب ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک مرتبہ زوال آفتاب کے بعد چاند نظر آنے کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا: ''تمام لوگ کل صبح نماز عید پڑھنے کے لیے عیدگاہ پہنچیں۔''[1] اگر اس وقت نماز عید پڑھنے کی گنجائش ہوتی تو آپ اسے اگلے دن تک مؤخر نہ کرتے۔ اس کا واضح نتیجہ یہ ہے کہ نماز عید کا آخری وقت زوال آفتاب ہے۔ نماز عید کے متعلق صحابہ و تابعین کا طرز عمل حسب ذیل ہے: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نماز فجر پڑھتے، پھر اسی حالت میں عیدگاہ چلے جاتے۔ حضرت سعید بن مسیب کا بھی یہی طرز عمل تھا۔ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ اپنے بیٹوں سمیت کپڑے وغیرہ پہن کر تیاری کر کے مسجد کی طرف چلے جاتے، نماز فجر پڑھ کر وہیں بیٹھے رہتے، جب آفتاب طلوع ہو جاتا تو چاشت کے دو نفل پڑھ کر عیدگاہ چلے جاتے۔ حضرت عروہ بن زبیر دن چڑھے عیدگاہ جاتے۔ حضرت امام مالک بھی عید پڑھنے کے لیے اپنے گھر سے دن چڑھے روانہ ہوتے تھے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب سورج خوب روشن ہو جائے تو عیدگاہ جانا چاہیے، البتہ عیدالاضحیٰ اس سے کچھ وقت پہلے پڑھ لی جائے۔[2] نماز عید کے متعلق ایک روایت بیان کی جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ عیدالفطر اس وقت پڑھتے تھے جب سورج دو نیزوں کے برابر بلند ہو جاتا اور نماز عیدالاضحیٰ اس وقت پڑھتے جب سورج ایک نیزے کے برابر ہو جاتا۔[3] لیکن اس کی سند میں معلی بن ہلال نامی راوی کذاب ہے، اس لیے یہ روایت قابل حجت نہیں۔[4]
④ ان روایات و آثار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عید پڑھنے کا وقت طلوع آفتاب کے بعد ہے اور وہ چاشت کا وقت ہے اور چاشت کا وقت سورج کے ایک نیزہ بلند ہونے پر ہو جاتا ہے، اس میں بلاوجہ تاخیر درست نہیں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس تاخیر کا انکار کرتے تھے۔ عیدالاضحیٰ کے دن چونکہ قربانی کرنی ہوتی ہے، اس لیے اسے کچھ وقت پہلے پڑھنے میں چنداں حرج نہیں۔ آج کل چونکہ گھڑیوں کا دور ہے، اس لیے ہمیں دور حاضر کے مطابق گھڑیوں کا حساب لگانا ہوگا۔ محکمۂ موسمیات کے مطابق طلوع فجر سے لے کر طلوع آفتاب تک تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کا وقفہ ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر صبح کی اذان پانچ بجے ہو تو ساڑھے چھ بجے سورج طلوع ہوگا۔ چاشت کا وقت طلوع آفتاب کے تقریباً نصف گھنٹے بعد شروع ہو جاتا ہے۔ ضرورت کے پیش نظر اس میں چند منٹ تک مزید تاخیر کی جاسکتی ہے، اس لیے حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ کی تصریحات کے مطابق نماز عید کا وقت چاشت کے وقت ہوتا ہے، اس لیے جہاں پانچ بجے اذان فجر ہوگی وہاں نماز عید کا وقت سات، ساڑھے سات بجے شروع ہو جائے گا۔ ہمیں چاہیے کہ اس کی تیاری پہلے سے کر رکھیں۔ اگر طلوع آفتاب کے بعد تیاری کا آغاز کیا تو نماز عید کے لیے وقت فضیلت نہیں مل سکے گا، البتہ جواز کا وقت زوال آفتاب تک ہے۔ واللہ أعلم

(11) بَابُ فَضْلِ الْعَمَلِ فِي أَيَّامِ التَّشْرِيقِ

باب: 11- ایام تشریق میں عمل کی فضیلت

[1] سنن ابن ماجه، الصيام، حديث: 1653. [2] عمدة القاري: 183/5. [3] التلخيص الحبير: 172/2، رقم: 885.
[4] تمام المنة، ص: 347.

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ ﴿وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ﴾ [الحج: ٢٨] أَيَّامُ الْعَشْرِ، وَالأَيَّامُ الْمَعْدُودَاتُ. أَيَّامُ التَّشْرِيقِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ارشاد باری تعالیٰ ﴿وَ یَذْکُرُوا... اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ﴾ "معلوم دنوں میں اللہ تعالیٰ کو خوب یاد کریں۔" میں ایام معلومات سے مراد ذوالحجہ کے پہلے دس دن ہیں۔ اور ایام معدودات سے مراد ایام التشریق ہیں۔

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ وَأَبُو هُرَيْرَةَ يَخْرُجَانِ إِلَى السُّوقِ فِي أَيَّامِ الْعَشْرِ يُكَبِّرَانِ وَيُكَبِّرُ النَّاسُ بِتَكْبِيرِهِمَا. وَكَبَّرَ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ خَلْفَ النَّافِلَةِ.

حضرت ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم ان دس دنوں میں بازار جاتے تو تکبیرات کہتے تھے، لوگ بھی ان کی تکبیرات کے ساتھ اللہ اکبر کہتے تھے۔ اور محمد بن علی نفلی نمازوں کے بعد بھی تکبیرات کہتے تھے۔

وضاحت: ایام التشریق سے مراد ذوالحجہ کی گیارہ، بارہ اور تیرہ تاریخ کے دن ہیں۔ اکثر لوگ عید کی وجہ سے ان دنوں کو بڑی غفلت کے ساتھ گزارتے ہیں، لہٰذا شریعت میں ان دنوں کی عبادت کو بڑی فضیلت کا حامل قرار دیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی اس تعلیق کو عبد بن حمید نے اپنی تفسیر میں متصل سند سے بیان کیا ہے لیکن حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے عمل کو متصل سند سے کسی بھی حدیث کی کتاب میں بیان نہیں کیا گیا۔ امام بیہقی اور امام بغوی نے بھی اسے معلق ہی بیان کیا ہے۔ چونکہ ذوالحجہ کے پہلے دس دنوں اور ایام تشریق میں اعمال حج ادا ہوتے ہیں، اس اشتراک کی وجہ سے ایام تشریق کے عنوان کے تحت ایام عشر کا ذکر کر دیا گیا ہے۔[1] امام بخاری رحمہ اللہ پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ عنوان تو ایام تشریق میں عمل کی فضیلت سے متعلق ہے جبکہ اس کے تحت ایسے آثار پیش کیے گئے ہیں جن میں ذوالحجہ کے دس دنوں کی فضیلت کا ذکر ہے۔ علامہ عینی رحمہ اللہ نے اس کا جواب بایں الفاظ دیا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ایسا اپنی عادت کے مطابق کیا ہے کہ وہ ایک عنوان قائم کرتے ہیں، پھر معمولی مناسبت کی وجہ سے غیر متعلق آثار اس کے تحت لے آتے ہیں۔[2] محمد بن علی سے مراد حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت محمد باقر ہیں۔ اس اثر کو امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "المؤتلف" میں متصل سند سے بیان کیا ہے۔ ابو وہب رزیق مدنی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حج کے دنوں منیٰ میں حضرت محمد بن علی کو دیکھا کہ وہ ایام تشریق میں نفل نماز کے بعد بھی تکبیرات کہتے تھے۔"[3]

٩٦٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ مُسْلِمٍ الْبَطِينِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: «مَا الْعَمَلُ فِي أَيَّامِ [الْعَشْرِ] أَفْضَلَ

[969] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "جو عمل ان (دس) دنوں میں کیا جائے، اس کے مقابلے میں دوسرے دنوں کا کوئی عمل افضل نہیں ہے۔" لوگوں نے عرض کیا: کیا

1 فتح الباري: 590/2. 2 عمدة القاري: 183/5. 3 عمدة القاري: 184/5.

مِنْهَا فِي هٰذِهِ». قَالُوا: وَلَا الْجِهَادُ؟ قَالَ: «وَلَا الْجِهَادُ، إِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ يُخَاطِرُ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فَلَمْ يَرْجِعْ بِشَيْءٍ».

جہاد بھی ان کے برابر نہیں؟ آپ نے فرمایا: ''جہاد بھی ان کے برابر نہیں سوائے اس شخص کے جس نے اپنی جان اور مال کو خطرے میں ڈالا اور کوئی چیز واپس لے کر نہ لوٹا۔''

فوائد و مسائل: ① اہل لغت اور اہل فقہ کے نزدیک قربانی کے دن، یعنی دسویں ذوالحجہ کے بعد ایام تشریق شروع ہوتے ہیں لیکن تشریق کی وجہ تسمیہ کا تقاضا ہے کہ دسویں ذوالحجہ کو ایام تشریق میں شامل کیا جائے کیونکہ اس کی وجہ تسمیہ کے متعلق تین اقوال ہیں: ○ گوشت کاٹ کر دھوپ میں ڈالا جاتا تھا تاکہ وہ خشک ہو جائے۔ ○ نماز عید دن چڑھے پڑھتے تھے، اس لیے اسے تشریق کہا جاتا ہے۔ ○ دور جاہلیت میں مشرکین کہتے تھے کہ اے سورج! جلدی طلوع ہو تاکہ ہم قربانی کریں۔ ان حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل یوم تشریق تو عید کا دن ہے اور باقی دنوں کو اس کی ماتحتی میں ایام تشریق میں شامل کیا گیا ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک اس روایت میں ایام سے مراد ایام تشریق ہیں اور ان دنوں کے عمل سے مراد اللہ اکبر کہنا اور ذکر الٰہی کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے تکبیرات کہنے کے متعلق مختلف آثار کا حوالہ دیا ہے۔ لیکن دیگر صحیح روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایام سے مراد ایام عشر ہیں، تو بھی مطابقت اس طرح ہے کہ امام بخاری کے نزدیک دسویں تاریخ ایام تشریق سے ہے، اس لیے ایک دن کے اعتبار سے عنوان ثابت ہوتا ہے۔ ③ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے عنوان سے مطابقت کے لیے ایک دوسرا پہلو اختیار کیا ہے کہ ذوالحجہ کے دس دنوں کی فضیلت اس اعتبار سے ہے کہ ان میں افعال حج ادا ہوتے ہیں اور کچھ افعال حج ایام تشریق میں ادا کیے جاتے ہیں، اس لیے اصل فضیلت میں ایام تشریق، ایام عشر کے ساتھ اشتراک رکھتے ہیں، پھر ایام عشر کا خاتمہ ایام تشریق کا افتتاحیہ ہے۔ اس بنا پر ان ایام کی فضیلت ہے اور یہی امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود ہے۔[1]

(١٢) بَابُ التَّكْبِيرِ أَيَّامَ مِنًى وَإِذَا غَدَا إِلَى عَرَفَةَ

باب: 12- ایام منیٰ اور عرفات کی طرف جاتے وقت تکبیر کہنا

وَكَانَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُكَبِّرُ فِي قُبَّتِهِ بِمِنًى فَيَسْمَعُهُ أَهْلُ الْمَسْجِدِ فَيُكَبِّرُونَ وَيُكَبِّرُ أَهْلُ الْأَسْوَاقِ حَتَّى تَرْتَجَّ مِنًى تَكْبِيرًا. وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يُكَبِّرُ بِمِنًى تِلْكَ الْأَيَّامَ وَخَلْفَ الصَّلَوَاتِ وَعَلَى فِرَاشِهِ وَفِي فُسْطَاطِهِ وَمَجْلِسِهِ وَمَمْشَاهُ، تِلْكَ الْأَيَّامَ جَمِيعًا. وَكَانَتْ مَيْمُونَةُ تُكَبِّرُ يَوْمَ النَّحْرِ. وَكَانَ النِّسَاءُ يُكَبِّرْنَ خَلْفَ أَبَانَ بْنِ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ منیٰ کے دنوں اپنے خیمے ہی میں تکبیر کہتے تھے جسے اہل مسجد سنتے اور وہ بھی تکبیر کہتے، اہل سوق، یعنی بازار والے بھی اللہ اکبر کہتے یہاں تک کہ منیٰ کی فضا اللہ اکبر کی صدا سے گونج اٹھتی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی ان دنوں نمازوں کے بعد اپنے بستر پر اپنے خیمے میں، اپنی مجلس میں اور راستے چلتے وقت، الغرض ان تمام دنوں میں تکبیرات کہتے تھے۔ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا یوم نحر یعنی دسویں

[1] فتح الباري: 592/2.

عُثْمَانَ، وَعُمَرَ ابْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ لَيَالِيَ التَّشْرِيقِ مَعَ الرِّجَالِ فِي الْمَسْجِدِ.

ذوالحجہ کو تکبیر کہتی تھیں۔ دوسری خواتین بھی تشریق کی راتوں میں حضرت ابان بن عثمان اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پیچھے مردوں کے ساتھ مسجد میں تکبیرات کہتی تھیں۔

وضاحت: علامہ خطابی نے ان دنوں میں الله أکبر کہنے کی حکمت بایں الفاظ بیان کی ہے کہ اہل جاہلیت کی مخالفت ہو کیونکہ وہ ان دنوں میں اپنے بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے، اس لیے اہل اسلام کے لیے ان دنوں میں الله اکبر کو شعار بنا دیا گیا تاکہ ایام ذبح میں غیر اللہ کا نام نہ آئے اور اللہ اکبر کی آواز سے فضا ہر وقت گونجتی رہے۔[1] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر کو سعید بن منصور نے اپنی سند سے متصل بیان کیا ہے۔ اسی طرح ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اثر کو امام ابن منذر اور علامہ فاکہی نے اخبار مکہ میں متصل سند سے بیان کیا ہے۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا عمل متصل سند سے دستیاب نہیں ہوسکا۔ اس کے علاوہ حضرت ابان بن عثمان اور حضرت عمر بن عبدالعزیز سے متعلقہ اثر کو بھی ابوبکر بن ابی الدنیا نے اپنی کتاب "العیدین" میں متصل سند سے بیان کیا ہے۔ ان آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ تکبیر و تلبیہ ان دنوں کا شعار ہے۔ تسبیح و تحمید میں یہ شان نہیں کہ انھیں ان دنوں کا شعار قرار دیا جائے۔[2]

٩٧٠ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ قَالَ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الثَّقَفِيُّ قَالَ: سَأَلْتُ أَنَسًا وَنَحْنُ غَادِيَانِ مِنْ مِنًى إِلَى عَرَفَاتٍ عَنِ التَّلْبِيَةِ، كَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُونَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ؟ قَالَ: كَانَ يُلَبِّي الْمُلَبِّي لَا يُنْكَرُ عَلَيْهِ، وَيُكَبِّرُ الْمُكَبِّرُ فَلَا يُنْكَرُ عَلَيْهِ. [انظر: ١٦٥٩]

[970] حضرت محمد بن ابوبکر ثقفی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب ہم صبح کے وقت منیٰ سے عرفات جا رہے تھے تو میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے تلبیہ کے متعلق سوال کیا کہ آپ حضرات نبی ﷺ کے ہمراہ جاتے وقت کس طرح کرتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ لبیک کہنے والا لبیک کہتا تو اس پر کوئی اعتراض نہ کرتا اور اسی طرح تکبیر کہنے والا تکبیر کہتا تو اسے منع نہیں کیا جاتا تھا۔

فوائد و مسائل: ① عیدین کی روح یہی ہے کہ ان میں بآواز بلند اللہ کی کبریائی اور اس کی عظمت کا اظہار کیا جائے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان (ذوالحجہ کے) دنوں تلبیہ ترک کر دیا جائے بلکہ تلبیہ کے ساتھ تکبیرات بھی بآواز بلند کہی جائیں۔ ان دنوں تکبیرات نویں ذوالحجہ سے شروع کرکے تیرہ ذوالحجہ تک ہیں، ہاں اگر کوئی بارہ ذوالحجہ کو واپس آنا چاہے تو اس کی مرضی ہے۔ ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایام منیٰ میں تکبیرات ہر وقت کہی جائیں، نمازوں کے بعد، خواہ وہ نفل ہوں یا فرض۔ اسی طرح مردوں، مقیم و مسافر، الغرض ہر آدمی ہر حالت میں تکبیرات کہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے لیے کوئی استثنا نہیں کیا بلکہ اس حکم کو عام رکھا ہے جیسا کہ آپ کے پیش کردہ آثار سے بھی واضح ہے۔ ③ یہ تکبیرات تشریق کہلاتی ہیں، البتہ یوم عرفہ کے دن منیٰ سے عرفات جاتے وقت تلبیہ کہنا بھی درست ہے، چنانچہ امام بخاری نے کتاب الحج میں ایک عنوان بایں الفاظ قائم کیا ہے: [باب

1 فتح الباري: 594/2. 2 فتح الباري: 595/2.

التَّلْبِيَةِ وَالتَّكْبِيرِ إِذَا غَدَا مِنْ مِنًى إِلَى عَرَفَةَ]

"منیٰ سے عرفہ جاتے وقت تلبیہ و تکبیر کہنے کا بیان۔"

٩٧١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ: حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ حَفْصَةَ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ: كُنَّا نُؤْمَرُ أَنْ نَخْرُجَ يَوْمَ الْعِيدِ، حَتَّى نُخْرِجَ الْبِكْرَ مِنْ خِدْرِهَا، حَتَّى نُخْرِجَ الْحُيَّضَ فَيَكُنَّ خَلْفَ النَّاسِ فَيُكَبِّرْنَ بِتَكْبِيرِهِمْ، وَيَدْعُونَ بِدُعَائِهِمْ، يَرْجُونَ بَرَكَةَ ذَلِكَ الْيَوْمِ وَطُهْرَتَهُ. [راجع: ٣٢٤]

[971] حضرت ام عطیہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ہمیں حکم دیا جاتا تھا کہ عید کے دن گھر سے نکلیں حتی کہ کنواری لڑکیوں کو ان کے پردوں کے ساتھ نکالیں اور حائضہ عورتوں کو بھی گھروں سے برآمد کریں، چنانچہ وہ مردوں کے پیچھے رہتیں، ان کی تکبیر کے ساتھ تکبیر کہتیں، نیز مردوں کی دعا کے ساتھ دعائیں مانگتیں اور اس دن کی برکت اور طہارت کی امید رکھتی تھیں۔

فائدہ: امام بخاری ؒ کا استدلال "عورتوں کا مردوں کے ہمراہ تکبیرات کہنا" سے ہے کیونکہ عورتوں کا عید کے دن یہ عمل کرنا اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ باقی ایام منیٰ بھی اس میں شامل ہیں کیونکہ یہ ایام معدودات سے ہیں اور ان ایام میں ذکر کرنا قرآن مجید کی نص صریح سے ثابت ہے۔ واضح رہے کہ دیگر روایات میں مستورات کا دعا کرنا، کار خیر میں حصہ لینا تو ثابت ہے لیکن ان کا مردوں کے ہمراہ تکبیرات کہنا صرف امام بخاری کی پیش کردہ روایت میں ہے، لیکن دیگر دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ تکبیرات کو آہستہ آواز میں کہیں کیونکہ مردوں کے متعلق احادیث میں ہے کہ وہ اتنی اونچی آواز سے تکبیرات کہتے کہ ان کے گلے خشک ہو جاتے اور ان کی آواز پست ہو جاتی۔ یہ کیفیت عورتوں سے متعلق نہیں ہونی چاہیے۔ وہ تکبیرات میں حصہ ضرور لیں لیکن مردوں کے مقابلے میں اپنی آواز پست رکھیں۔ واللہ اعلم

(١٣) بَابُ الصَّلَاةِ إِلَى الْحَرْبَةِ [يَوْمَ الْعِيدِ]

باب: 13- عید کے دن نیزے کی آڑ میں نماز پڑھنا

٩٧٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ تُرْكَزُ لَهُ الْحَرْبَةُ قُدَّامَهُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَالنَّحْرِ، ثُمَّ يُصَلِّي. [راجع: ٤٩٤]

[972] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے سامنے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے موقع پر نیزہ گاڑ دیا جاتا تھا، پھر آپ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① پہلے ایک باب میں امام بخاری ؒ نے ثابت کیا تھا کہ عید کے دن ہتھیار اٹھانا منع ہے جبکہ اس حدیث سے اس کا جواز ثابت کیا ہے۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں کوئی تعمیر شدہ عیدگاہ نہیں تھی بلکہ آپ کھلے میدان میں نماز ادا کرتے تھے، اس لیے نیزہ وغیرہ اپنے ساتھ لے جانے کا حکم دیتے تاکہ اس سے سترے کا کام لیا جائے۔ ایسے حالات میں کوئی چیز ساتھ لے جانے کی ممانعت نہیں۔ اگر اس کی ضرورت نہ ہو تو محض نمائش کے لیے آلات حرب ساتھ لے جانا جائز نہیں

تاکہ اجتماع اور بھیڑ کی وجہ سے کسی کو نقصان نہ پہنچے۔ ② واضح رہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ امام کا سترہ مقتدی حضرات کا بھی سترہ ہے، انھیں مستقل طور پر اپنا سترہ رکھنے کی ضرورت نہیں۔

(١٤) بَابُ حَمْلِ الْعَنَزَةِ أَوِ الْحَرْبَةِ بَيْنَ يَدَيِ الْإِمَامِ يَوْمَ الْعِيدِ

باب: 14- عید کے دن چھوٹا نیزہ یا برچھی امام کے آگے آگے اٹھانا

٩٧٣ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَمْرٍو قَالَ: أَخْبَرَنِي نَافِعٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَغْدُو إِلَى الْمُصَلَّى وَالْعَنَزَةُ بَيْنَ يَدَيْهِ تُحْمَلُ وَتُنْصَبُ بِالْمُصَلَّى بَيْنَ يَدَيْهِ فَيُصَلِّي إِلَيْهَا. [راجع: ٤٩٤]

[973] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ صبح سویرے عید گاہ کی طرف تشریف لے جاتے اور نیزہ آپ کے آگے آگے اٹھایا جاتا تھا، اسے عید گاہ میں آپ کے سامنے گاڑ دیا جاتا تو آپ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ کے زمانے میں یہ بات عام ہو چکی تھی کہ بادشاہ وقت جب عیدین کی نماز کے لیے عید گاہ جاتا تو لوگ اس کے آگے ہتھیار اٹھا کر چلتے تھے۔ امام بخاری نے اس کا جواز ثابت کیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز عید کے لیے نکلتے تھے تو نیزہ ساتھ لے کر جانے کا حکم فرماتے تھے۔ اسے عید گاہ پہنچ کر آپ کے سامنے گاڑ دیا جاتا تو آپ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے اور باقی لوگ آپ کے پیچھے ہوتے۔ دوران سفر میں بھی ایسا کرتے تھے۔ اسی سے امراء نے یہ طریقہ اختیار کر لیا تھا۔ ② ازدحام میں ایسا کرنا منع ہے کیونکہ ایسے موقع پر کسی کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے، اس کا سبب خوف ہلاکت ہے۔ لیکن جب کوئی شخص امام کے آگے ہتھیار اٹھا کر جا رہا ہے جس سے کسی کو تکلیف کا خطرہ نہیں تو اس صورت میں اسلحہ اٹھانا جائز ہے کیونکہ اس میں علت نہی نہیں پائی جاتی۔ منع کی صورت اس کے برعکس ہے۔

(١٥) بَابُ خُرُوجِ النِّسَاءِ وَالْحُيَّضِ إِلَى الْمُصَلَّى

باب: 15- عورتوں اور حائضہ خواتین کا عید گاہ جانا

٩٧٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ: أَمَرَنَا نَبِيُّنَا ﷺ أَنْ نُخْرِجَ الْعَوَاتِقَ ذَوَاتِ الْخُدُورِ.

[974] حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہمیں ہمارے نبی ﷺ نے حکم دیا کہ ہم (نماز عید کے لیے) ان جوان عورتوں کو بھی نکالیں جو پردہ نشین ہیں۔

وَعَنْ أَيُّوبَ، عَنْ حَفْصَةَ بِنَحْوِهِ. وَزَادَ فِي حَدِيثِ حَفْصَةَ قَالَ، أَوْ قَالَتْ: الْعَوَاتِقَ وَذَوَاتِ الْخُدُورِ وَيَعْتَزِلْنَ الْحُيَّضُ الْمُصَلَّى.

حضرت حفصہ بنت سیرین سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ نوجوان اور پردہ نشین عورتوں کو عید کے لیے نکالیں، البتہ حائضہ عورتیں نماز کی جگہ سے الگ رہیں۔

[راجع: ٣١٤]

فوائد و مسائل: ① حائضہ عورت کو نماز کی ممانعت ہے۔ اس اعتبار سے اس کے لیے مسجد میں جانا بھی ناجائز ہے، تو اعتراض ہوسکتا ہے کہ ایسی عورت کے لیے عیدگاہ میں جانا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان اور پیش کردہ احادیث میں اسی اعتراض کا جواب دیا ہے کہ اس میں متعدد فوائد ہیں۔ سب سے بڑا فائدہ شوکت اسلام کا اظہار ہے، اس لیے ایسی عورتوں کو بھی عیدگاہ جانا چاہیے۔ اس پر بھی اعتراض ہوسکتا ہے کہ ایسے حالات میں عیدگاہ کا تقدس تو مجروح ہوگا۔ اس کا جواب ایک دوسری روایت میں ہے کہ راوی نے جب یہ اعتراض کیا تو اسے جواب دیا گیا کہ حائضہ عورت منیٰ، عرفہ اور مزدلفہ وغیرہ مقدس مقامات میں دوران حج جاسکتی ہے تو عیدگاہ جانے کے لیے اسے کیا ممانعت ہے۔[1] ② عیدگاہ میں اس قسم کی عورتوں کو الگ بیٹھنے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے تاکہ نماز پڑھنے والی عورتوں کے درمیان بے ضابطگی نہ ہو۔ کچھ پڑھیں اور کچھ ویسے ہی بیٹھی رہیں اس سے نماز کا ظاہری حسن مجروح ہوتا ہے، اس لیے انھیں علیحدہ بیٹھنے کا حکم دیا گیا ہے، نیز اس میں دوسری عورتوں اور مقدس جگہ کا بھی خیال رکھا گیا ہے تاکہ وہ مقام نجاست سے آلودہ نہ ہوجائے جہاں نماز پڑھی ہے یا ساتھ والی عورت کو کراہت نہ ہو۔[2]

(١٦) بَابُ خُرُوجِ الصِّبْيَانِ إِلَى الْمُصَلَّى

باب: 16- بچوں کا عیدگاہ جانا

٩٧٥ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَبَّاسٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَابِسٍ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ: خَرَجْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ فِطْرٍ أَوْ أَضْحَى فَصَلَّى الْعِيدَ ثُمَّ خَطَبَ ثُمَّ أَتَى النِّسَاءَ فَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ. [راجع: ٩٨]

[975] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں ایک دفعہ عید الفطر یا عید الاضحیٰ کے موقع پر نبی ﷺ کے ہمراہ نکلا۔ آپ نے نماز پڑھی، پھر خطبہ دیا، اس کے بعد آپ عورتوں کے پاس آئے اور وعظ و نصیحت فرمانے کے بعد انھیں صدقہ و خیرات کا حکم دیا۔

فائدہ: اس حدیث میں بچوں کے لیے نماز میں شرکت کا ذکر نہیں ہے لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی عادت کے مطابق حدیث مذکور کے دوسرے طرق کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اس روایت کے مطابق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اگر چھوٹی عمر کے اعتبار سے رسول اللہ ﷺ کے ہاں میرا مقام و مرتبہ نہ ہوتا تو میں اس عظیم اجتماع میں کیونکر شرکت کرسکتا تھا۔[3] نیز خارجی قرائن سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما عید الفطر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ گئے تو اس وقت آپ کا بچپن ہی تھا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت ان کی عمر صرف 13 برس تھی۔[4]

(١٧) بَابُ اسْتِقْبَالِ الْإِمَامِ النَّاسَ فِي خُطْبَةِ الْعِيدِ

باب: 17- خطبۂ عیدین میں امام کا لوگوں کی طرف منہ کرنا

1 صحیح البخاري، الحیض، حدیث: 324. 2 عمدة القاري: 193/5. 3 صحیح البخاري، العیدین، حدیث: 977.
4 عمدة القاري: 195/5.

قَالَ أَبُو سَعِيدٍ. قَامَ النَّبِيُّ ﷺ مُقَابِلَ النَّاسِ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ لوگوں کے سامنے کھڑے ہوئے۔

وضاحت: کتاب الجمعہ میں بھی امام بخاری رحمہ اللہ نے اس قسم کا عنوان قائم کیا تھا، پھر تکرار کی کیا ضرورت تھی؟ خطبے تو سب برابر ہوتے ہیں لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک وہم کو دور کیا ہے کہ عید میں منبر وغیرہ نہیں ہوتا ممکن ہے کہ خطبۂ عید کا طریقہ خطبۂ جمعہ سے مختلف ہو، اس وہم کا ازالہ مقصود ہے۔[1] اس تعلیق کو امام بخاری رحمہ اللہ نے خود اپنی متصل سند سے بیان کیا ہے۔[2]

٩٧٦ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ طَلْحَةَ عَنْ زُبَيْدٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ أَضْحًى فَصَلَّى الْعِيدَ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ وَقَالَ: «إِنَّ أَوَّلَ نُسُكِنَا فِي يَوْمِنَا هٰذَا أَنْ نَبْدَأَ بِالصَّلَاةِ ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ وَافَقَ سُنَّتَنَا، وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلَ ذٰلِكَ فَإِنَّهُ شَيْءٌ عَجَّلَهُ لِأَهْلِهِ لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِي شَيْءٍ». فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنِّي ذَبَحْتُ وَعِنْدِي جَذَعَةٌ خَيْرٌ مِنْ مُسِنَّةٍ، قَالَ: «اذْبَحْهَا وَلَا تَفِي عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ». [راجع: ٩٥١]

[976] حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ عیدالاضحیٰ کے دن نکلے اور دو رکعت نماز عید ادا کی، پھر ہماری طرف منہ کر کے کھڑے ہوئے اور فرمایا: "ہمارے اس دن سب سے پہلی عبادت یہ ہونی چاہیے کہ ہم نماز پڑھیں، پھر واپس ہوں اور قربانی کریں۔ جس نے ایسا کیا اس نے ہماری سنت کے مطابق کام کیا اور جس نے نماز سے پہلے قربانی ذبح کر دی تو وہ گوشت ہے جو اس نے اپنے گھر والوں کے لیے تیار کیا ہے، قربانی نہیں ہے۔" اس دوران میں ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کرنے لگا: اللہ کے رسول! میں نے تو (نماز سے پہلے قربانی) ذبح کر دی ہے اور اب میرے پاس یک سالہ بھیڑ کا بچہ ہے جو دو دانتے سے کہیں بہتر ہے۔ آپ نے فرمایا: "تم اسی کو ذبح کر دو لیکن تمھارے بعد کسی اور کے لیے کافی نہیں ہوگا۔"

فوائد و مسائل: ① "پھر ہماری طرف منہ کر کے کھڑے ہوئے" ان الفاظ سے امام بخاری رحمہ اللہ کا قائم کردہ عنوان ثابت ہوتا ہے۔ ② ایک روایت میں ہے کہ نماز کے بعد لوگ صفوں میں بیٹھے رہتے اور رسول اللہ ﷺ ان کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوتے اور خطبہ دیتے۔[3] ابن حبان کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جہاں نماز پڑھتے وہیں لوگوں کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاتے۔[4]

(١٨) بَابُ الْعَلَمِ الَّذِي بِالْمُصَلَّى

باب: 18- عیدگاہ میں کوئی علامت مقرر کرنا

[1] فتح الباري: 2/590. [2] صحيح البخاري، العيدين، حديث: 956. [3] صحيح البخاري، العيدين، حديث: 956.

[4] فتح الباري: 2/579.

٩٧٧ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَابِسٍ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ قِيلَ لَهُ: أَشَهِدْتَ الْعِيدَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ؟ قَالَ: نَعَمْ، وَلَوْلَا مَكَانِي مِنَ الصِّغَرِ مَا شَهِدْتُهُ خَرَجَ حَتَّى أَتَى الْعَلَمَ الَّذِي عِنْدَ دَارِ كَثِيرِ بْنِ الصَّلْتِ فَصَلَّى ثُمَّ خَطَبَ، ثُمَّ أَتَى النِّسَاءَ وَمَعَهُ بِلَالٌ، فَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ، فَرَأَيْتُهُنَّ يَهْوِينَ بِأَيْدِيهِنَّ يَقْذِفْنَهُ فِي ثَوْبِ بِلَالٍ ثُمَّ انْطَلَقَ هُوَ وَبِلَالٌ إِلَى بَيْتِهِ. [راجع: ٩٨]

[977] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، ان سے پوچھا گیا: کیا آپ نبی ﷺ کے ہمراہ نماز عید میں شریک ہوئے ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا: اگر میرا چھوٹے ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ کے ہاں مرتبہ اور مقام نہ ہوتا تو میں عید کا مشاہدہ نہ کر سکتا۔ بہرحال آپ (نماز عید کے لیے) نکلے یہاں تک کہ اس نشان کے پاس آئے جو کثیر بن صلت کے گھر کے پاس تھا، نماز پڑھی، پھر خطبہ دیا، اس کے بعد آپ عورتوں کے پاس تشریف لائے، آپ کے ہمراہ حضرت بلال ؓ بھی تھے، آپ نے ان عورتوں کو وعظ و نصیحت فرمائی اور صدقے کا حکم دیا، چنانچہ میں نے عورتوں کو دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھ جھکا کر اپنے زیورات حضرت بلال ؓ کے کپڑے میں ڈالتی تھیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ اور حضرت بلال ؓ اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

فوائد و مسائل: ﴿1﴾ اگر عید گاہ کی چار دیواری وغیرہ نہ ہو تو اس کی شناخت کے لیے کسی قسم کی علامت مقرر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اگرچہ جو "نشان" کثیر بن صلت کی حویلی کے پاس تھا وہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں نہ تھا لیکن امام بخاری ؒ نے حدیث کے ظاہری الفاظ سے عنوان کو ثابت کیا ہے۔ آپ نے اس تحقیق کو ضروری خیال نہیں کیا کہ وہ نشان عہد نبوی میں موجود تھا یا نہیں۔ ﴿2﴾ واضح رہے کہ کثیر بن صلت کے گھر کے پاس ایک اونچا سا نشان تھا جس سے اس جگہ کی پہچان ہوتی تھی اور ان کا گھر عید گاہ کے قبلے کی طرف تھا جو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک کے کافی عرصہ بعد تعمیر کیا تھا۔ اس دور میں اس کی کافی شہرت ہو چکی تھی، اس لیے عید گاہ کا تعارف ان کے گھر کے پاس ہونے سے کرایا جاتا تھا۔ اس کا نام قلیل بن صلت تھا، حضرت عمر ؓ نے اس کا نام کثیر رکھا۔ اس نے مروان بن حکم کے لیے کچی اینٹوں اور مٹی سے وہاں ایک منبر بھی تعمیر کیا تھا۔[1] حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی چونکہ مجتہد قسم کے آدمی تھے، اس لیے انھوں نے شرح تراجم بخاری میں اپنے مزاج کے مطابق اس حدیث کی تشریح کی ہے، فرماتے ہیں: صحیح روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں عید گاہ کے اندر کوئی جھنڈا وغیرہ نصب نہیں تھا، اس لیے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جہاں ہمارے زمانے میں جھنڈا گاڑا جاتا ہے وہاں رسول اللہ ﷺ نماز عید پڑھا کرتے تھے۔ چونکہ ظاہر حدیث سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں وہاں جھنڈا نصب ہوتا تھا، اس لیے مصنف (امام بخاری ؒ) نے انھی الفاظ سے عنوان قائم کیا ہے۔ میرے نزدیک واضح بات یہ ہے کہ مصنف عید گاہ میں جھنڈا نصب کرنے کا جواز ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

[1] فتح الباري: 2/579.

(١٩) بَابُ مَوْعِظَةِ الْإِمَامِ النِّسَاءَ يَوْمَ الْعِيدِ

باب: 19- عید کے دن امام کا عورتوں کو نصیحت کرنا

٩٧٨ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ نَصْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: سَمِعْتُهُ يَقُولُ: قَامَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ الْفِطْرِ فَصَلَّى فَبَدَأَ بِالصَّلَاةِ، ثُمَّ خَطَبَ فَلَمَّا فَرَغَ نَزَلَ فَأَتَى النِّسَاءَ فَذَكَّرَهُنَّ وَهُوَ يَتَوَكَّأُ عَلَى يَدِ بِلَالٍ، وَبِلَالٌ بَاسِطٌ ثَوْبَهُ يُلْقِي فِيهِ النِّسَاءُ الصَّدَقَةَ. قُلْتُ لِعَطَاءٍ: زَكَاةَ يَوْمِ الْفِطْرِ؟ قَالَ: لَا، وَلَكِنْ صَدَقَةً يَتَصَدَّقْنَ حِينَئِذٍ، تُلْقِي فَتَخَهَا وَيُلْقِينَ، قُلْتُ: أَتُرَى حَقًّا عَلَى الْإِمَامِ ذَلِكَ يُذَكِّرُهُنَّ؟ قَالَ: إِنَّهُ لَحَقٌّ عَلَيْهِمْ، وَمَا لَهُمْ لَا يَفْعَلُونَهُ؟ [راجع ٩٥٨]

[978] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے: انھوں نے فرمایا کہ عید الفطر کے دن نبی ﷺ کھڑے ہوئے اور نماز پڑھی، یعنی نماز سے آغاز کیا، پھر خطبہ دیا۔ جب فارغ ہوئے تو اترے اور عورتوں کی طرف تشریف لے گئے۔ انھیں نصیحت فرمائی جبکہ آپ حضرت بلال ؓ کے ہاتھ کا سہارا لیے ہوئے تھے اور حضرت بلال ؓ اپنا کپڑا پھیلائے ہوئے تھے جس میں عورتیں خیرات ڈال رہی تھیں۔ (راوی کہتا ہے:) میں نے حضرت عطاء سے دریافت کیا: وہ صدقہ فطر ڈال رہی تھیں؟ انھوں نے فرمایا: نہیں اس وقت ویسے ہی خیرات کر رہی تھیں۔ اگر ایک عورت اپنی انگوٹھی ڈالتی تو دوسری عورتیں بھی ڈالتی تھیں۔ میں نے (عطاء سے) دریافت کیا: آپ کے خیال کے مطابق کیا امام کے لیے ضروری ہے کہ وہ عورتوں کو نصیحت کرے؟ فرمایا: ہاں، ان کے ذمے تو ہے لیکن نہ معلوم وہ کیوں نہیں کرتے؟

٩٧٩ - قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ: وَأَخْبَرَنِي الْحَسَنُ بْنُ مُسْلِمٍ، [عَنْ طَاوُسٍ] عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: شَهِدْتُ الْفِطْرَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ يُصَلُّونَهَا قَبْلَ الْخُطْبَةِ، ثُمَّ يُخْطَبُ بَعْدُ. خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ حِينَ يُجَلِّسُ بِيَدِهِ، ثُمَّ أَقْبَلَ يَشُقُّهُمْ حَتَّى أَتَى النِّسَاءَ، مَعَهُ بِلَالٌ، فَقَالَ: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ﴾ الْآيَةَ [الممتحنة ١٢] ثُمَّ قَالَ حِينَ فَرَغَ مِنْهَا: «آنْتُنَّ عَلَى ذَلِكَ؟» فَقَالَتِ امْرَأَةٌ وَاحِدَةٌ مِنْهُنَّ لَمْ

[979] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ میں عید الفطر کے موقع پر نبی ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان ؓ کے ساتھ شریک ہوا۔ یہ تمام حضرات نماز عید خطبے سے پہلے پڑھتے، پھر خطبہ دیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ نبی ﷺ باہر تشریف لائے، گویا میں اب بھی آپ کو دیکھ رہا ہوں جب آپ اپنے ہاتھ کے اشارے سے لوگوں کو بٹھا رہے تھے، پھر آپ صفوں کو چیرتے ہوئے عورتوں کے پاس آئے۔ آپ کے ہمراہ حضرت بلال ؓ تھے۔ آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ ......﴾

يُجِبْهُ غَيْرُهَا: نَعَمْ - لَا يَدْرِي حَسَنٌ مَنْ هِيَ - قَالَ: «فَتَصَدَّقْنَ» فَبَسَطَ بِلَالٌ ثَوْبَهُ ثُمَّ قَالَ: «هَلُمَّ لَكُنَّ فِدَا أَبِي وَأُمِّي»، فَيُلْقِينَ الْفَتَخَ وَالْخَوَاتِيمَ فِي ثَوْبِ بِلَالٍ

"اے نبی! جب آپ کے پاس اہل ایمان خواتین بیعت کے لیے حاضر ہوں۔" پھر جب آپ اس کی تلاوت سے فارغ ہوئے تو فرمایا: "تم سب اس وعدے پر قائم ہو؟" تو ان عورتوں میں سے صرف ایک عورت نے ہاں میں جواب دیا۔ اس کے علاوہ کسی عورت نے آپ کی بات کا جواب نہ دیا۔ (راوی حدیث) حسن کہتے ہیں کہ اس عورت کے متعلق علم نہیں وہ کون تھی؟ آپ نے فرمایا: "تم صدقہ و خیرات کیا کرو۔" حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنا کپڑا پھیلا دیا اور کہا کہ تم لاؤ، میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں! چنانچہ وہ عورتیں اپنی انگوٹھیاں اور چھلے بلال کے کپڑے میں ڈالنے لگیں۔

قَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ: الْفَتَخُ: الْخَوَاتِيمُ الْعِظَامُ كَانَتْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ. [راجع: ٩٧]

امام عبدالرزاق نے کہا ہے: الفتخ سے مراد بڑی انگوٹھیاں ہیں جن کا عہد جاہلیت میں رواج تھا۔

فائدہ: اگر عورتیں دور ہوں اور امام کا خطبۂ عید نہ سن سکیں تو آج بھی انھیں الگ نصیحت کی جا سکتی ہے بشرطیکہ کسی قسم کے فساد یا خطرے کا اندیشہ نہ ہو۔ آج کل لاؤڈ سپیکر نے اس مسئلے کو حل کر دیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت عطاء اسے واجب خیال کرتے تھے۔ ان کے علاوہ اور کوئی بھی اس کے وجوب کا قائل نہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ نے اسے استحباب پر محمول کیا ہے۔ اکثر شارحین نے یہی لکھا ہے کہ عورتیں امام سے دور ہونے کی وجہ سے خطبہ نہ سن سکیں تو امام کو چاہیے کہ وہ دوسرا خطبہ عورتوں کے سامنے دے لیکن عید کا خطبہ تو ایک ہے جس کی پہلے وضاحت ہو چکی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی خطبے کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ موعظة الامام سے عنوان قائم کیا ہے جس کا واضح مطلب ہے کہ امام اگر ضرورت محسوس کرے تو مردوں سے فارغ ہو کر عورتوں کو نصیحت کرے۔ واللہ اعلم۔

(٢٠) بَابٌ: إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهَا جِلْبَابٌ فِي الْعِيدِ

باب: 20- جب کسی عورت کے پاس عید کے لیے چادر نہ ہو (تو کیا کرے؟)

وضاحت: اگر کسی عورت کے پاس بڑی چادر نہ ہو تو دوسری عورت سے عاریتاً، یعنی ادھار لے لے یا اس کی چادر کے ایک کنارے میں لپٹ کر عیدگاہ میں جائے تاکہ نماز یا دعا میں شرکت کر سکے۔

٩٨٠ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَارِثِ قَالَ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ، عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيرِينَ قَالَتْ: كُنَّا نَمْنَعُ جَوَارِيَنَا أَنْ يَخْرُجْنَ يَوْمَ الْعِيدِ، فَجَاءَتِ امْرَأَةٌ فَنَزَلَتْ قَصْرَ بَنِي خَلَفٍ فَأَتَيْتُهَا فَحَدَّثَتْ أَنَّ زَوْجَ أُخْتِهَا غَزَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ غَزْوَةً، فَكَانَتْ أُخْتُهَا مَعَهُ فِي سِتِّ غَزَوَاتٍ. قَالَتْ: فَكُنَّا نَقُومُ عَلَى الْمَرْضَى وَنُدَاوِي الْكَلْمَى، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَعَلَى إِحْدَانَا بَأْسٌ إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهَا جِلْبَابٌ أَنْ لَا تَخْرُجَ؟ فَقَالَ: «لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا فَلْيَشْهَدْنَ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُؤْمِنِينَ».

[980] حضرت حفصہ بنت سیرین سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ ہم اپنی جوان لڑکیوں کو عید کے دن باہر نکلنے سے منع کرتی تھیں، چنانچہ ایک عورت قصر بنی خلف میں آ کر مقیم ہوئی تو میں اس کے پاس پہنچی۔ اس نے بیان کیا کہ اس کا بہنوئی نبی ﷺ کے ہمراہ بارہ غزوات میں شریک ہوا تھا۔ اس کی بہن بھی چھ غزوات میں اس کے ہمراہ تھی۔ ہمشیرہ نے بیان کیا کہ ہمارا کام مریضوں کی خبر گیری اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا تھا۔ انھوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! اگر کسی عورت کے پاس بڑی چادر نہ ہو، ایسے حالات میں اگر وہ عید کے لیے باہر نہ جائے تو کوئی حرج ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا: ''اس کی سہیلی اپنی چادر میں سے کچھ حصہ اسے پہنا دے، تاہم انھیں چاہیے کہ وہ امور خیر اور اہل ایمان کی دعاؤں میں ضرور شمولیت کریں۔''

قَالَتْ حَفْصَةُ: فَلَمَّا قَدِمَتْ أُمُّ عَطِيَّةَ أَتَيْتُهَا فَسَأَلْتُهَا: أَسَمِعْتِ فِي كَذَا وَكَذَا؟ قَالَتْ: نَعَمْ بِأَبَا - وَقَلَّمَا ذَكَرَتِ النَّبِيَّ ﷺ إِلَّا قَالَتْ: بِأَبَا - قَالَ: «لِيَخْرُجِ الْعَوَاتِقُ ذَوَاتُ الْخُدُورِ - أَوْ قَالَ: الْعَوَاتِقُ وَذَوَاتُ الْخُدُورِ، شَكَّ أَيُّوبُ - وَالْحُيَّضُ، وَيَعْتَزِلُ الْحُيَّضُ الْمُصَلَّى، وَلْيَشْهَدْنَ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُؤْمِنِينَ». قَالَتْ: فَقُلْتُ لَهَا: آلْحُيَّضُ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، أَلَيْسَ الْحَائِضُ تَشْهَدُ عَرَفَاتٍ وَتَشْهَدُ كَذَا وَتَشْهَدُ كَذَا؟. [راجع: ٣٢٤]

حضرت حفصہ بنت سیرین نے کہا: جب حضرت ام عطیہ ؓ تشریف لائیں تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہوئی اور ان سے عرض کیا: آپ نے اس مسئلے کے متعلق کچھ سنا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: ہاں، آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ اور وہ جب بھی نبی ﷺ کا نام لیتیں تو یہ جملہ ضرور کہتیں کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پردہ نشین دوشیزائیں یا پردہ نشین اور نوجوان لڑکیاں عید کے لیے ضرور جائیں۔'' الفاظ کے متعلق (راوی حدیث) حضرت ایوب کو شک ہے۔ ''حائضہ عورتیں بھی شریک ہوں لیکن وہ نماز کی جگہ سے الگ تھلگ رہیں، بہرحال خواتین کو امور خیر اور اہل ایمان کی دعاؤں میں ضرور شریک ہونا چاہیے۔'' حفصہ بنت سیرین کا بیان ہے کہ میں نے ان سے عرض کیا: حیض والی عورتیں بھی شریک ہوں؟ انھوں نے

فرمایا: ہاں، حیض والی بھی شریک ہوں۔ کیا یہ عورتیں میدان عرفات اور فلاں فلاں میں حاضر نہیں ہوتیں؟

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان میں سوالیہ انداز اختیار کیا ہے، جزم اور وثوق کے ساتھ اس کا جواب ذکر نہیں کیا۔ زین بن منیر کہتے ہیں کہ حدیث میں اس کی وضاحت تھی، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے صراحت کے ساتھ جواب ذکر نہیں فرمایا۔ لیکن ہمارے نزدیک چونکہ جواب میں متعدد احتمالات تھے، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے حسب عادت جواب کو حذف کر دیا ہے۔ یہ بھی احتمال تھا کہ وہ اپنی سہیلی کی چادروں میں سے کوئی چادر بطور اوڑھنی لے لے جیسا کہ صحیح ابن خزیمہ کی روایت میں ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ وہ اپنی سہیلی سے عاریتاً کوئی چادر لے لے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی سہیلی اپنی چادر میں چھپا کر لے جائے جیسا کہ ابوداود کی روایت میں ہے: ''اس کی سہیلی کو چاہیے کہ وہ اپنی چادر کے ایک کنارے میں اسے چھپا کر لے جائے۔'' ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد بطور مبالغہ فرمایا ہو کہ انھیں بہر صورت عیدگاہ جانا چاہیے۔ اگرچہ ایک چادر دو عورتیں لپیٹ کر ہی کیوں نہ جائیں۔[1] ② عیدگاہ میں حائضہ عورتوں کی حاضری کو عجیب سمجھا جا رہا تھا، اور اب بھی ایسا ہی ہے۔ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے وضاحت فرمائی کہ کیا عورتیں حج کے موقع پر میدان عرفات، مزدلفہ اور رمی جمرات کے لیے منیٰ میں حاضر نہیں ہوتیں؟ مطلب یہ ہے کہ عورتوں کو ذکر کرنے سے نہ روکا جائے اور نہ انھیں مسجد کے علاوہ دیگر مقدس مقامات ہی میں داخل ہونے سے روکا جائے۔ اگر وہ عیدگاہ میں جمع ہو کر اللہ کا ذکر کریں، وعظ و نصیحت سنیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ انھیں صرف دخول مسجد اور نماز پڑھنے کی ممانعت ہے اور عیدگاہ مسجد نہیں ہے، نیز وہاں جانے پر ان پر نماز پڑھنا ضروری نہیں، لہٰذا شوکت اسلام کے اظہار کے لیے ان کی عید میں شمولیت پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔

(٢١) بَابُ اعْتِزَالِ الْحُيَّضِ الْمُصَلَّى

باب: 21- حائضہ عورتوں کا عیدگاہ میں نماز کی جگہ سے الگ رہنا

٩٨١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ، عَنْ مُحَمَّدٍ قَالَ: قَالَتْ أُمُّ عَطِيَّةَ: أُمِرْنَا أَنْ نَخْرُجَ فَنُخْرِجَ الْحُيَّضَ وَالْعَوَاتِقَ وَذَوَاتِ الْخُدُورِ. - قَالَ ابْنُ عَوْنٍ: أَوِ الْعَوَاتِقَ ذَوَاتِ الْخُدُورِ - فَأَمَّا الْحُيَّضُ فَيَشْهَدْنَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ وَدَعْوَتَهُمْ وَيَعْتَزِلْنَ مُصَلَّاهُمْ. [راجع: ٣٢٤]

[981] حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ہمیں حکم دیا گیا تھا کہ عید کے لیے خود بھی نکلیں اور حائضہ، نوجوان اور پردہ نشین عورتوں کو بھی نکالیں۔ ... راوی حدیث ابن عون نے کہا کہ پردہ نشین نوجوان عورتیں ... چنانچہ حائضہ عورتیں مسلمانوں کی جماعت اور ان کی دعاؤں میں شریک ہوتی تھیں، البتہ نماز پڑھنے کی جگہ سے علیحدہ رہتی تھیں۔

[1] فتح الباری: 2/609.

فوائد و مسائل: ① بعض حضرات نے مذکورہ حدیث سے عورتوں کے لیے نماز عید باہر جا کر پڑھنے کا وجوب اخذ کیا ہے لیکن یہ وجوب محل نظر ہے کیونکہ اس میں تو وہ عورتیں بھی شامل ہیں جنھیں نماز پڑھنے کا مکلف قرار نہیں دیا گیا، البتہ عورتوں کے لیے عیدگاہ جانے کا استحباب ضرور ثابت ہوتا ہے، خواہ وہ عورتیں جوان ہوں یا ادھیڑ، خوبصورت ہوں یا اس کے برعکس، بہر حال انھیں عیدگاہ جانے کی تاکید ہے۔ ② امام طحاوی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے آغاز اسلام میں جوان پردہ نشین عورتوں کو نکلنے کا حکم اس لیے دیا تھا کہ مسلمانوں کی تعداد زیادہ معلوم ہو اور دشمنوں پر رعب قائم ہو کیونکہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی۔ اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اس موقف پر یہ اعتراض ہوا کہ نسخ ایسے احتمالات سے ثابت نہیں ہوتا، نیز حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کا فتویٰ بھی اس موقف کے خلاف ہے جو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد دیا ہے۔ دشمنوں پر رعب کی بات بھی عجیب ہے، اس لیے کہ عورتوں سے مدد لینا اور بوقت جنگ ان کی وجہ سے اپنی کثرت کا اظہار کرنا بجائے خود اپنی کمزوری بتانا ہے، لہٰذا بہتر ہے کہ جوان عورتوں کا عیدگاہ جانا اس وقت پر محمول ہو جب حالات پر امن ہوں، یعنی ان کے وہاں جانے سے نہ وہ خود کسی فتنے میں مبتلا ہوں اور نہ کوئی مردان کی وجہ سے فتنے میں پڑے، نیز راستے میں اور جمع ہونے کے مقامات میں مردوں کے ساتھ ان کا اختلاط نہ ہو، ایسے حالات میں ان کا عیدگاہ جانا پسندیدہ عمل ہے۔[1]

(۲۲) بَابُ النَّحْرِ وَالذَّبْحِ بِالْمُصَلّٰى يَوْمَ النَّحْرِ

باب: 22- قربانی کے دن عیدگاہ میں نحر اور ذبح کرنا

۹۸۲ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي كَثِيرُ بْنُ فَرْقَدٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَنْحَرُ أَوْ يَذْبَحُ بِالْمُصَلّٰى. [انظر: ۱۷۱۰، ۱۷۱۱، ۵۵۵۱، ۵۵۵۲]

[982] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ اونٹ یا کسی اور جانور کی قربانی عیدگاہ میں کیا کرتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ شرح تراجم بخاری میں لکھتے ہیں: مسنون عمل یہی ہے کہ اونٹ یا گائے وغیرہ کو عیدگاہ میں ذبح کیا جائے اور جو کچھ لوگ اس کے خلاف کر رہے ہیں، یعنی جب عیدگاہ سے واپس آ کر اپنے گھروں میں خود ذبح کرتے ہیں تو یہ کام غیر مسنون ہے اور ایسا سستی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ② بلاشبہ عیدگاہ میں قربانی کرنا مسنون ہے مگر حالات و ظروف کے پیش نظر یہ سنت اپنے گھروں اور مقررہ مقامات پر بھی ادا کی جاسکتی ہے، اگرچہ بہتر ہے کہ عیدگاہ میں یہ کام کیا جائے۔ سلاطین اسلام بھی عیدگاہوں میں قربانی کیا کرتے تھے۔ اس میں بہت سے مصالح ہیں۔ ایک تو شعائر اسلام کا اظہار ہے، دوسرے اس میں فقراء کا نفع ہے کہ جب عیدگاہ میں قربانی ہوگی تو ضرورت کے پیش نظر کچھ گوشت گھر کے لیے جائے گا، باقی سب فقراء میں تقسیم ہوگا، نیز راستے میں محتاج لوگوں کو دیا جائے گا، تاہم گھروں میں قربانی کرنا منع نہیں کیونکہ عام طور پر آج کل سرکاری

[1] فتح الباري: 2/607، 608.

پارکوں میں نماز عید ادا کی جاتی ہے، وہاں قربانی کا جانور ذبح کر کے گندگی پھیلانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ واللّٰہ أعلم

(٢٣) بَابُ كَلَامِ الْإِمَامِ وَالنَّاسِ فِي خُطْبَةِ الْعِيدِ، وَإِذَا سُئِلَ الْإِمَامُ عَنْ شَيْءٍ وَهُوَ يَخْطُبُ

باب: 23- خطبۂ عید کے دوران امام اور مقتدی حضرات کا گفتگو کرنا اور جب امام سے دوران خطبہ سوال کیا جائے (تو اس کا جواب دینا)

٩٨٣ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ قَالَ: حَدَّثَنَا مَنْصُورُ بْنُ الْمُعْتَمِرِ عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ: خَطَبَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ يَوْمَ النَّحْرِ بَعْدَ الصَّلَاةِ، فَقَالَ: «مَنْ صَلَّى صَلَاتَنَا وَنَسَكَ نُسُكَنَا فَقَدْ أَصَابَ النُّسُكَ، وَمَنْ نَسَكَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَتِلْكَ شَاةُ لَحْمٍ». فَقَامَ أَبُو بُرْدَةَ بْنُ نِيَارٍ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! وَاللهِ لَقَدْ نَسَكْتُ قَبْلَ أَنْ أَخْرُجَ إِلَى الصَّلَاةِ، وَعَرَفْتُ أَنَّ الْيَوْمَ يَوْمُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ فَتَعَجَّلْتُ وَأَكَلْتُ وَأَطْعَمْتُ أَهْلِي وَجِيرَانِي. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «تِلْكَ شَاةُ لَحْمٍ». قَالَ: فَإِنَّ عِنْدِي عَنَاقَ جَذَعَةٍ هِيَ خَيْرٌ مِنْ شَاتَيْ لَحْمٍ، فَهَلْ تَجْزِي عَنِّي؟ قَالَ: «نَعَمْ، وَلَنْ تَجْزِيَ عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ». [راجع: ٩٥١]

[983] حضرت براء بن عازب ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ عید الاضحیٰ کے دن رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز کے بعد خطبہ دیا، آپ نے فرمایا: ''جس نے ہمارے جیسی نماز پڑھی اور ہماری طرح قربانی کی تو اس نے ہمارے طریقۂ قربانی کو حاصل کر لیا۔ اور جس نے نماز سے پہلے قربانی کی تو یہ ایک گوشت کی بکری ہے۔'' حضرت ابوبردہ بن نیار ؓ اٹھے اور عرض کیا: اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! میں نے نماز کے لیے نکلنے سے پہلے قربانی کر دی ہے اور میں نے سوچا کہ آج کا دن کھانے پینے کا دن ہے، اس لیے میں نے جلدی کی، خود کھایا، نیز اہل خانہ اور ہمسایوں کو کھلایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ تو گوشت کی بکری ہے (قربانی نہیں)۔'' میں نے عرض کیا: میرے پاس ایک یک سالہ بکری کا بچہ ہے جو دو بکریوں کے گوشت سے بہتر ہے۔ کیا وہ مجھے قربانی سے کافی ہو گا؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں! لیکن تیرے بعد کسی کے لیے کافی نہیں ہو گا۔''

٩٨٤ - حَدَّثَنَا حَامِدُ بْنُ عُمَرَ عَنْ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ صَلَّى يَوْمَ النَّحْرِ، ثُمَّ خَطَبَ فَأَمَرَ مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ أَنْ يُعِيدَ ذَبْحَهُ. فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! جِيرَانٌ لِي - إِمَّا قَالَ: بِهِمْ

[984] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے عید الاضحیٰ کے دن نماز پڑھائی، پھر خطبہ دیا۔ آپ نے خطبے میں حکم دیا: ''جس نے نماز سے پہلے قربانی کی وہ دوبارہ کرے۔'' انصار میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے عرض کی: اللہ کے رسول! میرے پڑوسی ہیں جو محتاج ہیں، یا کہا: فقیر ہیں، اللہذا میں نے ان کی

خصاصة - وإنما قال: فقر - وإني ذبحت قبل الصلاة وعندي عناق لي أحب إلي من شاتي لحم، فرخص له فيها. [راجع: ٩٥٤]

وجہ سے قبل از نماز اپنی قربانی کو ذبح کر دیا اور میرے پاس ایک سالہ بکری کا بچہ ہے جو مجھے گوشت کی دو بکریوں سے محبوب تر ہے۔ آپ نے اسے وہی ذبح کرنے کی اجازت دے دی۔

٩٨٥ - حدثنا مسلم قال: حدثنا شعبة، عن الأسود، عن جندب قال: صلى النبي ﷺ يوم النحر ثم خطب، ثم ذبح وقال: «من ذبح قبل أن يصلي فليذبح أخرى مكانها، ومن لم يذبح فليذبح باسم الله». [انظر: ٥٥٠٠، ٥٥٦٢، ٦٦٧٤، ٧٤٠٠]

[985] حضرت جندب ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے عید الاضحیٰ کے دن نماز پڑھی، پھر خطبہ دیا، پھر قربانی کی اور دوران خطبہ میں فرمایا: "جس نے نماز سے پہلے (قربانی کا جانور) ذبح کیا تو اسے دوسرا جانور ذبح کرنا چاہیے اور جس نے نماز سے پہلے ذبح نہیں کیا اسے چاہیے کہ اب اللہ کا نام لے کر ذبح کرے۔"

فوائد و مسائل: ① خطبۂ جمعہ کا سننا واجب ہے۔ اس دوران میں گفتگو کرنا منع ہے۔ خطبۂ عید کے متعلق اتنی سختی نہیں ہے کیونکہ اس کے متعلق حدیث میں ہے کہ جو چاہے سننے کے لیے بیٹھا رہے۔ اور جس کا جی چاہے وہ چلا جائے۔ اس کے علاوہ دیگر مواعظ میں رخصت ہے کہ کوئی اٹھ جائے یا بیٹھ کر سنتا رہے۔ ② یہ پابندی صرف مقتدی حضرات کے لیے ہے کیونکہ امام دوران خطبہ میں بات بھی کر سکتا ہے اور کسی کے سوال کا جواب بھی دے سکتا ہے۔ امام بخاری ؒ کا رجحان یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ خطبۂ عیدین میں کچھ وسعت سمجھتے ہیں۔ مذکورہ عنوان اور پیش کردہ احادیث میں اسی کو ثابت کیا گیا ہے۔ گویا اس میں حسب ذیل دو احکام ہیں: ⓐ خطبۂ عید کے دوران خطیب اور سامع کسی مسئلے پر گفتگو کر سکتے ہیں یا نہیں؟ ⓑ کیا خطیب سے دوران خطبہ میں کوئی سوال کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ بعض شارحین نے اس عنوان کو تکرار قرار دیا ہے، حالانکہ پہلا حکم دوسرے حکم سے عام حیثیت رکھتا ہے۔ مصنف نے جواب اس لیے نہیں دیا کہ حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے کیونکہ دوران خطبہ میں رسول اللہ ﷺ اور ابو بردہ بن نیار ؓ کا باہمی گفتگو کرنا پہلا حکم ثابت کرتا ہے جبکہ بکری کے یک سالہ بچے کے متعلق حضرت ابو بردہ ؓ کا رسول اللہ ﷺ سے سوال کرنا دوسرے حکم کی دلیل ہے۔ نیز واضح رہے کہ آخری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے قربانی کے متعلق جو ہدایات دی ہیں وہ خطبے کا حصہ ہیں، خطبے کی تکمیل کے بعد آپ نے قربانی کو ذبح فرمایا۔•

(٢٤) بَابُ مَنْ خَالَفَ الطَّرِيقَ إِذَا رَجَعَ يَوْمَ الْعِيدِ

باب: 24- عید کے دن واپسی پر راستہ بدلنا

٩٨٦ - حدثنا محمد قال: أخبرنا أبو تميلة يحيى بن واضح، عن فليح بن سليمان، عن سعيد بن الحارث، عن جابر قال: كان النبي

[986] حضرت جابر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ جب عید کا دن ہوتا تو نبی ﷺ راستہ تبدیل کرتے، یعنی ایک راستے سے جاتے تو واپسی کے وقت

• فتح الباری: 608/2

بِحَجَّةٍ إِذَا كَانَ يَوْمُ عِيدٍ خَالَفَ الطَّرِيقَ

دوسرا راستہ اختیار کرتے۔

تَابَعَهُ يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ فُلَيْحٍ. [عَنْ سَعِيدٍ]، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَحَدِيثُ جَابِرٍ أَصَحُّ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے لیکن حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت زیادہ صحیح ہے۔

فائدہ: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے راستہ بدلنے کی بیس سے زیادہ مصلحتیں بیان کی ہیں جن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں: ٭ ہر طرف سے شوکت اسلام کا اظہار ہو۔ ٭ جہاں جہاں قدم پڑیں قیامت کے دن وہ مٹکے گواہی دیں۔ ٭ دونوں طرف کے رہنے والے لوگوں سے ملاقات اور اظہار ہمدردی ہو۔ ٭ راستہ بدلنے میں نیک فال مقصود ہے کیونکہ اسی راستے سے واپس جانا ایسا ہے جیسا کہ پہلے کام کو ادھیڑ رہا ہے۔ ٭ راستہ تبدیل کیا تاکہ یہود و منافقین کی نظر بد سے محفوظ رہیں۔[1]

(٢٥) بَابٌ: إِذَا فَاتَهُ الْعِيدُ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ

باب-25- جب کسی سے نماز عید فوت ہو جائے تو وہ دو رکعت پڑھے

وَكَذَلِكَ النِّسَاءُ وَمَنْ كَانَ فِي الْبُيُوتِ وَالْقُرَى لِقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «هَذَا عِيدُنَا أَهْلَ الْإِسْلَامِ».

اسی طرح خواتین اور وہ لوگ جو گھروں اور دیہاتوں میں رہتے ہیں وہ بھی دو رکعت پڑھیں کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''اے اہل اسلام! یہ ہماری عید کا دن ہے۔''

وَأَمَرَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ مَوْلَاهُ ابْنَ أَبِي [عُتْبَةَ] بِالزَّاوِيَةِ فَجَمَعَ أَهْلَهُ وَبَنِيهِ وَصَلَّى كَصَلَاةِ أَهْلِ الْمِصْرِ وَتَكْبِيرِهِمْ. وَقَالَ عِكْرِمَةُ: أَهْلُ السَّوَادِ يَجْتَمِعُونَ فِي الْعِيدِ يُصَلُّونَ رَكْعَتَيْنِ كَمَا يَصْنَعُ الْإِمَامُ. وَقَالَ عَطَاءٌ: إِذَا فَاتَهُ الْعِيدُ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے زاویہ میں اپنے غلام ابن ابی عتبہ کو حکم دیا تو اس نے ان کے گھر والوں اور بیٹوں کو جمع کیا پھر وہ شہر والوں کی طرح نماز پڑھتے اور ان جیسی تکبیرات کہتے تھے۔ حضرت عکرمہ نے کہا: دیہات کے لوگ عید میں جمع ہوں اور امام کی طرح دو رکعت پڑھیں۔ حضرت عطاء نے کہا: جب کسی کی نماز عید فوت ہو جائے تو وہ دو رکعت پڑھ لے۔

وضاحت: اس عنوان اور اس میں پیش کردہ آثار و احادیث سے امام بخاری رحمہ اللہ عید سے متعلق دو حکم ثابت کرنا چاہتے ہیں: ٭ اگر نماز عید کی جماعت اختیار و اضطرار کی بنا پر رہ جائے تو اس کی تلافی مشروع ہے۔ ٭ اسے تکبیرات سمیت بطور قضا پڑھنا ہوگا۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ اگر نماز عید کی جماعت رہ جائے تو وہ دو رکعت کی بجائے چار رکعات ادا کرے جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انھوں نے فرمایا: جس کی نماز عید با جماعت رہ جائے وہ چار رکعت پڑھے۔ ان حضرات

[1] فتح الباری 608/2.

نے نماز عید کو نماز جمعہ پر قیاس کیا ہے لیکن یہ قیاس اس لیے درست نہیں کہ اصل ظہر ہے اور جمعہ اس کا بدل ہے، اگر جمعہ رہ جائے تو اس کی جگہ اصل نماز پڑھنی چاہیے، لیکن نماز عید میں ایسا نہیں ہے، اس لیے فوت ہونے پر اسے جوں کا توں ادا کرنا ہوگا، یعنی امام بخاری رحمہ اللہ نے ثابت فرمایا ہے کہ نماز عید سب پڑھیں گے، خواہ خواتین یا مرد حضرات گاؤں میں ہوں یا شہر میں اور اس کے فوت ہو جانے پر قضا دینا بھی مشروع ہے اور قضا بھی تکبیرات کے ساتھ ادا کرنی ہوگی۔ اس سلسلے میں انھوں نے ایک حدیث کا حوالہ دیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''اے اہل اسلام! یہ ہماری عید کا دن ہے۔'' ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث کسی بھی کتاب میں مروی نہیں۔ شاید دو احادیث کو ملا کر مضمون بیان کر دیا ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ ہر قوم کی عید ہوتی ہے جس میں وہ اظہار مسرت کرتے ہیں اور آج ہماری عید ہے، نیز عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ اے اہل اسلام! منیٰ کے ایام ہمارے لیے عید کی حیثیت رکھتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ضمناً ایک اور مسئلہ بھی بیان کیا ہے کہ دیہات میں بھی نماز عید جائز ہے جیسا کہ آپ نے لکھا ہے کہ جو لوگ دیہاتوں میں رہتے ہوں وہ بھی دو رکعت نماز عید پڑھیں کیونکہ عید کی نسبت دن کی طرف ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں عید ہوگی اس کے تقاضے پورے کرنا ہوں گے، خواہ وہ عید شہر میں ہو یا دیہات میں، آدمی اکیلا ہو یا جماعت کی شکل میں، مرد ہوں یا عورتیں تمام کو اسے ادا کرنا ہے۔[1]

٩٨٧ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ أَبَا بَكْرٍ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا جَارِيَتَانِ فِي أَيَّامِ مِنًى تُدَفِّفَانِ وَتَضْرِبَانِ، وَالنَّبِيُّ ﷺ مُتَغَشٍّ بِثَوْبِهِ، فَانْتَهَرَهُمَا أَبُو بَكْرٍ، فَكَشَفَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ وَجْهِهِ وَقَالَ: «دَعْهُمَا يَا أَبَا بَكْرٍ! فَإِنَّهَا أَيَّامُ عِيدٍ» وَتِلْكَ الْأَيَّامُ أَيَّامُ مِنًى. [راجع: ٩٤٩]

[987] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان کے ہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو ایام منیٰ میں اس وقت دو لڑکیاں دف بجا کر گیت گا رہی تھیں اور نبی ﷺ نے اپنا چہرہ کپڑے سے ڈھانپ رکھا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان لڑکیوں کو ڈانٹا تو نبی ﷺ نے اپنے چہرے سے کپڑا ہٹا کر فرمایا: ''اے ابوبکر! انھیں اپنی حالت میں رہنے دو، اس لیے کہ یہ عید کے دن ہیں۔'' اور یہ منیٰ کے دنوں کی بات ہے۔

٩٨٨ - وَقَالَتْ عَائِشَةُ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَسْتُرُنِي وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَى الْحَبَشَةِ وَهُمْ يَلْعَبُونَ فِي الْمَسْجِدِ فَزَجَرَهُمْ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «دَعْهُمْ. أَمْنًا بَنِي أَرْفِدَةَ»، يَعْنِي مِنَ الْأَمْنِ. [راجع: ٤٥٤]

[988] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ میں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے مجھے چھپا رکھا تھا اور میں اہل حبشہ کی طرف دیکھ رہی تھی جبکہ وہ مسجد میں کھیل رہے تھے۔ انھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ڈانٹا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''انھیں اپنی حالت پر رہنے دو، اے

[1] فتح الباري: 611/2، 612.

جو ارفدہ! تم اطمینان سے اپنے کرتب جاری رکھو۔" حدیث میں لفظ امن کے معنی بلا خوف و خطر ہیں۔

فوائد و مسائل: ① ان احادیث کی عنوان سے مطابقت کے متعلق ابن منیر نے لکھا ہے کہ امام بخاری ؒ نے ہاتھا ایام عید "یہ عید کے دن ہیں" سے استدلال کیا ہے کیونکہ ان الفاظ میں مطلق طور پر عید کی نسبت دنوں کی طرف ہے، اس لیے نماز عید کی اقامت کے لیے منفرد، جماعت، عورتیں اور مرد سب برابر ہیں۔ پھر ابن رشید نے ابن منیر کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ ایام عید اہل اسلام کے لیے ہیں جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے کہ اے اہل اسلام! یہ ہماری عید کے دن ہیں۔ اہل اسلام کے الفاظ منفرد اور جماعت سب کو شامل ہیں، البتہ نماز عید کی قضا کے لیے امام بخاری کا استدلال، ایام منیٰ سب عید کے دن ہیں، سے ہے۔ جب ان ایام کو ایام عید کہا گیا ہے تو یہ دن نماز عید کی ادائیگی کے لیے محل قرار پاتے ہیں کیونکہ اس نماز کی مشروعیت یوم عید کی بنا پر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایام منیٰ کے آخری دن تک نماز عید کو پڑھا جا سکتا ہے۔[1] واللہ اعلم۔ مختصر یہ کہ امام بخاری ؒ نے اس روایت کے عموم سے استدلال کیا ہے کہ جب عید سب کے لیے ہے تو نماز عید بھی سب کے لیے ہوگی، خواہ شہری ہوں یا دیہاتی، مرد ہوں یا عورتیں۔ ② حدیث کے آخر میں لفظ أمنًا کو امن سے مأخوذ بتایا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ امان سے مأخوذ نہیں کیونکہ لفظ امان کا اطلاق کفار و مشرکین پر کیا جاتا ہے، اگر اسے امان سے مأخوذ کیا جائے تو عید کی خوشیاں سب کے لیے ہوں گی، خواہ وہ مشرک ہوں یا کافر۔ امن سے مأخوذ ہونے کا مقصد یہ ہے کہ حضرت عمر ؓ نے اہل حبشہ کو ڈانٹ ڈپٹ کر کے ہراساں کر دیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے اس کا ازالہ کرتے ہوئے فرمایا کہ انھیں امن کی حالت میں رہنے دو، جو کچھ کرتے ہیں انھیں کرنے دو، نیز اے بنی ارفدہ! امن و اطمینان کے ساتھ کھیلتے رہو۔

(٢٦) بَابُ الصَّلَاةِ قَبْلَ الْعِيدِ وَبَعْدَهَا

باب: 26- نماز عید سے پہلے اور اس کے بعد نماز پڑھنے کی حیثیت

وَقَالَ أَبُو الْمُعَلَّى: سَمِعْتُ سَعِيدًا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ كَرِهَ الصَّلَاةَ قَبْلَ الْعِيدِ

ابو معلیٰ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیر کو حضرت ابن عباس ؓ سے بیان کرتے ہوئے سنا، وہ عید سے پہلے نماز کو مکروہ خیال کرتے تھے۔

وضاحت: ابو معلیٰ کا نام یحییٰ بن دینار العطار ہے۔ امام بخاری ؒ نے صرف اس مقام پر ان کا ذکر کیا ہے۔ ان کا سعید بن جبیر سے سماع ثابت ہے۔[2]

٩٨٩ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنِي عَدِيُّ بْنُ ثَابِتٍ قَالَ: سَمِعْتُ

[989] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ عید الفطر کے دن باہر تشریف لے گئے۔ وہاں دو

1 فتح الباري: 612/2. 2 عمدة القاري: 21/6.

سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ يَوْمَ الْفِطْرِ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ لَمْ يُصَلِّ قَبْلَهَا وَلَا بَعْدَهَا وَمَعَهُ بِلَالٌ.

رکعت نماز عید پڑھی لیکن اس سے پہلے اور اس کے بعد کچھ نہیں پڑھا۔ آپ کے ہمراہ حضرت بلال ؓ تھے۔

فوائد و مسائل: ① عیدگاہ میں نماز عید سے پہلے اور نماز عید کے بعد نوافل پڑھنے مکروہ ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے عیدگاہ میں نوافل پڑھنا ثابت نہیں، البتہ گھر آ کر دو نفل پڑھنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے جیسا کہ حضرت ابوسعید ؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز عید سے پہلے نوافل نہیں پڑھتے تھے، جب گھر واپس آ جاتے تو دو رکعت ادا کرتے۔[1] حاصل کلام یہ ہے کہ نماز عید سے پہلے اور نماز عید کے بعد اس کی کوئی سنتیں ثابت نہیں ہیں۔[2] ② عید گاہ میں صرف تین کام مشروع ہیں: ✱ نماز عید ✱ خطبۂ عید ✱ دعائے خیر۔ اسوۂ رسول ﷺ یہی ہے اور اس پر عمل کرنے میں اجر و ثواب کی امید کی جا سکتی ہے۔

1 سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، حديث: 1293۔ 2 فتح الباري: 614/2.

نماز وتر کی اہمیت

عشاء اور فجر کے درمیان بہت سا وقت خالی ہے جس میں کوئی نماز فرض نہیں، حالانکہ یہ وقت اس لحاظ سے بہت قیمتی ہے کہ اس میں فضا بہت پرسکون ہوتی ہے۔ جس قدر یکسوئی اور دل جمعی اس وقت ہوتی ہے دوسرے اوقات میں نہیں ہوتی۔ یہ وقت نماز وتر کے لیے بہت موزوں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس نماز کو سرخ اونٹوں سے بہتر قرار دیا ہے اور اس کا وقت نماز عشاء کے بعد سے صبح صادق تک مقرر کیا ہے، یعنی اسے اس دوران میں کسی بھی وقت پڑھا جاسکتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس نماز کے آداب و احکام بیان کرنے کے لیے ایک مرکزی عنوان قائم کیا ہے جس میں پندرہ (15) احادیث بیان کی ہیں اور ان پر سات (7) چھوٹے چھوٹے عنوان قائم کیے ہیں۔ تمام محدثین نے نماز تہجد اور نماز وتر کے متعلق الگ الگ عنوان قائم کیے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ چونکہ ان دونوں میں ایک قسم کا رابطہ اور تعلق بھی ہے، اس لیے نماز تہجد کے ابواب میں وتر اور ابواب وتر میں تہجد کا ذکر ہوتا ہے۔ نماز وتر، نماز تہجد کا ایک حصہ ہے جو اس سے صورت، قراءت اور قنوت وغیرہ کے اعتبار سے الگ اور مستقل حیثیت رکھتی ہے۔ نماز وتر کے متعلق کئی ایک مسائل ذکر ہوں گے، مثلاً: نماز وتر واجب ہے یا سنت؟ اس کی رکعات کتنی ہیں؟ نیت شرط ہے یا نہیں؟ اس میں مخصوص سورتوں کی قراءت ہوتی ہے؟ اس کا آخری وقت کیا ہے؟ کیا اسے دوران سفر میں سواری پر پڑھا جاسکتا ہے؟ اگر نماز وتر رہ جائے تو اسے بطور قضا پڑھا جاسکتا ہے؟ اس میں قنوت کی حیثیت کیا ہے؟ محل قنوت کے متعلق کیا ہدایات ہیں؟ اس میں کون سی دعا مشروع ہے؟ اسے وصل و فصل سے پڑھنے کا کیا مطلب ہے؟ وتر کے بعد دو رکعت پڑھنی ثابت ہیں یا نہیں؟ پھر اسے بیٹھ کر پڑھنا چاہیے یا کھڑے ہوکر، اس کے متعلق طریقۂ نبوی کیا ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ امور ان کے علاوہ دیگر بیسیوں احکام بیان کیے ہیں جنھیں ہم ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الوتر میں 15 مرفوع احادیث بیان کی ہیں جن میں ایک معلق اور باقی موصول ہیں، پھر آٹھ مکرر ہیں اور سات خالص۔ ان سب احادیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ مرفوع احادیث کے علاوہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی تین آثار بھی متصل اسانید سے بیان کیے ہیں۔ نماز وتر کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس کی ادائیگی کے لیے اپنے اہل خانہ کو پچھلی رات بیدار کیا کرتے تھے، جو سو کر آخر شب بیدار نہیں ہوسکتا

تھا اسے اول رات ادا کرنے کا حکم فرماتے تھے اور اگر رہ جاتے تو اس کی قضا کا حکم دیتے تھے۔ الغرض نماز وتر بہت اہمیت کی حامل ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کی اہمیت و فضیلت کو خوب اجاگر کیا ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ وہ ہماری پیش کردہ تمہیدی گزارشات کو مدنظر رکھتے ہوئے کتاب الوتر کا مطالعہ کریں تاکہ امام بخاری رحمہ اللہ کی قوت استدلال اور طریقۂ استنباط سے آگاہی ہو۔ واللہ الموفق وھو الھادی الی سواء السبیل۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

14 - أَبْوَابُ الْوِتْرِ

وتروں سے متعلق احکام و مسائل

(١) [بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوِتْرِ]

باب: 1- وتر کے متعلق جو وارد ہے

٩٩٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنْ صَلَاةِ اللَّيْلِ: فَقَالَ ﷺ: «صَلَاةُ اللَّيْلِ مَثْنَى مَثْنَى، فَإِذَا خَشِيَ أَحَدُكُمُ الصُّبْحَ صَلَّى رَكْعَةً وَاحِدَةً، تُوتِرُ لَهُ مَا قَدْ صَلَّى». [راجع: ٤٧٢]

[990] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے نماز شب کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: "رات کی نماز دو دو رکعت ہے، جب تم میں سے کسی کو صبح ہو جانے کا خدشہ ہو تو ایک رکعت پڑھ لے، وہ اس کی نماز کو وتر بنا دے گی۔"

٩٩١ - وَعَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يُسَلِّمُ بَيْنَ الرَّكْعَةِ وَالرَّكْعَتَيْنِ فِي الْوِتْرِ حَتَّى يَأْمُرَ بِبَعْضِ حَاجَتِهِ.

[991] حضرت نافع سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نماز وتر میں ایک اور دو رکعت کے درمیان سلام پھیرتے تھے حتی کہ اپنی بعض ضروریات کو پورا کرنے کا حکم فرماتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث کو کتاب الوتر میں لائے ہیں، حالانکہ اس کا تعلق صلاۃ اللیل سے ہے جس کے لیے امام بخاری نے ایک الگ عنوان قائم کیا ہے۔ چونکہ اس حدیث کے بعض طرق میں وضاحت ہے کہ سائل نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی نماز شب کو وتر بنانے کا طریقہ پوچھا تھا، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الوتر کا آغاز اس حدیث سے کیا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ میں رات کی نماز کو وتر کیسے بناؤں؟ آپ نے فرمایا کہ رات کو نماز پڑھنے والا دو دو رکعت ادا کرے اور جب محسوس کرے کہ صبح طلوع ہونے کو ہے تو ایک رکعت پڑھ لے۔ یہ اس کی پہلی نماز کو وتر بنا دے گی۔[1] لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ سائل نے کیفیت ادا کے متعلق سوال کیا تھا کہ صلاۃ اللیل کو

[1] صحیح مسلم، صلاۃ المسافرین، حدیث: 1748 (749)۔

اکٹھا ادا کرنا ہے یا الگ الگ، تو آپ نے فرمایا: ''صلاۃ اللیل کو دو دو کر کے پڑھا جائے۔'' راوی حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جب اس کا مفہوم دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ ہر دو رکعت پر سلام پھیر دیا جائے۔ اس طرح صلاۃ اللیل کو ادا کیا جائے، پھر آخر میں وتر پڑھا جائے۔[1] دن کے نوافل میں بھی یہی طریقہ ہونا چاہیے جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ دن اور رات کی نماز دو دو کر کے پڑھی جائے۔[2] رسول اللہ ﷺ کا عمل بھی دن کی نماز کے متعلق اسی طرح ہے جیسا کہ فتح مکہ کے موقع پر حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر آپ نے چاشت کی آٹھ رکعات پڑھی تھیں اور ہر دو رکعت پر سلام پھیرا تھا۔[3] ان احادیث سے معلوم ہوا کہ وتر کی آخری ایک رکعت کو الگ پڑھا جائے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز عشاء سے فراغت کے بعد سے فجر تک گیارہ رکعت پڑھتے۔ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرتے، پھر آخر میں ایک رکعت وتر ادا کرتے تھے۔[4] اس طرح نماز شب ادا کرنا افضل ہے، البتہ یہ بھی جائز ہے کہ آخری رکعت وتر الگ پڑھنے کے بجائے اکٹھی وصل سے پڑھا جائے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو تیرہ رکعت پڑھتے، ان میں پانچ وتر ہوتے، ان میں تشہد کے لیے صرف آخری رکعت میں بیٹھتے تھے۔[5] تین وتر بھی ایک سلام سے پڑھنے ثابت ہیں جیسا کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ تین وتروں میں تین سورتیں ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ ، ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ﴾ اور ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ پڑھتے اور صرف آخری میں سلام پھیرتے تھے۔[6] ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ وتر کی نماز وصل سے بھی پڑھتے تھے۔[7] (ج) اس حدیث کے پیش نظر بعض حضرات کا موقف ہے کہ ایک وتر پڑھنے کے لیے شرط ہے کہ اس سے پہلے کچھ نہ کچھ نماز پڑھی گئی ہو، صرف ایک رکعت پر اکتفا صحیح نہیں۔ لیکن یہ موقف صحیح احادیث کے خلاف ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وتر برحق ہیں، اس لیے جو چاہے پانچ پڑھ لے یا تین پڑھ لے یا ایک وتر ہی پڑھ لے۔''[8] حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی ایک رکعت نماز وتر ادا کی تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کی تصویب فرمائی تھی۔[9] حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے متعلق حدیث میں ہے کہ وہ نماز عشاء کے بعد صرف ایک رکعت وتر پڑھتے تھے، اس کے علاوہ کچھ نہیں ادا کرتے تھے۔[10] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ صحت وتر کے لیے ضروری نہیں کہ اس سے پہلے کچھ نہ کچھ نماز ادا کی گئی ہو، البتہ بہتر ہے کہ ایک رکعت وتر سے پہلے کچھ رکعات پڑھی جائیں تاکہ اس ایک رکعت سے پہلی ادا شدہ نماز کو وتر بنالیا جائے۔[11]

٩٩٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مَخْرَمَةَ بْنِ سُلَيْمَانَ، عَنْ كُرَيْبٍ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ بَاتَ عِنْدَ مَيْمُونَةَ - وَهِيَ

[992] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے اپنی خالہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں رات بسر کی۔ فرماتے ہیں: میں بستر کے عرض میں لیٹ گیا جبکہ

---

1 صحیح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 1763 (749). 2 سنن أبي داود، التطوع، حديث: 1295. 3 سنن أبي داود، التطوع، حديث: 1290. 4 صحيح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 1718 (736). 5 صحيح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 1720 (737). 6 سنن النسائي، قيام الليل، حديث: 1702. 7 فتح الباري: 620/2. 8 سنن أبي داود، الوتر، حديث: 1422. 9 صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، حديث: 3764. 10 مسند أحمد: 432/5. 11 فتح الباري: 620/2.

خَالَتُهُ - فَاضْطَجَعْتُ فِي عَرْضِ وِسَادَةٍ، وَاضْطَجَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَهْلُهُ فِي طُولِهَا، فَنَامَ حَتَّى انْتَصَفَ اللَّيْلُ أَوْ قَرِيبًا مِنْهُ فَاسْتَيْقَظَ يَمْسَحُ النَّوْمَ عَنْ وَجْهِهِ، ثُمَّ قَرَأَ عَشْرَ آيَاتٍ مِنْ آلِ عِمْرَانَ، ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِلَى شَنٍّ مُعَلَّقَةٍ فَتَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي، فَصَنَعْتُ مِثْلَهُ، فَقُمْتُ إِلَى جَنْبِهِ فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى رَأْسِي وَأَخَذَ بِأُذُنِي يَفْتِلُهَا، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ أَوْتَرَ، ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتَّى جَاءَهُ الْمُؤَذِّنُ فَقَامَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى الصُّبْحَ

رسول اللہ ﷺ اور آپ کی اہلیہ محترمہ اس کے طول میں محو استراحت ہوئے۔ آپ آدھی یا اس کے لگ بھگ رات تک سوئے رہے۔ پھر جب بیدار ہوئے تو چہرے پر ہاتھ پھیر کر نیند کے اثرات دور کیے۔ اس کے بعد آپ نے سورۂ آل عمران کی دس آیات تلاوت فرمائیں، پھر آپ پانی سے بھری ہوئی آویزاں پرانی مشک کی طرف آئے، اس سے اچھی طرح وضو کیا اور نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ میں بھی اسی طرح کرتا ہوا آپ کے پہلو میں جا کھڑا ہوا۔ آپ نے اپنا دایاں ہاتھ میرے سر پر رکھا اور میرا کان پکڑ کر اسے مروڑنے لگے۔ پھر آپ نے دو رکعت پڑھیں، اس کے بعد دو رکعت، پھر دو رکعت، بعد ازاں دو رکعت، پھر دو رکعت پڑھیں، پھر دو رکعت مزید ادا کیں، پھر وتر پڑھ کر آپ لیٹ گئے تا آنکہ آپ کے پاس مؤذن (نماز کی اطلاع دینے) آیا تو آپ کھڑے ہوئے اور دو رکعت (سنت فجر) پڑھیں۔ پھر باہر تشریف لے گئے اور فجر کی نماز پڑھائی۔

فوائد و مسائل: ① اس روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے تیرہ رکعات ادا کیں، چنانچہ دیگر روایات میں اس کی صراحت بھی ہے۔[1] روایات میں یہ بھی وضاحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرتے تھے۔[2] صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ دو رکعت کے بعد مسواک کرتے اور وضو فرماتے تھے۔[3] لیکن صحیح بخاری کی ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ کی ان رکعات کو گیارہ بتایا گیا ہے۔[4] یہ روایت شریک بن عبداللہ سے مروی ہے جنھوں نے حضرت کریب سے بیان کیا ہے جبکہ کریب کے باقی شاگرد تیرہ رکعات ہی بیان کرتے ہیں، اس بنا پر شریک کی روایت مرجوح ہے۔ حضرت عائشہ ؓ سے بھی صلاۃ اللیل کی تعداد تیرہ ہی مروی ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں اس کے متعلق متعدد روایات ہیں۔[5] اصل تعداد گیارہ رکعت ہے جیسا کہ حضرت عائشہ ؓ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی صلاۃ اللیل رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہ ہوتی تھی۔[6] ② تیرہ رکعات کی چند ایک صورتیں حسب ذیل ہیں: ٭ رسول اللہ ﷺ صلاۃ اللیل سے پہلے ہلکی سی دو رکعت بطور افتتاح پڑھتے تھے، پھر گیارہ رکعت پڑھتے۔[7] ٭ وتر کے بعد دو رکعت بیٹھ کر پڑھتے۔ انھیں شمار کر کے تیرہ رکعت ہوتی

---

1 صحیح البخاري، الدعوات، حدیث: 6316. 2 فتح الباري: 623/2. 3 صحیح مسلم، صلاة المسافرین، حدیث: 1799(763). 4 صحیح البخاري، التفسیر، حدیث: 4569. 5 صحیح مسلم، صلاة المسافرین، حدیث: 1720(737). 6 صحیح البخاري، التهجد، حدیث: 1147. 7 سنن أبي داود، التطوع، حدیث: 1366.

ہیں۔[1] ٭ نماز فجر کی دو سنتوں کو شمار کر کے تیرہ رکعت بیان کی گئی ہیں۔[2] دراصل حضرت ابن عباس ؓ سے بیان کرنے والے متعدد راوی ہیں، بعض تو تعداد کا ذکر ہی نہیں کرتے، جنھوں نے تعداد بیان کی ہے وہ تیرہ سے زیادہ اور گیارہ سے کم بیان نہیں کرتے۔[3]

٩٩٣ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَمْرٌو أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الْقَاسِمِ حَدَّثَهُ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «صَلَاةُ اللَّيْلِ مَثْنَى مَثْنَى، فَإِذَا أَرَدْتَ أَنْ تَنْصَرِفَ فَارْكَعْ رَكْعَةً تُوتِرُ لَكَ مَا صَلَّيْتَ». قَالَ الْقَاسِمُ: وَرَأَيْنَا أُنَاسًا مُنْذُ أَدْرَكْنَا يُوتِرُونَ بِثَلَاثٍ، وَإِنَّ كُلًّا لَوَاسِعٌ، وَأَرْجُو أَنْ لَا يَكُونَ بِشَيْءٍ مِنْهُ بَأْسٌ. [راجع: ٤٧٢]

[993] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: "نماز شب دو دو رکعت ہے۔ جب تو نماز ختم کرنے کا ارادہ کرے تو ایک رکعت پڑھ لے، یہ رکعت تیری سابقہ نماز کو وتر بنا دے گی۔" قاسم بن محمد بن ابی بکر کہتے ہیں: ہم نے جوان ہوتے ہی لوگوں کو دیکھا کہ وہ تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔ یقیناً (تین یا ایک) ہر ایک میں وسعت ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس میں چنداں حرج نہیں۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ نے حضرت ابن عمر ؓ سے مروی حدیث کا ایک طریق پہلے بیان کیا تھا کہ نماز شب دو دو رکعت ہے۔ اگر اضطراری حالت ہو کہ اسے صبح ہونے کا خدشہ لاحق ہو جائے تو ایک رکعت پڑھ کر سابقہ نماز کو وتر بنا لے۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اضطراری حالت کے علاوہ بھی اپنے ارادہ و اختیار سے سابقہ ادا شدہ نماز کو ایک رکعت پڑھ کر وتر بنایا جا سکتا ہے۔ ثابت ہوا کہ اضطراری و اختیاری ہر دو صورتوں میں سابقہ ادا شدہ نماز کو ایک رکعت کے ذریعے وتر بنایا جا سکتا ہے اور صرف ایک وتر پڑھنا بھی جائز ہے بایں طور کہ اس سے قبل کوئی دو دو رکعت ادا نہ کی ہوں۔ ② اس روایت کے آخر میں حضرت قاسم بن محمد کا ارشاد ذکر ہوا ہے، یہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے پوتے ہیں۔ بڑے عالم اور فقیہ تھے۔ ان کے بیان کردہ موقف سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز وتر کے سلسلے میں ان کے ہاں تنگی نہیں ہے، یعنی تین اور ایک وتر پڑھا جا سکتا ہے۔ اس کے باوجود بعض حضرات کا موقف ہے کہ نماز وتر کی ایک رکعت پڑھنا جائز نہیں بلکہ منسوخ ہے، حالانکہ نماز وتر کی ایک رکعت پڑھنا صحیح ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل ؒ کا یہی موقف ہے۔ حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "وتر پچھلی رات میں ایک رکعت ہے۔"[4] اس کے علاوہ حضرت عائشہ ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک وتر پڑھتے تھے۔[5]

---

1 صحيح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 1724 (738). 2 سنن أبي داود، التطوع، حديث: 1365. 3 فتح الباري: 624/2. 4 صحيح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 1758 (752). 5 صحيح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 1718 (736).

٩٩٤ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً كَانَتْ تِلْكَ صَلَاتَهُ - تَعْنِي بِاللَّيْلِ - فَيَسْجُدُ السَّجْدَةَ مِنْ ذٰلِكَ قَدْرَ مَا يَقْرَأُ أَحَدُكُمْ خَمْسِينَ آيَةً قَبْلَ أَنْ يَرْفَعَ رَأْسَهُ وَيَرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْفَجْرِ، ثُمَّ يَضْطَجِعُ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ حَتَّى يَأْتِيَهُ الْمُؤَذِّنُ لِلصَّلَاةِ. [راجع: ٦٢٦]

[994] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ (رات کو) گیارہ رکعت پڑھا کرتے تھے۔ آپ کی نماز شب یہی ہوتی تھی۔ ان رکعات میں آپ کا سجدہ اتنا طویل ہوتا تھا کہ آپ کے سر اٹھانے سے پہلے تم میں سے کوئی بھی پچاس آیات پڑھ سکتا تھا۔ نماز فجر سے پہلے آپ دو رکعت پڑھتے تھے، پھر اپنے دائیں پہلو پر لیٹ رہتے تا آنکہ مؤذن نماز کی اطلاع دینے کے لیے آپ کے پاس آتا۔

فائدہ: اس حدیث کے بعض طرق میں وضاحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز عشاء سے فراغت کے بعد فجر تک گیارہ رکعت پڑھتے تھے۔ ان میں ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے اور آخر میں ایک رکعت وتر ادا کرتے۔ اس کے بعد نماز فجر سے قبل ہلکی پھلکی دو رکعت (سنت) پڑھتے تھے۔[1] حضرت عائشہ ؓ سے مروی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کے وقت تیرہ رکعت پڑھتے تھے ان میں پانچ وتر ہوتے تھے جن میں ایک سلام ہوتا اور آخری رکعت میں بیٹھتے تھے۔[2] ان روایات میں تضاد نہیں بلکہ اس آخری روایت میں فجر کی دو سنتوں کو شامل کر کے تیرہ رکعت بیان کی گئی ہیں جیسا کہ ایک روایت میں اس کی صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی دو رکعت سمیت تیرہ رکعت پڑھتے تھے۔[3] اس روایت کے بعض طرق میں وضاحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز شب میں ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرتے اور آخر میں ایک رکعت وتر ادا کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ آخر میں تین رکعت وتر فصل سے پڑھتے تھے۔ احناف کا موقف اس کے خلاف ہے۔ وہ تین رکعت وتر وصل، یعنی ایک سلام سے پڑھنے کو ضروری خیال کرتے ہیں۔ مذکورہ حدیث عائشہ سے ان کے اختیار کردہ موقف کی تردید ہوتی ہے۔[4] نیز احناف کا وتر کی نماز میں دو رکعت کے بعد تشہد کے لیے بیٹھنا کسی بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔

(٢) بَابُ سَاعَاتِ الْوِتْرِ

باب: 2- اوقات وتر کا بیان

وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: أَوْصَانِي رَسُولُ اللهِ ﷺ بِالْوِتْرِ قَبْلَ النَّوْمِ.

حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے وصیت فرمائی کہ سونے سے پہلے وتر پڑھ لیا کروں۔

وضاحت: اس معلق روایت کو امام بخاری ؒ نے خود ہی متصل سند سے بیان کیا ہے۔[5]

1 صحیح مسلم، صلاة المسافرین، حدیث: 1718 (736). 2 صحیح مسلم، صلاة المسافرین، حدیث: 1720 (737). 3 صحیح مسلم، صلاة المسافرین، حدیث: 1722 (737). 4 فتح الباري: 626/2. 5 صحیح البخاري، التهجد، حدیث: 1178.

٩٩٥ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ ابْنُ زَيْدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ سِيرِينَ قَالَ: قُلْتُ لِابْنِ عُمَرَ: أَرَأَيْتَ الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْغَدَاةِ نُطِيلُ فِيهِمَا الْقِرَاءَةَ؟ فَقَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ مَثْنَى مَثْنَى وَيُوتِرُ بِرَكْعَةٍ وَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْغَدَاةِ وَكَأَنَّ الْأَذَانَ بِأُذُنَيْهِ.

قَالَ حَمَّادٌ: أَيْ بِسُرْعَةٍ. [راجع: ٤٧٢]

[995] حضرت انس بن سیرین سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عمر ؓ سے دریافت کیا کہ نماز صبح سے قبل دو رکعت کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے کیا ہم ان میں لمبی قراءت کر سکتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ نبی ﷺ نماز شب دو دو رکعت پڑھتے، پھر آخر میں ایک رکعت پڑھ کر اسے طاق بنا لیتے۔ صبح کی نماز سے پہلے دو رکعت تو اس طرح ادا کرتے گویا اذان، یعنی اقامت کی آواز آپ کے کان میں پڑ رہی ہے۔

(راوی حدیث) حماد نے کہا کہ اس سے مراد جلدی جلدی پڑھنا ہے۔

فوائد و مسائل: ① اس عنوان اور پیش کردہ حدیث میں اوقات وتر کو بیان کیا گیا ہے۔ وتر کا وقت عشاء کے بعد سے طلوع فجر تک ہے جیسا کہ حضرت خارجہ بن حذافہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وتر کا وقت نماز عشاء کے بعد سے طلوع فجر تک ہے۔''[1] ہاں! جسے اندیشہ ہو کہ رات کے آخری حصے میں بیدار نہیں ہو سکے گا اسے چاہیے کہ نماز عشاء کے بعد وتر پڑھ کر سوئے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ ؓ کو نبی ﷺ نے وصیت فرمائی تھی کیونکہ وہ رات گئے تک تعلیم و تعلم میں مصروف رہتے تھے۔ لیکن اگر کسی کو یقین ہو کہ وہ آخر رات میں بیدار ہو سکتا ہے تو وہ رات کے آخری حصے میں وتر پڑھے کیونکہ یہ افضل ہے، چنانچہ حضرت جابر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے جسے اندیشہ ہو کہ وہ رات کے آخری حصے میں بیدار نہیں ہو سکے گا تو وہ وتر پڑھ کر نیند کرے اور جسے اعتماد ہو کہ رات کے قیام کے لیے بیدار ہو سکے گا تو رات کے آخری حصے میں وتر پڑھے اور یہ افضل ہے۔''[2] ② حدیث ابن عمر ؓ میں ہے کہ وتر رات کے کسی حصے میں پڑھا جا سکتا ہے، البتہ اسے صبح کی سنتوں سے پہلے پڑھنا چاہیے۔ مزید وضاحت آئندہ حضرت عائشہ ؓ کی حدیث میں ہے۔

٩٩٦ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: حَدَّثَنِي مُسْلِمٌ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كُلُّ اللَّيْلِ أَوْتَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَانْتَهَى وِتْرُهُ إِلَى السَّحَرِ.

[996] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے رات کے ہر حصے میں نماز وتر ادا کی ہے، بالآخر آپ کی نماز وتر وقت سحر تک پہنچ گئی۔

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے مختلف حالات کے پیش نظر مختلف اوقات میں وتر ادا کیے ہیں، شاید تکلیف اور مرض کے وقت اول شب میں، بحالت سفر درمیان شب میں جبکہ عام معمول آخر شب میں پڑھنے کا تھا۔ حضرت عائشہ ؓ کی ایک

---

[1] سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، حديث: 1168. [2] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 1766 (755).

روایت میں مزید وضاحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رات کے ہر حصے، یعنی اول شب، درمیان رات اور آخر شب میں وتر ادا کیے ہیں لیکن آخر کار ان کی ادائیگی بوقت سحر تک پہنچ گئی۔ جامع الترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ جب آپ فوت ہوئے تو آخر شب نماز وتر پڑھا کرتے تھے۔[1] آخر شب سے مراد فجر اول ہے جیسا کہ صحیح ابن خزیمہ کی ایک روایت سے واضح ہوتا ہے۔[2] البتہ امت کی آسانی کے پیش نظر عشاء کے بعد جب بھی ممکن ہو وتر ادا کرنا جائز قرار دیا۔ ④ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ شرح تراجم بخاری میں لکھتے ہیں: حدیث عائشہ کے دو محمل ہیں: * رسول اللہ ﷺ آخری عمر میں نماز وتر سحری کے وقت پڑھتے اور اسی پر آپ نے دوام کیا تا آنکہ آپ فوت ہو گئے۔ قبل ازیں نماز وتر عشاء کے بعد رات کے تمام حصوں میں پڑھنے کا معمول تھا۔ * دوسری توجیہ یہ ہے کہ اوقات وتر کی آخری حد سحری تک ہے، اس سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔

(٣) بَابُ إِيقَاظِ النَّبِيِّ ﷺ أَهْلَهُ بِالْوِتْرِ

باب: 3- نبی ﷺ کا اپنے اہل خانہ کو وتر کے لیے بیدار کرنا

٩٩٧ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي وَأَنَا رَاقِدَةٌ، مُعْتَرِضَةً عَلَى فِرَاشِهِ، فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يُوتِرَ أَيْقَظَنِي فَأَوْتَرْتُ. [راجع: ٣٨٢]

[997] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، آپ نے فرمایا: نبی ﷺ تہجد کی نماز پڑھتے رہتے جبکہ میں آپ کے بستر پر لیٹی سوئی ہوتی۔ جب آپ وتر پڑھنے کا ارادہ کرتے تو مجھے بیدار کر دیتے تو میں وتر پڑھ لیتی۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کو اوقات وتر کے بعد قائم کیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ وتر کا پسندیدہ وقت رات کا آخری حصہ ہے، خواہ انسان تہجد پڑھے یا نہ پڑھے لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ اسے خود اپنے آپ پر اعتماد ہو کہ صبح بیدار ہو جائے گا یا کم از کم اسے کوئی بیدار کرنے والا ہو، بصورت دیگر اسے عشاء کے بعد نماز وتر پڑھ لینی چاہیے۔ ② اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز وتر کا معاملہ عام نوافل جیسا ہے، تاہم اس کی ادائیگی کے لیے خصوصی اہتمام کا حکم ہے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے لیکن یہ فرض نہیں ہے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وتر، فرض نماز کی طرح حتمی نہیں بلکہ سنت ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرمایا ہے۔[3] ایک روایت میں ہے کہ وتر حق ہے، لہذا جس نے وتر نہ پڑھا وہ ہم میں سے نہیں۔[4] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔[5]

(٤) بَابٌ: لِيَجْعَلْ آخِرَ صَلَاتِهِ وِتْرًا

باب: 4- (نمازی کو) چاہیے کہ وہ اپنی (رات کی) آخری نماز، وتر کو بنائے

---

1 جامع الترمذي، الوتر، حديث: 456. 2 فتح الباري: 2/627، 628. 3 جامع الترمذي، الصلاة، حديث: 453. 4 مسند أحمد: 5/357. 5 التلخيص الحبير: 2/20.

٩٩٨ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي نَافِعٌ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اجْعَلُوا آخِرَ صَلَاتِكُمْ بِاللَّيْلِ وِتْرًا».

[998] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ”لوگو! رات کی آخری نماز، وتر کو بناؤ۔“

فوائد و مسائل: ① رات کی آخری نماز، وتر کو بنانے کے متعلق مذکورہ امر نبوی استحباب کے لیے ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے نماز وتر کے بعد دو رکعت پڑھنا بھی ثابت ہے، چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ وتر کے بعد دو رکعت پڑھا کرتے تھے۔[1] اور رسول اللہ ﷺ نے امت کو وتر کے بعد دو رکعت پڑھنے کی ترغیب بھی دی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ”صبح کے وقت نماز شب کے لیے بیدار ہونا بہت گراں اور مشقت کا باعث ہے، اس لیے وتر کے بعد دو رکعت پڑھ لی جائیں، اگر بیدار ہو جائے تو بہتر بصورت دیگر یہی اس کے لیے کافی ہیں۔[2] اس حدیث پر محدث ابن خزیمہ نے بایں الفاظ عنوان قائم کیا ہے: ”وتر کے بعد جو نفل نماز پڑھنا چاہے اس کے لیے ایسا کرنا جائز ہے۔“ رسول اللہ ﷺ وتر کے بعد جو دو نفل پڑھتے تھے وہ آپ کا خاصا نہیں بلکہ یہ عمل تمام امت کے لیے مشروع ہے۔[3] ② اس حدیث سے بعض حضرات نے وتروں کے واجب ہونے کو ثابت کیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ جب صلاۃ اللیل واجب نہیں تو اس کے آخر میں پڑھی جانے والی نماز کیونکر واجب ہوگی، نیز اصل تو کسی چیز کا غیر واجب ہونا ہے تا آنکہ اس کا واجب ہونا دلیل سے ثابت ہو جائے۔[4]

(٥) بَابُ الْوِتْرِ عَلَى الدَّابَّةِ

باب:5- سواری پر وتر پڑھنا

٩٩٩ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ يَسَارٍ أَنَّهُ قَالَ: كُنْتُ أَسِيرُ مَعَ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ بِطَرِيقِ مَكَّةَ. فَقَالَ سَعِيدٌ: فَلَمَّا خَشِيتُ الصُّبْحَ نَزَلْتُ فَأَوْتَرْتُ ثُمَّ لَحِقْتُهُ. فَقَالَ عَبْدُ اللهِ ابْنُ عُمَرَ: أَيْنَ كُنْتَ؟ فَقُلْتُ: خَشِيتُ الصُّبْحَ فَنَزَلْتُ فَأَوْتَرْتُ، فَقَالَ عَبْدُ اللهِ: أَمَا لَكَ فِي رَسُولِ اللهِ [ﷺ] أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ؟ فَقُلْتُ: بَلَى وَاللهِ.

[999] حضرت سعید بن یسار سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں طریق مکہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ہمراہ سفر کر رہا تھا۔ سعید کہتے ہیں: جب مجھے صبح ہونے کا خدشہ لاحق ہوا تو سواری سے اتر کر میں نے وتر ادا کیے، پھر ان سے جا ملا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کہاں گئے تھے؟ میں نے عرض کیا: مجھے صبح کا خدشہ لاحق ہوا تو اتر کر وتر ادا کرنے لگا تھا۔ اس پر انھوں نے فرمایا: کیا تمھارے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی میں اچھا نمونہ نہیں ہے؟ میں نے کہا: اللہ کی قسم! کیوں نہیں! تو انھوں

1. جامع الترمذي، الصلاة، حديث: 471. 2. صحيح ابن خزيمة: 159/2. 3. صحيح ابن خزيمة: 159/2. 4. فتح الباري: 628/2

قَالَ: فَإِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يُوتِرُ عَلَى الْبَعِيرِ. [انظر: ١٠٠٠، ١٠٩٥، ١٠٩٦، ١٠٩٨، ١١٠٥]

نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اونٹ پر سوار ہو کر وتر پڑھ لیا کرتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے جزم و وثوق سے فیصلہ نہیں کیا کہ وتر واجب ہے یا نہیں، البتہ وتر کو کتاب التهجد اور کتاب التطوع سے الگ بیان کیا ہے۔ یہ اسلوب تقاضا کرتا ہے کہ اس کی حیثیت تہجد اور تطوع سے جداگانہ ہے۔ اگر سواری پر وتر پڑھنے کی حدیث کو پیش نہ کرتے تو کہا جا سکتا تھا کہ ان کا رجحان وجوب وتر کی طرف ہے لیکن انھوں نے مذکورہ عنوان اور اس کے متعلق حدیث پیش کر کے اس احتمال کو ختم کر دیا ہے۔[1] ② سابقہ احادیث میں بیان ہوا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نماز وتر کے لیے اپنے اہل خانہ کو بیدار کرتے تھے، نیز آپ نے نماز شب کے آخر میں وتر پڑھنے کا امر صادر فرمایا ہے۔ ان احادیث سے بعض حضرات نے وجوب وتر کا استنباط کیا تھا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث ابن عمر سے عدم وجوب کو ثابت کیا ہے اور اس پر الگ الگ عنوان قائم کر کے بتایا ہے کہ وتر واجب نہیں، البتہ عام نوافل کی حیثیت سے بالاتر ہیں کیونکہ سفر میں ان کے ادا کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ لیکن چونکہ سواری پر ادا کیے ہیں، اس لیے واجب نہیں کیونکہ فرائض کو سواری پر ادا کرنا ثابت نہیں۔ اس بات کی وضاحت کرنا بھی ضروری ہے کہ سواری پر وتر ادا کرنا کسی مجبوری کی بنا پر نہیں تھا جیسا کہ قائلین وجوب کی طرف سے باور کرایا جاتا ہے۔[2]

(٦) بَابُ الْوِتْرِ فِي السَّفَرِ

باب: 6- دوران سفر میں وتر پڑھنا

١٠٠٠ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ بْنُ أَسْمَاءَ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي فِي السَّفَرِ عَلَى رَاحِلَتِهِ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهِ، يُومِئُ إِيمَاءً صَلَاةَ اللَّيْلِ إِلَّا الْفَرَائِضَ وَيُوتِرُ عَلَى رَاحِلَتِهِ. [راجع: ٩٩٩]

[1000] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ سفر کے دوران میں نماز شب اپنی سواری پر اشارے سے پڑھتے تھے، اس کا جدھر کو بھی منہ ہو جاتا۔ اسی طرح نماز وتر بھی اپنی سواری پر پڑھ لیتے لیکن فرض نماز اس پر نہ پڑھتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① امام ضحاک رحمہ اللہ وغیرہ کا موقف ہے کہ دوران سفر میں نماز وتر پڑھنا مشروع نہیں۔ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس موقف کی تردید کے لیے یہ عنوان قائم کیا ہے اور دوران سفر میں نماز وتر پڑھنے کی مشروعیت ثابت کی ہے۔ دوران سفر وتر نہ پڑھنے کے متعلق حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول پیش کیا جاتا ہے کہ اگر مجھے دوران سفر نفل پڑھنے ہوتے تو میں فرض نماز پوری ادا کرتا۔[3] لیکن اس سے فرض نماز سے پہلے اور بعد والی سنتیں مراد ہیں، وتر مراد نہیں، جس کی وضاحت ایک روایت سے ہوتی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ، ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے ہمراہ سفر کیا وہ ظہر اور عصر کی صرف دو دو رکعت پڑھتے تھے۔

1 فتح الباري: 2/616. 2 فتح الباري: 2/626. 3 صحيح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 1594 (694).

ان سے پہلے اور بعد کچھ نہ ادا کرتے تھے۔ اگر میں نے انھیں پڑھنا ہوتا تو فرض نماز ہی پوری ادا کر لیتا۔"① دراصل اس حدیث سے امام بخاری ؒ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ نماز وتر فرض نہیں۔ اگر فرض ہوتی تو اسے بھی دیگر فرض نمازوں کی طرح سواری پر نہ پڑھا جاتا کیونکہ سواری پر فرض نماز نہ پڑھنے کی حدیث میں صراحت ہے۔ اس کا واضح مطلب ہے کہ نماز وتر فرض نہیں۔ واللہ أعلم.

(٧) بَابُ الْقُنُوتِ قَبْلَ الرُّكُوعِ وَبَعْدَهُ

باب: 7- رکوع سے پہلے اور اس کے بعد قنوت کا بیان

١٠٠١ – حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ قَالَ: سُئِلَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ: أَقَنَتَ النَّبِيُّ ﷺ فِي الصُّبْحِ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَقِيلَ: أَوَقَنَتَ قَبْلَ الرُّكُوعِ؟ قَالَ: قَنَتَ بَعْدَ الرُّكُوعِ يَسِيرًا. [انظر: ١٠٠٢، ١٠٠٣، ١٣٠٠، ٢٨٠١، ٢٨١٤، ٣٠٦٤، ٣١٧٠، ٤٠٨٨، ٤٠٨٩، ٤٠٩٠، ٤٠٩١، ٤٠٩٢، ٤٠٩٤، ٤٠٩٦، ٦٣٩٤، ٧٣٤١]

[1001] حضرت انس بن مالک ؓ سے دریافت کیا گیا کہ کیا نبی ﷺ نے نماز فجر میں قنوت پڑھی ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں۔ پھر پوچھا گیا: آیا آپ نے رکوع سے پہلے قنوت پڑھی تھی؟ انھوں نے جواب دیا کہ رکوع کے بعد تھوڑے دنوں کے لیے ایسا کیا تھا۔

١٠٠٢ – حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَاصِمٌ قَالَ: سَأَلْتُ أَنَسَ ابْنَ مَالِكٍ عَنِ الْقُنُوتِ فَقَالَ: قَدْ كَانَ الْقُنُوتُ، قُلْتُ: قَبْلَ الرُّكُوعِ أَوْ بَعْدَهُ؟ قَالَ: قَبْلَهُ، قَالَ: فَإِنَّ فُلَانًا أَخْبَرَنِي عَنْكَ أَنَّكَ قُلْتَ: بَعْدَ الرُّكُوعِ، فَقَالَ: كَذَبَ، إِنَّمَا قَنَتَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بَعْدَ الرُّكُوعِ شَهْرًا، أُرَاهُ كَانَ بَعَثَ قَوْمًا يُقَالُ لَهُمْ: الْقُرَّاءُ، زُهَاءَ سَبْعِينَ رَجُلًا إِلَى قَوْمٍ مُشْرِكِينَ دُونَ أُولَئِكَ، وَكَانَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ رَسُولِ اللهِ ﷺ عَهْدٌ، فَقَنَتَ رَسُولُ اللهِ ﷺ شَهْرًا يَدْعُو عَلَيْهِمْ. [راجع: ١٠٠١]

[1002] عاصم بن سلیمان سے روایت ہے کہ میں نے حضرت انس ؓ سے قنوت کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے جواب دیا: بلاشبہ قنوت پڑھی جاتی تھی۔ میں نے پوچھا: رکوع سے پہلے یا بعد؟ انھوں نے کہا: قبل از رکوع پڑھی جاتی تھی۔ پھر ان سے پوچھا گیا کہ فلاں شخص تو آپ سے بیان کرتا ہے کہ آپ نے رکوع کے بعد فرمایا ہے۔ حضرت انس ؓ بولے: وہ غلط کہتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے صرف ایک مہینہ رکوع کے بعد قنوت پڑھی تھی۔ میرے خیال کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کی طرف تقریباً ستر آدمی روانہ کیے جنھیں قراء کہا جاتا تھا۔ (مشرکین نے انھیں قتل کر دیا۔) یہ قتل کرنے والے مشرک لوگ ان مشرکین کے علاوہ تھے جن کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان معاہدۂ صلح تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے قنوت پڑھنے کا اہتمام کیا اور ایک ماہ تک ان کے خلاف بد دعا کرتے رہے۔

ملحوظہ: إِلَى قَوْمٍ مُشْرِكِينَ دُونَ أُولَئِكَ وَكَانَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ رَسُولِ اللهِ ﷺ عَهْدٌ. یہ عبارت مبہم ہے۔ اس

① جامع الترمذي، الشعر، حديث: 644، و فتح الباري: 630/2.

کا ترجمہ حدیث کے دیگر طرق کو مدنظر رکھ کر کیا گیا ہے تاکہ فہم حدیث میں وقت پیش نہ آئے۔ اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: (فتح الباری: 489/7، تحت حدیث 4088)

١٠٠٣ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ قَالَ: حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنِ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِي مِجْلَزٍ، عَنْ أَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَنَتَ النَّبِيُّ ﷺ شَهْرًا يَدْعُو عَلَى رِعْلٍ وَذَكْوَانَ. [راجع: ١٠٠١]

[1003] حضرت انس بن مالک ؓ ہی سے ایک اور روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ نے ایک ماہ تک دعائے قنوت پڑھی اور قبیلہ رعل و ذکوان کے خلاف بددعا کرتے رہے۔

١٠٠٤ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَانَ الْقُنُوتُ فِي الْمَغْرِبِ وَالْفَجْرِ.

[1004] حضرت انس ؓ ہی سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: قنوت مغرب اور فجر کی نماز میں پڑھی جاتی تھی۔

فوائد و مسائل: ① وتر کی اہمیت و حیثیت بیان کرنے کے بعد دوسرا اہم مسئلہ قنوت کا ہے کہ وہ کن نمازوں میں ہے اور اس کا محل کیا ہے؟ واضح رہے کہ شریعت میں قنوت کی دو اقسام ہیں: * قنوت وتر * قنوت نازلہ۔ ہمارے نزدیک قنوت وتر سارے سال میں اور رکوع سے پہلے ہوتی ہے جبکہ قنوت نازلہ ہنگامی حالات میں رکوع کے بعد ہوتی ہے۔ ② امام بخاری ؒ نے قنوت وتر کے متعلق کوئی صریح حدیث بیان نہیں کی بلکہ قنوت نازلہ سے متعلق احادیث بیان کر کے قنوت وتر کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ان دونوں میں قدر مشترک یہ ہے کہ دونوں دوران نماز ہی میں پڑھی جاتی ہیں۔ امام بخاری ؒ کے ذکر کردہ دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری ؒ نے تین طرح سے قنوت وتر کو ثابت کیا ہے: ☆ حضرت انس ؓ سے مروی بعض احادیث میں مطلق قنوت کا ذکر ہے۔ اس اطلاق سے امام بخاری ؒ نے قنوت وتر کو ثابت کیا ہے جیسا کہ حدیث 1002 میں ہے۔ ☆ حضرت انس ؓ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ نماز مغرب میں قنوت ہے۔ چونکہ نماز مغرب دن کے وتر ہیں، اس لیے رات کے وتر میں بھی قنوت کی جا سکتی ہے۔ ☆ جب فرض نماز میں قنوت پڑھنی جائز ہے تو وتر میں بطریق اولیٰ جائز ہونی چاہیے، یعنی امام بخاری ؒ نے بطریق قیاس نماز وتر میں قنوت ثابت کی ہے۔ حضرت حسن بن علی ؓ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے چند کلمات سکھائے تاکہ میں انھیں قنوت وتر میں پڑھوں۔[1] نماز وتر میں قنوت سے متعلق یہ حدیث صحیح اور صریح ہے لیکن امام بخاری ؒ کی شرط کے مطابق نہیں تھی، اس لیے انھوں نے اس کا حوالہ نہیں دیا۔ علامہ زین بن منیر لکھتے ہیں کہ امام بخاری ؒ نے نماز وتر میں قنوت کی مشروعیت کا ذکر کر کے ان لوگوں کی تردید کی ہے جو قنوت وتر کے قائل نہیں جیسا کہ حضرت ابن عمر ؓ کے متعلق روایات میں ہے کہ وہ اسے بدعت قرار دیتے تھے۔[2] ③ نماز وتر میں دعائے قنوت کے محل کی تعیین کے متعلق ہمارا موقف یہ ہے کہ رکوع سے پہلے ہے۔ اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا واضح عمل اور کھلا فرمان ہمارے لیے قطعی فیصلے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ بیشتر صحابہ کرام ؓ سے بھی یہی بات منقول ہے۔ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے: ☆ حضرت ابی بن

[1] سنن أبي داود، الوتر، حديث: 1425. [2] فتح الباري: 631/2.

کعب ؓ نماز وتر میں محل قنوت کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا معمول بیان کرتے ہیں کہ آپ وتر ادا کرتے وقت رکوع سے پہلے دعائے قنوت کرتے تھے۔[1] سنن ابن ماجہ میں بھی محل قنوت کی تعیین کی گئی ہے کہ رکوع سے پہلے ہے۔[2] اس روایت کو سفیان نے اپنے شیخ زبید الیامی سے بیان کیا ہے۔ ان کے علاوہ دو مزید طرق سے یہ روایت مروی ہے۔ * فطر بن خلیفہ[3] * مسعر بن کدام[4] اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کا واضح فرمان بھی ہے جسے حضرت حسن بن علی ؓ بیان کرتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے دعائے قنوت سکھائی کہ میں وتر ادا کرتے وقت جب قراءت سے فارغ ہو جاؤں تو اسے پڑھوں۔ یہ روایت بھی اپنے مفہوم کے اعتبار سے بالکل واضح ہے کہ نماز وتر میں قنوت قراءت کے بعد رکوع سے پہلے ہے۔ ٭ مذکورہ روایات کے علاوہ کچھ آثار صحابہ بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز وتر میں دعائے قنوت رکوع سے پہلے پڑھی جاتی تھی جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:
٭ اسود بن یزید بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر ؓ نے وتر میں رکوع سے پہلے قنوت فرمائی۔[5] ٭ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے متعلق راوی بیان کرتا ہے کہ آپ ہر رات وتر میں رکوع سے پہلے دعائے قنوت کرتے تھے۔[6] ٭ حضرت علقمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ اور رسول اللہ ﷺ کے دیگر صحابۂ کرام ؓ نماز وتر میں رکوع سے پہلے قنوت کرتے تھے۔[7] ٭ علامہ البانی ؒ نے صحیح بخاری کی پیش کردہ حدیث 1002 سے استدلال کیا ہے جو قابل ملاحظہ ہے۔ اس روایت سے نتیجہ نکلتا ہے کہ ہنگامی حالات کے پیش نظر جو دعا کی جائے وہ رکوع کے بعد ہے اور حضرت انس ؓ نے جس قنوت کو رکوع سے پہلے بیان کیا ہے وہ ہنگامی حالات کے پیش نظر نہیں بلکہ وہ قنوت وتر ہے کیونکہ جو قنوت عام حالات میں مانگی جاتی ہے وہ صرف قنوت وتر ہے۔[8] حافظ ابن حجر ؒ لکھتے ہیں کہ قنوت کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے صحیح طور پر یہی ثابت ہے کہ رکوع سے پہلے ہے، البتہ بعض صحابۂ کرام کا عمل اس سے کچھ مختلف ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کا اختلاف اپنے اندر جواز کا پہلو رکھتا ہے، یعنی رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد دونوں طرح جائز ہے۔[9] محدث العصر علامہ البانی ؒ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بھی وتر میں دعا کرتے تو رکوع سے پہلے اس کا اہتمام کرتے تھے۔ مزید لکھتے ہیں کہ صحابۂ کرام ؓ سے ثبوت کے ساتھ جو صحیح بات منقول ہے وہ یہ ہے کہ نماز وتر میں دعائے قنوت رکوع سے پہلے ہے۔[11] اگر وتر کی دعا کو ہنگامی حالات کے پیش نظر قنوت نازلہ کی شکل دے دی جائے تو رکوع کے بعد جواز کی گنجائش ہے جیسا کہ حضرت ابی بن کعب ؓ ہنگامی حالات کے پیش نظر نماز وتر میں مخالفین اسلام کے خلاف بددعا، رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام اور عام مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے دعا کرنے کے بعد اللہ أکبر کہتے اور سجدے میں چلے جاتے۔[12] علامہ البانی ؒ نے بھی اس موقف کی تائید فرمائی ہے۔ مذکورہ دلائل و براہین کا تقاضا ہے کہ نماز وتر میں دعائے قنوت رکوع سے پہلے ہے۔ اگر دعائے قنوت کو قنوت نازلہ کی شکل دے دی جائے تو اسے رکوع کے بعد بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ واللہ أعلم.

---

1 سنن النسائي، قيام الليل، حديث: 1700. 2 سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، حديث: 1182. 3 سنن الدارقطني: 30/2. 4 السنن الكبرى للبيهقي: 40/3. 5 المصنف لابن أبي شيبة: 302/3. 6 المصنف لابن أبي شيبة: 302/3. 7 المصنف لابن أبي شيبة: 302/3. 8 إرواء الغليل: 158/2. 9 فتح الباري: 632/2. 10 صفة الصلاة، ص: 178. 11 إرواء الغليل: 164/2. 12 صحيح ابن خزيمة: 156/2.

بارش مانگنے کے آداب

استسقاء کے لغوی معنی پانی مانگنا ہیں۔ اصطلاحی طور پر قحط سالی کے وقت اللہ تعالیٰ سے ایک مخصوص طریقے سے باران رحمت کی دعا کرنا استسقاء کہلاتا ہے۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور بندوں کے عجز و انکسار، نیز ان کے لباس میں سادگی کا خصوصی اہتمام ہونا چاہیے۔ مختلف احادیث کے پیش نظر مندرجہ ذیل چیزوں کو اس میں مدنظر رکھا جائے: ٭ قحط سالی کے وقت لوگوں کو نہایت تضرع اور خشوع کے ساتھ باہر کھلے میدان میں جانا چاہیے۔ وہاں اذان واقامت کے بغیر دو رکعت جہری قراءت سے باجماعت ادا کی جائیں۔ ٭ نماز سے پہلے یا بعد میں خطبہ دیا جائے جو وعظ ونصیحت اور دعا و مناجات پر مشتمل ہو۔ ٭ اس دوران میں دعا کرنا مسنون عمل ہے لیکن اس کے لیے الٹے ہاتھ آسمان کی جانب اٹھائے جائیں۔ ٭ آخر میں امام کو چاہیے کہ وہ قبلہ رو ہو کر اپنی چادر کو اس طرح پلٹے کہ اس کا دایاں حصہ بائیں جانب اور بایاں دائیں جانب ہو جائے۔

اس سلسلے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے ہماری رہنمائی کے لیے خصوصی طور پر عنوان بندی کا اہتمام کیا ہے۔ انھوں نے اس کتاب میں چالیس (40) احادیث بیان کی ہیں جن میں نو (9) معلق اور باقی موصول ہیں، نیز ستائیس (27) احادیث مکرر اور سترہ (17) خالص ہیں۔ ان میں چھ (6) کے علاوہ دیگر احادیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ مرفوع احادیث کے علاوہ دو آثار بھی اس عنوان کے تحت بیان کیے گئے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ان احادیث پر انتیس (29) چھوٹے چھوٹے عنوان قائم کر کے ہماری رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیا ہے۔ واضح رہے کہ ان عنوانات کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے مشرکین کے خلاف بددعا کرنے کا ذکر بھی بطور خاص فرمایا ہے حالانکہ اس کا تعلق استسقاء سے نہیں۔ وہ اس لیے کہ مخالف اشیاء سے اصل اشیاء کی قدر و قیمت معلوم ہوتی ہے یعنی جب بددعا کی جا سکتی ہے جو شان رحمت کے خلاف ہے تو باران رحمت کے لیے دعا کا اہتمام بدرجۂ اولیٰ جائز ہونا چاہیے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس اصول کو اپنی صحیح میں بکثرت استعمال کیا ہے جیسا کہ کتاب الایمان میں کفر و نفاق کے مسائل ذکر کیے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کتاب میں استسقاء کے علاوہ مسائل بھی بیان کیے ہیں جن کا اس سے گونہ تعلق ہے، مثلاً:

بارش کے وقت کیا کہا جائے یا کیا جائے؟ جب تیز ہوا چلے تو کیا کرنا چاہیے؟ زلزلے اور اللہ کی طرف سے دیگر نشانیاں دیکھ کر ہمارا ردعمل کیا ہو؟ آخر میں عقیدے کا مسئلہ بھی بیان فرمایا کہ بارش آنے کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ استسقاء کے عام طور پر تین طریقے ہیں: ⋄ مطلق بارش کی دعا کی جائے۔ ⋄ نفل اور فرض نماز، نیز دوران خطبۂ جمعہ میں دعا مانگی جائے۔ ⋄ باہر میدان میں دو رکعت ادا کی جائیں اور خطبہ دیا جائے، پھر دعا کی جائے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بارش کے لیے ہر سہ طریقوں کو بیان کیا ہے۔

قارئین کرام کو چاہیے کہ صحیح بخاری اور اس سے متعلق فوائد کا مطالعہ کرتے وقت ہماری پیش کردہ ان تمہیدی گزارشات کو پیش نظر رکھیں تاکہ امام بخاری رحمہ اللہ کی عظمت وجلالت اور آپ کے حسن انتخاب کی قدر و قیمت معلوم ہو۔

واللّٰه يقول الحق و يهدي من يشاء إلى صراط مستقيم.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

15 - أَبْوَابُ الْاِسْتِسْقَاءِ

بارش کی دعا اور نماز استسقاء سے متعلق احکام و مسائل

(۱) بَابُ الْاِسْتِسْقَاءِ، وَخُرُوجِ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْاِسْتِسْقَاءِ

باب:1- بارش کی دعا کرنا اور اس کے لیے نبی ﷺ کا باہر تشریف لے جانا

١٠٠٥ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ، عَنْ عَمِّهِ قَالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ يَسْتَسْقِي وَحَوَّلَ رِدَاءَهُ. [انظر: ١٠١١، ١٠١٢، ١٠٢٣، ١٠٢٤، ١٠٢٥، ١٠٢٦، ١٠٢٧، ١٠٢٨، ٦٣٤٣]

[1005] حضرت عباد بن تمیم رضی اللہ عنہ اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ بارش کی دعا کے لیے باہر تشریف لے گئے اور وہاں جا کر اپنی چادر کو پلٹا۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے اس مقام پر یہ حدیث مختصر بیان فرمائی ہے۔ تفصیلی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ عیدگاہ تشریف لے گئے، دعا کے وقت لوگوں کی طرف پیٹھ کر کے قبلے کی طرف منہ کر لیا، کھڑے ہو کر دعا فرمائی، پھر دو رکعت پڑھائیں، ان میں [آواز] بلند قراءت کی، اور اپنی چادر کو پلٹا، گھر واپس آنے سے پہلے پہلے اللہ تعالیٰ نے رحم و کرم کرتے ہوئے بارش کا نزول جاری فرما دیا۔ ② امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے سوا تمام علمائے امت کا اتفاق ہے کہ استسقاء کے لیے نماز کا اہتمام کیا جا سکتا ہے، اس کے لیے باہر کھلے میدان کا انتخاب کیا جائے۔[1] چادر پلٹنے کی کیفیت اور حکمت ہم آئندہ بیان کریں گے۔ إن شاء اللّٰہ۔

(۲) بَابُ دُعَاءِ النَّبِيِّ ﷺ: «اجْعَلْهَا سِنِينَ كَسِنِي يُوسُفَ»

باب:2- نبی ﷺ کی بددعا کرنا (مشرکین پر ایسی قحط سالی ڈال جیسی حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں تھی)

[1] صحیح البخاری: 634/2.

١٠٠٦ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا مُغِيرَةُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ يَقُولُ: «اللّٰهُمَّ أَنْجِ عَيَّاشَ بْنَ أَبِي رَبِيعَةَ، اللّٰهُمَّ أَنْجِ سَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ، اللّٰهُمَّ أَنْجِ الْوَلِيدَ بْنَ الْوَلِيدِ. اللّٰهُمَّ أَنْجِ الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ. اللّٰهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلَى مُضَرَ، اللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا سِنِينَ كَسِنِي يُوسُفَ». وَأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «غِفَارُ غَفَرَ اللّٰهُ لَهَا، وَأَسْلَمُ سَالَمَهَا اللّٰهُ». [راجع ٧٩٧]

[1006] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب آخری رکعت (کے رکوع) سے اپنا سر اٹھاتے تو دعا کرتے: ''اللہ! عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات دے۔ اللہ! سلمہ بن ہشام کو نجات دے۔ اللہ! ولید بن الولید کو نجات دے۔ اے اللہ! بے بس اور ناتواں اہل ایمان کو نجات دے۔ اے اللہ! قبیلۂ مضر پر اپنی گرفت سخت فرما۔ اللہ! ان پر ایسی قحط سالی ڈال جیسی حضرت یوسف ؑ کے زمانے میں تھی۔'' اور نبی ﷺ نے فرمایا: ''قبیلۂ غفار کو اللہ تعالیٰ نے بخش دیا اور قبیلۂ اسلم کو اللہ تعالیٰ نے سلامت رکھا۔''

قَالَ ابْنُ أَبِي الزِّنَادِ عَنْ أَبِيهِ: هٰذَا كُلُّهُ فِي الصُّبْحِ.

(راوی حدیث) حضرت ابو زناد اپنے باپ سے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مذکورہ دعائیں صبح کی نماز میں تھیں۔

فوائد و مسائل: ① مذکورہ حدیث دو حصوں پر مشتمل ہے۔ جس حصے میں کفار کے خلاف بددعا کرنے کا ذکر ہے۔ یہ حصہ ہجرت سے پہلے کا ہے۔ اور قبیلۂ غفار اور قبیلۂ اسلم کے متعلق حصہ ہجرت کے بعد کا ہے۔ ان دونوں واقعات کو یکجا کر کے بیان کر دیا گیا ہے۔ شاید امام بخاری ؒ نے اسی طرح اپنے شیوخ سے سنا ہو۔ امام بخاری ؒ کا آخری حصے کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ صرف ان مشرکین کے لیے بددعا کرنی چاہیے جن سے صلح کا معاہدہ نہ ہو۔ ان دونوں کا ذکر اس لیے ہوا کہ قبیلۂ غفار تو مسلمان ہو چکا تھا اور قبیلۂ اسلم نے آپ کے ساتھ صلح کر لی تھی۔ ایک روایت میں قبیلۂ عصیہ کا ذکر ہے کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی ہے۔ ② امام بخاری ؒ نے اس حدیث کو کتاب الاستسقاء میں ''استدلال بالاضداد'' کی غرض سے بیان کیا ہے کہ جب بددعا کرنا جائز ہے جو شان رحمت کے خلاف ہے تو دعا کرنا تو بالاولیٰ جائز ہونا چاہیے۔ حافظ ابن حجر ؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے مقصود تنبیہ کرنا ہے کہ جب اہل ایمان کے لیے باران رحمت کی دعا کرنا مشروع ہے تو اہل کفر و شرک کے لیے قحط سالی کی بددعا کرنا بھی جائز ہے تاکہ ان کے دلوں میں کچھ نرمی پیدا ہو جائے۔[1]

١٠٠٧ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي الضُّحَى، عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ عَبْدِ اللّٰهِ فَقَالَ: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمَّا رَأَى مِنَ النَّاسِ إِدْبَارًا قَالَ

[1007] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ جب نبی ﷺ نے لوگوں کی اسلام سے سرتابی دیکھی تو بددعا کی: ''اے اللہ! انھیں سات برس تک قحط سالی میں مبتلا کر دے جیسا کہ حضرت یوسف ؑ کے زمانے میں قحط پڑا

1 فتح الباري: 636/2.

«اَللّٰهُمَّ سَبْعًا كَسَبْعِ يُوسُفَ» فَأَخَذَتْهُمْ سَنَةٌ حَصَّتْ كُلَّ شَيْءٍ حَتّٰى أَكَلْنَا الْجُلُودَ وَالْمَيْتَةَ وَالْجِيَفَ، وَيَنْظُرُ أَحَدُكُمْ إِلَى السَّمَاءِ فَيَرَى الدُّخَانَ مِنَ الْجُوعِ، فَأَتَاهُ أَبُو سُفْيَانَ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! إِنَّكَ تَأْمُرُ بِطَاعَةِ اللّٰهِ وَبِصِلَةِ الرَّحِمِ، وَإِنَّ قَوْمَكَ قَدْ هَلَكُوا، فَادْعُ اللّٰهَ لَهُمْ. قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ﴾ إِلٰى قَوْلِهِ. ﴿إِنَّكُمْ عَائِدُونَ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى﴾ [الدخان ١٠-١٦]

تھا۔" چنانچہ قحط نے انھیں ایسا دبوچا کہ ہر چیز نیست و نابود ہوگئی یہاں تک کہ لوگوں نے چمڑے، مردار اور گلے سڑے جانور کھانے شروع کر دیے اور ان میں سے اگر کوئی آسمان کی طرف دیکھتا تو بھوک کی وجہ سے اسے دھواں سا دکھائی دیتا۔ آخر ابوسفیان نے آکر آپ کی خدمت میں عرض کی: اے محمد! آپ اللہ کی اطاعت اور اقرباء پروری کا حکم دیتے ہیں، آپ کی قوم مری جا رہی ہے، آپ ان کے لیے اللہ سے دعا فرمائیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ﴾ تا ﴿يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى﴾ "اے نبی! اس دن کا انتظار کرو جب آسمان سے ایک صاف دھواں ظاہر ہوگا" اس فرمان الٰہی تک "جب ہم انھیں سختی سے پکڑیں گے۔"

وَالْبَطْشَةُ الْكُبْرٰى يَوْمَ بَدْرٍ. فَقَدْ مَضَتِ الدُّخَانُ وَالْبَطْشَةُ وَاللِّزَامُ وَآيَةُ الرُّومِ [انظر: ١٠٢٠، ٤٦٩٣، ٤٧٦٧، ٤٧٧٤، ٤٨٠٩، ٤٨٢٠، ٤٨٢١، ٤٨٢٢، ٤٨٢٣، ٤٨٢٤: ٤٨٢٥]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: البطشۃ، یعنی سخت پکڑ بدر کے دن ہوئی۔ قرآن مجید میں جس دھوئیں، پکڑ اور قید کا ذکر ہے، اسی طرح آیت روم کا مصداق، سب واقع ہو چکے ہیں۔

فوائد و مسائل: ① حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جن چار چیزوں کے وقوع پذیر ہونے کا ذکر فرمایا ہے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے: ٭ ﴿الٓمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّومُ ۝ فِي أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ﴾ "الٓمّٓ۔ رومی مغلوب ہو گئے، قریبی زمین میں، تاہم وہ مغلوب ہونے کے بعد پھر غالب آجائیں گے۔"[1] اس کے متعلق مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ واقعہ گزر چکا ہے۔ ٭ ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ﴾ "آپ اس دن کا انتظار کریں جب آسمان سے صاف دھواں ظاہر ہوگا۔"[2] جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ یہ دھواں علامات قیامت سے ہے جبکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حقیقی دھواں نہیں بلکہ وہ ہے جو قریش کو قحط کے زمانے میں بھوک کی وجہ سے محسوس ہوتا تھا۔ ٭ ﴿يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى﴾ "جس دن ہم بڑی سخت گرفت کریں گے۔"[3] جمہور مفسرین کے نزدیک اس سے مراد قیامت کا دن ہے جبکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس سے مراد بدر کے دن کفار کا شکست کھانا اور قتل ہونا ہے۔ ٭ ﴿فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا﴾ "تم نے اس کی تکذیب کر دی ہے اب جلد ہی اس کی سزا پاؤ گے۔"[4] جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے مراد

---

1 الروم 30:1-3. 2 الدخان 44:10. 3 الدخان 44:16. 4 الفرقان 25:77.

کفار کو پکڑ کر جہنم میں ڈالنا ہے جبکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا موقف ہے کہ اس سے مراد بدر کے موقع پر کافروں کو قید کرنا ہے جو گزر چکا ہے۔ ان کی تفصیل آئندہ آیات کی تفسیر میں آئے گی۔ بإذن اللہ۔ ⑤ اس حدیث میں ہجرت سے پہلے کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ اس میں قحط کی شدت کا یہ عالم تھا کہ قحط زدہ علاقے ویرانے کا نقشہ پیش کر رہے تھے۔ بالآخر رسول اللہ ﷺ نے ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی درخواست پر دعا فرمائی، تب قحط ختم ہوا۔ ⑥ یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الاستسقاء میں اس لیے بیان کی ہے کہ جیسے مسلمانوں کے لیے بارش کی دعا کرنا مسنون ہے ویسے ہی کافروں پر قحط اور خشک سالی کی دعا کرنا بھی مشروع ہے لیکن جن کفار سے معاہدۂ صلح ہو ان کے لیے بددعا کرنا جائز نہیں الا یہ کہ وہ کسی عہد شکنی کے مرتکب ہوں۔

(٣) بَابُ سُؤَالِ النَّاسِ الْإِمَامَ الْاِسْتِسْقَاءَ إِذَا قَحِطُوا

باب: 3- قحط کے زمانے میں لوگوں کا امام سے باران رحمت کے لیے دعا کی اپیل کرنا

١٠٠٨ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو قُتَيْبَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِ اللهِ ابْنِ دِينَارٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَتَمَثَّلُ بِشِعْرِ أَبِي طَالِبٍ.

[1008] عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (اکثر) جناب ابو طالب کا شعر پڑھا کرتے تھے۔

وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ
ثِمَالُ الْيَتَامَى عِصْمَةٌ لِلْأَرَامِلِ

[انظر: ١٠٠٩]

"وہ گورے مکھڑے والا جس کے رخ زیبا کے واسطے سے ابر رحمت کی دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ وہ یتیموں کا سہارا، بیواؤں اور مسکینوں کا سرپرست ہے۔"

١٠٠٩ - وَقَالَ عُمَرُ بْنُ حَمْزَةَ: حَدَّثَنَا سَالِمٌ عَنْ أَبِيهِ: رُبَّمَا ذَكَرْتُ قَوْلَ الشَّاعِرِ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَى وَجْهِ النَّبِيِّ ﷺ يَسْتَسْقِي فَمَا يَنْزِلُ حَتَّى يَجِيشَ كُلُّ مِيزَابٍ:

[1009] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ جب میں نبی ﷺ کے چہرۂ انور کو دعائے استسقاء کرتے وقت دیکھا ہوں تو اکثر مجھے شاعر (ابو طالب) کا شعر یاد آجاتا ہے۔ آپ منبر سے نہ اترنے پاتے تھے کہ تمام پرنالے تیزی سے بہنے لگتے۔ وہ شعر یہ ہے:

وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ
ثِمَالُ الْيَتَامَى عِصْمَةٌ لِلْأَرَامِلِ

وَهُوَ قَوْلُ أَبِي طَالِبٍ. [راجع: ١٠٠٨]

"وہ گورے مکھڑے والا جس کے رخ زیبا کے واسطے سے ابر رحمت کی دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ وہ یتیموں کا سہارا، بیواؤں اور مسکینوں کا سرپرست ہے۔"

فوائد و مسائل: ① رخ زیبا کے واسطے سے مراد آپ کا دعا کرنا ہے۔ یہ شعر جناب ابو طالب کے اس قصیدے سے ہے جو ایک سو دس اشعار پر مشتمل ہے جسے انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں پڑھا تھا۔ ② محدث ابن رشید نے اعتراض کیا ہے کہ

ان احادیث کا عنوان سے کوئی تعلق نہیں ہے، امام بخاری ؒ کو چاہیے تھا کہ اس عنوان کے تحت حدیث ابن مسعود ذکر کرتے جو پہلے بیان ہو چکی ہے۔ لیکن یہ اعتراض برمحل نہیں کیونکہ حدیث ابن عمر میں ہے کہ جب میں رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ انور کو دعائے استسقاء کرتے وقت دیکھتا ہوں تو اکثر مجھے ابو طالب کا شعر یاد آ جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے دعائے استسقاء کی اپیل کی تھی، قبولیت دعا کے وقت جناب ابو طالب کا شعر یاد آ گیا۔ ③ ان احادیث میں یہ ادب بیان ہوا ہے کہ اگر قحط آ جائے تو لوگ اپنے امام سے دعائے استسقاء کی اپیل کریں اور اس کے ساتھ مل کر دعا کا اہتمام کریں۔[1]

١٠١٠ - حَدَّثَنِي الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَنْصَارِيُّ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُثَنَّى عَنْ ثُمَامَةَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كَانَ إِذَا قَحَطُوا اسْتَسْقَى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا ﷺ فَتَسْقِينَا، وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ: فَيُسْقَوْنَ. [انظر: ٣٧١٠]

[1010] حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر ؓ کی یہ عادت تھی کہ جب لوگ قحط سالی میں مبتلا ہوتے تو حضرت عباس بن عبدالمطلب ؓ سے دعائے استسقاء کی اپیل کرتے اور اللہ کے حضور یوں دعا کرتے: اے اللہ! پہلے ہم اپنے نبی ﷺ سے دعائے استسقاء کی اپیل کیا کرتے تھے تو (ان کی دعا کے نتیجے میں) تو بارش برسا دیتا تھا۔ اب ہم تیرے نبی ﷺ کے چچا (کی دعا) کے ذریعے سے بارش کی التجا کرتے ہیں، تو (اب بھی رحم فرما کر) بارش برسا دے۔ راوی کہتا ہے کہ پھر بارش برسنے لگتی تھی۔

فوائد و مسائل: ① مصنف عبدالرزاق میں مذکورہ حدیث بایں الفاظ مروی ہے کہ حضرت عمر ؓ ایک دفعہ عیدگاہ میں دعائے استسقاء کے لیے تشریف لے گئے اور حضرت عباس ؓ سے فرمایا: آپ اٹھیں اور باران رحمت کی دعا کریں۔ حضرت عباس ؓ نے دعائے استسقاء کی۔ ② امام بخاری ؒ کی عادت ہے کہ وہ پیش کردہ حدیث سے اس کے کسی طریق کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو عنوان کے مطابق ہوتا ہے۔[2] ③ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زندہ بزرگ سے بارش کے لیے دعا کی اپیل کی جا سکتی ہے اور ایسا کرنا ایک پسندیدہ عمل ہے، نیز اس حقیقت کا بھی پتہ چلا کہ ہمارے اسلاف، مُردوں کو وسیلہ بنا کر دعا نہیں کرتے تھے کیونکہ ایسا کرنا ایک غیر شرعی کام اور ناجائز وسیلہ ہے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں وسیلے کی دو اقسام ہیں: * وسیلۂ جائز۔ * وسیلۂ ممنوع۔ وسیلۂ جائز کی تین صورتیں ہیں: ○ اللہ تعالیٰ کے نام اور اس کی صفات کا واسطہ دے کر اللہ سے دعا کرنا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا﴾ "اللہ کے تمام نام اچھے ہیں تم اسے ان ناموں سے پکارو۔"[3] ○ نیک اعمال کا واسطہ دے کر اللہ سے سوال کرنا جیسا کہ غار والوں کا قصہ مشہور ہے کہ انھوں نے اپنے نیک اعمال کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو انھیں وہاں سے نجات مل گئی۔[4] ○ کسی زندہ بزرگ سے دعا کی اپیل کرنا جیسے حضرت عمر ؓ نے حضرت عباس ؓ کو دعائے استسقاء کے لیے کہا تھا جیسا کہ مذکورہ حدیث میں ہے۔ آپ نے رسول اللہ ﷺ

---

1 فتح الباری: 2/638، 639. 2 فتح الباری: 2/639. 3 الاعراف 7:180. 4 صحیح البخاری، البیوع، حدیث: 2215.

کا وسیلہ استعمال نہیں کیا۔ وسیلۂ ممنوع یہ ہے کہ فوت شدگان کو پکارنا یا انھیں حاجت روا خیال کرنا جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے۔ ایسا کرنا شرک اکبر ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے مقام یا جاہ کا وسیلہ بھی جائز نہیں۔

(٤) بَابُ تَحْوِيلِ الرِّدَاءِ فِي الِاسْتِسْقَاءِ

باب: 4- باران رحمت طلب کرتے وقت چادر پلٹنا

١٠١١ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ قَالَ: حَدَّثَنَا وَهْبٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اسْتَسْقَى فَقَلَبَ رِدَاءَهُ. [راجع: ١٠٠٥]

[1011] حضرت عبداللہ بن زید ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے بارش کے لیے دعا کی اور اپنی چادر الٹادی۔

١٠١٢ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ: إِنَّهُ سَمِعَ عَبَّادَ ابْنَ تَمِيمٍ يُحَدِّثُ أَبَاهُ عَنْ عَمِّهِ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ إِلَى الْمُصَلَّى فَاسْتَسْقَى، فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَحَوَّلَ رِدَاءَهُ وَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ.

[1012] حضرت عبداللہ بن زید ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ عیدگاہ کی طرف تشریف لے گئے اور بارش کے لیے دعا کی۔ آپ قبلہ رو ہوئے، اپنی چادر پلٹی اور دو رکعت ادا کیں۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: كَانَ ابْنُ عُيَيْنَةَ يَقُولُ: هُوَ صَاحِبُ الْأَذَانِ، وَلٰكِنَّهُ وَهْمٌ لِأَنَّ هٰذَا عَبْدُ اللهِ ابْنُ زَيْدِ بْنِ عَاصِمٍ الْمَازِنِيُّ، مَازِنُ الْأَنْصَارِ. [راجع: ١٠٠٥]

ابوعبداللہ (امام بخاری ؒ) کہتے ہیں: شیخ ابن عیینہ کہا کرتے تھے کہ مذکورہ عبداللہ بن زید صاحب اذان ہیں۔ لیکن یہ ان کا وہم ہے کیونکہ یہ عبداللہ بن زید عاصم مازنی ہیں جو انصار کے قبیلہ مازن سے تعلق رکھتے ہیں۔

فوائد و مسائل: ① باران رحمت کی دعا کے وقت چادر پلٹنے کے لیے دو لفظ استعمال ہوئے ہیں: قلب اور تحویل۔ قلب یہ ہے کہ چادر کے اوپر والا حصہ نیچے اور نیچے والا اوپر ہو جائے اور تحویل یہ ہے کہ دائیں جانب والا حصہ بائیں جانب اور بائیں جانب والا دائیں جانب آ جائے۔ ② امام بخاری ؒ نے عنوان میں لفظ تحویل استعمال کیا ہے جبکہ روایات میں قلب کا لفظ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے نزدیک دونوں لفظ ہم معنی ہیں اور قلب بھی تحویل ہی کے معنی میں ہے۔ بعض روایات میں لفظ تحویل بھی استعمال ہوا ہے۔ روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تحویل ردا دوران خطبہ میں دعا کرنے سے پہلے ہوئی تھی۔ چادر کو اس طرح پلٹا جائے کہ نیچے کا کونا پکڑ کر اسے الٹا کیا جائے، پھر اسے دائیں جانب سے گھما کر بائیں جانب ڈال لیا جائے۔ ③ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ اپنے فضل سے ایسے ہی قحط کی حالت کو بدل دے گا۔[1]

1. فتح الباري: 643/2.

(٥) بَابُ انْتِقَامِ الرَّبِّ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ خَلْقِهِ بِالْقَحْطِ إِذَا انْتُهِكَتْ مَحَارِمُهُ

باب: 5- جب اللہ کی حرمتوں کو پامال کیا جائے تو وہ قحط کے ذریعے سے لوگوں کو سزا دیتا ہے

وضاحت: اس عنوان کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے کوئی حدیث یا اثر بیان نہیں کیا۔ اس عنوان کے حسب حال حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کی طرف سے دین اسلام کے متعلق سرتابی دیکھی تو ان کے خلاف بددعا فرمائی، پھر وہ لوگ قحط میں مبتلا ہوئے۔[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انتقام کا کوڑا اس وقت حرکت میں آتا ہے جب اس کے احکام سے سرتابی کی جائے اور اس کی پابندیوں کی پرواہ نہ کی جائے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو قرآنی آیات ہیں ان میں اللہ کی طرف سے انتقام کا پورا ضابطہ بیان ہوا ہے جن کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے: "آپ اس دن کا انتظار کریں جب آسمان سے صاف دھواں ظاہر ہوگا جو لوگوں پر چھا جائے گا۔ یہ المناک عذاب ہوگا۔ اے ہمارے رب! ہم سے اس عذاب کو دور کر دے، ہم ایمان لاتے ہیں۔ اس وقت انھیں نصیحت کہاں کارگر ہوگی، حالانکہ ان کے پاس رسول مبین آ چکا، پھر انھوں نے اس سے روگردانی کی اور کہنے لگے: یہ تو سکھایا پڑھایا دیوانہ ہے۔ ہم تھوڑی دیر کے لیے عذاب ہٹا دیں گے تو تم پھر وہی کرو گے جو پہلے کرتے رہے۔ پھر جس دن ہم سخت گرفت کریں گے تو پھر انتقام لے کر رہیں گے۔"[2] معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ اس عنوان کے تحت حدیث ابن مسعود سند کی معمولی تبدیلی کے ساتھ ذکر کرنا چاہتے تھے لیکن کسی رکاوٹ کی وجہ سے ایسا نہ کر سکے۔ واللہ أعلم۔

(٦) بَابُ الِاسْتِسْقَاءِ فِي الْمَسْجِدِ الْجَامِعِ

باب: 6- جامع مسجد میں بارش کے لیے دعا کرنا

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ کا اس عنوان سے مقصود یہ ہے کہ بارش کی دعا کے لیے باہر میدان میں جانا ضروری نہیں کیونکہ باہر نکلنے کا مقصد لوگوں کو بکثرت جمع کرنا ہے اور یہ مقصد جمعہ کے دن مسجد میں پورا ہو سکتا ہے۔

١٠١٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو ضَمْرَةَ أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شَرِيكُ بْنُ عَبْدِ اللهِ ابْنِ أَبِي نَمِرٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَذْكُرُ: أَنَّ رَجُلًا دَخَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مِنْ بَابٍ كَانَ وِجَاهَ الْمِنْبَرِ، وَرَسُولُ اللهِ ﷺ قَائِمٌ يَخْطُبُ، فَاسْتَقْبَلَ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَائِمًا فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! هَلَكَتِ الْأَمْوَالُ وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ، فَادْعُ

[1013] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی جمعہ کے دن مسجد نبوی میں اس دروازے سے داخل ہوا جو منبر کے بالکل سامنے تھا جبکہ رسول اللہ ﷺ کھڑے خطبہ دے رہے تھے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑا ہو کر عرض کرنے لگا: اللہ کے رسول! مال مویشی ہلاک ہو گئے اور راستے ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں، آپ اللہ سے دعا کریں کہ اللہ ہم پر بارش برسائے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر یوں

---

[1] صحيح البخاري، الاستسقاء، حديث: 1007. [2] الدخان 44:10-16.

اللهَ يُغِيثُنَا. قَالَ: فَرَفَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَدَيْهِ فَقَالَ: «اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا، اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا، اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا». قَالَ أَنَسٌ: وَلَا وَاللهِ مَا نَرٰى فِي السَّمَاءِ مِنْ سَحَابٍ وَلَا قَزَعَةٍ وَلَا شَيْئًا وَمَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ سَلْعٍ مِنْ بَيْتٍ وَلَا دَارٍ، قَالَ: فَطَلَعَتْ مِنْ وَرَائِهِ سَحَابَةٌ مِثْلُ التُّرْسِ فَلَمَّا تَوَسَّطَتِ السَّمَاءَ انْتَشَرَتْ ثُمَّ أَمْطَرَتْ. قَالَ: وَاللهِ مَا رَأَيْنَا الشَّمْسَ سِتًّا، ثُمَّ دَخَلَ رَجُلٌ مِنْ ذٰلِكَ الْبَابِ فِي الْجُمُعَةِ الْمُقْبِلَةِ وَرَسُولُ اللهِ ﷺ قَائِمٌ يَخْطُبُ فَاسْتَقْبَلَهُ قَائِمًا. فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! هَلَكَتِ الْأَمْوَالُ، وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ، فَادْعُ اللهَ يُمْسِكْهَا. قَالَ فَرَفَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَدَيْهِ ثُمَّ قَالَ «اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا، اَللّٰهُمَّ عَلَى الْآكَامِ وَالْجِبَالِ وَالظِّرَابِ وَالْأَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ». قَالَ. فَانْقَطَعَتْ، وَخَرَجْنَا نَمْشِي فِي الشَّمْسِ.

دعا فرمائی: ''اے اللہ! ہم پر بارش برسا۔ اے اللہ! ہم پر بارش نازل فرما۔ اے اللہ! ہمیں باران رحمت عطا فرما۔'' حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: اللہ کی قسم! ہمیں دور دور تک آسمان پر کوئی چھوٹا یا بڑا بادل کا ٹکڑا نظر نہیں آ رہا تھا اور نہ ہمارے اور سلع پہاڑ کے درمیان کوئی گھر یا حویلی ہی حائل تھی (کہ ہم بادلوں کو نہ دیکھ سکتے ہوں)۔ اچانک سلع پہاڑ کے پیچھے سے ڈھال کی طرح ایک بادل نمودار ہوا۔ جب وہ آسمان کے وسط میں آیا تو ادھر ادھر پھیل گیا، پھر وہ برسنے لگا۔ اللہ کی قسم! ہم نے ہفتہ بھر سورج نہ دیکھا۔ دوسرے جمعہ کو پھر اسی دروازے سے ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا جبکہ رسول اللہ ﷺ کھڑے خطبہ دے رہے تھے۔ اس نے آپ کے سامنے آ کر عرض کیا: اللہ کے رسول! مال تلف ہو گئے اور راستے بند ہو گئے ہیں، اللہ سے دعا کیجیے کہ وہ ہم سے اس بارش کو روک لے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی: ''اے اللہ! اب یہ بارش ہمارے اردگرد تو ہو لیکن ہم پر نہ برسے۔ اے اللہ! اسے ٹیلوں، پہاڑوں، میدانوں، وادیوں اور باغوں پر برسا۔'' راوی کہتے ہیں کہ بارش فوراً بند ہو گئی اور ہم دھوپ میں چلنے پھرنے لگے۔

قَالَ شَرِيكٌ: فَسَأَلْتُ أَنَسًا: أَهُوَ الرَّجُلُ الْأَوَّلُ؟ قَالَ: لَا أَدْرِي. [راجع: 932]

(راوی حدیث) شریک کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: یہ وہی پہلا شخص تھا؟ انھوں نے فرمایا: مجھے معلوم نہیں۔

فائدہ: اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ نے صرف یہی مسئلہ ثابت کیا ہے کہ دعائے استسقاء کے لیے باہر کھلے میدان میں جانا، قبلہ رو ہونا اور چادر وغیرہ پلٹنا اگرچہ مشروع ہے لیکن حالات و ظروف کے مطابق صرف دعا بھی کی جا سکتی ہے، نیز اس حدیث سے رسول اللہ ﷺ کے کئی ایک معجزات کا ثبوت ملتا ہے کہ آپ نے اللہ سے بارش کی دعا کی تو وہ فوراً قبول ہوئی اور بارش شروع ہو گئی۔ پھر کثرت باراں سے جب نقصان ہونے لگا تو آپ نے بارش ادھر ادھر برسنے کی دعا فرمائی تو وہ بھی فوراً قبول ہوئی، نیز اس میں رسول اللہ ﷺ نے دعا کا ادب بھی سکھایا ہے کہ مطلق طور پر بارش رکنے کی دعا نہیں فرمائی بلکہ اس قدر دعا کی جس سے نقصان

زائل ہو جائے اور نفع باقی رہے۔[1]

(٧) بَابُ الاِسْتِسْقَاءِ فِي خُطْبَةِ الْجُمُعَةِ غَيْرَ مُسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةِ

١٠١٤ – حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شَرِيكٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مِنْ بَابٍ كَانَ نَحْوَ دَارِ الْقَضَاءِ، وَرَسُولُ اللهِ ﷺ قَائِمٌ يَخْطُبُ فَاسْتَقْبَلَ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَائِمًا ثُمَّ قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! هَلَكَتِ الأَمْوَالُ، وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ، فَادْعُ اللهَ يُغِيثُنَا. فَرَفَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَدَيْهِ ثُمَّ قَالَ: «اللَّهُمَّ أَغِثْنَا، اللَّهُمَّ أَغِثْنَا، اللَّهُمَّ أَغِثْنَا» قَالَ أَنَسٌ: وَلَا وَاللهِ مَا نَرَى فِي السَّمَاءِ مِنْ سَحَابٍ وَلَا قَزَعَةٍ وَمَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ سَلْعٍ مِنْ بَيْتٍ وَلَا دَارٍ، قَالَ: فَطَلَعَتْ مِنْ وَرَائِهِ سَحَابَةٌ مِثْلُ التُّرْسِ فَلَمَّا تَوَسَّطَتِ السَّمَاءَ انْتَشَرَتْ ثُمَّ أَمْطَرَتْ، فَلَا وَاللهِ مَا رَأَيْنَا الشَّمْسَ سَبْتًا، ثُمَّ دَخَلَ رَجُلٌ مِنْ ذٰلِكَ الْبَابِ فِي الْجُمُعَةِ وَرَسُولُ اللهِ ﷺ قَائِمٌ يَخْطُبُ فَاسْتَقْبَلَهُ قَائِمًا، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! هَلَكَتِ الأَمْوَالُ، وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ، فَادْعُ اللهَ يُمْسِكْهَا عَنَّا. قَالَ: فَرَفَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَدَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: «اللَّهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا، اللَّهُمَّ عَلَى الآكَامِ وَالظِّرَابِ وَبُطُونِ الأَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ» قَالَ: فَأَقْلَعَتْ وَخَرَجْنَا نَمْشِي فِي

باب: 7- خطبۂ جمعہ میں قبلہ رو ہوئے بغیر بارش کی دعا کرنا

[1014] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص جمعہ کے دن مسجد میں اس دروازے سے داخل ہوا جو دارالقضاء کی طرف تھا جبکہ رسول اللہ ﷺ کھڑے خطبہ دے رہے تھے۔ وہ شخص رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑا ہو کر عرض کرنے لگا: اللہ کے رسول! مال مویشی تباہ ہو گئے اور راستے ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں اللہ سے دعا کیجیے کہ وہ ہم پر بارش برسائے۔ رسول اللہ ﷺ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا کی: ''اے اللہ! ہم پر بارش برسا۔ اے اللہ! ہمیں باران رحمت عطا فرما۔ اے اللہ! ہم پر بارش برسا۔'' حضرت انس کہتے ہیں: اللہ کی قسم! ہمیں دور دور تک کوئی بادل کا چھوٹا یا بڑا ٹکڑا نظر نہیں آ رہا تھا اور نہ ہمارے اور سلع پہاڑ کے درمیان کوئی گھر یا حویلی ہی حائل تھی۔ اچانک سلع پہاڑ کے پیچھے سے ڈھال کی طرح ایک چھوٹا سا بادل نمودار ہوا۔ جب وہ آسمان کے درمیان آیا تو پھیل گیا، پھر برسنے لگا۔ اللہ کی قسم! ہم نے ہفتہ بھر سورج نہ دیکھا۔ پھر اگلے جمعے ایک شخص اسی دروازے سے داخل ہوا جبکہ رسول اللہ ﷺ کھڑے خطبہ دے رہے تھے۔ وہ آپ کے سامنے کھڑا ہو کر عرض کرنے لگا: اللہ کے رسول! مال مویشی ہلاک ہو گئے اور راستے ٹوٹ پھوٹ گئے، اللہ سے دعا کیجیے کہ وہ ہم سے بارش روک لے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا کی: ''اے اللہ! اب یہ بارش ہمارے اردگرد تو ہو لیکن ہم پر نہ برسے۔ اے اللہ!

[1] فتح الباري: 653/2.

الشَّجَرِ.

ٹیلوں، پہاڑوں، وادیوں اور درختوں کے اگنے کی جگہوں پر بارش برسا۔" حضرت انس فرماتے ہیں کہ بارش رک گئی اور ہم دھوپ میں چلنے لگے۔

قَالَ شَرِيكٌ: سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ. أَهُوَ الرَّجُلُ الْأَوَّلُ؟ فَقَالَ: مَا أَدْرِي. [راجع: ٩٣٢]

شریک نے کہا: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا یہ وہی پہلا شخص تھا؟ انھوں نے فرمایا: مجھے معلوم نہیں۔

فائدہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت کیا ہے کہ بارش کی دعا کے لیے قبلہ رو ہونا ضروری نہیں بلکہ ویسے بھی ممکن ہو کی جا سکتی ہے۔ البتہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے ایک اور بات کو ثابت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ بارش اللہ کی رحمت ہے بوقت قحط اس کے لیے دعا کرنا مشروع ہے، اسی طرح یہ بارش باعث زحمت بن جائے تو اسے روکنے کی دعا کرنا بھی جائز ہے جیسا کہ مذکورہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے، نیز اس حدیث میں دار القضاء کا لفظ آیا ہے جس کے معنی عام طور پر عدالت کیے جاتے ہیں، حالانکہ یہ صحیح نہیں بلکہ دار القضاء اس لیے کہا جاتا تھا کہ اس جگہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ذمے قرض کے عوض فروخت کیا گیا تھا، یعنی ان کا قرض اتارنے کے لیے اسے بیچا گیا تھا۔ اسے پہلے دار قضائے دین عمر کہتے تھے، بعد ازاں دار القضاء کے نام سے مشہور ہو گیا۔[1]

(٨) بَابُ الاِسْتِسْقَاءِ عَلَى الْمِنْبَرِ

باب: 8- منبر پر (کھڑے کھڑے) بارش کی دعا کرنا

١٠١٥ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: بَيْنَمَا رَسُولُ اللهِ ﷺ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِذْ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! قَحَطَ الْمَطَرُ فَادْعُ اللهَ أَنْ يَسْقِيَنَا. فَدَعَا فَمُطِرْنَا فَمَا كِدْنَا أَنْ نَصِلَ إِلَى مَنَازِلِنَا فَمَا زِلْنَا نُمْطَرُ إِلَى الْجُمُعَةِ الْمُقْبِلَةِ. قَالَ: فَقَامَ ذَلِكَ الرَّجُلُ أَوْ غَيْرُهُ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! ادْعُ اللهَ أَنْ يَصْرِفَهُ عَنَّا. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اللَّهُمَّ حَوَالَيْنَا، وَلَا عَلَيْنَا». قَالَ: فَلَقَدْ رَأَيْتُ السَّحَابَ يَتَقَطَّعُ يَمِينًا وَشِمَالًا، يُمْطَرُونَ وَلَا يُمْطَرُ أَهْلُ الْمَدِينَةِ. [راجع: ٩٣٢]

[1015] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ جمعے کے دن رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور عرض کرنے لگا: اللہ کے رسول! بارش نہیں ہو رہی، آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ ہم پر باران رحمت نازل فرمائے۔ آپ نے دعا فرمائی تو ہم پر بارش برسنے لگی، ہم بڑی مشکل سے اپنے گھروں کو پہنچے، چنانچہ آئندہ جمعہ تک ہم پر بارش ہوتی رہی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ (اگلے جمعے) وہی شخص یا کوئی دوسرا کھڑا ہوا اور عرض کرنے لگا: اللہ کے رسول! اللہ سے دعا کریں کہ ہم سے بارش روک لے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی: "اے اللہ! ہمارے اردگرد بارش ہو ہم پر نہ ہو۔" حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے

[1] فتح الباري 647/2.

بادل کو چھٹ کر دائیں بائیں جاتے دیکھا، پھر دوسرے لوگوں پر تو بارش ہوتی رہی لیکن اہل مدینہ پر نہیں ہو رہی تھی۔

فوائد و مسائل: ① مالکیہ کا موقف ہے کہ منبر پر بارش کی دعا کرنا تضرع اور انکسار کے خلاف ہے جو اس موقع پر درکار ہوتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کا جواز ثابت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا کیا ہے۔ اگرچہ اس حدیث میں منبر کی صراحت نہیں، تاہم خطبہ جمعہ کے لیے منبر ہوتا تھا، اس لیے دوران خطبہ میں بارش کی دعا بھی منبر ہی پر کی گئی۔ علاوہ ازیں ایک حدیث میں صراحت بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر فروکش ہوئے، لوگوں کو وعظ و نصیحت کی اور دعا مانگی۔[1] ② اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو آئندہ جمعہ کھڑے ہو کر عرض کرنے والے شخص کے متعلق شک تھا کہ وہی پہلا شخص ہے یا کوئی اور۔ اس سے قبل حدیث میں راوی حدیث شریک کے سوال کرنے پر بھی انھوں نے اسی شک کا اظہار کیا لیکن مستدابی عوانہ کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہی شخص آئندہ جمعہ کو کھڑا ہوا۔ شاید حضرت انس رضی اللہ عنہ بھول کا شکار ہو گئے ہوں۔ امام بیہقی رحمہ اللہ کی بیان کردہ ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت خارجہ بن حصن رضی اللہ عنہ تھے جو حضرت عیینہ بن حصن کے بھائی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ جب غزوۂ تبوک سے واپس لوٹے تو حضرت خارجہ کی سربراہی میں بنو فزارہ کا ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے باران رحمت طلب کرنے کی اپیل کی تھی۔[2]

(۹) بَابُ مَنِ اكْتَفَى بِصَلَاةِ الْجُمُعَةِ فِي الِاسْتِسْقَاءِ

باب: 9- بارش کی دعا کے لیے نماز جمعہ پر اکتفا کرنا

١٠١٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ شَرِيكِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: هَلَكَتِ الْمَوَاشِي، وَتَقَطَّعَتِ السُّبُلُ. فَدَعَا فَمُطِرْنَا مِنَ الْجُمُعَةِ إِلَى الْجُمُعَةِ، ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ: تَهَدَّمَتِ الْبُيُوتُ، وَتَقَطَّعَتِ السُّبُلُ، وَهَلَكَتِ الْمَوَاشِي، فَادْعُ اللهَ يُمْسِكْهَا فَقَامَ فَقَالَ: «اَللّٰهُمَّ عَلَى الْآكَامِ وَالظِّرَابِ وَالْأَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ». فَانْجَابَتْ عَنِ الْمَدِينَةِ انْجِيَابَ الثَّوْبِ. [راجع: ٩٣٢]

[1016] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ ایک شخص نبی ﷺ کے پاس حاضر ہو کر عرض کرنے لگا: مویشی ہلاک ہو گئے ہیں اور راستے مسدود ہو گئے ہیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بارش کی دعا کی تو دوسرے جمعہ تک ہم پر بارش ہوتی رہی۔ پھر کوئی شخص آیا اور کہنے لگا کہ (بارش کی وجہ سے) مکانات گرنے لگے اور راستے ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں، اللہ سے دعا کریں کہ وہ بارش روک لے۔ رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی: ''اے اللہ! ٹیلوں، پہاڑوں، وادیوں اور باغوں پر بارش برسا۔'' چنانچہ مدینہ منورہ سے کپڑا پھٹنے کی طرح بادل چھٹ گئے۔

فائدہ: بارش کے لیے دعا کے مختلف طریقے ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اس کے لیے نماز جمعہ پر بھی اکتفا کیا جا سکتا

---

1 سنن أبي داود، صلاة الاستسقاء، حديث: 1173. 2 فتح الباري: 651/2.

ہے، الگ سے نماز کا اہتمام ضروری نہیں۔ ہاں! اگر باہر میدان میں جائیں تو پھر الگ نماز کا اہتمام ضروری ہے۔ بہر حال یہ حدیث ان لوگوں کی دلیل نہیں بن سکتی جو استسقاء کے لیے نماز کی مشروعیت کے قائل نہیں۔[1]

(١٠) بَابُ الدُّعَاءِ إِذَا انْقَطَعَتِ السُّبُلُ مِنْ كَثْرَةِ الْمَطَرِ

باب: 10- جب کثرت بارش سے راستے مسدود ہو جائیں تو (اس کے رک جانے کی) دعا کرنا

١٠١٧ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ شَرِيكِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي نَمِرٍ، عَنْ أَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! هَلَكَتِ الْمَوَاشِي، وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ فَادْعُ اللهَ. فَدَعَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَمُطِرُوا مِنْ جُمُعَةٍ إِلَى جُمُعَةٍ، فَجَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! تَهَدَّمَتِ الْبُيُوتُ، وَتَقَطَّعَتِ السُّبُلُ، وَهَلَكَتِ الْمَوَاشِي. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اَللّٰهُمَّ عَلَى رُؤُوسِ الْجِبَالِ، وَالْآكَامِ، وَبُطُونِ الْأَوْدِيَةِ، وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ» فَانْجَابَتْ عَنِ الْمَدِينَةِ انْجِيَابَ الثَّوْبِ. [راجع: ٩٣٢]

[1017] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا: اللہ کے رسول! قحط سالی کی وجہ سے مال مویشی ہلاک ہو گئے اور راستے ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں، آپ اللہ سے (بارش کی) دعا فرمائیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی تو ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک ان پر بارش برستی رہی۔ پھر ایک آدمی حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا: اللہ کے رسول! کثرت باراں سے گھر منہدم، راستے تباہ اور مویشی ہلاک ہو گئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی: "اے اللہ! پہاڑوں کی چوٹیوں، ریت کے ٹیلوں، نشیبی وادیوں اور درخت اگنے کے مقامات پر بارش برسا۔" اس کے بعد مدینہ منورہ سے اس طرح بادل چھٹ گئے جس طرح کپڑا پھٹ کر ٹکڑے ہو جاتا ہے۔

فوائد و مسائل: ① اگر کثرت بارش کی وجہ سے نقصان ہو رہا ہو تو اس کے رکنے کی دعا کی جا سکتی ہے لیکن اس کے لیے باہر نکلنا، چادر پلٹنا، خطبہ اور نماز وغیرہ کا اہتمام ضروری نہیں بلکہ کسی بھی وقت عام انداز میں کی جا سکتی ہے۔ ② واضح رہے کہ بارش کا پانی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بند ہونے کی دعا نہیں فرمائی بلکہ فرمایا کہ جہاں مفید ہو وہاں برسنا چاہیے۔ آپ نے ان مقامات کی نشاندہی بھی فرمائی جہاں برسنے سے اس کے فوائد حاصل ہو سکتے تھے۔

(١١) بَابُ مَا قِيلَ: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يُحَوِّلْ رِدَاءَهُ فِي الْاِسْتِسْقَاءِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

باب: 11- اس بات کی حقیقت کہ نبی ﷺ نے جمعہ کے دن بارش کی دعا کرتے وقت چادر نہیں پلٹی

[1] فتح الباري: 655/2.

١٠١٨ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ بِشْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُعَافَى بْنُ عِمْرَانَ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ، عَنْ إِسْحَاقَ ابْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ رَجُلًا شَكَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ هَلَاكَ الْمَالِ وَجَهْدَ الْعِيَالِ، فَدَعَا اللهَ يَسْتَسْقِي.

[1018] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ کے ہاں مال کے ہلاک ہونے اور اہل و عیال کے مشقت میں مبتلا ہونے کی شکایت کی تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا فرمائی۔

وَلَمْ يَذْكُرْ أَنَّهُ حَوَّلَ رِدَاءَهُ، وَلَا اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ. [راجع: ٩٣٢]

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے چادر پلٹنے یا استقبال قبلہ کا ذکر نہیں کیا۔

فائدہ: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ شرح تراجم بخاری میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ استسقاء کے موقع پر آپ نے اپنی چادر کو نہیں پلٹا تھا۔ اس کی بھی کوئی اصل ہے، یعنی چادر کو الٹنا اور نہ الٹنا دونوں رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں۔ لیکن امام بخاری رحمہ اللہ کے انداز اور اسلوب سے معلوم ہوتا ہے کہ استسقاء کے موقع پر چادر کو نہ الٹنا اصل نہیں ہے کہ اسے آپ نے لفظ فعل سے بیان کیا ہے کیونکہ روایات میں یہ الفاظ نہیں ہیں کہ آپ نے اپنی چادر کو الٹ پلٹ نہیں کیا، البتہ راوی کا بیان ہے کہ میرے شیخ نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ راوی کا اس کے متعلق سکوت اختیار کرنا عدم وقوع کی دلیل نہیں، تاہم رسول اللہ ﷺ نے جمعے کے دن دوران خطبہ میں بارش کے لیے جو دعا کی اس میں واقعی چادر کو نہیں پلٹا۔ جب باہر جا کر اس کا خصوصی اہتمام کیا تو نہ صرف آپ بلکہ لوگ بھی اس عمل کو رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں بجا لائے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی چادر کے ظاہری حصے کو باطنی حصے کی طرف پھیر دیا اور لوگوں نے بھی اپنی چادروں کو الٹ پلٹ کیا۔[1] لیکن علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کے متعلق جو الفاظ ہیں وہ شاذ ہیں۔[2] اس روایت میں اگرچہ جمعہ کا ذکر نہیں کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے انتہائی اختصار سے بیان کیا ہے لیکن تفصیل کے ساتھ یہ روایت آگے (نمبر: 1033 میں) آ رہی ہے۔ اس میں دوران جمعہ دعا کرنے کے الفاظ ہیں۔

(١٢) بَابٌ: إِذَا اسْتَشْفَعُوا إِلَى الْإِمَامِ لِيَسْتَسْقِيَ لَهُمْ لَمْ يَرُدَّهُمْ

باب: 12- جب لوگ امام سے بارش کے لیے دعا کی اپیل کریں تو وہ اسے مسترد نہ کرے

١٠١٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ شَرِيكِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي نَمِرٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ!

[1019] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا: اللہ کے رسول! مویشی ہو گئے اور راستے بند ہو گئے ہیں، آپ اللہ سے بارش کی دعا فرمائیں۔

1 مسند أحمد: 41/4. 2 تمام المنة، ص: 264.

هَلَكَتِ الْمَوَاشِي، وَتَقَطَّعَتِ السُّبُلُ، فَادْعُ اللهَ، فَدَعَا اللهَ فَمُطِرْنَا مِنَ الْجُمُعَةِ إِلَى الْجُمُعَةِ، فَجَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! تَهَدَّمَتِ الْبُيُوتُ وَتَقَطَّعَتِ السُّبُلُ وَهَلَكَتِ الْمَوَاشِي، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اللَّهُمَّ عَلَى ظُهُورِ الْجِبَالِ وَالْآكَامِ وَبُطُونِ الْأَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ». فَانْجَابَتْ عَنِ الْمَدِينَةِ انْجِيَابَ الثَّوْبِ. [راجع: ٩٣٢]

رسول اللہ ﷺ نے اللہ سے دعا فرمائی۔ اس کے نتیجے میں اس جمعے سے آئندہ جمعے تک بارش ہوتی رہی۔ پھر ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: اللہ کے رسول! مکانات منہدم ہو گئے، راستے ٹوٹ پھوٹ گئے اور مویشی تباہ ہو گئے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی: "اے اللہ! پہاڑوں کی چوٹیوں، ریت کے ٹیلوں، ندیوں اور باغوں پر بارش برسا۔" اس کے بعد بادل مدینہ سے اس طرح چھٹ گیا جس طرح کپڑا پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔

فائدہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے پہلے ایک عنوان قائم کیا تھا "باب سؤال الناس الإمام الاستسقاء إذا قحطوا" "قحط کے زمانے میں لوگوں کا امام سے باران رحمت کے لیے دعا کی اپیل کرنا۔" ان دونوں عناوین میں فرق یہ ہے کہ پہلے عنوان میں لوگوں کو ان کی ذمے داری سے آگاہ کیا گیا تھا کہ وہ ایسے حالات میں امام سے بارش کے لیے دعا کی درخواست کریں جبکہ اس باب میں امام کی ذمے داری بتائی گئی ہے کہ وہ ان کی اپیل مسترد نہ کرے بلکہ ہر وہ کام جس میں رعایا کا فائدہ ہو اس کی تکمیل کرے کیونکہ رعایا کی حفاظت امام پر لازم ہے اور قیامت کے دن اس سے اس کے متعلق باز پرس ہوگی۔[1]

(١٣) بَابٌ: إِذَا اسْتَشْفَعَ الْمُشْرِكُونَ بِالْمُسْلِمِينَ عِنْدَ الْقَحْطِ

باب: 13- قحط کے وقت جب مشرکین، اہل اسلام سے دعا کی درخواست کریں

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان میں وضاحت نہیں کی کہ ایسے حالات میں امام کو کیا کرنا چاہیے۔ اس میں تفصیل ہے کہ اگر امام کو ان کے متعلق امید ہو کہ باطل سے ہٹ کر حق قبول کر لیں گے تو ان کے لیے بارش کی دعا کرے اور اگر حسد و عناد کی وجہ سے ان کے متعلق یہ امید نہ ہو تو ان کی تباہی کے لیے بددعا کرے جیسا کہ ذکر کردہ احادیث میں اس کی وضاحت ہے۔

١٠٢٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ عَنْ سُفْيَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا مَنْصُورٌ وَالْأَعْمَشُ عَنْ أَبِي الضُّحَى، عَنْ مَسْرُوقٍ، قَالَ: أَتَيْتُ ابْنَ مَسْعُودٍ فَقَالَ: إِنَّ قُرَيْشًا أَبْطَؤُوا عَنِ الْإِسْلَامِ، فَدَعَا عَلَيْهِمُ النَّبِيُّ ﷺ، فَأَخَذَتْهُمْ سَنَةٌ حَتَّى هَلَكُوا فِيهَا وَأَكَلُوا الْمَيْتَةَ وَالْعِظَامَ، فَجَاءَهُ أَبُو

[1020] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: جب قریش نے اسلام قبول کرنے میں تاخیر کی تو نبی ﷺ نے ان کے خلاف بددعا فرمائی۔ اس کے بعد انھیں خشک سالی اور قحط نے آ لیا حتی کہ وہ ہلاک ہونے لگے اور مردار اور ہڈیاں وغیرہ کھانے پر مجبور ہو گئے۔ اس دوران میں ابوسفیان آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا: محمد! آپ

[1] فتح الباري: 2/657.

سُفْيَانَ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! جِئْتَ تَأْمُرُ بِصِلَةِ الرَّحِمِ، وَإِنَّ قَوْمَكَ هَلَكُوا فَادْعُ اللّٰهَ تَعَالٰى. فَقَرَأَ: ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ﴾ الْآيَةَ [الدخان: ۱۰]. ثُمَّ عَادُوا إِلٰى كُفْرِهِمْ. فَذٰلِكَ قَوْلُهُ تَعَالٰى: ﴿يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى﴾ [الدخان: ۱۶]

(لوگوں کو تو) صلہ رحمی کا حکم کرتے ہیں لیکن آپ کی اپنی قوم تباہ ہو رہی ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیات پڑھیں: ''اس دن کا انتظار کرو جب آسمان پر نمایاں دھواں چھا جائے گا۔'' پھر وہ (قریش) کفر کی طرف لوٹ گئے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''جس روز ہم انھیں بری طرح سخت انداز میں پکڑیں گے۔'' یعنی بدر کے دن۔

يَوْمَ بَدْرٍ، قَالَ: وَزَادَ أَسْبَاطُ عَنْ مَنْصُورٍ: فَدَعَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَسُقُوا الْغَيْثَ فَأَطْبَقَتْ عَلَيْهِمْ سَبْعًا، وَشَكَا النَّاسُ كَثْرَةَ الْمَطَرِ، فَقَالَ: «اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا». فَانْحَدَرَتِ السَّحَابَةُ عَنْ رَأْسِهِ، فَسُقُوا النَّاسُ حَوْلَهُمْ [راجع: ۱۰۰۷]

(راوی حدیث) اسباط نے اپنے شیخ منصور سے بیان کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی تو ان پر بارش ہوئی، پھر سات دن بارش ہوتی رہی۔ آخر کار لوگوں نے کثرت بارش کی شکایت کی تو آپ نے دعا فرمائی: ''اے اللہ! ہمارے ارد گرد بارش ہو، ہم پر نہ برسے۔'' چنانچہ بادل آپ کے سر مبارک سے چھٹ گیا اور ارد گرد لوگوں پر خوب بارش ہوئی۔

فوائد و مسائل: ① ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَآ أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّبِيٍّ إِلَّآ أَخَذْنَآ أَهْلَهَا بِالْبَأْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُونَ ۝ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوا وَّقَالُوا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَأَخَذْنٰهُم بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ ''ہم نے جب بھی کسی بستی میں کوئی نبی بھیجا تو وہاں کے باشندوں کو شدت اور تکالیف میں مبتلا کر دیا تاکہ وہ عاجزی کی روش اختیار کریں۔ پھر ہم نے ان کی بدحالی کو خوش حالی میں بدل دیا یہاں تک کہ وہ خوب پھلے پھولے اور کہنے لگے: اچھے اور برے دن تو ہمارے آباء و اجداد پر بھی آتے رہے ہیں۔ آخر کار ہم نے انھیں پکڑ لیا اور انھیں خبر تک نہ ہوئی۔''[1] ان دو آیات میں اللہ تعالیٰ کے عذاب کی وہی سنت جاریہ بیان کی گئی ہے جس کا ذکر مذکورہ حدیث میں ہے کہ جب کوئی قوم مجموعی طور پر اپنے نبی کی دعوت کو ٹھکرا دیتی ہے تو اللہ کی طرف سے ان پر ہلکا پھلکا عذاب بھیجا جاتا ہے، جیسے قحط سالی، وبائی امراض اور مہنگائی وغیرہ۔ یہ عذاب ان کے لیے ایک تنبیہ کا درجہ رکھتا ہے۔ جب قوم اس کا اثر قبول نہیں کرتی تو خوشحالی سے اس قوم کی آزمائش ہوتی ہے۔ ان کے رزق اور افرادی قوت میں خوب اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ جب وہ اس میں مگن ہو جاتے تو اچانک اللہ کا عذاب انھیں دبوچ لیتا ہے۔ اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے قریش کے متعلق اسی قانون الٰہی کو بیان کیا ہے۔ بلکہ ایک روایت میں ہے کہ جب ان سے عذاب ٹل گیا اور خوشحالی آگئی تو انھوں نے دوبارہ اسی روش کو اپنا لیا جس پر وہ پہلے تھے۔[2] ② بعض حضرات نے راوی حدیث اسباط بن نصر کے بیان کردہ اضافے کو مدینہ منورہ سے متعلق قرار دیا ہے، لیکن ان کا یہ موقف صحیح نہیں۔ اگرچہ مدینہ منورہ میں بھی اس قسم کے حالات پیدا ہوئے تھے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ صحیح

1 الأعراف 7:94، 95. 2 صحیح البخاري، التفسير، حديث: 4821.

بخاری کی اس روایت کو وہم قرار دیا جائے۔

(١٤) بَابُ الدُّعَاءِ إِذَا كَثُرَ الْمَطَرُ: حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا

باب: 14- جب بارش زیادہ ہو تو حوالینا ولا علینا کے الفاظ کے ساتھ دعا کرنی چاہیے

١٠٢١ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَخْطُبُ يَوْمَ جُمُعَةٍ، فَقَامَ النَّاسُ فَصَاحُوا فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! قَحَطَ الْمَطَرُ وَاحْمَرَّتِ الشَّجَرُ وَهَلَكَتِ الْبَهَائِمُ فَادْعُ اللهَ أَنْ يَسْقِيَنَا. فَقَالَ: «اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا»، مَرَّتَيْنِ، وَايْمُ اللهِ مَا نَرَى فِي السَّمَاءِ قَزَعَةً مِنْ سَحَابٍ فَنَشَأَتْ سَحَابَةٌ، فَأَمْطَرَتْ، وَنَزَلَ عَنِ الْمِنْبَرِ فَصَلَّى، فَلَمَّا انْصَرَفَ لَمْ يَزَلِ الْمَطَرُ إِلَى الْجُمُعَةِ الَّتِي تَلِيهَا، فَلَمَّا قَامَ النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ صَاحُوا إِلَيْهِ: تَهَدَّمَتِ الْبُيُوتُ وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ، فَادْعُ اللهَ يَحْبِسْهَا عَنَّا. فَتَبَسَّمَ النَّبِيُّ ﷺ وَقَالَ: «اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا» فَكُشِطَتِ الْمَدِينَةُ فَجَعَلَتْ تُمْطِرُ حَوْلَهَا وَمَا تُمْطِرُ بِالْمَدِينَةِ قَطْرَةً، فَنَظَرْتُ إِلَى الْمَدِينَةِ وَإِنَّهَا لَفِي مِثْلِ الْإِكْلِيلِ. [راجع: ٩٣٢]

[1021] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ ایک دفعہ جمعے کے دن خطبہ دے رہے تھے تو کچھ لوگ اٹھ کر بول پڑے۔ انھوں نے فریاد کی: اللہ کے رسول! بارش نہیں ہو رہی، درخت پیلے ہو گئے اور مویشی مرنے لگے، اللہ سے دعا فرمائیں کہ وہ ہم پر بارش برسائے۔ آپ نے دو مرتبہ فرمایا: ''اے اللہ! ہمیں سیراب فرما۔'' اللہ کی قسم! ہمیں آسمان پر بادل کا کوئی ٹکڑا دکھائی نہیں دیتا تھا کہ اچانک ابر نمودار ہوا اور برسنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ منبر سے اترے اور نماز پڑھی، پھر واپس گھر کو لوٹے تو بارش اگلے جمعے تک برستی رہی۔ دوسرے جمعے جب نبی ﷺ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو کچھ لوگ پھر بلند آواز سے بولے کہ مکانات گر گئے اور راستے بند ہو گئے، آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ اس بارش کو ہم سے روک دے۔ نبی ﷺ مسکرائے اور دعا فرمائی: ''اے اللہ! ہمارے اردگرد بارش ہو، ہم پر نہ ہو۔'' اس کے بعد مدینے سے بادل چھٹ گئے۔ اس کے آس پاس بارش ہوتی رہی۔ مدینے میں بارش کا ایک قطرہ بھی نہیں برس رہا تھا۔ میں نے مدینہ منورہ کو دیکھا کہ تاج کی طرح اس کے اردگرد بادل تھے اور یہ درمیان میں تھا۔

فوائد و مسائل: ① شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ شرح تراجم بخاری میں لکھتے ہیں کہ کثرت باراں کے وقت جامع اور پر حکمت الفاظ سے دعا کرنی چاہیے کیونکہ بارش اللہ کی رحمت ہے، اسے مطلق طور پر روک دینے کی دعا کرنا مناسب نہیں۔ مناسب

1. فتح الباري: 659/2.

یہ ہے کہ اس کے منافع حاصل کرنے کے لیے اور اس کے نقصان سے بچنے کے لیے دعا کی جائے۔ (ج) امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے تحت ایسے حالات میں دعا کا ادب بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے فرمائے ہوئے الفاظ سے دعا کی جائے، نیز ایسے حالات میں نماز کے اہتمام اور چادر پلٹنے کی ضرورت نہیں۔

(١٥) بَابُ الدُّعَاءِ فِي الْإِسْتِسْقَاءِ قَائِمًا

باب: 15- بارش کے لیے کھڑے ہو کر دعا کرنا

١٠٢٢ - وَقَالَ لَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: عَنْ زُهَيْرٍ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ: خَرَجَ عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ الْأَنْصَارِيُّ، وَخَرَجَ مَعَهُ الْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ وَزَيْدُ ابْنُ أَرْقَمَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ فَاسْتَسْقَى فَقَامَ بِهِمْ عَلَى رِجْلَيْهِ، عَلَى غَيْرِ مِنْبَرٍ فَاسْتَسْقَى ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ يَجْهَرُ بِالْقِرَاءَةِ وَلَمْ يُؤَذِّنْ وَلَمْ يُقِمْ.

[1022] ابو اسحاق سبیعی فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ حضرت براء بن عازب اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہم کے ہمراہ باہر تشریف لے گئے۔ وہاں منبر کے بغیر اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر بارش کی دعا کی۔ پھر دو رکعت پڑھیں اور ان میں بآواز بلند قراءت کی۔ اس کے لیے اذان اور تکبیر کا اہتمام نہ کیا۔

قَالَ أَبُو إِسْحَاقَ: وَرَأَى عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ النَّبِيَّ ﷺ.

(راوی حدیث) ابو اسحاق کہتے ہیں کہ عبداللہ بن یزید انصاری نے نبی ﷺ کو دیکھا ہے۔

١٠٢٣ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبَّادُ بْنُ تَمِيمٍ أَنَّ عَمَّهُ - وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ أَخْبَرَهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ بِالنَّاسِ يَسْتَسْقِي لَهُمْ، فَقَامَ فَدَعَا اللهَ قَائِمًا، ثُمَّ تَوَجَّهَ قِبَلَ الْقِبْلَةِ وَحَوَّلَ رِدَاءَهُ فَأُسْقُوا. [راجع: ١٠٠٥]

[1023] حضرت عباد بن تمیم رضی اللہ عنہ کے چچا ..... اور وہ نبی ﷺ کے صحابی تھے ..... سے روایت ہے کہ نبی ﷺ بارش کی دعا کرنے کے لیے لوگوں کے ہمراہ باہر تشریف لے گئے۔ آپ نے کھڑے ہو کر دعا کی، پھر قبلے کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنی چادر کو الٹ پلٹ کیا، چنانچہ لوگوں پر خوب بارش ہوئی۔

فوائد و مسائل: (1) دعا کرتے وقت عجز و انکسار مقصود ہوتا ہے، اس لیے بارش کے لیے کھڑے ہو کر دعا کرنی چاہیے۔ (2) حضرت عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ کی موقوف روایت کے بعد مرفوع روایت بیان کی گئی ہے تاکہ موقوف سے اس کی تفسیر ہو جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر بارش کے لیے دعا کی تھی، منبر پر کھڑے نہیں ہوئے تھے۔ (3) عبداللہ بن یزید سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے، انھوں نے انھیں حکم دیا تھا کہ لوگوں کے لیے نماز استسقاء کا اہتمام کریں، چنانچہ لوگ باہر میدان میں گئے۔ ان کے ہمراہ حضرت براء بن عازب اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہما تھے۔ سب نے وہاں بارش کی دعا کی تھی۔ یہ واقعہ 64 ہجری کا ہے۔ (4) اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خطبے کے بعد نماز استسقاء پڑھی جائے جبکہ جمہور کا موقف ہے کہ نماز کا اہتمام پہلے ہونا چاہیے۔ ہمارے نزدیک دونوں طرح

جائز ہے۔[1]

(١٦) بَابُ الْجَهْرِ بِالْقِرَاءَةِ فِي الْاسْتِسْقَاءِ

باب: 16- نماز استسقاء میں باآواز بلند قراءت کرنا

١٠٢٤ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ، عَنْ عَمِّهِ قَالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ يَسْتَسْقِي، فَتَوَجَّهَ إِلَى الْقِبْلَةِ يَدْعُو، وَحَوَّلَ رِدَاءَهُ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ يَجْهَرُ فِيهِمَا بِالْقِرَاءَةِ. [راجع: ١٠٠٥]

[1024] حضرت عباد بن تمیم ؒ کے چچا سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ لوگوں کے ہمراہ بارش کی دعا کرنے کے لیے باہر تشریف لے گئے۔ آپ نے قبلے کی طرف منہ کر کے دعا مانگی، اپنی چادر کو الٹ پلٹ کیا، پھر دو رکعت نماز ادا کی اور ان میں قراءت بلند آواز سے کی۔

فوائد و مسائل: ① حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز استسقاء پڑھاتے وقت پہلی رکعت میں سات تکبیریں اور ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ پڑھی اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں اور ﴿هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ﴾ کی تلاوت کی۔[2] لیکن یہ روایت انتہائی کمزور ہے، اس بنا پر قابل حجت نہیں۔[3] ② صحیح موقف یہ ہے کہ قراءت کا معاملہ امام کی صوابدید پر موقوف ہے۔ کوئی معین سورت پڑھنے کی پابندی نہیں بلکہ جو آسان اور میسر ہو پڑھ لے۔[4] واللہ أعلم۔ ③ ابن بطال نے نماز استسقاء میں اونچی قراءت کرنے پر اجماع نقل کیا ہے۔[5]

(١٧) بَابٌ: كَيْفَ حَوَّلَ النَّبِيُّ ﷺ ظَهْرَهُ إِلَى النَّاسِ

باب: 17- نبی ﷺ نے لوگوں کی طرف اپنی پشت کیسے پھیری؟

١٠٢٥ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ، عَنْ عَمِّهِ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَوْمَ خَرَجَ يَسْتَسْقِي قَالَ: فَحَوَّلَ إِلَى النَّاسِ ظَهْرَهُ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ يَدْعُو، ثُمَّ حَوَّلَ رِدَاءَهُ ثُمَّ صَلَّى لَنَا رَكْعَتَيْنِ جَهَرَ فِيهِمَا بِالْقِرَاءَةِ. [راجع: ١٠٠٥]

[1025] حضرت عباد بن تمیم ؒ کے چچا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: جس دن نبی ﷺ بارش کی دعا کے لیے باہر تشریف لے گئے تو میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے لوگوں کی طرف اپنی پیٹھ پھیری اور قبلے کی طرف منہ کر کے دعا کرنے لگے، پھر اپنی چادر کو پلٹا۔ اس کے بعد آپ نے ہمیں دو رکعت پڑھائیں جس میں باآواز بلند قراءت کی۔

[1] فتح الباري: 2/882. [2] السنن الكبرى للبيهقي: 3/348. [3] إرواء الغليل: 3/134. [4] تمام المنة، ص: 264. [5] فتح الباري: 2/603.

فوائد و مسائل: ① حدیث میں صرف پشت پھیرنے کا بیان ہے جبکہ عنوان کیفیت سے متعلق ہے، اس لیے علامہ زین بن منیر نے لفظ کیف کو استفہام پر محمول کیا ہے۔ حدیث میں تحویل کے متعلق وضاحت نہیں کہ دائیں جانب سے پھر کر قبلے کی طرف منہ کیا یا بائیں جانب سے مڑ کر، اس لیے استفہام کی ضرورت پڑی۔ اس کی وضاحت نہیں ہے، اس لیے امام کو ہر دو جانب سے پھرنے کا اختیار ہے لیکن خارجی قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے دائیں جانب سے مڑ کر قبلے کی طرف منہ کیا ہوگا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو اکثر معاملات میں دائیں جانب پسند ہوتی تھی۔ ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب رسول اللہ ﷺ وعظ و نصیحت سے فارغ ہو گئے اور دعا کا ارادہ کیا تو اس وقت اپنی پشت لوگوں کی طرف پھیر کر قبلے کی جانب منہ کیا۔[1]

(١٨) بَابُ صَلَاةِ الِاسْتِسْقَاءِ رَكْعَتَيْنِ

باب: 18- نماز استسقاء دو رکعت ہے

١٠٢٦ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ، عَنْ عَمِّهِ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اسْتَسْقَى فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَقَلَبَ رِدَاءَهُ. [راجع: ١٠٠٥]

[1026] حضرت عباد بن تمیم ؓ کے چچا ہی سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے دعائے استسقاء کے موقع پر دو رکعت نماز پڑھی اور اپنی چادر کو پلٹا۔

فائدہ: حضرت ابن عباس ؓ سے اس سلسلے میں کچھ تفصیل مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ بڑی تواضع کے ساتھ، سادہ لباس میں نہایت عجز و انکسار اور خشوع و خضوع کے ساتھ نماز کے لیے باہر تشریف لے گئے۔ عید کی نماز کی طرح دو رکعت پڑھائیں، تمہارے عام خطبے کی طرح خطبہ ارشاد نہیں فرمایا بلکہ آپ نے خطبے کی حالت میں دعا، تضرع اور اللہ کی عظمت و کبریائی بیان کی۔[2] دو رکعت سے زیادہ نماز پڑھنا ثابت نہیں۔ واللہ أعلم۔

(١٩) بَابُ الِاسْتِسْقَاءِ فِي الْمُصَلَّى

باب: 19- عیدگاہ میں بارش کی دعا کرنا

١٠٢٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، سَمِعَ عَبَّادَ بْنَ تَمِيمٍ عَنْ عَمِّهِ قَالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى الْمُصَلَّى يَسْتَسْقِي وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، وَقَلَبَ رِدَاءَهُ.

[1027] حضرت عباد بن تمیم ؓ اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ دعائے استسقاء کے لیے عیدگاہ تشریف لے گئے اور قبلہ رو ہو کر دو رکعت ادا کیں، پھر اپنی چادر کو پلٹا۔

قَالَ سُفْيَانُ: فَأَخْبَرَنِي الْمَسْعُودِيُّ عَنْ أَبِي بَكْرٍ قَالَ: جَعَلَ الْيَمِينَ عَلَى الشِّمَالِ. [راجع: ١٠٠٥]

راوی کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی چادر کے دائیں کنارے کو بائیں جانب کر لیا۔

---

[1] فتح الباري: 2/ 644. [2] جامع الترمذي، الجمعة، حديث: 558.

فوائد و مسائل: ① بارش کی نماز اور دعا میں اکثر لوگوں نے شمولیت کرنی ہوتی ہے، اس لیے کھلے میدان کا انتخاب کیا جائے۔ اگر عید گاہ یا مسجد میں اس کا اہتمام کرلیا جائے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ نیز اس حدیث میں چادر کو الٹ پلٹ کرنے کا طریقہ بھی ذکر ہوا ہے کہ اس کے دائیں کنارے کو بائیں کندھے پر اور بائیں کنارے کو دائیں کندھے پر کرلیا جائے، نیز ایک حدیث میں چادر کے اوپر والے حصے کو نیچے اور نیچے والے کو اوپر کرنے کا ذکر بھی ہے۔ واللّٰہ أعلم۔ ② اس سے پہلے بھی امام بخاری ؒ نے ایک عنوان بایں الفاظ قائم کیا تھا: "دعائے استسقاء کے لیے باہر جانا۔" اس میں عموم تھا۔ مذکورہ عنوان میں جہت خروج کی تعیین ہے۔

(٢٠) بَابُ اسْتِقْبَالِ الْقِبْلَةِ فِي الِاسْتِسْقَاءِ

باب: 20- بارش کی دعا کرتے وقت قبلہ رو ہونا

١٠٢٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ مُحَمَّدٍ أَنَّ عَبَّادَ بْنَ تَمِيمٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ زَيْدٍ الْأَنْصَارِيَّ أَخْبَرَهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ إِلَى الْمُصَلَّى يُصَلِّي، وَأَنَّهُ لَمَّا دَعَا أَوْ أَرَادَ أَنْ يَدْعُوَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَحَوَّلَ رِدَاءَهُ.

[1028] حضرت عبداللہ بن زید انصاری ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نماز استسقاء کے لیے عید گاہ تشریف لے گئے اور جب دعا کرنے لگے تو قبلے کی طرف منہ کرلیا اور اپنی چادر کو الٹ پلٹ کیا۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: عَبْدُ اللهِ بْنُ زَيْدٍ هَذَا مَازِنِيٌّ، وَالْأَوَّلُ كُوفِيٌّ وَهُوَ ابْنُ يَزِيدَ. [راجع: ١٠٠٥]

ابوعبداللہ (امام بخاری ؒ) فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن زید مازن قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں اور پہلے عبداللہ کوفے کے رہنے والے ہیں جو یزید کے بیٹے ہیں۔

فوائد و مسائل: ① امام جب نماز استسقاء کا اہتمام کرے گا تو دوران خطبہ میں تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوگا لیکن بارش کی دعا کرتے وقت قبلے کی طرف منہ کرنا ہوگا کیونکہ یہ افضل ہے، البتہ خطبۂ جمعہ کے دوران بارش کی دعا کرتے وقت قبلہ رو ہونا ضروری نہیں اور نہ چادر پلٹنے ہی کی ضرورت ہے۔ ② یہ حدیث حضرت عبداللہ بن زید ؓ سے مروی ہے۔ اس سے پہلے پاؤں پر کھڑے ہوکر دعا کرنے کے بیان میں جو حدیث ہے اسے بیان کرنے والے حضرت عبداللہ بن یزید ؓ ہیں۔ چونکہ باپ کے نام میں صرف "یا" کا فرق ہے بقیہ نام متحد ہے، اس لیے ممکن تھا کہ کوئی وہم کا شکار ہو جائے اور دونوں کو ایک خیال کرے، اس لیے امام بخاری ؒ نے تنبیہ فرما دی کہ مذکورہ حدیث کے راوی عبداللہ بن زید مازنی جبکہ پہلی حدیث کو بیان کرنے والے

1. فتح الباري: 654/2.

عبداللہ بن یزید کوفی ہیں۔ واللہ اعلم۔

(۲۱) بَابُ رَفْعِ النَّاسِ أَيْدِيَهُمْ مَعَ الْإِمَامِ فِي الْاِسْتِسْقَاءِ

باب: 21- دعائے استسقاء میں لوگ بھی امام کے ساتھ اپنے ہاتھ اٹھائیں

۱۰۲۹ - وَقَالَ أَيُّوبُ بْنُ سُلَيْمَانَ: حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ: أَتَى رَجُلٌ أَعْرَابِيٌّ مِنْ أَهْلِ الْبَدْوِ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! هَلَكَتِ الْمَاشِيَةُ، هَلَكَ الْعِيَالُ، هَلَكَ النَّاسُ. فَرَفَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَدَيْهِ يَدْعُو وَرَفَعَ النَّاسُ أَيْدِيَهُمْ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ يَدْعُونَ، قَالَ: فَمَا خَرَجْنَا مِنَ الْمَسْجِدِ حَتَّى مُطِرْنَا، فَمَا زِلْنَا نُمْطَرُ حَتَّى كَانَتِ الْجُمُعَةُ الْأُخْرَى، فَأَتَى الرَّجُلُ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! بَشِقَ الْمُسَافِرُ وَمُنِعَ الطَّرِيقُ.
[راجع: ۹۳۲]

[1029] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ایک دیہاتی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا: اللہ کے رسول! مویشی ہلاک، اہل و عیال تباہ ہو گئے اور لوگ مرنے لگے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا لیے۔ لوگ بھی آپ کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے لگے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ابھی ہم مسجد سے باہر نہیں نکلے تھے کہ بارش شروع ہو گئی۔ پھر یہ بارش دوسرے جمعہ تک جاری رہی۔ تب ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا: اللہ کے رسول! مسافر تنگ آگئے اور راستے بند ہو گئے ہیں۔

۱۰۳۰ - وَقَالَ الْأُوَيْسِيُّ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ وَشَرِيكٍ سَمِعَا أَنَسًا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى رَأَيْتُ بَيَاضَ إِبْطَيْهِ.

[1030] حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے دعا کے لیے دونوں ہاتھ اٹھائے حتی کہ میں نے آپ کی بغلوں کی سفیدی دیکھی۔

فائدہ: بعض اہل علم کا خیال ہے کہ بارش کی دعا کرتے وقت صرف امام کو ہاتھ اٹھانے چاہئیں، سامعین صرف آمین کہنے پر اکتفا کریں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ثابت کیا ہے کہ امام کے ساتھ سامعین بھی ہاتھ اٹھائیں اور دعا کریں، لیکن بارش کی دعا کرتے وقت ہاتھوں کی پشت کو آسمان کی طرف کیا جائے۔ یہ شدید قحط میں دعا کرنے کا طریقہ ہے، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بارش کے لیے دعا فرمائی تو اپنے دونوں ہاتھوں کی پشت سے آسمان کی طرف اشارہ فرمایا۔[2]

1. فتح الباری: 2/659. 2. صحیح مسلم، صلاة الاستسقاء، حدیث: 2076 (896)

(٢٢) بَابُ رَفْعِ الْإِمَامِ يَدَهُ فِي الْاِسْتِسْقَاءِ

باب: 22- بارش کی دعا کرتے وقت امام کا اپنے ہاتھ اٹھانا

١٠٣١ - أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى وَابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي شَيْءٍ مِنْ دُعَائِهِ إِلَّا فِي الْاِسْتِسْقَاءِ وَإِنَّهُ يَرْفَعُ حَتَّى يُرَى بَيَاضُ إِبْطَيْهِ.

[انظر: ٣٥٦٥، ٦٣٤١]

[1031] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ بارش کی دعا کے علاوہ اور کسی موقع پر دعا کرتے وقت (زیادہ) ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ اور بارش کی دعا میں اس قدر ہاتھ بلند کرتے کہ بغلوں کی سفیدی نظر آجاتی۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بارش کی دعا کرتے وقت امام کو مبالغے کی حد تک ہاتھ اونچے اٹھانے چاہئیں۔ نیز صحیح مسلم کی حدیث کے مطابق بارش کی دعا کرتے وقت ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف کرنی چاہیے، چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ کسی مصیبت، وبا اور قحط وغیرہ کو رفع کرنے کے لیے دعا کریں تو ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف رکھیں اور اگر کسی چیز کے سوال اور اس کے حصول کی دعا کرنی ہو تو ہاتھوں کی ہتھیلیاں آسمان کی طرف کریں۔ یاد رہے کہ اس حدیث سے دیگر مقامات میں ہاتھ اٹھانے کی نفی ثابت نہیں ہوتی، خود امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الدعوات میں دعا کے وقت ہاتھ اٹھانے کا ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے اور بیان کیا ہے کہ حدیث انس میں ہاتھ نہ اٹھانے سے مبالغہ مقصود ہے مطلق طور پر نفی مراد نہیں۔[1] ② اس طرح دعا کرنے سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ موجودہ حالات کو بدل دے اور بدحالی کی جگہ خوشحالی لے آئے جیسا کہ چادر پلٹنے میں ہوتا ہے۔[2]

(٢٣) بَابُ مَا يُقَالُ إِذَا مَطَرَتْ

باب: 23- بارش کے وقت کیا پڑھنا چاہیے؟

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ ﴿كَصَيِّبٍ﴾ [البقرة: ١٩]: الْمَطَرُ، وَقَالَ غَيْرُهُ: صَابَ وَأَصَابَ يَصُوبُ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ﴿كَصَيِّبٍ﴾ سے مراد بارش ہے۔ اور دیگر نے کہا ہے: یہ لفظ صَابَ يَصُوبُ اور أَصَابَ سے مشتق ہے۔

وضاحت: قرآن کریم میں منافقین کے اوصاف رذیلہ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ﴾ "جیسے آسمان سے زوردار بارش ہو۔" امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کی تفسیر کر دی ہے کہ آیت میں صیب سے مراد بارش ہے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے۔ اور دوسروں کے اقوال سے اس کا اشتقاق بیان کیا کہ یہ کلمہ اجوف واوی ہے۔ اس کا مجرد

1 صحيح البخاري، الدعوات، باب رفع الأيدي في الدعاء، قبل حديث: 6341. 2 فتح الباري: 2/687.

ضاب يضوب اور صَاب يصوب دونوں طرح آتا ہے۔ چونکہ یہ لفظ آئندہ حدیث میں آرہا ہے، اس لیے امام صاحب رحمہ اللہ نے تفسیری اور لغوی معنی بتا دیے ہیں۔

١٠٣٢ - حَدَّثَنَا الْمَرْوَزِيُّ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ الْقَاسِمِ ابْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ إِذَا رَأَى الْمَطَرَ قَالَ «اَللّٰهُمَّ صَيِّبًا نَافِعًا».

[1032] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بارش ہوتی دیکھتے تو دعا کرتے: ''اے اللہ! نفع آور بارش برسا۔''

تَابَعَهُ الْقَاسِمُ بْنُ يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، وَرَوَاهُ الْأَوْزَاعِيُّ وَعُقَيْلٌ عَنْ نَافِعٍ.

اس حدیث کی متابعت قاسم بن یحییٰ نے عبیداللہ عمری سے کی ہے، نیز اسے امام اوزاعی اور عقیل نے حضرت نافع سے بیان کیا ہے۔

فوائد و مسائل: ① حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مذکورہ روایت وضاحت کے ساتھ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب آسمان کے افق پر کوئی بادل وغیرہ دیکھتے تو کام کاج ترک کر دیتے، اگر بادل چھٹ جاتے تو اللہ کی حمد کرتے اور اگر بارش برستی تو فرماتے: ''اے اللہ! اسے ہمارے لیے نفع آور بنا دے۔''[1] ایک روایت میں ہے کہ ایسے حالات میں رسول اللہ ﷺ گھبرا جاتے، کبھی اندر جاتے اور کبھی باہر، گھبراہٹ آپ کے چہرے سے نمایاں ہوتی۔[2] ② امام اوزاعی کی روایت کو عمل الیوم واللیلۃ میں متصل سند سے بیان کیا گیا ہے۔ اس میں نافعا کے بجائے هنيئا کے الفاظ ہیں جس کے معنی خوشگوار ہیں اور عقیل کی روایت کو امام دارقطنی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔[3]

(٢٤) بَابُ مَنْ تَمَطَّرَ فِي الْمَطَرِ حَتَّى يَتَحَادَرَ عَلَى لِحْيَتِهِ

باب: 24- جو شخص بارش میں نہائے تا آنکہ اس کی داڑھی سے پانی ٹپکنے لگے

١٠٣٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا الْأَوْزَاعِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ الْأَنْصَارِيُّ قَالَ: حَدَّثَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ: أَصَابَتِ النَّاسَ سَنَةٌ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَبَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ عَلَى الْمِنْبَرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَامَ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ هَلَكَ الْمَالُ،

[1033] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ایک دفعہ قحط پڑا، چنانچہ آپ جمعے کے دن خطبہ دے رہے تھے کہ اس دوران میں ایک دیہاتی کھڑا ہو کر عرض کرنے لگا: اللہ کے رسول! مال مویشی تباہ ہو گئے اور بچے بھوک سے مرنے لگے، آپ اللہ سے دعا فرمائیں کہ وہ ہم پر بارش برسائے۔ رسول اللہ ﷺ نے (یہ سن کر) دونوں ہاتھ اٹھا

[1] سنن أبي داود، الأدب، حديث: 5099. [2] صحيح مسلم، صلاة الاستسقاء، حديث: 2085 (899). [3] فتح الباري: 668/2.

وَجَاعَ الْعِيَالُ، فَادْعُ اللهَ لَنَا أَنْ يَسْقِيَنَا، فَقَالَ: فَرَفَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَدَيْهِ وَمَا فِي السَّمَاءِ قَزَعَةٌ، قَالَ: فَثَارَ السَّحَابُ أَمْثَالَ الْجِبَالِ، ثُمَّ لَمْ يَنْزِلْ عَنْ مِنْبَرِهِ حَتَّى رَأَيْتُ الْمَطَرَ يَتَحَادَرُ عَلَى لِحْيَتِهِ، قَالَ: فَمُطِرْنَا يَوْمَنَا ذٰلِكَ وَمِنَ الْغَدِ، وَمِنْ بَعْدِ الْغَدِ، وَالَّذِي يَلِيهِ إِلَى الْجُمُعَةِ الْأُخْرَى. فَقَامَ ذٰلِكَ الْأَعْرَابِيُّ أَوْ رَجُلٌ غَيْرُهُ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! تَهَدَّمَ الْبِنَاءُ، وَغَرِقَ الْمَالُ فَادْعُ اللهَ لَنَا، فَرَفَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَدَيْهِ فَقَالَ: «اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا» قَالَ: فَمَا جَعَلَ يُشِيرُ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِيَدِهِ إِلَى نَاحِيَةٍ مِنَ السَّمَاءِ إِلَّا تَفَرَّجَتْ حَتّٰى صَارَتِ الْمَدِينَةُ فِي مِثْلِ الْجَوْبَةِ حَتّٰى سَالَ الْوَادِي - وَادِي قَنَاةَ - شَهْرًا. قَالَ: فَلَمْ يَجِئْ أَحَدٌ مِنْ نَاحِيَةٍ إِلَّا حَدَّثَ بِالْجَوْدِ. [راجع: ٩٣٢]

لیے جبکہ اس وقت آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا بھی نہیں تھا۔ حضرت انس ؓ نے کہا کہ بادل ایسے اٹھا جیسے پہاڑ ہوتے ہیں۔ ابھی رسول اللہ ﷺ منبر سے اترے نہیں تھے کہ میں نے دیکھا بارش آپ کی ڈاڑھی مبارک سے ٹپک رہی تھی۔ تمام دن بارش ہوتی رہی، کل، پرسوں اور ترسوں، بعدازاں دوسرے جمعے تک بارش ہوتی رہی۔ پھر وہی دیہاتی یا کوئی اور شخص کھڑا ہوا اور عرض کرنے لگا: اللہ کے رسول! مکانات گرنے لگے اور مویشی ڈوبنے لگے، اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے دعا فرمائیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا کی: ”اے اللہ! ہمارے اردگرد بارش برسا، ہم پر نہ برسا۔“ حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ آسمان کی جس طرف اشارہ فرماتے ادھر سے بادل پھٹ جاتا حتی کہ مدینہ منورہ ڈھال کی طرح ہوگیا اور وادی قنات مہینہ بھر بہتی رہی۔ حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ مدینے کے اطراف سے جو شخص بھی آتا وہ کثرت بارش کی خبر دیتا تھا۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ نے مذکورہ عنوان اور پیش کردہ حدیث سے ایک روایت کی طرف اشارہ کر کے اس کی تائید فرمائی ہے جسے حضرت انس ؓ نے بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں: ہم ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ بارش کی لپیٹ میں آگئے۔ آپ نے اپنے بدن سے کپڑا ہٹا لیا حتی کہ آپ کے بدن پر بارش گرنے لگی۔ آپ نے فرمایا: ”یہ بارش اپنے رب کے حکم سے ابھی ابھی عالم قدس سے نازل شدہ ہے۔“[1] ② روایت میں آپ کی ڈاڑھی مبارک پر بارش کا برسنا اتفاقی طور پر نہیں تھا بلکہ آپ نے قصداً ایسا کیا، ورنہ جب مسجد کی چھت ٹپکی تھی تو آپ اسی وقت منبر سے اتر کر ایک طرف ہو سکتے تھے لیکن آپ نے خطبہ جاری رکھا حتی کہ آپ کی ڈاڑھی سے پانی ٹپکنے لگا۔[2] ③ واضح رہے کہ قحط میں مبتلا ہونے اور بارش کی دعا کرنے کے متعلق چار واقعات ہیں جو مختلف ادوار میں پیش آئے ہیں: ٭ ہجرت سے پہلے جب مشرکین مکہ نے رسول اللہ ﷺ کی پشت پر کسی مردار کی اوجھڑی رکھ دی تھی تو آپ نے قحط سالی کی بددعا کی، پھر ابوسفیان کی درخواست پر بارش کی دعا فرمائی۔ ٭ ایک واقعہ 4 ہجری میں پیش آیا جب آپ نے قبیلۂ مضر کے متعلق قحط سالی میں مبتلا ہونے کی بددعا کی تھی۔ یہ وہی قبیلہ ہے جو وفد عبدالقیس سے چھیڑ چھاڑ کرتا تھا۔ ٭ 6 ہجری میں آپ نے باہر جا کر باقاعدہ نماز اور دعا کا اہتمام فرمایا، اس میں چادر بھی پلٹی اور آسمان کی طرف

[1] صحیح مسلم، صلاة الاستسقاء، حدیث: 2083 (898). [2] فتح الباري: 670/2.

لیے ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔ ⑤ غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد 9 ہجری میں خارجہ بن حصن کی درخواست پر جمعہ کے دن دوران خطبہ بارش کی دعا فرمائی جس کے نتیجے میں پورا ہفتہ بارش برستی رہی۔ مذکورہ حدیث میں یہی واقعہ بیان ہوا ہے۔ بہر حال یہ چار واقعات ہیں جنھیں راویان حدیث نے باہم خلط ملط کر دیا ہے۔ واللہ اعلم۔

(٢٥) بَابٌ: إِذَا هَبَّتِ الرِّيحُ

باب: 25- جب آندھی چلے (تو کیا کرنا چاہیے؟)

١٠٣٤ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ. أَخْبَرَنِي حُمَيْدٌ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ: كَانَتِ الرِّيحُ الشَّدِيدَةُ إِذَا هَبَّتْ عُرِفَ ذٰلِكَ فِي وَجْهِ النَّبِيِّ ﷺ.

[1034] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: جب تیز آندھی چلتی تو نبی ﷺ کے چہرۂ انور پر خوف کے آثار نمایاں ہوتے۔

فوائد و مسائل: ① آندھی کے بعد اکثر بارش ہوتی ہے، اس مناسبت سے امام بخاری ؒ نے اس حدیث کو یہاں بیان فرمایا ہے۔ قوم عاد پر آندھی کی شکل میں عذاب آیا تھا، اس لیے آندھی کے وقت عذاب الٰہی کا تصور فرما کر آپ گھبرا جاتے اور گھٹنوں کے بل گر جاتے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جب تیز آندھی چلتی تو آپ یوں دعا کرتے: ''یا اللہ! میں اس آندھی میں تجھ سے خیر کا سوال کرتا ہوں اور اس کے نتیجے میں بھی خیر ہی چاہتا ہوں۔ یا اللہ! میں اس کی برائی سے پناہ چاہتا ہوں اور اس کے نتیجے میں جو برائی پوشیدہ ہے اس سے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں۔''[1] ② قرآن مجید میں لفظ ریاح رحمت کی ہوا اور لفظ ریح عذاب کی ہوا پر بولا گیا ہے۔

(٢٦) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «نُصِرْتُ بِالصَّبَا»

باب: 26- فرمان نبوی کہ باد صبا سے میری مدد کی جاتی ہے

١٠٣٥ - حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «نُصِرْتُ بِالصَّبَا، وَأُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُورِ». [انظر: ٣٢٠٥، ٣٣٤٣، ٤١٠٥]

[1035] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''باد صبا سے میری مدد کی گئی اور قوم عاد کو مغربی ہوا سے ہلاک کیا گیا۔''

فوائد و مسائل: ① مشرق جانب سے چلنے والی ہوا کو باد صبا کہتے ہیں۔ اسے قبول بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ حق قبول کرنے والوں کے لیے نصرت و تائید کا باعث ہوتی ہے۔ غزوۂ خندق کے موقع پر اس کا عملی مظاہرہ ہوا جب بارہ ہزار (12000) کا فوجی

1 صحیح مسلم، الصلاۃ، حدیث: 2084 (899).

نے مدینہ منورہ کا محاصرہ کر لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے پادصبا چلا دی جس سے کافر پریشان ہو کر بھاگ نکلے۔② امام بخاری ؒ کا مذکورہ عنوان اور پیش کردہ حدیث سے یہ مقصد ہے کہ ہر قسم کی ہوا رسول اللہ ﷺ کی پریشانی کا باعث نہیں تھی بلکہ اس قسم کی ہوا چلنے سے آپ خوش ہوتے تھے۔ خوف اس وقت طاری ہوتا تھا جب مغربی ہوا چلتی کیونکہ یہ ہوا عام طور پر عذاب الٰہی کا پیش خیمہ ہوتی تھی۔[1]

(٢٧) بَابُ مَا قِيلَ فِي الزَّلَازِلِ وَالْآيَاتِ

باب: 27- زلزلوں اور علامات قیامت کے متعلق کیا روایات ہیں؟

١٠٣٦ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى يُقْبَضَ الْعِلْمُ، وَتَكْثُرَ الزَّلَازِلُ، وَيَتَقَارَبَ الزَّمَانُ، وَتَظْهَرَ الْفِتَنُ، وَيَكْثُرَ الْهَرْجُ - وَهُوَ الْقَتْلُ - الْقَتْلُ - حَتّٰى يَكْثُرَ فِيكُمُ الْمَالُ فَيَفِيضَ». [راجع: ٨٥]

[1036] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ”قیامت قائم نہ ہوگی حتی کہ علم اٹھا لیا جائے گا، زلزلے بکثرت آئیں گے، وقت کم ہو جائے گا، فتنوں کا ظہور ہوگا اور قتل و غارت عام ہوگی، یہاں تک کہ تمھارے پاس مال و دولت کی بہتات ہوگی، یعنی وہ عام ہو جائے گا۔“

فوائد و مسائل: ① زلازل کا وقوع بھی شدت ہوا اور کثرت بارش کے موقع پر ہوتا ہے، اس لیے امام بخاری ؒ نے استسقاء کے عنوان کے تحت انھیں بیان کیا ہے۔ زلزلوں کا کثرت سے آنا قیامت کی نشانیوں میں سے ہے، اس لیے تضرع اور انکسار کے ساتھ اللہ کا ذکر کرنا چاہیے۔ زلزلے کے وقت کوئی خاص دعا یا طریقۂ نماز احادیث میں نہیں ہے۔ ② اس حدیث میں ہے کہ ”وقت کم ہو جائے گا۔“ اس کے متعلق شارحین نے مختلف تشریحات بیان کی ہیں: ٭ اسے حقیقت پر محمول کیا جائے کہ حقیقت کے اعتبار سے دن رات چھوٹے ہو جائیں گے۔ ٭ ان کی برکت ختم ہو جائے گی۔ دن رات ایسے گزریں گے کہ کوئی پتہ نہیں چلے گا۔ ٭ لذات و خواہشات کا اس قدر غلبہ ہوگا کہ رات دن کا احساس ختم ہو جائے گا۔ ٭ کثرت مصائب کی وجہ سے حواس معطل ہو جائیں گے، پھر پتہ نہیں چلے گا کہ رات کب آئی اور دن کب ختم ہوا۔ ٭ دور حاضر میں اس تقارب کی صورت یہ ہے کہ شہروں اور ملکوں کی مسافت تیز رفتار گاڑیوں اور ہوائی جہازوں کی وجہ سے بہت قریب ہو چکی ہے، پھر الیکٹرانک میڈیا، یعنی انٹرنیٹ وغیرہ کے ذریعے سے تمام روئے زمین کے لوگ گویا ایک مکان میں جمع ہیں جس سے جب چاہیں رابطہ کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آئندہ ایسی چیزیں پیدا کرے گا جس کا آج ہمیں شعور نہیں ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ ”اور

1 فتح الباري: 671/2.

وہ کل ایسی چیز یں پیدا کرے گا جنھیں (آج) تم نہیں جانتے۔"[1]

١٠٣٧ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ: حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ الْحَسَنِ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ: «اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي شَامِنَا وَفِي يَمَنِنَا». قَالَ: قَالُوا: وَفِي نَجْدِنَا، فَقَالَ: قَالَ: «اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي شَامِنَا وَفِي يَمَنِنَا». قَالَ: قَالُوا: وَفِي نَجْدِنَا. قَالَ: قَالَ: «هُنَالِكَ الزَّلَازِلُ وَالْفِتَنُ، وَبِهَا يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ». [انظر: ٧٠٩٤]

[1037] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے اللہ! ہمارے شام اور یمن میں برکت عطا فرما۔" لوگوں نے عرض کیا: ہمارے نجد کے لیے بھی برکت کی دعا کریں۔ تو آپ نے دوبارہ فرمایا: "اے اللہ! ہمارے شام اور یمن کو بابرکت فرما۔" لوگوں نے پھر عرض کیا اور ہمارے نجد میں بھی۔ تو آپ نے فرمایا: "وہاں زلزلے اور فتنے برپا ہوں گے، نیز شیطان کا گروہ بھی وہیں ہوگا۔"

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں زلزلوں کا ذکر ہے اور اس قسم کی نشانیاں لوگوں کو ڈرانے اور خبردار کرنے کے لیے ہوتی ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا نُرْسِلُ بِالْآيَاتِ إِلَّا تَخْوِيفًا﴾ "ہم اس قسم کی نشانیوں کو صرف ڈرانے کے لیے بھیجتے ہیں۔"[2] رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "جب تم اللہ کی نشانیاں دیکھو تو فوراً اللہ کا ذکر کرو، اس سے دعا اور استغفار میں مصروف ہو جاؤ۔"[3] اس لیے جب بھی زلزلہ یا کوئی اور آفت آئے تو نماز پڑھنا اور ذکر کرنا مشروع ہے لیکن اس کے لیے کوئی خاص شکل و صورت حدیث میں نہیں آئی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان احادیث کو صرف اس لیے بیان کیا ہے کہ زلزلے وغیرہ کے وقت اللہ کے ذکر اور دعا و استغفار میں مصروف ہونا چاہیے۔ ② اس حدیث کی مکمل تشریح کتاب الفتن میں آئے گی۔ اس مقام پر ہم صرف اس حقیقت کو بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارض فتن کی نشاندہی کرتے وقت مشرق کی طرف اشارہ فرمایا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد نجد عراق ہے جو شروع ہی سے فتنوں کی آماجگاہ ہے۔ اسی علاقے سے مسلمانوں کے افتراق اور انتشار کا آغاز ہوا جو آج تک جاری و ساری ہے۔ اس سے مراد نجد حجاز نہیں جیسا کہ بدعتی حضرات کی طرف سے تاثر دیا جاتا ہے کیونکہ اس علاقے سے تو ایسی تحریک نے جنم لیا جس نے خلفائے راشدین کی یاد تازہ کر دی۔ وہاں سے شیخ محمد بن عبدالوہاب نے خالص اسلام کی دعوت کو شروع کیا جس کے نتیجے میں وہاں نجدی حکومت قائم ہوئی جو سعودی حکومت کے نام سے مشہور ہے۔ اس حکومت نے اسلام کی سربلندی اور حرمین شریفین کے تحفظ کے لیے ایسے کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں جو عالم اسلام میں ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس حکومت کو تادم زیست قائم رکھے۔ آمین

(٢٨) بَابُ: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى: ﴿وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ﴾ [الواقعة: ٨٢]

باب: 28- ارشاد باری تعالیٰ: "تم نے (دین اسلام کی) تکذیب کو ذریعہ معاش بنا لیا ہے" (کی وضاحت)

1 النحل 8:16۔ 2 بنی إسرائیل 59:17۔ 3 صحیح البخاري، الکسوف، حدیث: 1059۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: شُكْرَكُمْ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رزق سے مراد شکر ہے۔

وضاحت: تم نے رزق کا شکریہ یوں ادا کیا کہ تم قرآن کی تکذیب کرتے رہو۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں بارش ہوئی تو لوگوں نے اس کے متعلق تعدد قسم کے عقائد کا اظہار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے تنبیہ کے طور پر سورۂ واقعہ کی یہ آیات نازل فرمائیں۔ اس سے اس آیت کی مناسبت بھی کتاب الاستسقاء سے ظاہر ہو جاتی ہے۔

١٠٣٨ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ أَنَّهُ قَالَ: صَلَّى لَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ صَلَاةَ الصُّبْحِ بِالْحُدَيْبِيَةِ عَلَى إِثْرِ سَمَاءٍ كَانَتْ مِنَ اللَّيْلِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ النَّبِيُّ ﷺ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ: «هَلْ تَدْرُونَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ؟» قَالُوا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ: «أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِي مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ، فَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللهِ وَرَحْمَتِهِ، فَذَلِكَ مُؤْمِنٌ بِي كَافِرٌ بِالْكَوْكَبِ، وَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا، فَذَلِكَ كَافِرٌ بِي مُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ».

[راجع: ٨٤٦]

[1038] حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا: حدیبیہ کے مقام پر ہمیں رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھائی جبکہ رات کو بارش ہو چکی تھی۔ نبی ﷺ نماز سے فراغت کے بعد لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور دریافت کیا: "تم جانتے ہو تمھارے رب نے اس وقت کیا فرمایا ہے؟" لوگوں نے جواب دیا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: "(رب تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ) کچھ میرے بندے مجھ پر ایمان لانے والے بنے اور کچھ نے میرے ساتھ کفر کیا۔ جنھوں نے کہا کہ ہم پر صرف اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے مینہ برسا ہے تو وہ مجھ پر ایمان لانے والے اور ستاروں سے کفر کرنے والے ہیں اور جنھوں نے کہا کہ فلاں ستارے کے باعث بارش ہوئی ہے تو وہ میرے ساتھ کفر کرنے والے اور ستاروں پر ایمان لانے والے ٹھہرے۔"

فوائد و مسائل: ① دور جاہلیت میں لوگ غیر اللہ کی طرف قدرتی کاموں کی نسبت کرتے تھے، بالخصوص بارش کے متعلق ان کا یہ عقیدہ تھا کہ کچھ مخصوص ستاروں کی وجہ سے بارش برستی ہے اور یہی ستارے ان کے رزق کا باعث ہیں۔ اس عقیدے میں صراحت کے ساتھ الوہیت باری تعالیٰ کی تکذیب ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں کی طرف اس بارش کی نسبت سے منع کر دیا اور اسے اللہ کی طرف منسوب کرنے کا حکم دیا۔ اس بنا پر ستاروں کو بارش میں مؤثر حقیقی ماننا کفر ہے۔ اگر انھیں محض علامات ٹھہرایا جائے جیسا کہ ٹھنڈی ہوا یا بادلوں کو علامت قرار دیا جاتا ہے تو اسے کفر سے تعبیر کرنا صحیح نہیں۔[1] حدیث میں اس کی مزید وضاحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے متعلقہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: "تم اپنے رزق کا شکر یوں ادا کرتے ہو کہ اللہ کو جھٹلاتے ہو اور کہتے ہو کہ فلاں پچھتر (چاند کی منزل) اور فلاں ستارے کی وجہ سے ہم پر بارش ہوئی ہے۔"[2] ② واضح رہے کہ اس موقع پر ہمیں

---

1 فتح الباري: 674/2. 2 جامع الترمذي، تفسير القرآن، حديث: 3296.

المنافقین عبداللہ بن ابی ملعون نے کہا تھا کہ شعری ستارے کی وجہ سے بارش ہوتی ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس وقت اس کی تردید کو مناسب خیال کیا۔[1]

(۲۹) بَابٌ: لَا يَدْرِي مَتَى يَجِيءُ الْمَطَرُ إِلَّا اللهُ تَعَالَى

باب: 29- اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب ہوگی

وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «خَمْسٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللهُ».

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''پانچ چیزوں کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔''

وضاحت: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ معلق روایت کو امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الایمان میں موصولاً بیان کیا ہے۔ یہ حدیث، حدیث جبرائیل کے نام سے مشہور ہے۔

١٠٣٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مِفْتَاحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا اللهُ: لَا يَعْلَمُ أَحَدٌ مَا يَكُونُ فِي غَدٍ، وَلَا يَعْلَمُ أَحَدٌ مَا يَكُونُ فِي الْأَرْحَامِ، وَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا، وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ، وَمَا يَدْرِي أَحَدٌ مَتَى يَجِيءُ الْمَطَرُ». [انظر: ٤٦٢٧، ٤٦٩٧، ٤٧٧٨، ٧٣٧٩]

[1039] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ''غیب کی چابیاں پانچ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا: کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا ہوگا؟ کوئی نہیں جانتا کہ شکم مادر میں کیا ہے؟ کسی کو پتہ نہیں کہ وہ کل کیا کرے گا؟ کسی کو علم نہیں کہ وہ کہاں مرے گا؟ کسی کو خبر نہیں کہ بارش کب برسے گی؟''

فوائد و مسائل: ⓵ اس مرکزی عنوان کے اختتام پر امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں ایک نظریاتی اصلاح کو ضروری خیال کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ بارش ہونے کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اس کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ فلاں دن یا فلاں وقت یقینی طور پر بارش ہو جانے کی، محکمہ موسمیات بھی اپنے ظن و تخمین سے پیش گوئی کرتا ہے جو غلط بھی ہو جاتی ہے۔ مندرجہ ذیل آیت کریمہ میں بھی اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے: ﴿إِنَّ اللهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ ''بے شک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے۔ وہی بارش برساتا ہے۔ وہی جانتا ہے کہ شکم مادر میں کیا ہے۔ نہ ہی کوئی یہ جانتا ہے کہ کل کیا کام کرے گا اور نہ یہ جانتا ہے کہ کس سرزمین میں مرے گا۔ یقیناً اللہ یہ سب کچھ خوب جاننے والا اور باخبر ہے۔''[2] ⓶ آج کل رحم مادر کے متعلق بہت بلند

1 فتح الباري: 678/2. 2 لقمٰن 34:31

باتیں دعوے کیے جاتے ہیں کہ جدید آلات کے ذریعے سے بچے کے نر اور مادہ ہونے کا پتہ لگا لیا جاتا ہے، حالانکہ ماں کے پیٹ میں صرف نر مادہ ہی نہیں بلکہ اس میں یہ بھی شامل ہے کہ جب فرشتہ جنین میں روح ڈالتا ہے تو اس کی عمر، اس کی روزی، وہ نیک بخت ہوگا یا بدبخت، الغرض یہ تمام باتیں بھی رحم مادر کے مراحل میں شامل ہیں، نیز جدید آلات سے جو کچھ پتہ لگایا جاتا ہے وہ بھی یقینی اور حتمی نہیں ہوتا۔ روزمرہ کے سیکڑوں واقعات و مشاہدات اس کی تائید کرتے ہیں۔ ویسے بھی اس طرح کی معلومات کے متعلق دلچسپی رکھنا بے سود ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ڈاکٹر حضرات کی پیش گوئی کی بنا پر گھر میں تقریبات کی تیاریاں عروج پر ہوتی ہیں کہ اچانک لڑکے کے بجائے لڑکی کی پیدائش ان کے لیے سوہان روح بن جاتی ہے، اس لیے الٹرا ساؤنڈ کے ذریعے سے معلومات لینا فضول شوق کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں۔ واللہ أعلم

گرہن کی حقیقت وکیفیت

لفظ کسوف یا انکساف کے لغوی معنی آفتاب یا ماہتاب کا گہن زدہ ہونا ہیں اور خسوف یا انخساف بھی اسی معنی میں مستعمل ہے۔ بعض اہل لغت کے نزدیک سورج گہن کے لیے کسوف اور چاند گہن کے لیے لفظ خسوف استعمال کرنا زیادہ بہتر ہے۔ فقہاء کے نزدیک سورج اور چاند کی روشنی بالکل ختم ہو جانے یا روشنی کا کچھ حصہ چلے جانے پر کسوف اور خسوف کا اطلاق ہوتا ہے لیکن کچھ حضرات فرق کرتے ہیں کہ خسوف اس وقت بولتے ہیں جب چاند اور سورج کی روشنی ختم ہو جائے اگر صرف رنگ تبدیل ہو تو اسے کسوف کہتے ہیں۔ سورج یا چاند گہن کے وقت مخصوص طریقے سے جو نماز ادا کی جاتی ہے اسے نماز کسوف کہا جاتا ہے۔ ماہرین فلکیات کے نزدیک کسوف شمس کی کوئی حقیقت نہیں۔ ان کے نزدیک سورج میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں آتی، البتہ کبھی کبھی زمین اور سورج کے درمیان چاند حائل ہو جاتا ہے تو اس کی روشنی بالکل ختم یا کم ہو جاتی ہے لیکن جب سورج اور چاند کے درمیان زمین حائل ہو جاتی ہے تو چاند کی روشنی بالکل باقی نہیں رہتی۔ ہمارے نزدیک سائنسی توجیہات سے قطع نظر اس کا مقصد تخویف، یعنی لوگوں کو ڈرانا ہے۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ کبھی کبھی اپنی قدرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے انھیں بے نور کر دیتا ہے۔

سائنس دانوں کی بات صحیح بھی ہو تو تخویف کے منافی نہیں جیسا کہ زلزلہ زمین کے نیچے کسی کیمیائی تبدیلی کی وجہ سے ہوتا ہے لیکن تمام لوگ اس سے ڈرتے ہیں۔ جب آیات الٰہیہ میں تبدیلی آتی ہے تو نفوس انسانیہ پر اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ لوگ دنیا سے کٹ کر ذکر الٰہی میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ یہ حالت مومن کے لیے بڑی باعث غنیمت ہے کہ وہ نماز اور دعا میں مصروف رہے۔ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ٹھیک اس دن سورج گہن ہوا جب آپ کے لخت جگر حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ دنیا سے رخصت ہوئے۔ جمہور اہل سیر کا قول ہے کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال 10 ہجری میں ہوا جبکہ آپ غزوۂ تبوک سے واپس آئے تھے۔ گزشتہ صدی کے ماہر فلکیات محمود پاشا نے اپنی فنی تحقیق سے اس کسوف کی تاریخ 29 شوال 10 ہجری بروز سوموار بوقت ساڑھے آٹھ بجے لکھی ہے۔ یہ گہن کئی گھنٹے جاری رہا۔ رسول اللہ ﷺ نے سب نمازوں سے زیادہ طویل نماز پڑھائی۔ سورج کے گہن سے نکلنے تک نماز پڑھاتے رہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے طویل قیام اور بہت لمبے رکوع و سجود کی کیفیت بھی بیان کی ہے۔ اتنا طویل قیام تھا کہ بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اس میں بے ہوش

ہوکر گرنا اور انھیں ہوش میں لانے کے لیے سر پر پانی ڈالنا بھی روایات سے ثابت ہے۔ اس نماز میں متعدد رکوع کرنے ثابت ہیں لیکن سب سے زیادہ قوی اور صحیح روایت ایک رکعت دو رکوع اور دو سجدوں والی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے صرف اسی روایت کو بیان کیا ہے۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں صرف ایک مرتبہ نماز کسوف ادا کی گئی، اس لیے اسے متعدد واقعات پر بھی محمول نہیں کیا جا سکتا۔ حفاظ محدثین نے اسی بات کو ترجیح دی ہے کہ اس نماز کی دو رکعت ہیں اور ہر ایک رکعت میں دو دو رکوع ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں امت کی رہنمائی کرنے کے لیے اپنی صحیح میں کتاب الکسوف کا عنوان قائم کیا ہے جس میں تقریباً نو (9) صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ستائیس (27) احادیث بیان کی ہیں۔ ان صحابۂ کرام نے اپنے اپنے مشاہدات بیان کیے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان احادیث پر انیس (19) چھوٹے چھوٹے عنوان قائم کیے ہیں جن میں گہن سے متعلقہ احکام و مسائل کا بیان ہے، مثلاً: اس وقت طویل نماز کا اہتمام، اس کے لیے عام اعلان، خصوصی ہدایات پر مشتمل خطبہ، صدقہ و خیرات کی تلقین، عذاب قبر سے پناہ، باجماعت نماز کا بندوبست، اس میں عورتوں کی شمولیت، غلط عقائد کا ابطال، انتہائی عجز و انکسار اور الحاح و زاری پر مبنی دعائیں وغیرہ۔

عربوں میں زمانۂ جاہلیت کے توہمات میں سے ایک یہ خیال بھی تھا کہ کسی بڑے آدمی کی موت پر سورج گہن ہوتا ہے، گویا وہ اس کے ماتم میں سیاہ چادر اوڑھ لیتا ہے۔ نبی ﷺ کے لخت جگر کی وفات کے موقع پر کچھ لوگوں کی زبان سے اس قسم کے عقیدے کا اظہار ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبے میں خاص طور پر اس عقیدے کی تردید فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ محض جاہلانہ توہم پرستی ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں۔ یہ تو اللہ کی قدرت اور اس کے جلال و جبروت کی نشانی ہے۔ جب کبھی اس کا ظہور ہو تو ہمیں چاہیے کہ انتہائی عجز و انکسار کے ساتھ اس قادر و قہار کی عظمت و جلال کے سامنے جھک جائیں اور اس سے رحم و کرم کی بھیک مانگیں۔ رسول اللہ ﷺ کے سامنے دوران نماز میں عالم غیب کے بہت سے حقائق ظاہر کیے گئے: آپ نے جنت اور دوزخ کو اپنے سامنے دیکھا اور جہنم میں عذاب کے نہایت ہیبت ناک اور لرزہ خیز مناظر بھی دیکھے۔ آپ نے اپنے خطبے میں ان تمام غیبی مشاہدات کو بیان فرمایا۔

چاند گرہن کے وقت بھی غیر معمولی کیفیت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم ہے لیکن کسی صحیح حدیث سے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر نماز کا اہتمام کیا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس نماز کا حکم اسی گہن کے وقت ملا اور اس کے بعد آپ چند مہینے اس دنیا میں رونق افروز رہے، ان ایام معدودات میں چاند گرہن کی نوبت ہی نہیں آئی۔ الغرض امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے تحت چالیس (40) مرفوع احادیث بیان کی ہیں جن

میں بیس (20) موصول اور بیس (20) معلق ہیں، نیز بتیس مکرر اور آٹھ (8) خالص ہیں۔ تین (3) کے سوا دیگر احادیث امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی بیان کی ہیں۔ ان احادیث کے علاوہ صحابۂ کرام اور تابعین عظام سے مروی پانچ (5) آثار ہیں جن میں دو (2) موصول اور تین (3) معلق ہیں۔

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ حضور قلب کے ساتھ کتاب الکسوف کا مطالعہ کریں تاکہ ایمان کی تازگی اور روح کی غذا کا سامان مہیا ہو۔ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں تمام معاملات ہیں اور وہی ہمارے لیے ہر کام میں مددگار و کارساز ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

16 - أَبْوَابُ الْكُسُوفِ

گرہن اور نماز گرہن سے متعلق احکام و مسائل

(١) بَابُ الصَّلَاةِ فِي كُسُوفِ الشَّمْسِ

باب: 1- سورج گرہن کے وقت نماز پڑھنا

١٠٤٠ – حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ يُونُسَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَانْكَسَفَتِ الشَّمْسُ، فَقَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَجُرُّ رِدَاءَهُ حَتَّى دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَدَخَلْنَا فَصَلَّى بِنَا رَكْعَتَيْنِ حَتَّى انْجَلَتِ الشَّمْسُ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ، فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُمَا فَصَلُّوا وَادْعُوا حَتَّى يُكْشَفَ مَا بِكُمْ». [انظر: ١٠٤٨، ١٠٦٢، ١٠٦٣، ٥٧٨٥]

[1040] حضرت ابوبکرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے تھے کہ آفتاب گہن ہو گیا۔ آپ فوراً اٹھے، درآں حالیکہ آپ کی چادر گھسٹ رہی تھی اور مسجد میں داخل ہوئے۔ ہم بھی مسجد میں آ گئے۔ آپ نے ہمیں دو رکعت پڑھائیں یہاں تک کہ آفتاب روشن ہو گیا۔ پھر آپ نے فرمایا: ”سورج اور چاند کسی کے مرنے سے گرہن زدہ نہیں ہوتے۔ جب تم انھیں گرہن لگا دیکھو تو نماز پڑھو اور دعا کرو یہاں تک کہ تمھارے ہاں سے تاریکی دور ہو جائے۔“

١٠٤١ – حَدَّثَنَا شِهَابُ بْنُ عَبَّادٍ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حُمَيْدٍ عَنْ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ قَيْسٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا مَسْعُودٍ يَقُولُ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ مِنَ النَّاسِ، وَلٰكِنَّهُمَا آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُمَا فَقُومُوا فَصَلُّوا». [انظر: ١٠٥٧، ٣٢٠٤]

[1041] حضرت ابومسعود ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ”سورج اور چاند لوگوں میں سے کسی کے مرنے کی وجہ سے بے نور نہیں ہوتے بلکہ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ جب تم انھیں اس حالت میں دیکھو تو کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔“

١٠٤٢ – حَدَّثَنَا أَصْبَغُ قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ

[1042] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ

وَهْبٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَمْرٌو عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ الْقَاسِمِ حَدَّثَهُ عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ كَانَ يُخْبِرُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ وَلٰكِنَّهُمَا آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُمَا فَصَلُّوا». [انظر: ٣٢٠١]

سے بیان کرتے ہیں: ''شمس و قمر کسی شخص کی موت و حیات کی بنا پر بے نور نہیں ہوتے بلکہ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے دو علامتیں ہیں، لہٰذا جب تم انھیں گہن زدہ دیکھو تو نماز پڑھو۔''

١٠٤٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا هَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ، عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ: كَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ يَوْمَ مَاتَ إِبْرَاهِيمُ، فَقَالَ النَّاسُ: كَسَفَتِ الشَّمْسُ لِمَوْتِ إِبْرَاهِيمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمْ فَصَلُّوا وَادْعُوا اللهَ». [انظر: ١٠٦٠، ٦١٩٩]

[1043] حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں سورج گرہن اس دن ہوا جس دن آپ کے لخت جگر ابراہیم ؓ کی وفات ہوئی تھی۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت ابراہیم کی وفات کے سبب سورج بے نور ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سورج اور چاند کسی کے مرنے اور پیدا ہونے سے گرہن زدہ نہیں ہوتے۔ جب تم گرہن دیکھو تو نماز پڑھو اور اللہ سے دعا کرو۔''

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ نے سورج گہن کے وقت نماز کی مشروعیت ثابت کرنے کے لیے ان احادیث کو بیان کیا ہے۔ امت کا اتفاق ہے کہ ایسے حالات میں نماز پڑھنی چاہیے، البتہ اس کی حقیقت و کیفیت کے متعلق اختلاف ہے۔ جمہور کے نزدیک نماز کسوف سنت مؤکدہ ہے جبکہ محدث ابو عوانہ نے اسے واجب قرار دیا ہے اور اپنی صحیح میں باین الفاظ عنوان قائم کیا ہے: بیان وجوب صلاة الكسوف ''نماز کسوف کے وجوب کا بیان۔''[1] محدث العصر علامہ البانی ؒ نے بھی اس کے وجوب کو اختیار کیا ہے۔[2] لیکن اس کے سنت مؤکدہ ہونے کا موقف ہی راجح معلوم ہوتا ہے۔ ② نماز کسوف کی کیفیت ادا میں بھی اختلاف ہے اور اس کی بنیاد روایات کا باہم متعارض ہونا ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک رکعت میں ایک رکوع ہے،[3] جبکہ کچھ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو رکعات میں چھ رکوع کیے۔[4] بعض روایات میں ایک رکعت میں چار رکوع کرنے کا ذکر ہے۔[5] ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک رکعت میں پانچ رکوع اور دو سجدے کیے، اسی طرح آپ نے دوسری رکعت میں کیا، گویا دو رکعت میں دس رکوع ہیں۔[6] لیکن رسول اللہ ﷺ نے زندگی میں صرف ایک مرتبہ

[1] مسند أبي عوانة: 92/2. [2] تمام المنة، ص: 261. [3] المستدرك للحاكم: 330/1. [4] صحيح مسلم، الكسوف، حديث: 2102 (904). [5] صحيح مسلم، الكسوف، حديث: 2112 (908). [6] سنن أبي داود، صلاة الاستسقاء، حديث: 1182.

نماز کسوف پڑھی ہے کیونکہ آپ کے لخت جگر حضرت ابراہیم ؑ کی وفات ہوئی تھی۔ لہٰذا اس اختلاف کو تعدد واقعات پر محمول کرنا صحیح نہیں۔ اکثر محدثین نے ان روایات میں سے صرف ان روایات کو ترجیح دی ہے جن میں ہر رکعت میں دو رکوع کرنے کا ذکر ہے کیونکہ امام بخاری اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ان روایات کو بیان کرنے پر اتفاق کیا ہے۔ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مایہ ناز کتاب "زاد المعاد" میں دلائل سے اسی موقف کو ثابت کیا ہے۔[1] ﴿۳﴾ یہ سورج اور چاند کرۂ ارض سے کئی گنا بڑے ہیں۔ انھیں گرہن زدہ کرنے سے مقصود غفلت شعار لوگوں کو قیامت کا منظر دکھا کر بیدار کرنا ہے، نیز اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا اظہار بھی ہے کہ مالک حقیقی اگر بے گناہ اور سراپا اطاعت مخلوق کو بے نور کرسکتا ہے تو خطا کار انسان کی گرفت بھی کی جاسکتی ہے۔ علاوہ ازیں اس وقت کرۂ ارض پر بسنے والے بہت سے لوگ کواکب و نجوم کی عبادت کرتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے دو بڑے اور عظیم نورانی اجسام پر کسوف و خسوف طاری کرنے کا فیصلہ فرمایا تاکہ انھیں اپنی قدرت قاہرہ دکھا کر ان پر ان کی غلطی کو واضح کیا جائے اور بتایا جائے کہ ان دونوں اور ان سے بڑے اجرام فلکی کا مالک اللہ وحدہ لاشریک ہے اور وہی عبادت کے لائق ہے۔ اور ان دونوں کا انتخاب اس لیے فرمایا کہ سورج کی گرمی سے انسانی ضروریات کی اشیاء تیار ہوتی ہیں اور چاند کی روشنی سے ان میں حسن اور خوبصورتی پیدا ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

(۲) بَابُ الصَّدَقَةِ فِي الْكُسُوفِ

باب:2- گرہن کے وقت صدقہ و خیرات کرنا

۱۰٤٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ: خَسَفَتِ الشَّمْسُ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَصَلَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ بِالنَّاسِ فَقَامَ فَأَطَالَ الْقِيَامَ، ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوعَ، ثُمَّ قَامَ فَأَطَالَ الْقِيَامَ وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوعَ وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ سَجَدَ فَأَطَالَ السُّجُودَ، ثُمَّ فَعَلَ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ مَا فَعَلَ فِي الْأُولَى ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ فَخَطَبَ النَّاسَ فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: «إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ لَا يَنْخَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذَلِكَ فَادْعُوا اللهَ وَكَبِّرُوا وَصَلُّوا

[1044] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ایک دفعہ سورج گرہن ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور اس میں بہت طویل قیام کیا، پھر رکوع کیا تو وہ بھی بہت طویل کیا۔ رکوع کے بعد قیام کیا تو وہ بھی بہت طویل تھا لیکن پہلے قیام سے کچھ مختصر۔ پھر آپ نے طویل رکوع کیا جو پہلے رکوع سے قدرے کم تھا۔ پھر سجدہ بھی بہت طویل کیا۔ دوسری رکعت میں بھی ایسا ہی کیا جیسا کہ پہلی رکعت میں کیا تھا۔ پھر جب نماز سے فارغ ہوئے تو آفتاب صاف ہو چکا تھا۔ اس کے بعد آپ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: "بلاشبہ یہ سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، یہ دونوں کسی کے مرنے جینے سے گرہن زدہ نہیں ہوتے۔ جس وقت تم ایسا دیکھو تو اللہ سے دعا کرو،

[1] زاد المعاد، فصل في هديه ﷺ في صلاة الكسوف.

وَتَصَدَّقُوا». ثُمَّ قَالَ: «يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ! وَاللهِ مَا مِنْ أَحَدٍ أَغْيَرُ مِنَ اللهِ أَنْ يَزْنِيَ عَبْدُهُ أَوْ تَزْنِيَ أَمَتُهُ، يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ! وَاللهِ لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا». [انظر: ١٠٤٦، ١٠٤٧، ١٠٥٠، ١٠٥٦، ١٠٥٨، ١٠٦٤، ١٠٦٦، ١٢١٢، ٣٢٠٣، ٤٦٢٤، ٥٢٢١، ٦٦٣١]

اس کی کبریائی کا اعتراف کرو، نماز پڑھو اور صدقہ و خیرات کرو۔" پھر آپ نے فرمایا: "اے امت محمد! اللہ سے زیادہ کوئی غیرت مند نہیں کہ اس کا غلام یا اس کی باندی بدکاری کرے۔ اے امت محمد! اللہ کی قسم! اگر تم اس بات کو جان لو جو میں جانتا ہوں تو تمہیں ہنسی بہت کم آئے اور رونا بہت زیادہ آئے۔"

فوائد و مسائل: ① اس حدیث کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کرنے والے آپ کے بھانجے حضرت عروہ بن زبیر اور عمرہ بنت عبدالرحمٰن ہیں۔ پھر عروہ سے بیان کرنے والے ان کے بیٹے حضرت ہشام اور امام زہری ہیں۔ ان میں سے ہر ایک نے ایسی باتیں بیان کی ہیں جو دوسرے بیان نہیں کرتے۔ حضرت ہشام کے علاوہ اور کوئی راوی سورج گرہن کے وقت صدقہ و خیرات کرنے کا ذکر نہیں کرتا، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ روایت ہشام پر صدقہ کرنے کا عنوان قائم کیا ہے۔ چونکہ صدقہ و خیرات نماز کسوف کے بعد ہوتا ہے، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے نماز کسوف کے عنوان کے بعد اس موقع پر صدقہ و خیرات کرنے کا عنوان قائم کیا ہے۔[1] اللہ تعالیٰ اپنی نشانیاں اس وقت دکھاتا ہے جب بندوں کی طرف سے محارم کی پردہ دری اور معاصی کا کھلے بندوں ارتکاب ہوتا ہے۔ بندوں کو ڈرانے اور گناہوں سے باز رکھنے کے لیے ایسی نشانیوں کا ظہور ہوتا ہے، لہٰذا ایسے اوقات میں اللہ کے حضور صدقہ و خیرات کرنا چاہیے تاکہ وہ ہمیں اس وقت اپنے انتقام کا نشانہ نہ بنائے اور ہمیں دیگر مصائب و آلام سے محفوظ رکھے۔ اس روایت میں جرم زنا کو بطور خاص بیان کیا ہے کیونکہ اس جرم کی خصوصیت ہے کہ نفس کا میلان جتنا زنا کی طرف ہوتا ہے اتنا دیگر معاصی کی طرف نہیں ہوتا۔ ② اس حدیث میں غیرت کو اللہ کی صفت کے طور پر بیان کیا گیا ہے جو برحق ہے۔ ہم اس کی کوئی تاویل نہیں کرتے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کو ان کے ظاہری معنی پر محمول کرتے ہیں بشرطیکہ وہ صفات قرآن و حدیث سے ثابت ہوں۔ ان کی تاویل کرنا متکلمین کا طریقہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ غیرت، غصے کے وقت جوش کو کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس قسم کے تغیرات سے پاک ہے۔ ہمارے نزدیک اللہ کی صفات افعال میں تغیر آسکتا ہے، مثلاً: گناہ کرنے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے تو انابت اور توبہ سے خوش ہوتا ہے، اس بنا پر ہم صفات باری تعالیٰ میں کوئی تاویل یا تحریف نہیں کرتے بلکہ انہیں جوں کا توں اللہ کے لیے ثابت کرتے ہیں۔ ③ امام بخاری رحمہ اللہ کی پیش کردہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کسوف کو رسول اللہ ﷺ نے تمام نمازوں سے زیادہ طویل پڑھا ہے اور سورج کے صاف ہونے تک اسے جاری رکھا ہے۔ صحابۂ کرام نے طویل قیام، بہت لمبے رکوع اور سجود کی کیفیت کو اپنے اپنے الفاظ میں بیان کیا۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ قوی اور صحیح مذکورہ روایت ہے جس میں ہر ایک رکعت کے اندر دو دو رکوع اور دو دو سجدے ہیں۔ اگرچہ بعض روایات میں تین تین، بعض میں چار چار اور بعض میں پانچ پانچ رکوع ہر رکعت میں وارد ہیں مگر مذکورہ روایت پر امام بخاری اور امام مسلم کا اتفاق ہے۔ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل

[1] فتح الباري: 683/2.

محققین نے بھی اسے ترجیح دی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا میلان بھی یہی رجحان ہے۔ واللہ اعلم

(٣) بَابُ النِّدَاءِ بِـ: «اَلصَّلَاةُ جَامِعَةٌ» فِي الْكُسُوفِ

باب: 3- گرہن کے وقت الصلاۃ جامعۃ کے الفاظ سے اعلان کرنا

١٠٤٥ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ قَالَ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى ابْنُ صَالِحٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ سَلَّامِ بْنِ أَبِي سَلَّامٍ الْحَبَشِيُّ الدِّمَشْقِيُّ قَالَ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ الزُّهْرِيُّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: لَمَّا كَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ نُودِيَ: إِنَّ الصَّلَاةَ جَامِعَةٌ. [انظر: ١٠٥١]

[1045] حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں جب سورج گہن ہوا تو یوں اعلان کیا گیا: اَلصَّلَاةُ جَامِعَةٌ.

فوائد و مسائل: ① گرہن کی نماز کے لیے اذان دی جاتی ہے نہ اقامت، تاہم عمومی طور پر اعلان کرنا مشروع ہے تاکہ لوگوں کو اطلاع ہو جائے، پھر اسے خاص اہتمام کے ساتھ باجماعت ادا کیا جائے۔ سورج گرہن کے وقت ہر شخص متنبہ نہیں ہو سکتا، اس لیے ابتدائی طور پر لوگوں کو اطلاع دینے میں چنداں حرج نہیں۔ ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے باقاعدہ ایک اعلان کرنے والے کو تعینات کیا کہ وہ مدینے کے گلی کوچوں میں اس کا اعلان کرے۔ ابن دقیق العید نے لکھا ہے کہ یہ حدیث اس اعلان کے استحباب پر کھلی دلیل ہے۔[1]

(٤) بَابُ خُطْبَةِ الْإِمَامِ فِي الْكُسُوفِ

باب: 4- نماز کسوف کے وقت امام کا خطبہ دینا

وَقَالَتْ عَائِشَةُ وَأَسْمَاءُ: خَطَبَ النَّبِيُّ ﷺ.

حضرت عائشہ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ نے (سورج گہن کے وقت) خطبہ ارشاد فرمایا۔

وضاحت: حضرت عائشہ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہما سے مروی دونوں احادیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے متصل سند سے بیان کیا ہے، چنانچہ حدیث: 1044 حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حدیث: 1053 حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

١٠٤٦ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ؛ ح:

[1046] نبی ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ کی حیات طیبہ میں سورج

[1] فتح الباري: 687/2.

وحدثني أحمد بن صالح قال: حدثني عنبسة قال: حدثنا يونس عن ابن شهاب قال: حدثني عروة عن عائشة زوج النبي ﷺ قالت: خسفت الشمس في حياة النبي ﷺ، فخرج إلى المسجد فصف الناس وراءه فكبر فاقترأ رسول الله ﷺ قراءة طويلة، ثم كبر فركع ركوعا طويلا، ثم قال: «سمع الله لمن حمده»، فقام ولم يسجد وقرأ قراءة طويلة، هي أدنى من القراءة الأولى ثم كبر وركع ركوعا طويلا وهو أدنى من الركوع الأول، ثم قال: «سمع الله لمن حمده، ربنا ولك الحمد»، ثم سجد ثم قال في الركعة الآخرة مثل ذلك، فاستكمل أربع ركعات في أربع سجدات، وانجلت الشمس قبل أن ينصرف. ثم قام فأثنى على الله بما هو أهله، ثم قال: «هما آيتان من آيات الله لا يخسفان لموت أحد ولا لحياته، فإذا رأيتموهما فافزعوا إلى الصلاة»

بے نور ہوا تو آپ مسجد میں تشریف لائے، لوگوں نے آپ کے پیچھے صفیں بنالیں، آپ نے تکبیر تحریمہ کہی، پھر لمبی قراءت فرمائی۔ اس کے بعد اللہ اکبر کہہ کر ایک طویل رکوع کیا۔ پھر سمع اللہ لمن حمدہ کہا تو کھڑے رہے اور سجدہ نہ کیا بلکہ طویل قراءت کی جو پہلی قراءت سے قدرے کم تھی۔ پھر اللہ اکبر کہہ کر طویل رکوع کیا جو پہلے رکوع سے قدرے کم تھا۔ اس کے بعد آپ نے سمع اللہ لمن حمدہ ربنا ولک الحمد کہا اور سجدے میں چلے گئے۔ پھر دوسری رکعت میں بھی ایسے ہی کیا۔ اس طرح آپ نے چار رکوع اور چار سجدوں کے ساتھ نماز مکمل کی۔ نماز ختم ہونے سے پہلے پہلے سورج روشن ہو چکا تھا۔ پھر آپ کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے شایان شان حمد و ثنا بیان کی۔ اس کے بعد فرمایا: "یہ دونوں (سورج اور چاند) اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ انھیں کسی کی موت و حیات کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا۔ جب تم انھیں اس حالت میں دیکھو تو اللہ سے التجا کرتے ہوئے نماز کی طرف آجاؤ۔"

وكان يحدث كثير بن عباس أن عبد الله بن عباس رضي الله عنهما كان يحدث يوم خسفت الشمس بمثل حديث عروة عن عائشة، فقلت لعروة: إن أخاك يوم خسفت الشمس بالمدينة لم يزد على ركعتين مثل الصبح، قال: أجل، لأنه أخطأ السنة.

[راجع: ١٠٤٦]

کثیر بن عباس بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے بھی سورج گرہن سے متعلق اسی طرح حدیث بیان کی جس طرح حضرت عروہ بن زبیر نے حضرت عائشہ ؓ سے بیان کی تھی۔ میں نے حضرت عروہ سے کہا: جس دن مدینہ طیبہ میں سورج کو گرہن لگا تھا تو آپ کے بھائی حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ نے نماز کسوف میں نماز فجر کی طرح دو سے زیادہ رکوع نہیں کیے تھے۔ انھوں نے جواب دیا: ہاں، لیکن انھوں نے سنت کے خلاف کیا ہے۔

فوائد و مسائل: ① سورج گرہن کے وقت نماز کے بعد خطبہ دینا مستحب ہے۔ اس میں گرہن سے وابستہ لوگوں کے غلط

عقائد کی اصلاح کی جائے اور انھیں ذکر الٰہی، صدقہ وخیرات، توبہ واستغفار، گناہوں سے نفرت اور اچھے کاموں سے محبت ورغبت کی تلقین کی جائے۔ اگرچہ اس حدیث میں لفظ خطبہ استعمال نہیں ہوا، تاہم اس کے لوازمات ضرور ذکر ہوئے ہیں۔ علاوہ ازیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی بعض طرق میں خطبے کی صراحت بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام شافعی اور اکثر اصحاب الحدیث نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ سورج گرہن کے وقت خطبے کا اہتمام مستحب ہے۔ جو لوگ خطبے کے قائل نہیں انھوں نے اس بات کا سہارا لیا کہ اس میں منبر وغیرہ استعمال کرنے کا ذکر نہیں ہے، لہٰذا اسے خطبے کا نام نہیں دیا جا سکتا لیکن یہ اعتراض کوئی حیثیت نہیں رکھتا کیونکہ خطبے کے لیے منبر کا استعمال ضروری نہیں۔ ﷺ اس حدیث کے آخر میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان ہوا ہے کہ انھوں نے نماز کسوف کو نماز فجر کی طرح پڑھایا تھا۔ علامہ اسماعیلی نے اسے ذرا تفصیل سے بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ملک شام جانے کا پروگرام بنا چکے تھے کہ سورج کو گرہن لگ گیا۔ آپ نے نماز فجر کی طرح نماز کسوف پڑھائی۔ اس پر ان کے چھوٹے بھائی حضرت عروہ نے کہا: "انھوں نے خلاف سنت کیا تھا۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ نماز کسوف کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ ایک رکعت میں دو رکوع ہوں۔ اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ عروہ تابعی ہیں اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما صحابی ہیں، تابعی کے مقابلے میں صحابی کی بات معتبر ہونی چاہیے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عروہ نے اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہی بلکہ ان کے موقف کی بنیاد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی یہ حدیث ہے۔ گویا اس مرفوع حدیث کے پیش نظر انھوں نے اپنے بھائی کے کام کو خلاف سنت قرار دیا۔ ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو یہ حدیث نہ پہنچی ہو، اس لیے وہ نماز کسوف کو نماز فجر کی طرح پڑھانے میں معذور تھے۔[1] واللہ أعلم.

(٥) بَابٌ: هَلْ يَقُولُ: كَسَفَتِ الشَّمْسُ أَوْ خَسَفَتْ؟

باب: 5- سورج گرہن کے لیے کسف یا خسف کون سا لفظ استعمال کرنا چاہیے؟

وَقَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿وَخَسَفَ الْقَمَرُ﴾ [القيامة ٨]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَخَسَفَ الْقَمَرُ﴾ "جب چاند کو گہن لگ جائے گا۔"

وضاحت: حضرت عروہ کہتے ہیں کہ سورج گہن کے لیے لفظ کسوف کے بجائے خسوف استعمال کرو۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں کیونکہ متعدد احادیث میں سورج کے لیے لفظ کسوف بھی استعمال ہوا ہے۔ پھر امام بخاری رحمہ اللہ نے آیت کریمہ کا حوالہ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود چاند گہن کے لیے لفظ خسوف استعمال کیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ سورج گہن کے لیے لفظ کسوف ہے، لہٰذا سورج کے لیے اس لفظ کے استعمال کی کوئی ممانعت نہیں۔ اگرچہ فقہاء لفظ کسوف سورج کے لیے اور لفظ خسوف چاند کے لیے استعمال کرتے ہیں، تاہم یہ دونوں الفاظ ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہو جاتے ہیں۔ لغوی اعتبار سے کسوف کے معنی ہیں: روشنی کم ہوتے ہوتے تاریکی چھا جانا اور خسوف کے معنی روشنی کا کم ہونا ہیں۔[2]

1 فتح الباري: 690/2. 2 فتح الباري: 690/2

١٠٤٧ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ أَخْبَرَتْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ صَلَّى يَوْمَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ فَكَبَّرَ فَقَرَأَ قِرَاءَةً طَوِيلَةً، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ: «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ»، وَقَامَ كَمَا هُوَ ثُمَّ قَرَأَ قِرَاءَةً طَوِيلَةً وَهِيَ أَدْنَى مِنَ الْقِرَاءَةِ الْأُولَى، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا وَهِيَ أَدْنَى مِنَ الرَّكْعَةِ الْأُولَى، ثُمَّ سَجَدَ سُجُودًا طَوِيلًا، ثُمَّ فَعَلَ فِي الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ مِثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ سَلَّمَ وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ، فَخَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ فِي كُسُوفِ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ: «إِنَّهُمَا آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ. فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُمَا فَافْزَعُوا إِلَى الصَّلَاةِ». [راجع: ١٠٤٤]

[1047] نبی ﷺ کی زوجۂ محترمہ حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے بتایا: جس دن سورج کو گرہن لگا تو رسول اللہ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔ آپ نے اللہ اکبر کہا اور لمبی قراءت فرمائی، پھر طویل رکوع کیا، اس کے بعد اپنا سر مبارک اٹھایا اور سمع اللہ لمن حمدہ کہا اور ایسے کھڑے ہو گئے جیسے (رکوع سے) پہلے کھڑے تھے۔ پھر لمبی قراءت فرمائی جو پہلی قراءت سے کم تھی۔ پھر طویل رکوع کیا جو پہلے رکوع سے قدرے کم تھا۔ اس کے بعد آپ نے لمبا سجدہ کیا، پھر آپ نے دوسری رکعت کو بھی اسی طرح ادا کیا۔ اس کے بعد آپ نے سلام پھیرا تو سورج روشن ہو چکا تھا۔ آپ نے خطبہ دیا اور شمس و قمر کے گرہن کے متعلق فرمایا: ”یہ دونوں اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں جو کسی کی موت و حیات کی وجہ سے بے نور نہیں ہوتے۔ تم جب انھیں اس حالت میں دیکھو تو خوف زدہ ہو کر نماز کی طرف توجہ کرو۔“

فائدہ: امام بخاری ؒ کے نزدیک لفظ کسوف اور خسوف کا اطلاق سورج اور چاند دونوں کے لیے جائز ہے۔ اس روایت کے آغاز میں لفظ خسوف اگرچہ سورج کے لیے استعمال ہوا ہے، تاہم دیگر روایات میں سورج کے لیے لفظ کسوف استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح راوی نے روایت کے آخر میں دونوں کے لیے لفظ کسوف استعمال کیا ہے، پھر لا یخسفان سے دونوں پر لفظ خسوف استعمال کیا۔ اس کا واضح مطلب ہے کہ دونوں الفاظ دونوں کے لیے جائز ہیں، اگرچہ عام طور پر سورج کے لیے کسوف اور چاند کے لیے خسوف بولا جاتا ہے جیسا کہ آیت کریمہ میں چاند کے لیے خسوف اور روایات میں سورج کے لیے کسوف استعمال ہوا ہے۔ واللہ أعلم

(٦) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «يُخَوِّفُ اللهُ عِبَادَهُ بِالْكُسُوفِ»

باب: 6- فرمان نبوی کہ ”اللہ تعالیٰ کسوف کے ذریعے سے اپنے بندوں کو ڈراتا ہے“

قَالَهُ أَبُو مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ نے نبی ﷺ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

وضاحت: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت کو امام بخاری رحمہ اللہ نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔[1]

١٠٤٨ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ يُونُسَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ، وَلٰكِنْ يُخَوِّفُ اللهُ بِهِمَا عِبَادَهُ».

[1048] حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سورج اور چاند اللہ کی آیات میں سے دو نشانیاں ہیں۔ یہ دونوں کسی کی موت کی وجہ سے بے نور نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے سے اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔''

وَقَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: لَمْ يَذْكُرْ عَبْدُ الْوَارِثِ، وَشُعْبَةُ، وَخَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، وَحَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ يُونُسَ: «يُخَوِّفُ اللهُ بِهِمَا عِبَادَهُ».

ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) کہتے ہیں: عبدالوارث، شعبہ، خالد بن عبداللہ اور حماد بن سلمہ نے یونس سے یہ الفاظ ذکر نہیں کیے: ''ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔''

وَتَابَعَهُ أَشْعَثُ عَنِ الْحَسَنِ وَتَابَعَهُ مُوسَى عَنْ مُبَارَكٍ عَنِ الْحَسَنِ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «يُخَوِّفُ بِهِمَا عِبَادَهُ».

[راجع: ١٠٤٠]

اشعث نے حسن سے مذکورہ الفاظ بیان کرنے میں یونس کی متابعت کی ہے۔ موسیٰ نے مبارک کے واسطے سے مذکورہ الفاظ بیان کرنے میں یونس کی متابعت کی ہے۔ (مبارک) حسن بصری سے بیان کرتے ہیں، انھوں نے کہا: مجھے ابوبکرہ نے نبی ﷺ سے بیان کیا: آپ نے فرمایا: ''ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔''

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی کی اہمیت بیان کرنا چاہتے ہیں کہ شمس و قمر کو بے نور کر کے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈرانا چاہتا ہے تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں اور اس کے حضور توبہ و استغفار کا نذرانہ پیش کریں، اسے کھیل اور تماشا تصور نہ کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا نُرْسِلُ بِالْآيَاتِ إِلَّا تَخْوِيفًا﴾[2] ''ہم تو اپنی نشانیاں اس لیے بھیجتے ہیں کہ ان کے ذریعے سے بندوں کو ڈرایا جائے۔'' لہٰذا بندوں کو چاہیے کہ ایسے حالات میں نماز کا اہتمام کریں، صدقہ و خیرات کریں اور اللہ کے حضور ڈرتے ہوئے توبہ و استغفار کریں۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث کے آخر میں کچھ متابعات ذکر فرمائی ہیں کہ یونس سے ان کے کچھ شاگردوں نے حدیث کے آخری الفاظ بیان نہیں کیے۔ ان میں ایک عبدالوارث ہیں۔ ان کی روایت کو امام بخاری رحمہ اللہ نے خود (نمبر: 1063 کے تحت) بیان کیا ہے۔ اسی طرح کسوف القمر کے باب میں (نمبر: 1062 کے تحت) شعبہ کی روایت کو ذکر کیا ہے جس میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ اور خالد بن عبداللہ کی روایت (نمبر: 1040 کے تحت) پہلے گزر چکی ہے۔ حماد بن سلمہ کی روایت کو امام طبرانی نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔[3] اسی طرح اشعث بن عبدالملک نے

---

1 صحيح البخاري، الكسوف، حديث: 1059. 2 بنی إسرآئيل 59:17. 3 فتح الباري: 692/2.

حسن بصری سے اس روایت کو نقل کیا ہے۔ ان میں بھی حدیث کے آخری الفاظ نہیں ہیں۔ اس روایت کو امام نسائی اور ابن حبان نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔[1] ③ موجودہ سائنس نے اس حد تک ترقی کر لی ہے کہ اس کے ذریعے سے چاند اور سورج کے گرہن کی قبل از وقت پیش گوئی کر دی جاتی ہے کہ فلاں ملک میں فلاں وقت سورج یا چاند گرہن ہوگا اور یہ گرہن کلی یا جزوی ہوگا اور اتنا عرصہ قائم رہے گا۔ تجربے کے اعتبار سے وہ پیش گوئی بالکل صحیح ہوتی ہے۔ اس میں سر مو فرق نہیں ہوتا، لیکن اس کے باوجود حدیث کے مطلب میں کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کا مظاہرہ کرتا ہے کہ سورج اور چاند جیسے بڑے بڑے اجرام کو دم بھر میں تاریک کر دیتا ہے، لہٰذا اس کی عظمت و کبریائی کا اعتراف اور اس کی طاقت و ہیبت سے بندوں کو ہمہ وقت ڈرنا چاہیے۔[2]

(٧) بَابُ التَّعَوُّذِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فِي الْكُسُوفِ

باب: 7- گرہن کے وقت عذاب قبر سے پناہ مانگنا

١٠٤٩ – حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ: أَنَّ يَهُودِيَّةً جَاءَتْ تَسْأَلُهَا، فَقَالَتْ لَهَا: أَعَاذَكِ اللهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، فَسَأَلَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا رَسُولَ اللهِ ﷺ: أَيُعَذَّبُ النَّاسُ فِي قُبُورِهِمْ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَائِذًا بِاللهِ مِنْ ذٰلِكَ. [انظر: ١٠٥٥، ٦٣٦٦]

[1049] نبی ﷺ کی زوجۂ محترمہ حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ ان کے پاس ایک یہودی عورت کچھ مانگنے کے لیے حاضر ہوئی اور اس نے دعا دی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو عذاب قبر سے پناہ دے۔ حضرت عائشہ صدیقہ ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: کیا لوگوں کو قبروں میں عذاب دیا جائے گا؟ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں عذاب قبر سے اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں۔''

١٠٥٠ – ثُمَّ رَكِبَ رَسُولُ اللهِ ﷺ ذَاتَ غَدَاةٍ مَرْكَبًا فَخَسَفَتِ الشَّمْسُ، فَرَجَعَ ضُحًى، فَمَرَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ بَيْنَ ظَهْرَانَيِ الْحُجَرِ، ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي وَقَامَ النَّاسُ وَرَاءَهُ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا، ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَفَعَ فَسَجَدَ، ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ

[1050] پھر رسول اللہ ﷺ ایک روز صبح کے وقت سوار ہو کر کہیں جانے کے لیے سوار ہوئے تو سورج کو گرہن لگ گیا۔ رسول اللہ ﷺ چاشت کے وقت واپس تشریف لائے اور آپ کا گزر ازواج مطہرات کے حجروں کے درمیان سے ہوا۔ اس کے بعد آپ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا شروع کر دی اور لوگ بھی آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ آپ نے طویل قیام فرمایا، پھر طویل رکوع کیا، اس کے بعد رکوع سے اٹھ کر طویل قیام کیا جو پہلے سے قدرے کم تھا، پھر طویل رکوع کیا جو پہلے رکوع سے کچھ کم تھا۔ اس کے بعد رکوع سے اپنا سر اٹھایا اور سجدہ کیا، پھر طویل قیام کیا

[1] سنن النسائي، الكسوف، حديث: 1493. [2] فتح الباري: 693/2.

الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَفَعَ فَسَجَدَ ثُمَّ قَامَ وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ فَسَجَدَ، وَانْصَرَفَ، فَقَالَ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَقُولَ، ثُمَّ أَمَرَهُمْ أَنْ يَتَعَوَّذُوا مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ. [راجع: 1044]

جو پہلے قیام سے کم تھا۔ اس کے بعد آپ نے طویل رکوع کیا جو پہلے رکوع سے کم تھا۔ پھر رکوع سے اپنا سر اٹھایا اور سجدہ کیا، پھر اس کے بعد طویل قیام فرمایا جو پہلے سے کم تھا، پھر طویل رکوع کیا جو پہلے رکوع سے کچھ کم تھا۔ بعد ازاں رکوع سے اٹھے اور سجدہ فرمایا، پھر نماز سے فراغت کے بعد جو کچھ اللہ نے چاہا اسے بیان کیا، پھر لوگوں کو حکم دیا کہ وہ عذاب قبر سے پناہ مانگیں۔

فوائد ومسائل: ① سورج گرہن کے وقت عذاب قبر سے ڈرانے میں یہ مناسبت ہے کہ جس طرح گرہن کے وقت اندھیرا چھا جاتا ہے اسی طرح بدکاروں اور گناہ گاروں کی قبروں میں بھی اندھیرا ہوگا، اس لیے سورج گرہن کے وقت اندھیرے اور قبر کی تاریکی دونوں سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے۔[1] حضرت عائشہ ؓ کا گمان تھا کہ ثواب وعقاب آخرت میں ہوگا۔ پہلے انھیں عذاب قبر کے متعلق علم نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے بتانے کے بعد انھیں علم ہوا کہ عذاب قبر برحق ہے۔ ممکن ہے کہ یہودی عورت کو تورات یا پہلی کتابوں سے عذاب قبر کے متعلق معلومات حاصل ہوئی ہوں، چنانچہ حدیث میں ہے کہ جب یہودی عورت نے حضرت عائشہ ؓ سے عذاب قبر کے متعلق سوال کیا تو حضرت عائشہ ؓ نے اس کا انکار کر دیا۔ اس نے کہا کہ اپنے نبی ﷺ سے اس کے متعلق دریافت کرنا۔ رسول اللہ ﷺ جب تشریف لائے تو آپ نے اس کے متعلق سوال کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عذاب قبر برحق ہے۔'' اس کے بعد رسول اللہ ﷺ ہر نماز کے بعد عذاب قبر سے پناہ مانگتے تھے۔[2] ② واضح رہے کہ اس دن رسول اللہ ﷺ کے لخت جگر حضرت ابراہیم ؓ فوت ہوئے تھے۔ آپ کفن دفن کے سلسلے میں سواری پر سوار ہو کر گئے تھے۔ چاشت کے وقت نماز کسوف کا اہتمام مسجد میں کیا۔ صحیح مسلم کی روایت میں مسجد کی صراحت ہے کہ آپ نے آتے ہی مسجد کا رخ کیا اور نماز کسوف پڑھائی۔[3]

(٨) بَابُ طُولِ السُّجُودِ فِي الْكُسُوفِ

باب: 8- نماز کسوف میں لمبا سجدہ کرنا

١٠٥١ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّهُ قَالَ: لَمَّا كُسِفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ نُودِيَ: إِنَّ الصَّلَاةَ جَامِعَةٌ. فَرَكَعَ النَّبِيُّ ﷺ رَكْعَتَيْنِ فِي سَجْدَةٍ، ثُمَّ قَامَ

[1051] حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں سورج گرہن ہوا تو الصلاة جامعة کا اعلان کیا گیا۔ نبی ﷺ نے اس نماز میں ایک رکعت کے اندر دو رکوع کیے۔ پھر آپ کھڑے ہوئے تو دوسری رکعت میں بھی دو رکوع کیے۔

[1] فتح الباري: 694/2. [2] عمدة القاري: 319/5. [3] صحيح البخاري، الكسوف، حديث: 1059، و صحيح مسلم، الكسوف، حديث: 2098(903).

فَرَكَعَ وَكَعَتَيْنِ فِي سَجْدَةٍ، ثُمَّ جَلَسَ ثُمَّ جُلِّيَ عَنِ الشَّمْسِ. قَالَ: وَقَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: مَا سَجَدْتُ سُجُودًا قَطُّ كَانَ أَطْوَلَ مِنْهَا. [راجع: ١٠٤٥]

اس کے بعد آپ تشہد میں بیٹھے یہاں تک کہ سورج صاف ہوگیا۔ راوی حدیث (حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ) کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: میں نے کبھی بھی اس سے زیادہ لمبا سجدہ نہیں کیا۔

فائدہ: بعض حضرات کا موقف ہے کہ نماز کسوف میں صرف ان ارکان کو لمبا کیا جائے جن میں تکرار ہے، مثلاً: قیام اور رکوع وغیرہ، لیکن سجدے میں تکرار نہیں ہوتا، لہٰذا اسے لمبا نہیں کرنا چاہیے، نیز قیام و رکوع میں تو سورج کے صحیح ہونے کو دیکھا جاسکتا ہے لیکن سجدے میں یہ ممکن نہیں۔ اس کے علاوہ سجدے کی حالت میں جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں، اس لیے اسے طویل نہیں کرنا چاہیے۔ امام بخاری ؒ نے اس موقف سے اختلاف کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ نماز کسوف میں قیام و رکوع کی طرح سجدہ بھی لمبا کرنا چاہیے جیسا کہ روایات میں صراحت کے ساتھ آیا ہے۔ صریح نص کے مقابلے میں قیاس وغیرہ کی کوئی حیثیت نہیں۔ صحیح مسلم کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رکوع کی طرح اپنے سجدوں کو بھی طویل کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز کسوف میں جملہ ارکان کو لمبا کرنا چاہیے۔

(٩) بَابُ صَلَاةِ الْكُسُوفِ جَمَاعَةً

باب: 9- گرہن کی نماز باجماعت ادا کرنا

وَصَلَّى لَهُمُ ابْنُ عَبَّاسٍ فِي صُفَّةِ زَمْزَمَ. وَجَمَعَ عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ، وَصَلَّى ابْنُ عُمَرَ.

حضرت ابن عباس ؓ نے زمزم کے چبوترے پر لوگوں کو نماز کسوف پڑھائی۔ حضرت علی بن عبداللہ بن عباس نے بھی لوگوں کے لیے نماز باجماعت کا اہتمام کیا اور حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے بھی نماز کسوف پڑھی۔

وضاحت: ابن عباس ؓ کے اثر کو امام شافعی اور سعید بن منصور نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔ آپ نے لوگوں کو نماز کسوف کی دو رکعت پڑھائیں اور ہر رکعت میں دو رکوع کیے۔[1] علی بن عبداللہ بن عباس کا اثر متصل سند سے نہیں مل سکا۔ ممکن ہے کہ حضرت ابن عمر ؓ نے ان کے ساتھ ہی نماز ادا کی ہو۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں اس کے ہم معنی روایت آئی ہے۔[2]

١٠٥٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: انْخَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ فَصَلَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا نَحْوًا مِنْ قِرَاءَةِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ، ثُمَّ

[1052] حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ کے عہد مبارک میں جب سورج بے نور ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی۔ آپ کا قیام سورۂ بقرہ کی قراءت کی طرح طویل تھا۔ پھر آپ نے طویل رکوع کیا۔ اس کے بعد سر اٹھایا تو پھر دیر تک قیام کیا لیکن

1 فتح الباري: 695/2. 2 فتح الباري: 697/2.

رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ سَجَدَ، ثُمَّ قَامَ قِيَامًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ فَقَالَ ﷺ: «إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذٰلِكَ فَاذْكُرُوا اللهَ». قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! رَأَيْنَاكَ تَنَاوَلْتَ شَيْئًا فِي مَقَامِكَ، ثُمَّ رَأَيْنَاكَ كَعْكَعْتَ؟ قَالَ ﷺ: «إِنِّي رَأَيْتُ الْجَنَّةَ فَتَنَاوَلْتُ مِنْهَا عُنْقُودًا وَلَوْ أَصَبْتُهُ لَأَكَلْتُمْ مِنْهُ مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا، وَأُرِيتُ النَّارَ فَلَمْ أَرَ مَنْظَرًا كَالْيَوْمِ قَطُّ أَفْظَعَ، وَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا النِّسَاءَ». قَالُوا: بِمَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «بِكُفْرِهِنَّ»، قِيلَ: يَكْفُرْنَ بِاللهِ؟ قَالَ: «يَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ، وَيَكْفُرْنَ الْإِحْسَانَ، لَوْ أَحْسَنْتَ إِلَى إِحْدَاهُنَّ الدَّهْرَ كُلَّهُ ثُمَّ رَأَتْ مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ».

آپ کا یہ قیام پہلے قیام سے قدرے کم تھا۔ پھر آپ نے طویل رکوع کیا جو پہلے رکوع سے کچھ کم تھا۔ پھر آپ نے سجدہ فرمایا۔ بعد ازاں ایک طویل قیام کیا جو پہلے قیام سے قدرے کم تھا، پھر طویل رکوع کیا جو پہلے سے قدرے مختصر تھا۔ اس کے بعد سر اٹھا کر طویل قیام فرمایا جو پہلے قیام سے قدرے تھوڑا تھا، پھر لمبا رکوع کیا جو پہلے سے کچھ کم تھا۔ اس کے بعد آپ نے سجدہ فرمایا۔ آپ نماز سے فارغ ہوئے تو سورج روشن ہو چکا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ یہ دونوں کسی کی موت و حیات کی وجہ سے بے نور نہیں ہوتے۔ جب تم اس قسم کا حادثہ دیکھو تو اللہ کو یاد کرو۔'' صحابۂ کرام ؓ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے اپنی جگہ کھڑے کھڑے کوئی چیز ہاتھ میں لی، پھر ہم نے آپ کو پیچھے ہٹتے ہوئے بھی دیکھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے جنت کو دیکھا اور ایک خوشۂ انگور کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا، اگر میں اسے توڑ لیتا تو تم رہتی دنیا تک اسے کھاتے۔ اس کے بعد مجھے جہنم دکھائی گئی۔ میں نے آج تک اس سے زیادہ بھیانک منظر نہیں دیکھا۔ میں نے اہل دوزخ میں زیادہ تر عورتوں کی تعداد دیکھی۔'' لوگوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا: ''اس کی وجہ ان کی ناشکری ہے۔'' عرض کیا گیا: آیا وہ اللہ کی ناشکری کرتی ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں بلکہ وہ اپنے خاوند کی ناشکری کرتی ہیں اور ان کا احسان نہیں مانتیں۔ اگر تم کسی عورت کے ساتھ تمام عمر احسان کرو، پھر کبھی تمہاری طرف سے کوئی ناخوش گوار بات دیکھے تو فوراً کہہ دے گی کہ میں نے تجھ سے کبھی کوئی بھلائی دیکھی ہی نہیں۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گرہن کے وقت نماز باجماعت کا اہتمام کرنا چاہیے اور اگر مقرر امام موجود

نہ ہو تو کوئی بھی صاحب علم یہ فریضہ ادا کر سکتا ہے، البتہ امام نووی کہتے ہیں کہ اگر امام راتب نہ ہو تو لوگوں کو انفرادی طور پر نماز پڑھنی چاہیے لیکن ان کا یہ موقف محل نظر ہے۔ [1] ظاہر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی کھلی آنکھ سے جنت کا مشاہدہ فرمایا اور آپ کے لیے جنت کے تمام حجابات اٹھا دیے گئے اور تمام مسافت کو لپیٹ دیا گیا یہاں تک کہ خوشۂ انگور توڑنے کا امکان پیدا ہو گیا۔ اس کی تائید حضرت اسماء ؓ سے مروی حدیث سے بھی ہوتی ہے، آپ نے فرمایا: "جنت میرے قریب آ گئی، اگر میں جرأت کرتا تو تمھارے لیے خوشۂ انگور لے آتا۔" [2] ممکن ہے کہ آپ کے سامنے جنت کو مثالی طور پر پیش کیا گیا ہو جیسا کہ آئینے میں کسی چیز کی تصویر نظر آتی ہے۔ اس کی تائید حدیث انس سے ہوتی ہے کہ آپ نے فرمایا: "ابھی ابھی میرے سامنے دیوار قبلہ میں جنت اور دوزخ کو بطور مثال پیش کیا گیا تھا۔" [3] اس میں شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو جنت اور دوزخ کا متعدد مرتبہ مشاہدہ کرایا گیا تھا۔ جب آپ معراج پر گئے تھے تو اس وقت بھی آپ نے ان کا مشاہدہ کیا تھا لیکن اسے مشاہدۂ جمال سے تعبیر کیا جا سکتا ہے جبکہ نماز کسوف کے موقع پر مشاہدۂ جلال کے طور پر آپ نے انھیں دیکھا تھا۔ واللہ أعلم۔ [5] حدیث جابر میں رسول اللہ ﷺ نے ایسی بری خصلتوں کو بیان فرمایا ہے جو اکثر عورتوں کو جہنم میں لے جانے کا باعث ہیں۔ آپ نے فرمایا: "میں نے ایسی عورتوں کو بکثرت جہنم میں دیکھا جو راز افشا کرتے امانت میں خیانت کرتی ہیں، اگر ان سے کوئی چیز مانگی جائے تو بخل سے کام لیتی ہیں، اگر خود سوال کرنا ہو تو چمٹ جاتی ہیں اور اگر انھیں دیا جائے تو ناشکری پر اتر آتی ہیں۔" یہ وہ اوصاف ہیں جو عورتوں میں عام طور پر پائے جاتے ہیں اور ان کے باعث اکثر عورتیں جہنم کا ایندھن بنیں گی۔ [4] أعاذنا اللہ منہ

(۱۰) بَابُ صَلَاةِ النِّسَاءِ مَعَ الرِّجَالِ فِي الْكُسُوفِ

باب: 10- گرہن کے وقت عورتوں کا مردوں کے ساتھ نماز پڑھنا

١٠٥٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنِ امْرَأَتِهِ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ أَنَّهَا قَالَتْ: أَتَيْتُ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ حِينَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ، فَإِذَا النَّاسُ قِيَامٌ يُصَلُّونَ وَإِذَا هِيَ قَائِمَةٌ تُصَلِّي، فَقُلْتُ: مَا لِلنَّاسِ؟ فَأَشَارَتْ بِيَدِهَا إِلَى السَّمَاءِ وَقَالَتْ: سُبْحَانَ اللهِ، فَقُلْتُ: آيَةٌ؟ فَأَشَارَتْ أَيْ نَعَمْ. قَالَتْ: فَقُمْتُ حَتَّى تَجَلَّانِي الْغَشْيُ فَجَعَلْتُ أَصُبُّ فَوْقَ

[1053] حضرت اسماء بنت ابی بکر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: جب سورج کو گرہن لگا تو میں نبی ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ ؓ کے گھر آئی۔ میں نے دیکھا کہ لوگ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے اور حضرت عائشہ ؓ بھی کھڑی نماز پڑھ رہی تھیں۔ میں نے پوچھا: لوگوں کو کیا حالت درپیش ہے؟ انھوں نے اپنے ہاتھ سے آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سبحان اللہ کہا۔ میں نے کہا: اللہ کی طرف سے کوئی نشانی ہے؟ انھوں نے اشارے سے ہاں میں جواب دیا۔ حضرت اسماء فرماتی ہیں: میں بھی نماز کے

---

1 فتح الباري 697/2۔ 2 صحیح البخاري، الأذان، حدیث: 745۔ 3 صحیح البخاري، الأذان، حدیث: 749۔
4 فتح الباري 700/2۔

وَأَصُبُّ فَوْقَ رَأْسِي الْمَاءَ. فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ: «مَا مِنْ شَيْءٍ كُنْتُ لَمْ أَرَهُ إِلَّا وَقَدْ رَأَيْتُهُ فِي مَقَامِي هٰذَا حَتَّى الْجَنَّةَ وَالنَّارَ، وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّكُمْ تُفْتَنُونَ فِي الْقُبُورِ مِثْلَ أَوْ قَرِيبًا مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ - لَا أَدْرِي أَيَّتَهُمَا قَالَتْ أَسْمَاءُ - يُؤْتَى أَحَدُكُمْ فَيُقَالُ لَهُ: مَا عِلْمُكَ بِهٰذَا الرَّجُلِ؟ فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ أَوِ الْمُوقِنُ - لَا أَدْرِي أَيَّ ذٰلِكَ قَالَتْ أَسْمَاءُ - فَيَقُولُ: مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ ﷺ جَاءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَالْهُدٰى، فَأَجَبْنَا وَآمَنَّا وَاتَّبَعْنَا. فَيُقَالُ لَهُ: نَمْ صَالِحًا، فَقَدْ عَلِمْنَا إِنْ كُنْتَ لَمُوقِنًا، وَأَمَّا الْمُنَافِقُ أَوِ الْمُرْتَابُ - لَا أَدْرِي أَيَّتَهُمَا قَالَتْ أَسْمَاءُ - فَيَقُولُ: لَا أَدْرِي، سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ شَيْئًا فَقُلْتُهُ» [راجع ٨٦]

لیے کھڑی ہو گئی حتی کہ (طویل قیام کی وجہ سے) مجھے چکر آنے لگے تو میں نے اپنے سر پر پانی ڈالنا شروع کر دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: ''کوئی چیز ایسی نہیں جسے میں نے پہلے نہ دیکھا تھا مگر میں نے اسے اس مقام پر کھڑے دیکھ لیا ہے حتی کہ جنت اور دوزخ کا بھی مشاہدہ کر لیا ہے۔ میری طرف وحی بھیجی گئی ہے کہ تم لوگ فتنۂ دجال کی طرح یا اس کے قریب قریب قبروں میں امتحان سے دوچار ہو گے۔ .. حضرت فاطمہ بنت منذر کہتی ہیں، میں نہیں جانتی کہ اسماء نے مثل یا قریب میں سے کون سا لفظ کہا... تم میں سے کسی کو لایا جائے گا اور اس سے پوچھا جائے گا: اس شخص کے متعلق تم کیا جانتے ہو؟ ایمان یا یقین والا ... فاطمہ کہتی ہیں: مجھے معلوم نہیں کہ اسماء نے مومن یا موقن میں سے کون سا لفظ کہا ... وہ کہے گا: یہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں جنھوں نے ہمارے سامنے صحیح راستہ اور اس کے دلائل پیش کیے۔ ہم نے ان کی دعوت کو قبول کیا اور ایمان لے آئے اور ان کی پیروی کی۔ اس سے کہا جائے گا: تو آرام اور سکون سے سو جا۔ ہمیں تو پہلے ہی معلوم تھا کہ تو ایمان ویقین والا ہے۔ لیکن منافق یا شک کرنے والا...... حضرت فاطمہ کہتی ہیں کہ میں نہیں جانتی کہ اسماء نے منافق یا مرتاب میں سے کون سا لفظ کہا... کہے گا: میں ان کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔ میں نے لوگوں سے سنا وہ کچھ بات کہتے تھے تو میں بھی وہی کہنے لگا۔''

فائدہ: امام نووی ؒ اور بعض اہل کوفہ کا خیال ہے کہ عورتیں مردوں کے ہمراہ نماز کسوف ادا نہ کریں بلکہ وہ انفرادی طور پر نماز ادا کریں، لیکن اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں نے مردوں کے ساتھ یہ نماز ادا کی۔ صحیح مسلم کی روایت میں ہے، حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں: میں دیگر خواتین کے ہمراہ حجروں کے درمیان سے گزرتی ہوئی مسجد میں آئی۔[1] اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ اس نماز کی ادائیگی کے لیے عورتیں مردوں سے پیچھے ہی کچھ فاصلے پر تھیں جیسا کہ دیگر نمازوں کے وقت مسجد کی پچھلی

---

1. صحیح مسلم، الکسوف، حدیث: 2099 (903).

صفوں میں ہوتی تھیں، لہٰذا سورج گرہن کے وقت مردوں کے ہمراہ نماز کسوف ادا کرنے میں چنداں حرج نہیں۔

(۱۱) بَابُ مَنْ أَحَبَّ الْعَتَاقَةَ فِي كُسُوفِ الشَّمْسِ

باب: 11- جس نے گرہن کے وقت غلام آزاد کرنے کو ایک بہترین عمل خیال کیا

۱۰۵٤ - حَدَّثَنَا رَبِيعُ بْنُ يَحْيَى قَالَ: حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ فَاطِمَةَ، عَنْ أَسْمَاءَ قَالَتْ: لَقَدْ أَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ بِالْعَتَاقَةِ فِي كُسُوفِ الشَّمْسِ. [راجع: ۸٦]

[1054] حضرت اسماء بنت ابی بکر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے سورج گرہن کے وقت غلام آزاد کرنے کا حکم فرمایا تھا۔

فوائد و مسائل: ① عام حالات میں غلام آزاد کرنا ایک پسندیدہ عمل ہے لیکن گرہن کے وقت اس کا اہتمام کرنا خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ہمیں گرہن کے وقت غلام آزاد کرنے کا حکم دیا جاتا تھا۔[2] ② جس انسان میں غلام آزاد کرنے کی ہمت نہ ہو اسے چاہیے کہ اس عام حدیث پر عمل کرے جس میں ہے: "آگ سے بچو اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی صدقہ کرنا پڑے۔"[3] بہرحال ایسے حالات میں صدقہ و خیرات کرنا ایک پسندیدہ عمل ہے۔

(۱۲) بَابُ صَلَاةِ الْكُسُوفِ فِي الْمَسْجِدِ

باب: 12- نماز کسوف مسجد میں ادا کرنا

۱۰۵۵ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا: أَنَّ يَهُودِيَّةً جَاءَتْ تَسْأَلُهَا فَقَالَتْ: أَعَاذَكِ اللّٰهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، فَسَأَلَتْ عَائِشَةُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ: أَيُعَذَّبُ النَّاسُ فِي قُبُورِهِمْ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَائِذًا بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ. [راجع: ۱۰٤۹]

[1055] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت ان سے کچھ مانگنے آئی اور کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو عذاب قبر سے محفوظ رکھے۔ حضرت عائشہ ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: آیا لوگوں کو ان کی قبروں میں عذاب ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا: "میں خود عذاب قبر سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔"

۱۰۵٦ - ثُمَّ رَكِبَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ غَدَاةٍ مَرْكَبًا فَكَسَفَتِ الشَّمْسُ فَرَجَعَ ضُحًى فَمَرَّ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بَيْنَ ظَهْرَانَيِ الْحُجَرِ ثُمَّ قَامَ

[1056] پھر ایک دن رسول اللہ ﷺ صبح سویرے (کہیں جانے کے لیے) سواری پر سوار ہوئے جبکہ سورج کو گرہن لگ چکا تھا، چنانچہ چاشت کے وقت واپس تشریف

---

1 فتح الباري: 2/701۔ 2 صحيح البخاري، العتق، حديث: 2520۔ 3 صحيح البخاري، الزكاة، حديث: 1417، و صحيح مسلم، الزكاة، حديث: 2347 (1016)۔

فَصَلّٰى وَقَامَ النَّاسُ وَرَاءَهُ، فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا، ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَفَعَ فَسَجَدَ سُجُودًا طَوِيلًا، ثُمَّ قَامَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ قَامَ قِيَامًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ سَجَدَ وَهُوَ دُونَ السُّجُودِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ انْصَرَفَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَقُولَ، ثُمَّ أَمَرَهُمْ أَنْ يَتَعَوَّذُوا مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ. [راجع: ١٠٤٤]

لے آئے اور حجروں کے درمیان سے گزرتے ہوئے (مسجد میں گئے) اور کھڑے ہو کر نماز شروع کر دی۔ لوگ بھی آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ آپ نے لمبا قیام کیا، پھر لمبا رکوع کیا، اس کے بعد سر اٹھا کر قیام کیا جو پہلے قیام سے کم تھا۔ پھر لمبا رکوع کیا جو پہلے رکوع سے کم تھا، اس کے بعد سر اٹھایا اور لمبا سجدہ کیا۔ پھر آپ کھڑے ہوئے اور لمبا قیام کیا جو پہلے قیام سے کم تھا، پھر لمبا رکوع کیا جو پہلے رکوع سے کم تھا۔ پھر لمبا قیام فرمایا جو پہلے قیام سے کم تھا، پھر لمبا رکوع کیا جو پہلے رکوع سے کم تھا، اس کے بعد سجدہ کیا جو پہلے سجدوں سے کم تھا۔ پھر نماز سے فارغ ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ فرمایا جو اللہ نے چاہا۔ اس کے بعد آپ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ عذاب قبر سے پناہ مانگیں۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں اگرچہ نماز کسوف مسجد میں ادا کرنے کی صراحت نہیں لیکن حجروں کے درمیان سے گزر کر آپ مسجد ہی میں تشریف لائے ہیں جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں دیگر عورتوں کے ہمراہ حجروں کے درمیان سے ہوتی ہوئی مسجد میں آئی اور رسول اللہ ﷺ اپنی سواری سے اتر کر سیدھے وہاں آئے جہاں آپ نماز پڑھتے تھے۔[1] ② صحیح بات یہ ہے کہ نماز کسوف مسجد میں ادا کرنا مسنون ہے۔ اگر یہ عمل مسجد میں ادا کرنا مسنون نہ ہوتا تو اسے کھلے میدان میں ادا کرنا زیادہ مناسب تھا کیونکہ اس سے سورج کے روشن ہونے کا جلدی پتہ چل جاتا ہے۔[2] واللہ أعلم۔

(١٣) بَابٌ: لَا تَنْكَسِفُ الشَّمْسُ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ

باب: 13- کسی کی موت و حیات کے باعث سورج کو گرہن نہیں لگتا

رَوَاهُ أَبُو بَكْرَةَ، وَالْمُغِيرَةُ، وَأَبُو مُوسَى وَابْنُ عَبَّاسٍ، وَابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ.

اس حدیث کو حضرت ابوبکرہ، حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم نے بیان کیا ہے۔

وضاحت: ان میں سے اکثر احادیث پہلے گزر چکی ہیں، چنانچہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث: 1040 کے تحت، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث: 1043 کے تحت، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث آئندہ: 1059 کے تحت، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث

[1] صحيح مسلم، الكسوف، حديث: 2098 (903). [2] فتح الباري: 702/2.

1052 کے تحت اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث: 1042 کے تحت ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

١٠٥٧ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنِي قَيْسٌ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ، وَلٰكِنَّهُمَا آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُمَا فَصَلُّوا». [راجع: ١٠٤١]

[1057] حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سورج اور چاند کسی کی موت و حیات کے باعث بے نور نہیں ہوتے، بلکہ یہ دونوں اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، جب تم انھیں دیکھو تو نماز پڑھو۔"

فائدہ: حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کے علاوہ متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ روایت منقول ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم میں، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت نعمان بن بشیر، حضرت قبیصہ ہلالی اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے سنن نسائی میں، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت سمرہ بن جندب اور حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہم سے مسند امام احمد میں، حضرت عقبہ بن عامر اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما سے معجم طبرانی میں حدیث کے مذکورہ الفاظ مروی ہیں۔ ان روایات سے قطعی طور پر اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حقیقت پر مبنی بات ارشاد فرمائی ہے۔ ان الفاظ سے ان لوگوں کا جھوٹ ثابت ہوتا ہے جو کہتے ہیں کہ سورج یا چاند کے گرہن میں کسی کی موت و حیات کا دخل ہے۔[1]

١٠٥٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَهِشَامِ ابْنِ عُرْوَةَ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ فَصَلَّى بِالنَّاسِ فَأَطَالَ الْقِرَاءَةَ، ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوعَ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَأَطَالَ الْقِرَاءَةَ وَهِيَ دُونَ قِرَاءَتِهِ فِي الْأُولَى ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوعَ دُونَ رُكُوعِهِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، ثُمَّ قَامَ فَصَنَعَ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ قَامَ فَقَالَ: «إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ، وَلٰكِنَّهُمَا آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ يُرِيهِمَا

[1058] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں سورج گرہن ہوا تو نبی ﷺ لوگوں کو نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے، چنانچہ آپ نے قیام میں طویل قراءت کی، پھر لمبا رکوع فرمایا۔ اس کے بعد جب اپنا سر اٹھایا تو قیام میں پھر لمبی قراءت کی جو پہلی قراءت سے قدرے کم تھی۔ اس کے بعد آپ نے رکوع کیا جو پہلے رکوع سے کچھ مختصر تھا، پھر اپنا سر مبارک اٹھایا اور دو سجدے کیے۔ پھر کھڑے ہوئے تو دوسری رکعت میں بھی اسی طرح کیا۔ اس کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا: "یہ سورج اور چاند کسی کی موت و حیات کے باعث بے نور نہیں ہوتے بلکہ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دکھاتا ہے۔ جب تم اس قسم کا

[1] فتح الباری: 2/703.

عِبَادَهُ فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذٰلِكَ فَافْزَعُوا إِلَى الصَّلَاةِ». [راجع: ١٠٤٤]

حادثہ دیکھو تو جلدی نماز کی طرف عاجزی کرتے ہوئے آؤ۔"

فائدہ: مصنف عبدالرزاق میں روایت کے آخر میں یہ اضافہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم اس قسم کا حادثہ دیکھو تو صدقہ و خیرات کرو۔"¹ اس سے معلوم ہوا کہ گرہن کے وقت نماز پڑھنا، ذکر کرنا، توبہ و استغفار اور صدقہ و خیرات کرنا مستحب ہے کیونکہ ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ مصائب اور پریشانیاں دور کرتا ہے۔ واللہ أعلم.

(١٤) بَابُ الذِّكْرِ فِي الْكُسُوفِ

باب: 14- کسوف میں ذکر کرنا

رَوَاهُ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا.

اس (مضمون کی) روایت کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے۔

وضاحت: یہ روایت قبل ازیں متصل سند سے بیان ہو چکی ہے۔ اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ایسے موقع پر اللہ کا ذکر کرو۔"²

١٠٥٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ: خَسَفَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ فَزِعًا يَخْشَى أَنْ تَكُونَ السَّاعَةُ، فَأَتَى الْمَسْجِدَ فَصَلَّى بِأَطْوَلِ قِيَامٍ وَرُكُوعٍ وَسُجُودٍ رَأَيْتُهُ قَطُّ يَفْعَلُهُ، وَقَالَ: «هٰذِهِ الْآيَاتُ الَّتِي يُرْسِلُ اللهُ لَا تَكُونُ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ، وَلٰكِنْ يُخَوِّفُ اللهُ بِهَا عِبَادَهُ، فَإِذَا رَأَيْتُمْ شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ فَافْزَعُوا إِلَى ذِكْرِ اللهِ وَدُعَائِهِ وَاسْتِغْفَارِهِ».

[1059] حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ ایک دفعہ آفتاب گرہن ہوا تو نبی ﷺ خوفزدہ ہو کر کھڑے ہو گئے۔ آپ گھبرائے کہ شاید قیامت آ گئی ہے۔ پھر آپ مسجد میں تشریف لائے اور اتنے طویل قیام، رکوع اور سجود کے ساتھ نماز پڑھائی کہ اتنی طویل نماز پڑھاتے میں نے آپ کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا: "یہ نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈرانے کے لیے بھیجتا ہے۔ یہ کسی کے مرنے جینے کی وجہ سے ظہور پذیر نہیں ہوتیں، لہٰذا جب تم ایسا دیکھو تو ذکر الٰہی کی طرف توجہ کرو، نیز دعا اور استغفار بھی خوب کرو۔"

فوائد و مسائل: ① قیامت آنے کی تمثیل راوی کی طرف سے ہے، گویا رسول اللہ ﷺ ایسے خوفزدہ ہوئے جیسے کوئی قیامت کے آ جانے سے ڈرتا ہے ورنہ آپ جانتے تھے کہ میری موجودگی میں قیامت نہیں آئے گی۔ بہرحال ایسے حالات میں استغفار کرنا چاہیے کیونکہ دفع بلا کے لیے یہ نسخہ کیمیا ہے۔ ② اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے سورج اور چاند گرہن لگنے کی حقیقت ایسے جامع الفاظ میں بیان کی ہے کہ موجودہ سائنس کی تمام معلومات اس ایک جملے میں مدغم ہو کر رہ گئی ہیں۔ بلاشبہ سائنس کی جملہ

---

¹ فتح الباري: 704/2. ² صحيح البخاري، الكسوف، حديث: 1052.

اختراعات سب اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ ان سب کا موجد وہی ہے جس نے ان ایجادات کے لیے انسان کو ایک بیش بہا دماغ عطا فرمایا ہے۔ فتبارك الله أحسن الخالقين.

(١٥) بَابُ الدُّعَاءِ فِي الْكُسُوفِ

باب: 15- گرہن کے وقت دعا کرنا

قَالَهُ أَبُو مُوسَى وَعَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

اس (حقیقت) کو ابوموسیٰ اشعری اور حضرت عائشہ ؓ نے نبی ﷺ سے بیان کیا ہے

وضاحت: حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ سے مروی حدیث: 1059 اور حضرت عائشہ ؓ کی حدیث: 1044 کے تحت گزر چکی ہے جس میں ایسے حالات میں اللہ سے دعا کرنے کا ذکر ہے۔

١٠٦٠ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ: حَدَّثَنَا زَائِدَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ عِلَاقَةَ قَالَ: سَمِعْتُ الْمُغِيرَةَ بْنَ شُعْبَةَ يَقُولُ: انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ يَوْمَ مَاتَ إِبْرَاهِيمُ، فَقَالَ النَّاسُ: انْكَسَفَتْ لِمَوْتِ إِبْرَاهِيمَ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُمَا فَادْعُوا اللهَ وَصَلُّوا حَتَّى يَنْجَلِيَ». [راجع: ١٠٤٣]

[1060] حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ابراہیم ؓ کی وفات کے دن جب سورج کو گرہن لگا تو لوگوں نے مشہور کر دیا کہ ابراہیم ؓ کی وفات کی وجہ سے سورج کو گرہن لگا ہے۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے دو نشانیاں ہیں۔ انھیں کسی کی موت و حیات کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا۔ جب تم انھیں اس حادثے سے دوچار دیکھو تو اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو اور نماز پڑھو یہاں تک کہ یہ روشن ہو جائیں۔"

فائدہ: بعض حضرات کا خیال ہے کہ سورج گرہن کے وقت ذکر و دعا کرنے سے مراد نماز پڑھنا ہے کیونکہ یہ دونوں نماز کے اہم اجزاء سے ہیں لیکن حدیث ابی بکرہ میں ہے کہ سورج گرہن کے وقت نماز پڑھو اور دعا مانگو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے موقع پر دعا اور ذکر کرنا مستقل طور پر مطلوب ہیں، چنانچہ حضرت ابن عباس ؓ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ ایسے موقع پر اللہ کا ذکر کرو، اس کی کبریائی بیان کرو اور تسبیح و تحلیل کرو۔[1]

(١٦) بَابُ قَوْلِ الْإِمَامِ فِي خُطْبَةِ الْكُسُوفِ: أَمَّا بَعْدُ

باب: 16- گرہن کے دوران خطبے میں امام کا اما بعد کہنا

١٠٦١ - وَقَالَ أَبُو أُسَامَةَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ: أَخْبَرَتْنِي فَاطِمَةُ بِنْتُ الْمُنْذِرِ عَنْ أَسْمَاءَ قَالَتْ:

[1061] حضرت اسماء بنت ابی بکر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ جب نماز کسوف سے فارغ

[1] فتح الباري: 705/2.

فَانْصَرَفَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ فَخَطَبَ فَحَمِدَ اللهَ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، ثُمَّ قَالَ: «أَمَّا بَعْدُ». [راجع: ٨٦]

ہونے تو سورج روشن ہو چکا تھا۔ آپ نے خطبہ دیا، اس میں اللہ تعالیٰ کی شایان شان حمد وثنا بیان کی، پھر فرمایا: "اما بعد۔"

فائدہ: خطبۂ جمعہ میں بھی اما بعد کہنے کے متعلق امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک عنوان قائم کیا تھا جس کی وضاحت ہم پہلے کر چکے ہیں۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز کسوف کے بعد خطبہ دینا مستحب ہے۔[1]

(١٧) بَابُ الصَّلَاةِ فِي كُسُوفِ الْقَمَرِ

باب: 17- چاند گرہن کے وقت نماز پڑھنا

١٠٦٢ - حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَامِرٍ عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ. [راجع: ١٠٤٠]

[1062] حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ کے عہد مبارک میں سورج گرہن ہوا تو آپ نے دو رکعت پڑھائیں۔

١٠٦٣ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ قَالَ: حَدَّثَنَا يُونُسُ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ: خَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ فَخَرَجَ يَجُرُّ رِدَاءَهُ حَتَّى انْتَهَى إِلَى الْمَسْجِدِ وَثَابَ النَّاسُ إِلَيْهِ فَصَلَّى بِهِمْ رَكْعَتَيْنِ، فَانْجَلَتِ الشَّمْسُ فَقَالَ: «إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ وَإِنَّهُمَا لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ، وَإِذَا كَانَ ذَلِكَ فَصَلُّوا وَادْعُوا حَتَّى يُكْشَفَ مَا بِكُمْ»، وَذَلِكَ أَنَّ ابْنًا لِلنَّبِيِّ ﷺ مَاتَ يُقَالُ لَهُ: إِبْرَاهِيمُ، فَقَالَ النَّاسُ فِي ذَلِكَ. [راجع: ١٠٤٠]

[1063] حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ کی حیات طیبہ میں سورج گہن ہوا تو آپ اپنی چادر کو گھسیٹتے ہوئے باہر تشریف لائے یہاں تک کہ مسجد میں پہنچ گئے۔ لوگ آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ آپ نے انھیں دو رکعت پڑھائیں۔ جب سورج روشن ہو گیا تو آپ نے فرمایا: "سورج اور چاند اللہ کی (عظمت کی) نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ یہ کسی کے مرنے کی بنا پر بے نور نہیں ہوتے۔ جب ایسا ہو تو نماز پڑھو اور اللہ سے دعا کرو حتی کہ گرہن ختم ہو جائے۔" چونکہ نبی ﷺ کے لخت جگر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا انتقال ہوا تھا جس کی بنا پر لوگوں نے چہ میگوئیاں کرنا شروع کر دی تھیں، اس لیے آپ نے اس کی وضاحت فرمائی۔

فوائد ومسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو پہلے اختصار، پھر تفصیل سے بیان کیا ہے جس میں وضاحت ہے کہ سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ جب انھیں گرہن لگے تو نماز پڑھو۔ اس سے امام بخاری رحمہ اللہ نے

[1] فتح الباري: 2/672.

خسوف قمر کے موقع پر نماز کو ثابت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں وضاحت ہے کہ سورج اور چاند سے کسی کو بھی گرہن لگ جائے تو نماز پڑھو۔② بعض حضرات کا خیال ہے کہ رات کے وقت لوگوں کو آنے جانے میں مشقت ہوتی ہے، اس لیے چاند گرہن کے موقع پر نماز پڑھنا مشروع نہیں لیکن ان احادیث کی روشنی میں مذکورہ موقف محل نظر ہے۔

(١٨) بَابٌ: اَلرَّكْعَةُ الْأُولَى فِي الْكُسُوفِ أَطْوَلُ

باب: 18- نماز کسوف میں پہلے رکوع کا طویل ہونا

١٠٦٤ - أَخْبَرَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ يَحْيَى، عَنْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى بِهِمْ فِي كُسُوفِ الشَّمْسِ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِي سَجْدَتَيْنِ، الْأَوَّلُ وَالْأَوَّلُ أَطْوَلُ. [راجع: ١٠٤٤]

[1064] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے سورج گرہن کے وقت لوگوں کو دو رکعت پڑھائیں جن میں چار رکوع تھے۔ ہر پہلا رکوع دوسرے سے طویل تر تھا۔

فائدہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز کسوف میں پہلا رکوع دوسرے سے اور دوسرا تیسرے اور تیسرا چوتھے سے طویل تر تھا۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ پہلی رکعت دوسری رکعت سے طویل تھی کیونکہ اس میں قیام اور رکوع طویل ہوتا تھا۔

(١٩) بَابُ الْجَهْرِ بِالْقِرَاءَةِ فِي الْكُسُوفِ

باب: 19- نماز کسوف میں باآواز بلند قراءت کرنا

١٠٦٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مِهْرَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ نَمِرٍ: سَمِعَ ابْنَ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: جَهَرَ النَّبِيُّ ﷺ فِي صَلَاةِ الْخُسُوفِ بِقِرَاءَتِهِ، فَإِذَا فَرَغَ مِنْ قِرَاءَتِهِ كَبَّرَ فَرَكَعَ، وَإِذَا رَفَعَ مِنَ الرَّكْعَةِ قَالَ: «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ». ثُمَّ يُعَاوِدُ الْقِرَاءَةَ فِي صَلَاةِ الْكُسُوفِ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِي رَكْعَتَيْنِ، وَأَرْبَعَ سَجَدَاتٍ. [راجع: ١٠٤٤]

[1065] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے نماز خسوف میں باآواز بلند قراءت فرمائی۔ جب قراءت سے فارغ ہوئے تو اللّٰہ اکبر کہا اور رکوع کیا۔ پھر جب رکوع سے اپنا سر اٹھایا تو سمع اللّٰہ لمن حمده ربنا ولك الحمد کہا۔ پھر آپ نے دوبارہ قراءت کا آغاز فرمایا۔ آپ نے نماز کسوف میں دو رکعات میں چار رکوع اور چار سجدے کیے۔

١٠٦٦ - وَقَالَ الْأَوْزَاعِيُّ وَغَيْرُهُ: سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ

[1066] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں سورج گرہن ہوا تو آپ

عَنْهَا. أَنَّ الشَّمْسَ خَسَفَتْ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَبَعَثَ مُنَادِيًا بِـ: اَلصَّلَاةُ جَامِعَةٌ، فَتَقَدَّمَ فَصَلَّى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِي رَكْعَتَيْنِ وَأَرْبَعَ سَجَدَاتٍ. قَالَ الْوَلِيدُ: وَأَخْبَرَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنُ نَمِرٍ: سَمِعَ ابْنَ شِهَابٍ مِثْلَهُ.

نے ایک منادی کرنے والے کو تعینات کیا جو الصلاۃ جامعۃ کا اعلان کر رہا تھا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ آگے بڑھے اور دو رکعات میں چار رکوع اور چار سجدے کیے۔ ولید کہتے ہیں: عبدالرحمن بن نمر نے مجھے بتایا کہ انھوں نے بھی امام زہری سے اسی طرح سنا ہے۔

قَالَ الزُّهْرِيُّ: فَقُلْتُ: مَا صَنَعَ أَخُوكَ ذٰلِكَ عَبْدُ اللهِ بْنُ الزُّبَيْرِ، مَا صَلّٰى إِلَّا رَكْعَتَيْنِ مِثْلَ الصُّبْحِ إِذْ صَلّٰى بِالْمَدِينَةِ قَالَ: أَجَلْ، إِنَّهُ أَخْطَأَ السُّنَّةَ. تَابَعَهُ سُلَيْمَانُ بْنُ كَثِيرٍ وَسُفْيَانُ ابْنُ حُسَيْنٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ فِي الْجَهْرِ. [راجع: 1044]

امام زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے حضرت عروہ رحمہ اللہ سے کہا: آپ کے بھائی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے تو ایسا نہیں کیا تھا۔ انھوں نے جب مدینہ طیبہ میں گرہن کے موقع پر نماز پڑھی تھی تو صبح کی نماز کی طرح صرف دو رکعت ہی ادا کی تھیں۔ انھوں نے کہا: ہاں، لیکن ان سے سنت میں خطا سرزد ہوگئی۔ سلیمان بن کثیر اور سفیان بن حسین نے امام زہری سے جہری قراءت کے سلسلے میں ابن نمر کی متابعت کی ہے۔

فوائد و مسائل: (1) بعض حضرات نے لفظ خسوف کی بنا پر موقف اختیار کیا ہے کہ جہری قراءت چاند گرہن کے وقت تھی، حالانکہ ایک روایت میں ہے کہ جہری قراءت کا اہتمام سورج گرہن کے وقت ہوا تھا۔ بہر حال گرہن کے وقت باآواز بلند قراءت کرنی چاہیے۔ (2) سلیمان بن کثیر کی متابعت کو مسند ابوداود طیالسی میں متصل سند سے بیان کیا گیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سورج گرہن کی نماز میں باآواز بلند قراءت کی تھی۔ سفیان بن حسین کی متابعت کو امام ترمذی اور علامہ طحاوی رحمہ اللہ نے متصل سند سے بیان کیا ہے جس میں صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز کسوف میں اونچی آواز سے قراءت کی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی جہری قراءت کے متعلق مرفوع اور موقوف دونوں روایات مروی ہیں۔ چونکہ اس نماز کا باقاعدہ اعلان ہوتا ہے، پھر خطبہ بھی دیا جاتا ہے، اس لیے نماز عید کی طرح اس میں باآواز بلند قراءت کرنا ہی مستحب ہے۔[1] واللہ أعلم.

[1] فتح الباري: 2/709، 710.

سجدۂ تلاوت کی اہمیت، کیفیت اور تعداد

سجدۂ تلاوت کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے بخوبی کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان لوگوں کی تعریف کی ہے جو اس کا کلام سن کر سجدے میں گر جاتے ہیں اور ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو کلام الٰہی سن کر سجدہ ریز نہیں ہوتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مِن قَبْلِهِ إِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ يَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ سُجَّدًا﴾ "اس قرآن سے پہلے جنھیں علم دیا گیا ہے جب انھیں پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر جاتے ہیں۔"[1]

ایک دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَٰنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا﴾ "برگزیدہ لوگوں پر جب اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ روتے ہوئے سجدے میں گر جاتے ہیں۔"[2]

دوسرے لوگوں پر بایں الفاظ عتاب فرمایا: ﴿فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ﴾ "پھر ان (کفار) کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔ اور جب ان پر قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے۔"[3]

سجدۂ تلاوت بجا لانے سے شیطان روتا پیٹتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب ابن آدم کسی سجدے والی آیت کو تلاوت کرتا اور پھر سجدہ کرتا ہے تو شیطان روتا ہوا اس سے علیحدہ ہو جاتا ہے اور کہتا ہے: ہائے میری ہلاکت، ابن آدم کو سجدے کا حکم دیا گیا تو اس نے سجدہ کر لیا، لہٰذا اس کے لیے جنت ہے اور مجھے سجدے کا حکم دیا گیا تو میں نے انکار کر دیا، لہٰذا میرے لیے جہنم ہے۔"[4]

سجدۂ تلاوت کی حیثیت کیا ہے؟ ان کی تعداد کتنی ہے؟ نماز میں یا نماز کے علاوہ سجدۂ تلاوت مشروع ہے؟ سجدۂ تلاوت کی شرائط کیا ہیں؟ اس میں کون سی دعا پڑھنی ہے؟ ایک مجلس میں بار بار آیت سجدہ تلاوت کی جائے تو کیا حکم ہے؟ سجدۂ تلاوت کا کیا طریقہ ہے؟ کیا اس کے بعد سلام پھیرنا ہے؟ نیز کیا آیت سجدہ سننے پر سجدہ کرنا مشروع ہے؟ اور اس طرح کے دیگر مسائل کے متعلق امام بخاری رحمہ اللہ نے تقریباً پندرہ (15) احادیث پیش کی ہیں اور ان پر بارہ (12) عنوان قائم کر کے سجدۂ تلاوت سے متعلق متعدد احکام و مسائل کا استنباط کیا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر اسنادی حقائق و رموز بھی ذکر

---

1 بنی إسرائیل 17: 107. 2 مریم 19: 58. 3 الانشقاق 84: 20، 21. 4 صحیح مسلم، الإیمان، حدیث: 244 (81).

کیے ہیں جنھیں ہم ان شاء اللہ تفصیل سے بیان کریں گے۔

واضح رہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس بڑے عنوان کے تحت پندرہ (15) احادیث بیان کی ہیں جن میں دو (2) معلق اور نو (9) مکرر ہیں۔ خالص احادیث کی تعداد چھ (6) ہے۔ امام مسلم نے دو (2) احادیث کے علاوہ دیگر احادیث کو اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔ مرفوع احادیث کے علاوہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام کے سات (7) آثار بھی ذکر کیے ہیں۔

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ وہ اپنی زندگی میں عملی تبدیلی لانے کے لیے صحیح بخاری کا مطالعہ کریں۔ اسے پڑھتے وقت ہماری معروضات کو بھی مدنظر رکھیں، اس طرح جہاں ہمارے قلوب واذہان میں کشادگی پیدا ہوگی وہاں امام بخاری رحمہ اللہ سے تعلق خاطر کے لیے بھی راستہ ہموار ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ کی سفارش کا حق دار بنائے اور زمرۂ محدثین سے اٹھائے۔ آمین۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

17 - أَبْوَابُ سُجُودِ الْقُرْآنِ وَ سُنَّتِهَا

سجود قرآن اوران کے طریقۂ کار کا بیان

(١) [بَابُ مَا جَاءَ فِي سُجُودِ الْقُرْآنِ وَسُنَّتِهَا]

باب: 1- سجود قرآن اوران کے طریقے کے متعلق جو وارد ہے

١٠٦٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ: سَمِعْتُ الْأَسْوَدَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَرَأَ النَّبِيُّ ﷺ النَّجْمَ بِمَكَّةَ فَسَجَدَ فِيهَا وَسَجَدَ مَنْ مَعَهُ غَيْرَ شَيْخٍ أَخَذَ كَفًّا مِنْ حَصًى أَوْ تُرَابٍ فَرَفَعَهُ إِلَى جَبْهَتِهِ وَقَالَ: يَكْفِينِي هٰذَا، فَرَأَيْتُهُ بَعْدَ ذٰلِكَ قُتِلَ كَافِرًا. [انظر: ١٠٧٠، ٣٨٥٣، ٣٩٧٢، ٤٨٦٣]

[1087] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ نے مکہ مکرمہ میں سورۂ نجم تلاوت فرمائی تو آپ نے سجدہ کیا۔ آپ کے ساتھ جو لوگ تھے ان سب نے سجدہ کیا۔ ایک عمر رسیدہ شخص کے علاوہ (کہ وہ سجدہ ریز نہ ہوا)، اس نے مٹھی بھر کنکریاں یا مٹی لے کر اسے اپنی پیشانی تک اٹھایا اور کہنے لگا: مجھے یہی کافی ہے۔ اس کے بعد میں نے اسے دیکھا کہ وہ بحالت کفر قتل ہوا۔

فوائد و مسائل: ⓵ ایک روایت میں ہے کہ سورۂ نجم پہلی سورت ہے جس میں سجدۂ تلاوت کا نزول ہوا۔[1] یہی وجہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ سجدہ ہائے تلاوت کے سلسلے میں اس حدیث کو پہلے لائے ہیں۔ لیکن اعتراض ہو سکتا ہے کہ سورۂ علق اس سے قبل نازل ہوئی تھی جس میں سجدۂ تلاوت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سورۂ علق کی ابتدائی پانچ آیات پہلے نازل ہوئی تھیں جن میں سجدۂ تلاوت نہیں ہے اور سجدے پر مشتمل آیات کا نزول سورۂ نجم کے بعد ہوا ہے، یعنی سورۂ نجم پہلی سورت ہے جس میں سجدۂ تلاوت بھی ہے اور اسے رسول اللہ ﷺ نے علانیہ طور پر مشرکین مکہ کے سامنے پڑھ کر سنایا ہے۔[2] ⓶ اس میں اس کے طریقے کی طرف بھی اشارہ ہے کہ سجدہ زمین پر ہونا چاہیے۔ مٹی یا کنکریاں ہاتھ میں لے کر پیشانی پر رکھ لینا مشرکین کا طریقہ ہے۔ مسلمان کی شان کے خلاف ہے۔ ⓷ ایک روایت میں اس عمر رسیدہ شخص کی صراحت ہے جس نے سجدۂ تلاوت نہیں کیا تھا۔ وہ

---

1 صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4863. 2 فتح الباري: 712/2.

امیہ بن خلف تھا جس نے مٹی ہاتھ میں لے کر اس پر اپنا ماتھا ٹیک دیا تھا۔[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ سورۂ نجم کی تلاوت کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ مسلمانوں کے ساتھ مشرکین نے بھی سجدہ کیا تھا۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اہل مکہ کو اسلام کی دعوت دی تو تمام لوگوں نے اس دعوت کو قبول کر لیا تھا۔ اس وقت اتنے لوگ آپ کے ساتھ تھے کہ بھیڑ کی وجہ سے کچھ لوگوں کو سجدۂ تلاوت کرنے کے لیے جگہ نہ ملتی تھی لیکن جب قریش کے سردار ولید بن مغیرہ اور ابوجہل وغیرہ طائف سے مکہ آئے تو ان کے گمراہ کرنے سے مشرکین اپنے آبائی دین کی طرف واپس لوٹ گئے۔ یہ لوگ اپنے سرداروں کو خوش کرنے کے لیے مرتد ہوئے تھے۔ دین اسلام سے بیزار ہو کر کوئی آدمی مرتد نہیں ہوا جیسا کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے حدیث ہرقل میں اس کا اعتراف کیا تھا۔[2] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مشرکین کے سجدہ کرنے کی بھی ایک وجہ بیان کی ہے۔[3] تحقیق انھیں نقل واقعہ کے وقت ان کی موجودہ حالت کی وجہ سے مشرکین کہا گیا ہے کیونکہ اعتبار انجام کا ہوتا ہے۔ واللہ أعلم. چونکہ اس روایت میں معبودان باطلہ لات، مناۃ اور عزیٰ کا ذکر ہے، اس لیے بعض حضرات نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب سورۂ نجم کی تلاوت فرمائی تو مشرکین خوشی میں آ کر اس قدر حواس باختہ ہوئے کہ مسلمانوں کے ساتھ وہ بھی سجدے میں گر گئے۔ واضح رہے کہ اس سلسلے میں جو غرانیق کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے وہ سرے سے بے بنیاد اور غلط ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ شرح تراجم بخاری میں لکھتے ہیں: حق یہ ہے کہ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کا جلال و جبروت دیکھ کر اور قرآن کریم کے مواعظ عظیمہ سے متاثر ہو کر سجدہ کیا، ان کے ہاں کوئی اختیار ہی باقی نہیں رہا تھا اور یہ کوئی بعید از عقل بات نہیں۔

(٢) بَابُ سَجْدَةِ ﴿تَنْزِيلُ﴾ السَّجْدَةُ

باب: 2- "الٓمٓ تنزیل السجدة" میں سجدہ ہے

١٠٦٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْجُمُعَةِ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ ﴿الٓمٓ تَنْزِيلُ﴾ السَّجْدَةَ، وَ﴿هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَانِ﴾. [راجع: ٨٩١]

[1068] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ جمعہ کے دن نماز فجر میں الم تنزیل السجدہ اور هل اتى على الانسان پڑھا کرتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ الم تنزیل السجدہ میں سجدہ ہے لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سورت کے نام سے سجدہ ثابت کیا ہے۔ ممکن ہے امام بخاری رحمہ اللہ نے ان روایات کی طرف اشارہ کیا ہو جن میں سجدے کی صراحت ہے، چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں نے ایک دن جمعہ کی نماز فجر رسول اللہ ﷺ کے پیچھے ادا کی تو آپ نے اس میں سجدے والی سورت پڑھی اور اس میں سجدہ کیا۔ اس کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر میں تنزیل السجدہ تلاوت فرمائی اور اس میں آپ نے سجدہ کیا، لیکن اس کی سند میں کچھ کمزوری

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4863. [2] صحيح البخاري، بدء الوحي، حديث: 7. [3] فتح الباري: 712/2.

ہے۔ [1] نوٹ: اس حقیقت کو بھی مد نظر رکھنا چاہیے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے تراجم کی دو اقسام ہیں: (1) فقیہ (2) شارحہ۔ فقیہ سے مراد وہ عناوین ہیں جن میں کسی فقہی مسئلے کو ثابت کیا جاتا ہے اور شارحہ سے مراد وہ عناوین ہیں جن میں کسی حدیث کی تشریح کرنا مقصود ہوتا ہے۔ مذکورہ بالا عنوان بھی فقیہ نہیں بلکہ شارحہ ہے۔ عنوان سے آپ نے حدیث کی وضاحت فرمائی ہے کہ اس سورت میں سجدۂ تلاوت ہے۔ واللہ اعلم۔

(۳) بَابُ سَجْدَةِ صٓ

باب: 3- سورۂ ص میں سجدہ ہے

١٠٦٩ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ وَأَبُو النُّعْمَانِ قَالَا: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ - هُوَ ابْنُ زَيْدٍ - عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: ﴿صٓ﴾ لَيْسَ مِنْ عَزَائِمِ السُّجُودِ. وَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَسْجُدُ فِيهَا.

[انظر: ٣٤٢٢]

[1069] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: سورۂ ص کا سجدہ ضروری نہیں، البتہ میں نے نبی ﷺ کو اس میں سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

فائدہ: عزائم سجود سے مراد وہ سجود تلاوت ہیں جنھیں بجالانے کی تاکید کی گئی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حم سجدہ، النجم، اقرأ، الم تنزیل کے سجود، عزائم سے ہیں۔ [2] سورۂ ص کے سجدے کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ سجدہ عزائم سجود میں سے نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جن انبیاء کی پیروی کرنے کا حکم ہے ان میں حضرت داود علیہ السلام ہیں، چونکہ انھوں نے سجدہ کیا تھا، اس لیے سورۂ ص میں سجدہ کرنا چاہیے۔ [3] سنن نسائی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سجدۂ ص کے متعلق فرمایا: ''حضرت داود علیہ السلام کا یہ سجدہ بطور توبہ تھا اور ہم ان کی پیروی میں بطور شکر سجدہ کرتے ہیں۔'' [4] ابوداود میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورۂ ص کو منبر پر تلاوت فرمایا، جب مقام سجدہ پر پہنچے تو نیچے اتر کر سجدہ کیا، لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ ادا کیا، پھر کسی اور دن اسے تلاوت فرمایا، لوگ حسب سابق سجدے کے لیے تیار ہوئے تو آپ نے فرمایا: ''یہ سجدہ تو ایک نبی کی توبہ کی بنا پر تھا لیکن میں نے دیکھا ہے کہ تم سجدے کے لیے تیار ہو چکے ہو۔'' اس لیے آپ منبر سے نیچے اترے اور سجدہ کیا۔ [5] لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ ادا کیا۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں سجدہ تو ہے لیکن اس کے متعلق تاکید نہیں ہے۔ [6]

(٤) بَابُ سَجْدَةِ النَّجْمِ

باب: 4- سجدۂ نجم کا بیان

1 فتح الباري: 2/487. 2 السنن الكبرى للبيهقي: 2/315، والمصنف لابن أبي شيبة: 1/378، رقم: 4349. 3 صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث: 3421. 4 سنن النسائي، الافتتاح، حديث: 958. 5 سنن أبي داود، سجود القرآن، حديث: 1410. 6 فتح الباري: 2/714.

قاله ابن عباس رضي الله عنهما عن النبي ﷺ.

حضرت ابن عباس ؓ نے اسے نبی ﷺ سے بیان فرمایا ہے۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس معلق روایت کو اپنی صحیح میں متصل سند سے بیان کیا ہے۔[1]

١٠٧٠ - حدثنا حفص بن عمر قال: حدثنا شعبة عن أبي إسحاق، عن الأسود، عن عبد الله رضي الله عنه: أن النبي ﷺ قرأ سورة النجم فسجد بها، فما بقي أحد من القوم إلا سجد، فأخذ رجل من القوم كفا من حصى أو تراب فرفعه إلى وجهه وقال: يكفيني هذا. قال عبد الله: فلقد رأيته بعد قتل كافرا. [راجع: ١٠٦٧]

[1070] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے سورۂ نجم تلاوت کی تو اس میں سجدہ کیا۔ ایک آدمی کے علاوہ قوم میں کوئی ایسا نہ تھا جس نے سجدہ نہ کیا ہو۔ اس نے کنکریوں یا مٹی کی مٹھی بھری اور اسے اپنے چہرے کی طرف اٹھا کر کہنے لگا: مجھے تو یہی کافی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں: میں نے اسے دیکھا کہ وہ بعد میں (میدان بدر میں) بحالت کفر قتل ہوا۔

فائدہ: اس شخص کے متعلق مختلف روایات ہیں: سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ وہ ولید بن مغیرہ تھا لیکن وہ میدان بدر میں قتل نہیں ہوا۔ بعض روایات میں سعید بن عاص اور ابولہب کا ذکر ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ اس وقت سجدہ نہ کرنے والے دو قریشی تھے جو شہرت کے طلبگار تھے۔ سنن نسائی میں ہے کہ وہ مطلب بن ابی وداعہ تھا، لیکن یہ اس وقت مسلمان نہیں ہوا تھا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے خود ایک روایت میں صراحت کی ہے کہ وہ امیہ بن خلف تھا۔ بہر حال حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے صرف ایک آدمی کو دیکھا ہوگا جس نے کنکریوں سے مٹھی بھر کر انھیں اپنے چہرے کی طرف اٹھا لیا تھا اور اسے انھوں نے بیان کر دیا۔[2] واللہ اعلم۔

(٥) باب سجود المسلمين مع المشركين، والمشرك نجس ليس له وضوء

باب: 5- مسلمانوں کا مشرکین کے ساتھ سجدہ کرنا، حالانکہ مشرک پلید اور بے وضو ہوتا ہے

وكان ابن عمر رضي الله عنهما يسجد على غير وضوء.

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ وضو کے بغیر ہی سجدۂ تلاوت کر لیتے تھے۔

١٠٧١ - حدثنا مسدد قال: حدثنا عبد الوارث قال: حدثنا أيوب، عن عكرمة، عن ابن عباس رضي الله عنهما: أن النبي ﷺ

[1071] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے سورۂ نجم میں سجدہ کیا اور آپ کے ہمراہ اس وقت تمام اہل اسلام، مشرکین اور جن وانس نے سجدہ کیا۔

[1] صحيح البخاري، سجود القرآن، حديث: 1071. [2] فتح الباري: 712/2.

سَجَدَ بِالنَّجْمِ، وَسَجَدَ مَعَهُ الْمُسْلِمُونَ وَالْمُشْرِكُونَ وَالْجِنُّ وَالْإِنْسُ. وَرَوَاهُ إِبْرَاهِيمُ ابْنُ طَهْمَانَ عَنْ أَيُّوبَ. [انظر: ٤٨٦٢]

ابن طہمان نے بھی ایوب سے اس روایت کو بیان کیا ہے۔

فوائد و مسائل: ① شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ نے شرح تراجم بخاری میں امام بخاری ؒ کے متعلق لکھا ہے کہ انھوں نے اس حدیث سے سجدۂ تلاوت کے لیے وضو کے عدم وجوب کا استدلال کیا ہے کیونکہ مشرکین کے وضو کا کوئی اعتبار نہیں اور رسول اللہ ﷺ نے انھیں سجدہ کرنے سے منع نہیں کیا۔ حالانکہ امام بخاری ؒ اس قسم کے بے بنیاد استدلال کرنے سے بہت بالا ہیں کیونکہ سجدۂ تلاوت کے لیے طہارت کی ضرورت کو شعبی کے علاوہ دیگر تمام اکابر امت نے تسلیم کیا ہے۔[1] مشرکین کا سجدہ سرے سے عبادت ہی نہیں تو ان کے لیے وضو اور غیر وضو برابر ہے۔ اگر حضرت ابن عمر ؓ سے بے وضو سجدۂ تلاوت ثابت بھی ہو جیسا کہ صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں ہے تو ممکن ہے کہ حضرت ابن عمر ؓ دوران سفر ہوں اور انھوں نے تیمم سے سجدہ کیا ہو۔ پھر ان سے یہ بات ثابت ہے کہ کوئی آدمی طہارت کے بغیر سجدہ نہ کرے۔[2] اس تفصیل کے پیش نظر یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ امام بخاری ؒ طہارت کے بغیر جواز سجدۂ تلاوت کے قائل ہیں بلکہ ان کا مشرکین کے متعلق نہیں ہونے کی صراحت کرنا کہ ان کا وضو بھی صحیح نہیں اس بات کا قرینہ ہے کہ وہ ابن عمر ؓ کے متعلق باوضو سجدہ کرنے کا رجحان رکھتے ہیں، البتہ امام ابن تیمیہ بے وضو سجدۂ تلاوت کرنے کے قائل ہیں اور انھوں نے امام بخاری ؒ کو بھی اپنے ساتھ خیال کیا ہے جیسا کہ انھوں نے فتاوی کبری، باب سجود التلاوۃ میں اس کی صراحت کی ہے۔ ② امام ابن حزم ؒ فرماتے ہیں: جب سجدۂ تلاوت نماز نہیں تو بغیر وضو جنبی کے لیے، حائضہ کے لیے اور غیر قبلہ کی طرف دیگر تمام اذکار کی طرح مباح اور جائز ہے۔[3] البتہ ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ ان سجدہ ہائے تلاوت کے لیے وہی شرائط لگائی جاتی ہیں جو نفل کے لیے لگائی جاتی ہیں، یعنی حدث اور نجاست سے طہارت، ستر ڈھانپنا، قبلہ رخ ہونا اور نیت کرنا، ہمیں اس میں کسی اختلاف کا علم بھی نہیں۔[4] اس بحث کے متعلق تحفة الأحوذي (219/3) کو دیکھا جا سکتا ہے۔ ہمارے نزدیک کسی مشقت یا مجبوری کے پیش نظر سجدۂ تلاوت وضو کے بغیر کیا جا سکتا ہے لیکن ایسے حالات میں اسے تیمم سے کام لے لینا چاہیے۔ واللہ أعلم. ③ ابراہیم بن طہمان کی روایت جسے انھوں نے ایوب سختیانی سے بیان کیا ہے، علامہ اسماعیلی نے متصل سند سے بیان کی ہے۔[5]

(٦) بَابُ مَنْ قَرَأَ السَّجْدَةَ وَلَمْ يَسْجُدْ

باب:6- جس نے آیت سجدہ تلاوت کی مگر سجدہ نہ کیا

١٠٧٢ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ أَبُو الرَّبِيعِ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا

[1072] حضرت عطاء بن یسار سے روایت ہے، انھوں نے حضرت زید بن ثابت ؓ سے (سجدۂ تلاوت کے متعلق)

1 المغني: 358/2. 2 السنن الكبرى للبيهقي: 325/2. 3 المحلى لابن حزم: 105/5. 4 المغني: 358/2.
5 فتح الباري: 707/2.

يزيد بن خصيفة عن ابن قسيط، عن عطاء بن يسار أنه أخبره: أنه سأل زيد بن ثابت رضي الله عنه فزعم أنه قرأ على النبي ﷺ ﴿والنجم﴾ فلم يسجد فيها. [انظر: ١٠٧٣]

پوچھا تو انھوں نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ کے سامنے سورۂ نجم پڑھی تھی لیکن آپ نے اس میں سجدہ نہیں کیا۔

١٠٧٣ - حدثنا آدم بن أبي إياس قال: حدثنا ابن أبي ذئب قال: حدثنا يزيد بن عبد الله بن قسيط عن عطاء بن يسار، عن زيد بن ثابت قال: قرأت على النبي ﷺ ﴿والنجم﴾ فلم يسجد فيها. [انظر: ١٠٧٢]

[1073] حضرت زید بن ثابت ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں نے ایک دفعہ نبی ﷺ کے حضور سورۂ نجم تلاوت کی تھی تو آپ نے اس میں سجدہ نہیں کیا تھا۔

فوائد ومسائل: ① بعض حضرات کا موقف ہے کہ مفصل کی سورتوں میں کوئی سجدہ نہیں بلکہ امام ثور نے کہا ہے کہ سورۂ نجم میں بھی سجدہ نہیں ہے۔ یہ حضرات دلیل کے طور پر حضرت زید بن ثابت ؓ کی مذکورہ روایت پیش کرتے ہیں۔ امام بخاری ؒ نے اس عنوان اور احادیث سے ان حضرات کی تردید فرمائی ہے اور ثابت کیا ہے کہ سورۂ نجم میں سجدہ ہے جیسا کہ سابقہ احادیث میں ہے، البتہ مذکورہ حدیث میں ترک سجدہ کی متعدد وجوہات ممکن ہیں، مثلاً: ٭ آپ اس وقت بحالت وضو نہ ہوں۔ ٭ وہ کراہت کا وقت ہو جب اسے تلاوت کیا گیا۔ ٭ راجح احتمال یہ ہے کہ بیان جواز کے لیے ایسا کیا گیا، یعنی اس کا ترک بھی جائز ہے۔ ② ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے آپ نے کبھی مفصل کی سورتوں میں سجدہ نہیں کیا۔ اس روایت کو اہل علم محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔[1]

(٧) بَابُ سَجْدَةِ: ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ﴾

باب: 7- سورۂ ﴿إذا السماء انشقت﴾ کا سجدہ

١٠٧٤ - حدثنا مسلم بن إبراهيم ومعاذ بن فضالة قالا: أخبرنا هشام عن يحيى، عن أبي سلمة قال: رأيت أبا هريرة رضي الله عنه قرأ ﴿إذا السماء انشقت﴾ فسجد بها، فقلت: يا أبا هريرة ألم أرك تسجد؟ قال: لو لم أر النبي ﷺ يسجد لم أسجد.

[1074] حضرت ابوسلمہ ؒ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت ابوہریرہ ؓ کو دیکھا کہ انھوں نے ﴿إذا السماء انشقت﴾ کی تلاوت کی اور اس میں سجدہ کیا۔ میں نے عرض کیا: ابوہریرہ! کیا میں نے آپ کو سجدہ کرتے نہیں دیکھا؟ حضرت ابوہریرہ ؓ نے جواب دیا: اگر میں نبی ﷺ کو اس میں سجدہ کرتے نہ دیکھتا تو میں بھی سجدہ نہ کرتا۔

فائدہ: امام بخاری ؒ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اہل مدینہ کا مفصل کی سورتوں میں سجدہ نہ کرنا کوئی حیثیت نہیں رکھتا جب

[1] فتح الباري: 716/2.

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے بعد خلفائے راشدین کا عمل اس کے برعکس ہے، یعنی وہ مفصل کی سورتوں میں سجدہ کرتے تھے۔ مذکورہ روایت کے مطابق ابوسلمہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا جبکہ آگے حدیث: (1078) میں ہے کہ ابورافع نے بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق دریافت کیا۔ جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث کا حوالہ دیا تو دونوں خاموش ہو گئے اور ان کے خلاف اہل مدینہ کے عمل کا حوالہ نہیں دیا۔[1] واضح رہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں مسلمان ہوئے تھے اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو مدینہ ہی میں سجدہ کرتے دیکھا تھا۔ علاوہ ازیں مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ حضرت عمر اور ابن عمر رضی اللہ عنہما دونوں باپ بیٹے سے اس سورت میں سجدہ کرنا ثابت ہے۔[2] اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی اہل مدینہ کا عمل حدیث کے مطابق تھا۔ واللہ أعلم

(٨) بَابُ مَنْ سَجَدَ لِسُجُودِ الْقَارِئِ

باب: 8- جو قاری کے سجدے کی بنا پر سجدہ کرتا ہے

وَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ لِتَمِيمِ بْنِ حَذْلَمٍ - وَهُوَ غُلَامٌ فَقَرَأَ عَلَيْهِ سَجْدَةً فَقَالَ: اسْجُدْ فَإِنَّكَ إِمَامُنَا [فِيهَا]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک لڑکے تمیم بن حذلم سے، جب اس نے آیت سجدہ تلاوت کی، فرمایا: سجدہ کرو کیونکہ تم اس کے متعلق ہمارے امام ہو۔

وضاحت: اس اثر کو سعید بن منصور نے اپنی متصل سند سے بیان کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: تمیم بن حذلم کہتے ہیں: میں ابھی بچہ ہی تھا اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو قرآن سنایا کرتا تھا۔ میں نے ایک دن آیت سجدہ تلاوت کی تو انھوں نے فرمایا: تو اس سلسلے میں ہمارا امام ہے۔

١٠٧٥ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ عَلَيْنَا السُّورَةَ فِيهَا السَّجْدَةُ فَيَسْجُدُ وَنَسْجُدُ حَتَّى مَا يَجِدُ أَحَدُنَا مَوْضِعَ جَبْهَتِهِ. [انظر: ١٠٧٦، ١٠٧٩]

[1075] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ ہمارے سامنے جب وہ سورت تلاوت کرتے جس میں سجدہ ہوتا تو آپ خود بھی سجدہ کرتے اور ہم بھی سجدہ کرتے تھے یہاں تک کہ (بھیڑ کی وجہ سے) بعض لوگوں کو پیشانی رکھنے کی بھی جگہ نہیں ملتی تھی۔

فوائد و مسائل: ❶ ممکن ہے امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان اس طرف ہو کہ جب قاری سجدہ کرے تو سامع کو سجدہ کرنا چاہیے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اثر سے معلوم ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں ایک مرفوع روایت بھی پیش کی جاتی ہے کہ ایک لڑکے نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آیت سجدہ تلاوت کی، پھر وہ رسول اللہ ﷺ کا انتظار کرنے لگا کہ آپ کب سجدہ کرتے ہیں جب آپ نے سجدہ نہ کیا تو عرض کرنے لگا: اس آیت میں سجدہ ضروری نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں لیکن تو اس سلسلے میں

1 فتح الباري: 716/2. 2 فتح الباري: 716/2. 3 فتح الباري: 718/2.

امام ہے، اگر تو سجدہ کرتا تو ہم بھی کرتے۔ اسے ابن ابی شیبہ نے بیان کیا ہے۔ اس کے سب راوی ثقہ ہیں لیکن یہ روایت مرسل ہے۔ ② اس سلسلے میں جمہور کا موقف یہ ہے کہ سننے والے کو ہر حالت میں سجدہ کرنا چاہیے، خواہ پڑھنے والا سجدہ کرے یا نہ کرے۔ وہ بے وضو ہو یا نابالغ یا عورت ہو، بہرحال آیت سجدہ سننے والے کو چاہیے کہ وہ سجدہ کرے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی شرح تراجم بخاری میں لکھتے ہیں: اس مسئلے میں مختلف مذاہب ہیں: بعض حضرات کے نزدیک سننے والے پر سجدۂ تلاوت واجب ہے، خواہ پڑھنے والا کرے یا نہ کرے، خواہ سننے والے کے کان میں اتفاقاً آیت سجدہ کی آواز پڑ جائے یا قصداً اسے سماعت کرے، لیکن بعض حضرات کہتے ہیں کہ جب تلاوت کرنے والا آیت سجدہ پڑھے تو سننے والا اس وقت سجدہ کرنے کا پابند ہوگا جب وہ سننے کا ارادہ کرے۔ اتفاقاً کان میں آواز پڑ جانے سے سجدہ ضروری نہیں۔

(٩) بَابُ ازْدِحَامِ النَّاسِ إِذَا قَرَأَ الْإِمَامُ السَّجْدَةَ

باب: 9- جب امام آیت سجدہ تلاوت کرے اور لوگوں کا رش ہو تو کیا کرنا چاہیے؟

١٠٧٦ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ آدَمَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَلِيُّ ابْنُ مُسْهِرٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ نَّافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ السَّجْدَةَ وَنَحْنُ عِنْدَهُ فَيَسْجُدُ وَنَسْجُدُ مَعَهُ، فَنَزْدَحِمُ حَتَّى مَا يَجِدُ أَحَدُنَا لِجَبْهَتِهِ مَوْضِعًا يَسْجُدُ عَلَيْهِ. [راجع: ١٠٧٥]

[1076] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ آیت سجدہ تلاوت فرماتے اور ہم آپ کے پاس ہوتے۔ آپ سجدہ کرتے تو ہم بھی آپ کے ساتھ سجدہ کرتے۔ اس وقت اتنا رش ہو جاتا کہ ہم میں سے کوئی اپنی پیشانی رکھنے کے لیے جگہ نہ پاتا کہ وہاں سجدہ کر سکے۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان میں حتمی طور پر کوئی حکم واضح نہیں کیا۔ شاید آپ کا مقصود یہ ہے کہ سجدۂ تلاوت حتمی ہے جسے کسی عذر کی وجہ سے ترک نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے بعد اس سے ملتا جلتا ایک عنوان بایں الفاظ قائم کیا ہے: [بَابُ مَنْ لَّمْ يَجِدْ مَوْضِعًا لِلسُّجُودِ مَعَ الْإِمَامِ مِنَ الزِّحَامِ] "جو شخص بوجۂ ہجوم سجدۂ تلاوت کے لیے جگہ نہ پائے۔" معلوم ہوتا ہے کہ آئندہ باب میں ایسے حالات میں سجدے کا حکم بیان کرنا چاہتے ہیں کہ ایسا شخص کیا کرے؟ آیا وہ کسی دوسرے وقت تک سجدے کو مؤخر کر دے یا دوسرے کی پیٹھ ہی پر سجدہ کر دے یا ایسے حالات میں سجدہ ساقط ہو جائے گا؟ ان مذکورہ بالا تینوں احتمالات میں سے کسی کو متعین نہیں کیا بلکہ اسے مبہم رکھا ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کے عنوان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسے حالات میں بقدر استطاعت سجدہ کرے اگرچہ دوسرے کی پشت ہی پر کیوں نہ ہو۔ واللہ أعلم۔

(١٠) بَابُ مَنْ رَأَى أَنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ لَمْ يُوجِبِ السُّجُودَ

باب: 10- جس شخص کا موقف ہے کہ اللہ عزوجل نے سجدۂ تلاوت کو واجب قرار نہیں دیا

وَقِيلَ لِعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ: اَلرَّجُلُ يَسْمَعُ السَّجْدَةَ وَلَمْ يَجْلِسْ لَهَا؟ قَالَ: أَرَأَيْتَ لَوْ قَعَدَ لَهَا! كَأَنَّهُ لَا يُوجِبُهُ عَلَيْهِ.

حضرت عمران بن حصین ؓ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص آیت سجدہ سنتا ہے لیکن وہ سننے کی نیت سے نہیں بیٹھا؟ انھوں نے فرمایا: اگر وہ سننے کی نیت سے بیٹھ بھی جائے تو کیا ہے؟ گویا وہ اس پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں کرتے۔

وَقَالَ سَلْمَانُ: مَا لِهٰذَا غَدَوْنَا

حضرت سلمان فارسی ؓ نے فرمایا: ہم سجدۂ تلاوت کے لیے نہیں آئے۔

وَقَالَ عُثْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: إِنَّمَا السَّجْدَةُ عَلٰى مَنِ اسْتَمَعَهَا.

حضرت عثمان ؓ نے فرمایا: سجدۂ تلاوت اس شخص پر ہے جو آیت سجدہ کو قصداً غور سے سنتا ہے۔

وَقَالَ الزُّهْرِيُّ: لَا يَسْجُدُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ طَاهِرًا، فَإِذَا سَجَدْتَ وَأَنْتَ فِي حَضَرٍ فَاسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ، فَإِنْ كُنْتَ رَاكِبًا فَلَا عَلَيْكَ حَيْثُ كَانَ وَجْهُكَ.

امام زہری ؒ بیان کرتے ہیں کہ سجدے کے لیے باوضو ہونا ضروری ہے۔ اگر بحالت اقامت سجدہ کرو تو قبلہ رو ہو کر کرو۔ اگر تم سوار ہو تو پھر جدھر تمھارا رخ ہو اس میں تم پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہے۔

وَكَانَ السَّائِبُ بْنُ يَزِيدَ لَا يَسْجُدُ لِسُجُودِ الْقَاصِّ.

حضرت سائب بن یزید ؓ قصہ گو واعظ کے سجدہ کرنے پر سجدہ نہیں کرتے تھے۔

وضاحت: قرآن کریم کی جن آیات میں سجدۂ تلاوت کیا جاتا ہے، وہ دو اقسام پر مشتمل ہیں: * جن میں سجدے کی خبر دی گئی ہے، مثلاً: سورۂ اعراف کے آخر میں ہے کہ فرشتے اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اور اس کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ * جن میں سجدہ کرنے کا حکم وارد ہے، مثلاً: سورۂ نجم میں ہے کہ اللہ کے لیے سجدہ کرو اور اس کی عبادت میں مصروف رہو۔ جن آیات میں سجدہ کرنے کا حکم ہے ان کے متعلق علمائے امت کا اختلاف ہے کہ یہ امر وجوب کے لیے ہے یا استحباب کے معنی دیتا ہے، یا اس سے مراد سجود نماز ہیں، یا سجود نماز کے متعلق امر وجوب ہے اور سجود تلاوت کے متعلق امر استحباب ہے۔ امام بخاری ؒ نے مذکورہ آثار میں ان دلائل کی طرف اشارہ فرمایا ہے جن سے سجدۂ تلاوت کے مسنون ہونے کا پتہ چلتا ہے نیز ان سے امام بخاری ؒ کے رجحان کا بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ اس کے وجوب کے قائل نہیں، چنانچہ عمران بن حصین ؓ کے اثر کو مصنف ابن ابی شیبہ (384/2) میں متصل سند سے بیان کیا گیا ہے، نیز مصنف عبدالرزاق (345/3) میں ہے کہ وہ ایک قصہ گو واعظ کے پاس سے گزرے۔ اس نے دوران وعظ میں آیت سجدہ کی تلاوت کی تو آپ نے سجدہ نہ کیا۔ ان دونوں آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک سجدۂ تلاوت واجب نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ ضرور سجدہ کرتے۔ حضرت سلمان فارسی ؓ کے اثر کو امام عبدالرزاق نے متصل سند سے بیان کیا ہے کہ وہ ایک قوم کے پاس سے گزرے، انھوں نے آیت سجدہ پڑھی اور سجدہ کیا لیکن حضرت سلمان فارسی ؓ نے سجدہ نہ کیا اور فرمایا کہ ہم اس لیے نہیں آئے، یعنی ہم نے اس آیت کو سننے کا ارادہ نہیں کیا بلکہ اتفاقاً یہ آیت ہمارے کانوں

میں پڑھی ہے، لہٰذا ایسے حالات میں ہمارے ذمے سجدہ نہیں ہے۔[1] حضرت عثمان ؓ کے اثر کو بھی عبدالرزاق نے اپنی متصل سند سے بیان کیا ہے کہ وہ ایک قصہ گو واعظ کے پاس سے گزرے تو اس نے آیت سجدہ تلاوت کی تاکہ آپ بھی ان کے ساتھ سجدہ کریں لیکن آپ نے فرمایا کہ آیت سجدہ بغور اور کان لگا کر سننے پر سجدہ کرنا ہوتا ہے، میرے کان میں تو اتفاق آ پڑی ہے۔ آپ وہاں سے گزر گئے اور سجدہ نہ کیا۔ امام زہری کے اثر کو عبداللہ بن وہب نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک سجدۂ تلاوت واجب نہیں کیونکہ واجب کو سواری کی حالت میں ادا نہیں کیا جاتا، نیز واجب کی ادائیگی کے لیے استقبال قبلہ ضروری ہے۔ سواری پر استقبال قبلہ کے بغیر نفل ادا کیے جا سکتے ہیں۔ سائب بن یزید ؓ کا اثر متصل سند سے نہیں مل سکا۔ ان تمام آثار کی عنوان سے مطابقت واضح ہے کہ سجدۂ تلاوت واجب نہیں۔[2]

١٠٧٧ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى قَالَ: أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ التَّيْمِيِّ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْهُدَيْرِ التَّيْمِيِّ - قَالَ أَبُو بَكْرٍ: وَكَانَ رَبِيعَةُ مِنْ خِيَارِ النَّاسِ - عَمَّا حَضَرَ رَبِيعَةُ مِنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: قَرَأَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ بِسُورَةِ النَّحْلِ حَتّٰى إِذَا جَاءَ السَّجْدَةَ نَزَلَ فَسَجَدَ وَسَجَدَ النَّاسُ، حَتّٰى إِذَا كَانَتِ الْجُمُعَةُ الْقَابِلَةُ قَرَأَ بِهَا حَتّٰى إِذَا جَاءَ السَّجْدَةَ قَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّا نَمُرُّ بِالسُّجُودِ فَمَنْ سَجَدَ فَقَدْ أَصَابَ، وَمَنْ لَمْ يَسْجُدْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ، وَلَمْ يَسْجُدْ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ.

[1077] حضرت عمر بن خطاب ؓ سے روایت ہے، انھوں نے جمعے کے دن منبر پر سورۂ نحل تلاوت فرمائی۔ جب آیت سجدہ پر پہنچے تو منبر سے نیچے اترے اور سجدہ کیا اور لوگوں نے بھی آپ کے ہمراہ سجدۂ تلاوت کیا۔ جب آئندہ جمعہ آیا تو آپ نے منبر پر پھر اسی سورت کی تلاوت فرمائی۔ جب آیت سجدہ پر پہنچے تو فرمایا: لوگو! ہم آیت سجدہ پڑھ رہے ہیں، جس نے اس پر سجدہ کیا اس نے ٹھیک اور درست کام کیا اور جس نے سجدہ نہ کیا اس پر کوئی گناہ نہیں، تاہم حضرت عمر ؓ نے سجدہ نہ کیا۔

وَزَادَ نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: إِنَّ اللهَ لَمْ يَفْرِضْ عَلَيْنَا السُّجُودَ إِلَّا أَنْ نَشَاءَ.

حضرت نافع نے ابن عمر ؓ کے واسطے سے حضرت عمر ؓ سے ان الفاظ کا اضافہ نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سجدۂ تلاوت ہم پر فرض نہیں کیا، ہاں! اگر ہم چاہیں تو کر سکتے ہیں۔

فوائد و مسائل: ① حضرت عمر ؓ نے سجدۂ تلاوت کے متعلق اپنے موقف کو صحابۂ کرام ؓ کی موجودگی میں بیان کیا، اس کے متعلق کسی صحابی نے اختلاف نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدۂ تلاوت کے واجب نہ ہونے پر جملہ صحابہ کا اجماع

---

1. المصنف لعبدالرزاق: 345/3. 2. فتح الباری: 720/2.

منقول ہے۔ پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جو الفاظ نقل کیے ہیں ان میں تو کسی تاویل کی گنجائش نہیں جیسا کہ بعض حضرات کا موقف ہے کہ سجدۂ تلاوت کی ادائیگی فوراً واجب نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے واضح طور پر فرمایا کہ جو آیت سجدہ پر سجدہ نہیں کرتا اس پر کوئی گناہ نہیں۔ ایسا موقف کسی نفل کی ادائیگی پر ہی اختیار کیا جا سکتا ہے، واجب کی ادائیگی کے متعلق ایسا نہیں کہا جاتا۔ واللہ أعلم۔ سجدۂ تلاوت کے واجب نہ ہونے پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی وہ حدیث دلیل ہے جو پہلے گزر چکی ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس سورۂ نجم تلاوت فرمائی لیکن آپ نے اس میں سجدہ نہ کیا اور نہ رسول اللہ ﷺ ہی نے انھیں سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ (حدیث: 1072) اگر سجدۂ تلاوت واجب ہوتا تو رسول اللہ ﷺ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو ضرور اسے ادا کرنے کا حکم دیتے۔ ہمارے نزدیک سجدۂ تلاوت سنت مؤکدہ ہے، واجب نہیں لیکن اس کا ادا کرنا افضل اور بہتر ہے کیونکہ ایک تو سنت ہے اور دوسرا یہ کہ اس کی وجہ سے شیطان بھی روتا پیٹتا ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ واللہ أعلم۔ ② واضح رہے کہ قرآن مجید میں پندرہ سجود تلاوت ہیں جن کی تفصیل یہ ہے: ☆ سورۃ الاعراف: 206 ☆ سورۃ الرعد: 15 ☆ سورۃ النحل: 50۔ ☆ سورۃ الاسراء: 109 ☆ سورۃ مریم: 58 ☆ سورۃ الحج: 18 ☆ سورۃ الحج: 77 ☆ سورۃ الفرقان: 60 ☆ سورۃ النمل: 26۔ ☆ سورۃ تنزیل السجدہ: 15 ☆ سورۃ ص: 24 ☆ سورۃ حم السجدہ: 38 ☆ سورۃ النجم: 62 ☆ سورۃ الانشقاق: 21 ☆ سورۃ العلق: 19۔ ③ سورۃ الحج کے دوسرے سجدے کی بابت اختلاف ہے۔ احناف اسے تسلیم نہیں کرتے لیکن بیشتر علمائے امت کا موقف ہے کہ سجدہ ہائے تلاوت کی تعداد پندرہ ہے۔ واللہ أعلم۔

(۱۱) بَابُ مَنْ قَرَأَ السَّجْدَةَ فِي الصَّلَاةِ فَسَجَدَ بِهَا

باب: 11- جس نے آیت سجدہ کو نماز میں تلاوت کیا اور اس میں سجدہ ریز ہوا

١٠٧٨ – حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ: حَدَّثَنِي بَكْرٌ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ الْعَتَمَةَ فَقَرَأَ ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ﴾ فَسَجَدَ فَقُلْتُ: مَا هٰذِهِ؟ قَالَ: سَجَدْتُ بِهَا خَلْفَ أَبِي الْقَاسِمِ ﷺ، فَلَا أَزَالُ أَسْجُدُ فِيهَا حَتَّى أَلْقَاهُ. [راجع: ٧٦٦]

[1078] حضرت ابو رافع سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ نماز عشاء ادا کی۔ انھوں نے نماز میں ﴿إذا السماء انشقت﴾ کی تلاوت کی تو اس میں سجدہ کیا۔ میں نے کہا: یہ سجدہ کیسا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: میں نے حضرت ابو القاسم ﷺ کے پیچھے یہ سجدہ کیا تھا، اس لیے میں تو ہمیشہ اس میں سجدہ کرتا رہوں گا تا آنکہ آپ سے جا ملوں۔

فائدہ: امام مالک رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ وہ فرض نماز میں آیت سجدہ کی تلاوت کو مکروہ خیال کرتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان اور پیش کردہ حدیث سے اس موقف کی تردید کی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے اس سورت میں سجدہ کیا۔ ابن خزیمہ کی ایک روایت میں مزید صراحت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں نماز ادا کی تو آپ نے اس سورت میں سجدہ کیا۔[1] اس سے معلوم ہوا

[1] صحیح ابن خزیمۃ: 2/282، حدیث: 561۔

کہ آیت سجدہ کو فرض نماز میں پڑھا جا سکتا ہے، اور دوران نماز سجدہ کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔[1]

(۱۲) بَابُ مَنْ لَمْ يَجِدْ مَوْضِعًا لِلسُّجُودِ مَعَ الْإِمَامِ مِنَ الزِّحَامِ

باب: 12- جس شخص کو بوجہ ہجوم سجدۂ تلاوت کے لیے جگہ نہ ملے

۱۰۷۹ - حَدَّثَنَا صَدَقَةُ قَالَ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ السُّورَةَ الَّتِي فِيهَا السَّجْدَةُ فَيَسْجُدُ فَنَسْجُدُ حَتَّى مَا يَجِدُ أَحَدُنَا مَكَانًا لِمَوْضِعِ جَبْهَتِهِ. [راجع: ۱۰۷۵]

[1079] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ کوئی ایسی سورت تلاوت کرتے جس میں سجدہ ہوتا تو سجدہ فرماتے اور ہم بھی آپ کے ساتھ سجدہ کرتے حتی کہ ہم میں سے کچھ لوگوں کو پیشانی رکھنے کے لیے جگہ نہیں ملتی تھی۔

فوائد و مسائل: ① امام مسلم ؒ نے یہ اضافہ بیان فرمایا ہے کہ اس قدر رش وقت نماز کے علاوہ ہوتا تھا۔[2] ② حضرت ابن عمر ؓ نے وضاحت نہیں فرمائی کہ ایسے حالات میں کیا کرنا چاہیے۔ اس بنا پر علمائے امت میں اختلاف ہوا۔ امام احمد ؒ کہتے ہیں کہ اگر ہجوم کی وجہ سے زمین پر پیشانی رکھنے کے لیے جگہ نہ مل سکے تو لوگوں کی پشت پر سجدہ کر لینا جائز ہے جبکہ امام مالک ؒ کہتے ہیں کہ ایسے حالات میں انتظار کرنا چاہیے، جب لوگ سجدے سے اپنا سر اٹھائیں تو دوسرے سجدہ کر لیں لیکن طبرانی کی ایک روایت میں ہے کہ جب لوگوں کو رش کی وجہ سے جگہ نہ ملتی تو دوسروں کی پشت پر سجدہ کر لیتے۔ اس سے امام بخاری ؒ کے رجحان کا پتہ چلتا ہے کہ آدمی کو اپنی استطاعت کے مطابق سجدہ کرنا چاہیے اگرچہ اپنے بھائی کی پشت ہی پر کرنا پڑے۔[3] اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایسے حالات میں سجدۂ تلاوت کی ادائیگی فوراً ضروری نہیں، اسے بعد میں بھی کیا جا سکتا ہے۔ واللہ أعلم۔ ③ رسول اللہ ﷺ نماز میں جھکتے اور اٹھتے وقت اللہ اکبر کہتے تھے، اس لیے سجدۂ تلاوت کے لیے جھکتے وقت بھی اللہ اکبر کہنا چاہیے۔ اس سلسلے میں جو حدیث بیان کی جاتی ہے وہ صحیح نہیں۔ اسی طرح سجدۂ تلاوت کے لیے کھڑے ہو کر ہاتھ باندھنا اور سجدۂ تلاوت سے فراغت کے بعد سلام پھیرنا کسی حدیث سے ثابت نہیں۔ ④ سجدۂ تلاوت میں یہ دعا پڑھنی چاہیے: [اَللّٰهُمَّ اكْتُبْ لِي بِهَا عِنْدَكَ أَجْرًا، وَضَعْ عَنِّي بِهَا وِزْرًا، وَاجْعَلْهَا لِي عِنْدَكَ ذُخْرًا، وَ تَقَبَّلْهَا مِنِّي كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوُدَ][4] اگر یہ دعا یاد نہ ہو تو درج ذیل دعا بھی پڑھی جا سکتی ہے: [سَجَدَ وَجْهِي لِلَّذِي خَلَقَهُ، وَ شَقَّ سَمْعَهُ وَ بَصَرَهُ بِحَوْلِهِ وَ قُوَّتِهِ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ][5] ''فتبارك الله أحسن الخالقين'' کے الفاظ مستدرک حاکم میں ہیں۔[6]

1 فتح الباري: 724/2. 2 صحيح مسلم، المساجد، حديث: 1296 (575). 3 فتح الباري: 723/2. 4 جامع الترمذي، الجمعة، حديث: 579. 5 سنن أبي داود، سجود القرآن، حديث: 1414. 6 المستدرك للحاكم: 220/1.

نمازِ قصر کی مشروعیت

ہجرت کے چوتھے سال نمازِ قصر کی اجازت نازل ہوئی۔ اس کے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُبِينًا ﴾ "اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تمھارے لیے نماز کو قصر کر لینے میں کوئی حرج نہیں (خصوصاً) جب تمھیں اندیشہ ہو کہ کافر تمھیں پریشانی میں مبتلا کر دیں گے کیونکہ کافر تو بلاشبہ تمھارے کھلے دشمن ہیں۔"[1]

قصر نماز کی اجازت ہر سفر کے لیے ہے، خواہ امن کے حالات ہوں یا دشمن کا اندیشہ۔ آیت کریمہ میں اندیشۂ دشمن کا ذکر غالب احوال سے متعلق ہے کیونکہ اس وقت پورا عرب مسلمانوں کے لیے دار الحرب بنا ہوا تھا۔

عربی زبان میں اس نماز کے لیے قصر، تقصیر اور اقصار تینوں الفاظ استعمال ہوتے ہیں، البتہ پہلا لفظ زیادہ مشہور ہے۔ اس سے مراد بحالتِ سفر چار رکعت والی نماز میں تخفیف کر کے دو رکعت ادا کرنا ہے۔ نمازِ مغرب اور نمازِ فجر میں قصر نہیں ہے۔ اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔ نمازِ قصر کے متعلق سفر کی تاثیر میں کسی کو اختلاف نہیں، البتہ پانچ مواضع میں علمائے امت کا نکتۂ نظر مختلف ہے: (1) حکمِ قصر کی حیثیت کیا ہے؟ (2) کتنی مسافت پر قصر ہے؟ (3) کس قسم کے سفر میں قصر کی اجازت ہے؟ (4) قصر کی ابتدا کہاں سے ہوتی؟ (5) پڑاؤ کی صورت میں کتنے دنوں تک قصر نماز کا فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے؟

ایک حقیقت کو بیان کرنا ہم ضروری خیال کرتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ابتدا میں سفر و حضر میں دو رکعت نماز فرض کی گئی تھی، پھر نمازِ سفر کو جوں کا توں برقرار رکھتے ہوئے حضر کی نماز میں اضافہ کر کے اسے مکمل کر دیا گیا۔[2] اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے نبی محمد ﷺ کی زبانِ حق ترجمان کے ذریعے سے مسافر پر دو رکعت، مقیم پر چار رکعت اور حالتِ خوف میں ایک رکعت فرض کی ہے۔[3] ان احادیث کا تقاضا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرتے ہوئے دورانِ سفر میں نمازِ قصر پڑھنے پر اکتفا کریں۔ ہمارے نزدیک یہی اولیٰ، بہتر اور افضل ہے۔

---

1 النساء 4:101. 2 صحیح البخاري، التقصیر، حدیث: 1090. 3 صحیح مسلم، صلاة المسافرین، حدیث: 1576 (687).

بسم اللہ الرحمن الرحیم

18 - أبواب التقصير

نمازِ قصر سے متعلق احکام و مسائل

(۱) بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّقْصِيرِ، وَكَمْ يُقِيمُ حَتَّى يَقْصُرَ

باب: 1- نمازِ قصر کا بیان، نیز مسافر کتنے دن پڑاؤ پر قصر کر سکتا ہے

۱۰۸۰ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ عَاصِمٍ وَحُصَيْنٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: أَقَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ تِسْعَةَ عَشَرَ يَقْصُرُ، فَنَحْنُ إِذَا سَافَرْنَا تِسْعَةَ عَشَرَ قَصَرْنَا وَإِنْ زِدْنَا أَتْمَمْنَا.

[انظر: ۴۲۹۸، ۴۲۹۹]

[1080] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے انیس دن پڑاؤ کیا، اس دوران آپ قصر کرتے رہے، لہذا ہم بھی دوران سفر انیس روز پڑاؤ کریں تو قصر کریں گے اور اگر زیادہ عرصہ اقامت کریں تو پوری پڑھیں گے۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ نے ایک روایت میں صراحت کی ہے کہ یہ فتح مکہ کا سفر تھا۔[1] ابو داود میں ہے کہ رسول ﷺ نے سترہ دن پڑاؤ کیا تھا۔ ایک روایت میں اٹھارہ راتوں کا ذکر ہے جبکہ ایک دوسری نقل میں پندرہ دن بیان ہوئے ہیں۔ ان مختلف روایات کے درمیان امام بیہقی ؒ نے بایں الفاظ تطبیق دی ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر مکہ مکرمہ میں داخل ہونے اور یہاں سے نکلنے کے دن کو شامل کر کے انیس دن کہا گیا ہے اور آنے جانے کے دن نکال کر سترہ دن رہ جاتے ہیں۔ اٹھارہ دنوں کے مطابق صرف آنے یا صرف جانے کے دن کو اس مدت میں شامل کیا گیا ہے، البتہ پندرہ دن کی اقامت کو امام نووی ؒ نے ضعیف قرار دیا ہے، لیکن اس کے راوی ثقہ ہیں، لہذا اسے ضعیف قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں۔ ممکن ہے راوی نے سترہ دنوں والی روایت کو اصل قرار دے کر اس سے آمد اور روانگی کے دن کو خارج کر دیا ہو۔ بہر حال انیس دن کی روایت راجح ہے جیسا کہ امام بخاری ؒ نے بیان کیا ہے۔[2] ② رسول اللہ ﷺ کے سفر چار نوعیت کے ہیں: ٭ سفر ہجرت۔ ٭ سفر جہاد۔ ٭ سفر عمرہ۔

---

1 صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4298. 2 فتح الباري: 725/2.

٥ سفر حج۔ آپ کے اکثر و بیشتر سفر جہاد کے متعلق ہیں۔ اس قسم کے سفر میں جنگی حالات کی بنا پر کسی جگہ بھی عزم کے ساتھ پڑاؤ نہیں ہوتا تھا۔ اس صورت حال کے پیش نظر اگر چھ ماہ یا سال بھی کسی جگہ پڑاؤ کرنا پڑے تو بھی قصر کی اجازت ہے جیسا کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر آپ نے مقام تبوک پر بیس دن پڑاؤ کیا تھا اور وہاں قصر ہی کرتے رہے تھے۔[1] لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ کے دوران ہنگامی طور پر انیس دن کے پڑاؤ سے یہ استنباط کیا ہے کہ ہم اگر کسی مقام پر دوران سفر انیس روز ٹھہریں تو قصر کریں گے بصورت دیگر پوری نماز پڑھیں گے۔ ہمارے نزدیک ایسے ہنگامی حالات میں نماز قصر کے لیے اقامت کی کوئی حد نہیں۔ ایسے حالات میں جتنے دن بھی قیام ہو نماز قصر ہی پڑھنی ہوگی جیسا کہ درج ذیل واقعات سے معلوم ہوتا ہے۔ ③ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے شام کے علاقے میں دو سال تک پڑاؤ کیا، اس دوران آپ نماز قصر پڑھتے رہے۔[2] ④ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''رامہرمز'' میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سات ماہ تک پڑاؤ کیا، اس دوران وہ نماز قصر پڑھتے رہے۔[3] ⑤ حضرت نافع کہتے ہیں: برف باری کی بنا پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے آذربائیجان میں چھ ماہ تک پڑاؤ کیا، اس دوران آپ قصر پڑھتے رہے۔[4] ⑥ عبدالرحمن بن مسور کہتے ہیں: ہم نے ملک شام کی کسی بستی میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ہمراہ چالیس رات تک پڑاؤ کیا۔ اس دوران ہم تو پوری نماز پڑھتے تھے، البتہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نماز قصر ادا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی فتح مکہ کے وقت مکہ مکرمہ میں انیس دن کی اقامت بھی ایسے ہنگامی حالات کے پیش نظر تھی، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس دوران انیس دن ٹھہرنے کی پہلے ہی دن نیت نہیں کی تھی بلکہ آپ روانگی کے متعلق متردد تھے کہ کب مطلوبہ کام سے فارغ ہوں تو کوچ کریں۔[5] فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں سترہ رمضان بروز منگل علی الصبح داخل ہوئے اور چھ شوال بروز ہفتہ حنین کی طرف کوچ فرمایا۔ اس اقامت سے قصر نماز کی مدت کا تعین کرنا صحیح نہیں کیونکہ یہ سفر ہنگامی حالات کے پیش نظر تھا۔ محارب کو ہر لحظہ ایسے مواقع پیش آسکتے ہیں کہ اسے آگے بڑھنا ہے یا پیچھے ہٹنا ہے۔ یہ صورت حال بذات خود رسول اللہ ﷺ کو بھی درپیش تھی۔ فتح مکہ کے فوراً بعد آپ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں ایک چھوٹا سا دستہ عُزّیٰ (بت کا نام) کے انہدام کے لیے روانہ فرمایا، پھر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک دوسرا سریہ (چھوٹا لشکر) سواع بت کو گرانے کے لیے بھیجا پڑا۔ اسی طرح سعد بن زید رضی اللہ عنہ کے زیر امارت تیسرا دستہ مناۃ بت کو ختم کرنے کے لیے بھیجا۔ اس کے بعد آپ کو اطلاع ملی کہ ثقیف اور ہوازن مقابلے کے لیے اکٹھے ہو رہے ہیں تو آپ نے خود آگے بڑھ کر وادیٔ حنین میں ان کا مقابلہ کیا۔ غزوۂ حنین اسی مقام پر ہوا تھا۔ اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مجاہد اگر فتح کے بعد بھی کسی مقام پر اقامت کا ارادہ کرے تو اس کے ارادے کی کوئی حیثیت نہیں بلکہ اس کی کیفیت اس مسافر کی ہے جو اس تذبذب میں مبتلا ہو کہ آج واپسی ہوگی یا کل چلیں گے۔ ایسے حالات میں وہ مسافر نماز قصر ہی ادا کرتا رہے گا، خواہ اس کا پڑاؤ سالوں اور مہینوں پر محیط ہو جیسا کہ درج بالا واقعات سے ظاہر ہے۔ لہٰذا صحیح بات یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا فتح مکہ اور غزوۂ تبوک کے موقع پر نماز قصر پڑھنا اس کی مدت کے تعین کی دلیل نہیں بن سکتا۔ واللہ اعلم۔

---

[1] مسند أحمد: 295/3. [2] المصنف لعبد الرزاق، حديث: 4364. [3] السنن الكبرى للبيهقي: 152/3. [4] المصنف لعبد الرزاق، حديث: 4339. [5] فتح الباري: 728/2.

○ سفر حج۔ آپ کے اکثر و بیشتر سفر جہاد سے متعلق ہیں۔ اس قسم کے سفر میں جنگی حالات کی بنا پر کسی جگہ بھی عزم کے ساتھ پڑاؤ نہیں ہوتا تھا۔ اس صورت حال کے پیش نظر اگر چھ ماہ یا سال بھی کسی جگہ پڑاؤ کرنا پڑے تو بھی قصر کی اجازت ہے جیسا کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر آپ نے مقام تبوک پر بیس دن پڑاؤ کیا تھا اور وہاں قصر ہی کرتے رہے تھے۔[1] لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فتح مکہ کے دوران ہنگامی طور پر انیس دن کے پڑاؤ سے یہ استنباط کیا ہے کہ ہم اگر کسی مقام پر دوران سفر انیس روز ٹھہریں تو قصر کریں گے بصورت دیگر پوری نماز پڑھیں گے۔ ہمارے نزدیک ایسے ہنگامی حالات میں نماز قصر کے لیے اقامت کی کوئی حد نہیں۔ ایسے حالات میں جتنے دن بھی قیام ہو نماز قصر ہی پڑھنی ہوگی جیسا کہ درج ذیل واقعات سے معلوم ہوتا ہے۔ ③ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے شام کے علاقے میں دو سال تک پڑاؤ کیا، اس دوران آپ نماز قصر پڑھتے رہے۔[2] ④ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "رام ہرمز" میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سات ماہ تک پڑاؤ کیا، اس دوران وہ نماز قصر پڑھتے رہے۔[3] ⑤ حضرت نافع کہتے ہیں: برف باری کی بنا پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے آذر بائیجان میں چھ ماہ تک پڑاؤ کیا، اس دوران آپ قصر پڑھتے رہے۔[4] ⑥ عبدالرحمن بن مسور کہتے ہیں: ہم نے ملک شام کی کسی بستی میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ہمراہ چالیس رات تک پڑاؤ کیا۔ اس دوران ہم تو پوری نماز پڑھتے تھے، البتہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نماز قصر ادا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح مکہ کے وقت مکہ مکرمہ میں انیس دن کی اقامت بھی ایسے ہنگامی حالات کے پیش نظر تھی، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دوران انیس دن ٹھہرنے کی پہلے ہی دن نیت نہیں کی تھی بلکہ آپ روانگی کے متعلق متردد تھے کہ کب مطلوبہ کام سے فارغ ہوں تو کوچ کریں۔[5] فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں سترہ رمضان بروز منگل علی الصبح داخل ہوئے اور چھ شوال بروز ہفتہ حنین کی طرف کوچ فرمایا۔ اس اقامت سے قصر نماز کی مدت کا تعین کرنا صحیح نہیں کیونکہ یہ سفر ہنگامی حالات کے پیش نظر تھا۔ محارب کو ہر لحہ ایسے مواقع پیش آسکتے ہیں کہ اسے آگے بڑھنا ہے یا پیچھے ہٹنا ہے۔ یہ صورت حال بذات خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی درپیش تھی۔ فتح مکہ کے فوراً بعد آپ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں ایک چھوٹا سا دستہ عزیٰ (بت کا نام) کے انہدام کے لیے روانہ فرمایا، پھر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک دوسرا سریہ (چھوٹا لشکر) سواع بت کو گرانے کے لیے بھیجنا پڑا۔ اسی طرح سعد بن زید رضی اللہ عنہ کے زیر امارت تیسرا دستہ مناۃ بت کو ختم کرنے کے لیے بھیجا۔ اس کے بعد آپ کو اطلاع ملی کہ ثقیف اور ہوازن مقابلے کے لیے اکٹھے ہو رہے ہیں تو آپ نے خود آگے بڑھ کر وادیٔ حنین میں ان کا مقابلہ کیا۔ غزوۂ حنین اسی مقام پر ہوا تھا۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی کہ مجاہد اگر فتح کے بعد بھی کسی مقام پر اقامت کا ارادہ کرے تو اس کے ارادے کی کوئی حیثیت نہیں بلکہ اس کی کیفیت اس مسافر کی ہے جو اس تذبذب میں مبتلا ہو کہ آج واپسی ہوگی یا کل چلیں گے، ایسے حالات میں وہ مسافر نماز قصر ہی ادا کرتا رہے گا، خواہ اس کا پڑاؤ سالوں اور مہینوں پر محیط ہو جیسا کہ درج بالا واقعات سے ظاہر ہے، لہٰذا صحیح بات یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فتح مکہ اور غزوۂ تبوک کے موقع پر نماز قصر پڑھنا اس کی مدت کے تعین کی دلیل نہیں بن سکتا۔ واللہ أعلم۔

---

1 مسند أحمد: 3/295. 2 المصنف لعبد الرزاق، حدیث: 4354. 3 السنن الکبرٰی للبیہقی: 3/152. 4 المصنف لعبد الرزاق، حدیث: 4339. 5 فتح الباري: 2/726.

١٠٨١ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ قَالَ. حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا يَقُولُ: خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ مِنَ الْمَدِينَةِ إِلَى مَكَّةَ، فَكَانَ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ حَتَّى رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ. قُلْتُ: أَقَمْتُمْ بِمَكَّةَ شَيْئًا؟ قَالَ: أَقَمْنَا بِهَا عَشْرًا. [انظر: ٤٢٩٧]

[1081] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ہم نے نبی ﷺ کے ہمراہ نقل کر مدینہ سے مکہ تک کا سفر کیا۔ آپ اس سفر کے دوران میں مدینہ واپسی تک دو دو رکعت ہی پڑھتے رہے۔ راوی حدیث کہتے ہیں: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: آپ لوگ مکہ مکرمہ کچھ عرصہ ٹھہرے تھے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں، وہاں ہم نے دس دن قیام کیا تھا۔

فوائد و مسائل: ① واضح رہے کہ اس حدیث میں حجۃ الوداع کا سفر بیان ہوا ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ہم چار ذوالحجہ کو حج کا تلبیہ کہتے ہوئے مکہ پہنچے۔[1] رسول اللہ ﷺ چودہ ذوالحجہ کی صبح مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔ گویا مکہ مکرمہ اور اس کے مضافات میں آپ نے دس دن قیام فرمایا۔ اس سفر کی تفصیل اس طرح ہے کہ آپ چار ذوالحجہ صبح کے وقت مکہ مکرمہ آئے، پھر آٹھ ذوالحجہ کی نماز ظہر منیٰ میں ادا کی، اس طرح آپ نے مکہ مکرمہ میں تقریباً بیس نمازیں ادا کی ہیں، پہلے دن کی نماز فجر کے متعلق اختلاف ہے کہ آپ نے راستے میں ادا کی یا مکہ میں، البتہ بیس نمازوں کا مکہ مکرمہ میں ادا کرنا یقینی ہے۔ 4 ذوالحجہ: ظہر اور عصر۔ 5 ذوالحجہ: مغرب، عشاء، فجر، ظہر اور عصر۔ 6 ذوالحجہ: مغرب، عشاء، فجر، ظہر اور عصر۔ 7 ذوالحجہ: مغرب، عشاء، فجر، ظہر اور عصر۔ 8 ذوالحجہ: مغرب، عشاء اور فجر۔ یہ کل بیس نمازیں ہیں جو آپ نے مکہ مکرمہ میں ادا کی ہیں۔ آٹھویں ذوالحجہ کو حج کا احرام باندھ کر منیٰ روانہ ہوئے اور ظہر کی نماز وہاں مسجد خیف میں ادا فرمائی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حدیث انس اقامت کی نیت سے ٹھہرنے کی دلیل ہے کیونکہ اس دوران میں آپ کو کوئی اندیشہ نہ تھا بلکہ آپ ان دنوں پختہ نیت سے ٹھہرے تھے۔[2] مدت اقامت کے متعلق ہمارے نزدیک راجح مسلک یہ ہے کہ جو آدمی آمد اور روانگی کے دونوں دن چھوڑ کر صرف چار روز قیام کا ارادہ رکھتا ہو اسے پوری نماز پڑھنی ہوگی کیونکہ مکہ مکرمہ میں آپ کی مدت اقامت آمد اور روانگی کا دن نکال کر تین دن ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے عمل سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ نے اس مدت سے زیادہ قیام فرمایا ہو اور نماز قصر ادا کی ہو یا اس مدت سے کم قیام کیا ہو اور پوری نماز پڑھی ہو۔ بہرحال رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں آمد اور روانگی کا دن نکال کر پانچ، چھ اور سات ذوالحجہ تک تین دن مکمل قیام فرمایا اور یہ قیام اتفاقی نہیں بلکہ حسب پروگرام تھا۔ اس دوران آپ نماز قصر پڑھتے رہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ دوران سفر اگر کسی مقام پر بیس نمازیں ادا کرنے تک قیام رکھنا ہو تو نماز قصر کرنے کا ثبوت خود رسول اللہ ﷺ کے عمل سے ملتا ہے۔ اس موقف کی تائید رسول اللہ ﷺ کے ایک اور فرمان سے بھی ہوتی ہے کہ آپ نے مہاجرین کو مناسک حج ادا کرنے کے بعد تین دن تک مکہ مکرمہ میں ٹھہرنے کی اجازت دی تھی۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ حج ادا کرنے کے بعد مہاجر تین دن تک مکہ میں ٹھہر سکتا ہے۔[3] اس فرمان نبوی کا مطلب یہ ہے کہ مہاجرین نے چونکہ اللہ کے دین کی

---

[1] صحيح البخاري، التقصير، حديث: 1085. [2] فتح الباري: 726/2. [3] صحيح مسلم، الحج، حديث: 3298 (1352).

سربلندی کے لیے مکہ مکرمہ چھوڑا تھا۔ اس لیے فتح ہونے کے باوجود ان کی مسافرانہ حیثیت برقرار رہنی چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق تین دن اور تین راتوں کے قیام سے ایک مسافر انسان مقیم کے حکم میں نہیں آتا بلکہ اس قدر قیام کرنے سے اس کی مسافرانہ حالت برقرار رہتی ہے۔ اسی بنا پر محدثین کی اکثریت کا موقف ہے کہ آمد اور روانگی کے دن نکال کر اگر پورے تین دن اور تین راتیں قیام کا پختہ ارادہ ہو تو نماز قصر پڑھی جا سکتی ہے۔ اس سے زیادہ دن قیام کرنا ہو تو نماز پوری پڑھنی ہوگی۔ واللہ أعلم

(۲) بَابُ الصَّلَاةِ بِمِنًى

باب: 2- مقام منیٰ میں نماز (قصر) پڑھنا

۱۰۸۲ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنِي نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ، وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ، وَ[مَعَ] عُثْمَانَ صَدْرًا مِنْ إِمَارَتِهِ، ثُمَّ أَتَمَّهَا. [انظر: ۱٦٥٥]

[1082] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ منیٰ میں دو دو رکعت پڑھیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی شروع خلافت میں دو ہی پڑھیں۔ اس کے بعد انھوں نے پوری نماز پڑھنا شروع کر دی۔

فائدہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے منیٰ میں نماز کے متعلق واضح حکم بیان نہیں کیا کہ ان دنوں نماز قصر پڑھنی ہے یا پوری ادا کرنی ہے کیونکہ اس میں اختلاف ہے، پھر اگر نماز قصر پڑھنی ہے تو سفر کی وجہ سے یا مناسک حج کی بنا پر۔ ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ ایام حج (منیٰ، عرفات اور مزدلفہ) میں نماز قصر ہی پڑھی جائے، سفر حج کی وجہ سے یہ رعایت ہر حاجی کے لیے ہے، خواہ وہ مکہ کا رہائشی ہو۔ البتہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خلافت کے 6 سال بعد کسی خاص عذر کی وجہ سے نماز پوری پڑھنی شروع کر دی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایام منیٰ میں اگر اکیلے نماز پڑھتے تو دو رکعت، اگر امام کے ساتھ ادا کرتے تو چار رکعت پڑھتے تھے جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔[1]

۱۰۸۳ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: أَنْبَأَنَا أَبُو إِسْحَاقَ قَالَ: سَمِعْتُ حَارِثَةَ ابْنَ وَهْبٍ قَالَ: صَلَّى بِنَا النَّبِيُّ ﷺ آمَنَ مَا كَانَ بِمِنًى، رَكْعَتَيْنِ. [انظر: ۱٦٥٦]

[1083] حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے بحالت امن منیٰ میں ہمیں دو رکعت پڑھائی تھیں۔

فوائد و مسائل: ① بعض حضرات کا موقف ہے کہ نماز قصر جنگی حالات کے ساتھ خاص ہے۔ وہ دلیل کے طور پر قرآن کریم کی وہ آیت پیش کرتے ہیں جس میں بحالت سفر نماز قصر کو ہنگامی حالات کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے وضاحت فرمائی ہے کہ دوران سفر میں بحالت امن بھی قصر کی جا سکتی ہے۔ آیت کریمہ میں اندیشۂ دشمن کا ذکر غالب احوال کی بنا پر

1 فتح الباري: 728/2، و صحيح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 1592 (694)

کیا گیا ہے کیونکہ مسلمانوں کے لیے اس وقت پورا عرب دار الحرب کی صورت اختیار کر چکا تھا۔ ② امام ابن قیم ؒ فرماتے ہیں کہ قصر کی دو اقسام ہیں: * قصر ارکان، یعنی نماز کی ہیئت اور ارکان میں تخفیف کر دی جائے۔ * قصر عدد، یعنی رکعات نماز میں تخفیف کر دی جائے۔ چار کے بجائے دو۔ جب خوف اور سفر دونوں ہوں تو مطلق قصر، یعنی قصر ارکان اور قصر عدد کیا جائے گا۔ جب خوف اور سفر نہ ہو تو نماز کو پورا ادا کرنا ہوگا۔ جب خوف ہو لیکن سفر نہ ہو تو قصر ارکان سے نماز پوری ادا کی جائے گی، یعنی رکعات کی تعداد میں کمی نہیں ہوگی جیسا کہ غزوۂ خندق کے موقع پر تھا۔ جب خوف نہیں صرف سفر ہے تو مقدار میں کمی ہو سکتی ہے، ارکان کی کمی جائز نہیں، اسے صلاۃ آمن کہا جاتا ہے، البتہ رکعات میں کمی کے اعتبار سے اسے نماز قصر کہا جاتا ہے، تمام ارکان کے لحاظ سے یہ نماز پوری ہے جیسا کہ حضرت عمر ؓ نے فرمایا تھا: سفر کی نماز دو رکعت، جمعہ بھی دو رکعت، اسی طرح نماز عید بھی دو رکعت، یہ صلاۃ تمام ہے قصر نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی زبان سے ایسا ہی ثابت ہے اور افترا پردازی کرنے والا نقصان میں رہے گا۔[1] اس بحث کو امام ابن قیم ؒ نے بڑے اچھے انداز میں پیش کیا ہے۔[2]

١٠٨٤ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ عَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ يَزِيدَ يَقُولُ: صَلَّى بِنَا عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بِمِنًى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ، فَقِيلَ ذٰلِكَ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَاسْتَرْجَعَ قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ، وَصَلَّيْتُ مَعَ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ، وَصَلَّيْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ رَكْعَتَيْنِ، فَلَيْتَ حَظِّي مِنْ أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ رَكْعَتَانِ مُتَقَبَّلَتَانِ. [انظر: ١٦٥٧]

[1084] حضرت عبدالرحمن بن یزید سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہمیں حضرت عثمان ؓ نے منیٰ میں چار رکعات پڑھائیں۔ جب اس بات کا تذکرہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے کیا گیا تو انھوں نے إنا للہ و إنا إلیہ راجعون پڑھا اور فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ منیٰ میں دو رکعت پڑھیں۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر ؓ کے ساتھ بھی منیٰ میں دو دو رکعت پڑھیں، کاش کہ چار رکعت کے بجائے میرے حصے میں وہی دو رکعت آئیں جو اللہ کے ہاں مقبول ہوں۔

فوائد و مسائل: ① روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے نزدیک دوران سفر میں قصر کرنا واجب ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو صرف إنا للہ و إنا إلیہ راجعون پڑھنے پر اکتفا نہ کرتے۔ دیگر روایات کے پیش نظر جب ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے ان کے ہمراہ چار رکعات کیوں پڑھی ہیں؟ تو جواب دیا کہ ایسے موقع پر اختلاف کرنا شر و فساد کا پیش خیمہ ہے۔ اگر دوران سفر میں نماز کو پورا پڑھنا بدعت ہوتا تو بدعت سے اختلاف کرنا تو باعث برکت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے نزدیک دوران سفر قصر کرنا فرض نہیں، البتہ جذبۂ اتباع سنت کے پیش نظر انھوں نے اپنی تمنا

---

1 مسند أحمد: 37/1. 2 زاد المعاد: 466/1.

ناگواری کا اظہار ضرور فرمایا۔[1] ﷺ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حج کے موقع پر منیٰ میں قیام کے دوران چار رکعت پڑھائی تھیں۔ محدثین کرام نے اس کی متعدد توجیہات بیان کی ہیں جن کی وضاحت ہم آئندہ کریں گے۔ اس سلسلے میں ہمارا موقف یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی ہوئی اس رخصت سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کی رخصت کو قبول کیا جائے۔ اس بنا پر ہمارے نزدیک یہی افضل ہے کہ دوران سفر میں نماز قصر پڑھی جائے۔ لیکن اگر کوئی رخصت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نماز پوری ادا کرتا ہے تو یہ جائز ہے، ایسا کرنا بدعت کے زمرے میں نہیں آتا۔ واللہ أعلم.

(٣) بَابٌ: كَمْ أَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ فِي حَجَّتِهِ؟

باب: 3- نبی ﷺ نے دوران حج (مکہ) میں کتنے دن قیام فرمایا؟

١٠٨٥ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ الْبَرَّاءِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ وَأَصْحَابُهُ لِصُبْحِ رَابِعَةٍ يُلَبُّونَ بِالْحَجِّ فَأَمَرَهُمْ أَنْ يَجْعَلُوهَا عُمْرَةً إِلَّا مَنْ مَعَهُ الْهَدْيُ. تَابَعَهُ عَطَاءٌ عَنْ جَابِرٍ. [انظر: ١٥٦٤، ٢٥٠٥، ٣٨٣٢]

[1085] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام ذوالحجہ کی چار تاریخ کو صبح کے وقت مکہ مکرمہ میں پہنچے جبکہ وہ حج کا تلبیہ کہہ رہے تھے۔ نبی ﷺ نے انھیں حکم دیا کہ وہ اسے عمرے میں بدل لیں، ہاں! جو شخص ہدی (قربانی) ساتھ لایا ہے وہ اپنے حج کو فسخ نہ کرے۔ عطاء بن ابی رباح نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بیان کرنے میں ابوالعالیہ کی متابعت کی ہے۔

ﷺ فائدہ: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی مکہ مکرمہ آمد کا ذکر ہے، منیٰ کی طرف روانگی کا بیان نہیں کیونکہ اس کے متعلق وضاحت کی ضرورت نہیں۔ اس سے مراد اس مدت اقامت کو بیان کرنا ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر پورے جزم اور وثوق سے اختیار کیا اور وہ یہ ہے کہ آمد اور روانگی کا دن نکال کر تین دن اور تین راتیں، اس طرح کہ آپ چار ذوالحجہ کو مکہ آئے اور آٹھ ذوالحجہ کو منیٰ روانہ ہو گئے۔ اور کل بیس نمازیں بحالت اقامت مسجد حرام میں ادا کیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد مکہ میں آمد اور مدینہ منورہ روانگی کا درمیانی عرصہ بیان کرنا ہے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ نے دس دن قیام فرمایا، یعنی چار ذوالحجہ کو آمد اور چودہ ذوالحجہ کو مدینہ روانگی ہوئی۔[2] امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عطاء کی متابعت کو متصل سند سے بیان کیا ہے۔[3]

(٤) بَابٌ: فِي كَمْ يَقْصُرُ الصَّلَاةَ؟

باب: 4- مسافر کتنی مسافت پر قصر کرے؟

وَسَمَّى النَّبِيُّ ﷺ يَوْمًا وَلَيْلَةً سَفَرًا. وَكَانَ

نبی ﷺ نے ایک دن اور ایک رات کی مسافت کو سفر کہا

1 فتح الباري: 720/2. 2 فتح الباري: 730/2. 3 صحيح البخاري، الحج، حديث: 1568.

ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ يَقْصُرَانِ وَيُفْطِرَانِ فِي أَرْبَعَةِ بُرُدٍ وَهِيَ سِتَّةَ عَشَرَ فَرْسَخًا.

ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم چار بُرد کی مسافت پر نماز قصر پڑھتے تھے اور اس دوران روزہ نہیں رکھتے تھے۔ اور چار برد میں سولہ فرسنگ (فرسخ) ہوتے ہیں۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ اس مقدار سفر کو بیان کرنا چاہتے ہیں جس میں مسافر کو نماز قصر ادا کرنا جائز ہوتی ہے۔ اس مقدار کے متعلق علمائے سلف میں خاصا اختلاف ہے۔ امام ابن منذر نے تقریباً بیس اقوال کا حوالہ دیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک دن اور ایک رات کی مسافت ذکر کی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک کم از کم مقدار سفر ایک دن اور ایک رات کی مسافت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن اور ایک رات کی مسافت کو سفر کہا ہے جیسا کہ حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ (1088) میں ہے۔ حضرت ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی معلق روایت کو ابن منذر نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔[1]

١٠٨٦ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ قَالَ: قُلْتُ لِأَبِي أُسَامَةَ: حَدَّثَكُمْ عُبَيْدُ اللهِ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «لَا تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ». [انظر: ١٠٨٧]

[1086] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "کوئی عورت محرم کے بغیر تین دن کا سفر نہ کرے۔"

١٠٨٧ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ ثَلَاثًا إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ». [راجع: ١٠٨٦]

[1087] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "کوئی عورت محرم کے بغیر تین دن کا سفر نہ کرے۔"

تَابَعَهُ أَحْمَدُ عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

احمد بن محمد مروزی نے عبداللہ بن مبارک سے، انھوں نے عبیداللہ سے، انھوں نے حضرت نافع سے، انھوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے، انھوں نے نبی ﷺ سے روایت کرنے میں عبیداللہ کی متابعت کی ہے۔

فائدہ: جس مسافت میں نماز قصر پڑھنا مباح ہے اس کی مقدار میں بہت اختلاف ہے۔ اہل ظاہر کے نزدیک کسی قسم کی مقدار سفر مقرر نہیں۔ ان کے ہاں ہر قسم کے سفر میں نماز قصر کرنا جائز ہے، خواہ کم ہو یا زیادہ۔ اہل کوفہ کے نزدیک تین دن اور تین رات کی مسافت پر نماز قصر کر کے پڑھنی چاہیے۔ لیکن آئندہ حدیث ابوہریرہ میں ہے کہ اہل ایمان خاتون کو ایک دن اور ایک

[1] فتح الباري: 731/2.

رات کا سفر محرم کے بغیر کرنا جائز نہیں۔ سائلین کے اختلاف کی بنا پر احادیث کا اختلاف ہے، مفہوم عدد کا اس میں کوئی اعتبار نہیں ہے۔ ایک روایت میں ان محرم رشتوں کی تفصیل بھی ہے کہ کوئی عورت اپنے باپ، بھائی، خاوند، بیٹے یا کسی دوسرے محرم کے بغیر تین دن اور تین رات کا سفر نہ کرے جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔[1] واضح رہے کہ مذکورہ روایت تحدید مسافت کے لیے بیان نہیں ہوئی بلکہ اس مقصد کے لیے اسے بیان کیا گیا ہے کہ کوئی عورت اتنی مسافت اکیلی طے نہ کرے، نیز اس نہی کا تعلق امت سے ہے، یعنی اگر کوئی عورت ایک گھنٹے کی مسافت ایک دن میں طے کرتی ہے تو اس سے حکم امتناعی متعلق ہوگا لیکن اگر مسافر نصف یوم کی مسافت کو دو دن میں طے کرتا ہے تو اسے قصر کرنے کی اجازت نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک حکم کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

١٠٨٨ – حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُسَافِرَ مَسِيرَةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ لَيْسَ مَعَهَا حُرْمَةٌ».

[1088] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ”جو عورت اللہ پر ایمان اور روز قیامت پر یقین رکھتی ہے اس کے لیے جائز نہیں کہ ایک دن رات کی مسافت اس حالت میں طے کرے کہ اس کے ساتھ کوئی محرم نہ ہو۔“

تَابَعَهُ يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ، وَسُهَيْلٌ، وَمَالِكٌ عَنِ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ.

یحییٰ بن ابی کثیر، سہیل اور مالک نے مقبری سے روایت کرنے میں ابن ابی ذئب کی متابعت کی ہے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ قصر کے لیے مسافت کا کم از کم اتنا ہونا ضروری ہے جو ایک دن اور ایک رات میں طے ہو سکے۔ الغرض رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق کوئی صریح قولی روایت نہیں ملی جس سے نماز قصر کے لیے مسافت کی مقدار کو معین کیا جا سکتا ہو، البتہ حضرت انس رضی اللہ عنہ جو سفر و حضر میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ایک خادم خاص کی حیثیت سے رہے ہیں، انھوں نے آپ ﷺ کے ایک فعل سے استنباط کیا ہے کہ کم از کم نو میل کی مسافت پر نماز قصر کی جا سکتی ہے، چنانچہ آپ کے شاگرد یحییٰ بن یزید نے نماز قصر کے لیے مسافت کی مقدار کے متعلق سوال کیا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ جب رسول اللہ ﷺ تین میل یا تین فرسخ کا سفر کرتے تو نماز قصر فرماتے۔[2] روایت میں سفر کی تعیین کے متعلق تردد شعبہ راوی کو ہوا ہے۔ ② واضح رہے کہ روایت میں تین میل کے بجائے تین فرسخ مراد لینا زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ اس میں میل بھی آ جاتے ہیں، اس لیے کہ ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ مسافت اگر نو میل ہو تو اپنے شہر یا گاؤں کی حد سے نکل کر نماز قصر کی جا سکتی ہے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ اتنی مسافت طے کرنے کے بعد قصر کا آغاز ہونا چاہیے۔ روایت میں انتہائے سفر کا بیان نہیں ہے اور روایت کا یہ مفہوم اس لیے درست نہیں کہ سائل نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے

---

[1] فتح الباري: 733/2؛ صحيح مسلم، الحج، حديث: 3270(1340). [2] صحيح مسلم، صلاة المسافرين و قصرها، حديث: 1583(691).

جوازِ قصر کے لیے مسافت کے متعلق سوال کیا تھا اور اس کے سوال کے مطابق ہی اسے جواب دیا گیا ہے۔ اس کے بعد یہ مفروضہ قائم کرنا کہ وہ اتفاقی طور پر رسول اللہ ﷺ کا صرف اتنی مسافت پر مشتمل سفر کرنا ثابت نہیں، اس کی حیثیت نکتہ آفرینی سے زیادہ نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے خادمِ خاص حضرت انس نے سائل کے سوال کو سمجھ کر اس کے مطابق جواب دیا ہے جو ہمیں تسلیم کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم۔ ③ یحییٰ بن ابی کثیر کی متابعت کو امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی متصل سند سے بیان کیا ہے۔ کثیل کی روایت کو ابن خزیمہ نے اور امام مالک کی روایت کو امام مسلم نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔

(٥) بَابٌ: يَقْصُرُ إِذَا خَرَجَ مِنْ مَوْضِعِهِ

باب: 5- مسافر جب اپنی جائے اقامت سے نکلے تو قصر کرے

وَخَرَجَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَقَصَرَ وَهُوَ يَرَى الْبُيُوتَ. فَلَمَّا رَجَعَ قِيلَ لَهُ: هَذِهِ الْكُوفَةُ؟ قَالَ: لَا، حَتَّى نَدْخُلَهَا

حضرت علی رضی اللہ عنہ (سفر کے لیے) نکلے تو نماز قصر پڑھی جبکہ وہ شہر کے مکانات کو دیکھ رہے تھے اور جب واپس آئے تو ان سے کہا گیا: وہ کوفہ نظر آ رہا ہے؟ آپ نے فرمایا: اس میں داخل ہونے سے پہلے نماز پوری ادا نہیں کریں گے

وضاحت: اگر کوئی مسافر کم از کم ۹ میل کی مسافت طے کرنے کے لیے اپنے گھر سے سفر کی نیت سے نکل پڑے تو اسے حدود شہر، موجودہ اصطلاح میں میونسپلٹی کی حدود، سے نکلنے کے بعد نماز قصر کرنے کی اجازت ہے اور اسی طرح واپسی پر بھی اس میں داخل ہونے سے پہلے دوگانہ پڑھ سکتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر کو امام حاکم نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔ علی بن ربیعہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ سفر کے لیے نکلے تو قصر نماز پڑھنا شروع کر دی جبکہ ہمیں اپنی آبادی کے گھر نظر آ رہے تھے اور واپسی پر بھی نماز قصر پڑھتے رہے جبکہ ہمیں اپنی آبادی کے گھر نظر آ رہے تھے۔[2] امام بیہقی رحمہ اللہ نے بایں الفاظ روایت کی ہے: ورقاء بن ایاس کہتے ہیں کہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ملک شام گئے تو دوگانہ پڑھتے رہے۔ واپسی پر جب ہمیں کوفہ نظر آیا اور نماز کا وقت ہو گیا تو لوگوں نے آپ سے کہا: وہ کوفہ نظر آ رہا ہے، آپ نماز پوری پڑھ جائیں، آپ نے فرمایا: نہیں جب تک اس میں داخل نہ ہو جائیں قصر پڑھتے رہیں گے۔[1]

١٠٨٩ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، وَإِبْرَاهِيمَ بْنِ مَيْسَرَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: صَلَّيْتُ الظُّهْرَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ بِالْمَدِينَةِ أَرْبَعًا، وَبِذِي الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْنِ. [انظر: ١٥٤٦، ١٥٤٧، ١٥٤٨، ١٥٥١]

[1089] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ کے ہمراہ مدینہ منورہ میں ظہر کی چار رکعت ادا کیں اور ذوالحلیفہ پہنچ کر دوگانہ شروع کر دیا۔

1 فتح الباري: 734/2. 2 فتح الباري: 735/2. 3 السنن الكبرى للبيهقي: 146/3.

۱۷۱۲، ۱۷۲۱، ۱۷۳۹، ۲۹۵۸، ۲۹۸۹]

فائدہ: صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ذوالحلیفہ پہنچ کر نماز عصر دو رکعت پڑھی۔[1] اس کا مطلب یہ نہیں کہ ذوالحلیفہ تک کا سفر قصر کے لیے حد مسافت ہے۔ دراصل رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ جانے کے لیے سفر کا آغاز کیا تھا اور آپ حج کرنے کا ارادہ کیے ہوئے تھے۔ جب آپ نے مدینہ کی آبادی کو چھوڑا اور ذوالحلیفہ پہنچے تو عصر کی دو رکعت ادا کیں، پھر آپ دوران سفر واپسی تک قصر ہی پڑھتے رہے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک دوسری حدیث میں ہے، فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ مدینے سے مکہ کا سفر کیا۔ آپ واپسی تک دو دو رکعت ہی ادا فرماتے رہے۔

۱۰۹۰ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: اَلصَّلَاةُ أَوَّلُ مَا فُرِضَتْ رَكْعَتَيْنِ، فَأُقِرَّتْ صَلَاةُ السَّفَرِ وَأُتِمَّتْ صَلَاةُ الْحَضَرِ. قَالَ الزُّهْرِيُّ: فَقُلْتُ لِعُرْوَةَ: مَا بَالُ عَائِشَةَ تُتِمُّ؟ قَالَ: تَأَوَّلَتْ مَا تَأَوَّلَ عُثْمَانُ. [راجع: ۳۵۰]

[1090] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: پہلے پہلے (سفر و حضر کی) دو رکعت فرض کی گئی تھیں۔ پھر سفر کی نماز تو برقرار رہی، البتہ صلاۃ حضر میں اضافہ کر کے اسے مکمل کر دیا گیا۔

امام زہری نے حضرت عروہ سے سوال کیا: ایسے حالات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دوران سفر میں نماز کو پورا کیوں پڑھتی ہیں؟ انھوں نے فرمایا: انھوں نے وہی تاویل کی ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کرتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قصر کا تعلق سفر سے ہے اور اتمام کا حضر سے۔ جب سفر شروع ہوگا تو نماز قصر کا آغاز ہوگا جبکہ حضر میں نماز کو پورا ادا کرنا ہوگا۔ ② سفر کرنے والا جب تک اپنے شہر میں ہے اسے مسافر نہیں کہا جائے گا اور نہ اسے قصر ادا کرنے کی اجازت ہی ہے، جب اپنے شہر سے نکل جائے تو قصر کا آغاز کرے۔ ③ اس حدیث کا قطعاً یہ مقصد نہیں کہ دوران سفر میں قصر کرنا واجب ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو اس حدیث کو بیان کرتی ہیں خود دوران سفر میں پوری نماز کیوں ادا کرتیں، البتہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ موقف تھا کہ نماز قصر اس مسافر کے لیے ہے جو مسلسل سفر کرتا رہے اور کسی جگہ اقامت نہ کرے۔ جہاں کچھ دنوں کے لیے اقامت کرے گا وہاں نماز پوری ادا کرے گا، پھر جب سفر کا آغاز ہوگا تو قصر نماز ادا کرے گا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی احادیث میں ہے کہ وہ جب مکہ آتے تو پوری نماز پڑھتے، یعنی ظہر، عصر اور عشاء کی چار چار رکعت پڑھتے، پھر جب منیٰ اور عرفات جاتے تو قصر کرتے، اور جب حج سے فارغ ہو کر منیٰ میں قیام کرتے تو بھی پوری نماز پڑھتے کرتے۔[2] واللہ أعلم. ④ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تاویل کے متعلق مختلف اقوال ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: ٭ آپ نے مکہ مکرمہ میں شادی کر لی تھی۔ ٭ آپ امیر المومنین تھے اور آپ کے لیے سارا علاقہ اقامت کے حکم میں تھا۔ ٭ آپ نے مکہ

---

① صحيح البخاري، الحج، حديث: 1547، و صحيح البخاري، التقصير، حديث: 1081. ② فتح الباري: 737/2.

میں رہائش رکھنے کا عزم کر لیا تھا۔ ﴿۵﴾ آپ نے منیٰ میں زمین خرید لی تھی۔ یہ تاویلیں اس لیے بے بنیاد ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ان میں سے کوئی بھی منقول نہیں ویسے بھی ان تاویلات پر کوئی دلیل نہیں۔ رسول اللہ ﷺ اپنی بیویوں کے ہمراہ سفر کرتے تھے اور نماز قصر پڑھتے تھے۔ اس کے مقابلے میں حضرت عثمان سے متعلق پہلی تاویل کی کوئی حیثیت نہیں ہے، پھر امیر المومنین کے حوالے سے جو تاویل ذکر کی گئی ہے وہ بھی بے بنیاد ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی حیثیت تو ان سے بڑھ کر تھی، لیکن آپ تو دوران سفر میں قصر کرتے تھے۔ تیسری تاویل اس لیے درست نہیں کہ مہاجرین کے لیے مکہ مکرمہ میں اقامت منع ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ ممکن ہے کہ حضرت عروہ نے یہ تشبیہ صرف نماز کو پورا ادا کرنے میں دی ہو، اس لیے نہیں کہ ان حضرات کی تاویلات میں یکسانیت تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ایک تاویل حسب ذیل ہے جسے ابن جریر نے اپنی تفسیر جامع البیان (تفسیر طبری) میں بیان کیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دوران سفر پوری نماز پڑھتی تھیں۔ جب انھیں اس کے متعلق کہا جاتا تو جواب میں فرماتیں: رسول اللہ ﷺ کو دشمنان اسلام کی طرف سے ہر وقت اندیشۂ جنگ رہتا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نماز قصر کی اجازت دی تھی، کیا تمھیں بھی کوئی دشمن کی طرف سے خطرہ لاحق ہے؟[1] گویا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک دوران سفر قصر کرنا اندیشۂ جنگ کے ساتھ مشروط تھا۔ واللہ أعلم۔ بیہقی کی روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا دوران سفر نماز پوری پڑھنا ان الفاظ بیان ہوا ہے، حضرت عروہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دوران سفر چار رکعت پڑھتی تھیں۔ میں نے عرض کیا آپ دوگانہ کیوں نہیں پڑھتیں؟ تو انھوں نے فرمایا کہ دوران سفر نماز کو پورا ادا کرنا مجھ پر گراں نہیں گزرتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک دوران سفر قصر کرنا ایک رخصت ہے۔ جس انسان پر اتمام گراں نہ ہو اس کے حق میں یہی افضل ہے کہ وہ اسے پورا کرے۔[2] حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک اور تاویل کتب حدیث میں مروی ہے جسے امام بیہقی نے بیان کیا ہے: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں قیام کے دوران میں نماز پوری ادا کی پھر خطبہ دیا کہ بلاشبہ قصر کرنا رسول اللہ ﷺ اور صاحبین رضی اللہ عنہما کی سنت ہے لیکن اعراب (دیہاتی لوگ) بکثرت ہیں، مجھے اندیشہ ہے کہ مبادا وہ دوگانہ نماز کو ہمیشہ کے لیے سمجھ لیں گے۔ اس کی تائید ابن جریج سے مروی روایت سے بھی ہوتی ہے کہ ایک دیہاتی نے منیٰ میں برسر عام پکار کر کہا: اے امیر المومنین! جب سے میں نے آپ کو دوگانہ پڑھتے دیکھا ہے میں اس وقت سے دوگانہ پڑھ رہا ہوں۔ ممکن ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس وجہ سے منیٰ میں اتمام (پوری نماز) کو اختیار کیا ہو، بہرحال حضرت عثمان اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کی تاویلات میں کوئی مماثلت نہیں۔[3] شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے بھی شرح تراجم بخاری میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصر نہ کرنے کا یہی سبب بیان کیا ہے اور اسے مستحسن قرار دیا ہے کیونکہ خیر کثیر و شر قلیل کی وجہ سے ترک کرنا بھی خیر کثیر ہی ہے۔

باب: 6- نماز مغرب دوران سفر بھی تین رکعت پڑھے	(٦) بَابٌ: تُصَلَّى الْمَغْرِبُ ثَلَاثًا فِي السَّفَرِ

١٠٩١ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَالِمٌ عَنْ

[1091] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب آپ

---

1 تفسير الطبري: 245/4. 2 فتح الباري: 737/2. 3 فتح الباري: 737/2.

عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ إِذَا أَعْجَلَهُ السَّيْرُ فِي السَّفَرِ يُؤَخِّرُ الْمَغْرِبَ حَتَّى يَجْمَعَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْعِشَاءِ. قَالَ سَالِمٌ: وَكَانَ عَبْدُ اللهِ يَفْعَلُهُ إِذَا أَعْجَلَهُ السَّيْرُ. [انظر: ١٠٩٢، ١١٠٦، ١١٠٩، ١٦٦٨، ١٦٧٣، ١٨٠٥، ٣٠٠٠]

کو دوران سفر چلنے میں جلدی ہوتی تو نماز مغرب کو مؤخر کر دیتے، پھر اسے عشاء کے ساتھ جمع کر کے ادا فرماتے۔ حضرت سالم کہتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کو جب سفر میں عجلت ہوتی تو وہ بھی ایسا کرتے۔

١٠٩٢ - وَزَادَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ سَالِمٌ: كَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِالْمُزْدَلِفَةِ. قَالَ سَالِمٌ: وَأَخَّرَ ابْنُ عُمَرَ الْمَغْرِبَ وَكَانَ اسْتُصْرِخَ عَلَى امْرَأَتِهِ صَفِيَّةَ بِنْتِ أَبِي عُبَيْدٍ، فَقُلْتُ لَهُ: الصَّلَاةَ، فَقَالَ: سِرْ، فَقُلْتُ لَهُ: الصَّلَاةَ، فَقَالَ: سِرْ، حَتَّى سَارَ مِيلَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةً، ثُمَّ نَزَلَ فَصَلَّى ثُمَّ قَالَ: هٰكَذَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يُصَلِّي إِذَا أَعْجَلَهُ السَّيْرُ، وَقَالَ عَبْدُ اللهِ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ إِذَا أَعْجَلَهُ السَّيْرُ يُقِيمُ الْمَغْرِبَ فَيُصَلِّيهَا ثَلَاثًا ثُمَّ يُسَلِّمُ، ثُمَّ قَلَّمَا يَلْبَثُ حَتَّى يُقِيمَ الْعِشَاءَ فَيُصَلِّيهَا رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ يُسَلِّمُ، وَلَا يُسَبِّحُ بَعْدَ الْعِشَاءِ حَتَّى يَقُومَ مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ. [راجع: ١٠٩١]

[1092] (راوی حدیث) لیث نے مزید کہا: مجھے یونس نے ابن شہاب سے خبر دی کہ سالم نے کہا: حضرت عبداللہ بن عمر ؓ مغرب اور عشاء کی نماز مزدلفہ میں جمع کر کے پڑھتے تھے۔ حضرت سالم نے کہا: حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے ایک دفعہ نماز مغرب کو مؤخر کیا جب انھیں ان کی بیوی صفیہ بنت ابو عبید کے مرنے کی خبر دی گئی۔ میں نے ان سے کہا: نماز کا وقت ہے۔ انھوں نے فرمایا: سفر جاری رکھو۔ پھر میں نے عرض کیا: نماز کا وقت ہو چکا ہے۔ آپ نے فرمایا: سفر جاری رکھو۔ حتی کہ آپ دو یا تین میل چلے، پھر اتر کر نماز پڑھی اور فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسے ہی دیکھا، جب آپ کو سفر کی جلدی ہوتی تو اس طرح نماز پڑھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے مزید فرمایا: میں نے نبی ﷺ کو دیکھا، جب آپ کو سفر کی عجلت ہوتی تو نماز مغرب کی اقامت کہتے اور اس کی تین رکعات ادا کرتے، اس کے بعد سلام پھیر کر کچھ توقف کرتے، پھر نماز عشاء کی اقامت کہتے اور اس کی دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیتے۔ اور عشاء کے بعد نفل نماز نہیں پڑھتے تھے، پھر نصف شب کو اٹھتے (اور نماز تہجد ادا فرماتے)۔

فائدہ: امام بخاری ؒ کا مقصد یہ ہے کہ جن روایات میں دوران سفر دوگانہ پڑھنے کا ذکر ہے، نماز مغرب اس سے مستثنیٰ ہے۔ اسے قصر کے بجائے پورا پڑھا جائے۔ اس پر علماء کا اجماع ہے، چنانچہ حضرت ابن عمر ؓ سے مسافر کی نماز کے متعلق سوال

ہوا تو آپ نے فرمایا: دوران سفر مسافر کی نماز دو دو رکعت ہیں، البتہ مغرب کی تین رکعت ادا کرتا ہوں گی۔[1] رسول اللہ ﷺ کے عمل سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ مغرب کی نماز میں قصر نہیں ہے جیسا کہ راوی حدیث حضرت لیث کی پیش کردہ روایت میں صراحت ہے بلکہ پہلی حدیث کے بعض طرق میں بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مغرب کی تین رکعت ادا کرتے تھے۔[2] حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دوران سفر میں دوگانہ پڑھتے تھے لیکن مغرب کا دوگانہ نہیں تھا۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ دوران سفر دو دو رکعت پڑھیں، البتہ مغرب کی تین رکعت ہوتی تھیں۔[3]

(٧) بَابُ صَلَاةِ التَّطَوُّعِ عَلَى الدَّوَابِّ، وَحَيْثُمَا تَوَجَّهَتْ

باب: 7- نفل نماز سواری پر ادا کرنا، اس کا منہ جدھر بھی ہو

١٠٩٣ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى قَالَ: حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّي عَلَى رَاحِلَتِهِ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهِ. [انظر: ١٠٩٧، ١١٠٤]

[1093] حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو اپنی سواری پر نماز پڑھتے دیکھا، سواری کا جدھر بھی منہ ہوتا۔

١٠٩٤ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ أَخْبَرَهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّي التَّطَوُّعَ وَهُوَ رَاكِبٌ فِي غَيْرِ الْقِبْلَةِ. [راجع: ٤٠٠]

[1094] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ سواری کی حالت میں بغیر قبلہ رو ہوئے نفل نماز پڑھ لیتے تھے۔

١٠٩٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ حَمَّادٍ قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ قَالَ: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ قَالَ: كَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يُصَلِّي عَلَى رَاحِلَتِهِ وَيُوتِرُ عَلَيْهَا، وَيُخْبِرُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَفْعَلُهُ. [راجع: ٩٩٩]

[1095] حضرت نافع سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنی سواری پر نماز پڑھتے اور وتر بھی اسی پر ادا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ نبی ﷺ بھی اسی طرح کرتے تھے۔

فوائد و مسائل: (1) امام بخاری رحمہ اللہ نے ان روایات سے ثابت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نفل نماز سواری پر ادا کر لیتے تھے۔ اس کے لیے استقبال قبلہ ضروری نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ رکوع و سجود کے لیے اشارہ کرتے تھے اور فرض نماز کے لیے ایسا

[1] فتح الباري: 739/2. [2] صحیح البخاري، التقصیر، حدیث: 1108. [3] فتح الباري: 740/2.

نہیں کرتے تھے۔[1] ایک دوسری روایت میں ہے کہ رات کے وقت تہجد کے نوافل سواری پر ادا کرتے تھے۔[2] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کے متعلق امام بخاری رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ انمار کا ہے۔ مدینے سے ادھر جاتے وقت قبلہ بائیں جانب پڑتا ہے کیونکہ انمار کا مقام مدینے سے بجانب مشرق واقع ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے متعلق بعض روایات میں ہے کہ آپ نماز وتر کے لیے سواری سے اترتے اور انھیں زمین پر ادا کرتے۔[3] اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے نماز وتر کو دونوں طرح سے ادا کیا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جب آپ عجلت میں ہوتے تو سواری پر وتر پڑھ لیتے اور جب جلدی نہ ہوتی تو زمین پر ادا کرتے۔[4] واللہ أعلم

(٨) بَابُ الْإِيمَاءِ عَلَى الدَّابَّةِ

باب: 8- سواری پر اشارے سے نماز پڑھنا

١٠٩٦ – حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُسْلِمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ قَالَ: كَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يُصَلِّي فِي السَّفَرِ عَلَى رَاحِلَتِهِ، أَيْنَمَا تَوَجَّهَتْ يُومِئُ. وَذَكَرَ عَبْدُ اللهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَفْعَلُهُ. [راجع: ٩٩٩]

[1096] حضرت عبداللہ بن دینار سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما دوران سفر میں سواری پر اشارے سے نماز پڑھتے، اس کا منہ جدھر بھی ہو جاتا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ذکر کیا کہ نبی ﷺ ایسے ہی کیا کرتے تھے۔

فائدہ: سواری پر صرف نفل ادا کیے جا سکتے ہیں۔ رکوع و سجود اشارے سے ادا کیے جائیں گے۔ ابن دقیق العید نے لکھا ہے کہ حدیث میں رکوع اور سجود کے متعلق مطلق طور پر اشارہ کرنے کا ذکر ہے لیکن فقہاء نے لکھا ہے کہ سجدہ کرتے وقت کچھ زیادہ جھکاؤ کے ساتھ اشارہ کیا جائے تاکہ بدل، اصل کے مطابق ہو، لیکن حدیث میں اس طرح کی کوئی وضاحت نہیں۔[5] ابن دقیق العید کی یہ بات محل نظر ہے کیونکہ امام ترمذی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس کی صراحت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سواری پر نماز پڑھتے تو سجدہ کرتے وقت کچھ زیادہ جھکتے۔[6]

(٩) بَابٌ: يَنْزِلُ لِلْمَكْتُوبَةِ

باب: 9- فرض نماز ادا کرنے کے لیے سواری سے اترے

١٠٩٧ – حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَبْدِ

[1097] حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ کو اپنی سواری پر سر کے

1 صحيح البخاري، التقصير، حديث: 1097. 2 صحيح البخاري، التقصير، حديث: 1104. 3 صحيح الترمذي، الصلاة، حديث: 351 و مسند أحمد: 4/2. 4 فتح الباري: 741/2. 5 فتح الباري: 742/2. 6 جامع الترمذي، الصلاة، حديث: 351.

اللهِ بْنِ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ أَنَّ عَامِرَ بْنَ رَبِيعَةَ أَخْبَرَهُ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ عَلَى الرَّاحِلَةِ يُسَبِّحُ، يُومِئُ بِرَأْسِهِ قِبَلَ أَيِّ وَجْهٍ تَوَجَّهَ، وَلَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَصْنَعُ ذٰلِكَ فِي الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ. [راجع: ١٠٩٣]

اشارے سے نوافل ادا کرتے ہوئے دیکھا ہے، سواری کا جدھر بھی منہ ہو جاتا، البتہ فرض نماز ادا کرتے وقت رسول اللہ ﷺ ایسا نہیں کرتے تھے۔

١٠٩٨ - وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: قَالَ سَالِمٌ: كَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ يُصَلِّي عَلَى دَابَّتِهِ مِنَ اللَّيْلِ وَهُوَ مُسَافِرٌ، مَا يُبَالِي حَيْثُ كَانَ وَجْهُهُ. قَالَ ابْنُ عُمَرَ: وَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُسَبِّحُ عَلَى الرَّاحِلَةِ قِبَلَ أَيِّ وَجْهٍ تَوَجَّهَ وَيُوتِرُ عَلَيْهَا، غَيْرَ أَنَّهُ لَا يُصَلِّي عَلَيْهَا الْمَكْتُوبَةَ. [راجع: ٩٩٩]

[1098] حضرت سالم سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت عبداللہ بن عمر ؓ دوران سفر اپنی سواری پر رات کی نماز پڑھتے تھے۔ سواری کا جس طرف بھی منہ ہو جاتا اس کی کوئی پروا نہ کرتے۔ حضرت ابن عمر ؓ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ بھی سواری پر نفل پڑھ لیتے تھے وہ جدھر بھی منہ کر لیتی، اور نماز وتر بھی اسی پر پڑھ لیتے تھے، البتہ فرض نماز سواری پر نہیں پڑھتے تھے۔

١٠٩٩ - حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيَى، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ ثَوْبَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّي عَلَى رَاحِلَتِهِ نَحْوَ الْمَشْرِقِ، فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يُصَلِّيَ الْمَكْتُوبَةَ نَزَلَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ. [راجع: ٤٠٠]

[1099] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ اپنی سواری پر مشرق کی طرف منہ کر کے (نفل) نماز پڑھتے تھے۔ اور جب فرض نماز ادا کرنے کا ارادہ فرماتے تو سواری سے نیچے اتر کر قبلے کی طرف منہ کرتے۔

فوائد و مسائل: ① فرض نماز ادا کرنے کے لیے قبلے کی طرف منہ کرنا ضروری ہے۔ اس پر علمائے امت کا اجماع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سواری پر فرض نماز ادا کرنا صحیح نہیں، ہاں اگر کوئی معذور ہے تو اسے اجازت ہے، البتہ نماز خوف میں استقبال قبلہ کی پابندی نہیں۔ ایسے ہنگامی حالات میں جس طرف بھی منہ ہو فرض نماز ادا کی جا سکتی ہے۔[1] ② سواری پر نفل پڑھتے وقت ابتدا میں سواری کو قبلہ رخ کر لیا جائے، پھر جدھر بھی اس کا منہ ہو جائے اپنی نماز جاری رکھے جیسا کہ حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب دوران سفر میں نفل پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو اپنی اونٹنی کا رخ قبلے کی طرف کر لیتے، پھر جدھر بھی اس کا منہ ہو جاتا اپنی نماز میں مصروف رہتے۔[2]

1 فتح الباري: 2/743. 2 سنن أبي داود، صلاة السفر، حديث: 1225.

(١٠) بَابُ صَلَاةِ التَّطَوُّعِ عَلَى الْحِمَارِ

باب:10- گدھے پر نفل نماز پڑھنے کا بیان

١١٠٠ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حَبَّانُ قَالَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ سِيرِينَ قَالَ: اسْتَقْبَلْنَا أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حِينَ قَدِمَ مِنَ الشَّامِ فَلَقِينَاهُ بِعَيْنِ التَّمْرِ، فَرَأَيْتُهُ يُصَلِّي عَلَى حِمَارٍ وَوَجْهُهُ مِنْ ذَا الْجَانِبِ - يَعْنِي عَنْ يَسَارِ الْقِبْلَةِ - فَقُلْتُ: رَأَيْتُكَ تُصَلِّي لِغَيْرِ الْقِبْلَةِ؟ فَقَالَ: لَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَعَلَهُ لَمْ أَفْعَلْهُ.

[1100] حضرت انس بن سیرین سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب حضرت انس بن مالک شام سے واپس لوٹے تو ہم نے ان کا استقبال کیا۔ ہم انھیں عین التمر کے مقام پر ملے تو میں نے دیکھا کہ وہ گدھے پر نماز پڑھ رہے تھے اور ان کا منہ اس طرف، یعنی قبلے کی بائیں جانب تھا۔ میں نے ان سے عرض کیا: میں نے آپ کو غیر قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے دیکھا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے نہ دیکھا ہوتا تو میں بھی ایسا نہ کرتا۔

وَرَوَاهُ إِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ عَنْ حَجَّاجٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

ابراہیم بن طہمان نے حجاج سے، انھوں نے انس بن سیرین سے، انھوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اور انھوں نے نبی ﷺ سے اس حدیث کو بیان کیا ہے۔

فوائد و مسائل: ① سواری پر نفل ادا کرنے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ جانور ماکول اللحم ہو اور اس کے فضلات وغیرہ پاک ہوں، البتہ یہ ضروری ہے کہ نماز پڑھتے وقت نمازی کے جسم یا کپڑوں کا کوئی حصہ نجاست آلود نہ ہو۔ ② رسول اللہ ﷺ کا بھی گدھے پر نفل ادا کرنا ثابت ہے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو گدھے پر نفل پڑھتے دیکھا جبکہ آپ خیبر کی طرف جا رہے تھے۔[1] اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو گدھے پر نماز پڑھتے دیکھا جبکہ آپ کا چہرہ خیبر کی طرف تھا۔[2] ابراہیم بن طہمان کی روایت کو امام بخاری رحمہ اللہ نے بیان نہیں کیا اور متصل سند ہی سے ہمیں دستیاب ہو سکی ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ شرح تراجم بخاری میں لکھتے ہیں: امام بخاری رحمہ اللہ نے اہتمام کے ساتھ یہ باب قائم کیا ہے تاکہ اس وہم کا رد کیا جائے کہ گدھے پر نماز جائز نہیں کیونکہ یہ نجس ہونے کی بنا پر اللہ کی رحمت سے دور اور شیطان کے قریب ہوتا ہے۔ ان احادیث سے ثابت ہوا کہ گدھے پر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں اور نہ اس قسم کے وہم ہی میں پڑنے کی ضرورت ہے۔

(١١) بَابُ مَنْ لَمْ يَتَطَوَّعْ فِي السَّفَرِ دُبُرَ الصَّلَاةِ

باب 10- جو دوران سفر نماز کے بعد نفل نہیں پڑھتا

---

1 سنن النسائي، المساجد، حديث: 742. 2 صحيح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 1614 (700).

١١٠١ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: حَدَّثَنِي عُمَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ أَنَّ حَفْصَ بْنَ عَاصِمٍ حَدَّثَهُ قَالَ: سَافَرَ ابْنُ عُمَرَ فَقَالَ: صَحِبْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَلَمْ أَرَهُ يُسَبِّحُ فِي السَّفَرِ، وَقَالَ اللهُ جَلَّ ذِكْرُهُ: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الأحزاب:٢١]. [انظر: ١١٠٢]

[1101] حفص بن عاصم سے مروی ہے کہ حضرت ابن عمر ؓ سفر میں تھے کہ فرمایا: میں نبی ﷺ کا ہم سفر رہا ہوں۔ میں نے آپ کو کبھی دوران سفر میں نفل پڑھتے نہیں دیکھا۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: ”یقیناً تمھارے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی میں بہترین نمونہ ہے۔“

١١٠٢ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عِيسَى بْنِ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ يَقُولُ: صَحِبْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَكَانَ لَا يَزِيدُ فِي السَّفَرِ عَلَى رَكْعَتَيْنِ، وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ كَذَلِكَ، رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ. [راجع: ١١٠١]

[1102] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہا ہوں، آپ دوران سفر دو رکعت سے زیادہ نماز نہیں پڑھتے تھے۔ اس طرح حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان ؓ بھی دو رکعت سے زیادہ نماز ادا نہیں کرتے تھے۔

فائدہ: معلوم ہوا دوران سفر صرف نماز قصر پر اکتفا کرنا چاہیے۔ فرائض سے پہلے اور بعد میں سنت وغیرہ نہ پڑھی جائیں۔ اسوۂ نبوی یہی ہے۔ اس کی وضاحت ایک اور حدیث سے ہوتی ہے۔ راوی حدیث کہتے ہیں: میں طریق مکہ میں حضرت ابن عمر ؓ کا ہم سفر رہا ہوں۔ آپ نے ہمیں ظہر کی دو رکعت پڑھائیں، پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے تو دیکھا کہ کچھ لوگ سنتیں پڑھ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اگر قصر نماز کے بعد سنتیں پڑھنا ہوتیں تو بہتر تھا کہ قصر کے بجائے نماز کو پورا پڑھ لیا جاتا۔[1] اس کے بعد حضرت ابن عمر ؓ نے مذکورہ حدیث سنائی۔ اس تفصیل حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابن عمر ؓ دوران سفر نماز قصر پڑھتے تھے اور اس سے پہلے اور بعد میں کوئی سنت وغیرہ ادا نہیں کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا بھی یہی معمول تھا لیکن دیگر نوافل، مثلاً: تہجد یا اشراق وغیرہ پڑھا کرتے تھے جیسا کہ آئندہ عنوان میں اس کے متعلق بیان ہوگا۔

(١٢) بَابُ مَنْ تَطَوَّعَ فِي السَّفَرِ فِي غَيْرِ دُبُرِ الصَّلَوَاتِ وَقَبْلَهَا

باب: 12- جو شخص نمازوں سے پہلے اور بعد کی سنتوں کے سوا دیگر نوافل پڑھتا ہے

وَرَكَعَ النَّبِيُّ ﷺ فِي السَّفَرِ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ.

نبی اکرم ﷺ نے دوران سفر فجر کی سنت ادا کیں۔

وضاحت: دوران سفر نوافل پڑھنے کے متعلق تین اقوال ہیں: ① مطلق طور پر نفل پڑھنے منع ہیں۔ ② مطلق طور پر نفل

[1] صحیح مسلم، صلاۃ المسافرین، حدیث: 1579 (689).

پڑھے جاسکتے ہیں۔ (3) سنن راتبہ منع ہیں، البتہ مطلق نوافل ادا کیے جاسکتے ہیں جیسا کہ حضرت ابن عمر ؓ کا موقف ہے، چنانچہ مجاہد کہتے ہیں: میں مدینے سے مکہ تک حضرت ابن عمر ؓ کا ہم سفر رہا ہوں، آپ اپنی سواری پر نفل پڑھتے جدھر کو بھی اس کا منہ ہوتا، البتہ فرض نماز سواری سے نیچے اتر کر ادا کرتے۔[1] دوران سفر فجر کی دو سنت پڑھنے کے متعلق احادیث میں وضاحت ہے، چنانچہ دوران سفر جب رسول اللہ ﷺ کو گہری نیند آگئی اور دن چڑھے فجر کی نماز ادا کی۔۔۔ تو بروایت حضرت ابوقتادہ، حضرت ابوہریرہ اور حضرت بلال ؓ آپ نے نماز فجر سے پہلے دو سنتیں بھی ادا کیں۔ دوران سفر ظہر سے پہلے دو رکعت پڑھنے کا ذکر بھی احادیث میں ملتا ہے، چنانچہ حضرت براء بن عازب ؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تقریباً اٹھارہ سفر کیے ہیں آپ سورج ڈھلنے کے بعد نماز ظہر سے پہلے دو رکعت پڑھتے تھے۔[2] بعض علماء کا خیال ہے کہ مذکورہ دو رکعت ظہر کی دو سنت نہیں بلکہ یہ سنت زوال ہیں۔ واللہ أعلم۔[3] الغرض رسول اللہ ﷺ نے دوران سفر فرض نمازوں سے پہلے اور بعد کی سنن راتبہ نہیں پڑھیں، ہاں! دیگر قسم کے نوافل: اشراق اور تہجد وغیرہ پڑھنا منقول ہے۔ اسی طرح نماز فجر کی دو سنتیں اور وتر پڑھنا بھی ثابت ہے۔

١١٠٣ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى قَالَ: مَا أَخْبَرَنَا أَحَدٌ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى الضُّحَى غَيْرُ أُمِّ هَانِئٍ، ذَكَرَتْ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ اغْتَسَلَ فِي بَيْتِهَا فَصَلَّى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ، فَمَا رَأَيْتُهُ صَلَّى صَلَاةً أَخَفَّ مِنْهَا غَيْرَ أَنَّهُ يُتِمُّ الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ. [انظر: ١١٧٦، ٤٢٩٢]

[1103] حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ام ہانی ؓ کے علاوہ ہمیں کسی شخص نے نہیں بتایا کہ اس نے نبی ﷺ کو (دوران سفر) چاشت کی نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ حضرت ام ہانی ؓ نے ذکر کیا کہ نبی ﷺ نے فتح مکہ کے روز ان کے گھر میں غسل فرمایا اور آٹھ رکعات ادا کیں۔ میں نے آپ کو اس سے زیادہ ہلکی پھلکی نماز پڑھتے نہیں دیکھا، ہاں! اس کے رکوع و سجود کو پورا کرتے تھے۔

١١٠٤ - وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ عَامِرٍ أَنَّ أَبَاهُ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى السُّبْحَةَ بِاللَّيْلِ فِي السَّفَرِ عَلَى ظَهْرِ رَاحِلَتِهِ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهِ. [راجع: ١٠٩٣]

[1104] حضرت عامر بن ربیعہ ؓ سے روایت ہے انھوں نے نبی ﷺ کو دوران سفر میں رات کے وقت اپنی سواری پر نوافل پڑھتے دیکھا، وہ جدھر بھی متوجہ ہوجاتی۔

١١٠٥ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ

[1105] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سر مبارک کے اشارے سے اپنی سواری پر

1 فتح الباري: 2/747. 2 سنن أبي داود، صلاة السفر، حديث: 1222. 3 فتح الباري: 2/747.

اللّٰهِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُسَبِّحُ عَلٰى ظَهْرِ رَاحِلَتِهِ حَيْثُ كَانَ وَجْهُهُ يُومِي بِرَأْسِهِ، وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَفْعَلُهُ. [راجع: ٩٩٩]

نوافل پڑھا کرتے تھے، جدھر بھی اس کا منہ ہو جاتا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی اسی طرح کیا کرتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے واضح کیا ہے کہ دوران سفر فرض نماز کے بعد سنن راتبہ کے سوا دیگر نوافل پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ ② احادیث پیش کرنے سے مقصود اس قسم کے نوافل کی مختلف انواع بیان کرنا ہے، چنانچہ پہلی معلق روایت میں نماز سے پہلے سنت فجر پڑھنا ذکر کیا گیا ہے۔ دوسری حدیث میں ان نوافل کا بیان ہے جن کی ادائیگی کے لیے مخصوص وقت ہے جیسا کہ صلاۃ الضحیٰ۔ تیسری حدیث میں نماز تہجد اور چوتھی میں مطلق نوافل کا بیان ہے۔ آخری حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے عمل کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا معمول بیان کیا گیا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ دوران سفر میں نوافل پڑھنے مشروع ہیں ان کا نسخ یا معارض ثابت نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس پر عمل پیرا رہے ہیں۔[1] ③ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل متصل سند کے ساتھ امام بخاری رحمہ اللہ نے پہلے بیان کیا ہے کہ آپ دوران سفر میں اپنی سواری پر نماز تہجد پڑھتے تھے۔ سواری کا جس طرف بھی منہ ہو جاتا اس کی پروا نہیں کرتے تھے۔[2]

(١٣) بَابُ الْجَمْعِ فِي السَّفَرِ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ

باب: 13- دوران سفر میں (نماز) مغرب اور (نماز) عشاء کو جمع کرنا

١١٠٦ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ إِذَا جَدَّ بِهِ السَّيْرُ. [راجع: ١٠٩١]

[1106] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ کو جب سفر کے لیے جلدی ہوتی تو مغرب اور عشاء کو جمع کر لیتے تھے۔

١١٠٧ - وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ، عَنِ الْحُسَيْنِ الْمُعَلِّمِ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَجْمَعُ بَيْنَ صَلَاةِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ إِذَا كَانَ عَلٰى ظَهْرِ سَيْرٍ، وَيَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ.

[1107] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ دوران سفر میں ظہر اور عصر کی نماز کو اسی طرح مغرب اور عشاء کو ملا کر پڑھ لیتے تھے۔

1 فتح الباري: 738/2. 2 صحيح البخاري، التقصير، حديث: 1098.

١١٠٨ - وَعَنْ حُسَيْنٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ حَفْصِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَجْمَعُ بَيْنَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ فِي السَّفَرِ. تَابَعَهُ عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ، وَحَرْبٌ عَنْ يَحْيَى عَنْ حَفْصٍ عَنْ أَنَسٍ: جَمَعَ النَّبِيُّ ﷺ [انظر: ١١١٠]

[1108] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ سفر میں مغرب اور عشاء کی نمازوں کو جمع کر کے پڑھتے تھے۔

علی بن مبارک اور حرب بن شداد نے یحییٰ بن ابی کثیر سے، انھوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے میں حسین المعلم کی متابعت کی ہے کہ نبی ﷺ نے نمازوں کو جمع کیا۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے نماز قصر کے تحت نمازوں کا جمع کرنا بیان کیا ہے کیونکہ جمع کرنے میں بھی ایک لحاظ سے قصر ہے کہ ان میں ایک نماز کے وقت دوسری نماز کو پڑھ لیا جاتا ہے، یعنی وقت کے اعتبار سے جمع کرنا بھی قصر ہے۔[1] نماز کی ادائیگی کے وقت سے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ الصَّلَوٰةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَٰبًا مَّوْقُوتًا﴾[2] "بلاشبہ اہل ایمان پر نماز اس کے مقررہ وقت میں فرض کی گئی ہے۔" اس لیے نماز کو بروقت ادا کرنا ہی ضروری ہے، لیکن بعض اسباب کی بنا پر ایک نماز کو دوسری نماز کے ساتھ جمع بھی کیا جا سکتا ہے۔ اسے شرعی اصطلاح میں دو نمازوں کو جمع کرنا کہتے ہیں۔ اس طرح جمع کرنے کی دو اقسام ہیں: ☆ جمع صوری: ایک نماز کو اس کے آخری وقت میں اور دوسری کو اول وقت میں ادا کرنا، یعنی دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت میں ادا ہوں۔ ☆ جمع حقیقی: ایک نماز کے وقت میں دوسری نماز ادا کرنا جمع حقیقی کہلاتا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں: * جمع تقدیم: پہلی نماز کے وقت میں دوسری نماز ادا کرنا جیسا کہ ظہر کے وقت میں عصر اور مغرب کے وقت میں عشاء پڑھنا۔ * جمع تاخیر: دوسری نماز کے وقت میں پہلی نماز ادا کرنا جیسا کہ عصر کے وقت میں ظہر اور عشاء کے وقت میں مغرب ادا کرنا۔ دوران سفر دونوں طریقوں سے نمازوں کو جمع کیا جا سکتا ہے۔ سفر کے علاوہ بارش، سخت آندھی، ٹھنڈی ہوا، بیماری یا کسی اہم ضرورت کے پیش نظر بھی دو نمازوں کو جمع کیا جا سکتا ہے لیکن بلاوجہ نمازوں کو جمع کرنا درست نہیں۔ بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بلاوجہ نمازوں کو جمع کرنا کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے۔ ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً بھی اس قسم کی روایت مروی ہے[3] لیکن وہ حنش بن قیس راوی کی وجہ سے ناقابل اعتماد ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے عرفہ میں ظہر کے وقت عصر کو اور مزدلفہ میں عشاء کے وقت مغرب کو ادا کیا تھا۔[4] ② امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ عنوان کے تحت تین احادیث پیش کی ہیں: پہلی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب سفر میں عجلت ہوتی تو مغرب اور عشاء کو جمع فرما لیتے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ سفر کو جاری رکھتے ہوئے ظہر اور عصر اسی طرح مغرب اور عشاء کو جمع کرتے۔ آخری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ مطلق طور پر سفر میں دو نمازوں کو جمع کر لیتے قطع نظر اس سے کہ سفر کے لیے عجلت ہوتی یا سفر کو جاری رکھے ہوئے ہوتے یا کہیں پڑاؤ کیا ہوتا۔ امام بخاری رحمہ اللہ

---

1. فتح الباري: 749/2. 2. النسآء 4:103. 3. جامع الترمذي، الصلاة، حديث: 188. 4. سنن أبي داود، المناسك، حديث: 1906.

کا رجحان یہی ہے کہ مطلق طور پر سفر میں دونمازوں کو جمع کیا جا سکتا ہے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ مطلق طور پر صرف میدان عرفات اور مزدلفہ میں دونمازوں کو جمع کیا جا سکتا ہے۔ ان کے علاوہ جمع حقیقی کی کوئی صورت جائز نہیں۔ مذکورہ احادیث کے پیش نظر یہ موقف محل نظر ہے۔ ③ آخر میں امام بخاری رحمہ اللہ نے متابعت کا ذکر کیا ہے۔ علی بن مبارک کی متابعت کو ابونعیم نے مستخرج میں متصل سند سے بیان کیا ہے۔[1] اور حرب بن شداد کی متابعت کو خود امام بخاری رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔[2] واضح رہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ مغرب اور عشاء میں جمع تقدیم اور جمع تاخیر دونوں کے قائل ہیں۔

(١٤) بَابٌ: هَلْ يُؤَذِّنُ أَوْ يُقِيمُ إِذَا جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ؟

باب: 14- مغرب و عشاء کو جمع کرتے وقت اذان دے یا صرف اقامت کہے

١١٠٩ – حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَالِمٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ إِذَا أَعْجَلَهُ السَّيْرُ فِي السَّفَرِ يُؤَخِّرُ صَلَاةَ الْمَغْرِبِ حَتَّى يَجْمَعَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْعِشَاءِ. قَالَ سَالِمٌ: وَكَانَ عَبْدُ اللهِ يَفْعَلُهُ إِذَا أَعْجَلَهُ السَّيْرُ، يُقِيمُ الْمَغْرِبَ فَيُصَلِّيهَا ثَلَاثًا ثُمَّ يُسَلِّمُ، ثُمَّ قَلَّمَا يَلْبَثُ حَتَّى يُقِيمَ الْعِشَاءَ فَيُصَلِّيهَا رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ يُسَلِّمُ، وَلَا يُسَبِّحُ بَيْنَهُمَا بِرَكْعَةٍ، وَلَا بَعْدَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ بِسَجْدَةٍ حَتَّى يَقُومَ مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ. [راجع: ١٠٩١]

[1109] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ کو سفر میں جلدی ہوتی تو نماز مغرب کو مؤخر فرماتے تا آنکہ مغرب و عشاء کو ملا کر پڑھتے۔ حضرت سالم کہتے ہیں: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو جب سفر میں جلدی ہوتی تو وہ بھی ایسا کرتے۔ مغرب کے لیے اقامت کہتے، پھر اس کی تین رکعات پڑھ کر سلام پھیرتے۔ اس کے بعد کچھ دیر ٹھہرتے حتی کہ عشاء کی اقامت کہتے اور اس کی دو رکعت پڑھتے پھر سلام پھیر تے۔ دونوں نمازوں کے درمیان اور عشاء کے بعد سنت وغیرہ نہ پڑھتے یہاں تک کہ پھر آدھی رات کے وقت تہجد کے لیے کھڑے ہوتے۔

١١١٠ – حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَبْدِ الْوَارِثِ قَالَ: حَدَّثَنَا حَرْبٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى قَالَ: حَدَّثَنِي حَفْصُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَنَسٍ أَنَّ أَنَسًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ حَدَّثَهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَجْمَعُ بَيْنَ هَاتَيْنِ الصَّلَاتَيْنِ فِي السَّفَرِ، يَعْنِي الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ. [راجع: ١٠٠٨]

[1110] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دوران سفر ان دونوں نمازوں، یعنی مغرب اور عشاء کو جمع کرتے تھے۔

1 فتح الباري: 749/2. 2 صحيح البخاري، التقصير، حديث: 1110.

فوائد و مسائل: ﴿ علامہ کرمانی فرماتے ہیں: لفظ صلاۃ کے اطلاق سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان نمازوں کو ان کے ارکان، شروط اور سنن وغیرہ سمیت پڑھتے تھے اور اذان و اقامت کی حیثیت نماز کے لیے سنت کی ہے، لہٰذا اس کے لیے اذان اور اقامت کا بھی اہتمام کرتے، مطلق شے سے مراد اس کا فرد کامل ہوتا ہے۔[1] ﴿ ہمارے نزدیک امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کے ذریعے سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کی تفسیر فرمائی ہے کیونکہ حدیث انس رضی اللہ عنہ میں اذان یا اقامت کا ذکر نہیں ہے، جبکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں مغرب اور عشاء کے لیے اقامت کہنے کی صراحت ہے، چنانچہ سنن دار قطنی کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دوران سفر اذان نہیں دیتے تھے بلکہ اقامت کہنے کے بعد دونوں نمازوں کو ملا کر ادا کرتے تھے، یعنی ہر نماز کے لیے الگ اقامت کہتے تھے۔[2] ﴿ اس حدیث میں یہ وضاحت نہیں کہ نماز مغرب کو کس حد تک مؤخر کیا جائے۔ ایک روایت میں ہے کہ غروب آفتاب کے بعد سرخی غائب ہونے تک اسے مؤخر کرتے، پھر پڑاؤ کر کے مغرب اور عشاء کو ملا کر پڑھتے۔[3] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مزدلفہ میں ایک اذان اور دو دفعہ اقامت کے ساتھ نماز مغرب اور عشاء کو جمع کیا تھا۔[4] راجح یہی ہے کہ ہر نماز کے لیے الگ الگ اقامت ہو، البتہ اذان ایک ہی کافی ہو گی۔

(١٥) بَابٌ: يُؤَخِّرُ الظُّهْرَ إِلَى الْعَصْرِ إِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ أَنْ تَزِيغَ الشَّمْسُ	باب: 15- جو شخص زوال آفتاب سے پہلے سفر شروع کرے وہ ظہر کو عصر تک مؤخر کرے

فِيهِ ابْنُ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

اس کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے جسے انھوں نے نبی ﷺ سے بیان کیا ہے۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک جمع تاخیر اس وقت جائز ہے جب کوئی ظہر کے وقت سے پہلے پہلے اپنے سفر کا آغاز کر دے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو خود امام بخاری رحمہ اللہ نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔[5] اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے سفر کو جاری رکھتے ہوئے ظہر اور عصر کو جمع کرتے تھے۔ اس سے مراد جمع تاخیر ہے جیسا کہ یحییٰ بن عبدالحمید کی روایت میں اس کی صراحت ہے۔[6]

١١١١ - حَدَّثَنَا حَسَّانُ الْوَاسِطِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا الْمُفَضَّلُ بْنُ فَضَالَةَ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ

[1111] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ جب زوال آفتاب سے پہلے سفر کا آغاز کرتے تو نماز ظہر کو عصر تک مؤخر کرتے، پھر ظہر اور عصر

---

1 فتح الباري 750/2. 2 فتح الباري: 750/2. 3 صحيح البخاري، الجهاد والسير، حديث: 3000. 4 صحيح مسلم، الحج، حديث: 2950(1218). 5 صحيح البخاري، التقصير، حديث: 1107. 6 فتح الباري 752/2.

ﷺ إِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ أَنْ تَزِيغَ الشَّمْسُ أَخَّرَ الظُّهْرَ إِلَى وَقْتِ الْعَصْرِ، ثُمَّ يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا، وَإِذَا زَاغَتْ صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ رَكِبَ. [انظر: ١١١٢]

دونوں کو ملا کر پڑھتے۔ اور جب سورج ڈھلنے کے وقت سفر شروع کرتے تو نماز ظہر پڑھ کر اپنے سفر پر روانہ ہوتے۔

فائدہ: ایک روایت میں ہے کہ نماز ظہر کو اس حد تک مؤخر کرتے کہ عصر کا اول وقت شروع ہو جاتا، پھر پڑاؤ کرتے اور نماز ظہر اور عصر کو ملا کر پڑھتے۔ ایک روایت میں ہے کہ دوران سفر نماز مغرب کو بھی مؤخر کرتے، تا آنکہ غروب شفق کے بعد مغرب اور عشاء کو ملا کر پڑھتے۔ بہرحال امام بخاری ظہر اور عصر میں جمع تاخیر کے قائل ہیں۔ جمع تقدیم کے متعلق امام بخاری ؒ کا موقف واضح نہیں ہے۔[1]

(١٦) بَابٌ: إِذَا ارْتَحَلَ بَعْدَ مَا زَاغَتِ الشَّمْسُ صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ رَكِبَ

باب: 16- جو شخص زوال آفتاب کے بعد سفر شروع کرے، وہ پہلے نماز ظہر پڑھے پھر سفر کا آغاز کرے

١١١٢ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الْمُفَضَّلُ بْنُ فَضَالَةَ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ أَنْ تَزِيغَ الشَّمْسُ أَخَّرَ الظُّهْرَ إِلَى وَقْتِ الْعَصْرِ، ثُمَّ نَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا، فَإِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ يَرْتَحِلَ صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ رَكِبَ. [راجع: ١١١١]

[1112] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ جب زوال آفتاب سے پہلے سفر شروع کرتے تو نماز ظہر کو وقت عصر تک مؤخر کرتے، پھر پڑاؤ کر کے دونوں کو جمع کر لیتے۔ اگر سفر کے آغاز سے پہلے سورج ڈھل جاتا تو نماز ظہر پڑھ کر سوار ہوتے۔

فائدہ: اس روایت میں زوال آفتاب کے بعد سفر شروع کرنے کی صورت میں صرف نماز ظہر پڑھنے کا ذکر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دو نمازوں کو جمع کرنے کی یہ صورت ہے کہ پہلی نماز کو دوسری نماز کے وقت میں ادا کیا جاتا ہے جسے اصطلاح میں جمع تاخیر کہتے ہیں۔ امام بخاری ؒ کا رجحان بھی یہی معلوم ہوتا ہے لیکن اس روایت کو جب امام اسحاق بن راہویہ نے بیان کیا ہے تو اس کے الفاظ یہ ہیں: رسول اللہ ﷺ اگر سفر میں ہوتے اور سورج ڈھل جاتا تو ظہر اور عصر کو ملا کر پڑھ لیتے پھر سفر کا آغاز کرتے۔ اس روایت کا تقاضا ہے کہ جمع تقدیم بھی جائز ہے۔ اس کی تائید ایک دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے جسے امام حاکم نے اربعین میں بیان کیا ہے کہ اگر کوچ کرنے سے پہلے سورج ڈھل جاتا تو ظہر اور عصر کو جمع کرتے اور پھر سوار ہوتے۔ اسے اسحاق بن راہویہ کی روایت کے لیے بطور متابعت پیش کیا جا سکتا ہے۔[2] جمع تقدیم کے لیے حضرت معاذ بن جبل ؓ کی روایت بھی بطور دلیل پیش کی جاتی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ زوال آفتاب کے بعد سفر کا ارادہ فرماتے تو ظہر اور عصر کو اکٹھا ادا فرما

---

1 فتح الباري: 762/2. 2 فتح الباري: 253/2.

لیتے۔[1] رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ تبوک کے موقع پر ایسا کیا تھا۔[2] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بھی اس طرح کی ایک روایت مروی ہے۔[3] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اس طرح کی ایک روایت مروی ہے۔[4] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی پسندیدہ جگہ پر پڑاؤ کرتے تو ظہر اور عصر ملا کر پڑھ لیتے، پھر سفر کا آغاز کرتے اور اگر مناسب جگہ میسر نہ آتی تو اپنے سفر کو جاری رکھتے، پھر کسی مناسب مقام پر اتر کر ظہر اور عصر کو جمع کر کے ادا فرما لیتے۔[5] اس کے تمام راوی ثقہ ہیں لیکن اس کے مرفوع ہونے میں شک ہے، تاہم امام بیہقی نے اس روایت کو بڑے جزم و وثوق کے ساتھ موقوف بھی بیان کیا ہے۔ واضح رہے کہ دوران سفر میں نمازوں کو جمع کرنے کے علاوہ بارش، بیماری یا کسی دوسری ہنگامی ضرورت کے پیش نظر بھی جمع کیا جا سکتا ہے۔[6] الغرض نمازوں کو ناگزیر قسم کے حالات اور شدید مجبوری کی صورت میں تو جمع کیا جا سکتا ہے جیسا کہ سفر، خوف، بیماری، بارش، سخت آندھی یا کسی ہنگامی ضرورت کے وقت دو نمازیں جمع کی جاتی ہیں، تاہم شدید ضرورت کے بغیر دو نمازوں کو جمع کرنا جائز نہیں جیسا کہ ہمارے کاروباری حضرات کا عام معمول ہے کہ وہ سستی یا کاروباری مصروفیت کی وجہ سے ایسا کر لیتے ہیں۔ یہ صحیح نہیں بلکہ سخت گناہ ہے۔ بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ عذر کے بغیر نمازوں کو جمع کرنا کبیرہ گناہ ہے۔[7] اس سلسلے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک روایت پیش کی جاتی ہے کہ انھوں نے ایک دفعہ بلا عذر نمازوں کو جمع کیا تھا، حالانکہ اس روایت میں منقول عذر کی وضاحت موجود ہے۔[8]

(۱۷) بَابُ صَلَاةِ الْقَاعِدِ

باب: 17- بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کا حکم

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کو مطلق رکھا ہے، یعنی عذر یا بلا عذر کا ذکر نہیں کیا۔ اس میں دو احتمال ہیں: * عذر کی بنا پر بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کے متعلق بیان کرنا مقصود ہے، خواہ وہ امام ہو یا مقتدی یا اکیلا۔ * بغیر عذر کے بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کا حکم۔ اس کے تحت جو احادیث پیش کی گئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ عذر کی بنا پر بیٹھ کر نماز ادا کرنے والے کا حکم بیان کرنا چاہتے ہیں۔ اس سے ابواب تقصیر کے ساتھ مناسبت بھی ظاہر ہے کہ سفر اور مرض دونوں اسباب تخفیف ہیں اور بسا اوقات دوران سفر بھی نمازی کو ایسے عوارض پیش آ سکتے ہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے اس لیے مطلق رکھا ہو تا کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے کا جواز ثابت کیا جائے، خواہ عذر ہو یا نہ ہو، لیکن اس بات پر اجماع ہے کہ تندرست آدمی کو فرض نماز بیٹھ کر ادا کرنا جائز نہیں۔[9]

١١١٣ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ: صَلَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي

[1113] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھر میں بوجہ علالت بیٹھ کر نماز پڑھی اور لوگوں نے آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز

---

1 مسند أحمد: 241/5. 2 السنن الكبرى للبيهقي: 163/3. 3 السنن الكبرى للبيهقي: 164/3. 4 السنن الكبرى للبيهقي: 164/3. 5 السنن الكبرى للبيهقي: 164/3. 6 السنن الكبرى للبيهقي: 160/3. 7 فتح الباري: 763/2. 8 صحيح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 1636 (705). 9 فتح الباري: 764/2.

بَيْتِهِ وَهُوَ شَاكٍ فَصَلَّى جَالِسًا وَصَلَّى وَرَاءَهُ قَوْمٌ قِيَامًا، فَأَشَارَ إِلَيْهِمْ أَنِ اجْلِسُوا، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: «إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوا». [راجع: ٦٨٨]

شروع کی تو آپ نے انھیں اشارے سے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوتے تو فرمایا: "امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، لہٰذا جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور جب وہ رکوع سے سر اٹھائے تو تم بھی اس وقت رکوع سے سر اٹھاؤ۔"

١١١٤ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَقَطَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ فَرَسٍ فَخُدِشَ - أَوْ فَجُحِشَ - شِقُّهُ الْأَيْمَنُ، فَدَخَلْنَا عَلَيْهِ نَعُودُهُ فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَصَلَّى قَاعِدًا فَصَلَّيْنَا قُعُودًا. وَقَالَ: «إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوا، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَقُولُوا: رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ». [راجع: ٣٧٨]

[1114] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ گھوڑے سے گر پڑے تو آپ کا دایاں پہلو زخمی ہو گیا۔ ہم لوگ آپ کی تیمار داری کے لیے حاضر ہوئے تو نماز کا وقت آ گیا۔ آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ ہم نے بھی آپ کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: "امام اسی لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، لہٰذا جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو، جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو، جب وہ رکوع سے سر اٹھائے تو تم بھی اس وقت سر اٹھاؤ اور جب وہ سمع اللّٰه لمن حمده کہے تو اس کے بعد تم ربنا ولك الحمد کہو۔"

فائدہ: اس حدیث کے متعلق وضاحت پہلے بیان ہو چکی ہے، ملاحظہ ہو: (حدیث: 688 اور 689) امام بخاری رحمہ اللہ نے ان احادیث سے یہ ثابت کیا ہے کہ عذر کی بنا پر بیٹھ کر نماز پڑھنا مشروع ہے۔ البتہ عذر کے بغیر بیٹھ کر نماز پڑھنا جیسا کہ اس روایت میں ہے، منسوخ ہے جیسا کہ امام حمیدی رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھا ہے، وہ فرماتے ہیں: آپ کے پیچھے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا بیٹھ کر نماز پڑھنا نماز قدیم میں تھا۔ اس کے بعد مرض وفات میں آپ نے لوگوں کو بیٹھ کر نماز پڑھائی اور لوگوں نے آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز ادا کی اور آپ نے انھیں بیٹھنے کا حکم نہیں دیا۔ اس لیے آپ کا آخری عمل یہی ہے کہ امام اگر عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز ادا کرتا ہے تو اس کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز ادا کرنی چاہیے۔[1]

١١١٥ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ قَالَ: أَخْبَرَنَا حُسَيْنٌ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ

[1115] حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جو مرض بواسیر میں مبتلا تھے، انھوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے بیٹھ کر نماز پڑھنے کے متعلق دریافت کیا تو آپ

1 صحيح البخاري، الأذان، حديث: 688.

وَأَخْبَرَنَا بِشْحَاقُ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ قَالَ. سَمِعْتُ أَبِي قَالَ: حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ قَالَ. حَدَّثَنِي عِمْرَانُ بْنُ الْحُصَيْنِ وَكَانَ مَبْسُورًا قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنْ صَلَاةِ الرَّجُلِ قَاعِدًا فَقَالَ: «إِنْ صَلَّى قَائِمًا فَهُوَ أَفْضَلُ وَمَنْ صَلَّى قَاعِدًا فَلَهُ نِصْفُ أَجْرِ الْقَائِمِ، وَمَنْ صَلَّى نَائِمًا فَلَهُ نِصْفُ أَجْرِ الْقَاعِدِ». [انظر: ١٦٦١، ١٦٦٢]

نے فرمایا: ”اگر وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو افضل ہے اور اگر وہ بیٹھ کر نماز پڑھے گا تو اسے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کے ثواب سے آدھا ثواب ملے گا اور جو لیٹ کر نماز پڑھے گا اسے بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کے ثواب سے نصف ثواب ملے گا۔“

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں یہ وضاحت نہیں کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے فرض نماز بیٹھ کر پڑھنے والے کے متعلق سوال کیا تھا یا نفل نماز۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اگر کوئی شخص فرض نماز مشقت کے باوجود کھڑے ہو کر پڑھتا ہے تو یہ افضل اور اولیٰ ہے، تاہم جو شخص ایسے حالات میں بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے تو اسے صحیح اور تندرست کا ثواب ملے گا جیسا کہ حدیث میں ہے: ”جو شخص بیمار ہو جائے یا حالت سفر میں ہو تو ایسے حالات میں جو نیک عمل کرے گا اسے تندرست و مقیم کے برابر ثواب دیا جائے گا۔“[1] اگر نفل نماز بیٹھ کر ادا کرتا ہے، حالانکہ وہ کھڑا ہو کر ادا کرنے کی ہمت رکھتا ہے تو ایسے شخص کو نصف اجر ملے گا اور بے بسی اور عاجزی کی وجہ سے بیٹھ کر نفل پڑھتا ہے تو اسے پورا ثواب ملے گا، البتہ فرض نماز اگر کھڑے ہو کر ادا کرنے کی ہمت کے باوجود بیٹھ کر ادا کی جائے تو ایسا کرنا صحیح نہیں۔[2] ② بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کے عموم سے رسول اللہ ﷺ مستثنیٰ ہیں کیونکہ آپ کی خصوصیت ہے کہ اگر آپ بیٹھ کر بھی نفل ادا کریں تو بھی اللہ کے ہاں آپ کو پورا اجر دیا جاتا ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مجھے ارشاد نبوی معلوم ہوا: بیٹھ کر نماز والے کو نصف اجر ملتا ہے۔ میں نے ایک دن رسول اللہ ﷺ کو بیٹھ کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو مارے حیرت کے اپنے ہاتھ سر پر رکھ لیے۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے دریافت کیا تو میں نے اپنی حیرت کا سبب بیان کیا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ میں تمھارے جیسا نہیں ہوں۔[3] ③ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر دیار عرب کے مشہور عالم دین فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ کی تحقیق کا خلاصہ پیش کر دیا جائے، وہ فرماتے ہیں: مریض کے لیے ضروری ہے کہ وہ بحالت قیام نماز ادا کرے اگرچہ جھکاؤ کے ساتھ کھڑا ہو یا کسی دیوار، ستون یا لاٹھی کا سہارا لے کر کھڑا ہو۔ اگر کسی صورت میں کھڑا ہونے کی ہمت نہیں تو بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت ہے لیکن اس صورت میں بہتر ہے قیام اور رکوع کے موقع پر آلتی پالتی مار کر بیٹھے اور سجدہ کے وقت دو زانو بیٹھے۔[4]

(١٨) بَابُ صَلَاةِ الْقَاعِدِ بِالْإِيمَاءِ

باب: 18- بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھنا

1. فتح الباري: 756/2. 2. عمدة القاري: 433/2. 3. صحيح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 1715 (735). 4. صلاة المريض، ص: 8.

١١١٦ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ قَالَ: حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ الْمُعَلِّمُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ أَنَّ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ - وَكَانَ رَجُلًا مَبْسُورًا - وَقَالَ أَبُو مَعْمَرٍ مَرَّةً عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ صَلَاةِ الرَّجُلِ وَهُوَ قَاعِدٌ، فَقَالَ: «مَنْ صَلَّى قَائِمًا فَهُوَ أَفْضَلُ، وَمَنْ صَلَّى قَاعِدًا فَلَهُ نِصْفُ أَجْرِ الْقَائِمِ، وَمَنْ صَلَّى نَائِمًا فَلَهُ نِصْفُ أَجْرِ الْقَاعِدِ». [راجع: ١١١٥]

[1116] حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، جنھیں مرض بواسیر کی شکایت تھی، انھوں نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ سے بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ''اگر وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے تو افضل ہے اور اگر بیٹھ کر نماز پڑھے تو اسے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کے ثواب سے نصف اجر ملے گا اور جو لیٹ کر نماز پڑھے گا اسے بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کے ثواب سے نصف ثواب ملے گا۔''

فوائد و مسائل: ① حدیث میں اشارے سے نماز پڑھنے کا ذکر نہیں۔ چونکہ حدیث میں بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کے متعلق تفصیل نہیں کہ وہ کس طرح نماز پڑھے، اس عموم کے پیش نظر امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر بیٹھ کر نماز پڑھنے والا اشارے سے رکوع اور سجود کر لے تو اس کے لیے جائز ہے۔ بعض مالکی حضرات کا یہ موقف ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والا اگر رکوع اور سجود کر سکتا ہو تو بھی اسے اجازت ہے کہ وہ اشارے سے نماز پڑھ لے۔ واللہ أعلم. ② شیخ محمد بن صالح العثیمین لکھتے ہیں: اگر مریض بیٹھ کر نماز نہیں پڑھ سکتا تو اپنے پہلو کے بل لیٹ کر قبلے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے، دائیں پہلو پر لیٹنا افضل ہے۔ اگر قبلے کی طرف منہ کرنے کی ہمت نہیں تو جس سمت بھی منہ ہے نماز پڑھ لے۔ اگر پہلو کے بل لیٹ نہیں سکتا تو سیدھا لیٹ کر نماز ادا کرے۔ اس صورت میں اس کے پاؤں قبلے کی طرف ہوں گے۔ بہتر ہے کہ سر کے نیچے کوئی چیز رکھ کر اسے اونچا کرے تاکہ قبلے کی طرف اس کا منہ ہو سکے۔ اگر پاؤں قبلے کی طرف نہ ہو سکیں تو جیسے بھی ممکن ہو نماز پڑھ لے۔ مریض کو چاہیے کہ وہ رکوع و سجود بجا لائے۔ اگر اس کی ہمت نہیں تو اشارے سے رکوع اور سجدہ کر لے۔ ایسی حالت میں سجدے کے وقت کچھ زیادہ جھکے۔ اگر سر کے اشارے سے نماز نہیں پڑھ سکتا تو آنکھ کے اشارے سے نماز پڑھے۔ رکوع کے وقت تھوڑی سی آنکھ بند کر لے اور سجدے کے وقت اس سے زیادہ بند کرے۔ بعض مریض انگلی کے اشارے سے نماز پڑھتے ہیں، اس کا ثبوت کتاب و سنت سے نہیں ملتا اور نہ اہل علم ہی میں سے کسی نے اس کی اجازت دی ہے۔ اگر آنکھ سے اشارہ بھی نہیں کر سکتا تو دل سے نماز ادا کرے، یعنی رکوع، سجود، قیام و قعود کی دل سے نیت کرے، ہر انسان کو وہی کچھ ملے گا جو اس نے نیت کی، بہر حال جب تک اسے ہوش ہے اس سے نماز معاف نہیں ہوتی۔[1]

(١٩) بَابٌ: إِذَا لَمْ يُطِقْ قَاعِدًا صَلَّى عَلَى جَنْبٍ

باب: 19- جب بیٹھ کر نماز پڑھنے کی طاقت نہ ہو تو لیٹ کر پڑھ لے

[1] صلاة المريض، ص: 6.

وَقَالَ عَطَاءٌ: إِنْ لَمْ يَقْدِرْ أَنْ يَتَحَوَّلَ إِلَى الْقِبْلَةِ صَلَّى حَيْثُ كَانَ وَجْهُهُ.

عطاء بن ابی رباح نے کہا: اگر قبلے کی طرف منہ کرنے کی ہمت نہ ہو تو جس طرف بھی منہ ہو نماز پڑھ لے۔

وضاحت: اس اثر کو امام عبدالرزاق نے متصل سند سے اپنی کتاب "المصنف" میں بیان کیا ہے۔ اس کا باب سے تعلق اس طرح ہے کہ اگر کوئی انسان فرض ادا کرنے کی ہمت نہیں رکھتا تو وہ فرض اس سے ساقط نہیں ہوتا بلکہ اس سے کم کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

۱۱۱۷ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ عَبْدِ اللهِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ طَهْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي الْحُسَيْنُ الْمُكْتِبُ، عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَتْ بِي بَوَاسِيرُ فَسَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَنِ الصَّلَاةِ؟ فَقَالَ: «صَلِّ قَائِمًا، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَعَلَى جَنْبٍ». [راجع: ۱۱۱۵]

[1117] حضرت عمران بن حصین ؓ سے روایت ہے، انھوں نے بتایا کہ مجھے بواسیر تھی تو میں نے نبی ﷺ سے نماز پڑھنے کے متعلق دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا: "کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔ اگر اس کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر ادا کرو۔ اگر اس کی بھی ہمت نہ ہو تو پہلو کے بل لیٹ کر نماز پڑھو۔"

فوائد و مسائل: ① عدم استطاعت سے مراد شدید مشقت یا مرض کے بڑھنے کا اندیشہ یا ہلاک ہونے کا خطرہ ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس ؓ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ نمازی کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنی چاہیے۔ اگر اسے مشقت ہے تو بیٹھ کر پڑھ لے اور اگر بیٹھ کر پڑھنے میں تکلیف ہے تو پہلو کے بل لیٹ کر نماز ادا کرے۔ ② مجاہد کہیں چھپا ہوا ہے تو اسے بھی بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت ہے کیونکہ اگر کھڑا ہو کر نماز پڑھے گا تو دشمن کی طرف سے حملے کا خطرہ ہے۔ حافظ ابن حجر ؒ نے اسے عذر نادر قرار دے کر بعد میں نماز قضا کرنے کے متعلق لکھا ہے۔[1] لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اسے قضا کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ مجاہد کا عذر بیماری کے عذر سے زیادہ قابل اعتبار ہے۔ والله أعلم. ③ اس سے نماز کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے کہ جب تک ہوش و حواس قائم ہیں، کسی صورت میں معاف نہیں۔ اگر ایک فرض کی ادائیگی سے قاصر ہے تو دوسرے فرض کی طرف منتقل ہو جائے جیسا کہ کھڑا ہو کر نہ پڑھ سکے تو بیٹھ کر پڑھے، اسی طرح اگر قبلہ رخ نہ ہو سکے تو جدھر آسانی سے منہ کر سکتا ہے اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھے۔

(۲۰) بَابٌ: إِذَا صَلَّى قَاعِدًا ثُمَّ صَحَّ أَوْ وَجَدَ خِفَّةً تَمَّمَ مَا بَقِيَ

باب: 20- جب کوئی بیٹھ کر نماز شروع کرے پھر دوران نماز (مرض میں) کچھ کمی یا صحت محسوس کرے تو باقی نماز (کھڑا ہو کر) پوری کرے

1 فتح الباري: 2/758. 2 فتح الباري: 2/759.

وَقَالَ الْحَسَنُ: إِنْ شَاءَ الْمَرِيضُ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ قَائِمًا وَرَكْعَتَيْنِ قَاعِدًا

حضرت حسن بصری ؒ کہتے ہیں کہ مریض کو اختیار ہے چاہے تو دو رکعت بیٹھ کر پڑھے اور دو کھڑے ہو کر ادا کرے۔

وضاحت: بعض حضرات کا موقف ہے کہ اگر مریض نے بیٹھ کر نماز پڑھنی شروع کی، پھر دوران نماز میں تندرست ہوگیا تو اسے نماز از سر نو پڑھنا ہوگی۔ امام بخاری ؒ فرماتے ہیں کہ اسے از سر نو پڑھنے کی ضرورت نہیں بلکہ ادا کردہ نماز پر بنا کرتے ہوئے باقی نماز ادا کرے۔[1]

١١١٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ: أَنَّهَا لَمْ تَرَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يُصَلِّي صَلَاةَ اللَّيْلِ قَاعِدًا قَطُّ حَتَّى أَسَنَّ فَكَانَ يَقْرَأُ قَاعِدًا حَتَّى إِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ قَامَ فَقَرَأَ نَحْوًا مِنْ ثَلَاثِينَ آيَةً أَوْ أَرْبَعِينَ آيَةً ثُمَّ رَكَعَ. [أطرافه في: ١١١٩، ١١٤٨، ١١٦١، ١١٦٨، ٤٨٣٧]

[1118] ام المومنین حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز تہجد کبھی بیٹھ کر پڑھتے نہیں دیکھا لیکن جب عمر رسیدہ ہو گئے تو آپ بیٹھ کر قراءت کرتے، پھر جب رکوع کرنا چاہتے تو کھڑے ہو کر تقریباً تیس چالیس آیات پڑھ کر رکوع فرماتے۔

١١١٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ يَزِيدَ، وَأَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي جَالِسًا فَيَقْرَأُ وَهُوَ جَالِسٌ، فَإِذَا بَقِيَ مِنْ قِرَاءَتِهِ نَحْوٌ مِنْ ثَلَاثِينَ آيَةً أَوْ أَرْبَعِينَ آيَةً قَامَ فَقَرَأَهَا وَهُوَ قَائِمٌ ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ سَجَدَ، يَفْعَلُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذٰلِكَ، فَإِذَا قَضَى صَلَاتَهُ نَظَرَ فَإِنْ كُنْتُ يَقْظَى تَحَدَّثَ مَعِي، وَإِنْ كُنْتُ نَائِمَةً اضْطَجَعَ. [راجع: ١١١٨]

[1119] ام المومنین حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیٹھ کر نماز پڑھتے اور بیٹھنے کی حالت میں قراءت کرتے اور جب تقریباً تیس یا چالیس آیات باقی رہ جاتیں تو کھڑے ہو جاتے اور بحالت قیام انھیں تلاوت فرماتے، پھر رکوع کرتے اور سجدے میں چلے جاتے۔ اس کے بعد دوسری رکعت میں بھی ایسا ہی کرتے۔ اور جب نماز سے فارغ ہو جاتے تو دیکھتے، اگر میں بیدار ہوتی تو میرے ساتھ گفتگو ہوتے اور اگر میں نیند میں ہوتی تو آپ بھی لیٹ جاتے۔

1 فتح الباري: 780/2.

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ بیٹھ کر نماز شروع کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ نمازی اپنی تمام نماز بیٹھ کر ہی مکمل کرے کیونکہ جس طرح بیٹھ کر شروع کرنے کے بعد کھڑا ہونا درست ہے، اسی طرح کھڑے ہو کر شروع کرنے کے بعد بیٹھ جانا بھی جائز ہے۔ ان دونوں حالتوں میں کوئی فرق نہیں، نیز جو انسان لیٹ کر نماز پڑھتا ہے، پھر دوران نماز میں اسے بیٹھ کر یا کھڑا ہو کر نماز پڑھنے کی ہمت پیدا ہو جاتی ہے تو اسے چاہیے کہ وہ بھی سابقہ نماز پر بنیاد رکھتے ہوئے اپنی بقیہ نماز کو بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر پورا کرے۔ بعض فقہاء اس کی اجازت نہیں دیتے لیکن یہ حدیث ان کے خلاف ہے۔ ② ابن بطال فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا عنوان فرض سے متعلق ہے جبکہ احادیث نفل نماز کے بارے میں ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان احادیث سے استنباط فرمایا ہے کہ جب نفل نماز میں بغیر کسی عذر کے بیٹھنا جائز ہے لیکن پھر بھی رسول اللہ ﷺ رکوع سے پہلے کھڑے ہو جاتے تھے تو فرض نماز جس میں بلا عذر بیٹھنا جائز ہی نہیں، جب عذر زائل ہو جائے تو پھر قیام بالطریق اولیٰ جائز ہوگا کیونکہ اس میں اب بیٹھنے کا عذر ختم ہو چکا ہے۔[1]

1- فتح الباري: 761/2.

نماز تہجد کی فضیلت کا بیان

تہجد، ہجود سے ہے جس کے لغوی معنی سونا اور سو کر بیدار ہونا دونوں ہیں۔ چونکہ نماز تہجد سو کر اٹھنے کے بعد رات کے آخری حصے میں پڑھی جاتی ہے، اس لیے اسے تہجد کہتے ہیں۔ اس اعتبار سے بعض لوگ قبل از نیند رات کے نوافل کو تہجد قرار نہیں دیتے۔ ان کے نزدیک تہجد وہی ہے جو سو کر اٹھنے کے بعد پڑھی جائے۔ لیکن اس کی کوئی دلیل نہیں۔ تاہم عام لوگوں کے لیے بھی، جن کے لیے رات کو بیدار ہونا باعث مشقت اور طبیعت پر گراں ہوتا ہے، یہ خوش خبری ہے کہ اگر کوئی شخص نماز عشاء کے متصل وتر کے بعد دو رکعت پڑھ کر سو جائے اور رات کو وہ بیدار نہ بھی ہو سکے تو وہی دو رکعت اس کے لیے قیام اللیل اور تہجد کی جگہ کافی ہوں گی۔[1]

فرائض پنجگانہ کے بعد اس نماز کی بہت اہمیت وفضیلت ہے۔ دراصل نماز عشاء اور نماز فجر کے درمیان کے طویل وقفے میں کوئی نماز فرض نہیں کی گئی، حالانکہ یہ وقت اس اعتبار سے نہایت قیمتی ہوتا ہے کہ اس میں پرسکون لمحات میسر آتے ہیں۔ اگر آدمی نماز عشاء ادا کرنے کے بعد کچھ دیر کے لیے سو جائے، پھر نصف شب گزر جانے کے بعد کسی وقت بیدار ہو جائے تو ان لمحات میں بڑی یکسوئی اور دل جمعی نصیب ہوتی ہے۔ اس دوران میں نماز پڑھتے وقت دل کو سکون اور اطمینان نصیب ہوتا ہے جو دوسرے کسی وقت میں میسر نہیں آتا۔ قرآن کریم کی صراحت کے مطابق ایسے وقت میں بستر چھوڑ کر نماز پڑھنا نفس کی ریاضت اور اس کی تربیت کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ قِيلًا﴾ "رات کا اٹھنا یقیناً نفس کو زیر کرنے (کچلنے) کا ذریعہ ہے اور قرآن پڑھنے کے لیے بھی زیادہ موزوں وقت ہے۔"[2]

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے تہجد گزار بندوں کی بایں الفاظ تعریف فرمائی ہے: ﴿تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ۝ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ "ان کے پہلو بستروں سے جدا رہتے ہیں۔ (اور) وہ اپنے رب کو ڈرتے ہوئے اور امید سے پکارتے ہیں۔ اور جو رزق ہم نے انھیں دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان کے لیے

---

1 سنن الدارمي، الصلاة، حديث: 1601. 2 المزمل 6:73.

آنکھوں کی ٹھنڈک کی کیا کیا چیزیں چھپا کر رکھی گئی ہیں۔ یہ ان کاموں کا بدلہ ہے جو وہ دنیا میں کیا کرتے تھے۔"[1]

قرآن کریم میں ایک مقام پر رسول اللہ ﷺ کو تہجد کا حکم دینے کے ساتھ آپ کو مقام محمود کی امید دلائی گئی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ عَسَىٰٓ أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا﴾[2] "آپ رات کے کچھ حصے میں تہجد ادا کیجیے۔ یہ آپ کے لیے زائد (اور مخصوص) ہے۔ امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا۔"

واضح رہے کہ مقام محمود جنت میں ایک بلند ترین مقام ہے جو قیامت کے دن صرف رسول اللہ ﷺ کو نصیب ہوگا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ مقام محمود اور نماز تہجد میں کوئی خاص مناسبت ہے، اس لیے جو امتی نماز تہجد سے شغف رکھیں گے انھیں مقام محمود کے کسی ادنیٰ درجے میں رسول اللہ ﷺ کی رفاقت ضرور نصیب ہوگی۔

احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رات کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم اور اپنی خاص شان رحمت کے ساتھ آسمان اول پر نزول فرماتا اور اپنے بندوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ان مبارک ساعات اور پرکیف لمحات کا احساس دلانے کے لیے تہجد کا عنوان قائم کیا ہے۔ اس میں تقریباً اڑسٹھ (68) احادیث بیان کی ہیں، پھر ان پر موقع و محل کی مناسبت سے سینتیس (37) چھوٹے چھوٹے عنوان قائم کیے ہیں۔ تہجد رات کی نفل نماز ہے، اس مناسبت سے دن میں جو نفل نمازیں خصوصی اہمیت کی حامل ہیں، ان کے متعلق بھی احادیث پیش کی ہیں، مثلاً: نماز فجر سے پہلے دو سنتوں کی اہمیت و فضیلت، ان میں قراءت اور سلام پھیرنے کے بعد دائیں پہلو پر لیٹنے کی حیثیت، پھر نماز چاشت کا بیان، اسی طرح گھروں میں نوافل ادا کرنے کا اہتمام اور ان کی جماعت کو بطور خاص بیان کیا ہے۔ نماز تہجد کے متعلق اس کی اہمیت و فضیلت، رمضان المبارک میں اس کا خصوصی اہتمام، اس کی رکعات کی تعداد، نیز اس کے متعلق عدم تشدد اور اس کے کلیتاً ترک کرنے کی نحوست، بیماری یا کسی اور وجہ سے اس کا ترک کرنا، نیز اس میں قیام اور سجود کا لمبا کرنا، خاص طور پر رسول اللہ ﷺ کی نماز تہجد کا نمونہ اور امت کو اس کے متعلق شوق دلانا، علاوہ ازیں وقت سحر اور اس کی فضیلت وغیرہ کو امام بخاری رحمہ اللہ نے خصوصیت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مرفوع احادیث کے علاوہ اس میں صحابۂ کرام اور تابعین عظام کے آثار بھی بیان فرمائے ہیں۔ قارئین سے گزارش ہے کہ وہ اپنے قلوب و اذہان کو جلا بخشنے کے لیے اس کا مطالعہ کریں اور شب بیداری کے جذبے سے ان احادیث کو پڑھیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان مبارک لمحات میں نیاز و مناجات کی توفیق دے۔ آمین یا رب العالمین۔

---

1 السجدة 32: 16، 17۔ 2 بنی إسرآئیل 17: 79۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

19 - كِتَابُ التَّهَجُّدِ

نماز تہجد سے متعلق احکام و مسائل

(1) - بَابُ التَّهَجُّدِ بِاللَّيْلِ

وَقَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ﴾ [الإسراء: ٧٩]

باب 1- رات کے وقت تہجد پڑھنا

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ﴾ "آپ رات کے کچھ حصے میں تہجد ادا کریں۔ یہ آپ کے لیے زائد (اور مخصوص) ہے۔"

وضاحت: امام بخاری ہللہ کا مقصد نماز تہجد کی مشروعیت بیان کرنا ہے۔ انھوں نے اس کے حکم سے تعرض نہیں کیا۔ رسول اللہ ﷺ پر نماز تہجد فرض تھی، البتہ اس میں نرمی اور آسانی کر دی گئی تھی۔ امت پر اس کا ادا کرنا واجب نہیں جیسا کہ امام بخاری رہتے اس کے متعلق ایک مستقل عنوان قائم کریں گے۔ آیت کریمہ سے اس کی مشروعیت کو ثابت کیا گیا ہے۔[1]

١١٢٠ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ أَبِي مُسْلِمٍ عَنْ طَاوُسٍ: سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَتَهَجَّدُ قَالَ: «اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ، أَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ. وَلَكَ الْحَمْدُ لَكَ مُلْكُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ. وَلَكَ الْحَمْدُ، أَنْتَ نُورُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ، وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ مَلِكُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ، وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ، وَلِقَاؤُكَ حَقٌّ، وَقَوْلُكَ حَقٌّ، وَالْجَنَّةُ حَقٌّ، وَالنَّارُ حَقٌّ

[1120] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ جب رات کے وقت تہجد پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے تو یہ دعا پڑھتے: "اے اللہ! تو ہی تعریف کے لائق ہے۔ تو ہی آسمان و زمین اور جو ان میں ہے انھیں سنبھالنے والا ہے۔ تیرے ہی لیے تعریف ہے۔ تیرے ہی لیے زمین و آسمان اور جو کچھ ان میں ہے ان کی سربراہی ہے۔ تیرے ہی لیے تعریف ہے۔ تو ہی آسمان و زمین کا نور ہے۔ تو ہی ہر طرح کی تعریف کا سزاوار ہے۔ تو ہی آسمان و زمین کا بادشاہ ہے۔ تیرے ہی لیے تعریف لائق ہے۔ تو خود بھی سچا ہے اور تیرا وعدہ بھی سچا ہے۔ تیری ملاقات یقینی اور تیری بات برحق ہے۔ جنت اور دوزخ برحق، تمام انبیاء برحق

[1] فتح الباري: 6/3.

وَالنَّبِيُّونَ حَقٌّ، وَمُحَمَّدٌ ﷺ حَقٌّ، وَالسَّاعَةُ حَقٌّ. اَللّٰهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ وَبِكَ آمَنْتُ، وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ، وَإِلَيْكَ أَنَبْتُ، وَبِكَ خَاصَمْتُ، وَإِلَيْكَ حَاكَمْتُ، فَاغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ، وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ، أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ - أَوْ لَا إِلٰهَ غَيْرُكَ».

اور حضرت محمد ﷺ بھی برحق ہیں، نیز قیامت برحق ہے۔ اے اللہ! میں تیرا فرماں بردار اور تجھ پر ایمان لایا ہوں، تجھی پر بھروسا کرتا اور تیری ہی طرف رجوع کرتا ہوں۔ تیری ہی مدد کے ساتھ مخالفین سے برسرپیکار ہوں اور تجھ ہی سے فیصلہ چاہتا ہوں۔ تو میرے اگلے، پچھلے، پوشیدہ اور ظاہری گناہوں کو معاف کر دے۔ تو ہی پہلے تھا اور تو ہی آخر میں ہوگا۔ تیرے سوا کوئی بھی معبود برحق نہیں ہے۔"

قَالَ سُفْيَانُ: وَزَادَ عَبْدُ الْكَرِيمِ أَبُو أُمَيَّةَ: «وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ». قَالَ سُفْيَانُ: قَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ أَبِي مُسْلِمٍ: سَمِعَهُ مِنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [انظر: ٦٣١٧، ٧٣٨٥، ٧٤٤٢، ٧٤٩٩]

سفیان کہتے ہیں کہ (راوی حدیث) عبدالکریم ابوامیہ نے اس دعا کے آخر میں درج ذیل الفاظ بھی بیان کیے ہیں: "اور اللہ کی مدد کے بغیر نیکی کرنے کی طاقت اور برائی سے باز رہنے کی ہمت نہیں۔"

سفیان نے کہا کہ سلیمان بن ابی مسلم نے طاؤس سے یہ حدیث سنی تھی، انھوں نے حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے اور انھوں نے نبی اکرم ﷺ سے۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ کے ظاہر سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز تہجد کے لیے کھڑے ہوتے تو مذکورہ دعا پڑھتے بلکہ امام ابن خزیمہ ؒ نے اس حدیث پر بایں الفاظ عنوان قائم کیا ہے: "رسول اللہ ﷺ مذکورہ دعا تکبیر تحریمہ کے بعد پڑھتے تھے۔" ان کی بیان کردہ روایت میں صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب تہجد کے لیے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہنے کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے۔ ② واضح رہے کہ حضرت ابن عباس ؓ نے جب اپنی خالہ ام المومنین حضرت میمونہ ؓ کے گھر میں رات گزاری تھی تو اس وقت انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے مذکورہ دعا سنی تھی۔[1] ③ امام بخاری ؒ نے روایت کے آخر میں سفیان کے حوالے سے راوی حدیث سلیمان کا حضرت طاؤس سے سماع ثابت کیا ہے۔

(٢) - بَابُ فَضْلِ قِيَامِ اللَّيْلِ

باب: 2- قیام اللیل کی فضیلت

١١٢١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ؛ ح: وَحَدَّثَنِي مَحْمُودٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ: أَخْبَرَنَا

[1121] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ کی زندگی مبارک میں جب کوئی آدمی خواب دیکھتا تو اسے رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتا۔ مجھے یہ

[1] فتح الباري: 6/3.

مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كَانَ الرَّجُلُ فِي حَيَاةِ النَّبِيِّ ﷺ إِذَا رَأَى رُؤْيَا قَصَّهَا عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَتَمَنَّيْتُ أَنْ أَرَى رُؤْيَا فَأَقُصَّهَا عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ، وَكُنْتُ غُلَامًا شَابًّا، وَكُنْتُ أَنَامُ فِي الْمَسْجِدِ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ فَرَأَيْتُ فِي النَّوْمِ كَأَنَّ مَلَكَيْنِ أَخَذَانِي فَذَهَبَا بِي إِلَى النَّارِ فَإِذَا هِيَ مَطْوِيَّةٌ كَطَيِّ الْبِئْرِ، وَإِذَا لَهَا قَرْنَانِ، وَإِذَا فِيهَا أُنَاسٌ قَدْ عَرَفْتُهُمْ فَجَعَلْتُ أَقُولُ: أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ النَّارِ، قَالَ: فَلَقِيَنَا مَلَكٌ آخَرُ فَقَالَ لِي: لَمْ تُرَعْ. [راجع: ٤٤٠]

تمنا ہوئی کہ میں بھی کوئی خواب دیکھوں اور اسے رسول اللہ ﷺ سے بیان کروں۔ میں ابھی نوجوان تھا اور نبی ﷺ کی حیات طیبہ میں مسجد ہی میں سویا کرتا تھا، چنانچہ میں نے خواب میں دیکھا گویا مجھے دو فرشتوں نے پکڑا اور دوزخ کی جانب لے گئے۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہ کنویں کی طرح پیچ دار بنی ہوئی ہے، اس پر دو چرخیاں لگی ہوئی ہیں اور اس میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جنھیں میں پہچانتا ہوں۔ میں یہ منظر دیکھ کر دوزخ سے اللہ کی پناہ مانگنے لگا۔ حضرت عبداللہ ؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں ایک اور فرشتہ ملا جس نے مجھ سے کہا کہ ڈرو نہیں۔

١١٢٢ - فَقَصَصْتُهَا عَلَى حَفْصَةَ، فَقَصَّتْهَا حَفْصَةُ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «نِعْمَ الرَّجُلُ عَبْدُ اللهِ لَوْ كَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ» فَكَانَ بَعْدُ لَا يَنَامُ مِنَ اللَّيْلِ إِلَّا قَلِيلًا. [انظر: ١١٥٧، ٣٧٣٩، ٣٧٤١، ٧٠١٦، ٧٠٢٩، ٧٠٣١]

[1122] (حضرت عبداللہ بن عمر ؓ بیان کرتے ہیں کہ) میں نے یہ خواب (اپنی ہمشیرہ) حضرت حفصہ ؓ سے بیان کیا۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا: ”عبداللہ اچھا آدمی ہے کاش کہ وہ تہجد پڑھنے کا التزام کرے۔“ اس کے بعد وہ (عبداللہ بن عمر ؓ) رات کو بہت کم سویا کرتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① حضرت عبداللہ بن عمر ؓ مسجد میں اس وقت رہائش پذیر تھے جب ان کا اپنا مکان وغیرہ نہیں تھا۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے بارش اور دھوپ سے بچاؤ کے لیے اپنا مکان بنایا لیکن اس کی تعمیر میں کسی نے بھی میرے ساتھ کوئی تعاون نہ کیا۔[1] اس خواب کے ذریعے سے انھیں خبردار کیا گیا کہ جس مسجد میں تم رہائش رکھتے ہو کم از کم نمازِ تہجد پڑھ کر اس کا حق تو ادا کرو۔[2] ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے نمازِ تہجد کی فضیلت ثابت کی ہے کیونکہ اس کی پابندی کرنا دوزخ سے نجات کا ذریعہ ہے۔ شاید امام بخاری کے ہاں ایسی کوئی حدیث صحیح نہیں تھی جس میں صراحت کے ساتھ نمازِ تہجد کی فضیلت ثابت ہو۔ صحیح مسلم میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”فرض نماز کے بعد نمازِ تہجد بہت فضیلت والی ہے۔“[3] ③ حضرت سالم فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی تعبیر کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے نمازِ تہجد کا اس قدر اہتمام کیا کہ رات کو بہت کم سوتے تھے۔[4]

1 سنن ابن ماجه، الزهد، حديث: 4162. 2 فتح الباري: 11/3. 3 صحيح مسلم، الصيام، حديث: 2755 (1163). 4 صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، حديث: 3739.

(٣) بَابُ طُولِ السُّجُودِ فِي قِيَامِ اللَّيْلِ

باب: 3- رات کے قیام میں سجدے کو لمبا کرنا

١١٢٣ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَخْبَرَتْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً. كَانَتْ تِلْكَ صَلَاتَهُ: يَسْجُدُ السَّجْدَةَ مِنْ ذَلِكَ قَدْرَ مَا يَقْرَأُ أَحَدُكُمْ خَمْسِينَ آيَةً قَبْلَ أَنْ يَرْفَعَ رَأْسَهُ، وَيَرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْفَجْرِ، ثُمَّ يَضْطَجِعُ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ حَتَّى يَأْتِيَهُ الْمُنَادِي لِلصَّلَاةِ. [راجع: ٦٢٦]

[1123] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ رات کو گیارہ رکعات پڑھا کرتے تھے۔ یہ آپ کی (رات کی) نماز تھی۔ اس میں آپ اتنا طویل سجدہ کرتے کہ اپنا سر مبارک اٹھانے سے پہلے تم میں سے کوئی پچاس آیات پڑھ لے، نیز فجر سے پہلے دو رکعت ادا کرتے، پھر اپنی دائیں کروٹ پر لیٹ جاتے حتی کہ مؤذن آپ کو نماز فجر کی اطلاع دیتا۔

فوائد ومسائل: ⁽¹⁾ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز تہجد میں بہت لمبا سجدہ کرتے تھے۔ آپ سجدے میں اس قدر ٹھہرتے کہ کوئی شخص آپ کے سر مبارک اٹھانے سے پہلے پچاس آیات پڑھ لیتا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نماز تہجد ایک انفرادی عمل ہے۔ رسول اللہ ﷺ اس عمل کو تنہا ادا کرتے تھے۔ دوسری نمازوں میں مقتدیوں کی رعایت کرتے ہوئے آپ ہلکی نماز پڑھتے تھے۔ نماز تہجد میں سجدہ اس لیے طویل ہوتا تھا کہ اس میں دعائیں فرماتے اور اللہ کی بارگاہ میں الحاح اور عاجزی فرماتے تاکہ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کریں۔ ⁽²⁾ امام نسائی ؒ نے اس حدیث پر ایک عنوان بایں الفاظ قائم کیا ہے: [باب قدر السجدة بعد الوتر] "وتر کے بعد سجدے کی مقدار۔"⁽¹⁾ ہمارے نزدیک یہ عنوان محل نظر ہے کیونکہ مذکورہ سجدہ نماز ہی میں تھا نماز سے باہر نہیں تھا۔ انفرادی سجدہ صرف سجدۂ تلاوت ہے یا کسی حد تک سجدۂ شکر کی گنجائش ہے، تاہم نماز وتر کے بعد انفرادی سجدہ کرنا صحیح نہیں۔

(٤) بَابُ تَرْكِ الْقِيَامِ لِلْمَرِيضِ

باب: 4- مریض کے لیے تہجد چھوڑ دینے کا بیان

١١٢٤ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَسْوَدِ قَالَ: سَمِعْتُ جُنْدَبًا يَقُولُ: اِشْتَكَى النَّبِيُّ ﷺ فَلَمْ يَقُمْ لَيْلَةً أَوْ لَيْلَتَيْنِ. [انظر: ١١٢٥، ٤٩٥٠، ٤٩٥١، ٤٩٨٣]

[1124] حضرت جندب بن عبداللہ ؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ بیمار ہو گئے تو ایک یا دو رات آپ تہجد کے لیے نہیں اٹھے۔

١١٢٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا

[1125] حضرت جندب بن عبداللہ ؓ ہی سے روایت

¹ سنن النسائي، قيام الليل، باب: 63.

سُفْيَانُ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ، عَنْ جُنْدَبِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: إِحْتَبَسَ جِبْرِيلُ ﷺ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتِ امْرَأَةٌ مِنْ قُرَيْشٍ: أَبْطَأَ عَلَيْهِ شَيْطَانُهُ. فَنَزَلَتْ ﴿وَالضُّحَىٰ ۝ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ ۝ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ﴾ [الضحى: 1-3]. [راجع: 1124]

ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی ﷺ کے پاس آنے سے رک گئے تو قریش کی ایک عورت نے کہا: اس کے شیطان نے آنے میں دیر کر دی ہے۔ اس پر یہ آیات اتریں: ﴿وَالضُّحَىٰ ۝ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ ۝ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ ۝﴾ "چاشت کی قسم! اور رات کی بھی جب وہ چھا جائے! تیرے رب نے تجھے چھوڑا نہیں اور نہ وہ ناراض ہی ہوا ہے۔"

فوائد و مسائل: ① دوسری حدیث پہلی کا تتمہ ہے، چنانچہ ایک تفصیلی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بیمار ہوئے تو ایک یا دو رات آپ تہجد کے لیے نہ اٹھ سکے۔ ان دنوں ایک عورت آئی اور کہنے لگی: اے محمد! مجھے امید ہے کہ آپ کو آپ کے شیطان نے چھوڑ دیا ہے اور وہ اب دو تین رات سے آپ کے قریب نہیں آتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الضحیٰ نازل فرمائی۔[1] ② رسول اللہ ﷺ سے اس قسم کی گفتگو کرنے والی عورت ابولہب لعین کی بیوی ام جمیل عوراء بنت حرب تھی۔ یہ عورت خود شیطان تھی جس نے یہ تصور رکھا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس فرشتہ نہیں بلکہ شیطان آتا ہے۔ صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ ان دنوں ایک عورت نے آپ سے کہا: اللہ کے رسول! مجھے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے ساتھی نے دیر کر دی ہے۔[2] اس انداز گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی دوسری عورت تھی کیونکہ اس نے یا محمد کے بجائے یا رسول اللہ کہا اور لفظ شیطان کے بجائے صاحب کا لفظ استعمال کیا ہے، چنانچہ دیگر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عورت حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ تھی۔[3] درحقیقت یہ دونوں واقعات الگ الگ ہیں۔ ابولہب کی بیوی نے آپ ﷺ کو یا محمد کہا اور جبرائیل علیہ السلام کو شیطان سے تعبیر کیا اور یہ مذاق کے طور پر تھا جبکہ سیدہ خدیجہ ؓ نے نبی ﷺ کو یا رسول اللہ کہا اور جبرائیل علیہ السلام کو صاحب سے تعبیر کیا اور ان کا مقصد غم خواری تھا۔ ③ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی عذر کی وجہ سے تہجد کو ترک کیا جا سکتا ہے۔ واللہ أعلم۔

(٥) بَابُ تَحْرِيضِ النَّبِيِّ ﷺ عَلَى قِيَامِ اللَّيْلِ وَالنَّوَافِلِ مِنْ غَيْرِ إِيجَابٍ

باب: 5- نبی ﷺ کا نماز شب اور دیگر نوافل کو ضروری قرار دیے بغیر ان کی ترغیب دینا

وَطَرَقَ النَّبِيُّ ﷺ فَاطِمَةَ وَعَلِيًّا عَلَيْهِمَا السَّلَامُ لَيْلَةً لِلصَّلَاةِ.

نبی ﷺ نماز تہجد کی اہمیت کے پیش نظر رات کے وقت حضرت علی اور حضرت فاطمہ ؓ کے ہاں تشریف لے گئے۔

وضاحت: یہ عنوان نماز تہجد کے متعلق دو چیزیں بتانے کے لیے قائم کیا گیا ہے: ① نماز تہجد کی ترغیب۔ ② عدم وجوب۔ چنانچہ اس کے تحت مندرجہ ذیل احادیث سے یہ دونوں چیزیں ثابت ہوتی ہیں۔ حضرت علی ؓ کے واقعے کو امام بخاری ؓ نے

1 صحیح البخاري، التفسیر، حدیث: 4950. 2 صحیح البخاري، التفسیر، حدیث: 4951. 3 فتح الباري: 13/3.

خود ہی متصل سند سے بیان کیا ہے۔[1]

١١٢٦ - حَدَّثَنَا ابْنُ مُقَاتِلٍ: قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ هِنْدٍ بِنْتِ الْحَارِثِ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اسْتَيْقَظَ لَيْلَةً فَقَالَ «سُبْحَانَ اللهِ، مَاذَا أُنْزِلَ اللَّيْلَةَ مِنَ الْفِتْنَةِ! مَاذَا أُنْزِلَ مِنَ الْخَزَائِنِ، مَنْ يُوقِظُ صَوَاحِبَ الْحُجُرَاتِ؟ يَا رُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٍ فِي الْآخِرَةِ». [راجع ١١٥]

[1126] حضرت ام سلمہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ایک رات بیدار ہوئے تو فرمایا: "سبحان اللہ! آج رات کس قدر فتنے نازل ہوئے اور کس قدر عظیم خزانے اتارے گئے! کون ہے جو ان حجروں میں سوئی ہوئی عورتوں کو بیدار کرے؟ بہت سی عورتیں جو دنیا میں لباس پہننے والی ہیں، آخرت میں بالکل برہنہ ہوں گی۔"

فائدہ: حجروں میں سونے والی عورتوں سے مراد ازواج مطہرات ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج مطہرات کو نماز تہجد کے لیے بیدار کرنا چاہتے تھے کیونکہ رات کی نماز فتنوں سے نجات اور مصائب سے تحفظ کا ذریعہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ انھیں صرف فتنوں اور خزانوں کی خبر دینے کے لیے بیدار نہیں کرنا چاہتے تھے کیونکہ یہ کام تو دن چڑھے بھی ہوسکتا تھا، اس لیے عنوان کا پہلا حصہ ثابت ہوا کہ آپ نے انھیں نماز تہجد کے لیے ترغیب دلائی۔ اور دوسرا حصہ اس طرح ثابت ہوا کہ آپ نے ان پر یہ قیام لازم نہیں فرمایا۔[2]

١١٢٧ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ. أَخْبَرَنِي عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنٍ أَنَّ حُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ أَخْبَرَهُ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ طَرَقَهُ وَفَاطِمَةَ بِنْتَ النَّبِيِّ ﷺ لَيْلَةً فَقَالَ: «أَلَا تُصَلِّيَانِ؟» فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَنْفُسُنَا بِيَدِ اللهِ، فَإِذَا شَاءَ أَنْ يَبْعَثَنَا بَعَثَنَا، فَانْصَرَفَ حِينَ قُلْتُ ذَلِكَ وَلَمْ يَرْجِعْ إِلَيَّ شَيْئًا، ثُمَّ سَمِعْتُهُ وَهُوَ مُوَلٍّ يَضْرِبُ فَخِذَهُ وَهُوَ يَقُولُ: ﴿وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا﴾ [الكهف: ٥٤]. [انظر: ٤٧٢٤، ٧٣٤٧، ٧٤٦٥]

[1127] حضرت علی بن ابی طالب ؓ سے روایت ہے کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ ان کے اور اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ ؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: "تم دونوں نماز (تہجد) کیوں نہیں پڑھتے؟" میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہماری جانیں تو اللہ کے ہاتھ میں ہیں، جب وہ ہمیں اٹھانا چاہتا ہے اٹھا دیتا ہے۔ جب میں نے یہ بات کہی تو آپ واپس ہوگئے اور مجھے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر میں نے دیکھا کہ واپس جاتے ہوئے آپ اپنی ران پر ہاتھ مار رہے تھے اور فرما رہے تھے: "انسان سب سے زیادہ جھگڑالو ہے۔"

1- صحيح البخاري، التهجد، حديث: 1127. 2- فتح الباري: 15/3.

فوائد و مسائل: سنن نسائی کی روایت میں یہ واقعہ تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رات کے وقت رسول اللہ ﷺ میرے اور اپنی لخت جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور ہمیں نماز تہجد کے لیے اٹھایا، پھر واپس اپنے گھر چلے گئے اور کچھ رات تک نماز پڑھتے رہے لیکن ہمارے بیدار ہونے اور نماز پڑھنے کے متعلق کوئی حس و حرکت نہ تھی، اس لیے دوبارہ تشریف لائے، ہمیں اٹھایا اور نماز پڑھنے کے متعلق فرمایا۔ میں نے اپنی آنکھوں کو ملتے ہوئے کہا: اللہ کے رسول ﷺ! ہم تو اتنی ہی نماز پڑھ سکتے ہیں جس قدر اللہ تعالیٰ نے ہماری تقدیر میں لکھا ہے اور ہماری جانیں تو اللہ کے قبضے میں ہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ واپس ہو گئے اور کچھ جواب نہ دیا، البتہ اپنی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے یہ ضرور فرمایا: ”انسان بہت ہی جھگڑالو ہے۔“[1] ② تقدیر کے بہانے ترک عمل کو قرآن کریم نے جدل سے تعبیر کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تقدیر پر بھروسا کرنے کو پسند نہیں فرمایا کیونکہ اگر کسی کو کوئی کام کرنے کی طاقت نہ ہو تو وہ معذور ہے مگر جو شخص اپنے آپ کو قدرت کے باوجود عمل کے لیے تیار نہیں کرتا بلکہ تقدیر کا بہانہ بنا کر پست ہمتی کا شکار ہوتا ہے تو وہ مجادل ہے معذور نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا انھیں بار بار بیدار کرنا نماز تہجد کے متعلق ترغیب کو ثابت کرتا ہے لیکن انھیں ان کے ترک پر ملامت نہ کرنا اس کے عدم وجوب کی دلیل ہے۔ ③ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام کو اس سلسلے میں سختی سے کام نہیں لینا چاہیے۔[2] رسول اللہ ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جواب سن کر خاموش ہو گئے۔ اگر یہ نماز فرض ہوتی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عذر قابل قبول نہیں ہو سکتا تھا۔

١١٢٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: إِنْ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَيَدَعُ الْعَمَلَ وَهُوَ يُحِبُّ أَنْ يَعْمَلَ بِهِ خَشْيَةَ أَنْ يَعْمَلَ بِهِ النَّاسُ فَيُفْرَضَ عَلَيْهِمْ، وَمَا سَبَّحَ رَسُولُ اللهِ ﷺ سُبْحَةَ الضُّحَى قَطُّ، وَإِنِّي لَأُسَبِّحُهَا. [انظر: ١١٧٧]

[1128] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ ایک کام، اگرچہ وہ آپ کو پسند ہوتا، اس خوف سے ترک کر دیتے تھے کہ لوگ اس پر عمل کریں گے تو وہ ان پر فرض ہو جائے گا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے نماز چاشت کبھی نہیں پڑھی لیکن میں پڑھتی ہوں۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے رسول اللہ ﷺ کے عمومی طرز عمل کا پتہ چلتا ہے کہ آپ کا کسی کام کو پسند کرنا اس کام کی ترغیب ہے۔ عنوان کا پہلا حصہ یہی ہے لیکن اس کام کو اس اندیشے کے پیش نظر ترک کر دینا کہ لوگوں کے مسلسل عمل سے کہیں فرض نہ ہو جائے، اس سے عنوان کا دوسرا جز، عدم وجوب ثابت ہوتا ہے کیونکہ فرض عمل کو کسی خطرے کی وجہ سے ترک نہیں کیا جا سکتا۔ امام مالک رحمہ اللہ نے موطا میں یہ الفاظ مزید بیان کیے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں پر تخفیف پسند کرتے تھے تاکہ کسی کام کی وجہ سے ان پر بوجھ نہ ہو۔[3] اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اچھا کام اگر کسی خرابی کا پیش خیمہ ہو تو اسے ترک کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ② حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی معلومات کے پیش نظر نماز چاشت کے متعلق کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اسے نہیں پڑھا کرتے

---

1. سنن النسائي، قيام الليل، حديث: 1613. 2. فتح الباري: 16/3. 3. فتح الباري: 16/3.

تھے حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ والے دن حضرت ام ہانی ؓ کے گھر نماز چاشت پڑھی، نیز آپ نے حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوذر غفاری ؓ کو اس کے پڑھنے کی تلقین بھی فرمائی تھی۔ نماز چاشت کے متعلق ہم آئندہ تفصیل سے بیان کریں گے۔

١١٢٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ صَلَّى ذَاتَ لَيْلَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَصَلَّى بِصَلَاتِهِ نَاسٌ، ثُمَّ صَلَّى مِنَ الْقَابِلَةِ فَكَثُرَ النَّاسُ، ثُمَّ اجْتَمَعُوا مِنَ اللَّيْلَةِ الثَّالِثَةِ أَوِ الرَّابِعَةِ فَلَمْ يَخْرُجْ إِلَيْهِمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَلَمَّا أَصْبَحَ قَالَ: «قَدْ رَأَيْتُ الَّذِي صَنَعْتُمْ، وَلَمْ يَمْنَعْنِي مِنَ الْخُرُوجِ إِلَيْكُمْ إِلَّا أَنِّي خَشِيتُ أَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ». وَذٰلِكَ فِي رَمَضَانَ. [راجع: ٧٢٩]

[1129] ام المومنین حضرت عائشہ ؓ ہی سے مروی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک رات مسجد میں نماز (تہجد) ادا کی تو لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ نماز ادا کی۔ پھر دوسری رات بھی آپ نے اسے مسجد میں ادا کیا تو لوگ زیادہ جمع ہو گئے۔ پھر تیسری یا چوتھی رات لوگ اس سے بھی زیادہ جمع ہو گئے لیکن رسول اللہ ﷺ ان کے پاس باہر تشریف نہ لائے۔ جب صبح ہوئی تو آپ نے فرمایا: "میں تمھارے جذبات کو ملاحظہ کرتا رہا لیکن مجھے اس بات نے آپ لوگوں کے پاس آنے سے باز رکھا کہ مبادا نماز شب تم پر فرض ہو جائے۔" واضح رہے کہ یہ واقعہ رمضان میں پیش آیا۔

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ کا خود تین رات نماز شب کا اہتمام کرنا اور لوگوں کا آپ کے ساتھ اسے ادا کرنا اس سے ترغیب ثابت ہوتی ہے، پھر فرض ہونے کے اندیشے کے پیش نظر باہر تشریف نہ لانا اس کے عدم وجوب کی دلیل ہے۔ امام بخاری ؒ اس سے یہی ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ ② اس روایت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ نفل نماز کی جماعت صحیح ہے لیکن اس کے لیے لوگوں کو دعوت دینا صحیح نہیں، البتہ نماز تراویح کا معاملہ اس سے الگ ہے کیونکہ حضرت عمر ؓ نے، فرضیت کا اندیشہ جس کے باعث نبی ﷺ نے جماعت تراویح ترک کی تھی، ختم ہونے پر اپنے دور خلافت میں اس کی جماعت کا اہتمام سرکاری طور پر فرمایا تھا کیونکہ اس وقت فرضیت کا اندیشہ نہیں رہا تھا۔ تراویح کے علاوہ دیگر نوافل تداعی کے بغیر جماعت سے پڑھے جا سکتے ہیں۔ تداعی کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں کو اس کے لیے اہتمام کے ساتھ دعوت دی جائے۔ ایسا کرنا صحیح نہیں۔ ③ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس نے شروع نماز میں امامت کی نیت نہیں کی، اس کی اقتدا میں نماز باجماعت ادا کی جا سکتی ہے اگرچہ حافظ ابن حجر ؒ نے اسے محل نظر قرار دیا ہے لیکن دیگر احادیث سے حافظ ابن حجر ؒ کا موقف محل نظر قرار پاتا ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس ؓ کی روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے جب انھوں نے اپنی خالہ حضرت میمونہ ؓ کے گھر رات گزاری تھی اور رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نماز شب میں شامل ہوئے تھے۔ واللہ أعلم۔

(٦) بَابُ قِيَامِ النَّبِيِّ ﷺ اللَّيْلَ

باب: 6- نبی ﷺ کا قیام اللیل

وَقَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: كَانَ يَقُومُ

حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس

حَتّٰى تَنْفَطِرَ قَدَمَاهُ، وَالْفُطُورُ: الشُّقُوقُ، اِنْفَطَرَتْ: اِنْشَقَّتْ.

قدر طویل قیام کیا کہ آپ کے پاؤں پھٹ گئے۔ فطور کے معنی پھٹ جانا ہیں، چنانچہ انفطرت کے معنی ہیں: جب آسمان پھٹ جائے گا۔

وضاحت: حضرت عائشہ ؓ سے مروی اس معلق روایت کو خود امام بخاری ؒ نے اپنی متصل سند سے بیان کیا ہے۔[1]

١١٣٠ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ عَنْ زِيَادٍ قَالَ: سَمِعْتُ الْمُغِيرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: إِنْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَيَقُومُ أَوْ لَيُصَلِّي حَتّٰى تَرِمَ قَدَمَاهُ أَوْ سَاقَاهُ، فَيُقَالُ لَهُ، فَيَقُولُ: «أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا؟» [انظر: ٤٨٣٦، ٦٤٧١]

[1130] حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نماز (تہجد) میں اتنا قیام فرماتے کہ آپ کے دونوں پاؤں یا دونوں پنڈلیوں پر ورم آجاتا۔ اور جب آپ سے اس کے متعلق کہا جاتا تو فرماتے: ”کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟“

فوائد و مسائل: ① ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ ؓ نے آپ سے عرض کیا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے تمام گناہ معاف کر دیے ہیں تو آپ اس قدر مشقت کیوں اٹھاتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا: ”میں ایسا اللہ کی شکر گزاری کے طور پر کرتا ہوں۔“ اس سے معلوم ہوا کہ شکر گزاری کا ایک طریقہ نماز ہے، نیز معلوم ہوا کہ شکر زبان کے علاوہ عمل سے بھی ادا کرنا چاہیے کیونکہ زبان سے اعتراف احسان کرتے ہوئے خدمات کی بجا آوری کو شکر کہا جاتا ہے۔[2] ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عبادت کے سلسلے میں اپنے آپ پر سختی کی جا سکتی ہے، خواہ وہ جسمانی تکلیف ہی کا باعث کیوں نہ ہو کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ اس قدر عبادت کرتے تھے حالانکہ آپ کو علم تھا کہ آپ کے سب گناہ معاف ہیں، تو جس انسان کو اپنے انجام کے متعلق علم نہیں اسے تو بالاولیٰ اسے سرانجام دینا چاہیے۔ یہ اس صورت میں ہے جب کثرت عبادت اور اس پر سختی، دل کی تنگی کا باعث نہ ہو کیونکہ حدیث میں ہے کہ تم اپنی ہمت کے مطابق اعمال بجا لاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو اجر دینے میں تنگ دل نہیں، تم خود ہی عبادت سے تنگ آ کر اسے چھوڑ دیتے ہو۔[3]

(٧) بَابُ مَنْ نَامَ عِنْدَ السَّحَرِ

باب: 7- جو شخص سحری کے وقت سو رہا

١١٣١ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ أَنَّ عَمْرَو بْنَ أَوْسٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ لَهُ: «أَحَبُّ الصَّلَاةِ إِلَى اللهِ صَلَاةُ

[1131] حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کو سب نمازوں سے حضرت داود ؑ کی نماز زیادہ پسند ہے اور تمام روزوں میں زیادہ پسندیدہ روزہ بھی حضرت داود ؑ کا ہے۔ وہ نصف رات تک سوتے رہتے، پھر تہائی

1 صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4837. 2 فتح الباري: 3/21. 3 صحيح البخاري، اللباس، حديث: 5861.

دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَأَحَبُّ الصِّيَامِ إِلَى اللهِ صِيَامُ دَاوُدَ، وَكَانَ يَنَامُ نِصْفَ اللَّيْلِ، وَيَقُومُ ثُلُثَهُ، وَيَنَامُ سُدُسَهُ، وَيَصُومُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمًا». [انظر: ١١٥٢، ١١٥٣، ١٩٧٤، ١٩٧٥، ١٩٧٦، ١٩٧٧، ١٩٧٨، ١٩٧٩، ١٩٨٠، ٣٤١٨، ٣٤١٩، ٣٤٢٠، ٥٠٥٢، ٥٠٥٣، ٥٠٥٤، ٦١٣٤، ٦٢٧٧]

شب عبادت کرتے، اس کے بعد رات کے چھٹے حصے میں سو جاتے، نیز وہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن روزہ نہ رکھتے۔"

فوائد و مسائل: ① اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر رات کے بارہ گھنٹے ہوں تو داود ؑ پہلے چھ گھنٹے سوئے رہتے، پھر تہائی شب، یعنی چار گھنٹے عبادت کرتے، اس کے بعد چھٹا حصہ، یعنی دو گھنٹے محو استراحت رہتے، گویا سحری کا وقت سو کر گزار دیتے۔ ② عنوان بالا کا مقصد یہ ہے کہ جو شخص سحری کے وقت سو رہا وہ قابل ملامت نہیں بشرطیکہ رات کی حق ادائیگی پہلے کر چکا ہو۔ اس وقت سونے میں حکمت یہ ہے کہ صبح کی نماز کے لیے نشاط حاصل ہو اور تھکاوٹ وغیرہ دور ہو جائے۔ ایسا کرنا ریا کاری سے بھی بچاؤ کا ذریعہ ہے کیونکہ جو شخص رات کے وقت عبادت کر کے سو جائے تو بیداری کے وقت اس کے چہرے سے عبادت کے اثرات ختم ہو جائیں گے۔[1]

١١٣٢ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ أَشْعَثَ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي قَالَ: سَمِعْتُ مَسْرُوقًا قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَيُّ الْعَمَلِ كَانَ أَحَبَّ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ؟ قَالَتْ: الدَّائِمُ. قُلْتُ: مَتَى كَانَ يَقُومُ؟ قَالَتْ: كَانَ يَقُومُ إِذَا سَمِعَ الصَّارِخَ.

[1132] حضرت مسروق ؒ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت عائشہ ؓ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو سب سے زیادہ کون سا عمل پسند تھا؟ انھوں نے فرمایا: وہ عمل جو ہمیشہ ہوتا رہے۔ میں نے عرض کیا کہ رسول اللہ ﷺ رات کو کب اٹھتے تھے؟ انھوں نے فرمایا: جب مرغ کی آواز سنتے تو اٹھ جاتے تھے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ [بْنُ سَلَامٍ] قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، عَنِ الْأَشْعَثِ قَالَ: إِذَا سَمِعَ الصَّارِخَ قَامَ فَصَلَّى. [انظر: ٦٤٦١، ٦٤٦٢]

ایک روایت میں ہے کہ جس وقت آپ مرغ کی آواز سنتے تو اٹھ کر نماز پڑھتے۔

١١٣٣ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ قَالَ. ذَكَرَ أَبِي عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: مَا أَلْفَاهُ السَّحَرُ عِنْدِي إِلَّا نَائِمًا، تَعْنِي النَّبِيَّ ﷺ.

[1133] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ کو آخر شب، یعنی بوقت سحر سوئے ہوئے ہی دیکھا ہے۔

---

[1] فتح الباري 23/3

فائدہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے قبل ازیں حضرت داود علیہ السلام کی شب بیداری کو بیان فرمایا تھا۔ ان احادیث میں رسول اللہ ﷺ کے عمل کو اس کے مطابق ثابت کیا ہے کہ مرغ عام طور پر آدھی رات کو آواز دیتا ہے۔ یہ اس کی فطرت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا ہے۔ اس سے قبل رسول اللہ ﷺ نصف رات تک محو استراحت رہتے، اس کے بعد مرغ کی آواز سن کر اٹھ کھڑے ہوتے اور نماز میں مصروف ہوتے، پھر سحری کے وقت تک سوئے رہتے۔ اس سے آپ ﷺ کے اور حضرت داود علیہ السلام کے عمل میں یکسانیت ثابت ہوئی اور بوقت سحر سونا بھی ثابت ہوا لیکن رمضان المبارک میں آپ کا یہ معمول نہیں ہوتا تھا کیونکہ آپ رات کے آخری حصے میں سحری تناول فرمانے میں مصروف ہو جاتے۔ اس سے فراغت کے بعد صبح کی نماز ادا فرماتے جیسا کہ آئندہ عنوان میں اس کی وضاحت ہوگی۔[1]

(٨) بَابُ مَنْ تَسَحَّرَ فَلَمْ يَنَمْ حَتَّى صَلَّى الصُّبْحَ

باب: 8- جس نے سحری کھائی اور صبح کی نماز ادا کرنے تک نہ سویا

١١٣٤ - حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا رَوْحٌ قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ نَبِيَّ اللهِ ﷺ وَزَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ تَسَحَّرَا، فَلَمَّا فَرَغَا مِنْ سُحُورِهِمَا قَامَ نَبِيُّ اللهِ ﷺ إِلَى الصَّلَاةِ، فَصَلَّى، فَقُلْنَا لِأَنَسٍ: كَمْ كَانَ بَيْنَ فَرَاغِهِمَا مِنْ سُحُورِهِمَا وَدُخُولِهِمَا فِي الصَّلَاةِ؟ قَالَ: كَقَدْرِ مَا يَقْرَأُ الرَّجُلُ خَمْسِينَ آيَةً. [راجع: ٥٧٦]

[1134] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے سحری کھائی۔ جب اس سے فارغ ہوئے تو اللہ کے نبی ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوئے اور نماز ادا کی۔ ہم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ ان کے سحری سے فراغت اور نماز شروع کرنے میں کتنا وقت تھا؟ انھوں نے فرمایا: تقریباً اتنی دیر جس میں کوئی شخص پچاس آیات کی تلاوت کر سکے۔

فائدہ: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا رمضان المبارک میں معمول بیان ہوا ہے کہ عام دنوں میں آپ سحری کے وقت سوئے رہتے تھے، پھر اٹھ کر صبح کی نماز پڑھتے تھے لیکن رمضان المبارک میں سحری سے فراغت کے بعد صبح کی نماز کی تیاری میں مصروف ہو جاتے اور پھر نماز ادا فرماتے۔ صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں یہ عنوان بایں الفاظ ہے: ''جس نے سحری کی، پھر نماز کے لیے تیار ہوا اور نماز صبح ادا کرنے تک نہ سویا۔''[2]

(٩) بَابُ طُولِ الْقِيَامِ فِي صَلَاةِ اللَّيْلِ

باب: 9- تہجد کی نماز میں لمبا قیام کرنا

[1] فتح الباري: 25/3. [2] عمدة القاري: 366/5.

١١٣٥ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ لَيْلَةً فَلَمْ يَزَلْ قَائِمًا حَتَّى هَمَمْتُ بِأَمْرِ سَوْءٍ، قُلْنَا: وَمَا هَمَمْتَ؟ قَالَ: هَمَمْتُ أَنْ أَقْعُدَ وَأَذَرَ النَّبِيَّ ﷺ.

[1135] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں نے ایک رات نبی ﷺ کے ہمراہ تہجد پڑھی تو آپ کافی دیر کھڑے رہے حتی کہ میری نیت گڑ گئی۔ ہم نے دریافت کیا: آپ کے دل میں کیا برا خیال آیا؟ انھوں نے فرمایا: میں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ نبی ﷺ کو بحالت قیام چھوڑ کر خود بیٹھ جاؤں۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نماز تہجد میں لمبا قیام کرتے تھے کیونکہ عبداللہ بن مسعود ؓ نے طاقتور ہونے کے باوجود دوران قیام میں بیٹھ جانے کا ارادہ کیا۔ اس کا مطلب واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا قیام کافی لمبا تھا۔ اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے طول قنوت کو افضل نماز قرار دیا ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔[1] ممکن ہے کہ حدیث میں طول قنوت سے مراد طول خشوع ہو۔ صحابۂ کرام ؓ رکوع و سجود کی کثرت کو افضل خیال کرتے تھے جیسا کہ ایک اور حدیث میں ہے کہ کثرت سجود ایک فضیلت والا عمل ہے۔[2] ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اعمال نماز میں امام کی مخالفت برا عمل ہے۔ اگرچہ عبداللہ بن مسعود ؓ کو شرعاً بیٹھنے کی اجازت تھی لیکن بزرگوں کا احترام اور ادب اس سے مقدم ہے۔ واللہ أعلم

١١٣٦ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا قَامَ لِلتَّهَجُّدِ مِنَ اللَّيْلِ يَشُوصُ فَاهُ بِالسِّوَاكِ. [راجع: ٢٤٥]

[1136] حضرت حذیفہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ رات کو جب تہجد کے لیے بیدار ہوتے تو اپنے منہ کو مسواک سے صاف کرتے تھے۔

فائدہ: اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو بیدار ہوتے تو نماز تہجد کے لیے تیاری کرتے اور مسواک کرنا بھی تیاری کے مراحل میں شامل ہوتا، پھر تہجد بھی حسب عادت ادا کرتے تھے۔ دیگر احادیث تہجد سے آپ کی عادت مبارکہ کا پتہ چلتا ہے کہ اس میں لمبا قیام ہوتا تھا۔ ممکن ہے امام بخاری ؒ نے حدیث حذیفہ کی طرف اشارہ کیا ہو جسے امام مسلم نے بیان کیا ہے۔ حضرت حذیفہ ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک رات رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نماز تہجد ادا کی۔ آپ نے پہلی رکعت میں سورۂ بقرہ شروع کی۔ پہلے میں نے خیال کیا کہ آپ سو آیات پر رکوع کریں گے لیکن آپ نے قراءت جاری رکھی۔ میں نے سوچا کہ اسے پہلی رکعت میں پڑھیں گے۔ پھر آپ نے سورۂ نساء شروع کر دی۔ پھر آپ نے سورۂ آل عمران شروع فرمائی۔ آپ قراءت بھی آہستہ آہستہ کرتے تھے۔ پھر جب آیت تسبیح پڑھتے تو اللہ کی تسبیح کرتے اور آیت رحمت سے گزرتے تو اللہ تعالیٰ سے اس کی رحمت کا سوال کرتے اور جب آیت عذاب پڑھتے تو اللہ تعالیٰ سے عذاب کی پناہ مانگتے۔ پھر آپ نے رکوع کیا۔ آپ کا رکوع بھی قیام

[1] صحیح مسلم، صلاة المسافرین، حدیث: 1768 (756)۔ [2] صحیح مسلم، الصلاة، حدیث: 1093 (488)۔

کی طرح طویل تھا۔[1]

(۱۰) بَابٌ: كَيْفَ صَلَاةُ النَّبِيِّ ﷺ؟ وَكَمْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي بِاللَّيْلِ؟

باب ۔10۔ نبی ﷺ کی نماز شب کیسے اور کتنی تھی؟

١١٣٧ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: إِنَّ رَجُلًا قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! كَيْفَ صَلَاةُ اللَّيْلِ؟ قَالَ: «مَثْنَى مَثْنَى، فَإِذَا خِفْتَ الصُّبْحَ فَأَوْتِرْ بِوَاحِدَةٍ». [راجع: ٤٧٢]

[1137] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے نماز شب کے متعلق دریافت کیا کہ وہ کیسے ادا کی جائے؟ آپ نے فرمایا: ''نماز شب دو دو رکعت ہیں، جب صبح ہونے کا اندیشہ ہو تو ایک وتر پڑھ لو۔''

فائدہ: اس حدیث میں نماز شب پڑھنے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ اسے دو دو رکعت کر کے پڑھا جائے اور آخر میں ایک وتر ادا کیا جائے۔ امت کے حق میں یہی افضل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے سائل کے جواب میں یہ ہدایت جاری فرمائی ہے، البتہ آپ نے نماز شب کو فصل اور وصل دونوں طریقوں سے ادا فرمایا ہے۔ حضرت عائشہ ؓ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز شب چار رکعت پڑھتے۔ ان کے خوبصورت اور طویل ہونے کے متعلق کچھ نہ پوچھو۔ پھر چار پڑھتے جو بہت خوبصورت اور لمبی ہوتیں۔ اس کے بعد تین رکعت پڑھتے۔[2] واللہ أعلم.

١١٣٨ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو جَمْرَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَتْ صَلَاةُ النَّبِيِّ ﷺ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً، يَعْنِي بِاللَّيْلِ.

[1138] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ کی نماز تہجد تیرہ رکعت پر مشتمل ہوتی تھی۔

فائدہ: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی نماز تہجد کی رکعات کی تعداد کو بیان کیا گیا ہے کہ وہ تیرہ رکعت ہوتی تھیں جنھیں رسول اللہ ﷺ اس طرح ادا کرتے تھے کہ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیتے۔ صحیح بخاری کی ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ کی ان رکعات کو گیارہ بتایا گیا ہے۔[3] لیکن یہ روایت شریک بن عبداللہ سے مروی ہے جنھوں نے حضرت کریب سے یہ تعداد بیان کی ہے جبکہ کریب کے دوسرے شاگرد تیرہ رکعت ہی بیان کرتے ہیں، اس بنا پر شریک کی روایت مرجوح ہے۔ حضرت عائشہ ؓ سے بھی ان کی تعداد تیرہ رکعات ہی مروی ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں ان کے متعلق متعدد روایات ہیں۔ بہرحال نماز تہجد کے موقع

---

1 صحيح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 1814 [(772)]. 2 صحيح البخاري، التهجد، حديث: 1147. 3 صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4569.

پر افتتاحی دو رکعت کو شامل کر کے ان کی تعداد تیرہ ہے۔ تفصیل کے لیے حدیث: 992 کے فوائد ملاحظہ فرمائیں۔

١١٣٩ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى قَالَ: أَخْبَرَنِي إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي حَصِينٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ وَثَّابٍ، عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ بِاللَّيْلِ فَقَالَتْ: سَبْعٌ، وَتِسْعٌ، وَإِحْدَى عَشْرَةَ، سِوَى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ.

[1139] حضرت مسروق سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت عائشہ ؓ سے رسول اللہ ﷺ کی نماز تہجد کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا: سات، نو اور گیارہ رکعت ہوتی تھیں۔ فجر کی دو سنت ان کے علاوہ تھیں۔

١١٤٠ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى قَالَ: أَخْبَرَنَا حَنْظَلَةُ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً، مِنْهَا الْوِتْرُ وَرَكْعَتَا الْفَجْرِ.

[1140] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ رات کو تیرہ رکعت پڑھتے تھے۔ ان میں وتر اور فجر کی دو سنت بھی شامل ہوتی تھیں۔

فوائد و مسائل: ﴿1﴾ مختلف حالات و ظروف کے پیش نظر حضرت عائشہ ؓ سے نماز تہجد میں رکعات کی تعداد کو مختلف انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ حضرت مسروق نے سات، نو اور گیارہ رکعت بیان کی ہیں۔ مختلف اوقات یا دیگر اعذار کی وجہ سے نماز تہجد میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی۔ حضرت قاسم کی روایت اکثر اوقات پر محمول ہے، یعنی نماز تہجد کی گیارہ رکعت: وتر اور نماز فجر کی دو سنت شامل کر کے اسے تیرہ بیان کیا گیا ہے، چنانچہ حضرت ابوسلمہ کی روایت میں وضاحت ہے کہ رمضان اور غیر رمضان میں آپ کی نماز تہجد گیارہ رکعت پر مشتمل ہوتی تھی۔[1] ﴿2﴾ زہری کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو نماز تہجد تیرہ رکعت پڑھتے، پھر صبح کی اذان سنتے تو ہلکی پھلکی فجر کی دو سنت ادا کرتے۔[2] یہ حدیث دیگر احادیث کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔ ان کی تطبیق بایں طور ہے کہ ان میں نماز عشاء کے بعد والی دو سنت شامل کی گئی ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ انھیں گھر میں ادا کرتے تھے یا ان میں نماز تہجد کی افتتاحی دو رکعت شمار کی گئی ہیں جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔ دراصل مختلف اوقات اور حالات کے پیش نظر ان کی تعداد مختلف بیان کی گئی ہے، البتہ نماز تہجد گیارہ رکعت سے زائد نہیں ہوتی تھی۔ ﴿3﴾ اس میں حکمت یہ ہے کہ دن کے فرائض بھی گیارہ ہیں: چار رکعت نماز ظہر، چار رکعت نماز عصر اور تین رکعت نماز مغرب جو دن کے وتر ہیں، اس لیے رات کی نماز بھی اس کے مطابق گیارہ رکعت ہے اور اس میں تین وتر شامل ہیں۔[3] واللہ أعلم۔

[1] صحيح البخاري، التهجد، حديث: 1147. [2] صحيح البخاري، التهجد، حديث: 1170. [3] فتح الباري 28/3.

(۱۱) بَابُ قِيَامِ النَّبِيِّ ﷺ بِاللَّيْلِ مِنْ نَوْمِهِ وَمَا نُسِخَ مِنْ قِيَامِ اللَّيْلِ

وَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ۝ أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ۝ إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا ۝ إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْئًا وَأَقْوَمُ قِيلًا ۝ إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا﴾ [المزمل: ١-٧] وَقَوْلُهُ: ﴿عَلِمَ أَنْ لَنْ تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ عَلِمَ أَنْ سَيَكُونُ مِنْكُمْ مَرْضَى وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا﴾ [المزمل: ٢٠] قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ: قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: نَشَأَ: قَامَ بِالْحَبَشِيَّةِ وِطَاءً، قَالَ: مُوَاطَأَةَ لِلْقُرْآنِ، أَشَدُّ مُوَافَقَةً لِسَمْعِهِ وَبَصَرِهِ وَقَلْبِهِ. لِيُوَاطِئُوا: لِيُوَافِقُوا.

باب: ۱۱- نبی ﷺ کا رات کے وقت قیام اور نیند کرنا، نیز قیام شب کس قدر منسوخ ہوا؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ...... سَبْحًا طَوِيلًا﴾ ”اے کپڑا اوڑھنے والے! رات کا کچھ حصہ چھوڑ کر باقی میں قیام کیجیے۔ رات کا نصف حصہ یا اس سے کچھ کم کر لیجیے یا اس سے کچھ زیادہ کیجیے۔ اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کریں۔ بلاشبہ ہم آپ پر ایک بھاری کلام نازل کرنے والے ہیں۔ رات کا اٹھنا یقیناً نفس کو بہت زیر کرنے (کچلنے) کا باعث اور قرآن پڑھنے کے لیے بھی زیادہ موزوں ہے۔ دن کے وقت تو آپ کو بہت مصروفیات ہوتی ہیں۔“

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿عَلِمَ أَنْ لَنْ تُحْصُوهُ ...... أَعْظَمَ أَجْرًا﴾ ”اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ تم اسے نبھا نہیں سکو گے، چنانچہ اس نے تم پر مہربانی کی۔ پھر قرآن میں جتنا آسان ہو تم پڑھو۔ اسے معلوم ہے کہ تم میں سے کچھ بیمار ہوں گے، کچھ دوسرے اللہ کے فضل کی تلاش میں سفر کرتے ہیں اور کچھ دوسرے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، لہٰذا جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکو پڑھ لیا کرو، نیز نماز قائم کرو، زکاۃ ادا کرو اور اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دیتے رہو۔ اور جو کچھ تم اپنے لیے آگے بھیجو گے تو اسے اللہ کے ہاں اس حال میں پاؤ گے کہ وہ (اصل عمل سے) بہتر اور اجر کے لحاظ سے بہت زیادہ ہوگا۔“

حضرت ابن عباس ؓ تفسیر بیان فرماتے ہیں کہ نَشَأَ کے معنی حبشی زبان میں قَامَ، یعنی کھڑا ہونے کے ہیں۔ وِطَاءً کے معنی ہیں: قرآن (پڑھنے) کے لیے موافق، اس لیے کہ یہ کان، آنکھ اور دل کے بہت موافق ہے۔

تَبُوا طِئُوا کے معنی ہیں: تَبُوا فِقُوا، یعنی وہ موافقت کرلیں۔

وضاحت: اس عنوان سے امام بخاری ؒ نے ثابت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر قیام اللیل فرض نہیں تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو آپ بعض اوقات تمام رات سو کر نہ گزارتے۔ صحیح مسلم میں اس کی مزید وضاحت ہے۔ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ مزمل کے آغاز کے ذریعے سے تہجد کو فرض قرار دیا تھا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام ؓ نے سال بھر اس کا اہتمام کیا۔ اس کے بعد سورت کا اختتام نازل ہوا تو قیام اللیل کو نفل قرار دے دیا گیا۔[1] حضرت ابن عباس ؓ سے مروی تفسیری روایت کو امام عبد بن حمید نے اپنی متصل سند سے بیان کیا ہے۔ دراصل اس لفظ کو واؤ کے کسرہ سے بھی پڑھا گیا ہے اور مذکورہ تفسیر اسی قراءت کے مطابق ہے، یعنی رات کے سکون اور خاموشی میں قرآن کی تلاوت کرنا دل، زبان اور کان، نیز آنکھ سب اس کی موافقت کرتے ہیں اور اسی کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔ دن کے وقت چونکہ شور ہوتا ہے، اس لیے آنکھ کسی طرف ہوتی ہے، کان کہیں لگا ہوتا ہے اور دل کسی اور جانب ہوتا ہے۔ اگر اس لفظ کو واؤ کے فتحہ کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کے معنی زیر کرنا اور دبانا ہیں۔ امام بخاری ؒ نے اس تفسیری روایت کے پیش نظر سورۂ توبہ کے ایک لفظ کے معنی بھی بیان کر دیے ہیں۔

١١٤١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُمَيْدٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُفْطِرُ مِنَ الشَّهْرِ حَتَّى نَظُنَّ أَنْ لَا يَصُومَ مِنْهُ، وَيَصُومُ حَتَّى نَظُنَّ أَنْ لَا يُفْطِرَ. وَكَانَ لَا تَشَاءُ أَنْ تَرَاهُ مِنَ اللَّيْلِ مُصَلِّيًا إِلَّا رَأَيْتَهُ، وَلَا نَائِمًا إِلَّا رَأَيْتَهُ. تَابَعَهُ سُلَيْمَانُ وَأَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ، عَنْ حُمَيْدٍ. [انظر: ١٩٧٢، ١٩٧٣، ٢٥٦١]

[1141] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کسی مہینے میں روزہ نہ رکھتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس مہینے میں آپ بالکل روزہ نہیں رکھیں گے اور جب روزے رکھتے تو اتنے مسلسل کہ ہم سوچتے کہ آپ اس میں بالکل ناغہ نہیں کریں گے۔ اور رات کے وقت نماز تو ایسے پڑھتے تھے کہ تم جب چاہتے آپ کو نماز پڑھتے دیکھ لیتے اور جب چاہتے آپ کو خواب دیکھ لیتے۔

سلیمان بن بلال اور ابو خالد احمر نے حمید سے روایت کرنے میں (محمد بن جعفر کی) متابعت کی ہے۔

فوائد و مسائل: ① اس روایت سے امام بخاری ؒ نے رسول اللہ ﷺ کے حق میں نماز تہجد کا عدم وجوب ثابت کیا ہے کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کبھی کبھی پوری رات سو کر گزار دیتے تھے۔ اگر قیام اللیل واجب ہوتا تو آپ اس کی پابندی ضرور کرتے۔[2] ② اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا رات کو نفل پڑھنا اور محو استراحت ہونا رات کے مختلف اوقات میں تھا۔ جو شخص آپ کو جس حالت میں دیکھنا چاہتا وہ دیکھ لیا کرتا تھا۔ یہ حضرت انس ؓ کا اپنا مشاہدہ ہے جو حضرت

---

1 صحيح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 1739(746). 2 فتح الباري: 29/3.

عائشہ رضی اللہ عنہا کے بیان کے خلاف نہیں کہ آپ مرغ کی آواز سن کر بیدار ہو جاتے تھے کیونکہ انھوں نے اپنے چشم دید حالات بیان کیے ہیں اور آپ رات کی نماز عموماً گھر میں پڑھتے تھے جبکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث اس کے علاوہ پر محمول ہے۔ دونوں نے رسول اللہ ﷺ کے متعلق اپنے اپنے مشاہدات کو بیان کیا ہے۔[1] ③ ابو خالد احمر کی اس متابعت کو امام بخاری رحمہ اللہ نے خود ہی متصل سند سے بیان کیا ہے۔[2] سلیمان کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حمید راوی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کے روزے کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے یہ حدیث بیان فرمائی۔[3]

(١٢) بَابُ عَقْدِ الشَّيْطَانِ عَلَى قَافِيَةِ الرَّأْسِ إِذَا لَمْ يُصَلِّ بِاللَّيْلِ

باب: 12- شیطان کا (آدمی کی) گدی پر گرہ لگانا جب وہ نمازِ تہجد نہ پڑھے

١١٤٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «يَعْقِدُ الشَّيْطَانُ عَلَى قَافِيَةِ رَأْسِ أَحَدِكُمْ إِذَا هُوَ نَامَ ثَلَاثَ عُقَدٍ، يَضْرِبُ عَلَى مَكَانِ كُلِّ عُقْدَةٍ: عَلَيْكَ لَيْلٌ طَوِيلٌ فَارْقُدْ، فَإِنِ اسْتَيْقَظَ فَذَكَرَ اللهَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ، فَإِنْ تَوَضَّأَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ، فَإِنْ صَلَّى انْحَلَّتْ عُقَدُهُ فَأَصْبَحَ نَشِيطًا طَيِّبَ النَّفْسِ، وَإِلَّا أَصْبَحَ خَبِيثَ النَّفْسِ كَسْلَانَ». [انظر: ٣٢٦٩]

[1142] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب آدمی (رات کے وقت) سو جاتا ہے تو شیطان اس کی گدی پر تین گرہیں لگا دیتا ہے۔ ہر گرہ پر یہ پھونک دیتا ہے کہ ابھی تو بہت رات باقی ہے سو جاؤ۔ پھر اگر آدمی بیدار ہو گیا اور اللہ کا ذکر کیا تو ایک گرہ کھل جاتی ہے۔ اگر اس نے وضو کر لیا تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے۔ اس کے بعد اگر اس نے نماز پڑھی تو تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے۔ پھر صبح کو وہ خوش مزاج اور ہشاش بشاش ہے، بصورت دیگر صبح کے وقت بددل اور خستہ جسم بیدار ہوتا ہے۔"

فوائد و مسائل: ① حضرات انبیاء علیہم السلام اس شیطانی عمل سے محفوظ رہتے ہیں، اسی طرح جو شخص رات کو سوتے وقت آیت الکرسی پڑھ لے وہ بھی ان گرہوں سے بچ جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ﴾[4] "بلاشبہ میرے بندوں پر تیرا کوئی بس نہیں چلے گا۔" واضح رہے کہ ان شیطانی گرہوں کو حقیقت پر محمول کیا جائے، نیز یہ گرہیں ایک دھاگے یا رسی میں ہوتی ہیں اور اسے انسان کی گدی پر رکھا ہوتا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ایک حدیث کا حوالہ دیا ہے کہ شیطان ایک رسی میں گرہیں لگاتا ہے۔ واللہ أعلم۔[5] ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے نمازِ تہجد کی اہمیت و افادیت بیان کی ہے، یعنی شیطان ہر مکلف کی گدی پر گرہ لگاتا ہے، ہاں! نمازِ تہجد پڑھنے سے وہ گرہیں کھل جاتی ہیں، گویا اس کی گدی پر گرہیں لگی ہی نہیں

---

1 فتح الباري: 31/3. 2 صحيح البخاري، الصوم، حديث: 1973. 3 صحيح البخاري، الصوم، حديث: 1972.

4 بني إسرائيل 65:17. 5 فتح الباري: 33/3.

کیونکہ ان کا اثر زائل ہوجاتا ہے۔

١١٤٣ - حَدَّثَنَا مُؤَمَّلُ بْنُ هِشَامٍ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ ابْنُ عُلَيَّةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَوْفٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سَمُرَةُ بْنُ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي الرُّؤْيَا قَالَ: «أَمَّا الَّذِي يُثْلَغُ رَأْسُهُ بِالْحَجَرِ فَإِنَّهُ يَأْخُذُ الْقُرْآنَ فَيَرْفُضُهُ وَيَنَامُ عَنِ الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ». [راجع: ٨٤٥]

[1143] حضرت سمرہ بن جندب ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے ایک خواب بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جس شخص کا سر پتھر سے کچلا جارہا تھا وہ، وہ ہے جو قرآن پڑھتا تھا اور اسے یاد نہ رکھتا تھا، نیز وہ فرض نماز کے وقت سویا رہتا تھا۔''

فوائد ومسائل: ① اس روایت کو امام بخاری ؒ نے تفصیل سے کتاب الجنائز میں بیان کیا ہے۔[1] اس میں یہ الفاظ ہیں کہ خواب میں جس کا سر کچلا جارہا تھا وہ، وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کی نعمت دی لیکن اس نے رات کے وقت اسے نہ پڑھا اور دن کے وقت اس پر عمل نہ کیا۔ ② اس روایت سے بعض حضرات نے نماز تہجد کے واجب ہونے پر دلیل لی ہے۔ امام بخاری ؒ نے مذکورہ روایت سے ثابت کیا ہے کہ اس سے مراد فرض نماز ہے، نماز تہجد کا وجوب اس سے ثابت نہیں ہوتا۔[2]

(١٣) بَابٌ: إِذَا نَامَ وَلَمْ يُصَلِّ بَالَ الشَّيْطَانُ فِي أُذُنِهِ

باب: 13- جو شخص سویا رہے اور نماز نہ پڑھے تو شیطان اس کے کان میں پیشاب کردیتا ہے

١١٤٤ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَنْصُورٌ عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: ذُكِرَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ رَجُلٌ فَقِيلَ: مَا زَالَ نَائِمًا حَتَّى أَصْبَحَ، مَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ، فَقَالَ: «بَالَ الشَّيْطَانُ فِي أُذُنِهِ». [انظر: ٣٢٧٠]

[1144] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ کے سامنے ایک شخص کا تذکرہ ہوا جو صبح تک سویا رہا اور نماز کے لیے بھی نہیں اٹھا۔ آپ نے فرمایا: ''شیطان نے اس کے کان میں پیشاب کردیا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① جب شیطان کھاتا پیتا ہے اور نکاح بھی کرتا ہے تو اس کا بے نماز کے کان میں پیشاب کردینا بعید از عقل نہیں۔ ② نماز سے مراد فرض نماز ہے کیونکہ ایک روایت میں صراحت ہے کہ وہ فرض نماز سے سویا رہا۔ ③ امام بخاری ؒ نے اس سے ثابت کیا ہے کہ ایسی روایات سے نماز تہجد کے وجوب کی دلیل لینا درست نہیں کیونکہ یہ وعید فرض نماز سے متعلق ہے۔ پھر حضرت ابوسعید کی ایک روایت میں ہے کہ جب شیطان گرہیں لگا دیتا ہے اور آدمی نماز کے لیے بیدار نہیں ہوتا تو وہ

1- صحيح البخاري، الجنائز، حديث: 1386. 2- فتح الباري: 32/3.

گرہیں بندوں کی توں باقی رہتی ہیں، مزید یہ کہ شیطان اس کے کان میں پیشاب کر دیتا ہے۔ اس شیطانی عمل کا یہ اثر ہوتا ہے کہ بے نماز مزید سستی کا شکار ہو جاتا ہے۔

(١٤) بَابُ الدُّعَاءِ وَالصَّلَاةِ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ

باب: 14- پچھلی رات دعا اور نماز کا بیان

وَقَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ﴾ أَيْ: مَا يَنَامُونَ. [﴿وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾] [الذاريات: ١٧، ١٨].

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وہ (متقین) رات کو کم سویا کرتے تھے اور سحری کے وقت مغفرت مانگا کرتے تھے۔'' مایھجعون کے معنی ہیں: وہ سوتے نہیں تھے۔

وضاحت: پچھلی رات اٹھ کر نماز پڑھنا اور دعا کرنا متقین کا شیوہ ہے جیسا کہ اس آیت میں بیان ہوا ہے، لہٰذا اسے اختیار کرنا چاہیے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے ذریعے سے نماز تہجد کی اہمیت بیان کی ہے۔

١١٤٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، وَأَبِي عَبْدِ اللهِ الْأَغَرِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا حِينَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ يَقُولُ: مَنْ يَدْعُونِي فَأَسْتَجِيبَ لَهُ؟ مَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ؟ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ؟». [انظر: ٦٣٢١، ٧٤٩٤]

[1145] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہمارا بزرگ و برتر پروردگار ہر رات آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے جب رات کی آخری تہائی باقی رہ جاتی ہے۔ اور آواز دیتا ہے: کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے میں اسے قبول کروں؟ کوئی ہے جو مجھ سے مانگے میں اسے عطا کروں؟ کوئی ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے تو میں اسے معاف کر دوں؟''

فوائد و مسائل: ① اس روایت میں دعا، سوال اور استغفار کا ذکر ہے۔ دیگر روایات میں توبہ، رزق اور دفع بلا کا ذکر بھی مروی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ کون ہے جو اس وقت اس ذات کو قرض دے جو مفلس اور ظلم پیشہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس قسم کی ندا کا سلسلہ طلوع فجر تک جاری رہتا ہے۔ بعض روایات کے آخر میں امام زہری کا قول بایں الفاظ بیان ہوا ہے کہ اسی لیے نیک لوگ پچھلی رات نماز پڑھنے کو ترجیح دیتے ہیں۔[1] یہی وجہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان میں دعا کے ساتھ نماز کا ذکر بھی کیا ہے۔[2] ② اللہ تعالیٰ کا اپنے عرش معلی سے آسمان دنیا پر بلا تاویل و تکییف اترنا برحق ہے جس طرح اس ذات کا عرش عظیم پر مستوی ہونا برحق ہے۔ ہمارے اسلاف کا عقیدہ ہے کہ اس قسم کی صفات کو ظاہری معنی پر محمول کیا جائے مگر یہ بھی عقیدہ رکھنا چاہیے کہ اللہ کی صفات، مخلوق کی صفات کی طرح نہیں ہیں۔ اس کی مکمل تشریح ہم کتاب التوحید، (حدیث: 7494) کے تحت کریں گے۔ ان شاء اللہ۔

---

1 فتح الباري: 37/3. 2 فتح الباري: 41/3.

(١٥) بَابُ مَنْ نَامَ أَوَّلَ اللَّيْلِ وَأَحْيَا آخِرَهُ

باب: 15- جو شخص شروع رات سو جائے اور آخر شب بیدار ہو

وَقَالَ سَلْمَانُ لِأَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: نَمْ، فَلَمَّا كَانَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ قَالَ: قُمْ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «صَدَقَ سَلْمَانُ»

حضرت سلمان ؓ نے حضرت ابو الدرداء ؓ سے کہا: اب سو جاؤ۔ جب آخر شب ہوئی تو فرمایا: اب اٹھو اور نماز پڑھو۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "سلمان نے سچ کہا۔"

وضاحت: اس معلق روایت کو امام بخاری ؒ نے تفصیل کے ساتھ اپنی متصل سند سے بیان کیا ہے۔[1]

١١٤٦ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، وَحَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْأَسْوَدِ قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: كَيْفَ صَلَاةُ رَسُولِ اللهِ ﷺ بِاللَّيْلِ؟ قَالَتْ: كَانَ يَنَامُ أَوَّلَهُ وَيَقُومُ آخِرَهُ فَيُصَلِّي، ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى فِرَاشِهِ، فَإِذَا أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ وَثَبَ، فَإِنْ كَانَتْ بِهِ حَاجَةٌ اغْتَسَلَ وَإِلَّا تَوَضَّأَ وَخَرَجَ.

[1146] حضرت اسود سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت عائشہ ؓ سے رسول اللہ ﷺ کی نماز شب کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے فرمایا: آپ شروع رات میں سو جاتے اور پچھلی رات اٹھ کر نماز پڑھتے۔ پھر اپنے بستر پر لوٹ آتے۔ اس کے بعد جب مؤذن اذان دیتا تو اٹھ کھڑے ہوتے۔ اگر ضرورت ہوتی تو غسل فرماتے ورنہ وضو کر کے باہر تشریف لے جاتے۔

فائدہ: ایک روایت میں ہے کہ جب سحری کا وقت ہوتا تو وتر پڑھتے، پھر اگر ضرورت ہوتی تو اپنی اہلیہ کے پاس آتے۔[2] اس روایت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو اگر تعلقات زن وشوئی ضرورت ہوتی تو اسے نماز تہجد ادا کرنے کے بعد پورا کرتے تھے کیونکہ عبادات کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کے یہی شایان شان تھا، چنانچہ اوائل شب میں رسول اللہ ﷺ کے متعلق بحالت جنابت سونا ثابت نہیں، البتہ آخر شب کچھ دیر دائیں پہلو کے بل لیٹنا ثابت ہے۔ بہرحال امام بخاری ؒ نے اس حدیث سے یہ ثابت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ آخر شب بیدار ہو کر نماز تہجد پڑھتے تھے۔

(١٦) بَابُ قِيَامِ النَّبِيِّ ﷺ بِاللَّيْلِ فِي رَمَضَانَ وَغَيْرِهِ

باب: 16- نبی ﷺ کا رمضان اور غیر رمضان میں رات کا قیام

١١٤٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّهُ

[1147] حضرت ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے، انھوں نے حضرت عائشہ ؓ سے سوال کیا کہ رمضان المبارک میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کیسے ہوا کرتی تھی؟

---

1 صحيح البخاري، الأدب، حديث: 6139. 2 فتح الباري: 42/3.

أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: كَيْفَ كَانَتْ صَلَاةُ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي رَمَضَانَ؟ فَقَالَتْ: مَا كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً، يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّي ثَلَاثًا. قَالَتْ عَائِشَةُ: فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَتَنَامُ قَبْلَ أَنْ تُوتِرَ؟ فَقَالَ: «يَا عَائِشَةُ! إِنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي». [انظر: ۲۰۱۳، ۳۵۶۹]

انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ رمضان یا غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ پہلے چار رکعت پڑھتے، ان کی طوالت اور خوبی کے متعلق نہ پوچھو۔ پھر چار رکعت پڑھتے، ان کی خوبی اور طوالت کے متعلق بھی سوال نہ کرو۔ اس کے بعد تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔ حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: میں نے آپ سے دریافت کیا: اللہ کے رسول! کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو رہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: "عائشہ! میری آنکھیں تو سو جاتی ہیں مگر میرا دل بیدار رہتا ہے۔"

فائدہ: رمضان المبارک میں ان گیارہ رکعات کو نماز تراویح کہتے ہیں اور غیر رمضان میں ان کا نام نماز تہجد ہے، گویا وقت اور محل کے اعتبار سے اس کے دو نام ہیں۔ ان کی تعداد گیارہ رکعات ہے۔ جن روایات میں رسول اللہ ﷺ کا رمضان میں رات کے وقت بیس رکعات پڑھنا بیان ہوا ہے وہ سب ضعیف اور ناقابل حجت ہیں۔ نماز تراویح کی تعداد آٹھ رکعات اور تین وتر ہیں۔ ان کے متعلق تفصیل کتاب التراویح، حدیث: 2013 میں آئے گی۔ بإذن اللہ تعالیٰ۔

۱۱٤٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ هِشَامٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ فِي شَيْءٍ مِنْ صَلَاةِ اللَّيْلِ جَالِسًا حَتَّى إِذَا كَبِرَ قَرَأَ جَالِسًا، فَإِذَا بَقِيَ عَلَيْهِ مِنَ السُّورَةِ ثَلَاثُونَ أَوْ أَرْبَعُونَ آيَةً قَامَ فَقَرَأَهُنَّ، ثُمَّ رَكَعَ. [راجع: ۱۱۱۸]

[1148] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں نے کبھی نبی ﷺ کو بیٹھ کر نماز پڑھتے نہیں دیکھا حتی کہ جب آپ عمر رسیدہ ہو گئے تو بحالت نماز بیٹھ کر قراءت فرماتے۔ جب کسی سورت کی تیس یا چالیس آیات باقی رہ جاتیں تو کھڑے ہو جاتے اور انھیں پڑھ کر رکوع فرماتے۔

فائدہ: اس روایت سے ان حضرات کی تردید ہوتی ہے جن کا موقف ہے کہ جب نماز تہجد بحالت قیام شروع کی جائے تو رکوع کھڑے ہو کر کرنا چاہیے اور جب اس کا آغاز بیٹھ کر کیا جائے تو رکوع بھی بیٹھ کر کرنا چاہیے۔ ان حضرات کی دلیل حضرت عائشہ ؓ سے مروی ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب قراءت بحالت قیام کرتے تو رکوع کھڑے ہو کر کرتے اور جب قراءت بیٹھ کر کرتے تو رکوع بھی بیٹھ کر کرتے۔[1] امام بخاری ؒ کی بیان کردہ مذکورہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیٹھ کر

1 صحیح ابن خزیمة: 238/2.

قراءت کرتے، جب کچھ آیات باقی رہ جاتیں تو کھڑے ہو کر انھیں پڑھتے اور بحالت قیام رکوع فرماتے۔ واضح رہے کہ صحیح ابن خزیمہ کی مذکورہ روایت کے متعلق حضرت ہشام نے بہت سخت موقف اختیار فرمایا ہے۔ راوی حدیث ابو خالد کہتے ہیں کہ جب میں نے عبداللہ بن شقیق کی اس روایت کا تذکرہ حضرت عروہ سے کیا تو انھوں نے کہا کہ عبداللہ بن شقیق غلط کہتا ہے۔ اس کے بعد اپنے باپ حضرت عروہ سے مروی حدیث کو بیان کیا جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے پیش کیا ہے۔ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک ان دونوں روایات میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ عبداللہ بن شقیق سے مروی حدیث کا مطلب ہے کہ جب پوری قراءت کھڑے ہو کر کرے تو رکوع بھی کھڑے ہو کر کرنا چاہیے اور جب پوری قراءت بیٹھ کر کی جائے تو رکوع بھی بیٹھ کر کرنا چاہیے۔ اور حضرت عروہ کی روایت کا مطلب یہ ہے کہ اگر قراءت کا کچھ حصہ بیٹھ کر اور کچھ حصہ کھڑے ہو کر پڑھا جائے تو رکوع بھی کھڑے ہو کر کرنا چاہیے۔

(۱۷) بَابُ فَضْلِ الطُّهُورِ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، وَفَضْلِ الصَّلَاةِ عِنْدَ الطُّهُورِ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ

باب: 17- رات دن باوضو رہنے اور وضو کے بعد نماز پڑھنے کی فضیلت کا بیان

وضاحت: یہ عنوان دو حصوں پر مشتمل ہے: ٭ رات دن باوضو رہنا۔ ٭ وضو کے بعد نماز پڑھنا۔ دونوں حصوں کا استحباب بیان کرنا مقصود ہے۔

١١٤٩ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ، حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ أَبِي حَيَّانَ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِبِلَالٍ عِنْدَ صَلَاةِ الْفَجْرِ: «يَا بِلَالُ! حَدِّثْنِي بِأَرْجَى عَمَلٍ عَمِلْتَهُ فِي الْإِسْلَامِ، فَإِنِّي سَمِعْتُ دَفَّ نَعْلَيْكَ بَيْنَ يَدَيَّ فِي الْجَنَّةِ» قَالَ: مَا عَمِلْتُ عَمَلًا أَرْجَى عِنْدِي أَنِّي لَمْ أَتَطَهَّرْ طُهُورًا فِي سَاعَةِ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ إِلَّا صَلَّيْتُ بِذَلِكَ الطُّهُورِ مَا كُتِبَ لِي أَنْ أُصَلِّيَ.

[1149] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے نماز فجر کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "اے بلال! مجھے وہ عمل بتاؤ جو تم نے اسلام لانے کے بعد کیا ہو اور تمھارے ہاں وہ زیادہ امید والا ہو کیونکہ میں نے جنت میں اپنے آگے آگے تمھارے جوتوں کی آہٹ سنی ہے۔" حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے کوئی عمل ایسا نہیں کیا جو میرے نزدیک زیادہ پر امید ہو، البتہ میں رات اور دن میں جب وضو کرتا ہوں تو اس وضو سے جو نماز میرے مقدر میں ہوتی ہے پڑھ لیتا ہوں۔

فوائد و مسائل: ① جامع ترمذی اور صحیح ابن خزیمہ کی روایت میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں جب بھی بے وضو ہوتا ہوں تو وضو کر لیتا ہوں اور اس کے بعد دو رکعت پڑھتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اسی وجہ سے تم نے یہ انعام

1 صحيح ابن خزيمة: 240/2.

حاصل کیا ہے۔"[1] یہ حدیث ان احادیث کے معارض نہیں جن میں اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ تم میں سے کوئی بھی اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں داخل نہیں ہوگا کیونکہ جنت میں داخلہ تو صرف اللہ کے فضل وکرم سے ہوگا، پھر داخلے کے بعد درجات کا تفاوت اعمال کی وجہ سے ہوگا۔[2] اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام سے پہلے جنت میں داخل ہو گئے کیونکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس عالم رنگ و بو میں ایک خادم خاص کی حیثیت سے آپ کے آگے آگے ہوتے تھے، اس لیے نیند میں بھی وہ اسی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئے۔ واضح رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو نیند کی حالت میں دیکھا تھا اور آپ کی عادت مبارک تھی کہ نماز فجر کے بعد اپنا خواب بیان کرتے یا کسی دوسرے کا خواب سن کر اس کی تعبیر کرتے تھے۔ روایت میں نماز فجر کے ذکر سے اسی حقیقت کی طرف اشارہ مقصود ہے۔[3] ابن جوزی فرماتے ہیں کہ وضو کے بعد نماز پڑھنی چاہیے تاکہ وضو بلا مقصد نہ ہو۔ امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث کو نماز تہجد میں لائے ہیں تاکہ تحیۃ الوضوء ثابت کیا جائے۔ ہمیشہ باوضو رہنا مومن کے لیے ایک زبردست ہتھیار ہے کیونکہ شیطان نجس اور پلید چیزوں سے مانوس ہوتا ہے اور طہارت و پاکیزگی سے نفرت کرتا ہے، نیز جب آدمی باوضو رہتا ہے تو رات دن کی نمازیں اس سے فوت نہیں ہوتیں۔

(١٨) بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ التَّشْدِيدِ فِي الْعِبَادَةِ

باب: 18- عبادت میں سختی اٹھانا ایک ناپسندیدہ عمل ہے

١١٥٠ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ صُهَيْبٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: دَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ فَإِذَا حَبْلٌ مَمْدُودٌ بَيْنَ السَّارِيَتَيْنِ، فَقَالَ: «مَا هٰذَا الْحَبْلُ؟» قَالُوا: هٰذَا حَبْلٌ لِزَيْنَبَ فَإِذَا فَتَرَتْ تَعَلَّقَتْ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَا، حُلُّوهُ لِيُصَلِّ أَحَدُكُمْ نَشَاطَهُ، فَإِذَا فَتَرَ فَلْيَقْعُدْ».

[1150] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ (مسجد میں) داخل ہوئے تو دیکھا کہ دو ستونوں کے درمیان ایک رسی لٹک رہی ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا: "یہ رسی کیسی ہے؟" لوگوں نے عرض کیا: یہ رسی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے لٹکا رکھی ہے کیونکہ جب وہ نماز میں کھڑے کھڑے تھک جاتی ہیں تو اس سے لٹک جاتی ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہیں! اسے کھول دو۔ تم میں سے ہر شخص نشاط طبع کے ساتھ نماز پڑھے، جب تھک جائے تو بیٹھ جائے۔"

فائدہ: معلوم ہوا کہ عبادت کرتے وقت میانہ روی اختیار کرنی چاہیے۔ اس کے متعلق بے جا سختی اور تشدد معیوب ہے کیونکہ ایسا کرنے سے طبیعت میں نفرت کے جذبات ابھرتے ہیں جو قابل مذمت ہیں، نیز ایسا کرنا روح عبادت کے بھی خلاف ہے۔

1 جامع الترمذي، المناقب، حديث: 3689، و صحيح ابن خزيمة: 213/2، و مسند أحمد: 360/5. 2 فتح الباري: 46/3. 3 فتح الباري: 44/3.

دراصل اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی مختلف طبائع بنائی ہیں: کچھ لوگ بڑے عزم اور حوصلے والے ہوتے ہیں۔ وہ عزائم پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور رخصتوں کو اختیار نہیں کرتے۔ وہ تمام اوقات اللہ کی عبادت میں لگے رہتے ہیں۔ اگر ضرورت پڑے تو اپنا تمام مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے ہیں، نیز جہاد کرتے وقت اپنی جان قربان کر دیتے ہیں، لیکن ایسے باہمت لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔ اکثریت ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جو دین کی رخصتوں اور آسانیوں پر عمل کرتے ہیں۔ شریعت کے اکثر احکام ایسے ہی لوگوں سے متعلق ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق یہ ضابطہ مقرر ہوا ہے کہ خواہ تھوڑا عمل ہو مگر ہمیشگی کے ساتھ ہونا چاہیے۔ ایسے لوگوں کو عبادات میں تشدد سے منع کیا گیا ہے تاکہ زیادہ عمل سے اکتا نہ جائیں، لیکن رسول اللہ ﷺ اس قدر عبادت کرتے تھے کہ آپ کے قدموں پر ورم آ جاتا تھا۔

١١٥١ - قَالَ: وَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَتْ عِنْدِي امْرَأَةٌ مِنْ بَنِي أَسَدٍ فَدَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «مَنْ هَذِهِ؟» قُلْتُ: فُلَانَةُ، لَا تَنَامُ بِاللَّيْلِ، تَذْكُرُ مِنْ صَلَاتِهَا، فَقَالَ: «مَهْ، عَلَيْكُمْ مَا تُطِيقُونَ مِنَ الْأَعْمَالِ، فَإِنَّ اللهَ لَا يَمَلُّ حَتَّى تَمَلُّوا». [راجع: ٤٣]

[1151] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میرے پاس بنو اسد قبیلے کی ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ آپ نے فرمایا: "یہ کون عورت ہے؟" میں نے عرض کیا: یہ فلاں عورت ہے، رات بھر سوتی نہیں اور اس کی نماز کا خوب چرچا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ایسا کرنے سے رک جاؤ۔ خود پر وہ عمل لازم کرو جس کی تم میں طاقت ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نہیں اکتاتا یہاں تک کہ تم خود اکتا کر عمل چھوڑ دیتے ہو۔"

فائدہ: معلوم ہوا کہ جب تک طبیعت ساتھ دے دل لگی کے ساتھ عبادت کی جائے۔ اگر طبیعت میں اکتاہٹ پیدا ہو جائے تو عبادت کے بجائے آرام کرنا چاہیے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ دوران نماز میں اگر نیند آنا شروع ہو جائے تو نماز ترک کر کے سو جانا چاہیے، مبادا وہ استغفار کے بجائے خود کو گالیاں دینا دے۔ ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ثواب دینے سے تنگ نہیں پڑتا بلکہ تم خود ہی اس عمل سے تنگ آ کر اسے چھوڑ دیتے ہو۔ الغرض انسان کو اپنی وسعت اور طاقت کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔

(١٩) بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنْ تَرْكِ قِيَامِ اللَّيْلِ لِمَنْ كَانَ يَقُومُهُ

باب: 19- اہتمام تہجد کے بعد اسے ترک کر دینا مکروہ عمل ہے

١١٥٢ - حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ الْحُسَيْنِ قَالَ: حَدَّثَنَا مُبَشِّرُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ؛ ح: وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ

[1152] حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: "اے عبداللہ! فلاں شخص کی طرح مت ہو جانا کہ وہ

٭ فتح الباري: 46/3.

قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ أَخْبَرَنَا الْأَوْزَاعِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَا عَبْدَ اللهِ! لَا تَكُنْ مِثْلَ فُلَانٍ كَانَ يَقُومُ مِنَ اللَّيْلِ فَتَرَكَ قِيَامَ اللَّيْلِ».

رات کو اٹھا کرتا تھا، پھر اس نے قیام اللیل ترک کر دیا۔"

وَقَالَ هِشَامٌ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي الْعِشْرِينَ: قَالَ حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْحَكَمِ بْنِ ثَوْبَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ بِهٰذَا مِثْلَهُ. وَتَابَعَهُ عَمْرُو بْنُ أَبِي سَلَمَةَ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ. [راجع: ١١٣١]

ہشام نے کہا: مجھے ابن ابوعشرین نے اپنی پوری سند کے ساتھ اسی طرح خبر دی ہے۔ عمرو بن ابوسلمہ نے بھی امام اوزاعی سے بیان کرنے میں ابن ابوعشرین کی متابعت کی ہے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس عبادت کو بجالانے کا انسان عادی بن جائے اسے بلاوجہ ترک نہیں کرنا چاہیے اگرچہ وہ عبادت نفلی ہی ہو۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے عبادت کے سلسلے میں عدم تشدد کے بعد اسے بیان کیا ہے کہ عبادت کے التزام پر میانہ روی اختیار کرنی چاہیے کیونکہ تشدد کرنے سے بعض اوقات انسان اسے چھوڑنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ الغرض نیکی کے کام میں سہولت اور آسانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے دوام اور پختگی کرنی چاہیے۔ حدیث کے آخر میں جو متابعت ہے اسے امام مسلم نے اپنی متصل سند سے بیان کیا ہے۔[2]

(٢٠) بَابٌ:

باب: 20- بلاعنوان

وضاحت: یہ عنوان سابقہ عنوان کا تکملہ ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ مذکورہ حدیث پہلی حدیث کا تتمہ اور اسی کا حصہ ہے۔[1]

١١٥٣ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي الْعَبَّاسِ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَلَمْ أُخْبَرْ أَنَّكَ

[1153] حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: "کیا مجھے یہ خبر نہیں دی گئی کہ تم رات بھر نماز پڑھتے ہو اور دن کا روزہ رکھتے ہو؟" میں نے عرض کیا: ہاں، میں ایسا کرتا ہوں۔ آپ

1 فتح الباري: 49/3. 2 فتح الباري: 50/3.

تَقُومُ اللَّيْلَ وَتَصُومُ النَّهَارَ؟» قُلْتُ: إِنِّي أَفْعَلُ ذٰلِكَ. قَالَ: «فَإِنَّكَ إِذَا فَعَلْتَ ذٰلِكَ هَجَمَتْ عَيْنُكَ وَنَفِهَتْ نَفْسُكَ، وَإِنَّ لِنَفْسِكَ حَقًّا، وَلِأَهْلِكَ حَقًّا، فَصُمْ وَأَفْطِرْ، وَقُمْ وَنَمْ». [راجع: ١١٣١]

نے فرمایا: "اگر تو ایسا کرتا رہا تو تمھاری بینائی کمزور ہو جائے گی اور تیرا جی تھک جائے گا۔ تیرے نفس کا تجھ پر حق ہے اور تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے، اس لیے روزے بھی رکھو اور افطار بھی کرو، نیز نماز بھی پڑھو اور آرام بھی کرو۔"

فوائد و مسائل: ① حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ کہتے ہیں: میں نے اللہ کی قسم کھا کر یہ وعدہ کیا تھا کہ زندگی بھر دن کا روزہ رکھوں گا اور رات کا قیام کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا: "یہ تیرے بس کا کام نہیں۔" اور مذکورہ ارشادات فرمائے۔[1] ایک روایت میں ہے کہ میرے والد عمرو بن عاص ؓ نے میرا نکاح ایک اعلیٰ نسب والی عورت سے کر دیا۔ وہ ایک دن اپنی بہو سے ملنے آئے اور میرے متعلق دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ وہ اچھے آدمی ہیں لیکن ہمارے حقوق کی خبر گیری نہیں کرتے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: "وہ مجھ سے ملاقات کرے۔" ملاقات کے وقت آپ نے مجھے مذکورہ ہدایات دیں۔[2] ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: "تیری آنکھوں کا بھی تجھ پر حق ہے اور تیرے مہمانوں کا بھی تجھ پر حق ہے۔ ہر ماہ کے تین روزے کافی ہیں۔ اللہ کے ہاں ہر نیکی کا ثواب دس گنا ہوگا، اس طرح تجھے زندگی بھر کے روزوں کا ثواب ملے گا۔" لیکن میں نے خود پر تشدد کیا، کاش کہ میں اس رخصت کو قبول کر لیتا۔[3] ② اس سے معلوم ہوا کہ مستحبات پر واجبات کی ادائیگی کو مقدم کرنا چاہیے اور دیگر حقوق کی ادائیگی اس قدر نہ کی جائے کہ عبادت کا حق پامال ہونے لگے۔ اس لیے مذکورہ حقوق کی ادائیگی کرتے ہوئے عبادت میں مصروف ہونا ایک مسلمان کی شان ہے۔[4]

(٢١) بَابُ فَضْلِ مَنْ تَعَارَّ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّى

باب: 21- اس شخص کی فضیلت جو رات کو اٹھے اور نماز پڑھے

١١٥٤ - حَدَّثَنَا صَدَقَةُ قَالَ: أَخْبَرَنَا الْوَلِيدُ - هُوَ ابْنُ مُسْلِمٍ - عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ قَالَ: حَدَّثَنَا عُمَيْرُ بْنُ هَانِئٍ قَالَ: حَدَّثَنِي جُنَادَةُ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ قَالَ: حَدَّثَنِي عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ تَعَارَّ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسُبْحَانَ

[1154] حضرت عبادہ بن صامت ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "جو شخص رات کو اٹھے اور کہے: [لا إله إلا الله ... ولا قوة إلا بالله] "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ بادشاہت اسی کی ہے۔ اور تمام تعریفات اسی کی ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔ میں اللہ کی پاکیزگی بیان کرتا ہوں۔ اللہ کے سوا کوئی

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث: 3418. [2] صحيح البخاري، فضائل القرآن، حديث: 5052.
[3] صحيح البخاري، الصوم، حديث: 1975. [4] فتح الباري: 61/3.

اللہ، [وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ] وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ، ثُمَّ قَالَ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي، أَوْ دَعَا اسْتُجِيبَ، فَإِنْ تَوَضَّأَ وَصَلّٰى قُبِلَتْ صَلَاتُهُ».

معبود نہیں۔ اللہ وہ سب سے بڑا ہے۔ نیکی کرنے کی اور برائی سے بچنے کی طاقت اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔" پھر یہ دعا پڑھے: [اللهم اغفر لي] "اے اللہ! مجھے معاف فرما دے۔" یا کوئی اور دعا کرے تو اس کی دعا قبول ہوتی ہے اور اگر وضو کر کے نماز پڑھے تو اس کی نماز بھی قبول ہوتی ہے۔"

فوائد و مسائل: ① ابن بطال نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی زبان حق ترجمان سے یہ وعدہ کیا ہے کہ جو شخص رات کو اپنی نیند سے بیدار ہو کر اپنے رب کی توحید سے زبان کو حرکت دے، اس کی بادشاہت پر یقین رکھے، اس کی نعمتوں کا اعتراف کرتے ہوئے اس کی حمد و ثنا کرے، اس کی تسبیح و تہلیل کرے، اس کی کبریائی بیان کرے، اپنی عاجزی اور بے بسی کا اعتراف کرتے ہوئے دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا ضرور قبول فرمائے گا اور اگر نماز پڑھے گا تو اسے بھی شرف پذیرائی سے نوازا جائے گا۔ اس لیے ضروری ہے کہ جو شخص اس حدیث کو پڑھے وہ اپنے اندر خلوص نیت پیدا کرے اور اس عمل کو غنیمت سمجھے۔[1] ② صحیح بخاری کے راوی ابو عبداللہ فربری کہتے ہیں کہ میں ایک رات بیدار ہوا اور مذکورہ ذکر پڑھا پھر مجھے نیند آگئی تو خواب میں میرے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے یہ آیت پڑھی: ﴿وَهُدُوٓا إِلَى ٱلطَّيِّبِ مِنَ ٱلْقَوْلِ﴾[2] "یہ وہ لوگ ہیں جنھیں کلمہ طیبہ قبول کرنے کی ہدایت کی گئی۔"

١١٥٥ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي الْهَيْثَمُ بْنُ أَبِي سِنَانٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَهُوَ يَقُصُّ فِي قَصَصِهِ، وَهُوَ يَذْكُرُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ: «إِنَّ أَخًا لَكُمْ لَا يَقُولُ الرَّفَثَ»، يَعْنِي بِذٰلِكَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ رَوَاحَةَ.

[1155] ہیثم بن ابو سنان کہتے ہیں: میں نے حضرت ابو ہریرہ ؓ سے سنا، وہ وعظ کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کا ذکر کرنے لگے کہ آپ نے ایک دفعہ فرمایا: "تمھارا بھائی عبداللہ بن رواحہ کوئی بے ہودہ بات نہیں کہتا۔" یعنی وہ کیسے اچھے مضامین سناتا ہے:

وَفِينَا رَسُولُ اللّٰهِ يَتْلُو كِتَابَهُ
إِذَا انْشَقَّ مَعْرُوفٌ مِنَ الْفَجْرِ سَاطِعُ
أَرَانَا الْهُدَى بَعْدَ الْعَمَى فَقُلُوبُنَا
بِهِ مُوقِنَاتٌ أَنَّ مَا قَالَ وَاقِعُ
يَبِيتُ يُجَافِي جَنْبَهُ عَنْ فِرَاشِهِ
إِذَا اسْتَثْقَلَتْ بِالْمُشْرِكِينَ الْمَضَاجِعُ

ہم میں اللہ کے رسول ہیں جو کلام اللہ کی تلاوت کرتے ہیں جب صبح کے وقت بلند ہونے والی پوپھٹتی ہے۔ ہم تو اندھے تھے انھوں نے ہمیں ہدایت پر لگایا اور ہمیں دلی یقین ہے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ واقعی سچ ہے۔ رات کو ان کا پہلو بستر سے الگ رہتا ہے جبکہ نیند کی وجہ سے مشرکین پر بستر بھاری ہوتے ہیں۔

---

1 فتح الباري: 53/3. 2 الحج 24:22.

تَابَعَهُ عُقَيْلٌ، وَقَالَ الزُّبَيْدِيُّ: أَخْبَرَنِي الزُّهْرِيُّ عَنْ سَعِيدٍ وَالْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ. [انظر: ١١٥٦]

عقیل نے یونس کی متابعت کی ہے اور زبیدی کا قول ہے کہ مجھے زہری نے سعید اور اعرج سے خبر دی ہے، انھوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا۔

فوائد و مسائل: ① عنوان سے مطابقت ان الفاظ سے ہے: "آپ کا پہلو بستر سے دور رہتا ہے۔" کیونکہ ایسا شب بیداری ہی سے ہو سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا رات کو بیدار ہونا نماز پڑھنے، ذکر کرنے اور تلاوت قرآن کے لیے تھا، گویا شاعر نے اس ارشاد باری کی طرف اشارہ کیا ہے: ﴿تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا﴾ "ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں۔ وہ اپنے رب کو ڈرتے ہوئے اور امید کرتے ہوئے پکارتے ہیں۔"[1] اس سے معلوم ہوا کہ اچھے اشعار اچھی کلام کی طرح قابل ستائش ہیں۔[2] ② عقیل کی متابعت کو امام طبرانی نے معجم کبیر میں اپنی متصل سند سے بیان کیا ہے اور زبیدی کی تعلیق کو امام بخاری رحمہ اللہ نے تاریخ صغیر اور امام طبرانی نے معجم کبیر میں متصل سند سے ذکر کیا ہے۔[3]

١١٥٦ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: رَأَيْتُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ كَأَنَّ بِيَدِي قِطْعَةَ إِسْتَبْرَقٍ فَكَأَنِّي لَا أُرِيدُ مَكَانًا مِنَ الْجَنَّةِ إِلَّا طَارَتْ إِلَيْهِ، وَرَأَيْتُ كَأَنَّ اثْنَيْنِ أَتَيَانِي أَرَادَا أَنْ يَذْهَبَا بِي إِلَى النَّارِ فَتَلَقَّاهُمَا مَلَكٌ فَقَالَ: لَمْ تُرَعْ، خَلِّيَا عَنْهُ. [راجع: ٤٤٠]

[1156] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ کے عہد مبارک میں ایک خواب میں دیکھا جیسے میرے ہاتھ میں دبیز ریشم کا ایک ٹکڑا ہے، میں جنت میں جہاں جانا چاہتا ہوں وہ مجھے اڑا کر لے جاتا ہے۔ اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ جیسے دو شخص میرے پاس آئے، انھوں نے دوزخ کی طرف مجھے لے جانے کا ارادہ کیا تو انھیں ایک فرشتہ ملا اور اس نے (مجھے) کہا: خوفزدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ پھر اس نے دونوں کو کہا: تم اس سے الگ ہو جاؤ۔

١١٥٧ - فَقَصَّتْ حَفْصَةُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ إِحْدَى رُؤْيَايَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «نِعْمَ الرَّجُلُ عَبْدُ اللهِ لَوْ كَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ». [راجع: ٤٤٠]

[1157] حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے میرا ایک خواب نبی ﷺ سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا: "عبداللہ اچھا آدمی ہے اگر وہ تہجد پڑھنے کا التزام کرے۔"

١١٥٨ - فَكَانَ عَبْدُ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ. وَكَانُوا لَا يَزَالُونَ يَقُصُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ الرُّؤْيَا أَنَّهَا فِي اللَّيْلَةِ السَّابِعَةِ مِنَ الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَرَى

[1158] اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رات کو نماز تہجد پڑھنے کا اہتمام کرتے تھے۔ نبی ﷺ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے خواب بیان کیا کرتے تھے، انھوں نے بیان کیا کہ آخری عشرے کی ساتویں رات لیلۃ القدر

---

1. السجدة 16:32. 2. فتح الباري: 54/3. 3. فتح الباري: 55/3.

رُؤْيَاكُمْ قَدْ تَوَاطَأَتْ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ، فَمَنْ كَانَ مُتَحَرِّيهَا فَلْيَتَحَرَّهَا مِنَ الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ». [انظر: ٢٠١٥، ٦٩٩١]

ہے۔ نبی ﷺ نے اس کے متعلق فرمایا: ''تمھارے خواب لیلۃ القدر کے متعلق اس پر متفق ہیں کہ وہ رمضان کے آخری عشرے میں ہے، لہٰذا اگر کوئی شب قدر کو تلاش کرنا چاہے تو وہ رمضان کے آخری عشرے میں تلاش کرے۔''

فوائد ومسائل: ① دراصل ایک ہی حدیث کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ مقصود صرف عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق نماز تہجد کے التزام کو بیان کرنا ہے۔ ② حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق تہجد پڑھنے کا ذکر آپ کے شاگرد حضرت نافع نے کیا ہے جبکہ اس سے قبل آپ کے بیٹے حضرت سالم نے بھی اس قسم کا ذکر کیا تھا۔ واللہ أعلم۔

(٢٢) بَابُ الْمُدَاوَمَةِ عَلَى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ

باب: 22- فجر کی دو سنتوں پر ہمیشگی کرنا

١١٥٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ - هُوَ ابْنُ أَبِي أَيُّوبَ - قَالَ: حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ، عَنْ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ الْعِشَاءَ، وَصَلَّى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ، وَرَكْعَتَيْنِ جَالِسًا، وَرَكْعَتَيْنِ بَيْنَ النِّدَاءَيْنِ، وَلَمْ يَكُنْ يَدَعُهُمَا أَبَدًا. [راجع: ٦١٩]

[1159] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ نے نماز عشاء پڑھی، پھر نماز تہجد کی آٹھ رکعات ادا کیں (پھر وتر پڑھے) اور دو رکعت بیٹھ کر پڑھیں۔ پھر اذان اور اقامت کے درمیان دو رکعت ادا فرمائیں اور انھیں آپ کبھی نہیں چھوڑتے تھے۔

فوائد ومسائل: ① نماز فجر کی دو سنت خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں سفر وحضر میں کبھی ترک نہیں کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''فجر کی دو سنت دنیا اور اس کے تمام ساز وسامان سے بڑھ کر ہیں۔''[1] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی سنتوں کو بڑی پابندی سے ادا کرتے تھے۔[2] ② ان روایات میں نماز وتر کے بعد دو رکعت بیٹھ کر پڑھنے کا ذکر ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس پر کوئی عنوان قائم نہیں کیا، البتہ رسول اللہ ﷺ سے ان کا بیٹھ کر ادا کرنا ہی ثابت ہے اور آپ نے انھیں اتفاقاً نہیں بلکہ قصداً بیٹھ کر ادا کیا ہے کیونکہ تمام عمر کے اس فعل کو اتفاق پر محمول نہیں کیا جا سکتا، لیکن ہمیں کھڑے ہو کر ادا کرنی چاہئیں کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت ہے کہ آپ کو بیٹھ کر نوافل ادا کرنے سے پورا ثواب ملتا ہے جبکہ ہمیں کھڑے ہو کر پڑھنے کی قدرت کے باوجود بیٹھ کر پڑھنے سے آدھا ثواب ملتا ہے۔ واللہ أعلم۔

1 صحیح مسلم، صلاة المسافرین، حدیث: 1688 (725). 2 صحیح مسلم، صلاة المسافرین، حدیث: 1686 (724).

(٢٣) بَابُ الضِّجْعَةِ عَلَى الشِّقِّ الْأَيْمَنِ بَعْدَ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ

باب: 23- صبح کی دو سنت کے بعد دائیں کروٹ لیٹنا

١١٦٠ - حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو الْأَسْوَدِ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا صَلَّى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ اضْطَجَعَ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ. [راجع: ٦٢٦]

[1160] ام المؤمنین حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ جب صبح کی دو سنت پڑھ لیتے تو دائیں کروٹ لیٹ جاتے۔

فوائد و مسائل: ① صبح کی دو سنت کے بعد لیٹنے کے متعلق افراط و تفریط پایا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ دائیں کروٹ پر لیٹنا ضروری ہے اور صحت نماز کی شرط ہے جیسا کہ امام ابن حزم نے محلی میں لکھا ہے کیونکہ اس سلسلے میں امر نبوی وارد ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے جو کوئی صبح کی دو سنت پڑھے تو اسے چاہیے کہ دائیں کروٹ لیٹے۔''[1] ابراہیم نخعی ؒ نے اسے شیطان کا لیٹنا قرار دیا ہے جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے۔[2] امام بخاری ؒ نے اس کی مشروعیت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ عمل مبارک ہے اور اس سلسلے میں جو امر وارد ہے وہ وجوب کے لیے نہیں بلکہ استحباب کے لیے ہے کیونکہ بعض اوقات آپ نے اس پر عمل نہیں بھی کیا جیسا کہ آئندہ حدیث سے واضح ہوگا۔ ② لیٹنے کے دوران میں جو دعا پڑھی جاتی ہے وہ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔ واللہ أعلم۔

(٢٤) بَابُ مَنْ تَحَدَّثَ بَعْدَ الرَّكْعَتَيْنِ وَلَمْ يَضْطَجِعْ

باب: 24- جو شخص دو سنتوں کے بعد گفتگو کرتا ہے اور لیٹتا نہیں

١١٦١ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْحَكَمِ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: حَدَّثَنِي سَالِمٌ أَبُو النَّضْرِ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا صَلَّى سُنَّةَ الْفَجْرِ، فَإِنْ كُنْتُ مُسْتَيْقِظَةً حَدَّثَنِي وَإِلَّا اضْطَجَعَ حَتَّى يُؤْذَنَ بِالصَّلَاةِ. [راجع: ١١١٨]

[1161] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب نماز فجر کی سنت پڑھ لیتے تو اگر میں بیدار ہوتی تو میرے ساتھ گفتگو فرماتے، بصورت دیگر آپ لیٹ جاتے حتی کہ نماز فجر کے لیے اقامت کہی جاتی۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نماز فجر کی سنتوں کے بعد لیٹنا ضروری نہیں، سنتوں اور فرضوں کے

[1] سنن أبي داود، التطوع، حدیث: 1261۔ [2] فتح الباري: 57/3۔

دوران گفتگو سے بھی فصل کیا جا سکتا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس موقف کو اختیار کیا ہے کہ سنتوں کے بعد لیٹنے کا مقصد صرف فرض اور سنت میں فصل کرنا ہے، وہ لیٹنے کے علاوہ کسی چیز سے بھی ہو سکتا ہے، لیکن امام نووی رحمہ اللہ نے حدیث ابو ہریرہ کے پیش نظر اسے سنت قرار دیا ہے کیونکہ راوی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سنتوں کی ادائیگی کے بعد مسجد کی طرف چل کر آنے کو کافی نہیں سمجھا جیسا کہ مروان نے کہا تھا بلکہ لیٹنے کی تلقین کی ہے۔[1] بعض حضرات کا خیال ہے کہ اگر گھر میں سنت پڑھی جائیں تو لیٹنا چاہیے مسجد میں لیٹنا سنت نہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما مسجد میں لیٹنے والے کو کنکریاں مارتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ) امام بخاری رحمہ اللہ کے عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اگر سنت سے فراغت کے بعد لیٹتے تو گفتگو فرماتے اور اگر گفتگو کرتے تو لیٹتے نہیں تھے اور امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے بھی اپنی صحیح میں اسی قسم کا عنوان قائم کیا ہے لیکن امام احمد رحمہ اللہ نے ایک حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز تہجد پڑھتے، فراغت کے بعد لیٹ جاتے، اگر میں بیدار ہوتی تو میرے ساتھ گفتگو فرماتے اور اگر میں نیند میں ہوتی تو آپ بھی سو جاتے حتی کہ آپ کے پاس صبح کی نماز کے لیے موذن آتا۔[2] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ لیٹنے کے دوران میں گفتگو کرتے تھے۔ بہرحال صبح کی دو سنت پڑھنے کے بعد لیٹنا مشروع ہے، اسے خلاف سنت قرار دینا درست نہیں۔

(٢٦) بَابُ الْحَدِيثِ بَعْدَ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ

باب: 26- فجر کی دو سنتوں کے بعد گفتگو کرنا

١١٦٨ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: أَبُو النَّضْرِ، حَدَّثَنِي عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ، فَإِنْ كُنْتُ مُسْتَيْقِظَةً حَدَّثَنِي وَإِلَّا اضْطَجَعَ. قُلْتُ لِسُفْيَانَ: فَإِنَّ بَعْضَهُمْ يَرْوِيهِ: رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ. قَالَ سُفْيَانُ: هُوَ ذَاكَ. [راجع: ١١١٨]

[1168] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ دو رکعت پڑھتے، اگر میں بیدار ہوتی تو میرے ساتھ محو گفتگو ہوتے، بصورت دیگر لیٹ جاتے۔

(راوی حدیث علی بن مدینی کہتے ہیں:) میں نے سفیان سے کہا: بعض حضرات فجر کی دو رکعت بیان کرتے ہیں۔ حضرت سفیان نے جواب دیا کہ اسی طرح ہے، یعنی اس سے مراد فجر کی دو سنت ہیں۔

فائدہ: ابراہیم نخعی اور ابو الشعثاء وغیرہ کا خیال ہے کہ نماز فجر کی دو سنتوں کے بعد گفتگو کرنا صحیح نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان حضرات کی تردید کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ سنتوں کے بعد گفتگو کرنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور اس میں کسی قسم کی کراہت نہیں۔[3] ولید بن مسلم کہتے ہیں کہ ہم حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوتے اور فجر اور اس کی دو سنت کے بعد ہم ان سے محو گفتگو ہوتے، آپ اسے برا خیال نہیں کرتے تھے اور اس کے متعلق فتویٰ بھی دیتے تھے۔ ابوبکر بن العربی کہتے ہیں کہ اس وقت خاموشی اختیار کرنے کے متعلق کوئی فضیلت احادیث میں مروی نہیں، البتہ دنیوی امور کے بارے میں اس وقت گفتگو کرنا مستحسن نہیں کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ فجر کی دو سنتوں کے بعد ایک آدمی دوسرے سے محو گفتگو ہے تو انھوں نے

1 سنن أبي داود، التطوع، حديث: 1261. 2 مسند أحمد: 35/6. 3 فتح الباري: 58/3. 4 فتح الباري: 68/3.

فرمایا: اللہ کا ذکر کرو یا خاموش رہو۔ بہرحال کسی مقصد کے پیش نظر گفتگو کرنے میں چنداں حرج نہیں۔[1]

(٢٧) بَابُ تَعَاهُدِ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ وَمَنْ سَمَّاهُمَا تَطَوُّعًا

باب: 27- فجر کی دو رکعت کی حفاظت کرنا اور بعض نے ان کا نام نفل رکھا ہے

١١٦٩ - حَدَّثَنَا بَيَانُ بْنُ عَمْرٍو: حَدَّثَنَا يَحْيَى ابْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى شَيْءٍ مِنَ النَّوَافِلِ أَشَدَّ مِنْهُ تَعَاهُدًا عَلَى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ.

[1169] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ نوافل میں سے کسی کا اس قدر اہتمام نہیں کرتے تھے جتنا فجر کی دو سنتوں کا اہتمام کرتے تھے، یعنی دوسرے نوافل کی نسبت فجر کی سنتوں کو زیادہ پابندی سے ادا کرتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① حدیث میں فجر کی دو سنتوں کو نوافل قرار دیا گیا ہے لیکن رسول اللہ ﷺ ان کی بہت حفاظت فرماتے تھے حتی کہ آپ نے سفر میں بھی انھیں ترک نہیں کیا۔ بعض حضرات نے انھیں تطوع کا نام دیا ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن شقیق نے حضرت عائشہ ؓ سے رسول اللہ ﷺ کی نماز تطوع (نفل نماز) کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے جواب میں فجر کی دو سنتوں کو بھی بیان فرمایا، نیز ابن جریج نے حضرت عطاء سے سوال کیا کہ فجر کی دو سنت واجب ہیں یا ان کا تعلق نماز تطوع سے ہے؟ تو انھوں نے مذکورہ حدیث بیان کی، یعنی تطوع ہونے کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے ان پر ہیشگی فرمائی اور ان کی حفاظت کی ہے۔[2] ② رسول اللہ ﷺ کی ان کے متعلق شدید پابندی کے پیش نظر امام حسن بصری ؒ نے انھیں واجب کہا ہے جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں اس کی صراحت ہے۔ امام ابو حنیفہ ؒ سے بھی ان کے واجب ہونے کی ایک روایت منقول ہے۔ حسن بن زیاد نے ان سے نقل کیا ہے کہ اگر عذر کے بغیر انھیں کوئی بیٹھ کر ادا کرتا ہے تو جائز نہیں۔[3] بہرحال فجر کی دو سنت ادا کرنے کے متعلق احادیث میں بہت تاکید ہے۔

(٢٨) بَابُ مَا يَقْرَأُ فِي رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ

باب: 28- فجر کی دو سنتوں میں کیا پڑھا جائے؟

١١٧٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي بِاللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً، ثُمَّ يُصَلِّي إِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ بِالصُّبْحِ رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ. [راجع: ٦٢٦]

[1170] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ رات کو تیرہ رکعت پڑھتے تھے، پھر جب صبح کی اذان سنتے تو ہلکی پھلکی دو رکعت (سنت فجر) پڑھتے۔

---

1. عمدة القاري: 518/5. 2. فتح الباري: 59/3. 3. فتح الباري: 56/3.

فائدہ: علامہ اسماعیلی نے امام بخاری رحمہ اللہ پر اعتراض کیا ہے کہ مذکورہ حدیث پر بایں الفاظ عنوان قائم کرنا چاہیے تھا: "فجر کی سنتوں کو ہلکا پھلکا پڑھنا" لیکن ان کا اعتراض مبنی بر حقیقت نہیں کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ ان حضرات کی تردید کرنا چاہتے ہیں جن کا موقف ہے کہ فجر کی سنتوں میں بالکل کچھ نہیں پڑھنا چاہیے۔ انھوں نے تنبیہ فرمائی ہے کہ ان میں بھی قراءت ضروری ہے اگرچہ احادیث میں انھیں ہلکا پھلکا پڑھنے سے تعبیر کیا گیا ہے، چنانچہ دیگر احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ سورۂ فاتحہ کے بعد پہلی رکعت میں سورۂ کافرون اور دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھتے تھے۔ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز فجر سے پہلے دو رکعت پڑھتے اور فرماتے تھے کہ ان میں قراءت کے لیے ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ﴾ اور ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ دو بہترین سورتیں ہیں۔[1] حضرت ابن عمر ؓ کہتے ہیں: میں نے ایک ماہ تک جائزہ لیا کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی سنتوں میں ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ﴾ اور ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ پڑھتے تھے۔[2] البتہ رسول اللہ ﷺ انھیں تخفیف کے ساتھ اس لیے پڑھتے تھے تاکہ نماز صبح اول وقت میں ادا کریں۔ بعض حضرات نے یہ توجیہ بیان کی ہے کہ آپ صلاۃ اللیل کا افتتاح بھی دو ہلکی پھلکی رکعتوں سے کرتے تھے، اس مناسبت سے صلاۃ نہار یعنی نماز فجر کا افتتاح بھی دو ہلکی پھلکی رکعتوں سے فرمایا ہے۔[3]

١١٧١ – حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَمَّتِهِ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ ؛ ح: وَحَدَّثَنَا أَحْمَدُ ابْنُ يُونُسَ قَالَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى - هُوَ ابْنُ سَعِيدٍ - عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُخَفِّفُ الرَّكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الصُّبْحِ حَتَّى إِنِّي لَأَقُولُ: هَلْ قَرَأَ بِأُمِّ الْكِتَابِ؟

[1171] حضرت عائشہ ؓ ہی سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ نماز فجر سے پہلے ہلکی پھلکی سی دو رکعت پڑھتے تھے حتی کہ میں سوچتی: شاید رسول اللہ ﷺ نے ان میں فاتحہ پڑھی ہے یا نہیں۔

فوائد و مسائل: ① اس روایت کے معنی یہ نہیں کہ حضرت عائشہ ؓ کو فجر کی دو سنتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کے متعلق شک تھا بلکہ مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان کے علاوہ دیگر نوافل میں بہت لمبی قراءت کرتے تھے اور فجر کی دو سنتوں میں تخفیف فرماتے۔ اگر ان میں قراءت کا موازنہ دوسرے نوافل کی قراءت سے کیا جائے تو ایسا معلوم ہوتا کہ آپ نے قراءت ہی نہیں کی۔ ② اس روایت کے پیش نظر بعض حضرات نے کہا ہے کہ فجر کی دو سنتوں میں سرے سے قراءت نہیں، حالانکہ اس حدیث کا یہ مقصد

---

1 سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، حديث: 1150. 2 سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، حديث: 1149. 3 فتح الباري: 80/3.

تھیں جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے فجر کی دو سنتوں میں سورۂ ﴿قُلْ يَاأَيُّهَا الْكَافِرُونَ﴾ اور ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ پڑھیں۔[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی دو سنتوں میں ﴿قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ ... وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ﴾[2] اور ﴿فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَى ... وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ﴾[3] پڑھا کرتے تھے۔[4] ۞ فجر کی دو سنتیں چونکہ نماز تہجد کے بعد ادا کی جاتی ہیں، اس لیے مصنف نے مناسب خیال کیا کہ تہجد کے بعد ان کے مسائل و احکام سے آگاہ کر دیا جائے۔

(٢٥) بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّطَوُّعِ مَثْنَى مَثْنَى

باب: 25- نفل نماز دو دو رکعت کر کے پڑھنا

قَالَ مُحَمَّدٌ: وَيُذْكَرُ ذٰلِكَ عَنْ عَمَّارٍ، وَأَبِي ذَرٍّ، وَأَنَسٍ، وَجَابِرِ بْنِ زَيْدٍ، وَعِكْرِمَةَ، وَالزُّهْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ. وَقَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيُّ: مَا أَدْرَكْتُ فُقَهَاءَ أَرْضِنَا إِلَّا يُسَلِّمُونَ فِي كُلِّ اثْنَتَيْنِ مِنَ النَّهَارِ.

امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمار بن یاسر، حضرت ابوذر اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہے۔ اسی طرح حضرت جابر بن زید، حضرت عکرمہ اور امام زہری رحمہم اللہ سے بھی ایسا ہی بیان کیا جاتا ہے۔ حضرت یحییٰ بن سعید انصاری کہتے ہیں: میں نے اپنے شہر (مدینہ طیبہ) کے فقہاء کو دیکھا ہے کہ وہ دن کے نوافل ادا کرتے وقت ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے تھے۔

وضاحت: اس عنوان کے دو مطلب ہیں: ٭ دن اور رات کے نوافل کو دو دو رکعت پر سلام پھیر کر ادا کیا جائے۔ یہ افضل ہے۔ شوافع اور حنابلہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ ٭ دن اور رات کے نوافل کم از کم دو رکعت سے ادا ہوں، ایک رکعت پر سلام پھیرنا جائز نہیں جیسا کہ وتر میں ہوتا ہے۔ اس صورت میں احناف کی موافقت ہے کیونکہ ان کے نزدیک ایک وتر پڑھنا جائز نہیں۔ ہمارے نزدیک اس عنوان کا پہلا مطلب ہی متعین ہے کہ دن اور رات کے نوافل دو دو کر کے ادا کیے جائیں۔ واللہ أعلم۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے عمل کو ابن ابی شیبہ (340/1) نے بیان کیا ہے کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے اور ہلکی سی دو رکعت ادا کیں۔ اس کی سند حسن ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی مصنف ابن ابی شیبہ میں روایت ہے کہ وہ مسجد میں آئے اور ستون کے ساتھ دو رکعت ادا کیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے متعلق مشہور روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان کے گھر تشریف لائے اور آپ نے اہل خانہ کو دو رکعت پڑھائیں۔ خود امام بخاری رحمہ اللہ اسے مختصراً بیان کریں گے۔ جابر بن زید اور امام زہری کے متعلق کوئی حوالہ نہیں مل سکا، البتہ عکرمہ رحمہ اللہ کے عمل کو مصنف ابن ابی شیبہ (340/1) میں بیان کیا گیا ہے۔ یحییٰ بن سعید انصاری کا اثر بھی تلاش بسیار کے باوجود نہیں مل سکا۔[5] واضح رہے کہ اس مسئلے کے متعلق مکمل تفصیل ہم حدیث: 990 کے تحت بیان کر چکے ہیں۔

1 صحيح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 1690(726). 2 البقرة 136:2. 3 آل عمران 52:3. 4 صحيح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 1691(727). 5 فتح الباري: 62/3. 6 فتح الباري: 54/3.

١١٦٢ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنُ أَبِي الْمَوَالِي عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُعَلِّمُنَا الْاِسْتِخَارَةَ فِي الْأُمُورِ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ، يَقُولُ: «إِذَا هَمَّ أَحَدُكُمْ بِالْأَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيضَةِ، ثُمَّ لْيَقُلْ: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ، وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيمِ، فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ، وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ، وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ، اَللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ خَيْرٌ لِّي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي - أَوْ قَالَ: عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ - فَاقْدُرْهُ لِي وَيَسِّرْهُ لِي ثُمَّ بَارِكْ لِي فِيهِ، وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ شَرٌّ لِّي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي - أَوْ قَالَ: فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ - فَاصْرِفْهُ عَنِّي وَاصْرِفْنِي عَنْهُ، وَاقْدُرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ أَرْضِنِي بِهِ» قَالَ: «وَيُسَمِّي حَاجَتَهُ». [انظر: ٦٣٨٢، ٧٣٩٠]

[1162] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ ہمیں تمام اہم معاملات کے لیے نماز استخارہ اس طرح سکھاتے تھے جیسے قرآن کریم کی کوئی سورت سکھایا کرتے تھے۔ آپ فرماتے تھے: ''تم میں سے کوئی جب کسی کام کا ارادہ کرے تو فرض نماز کے علاوہ دو رکعت نفل پڑھے پھر کہے: اے اللہ! میں تیرے علم کے ذریعے سے خیر کا طالب ہوں، تیری قدرت سے ہمت کا خواہاں ہوں، تیرے عظیم فضل کا سوال کرتا ہوں، یقیناً تو قادر ہے میں قدرت والا نہیں، تو جانتا ہے میں نہیں جانتا، تو پوشیدہ اور غائب معاملات کو جانتا ہے۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میرا یہ کام میرے دین، میری معیشت اور میرے معاملے کے انجام کے اعتبار سے بہتر ہے تو اسے میرے لیے مقدر اور آسان کر دے، پھر اس میں میرے لیے برکت فرما۔ اور اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے دین، میری معیشت اور میرے معاملے کے انجام کے اعتبار سے اچھا نہیں تو اسے مجھ سے اور مجھے اس سے پھیر دے اور میرے لیے خیر کو مقدر کر دے وہ جہاں بھی ہو، پھر مجھے اس سے خوش کر دے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دعا میں (هٰذَا الْأَمْرَ) کی جگہ اپنے کام کا نام لے۔''

فائدہ: امام بخاری ؒ نے اس حدیث کو صرف یہ ثابت کرنے کے لیے بیان کیا ہے کہ نفل نماز دو دو رکعت کر کے ادا کرنی چاہیے کیونکہ عنوان بھی یہی ہے کہ نفل نماز دو رکعت کر کے پڑھنی چاہیے۔ لیکن اس صورت میں تو کسی کو اختلاف نہیں کیونکہ اس میں شروع ہی سے دو رکعت پڑھنا مقصود ہے۔ اختلاف کی صورت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص چار یا اس سے زیادہ نوافل پڑھنا چاہے تو کس انداز سے پڑھے، بہرحال امام بخاری ؒ کا موقف ہے کہ دن اور رات کے نوافل کو دو دو رکعت کر کے ادا کرنا چاہیے۔ اس کے متعلق مکمل وضاحت حدیث: 990 کے تحت ہو چکی ہے۔ اور نماز استخارہ کے متعلق ہم اپنی گزارشات آئندہ حدیث 6382 کے تحت ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ۔

١١٦٣ - حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبْدِ اللهِ

[1163] حضرت ابوقتادہ بن ربعی انصاری ؓ سے روایت

ابْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَيْمٍ الزُّرَقِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا قَتَادَةَ ابْنَ رِبْعِيٍّ الْأَنْصَارِيَّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلَا يَجْلِسْ حَتَّى يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ». [راجع: ٤٤٤]

ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی جب مسجد میں آئے تو دو رکعت پڑھے بغیر نہ بیٹھے۔''

١١٦٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: صَلَّى لَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ انْصَرَفَ. [راجع: ٣٨٠]

[1164] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی، پھر واپس تشریف لے گئے۔

١١٦٥ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَالِمٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْجُمُعَةِ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ. [راجع: ٩٣٧]

[1165] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ظہر سے پہلے دو رکعت، ظہر کے بعد دو رکعت، جمعہ کے بعد دو رکعت، مغرب کے بعد دو رکعت اور عشاء کے بعد دو رکعت ادا کی ہیں۔

١١٦٦ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَهُوَ يَخْطُبُ: «إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ أَوْ قَدْ خَرَجَ فَلْيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ». [راجع: ٩٣٠]

[1166] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے دوران خطبہ میں فرمایا: ''تم میں سے جب کوئی دوران خطبہ میں آئے تو اسے چاہیے کہ دو رکعت پڑھ لے۔''

١١٦٧ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سَيْفٌ قَالَ: سَمِعْتُ مُجَاهِدًا يَقُولُ: أُتِيَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا فِي مَنْزِلِهِ فَقِيلَ لَهُ: هَذَا رَسُولُ

[1167] مجاہد ؒ فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کے گھر آ کر ان سے کہا گیا: ابھی ابھی رسول اللہ ﷺ کعبہ میں داخل ہوئے ہیں۔ حضرت عبداللہ ؓ کہتے ہیں

اللهِ ﷺ قَدْ دَخَلَ الْكَعْبَةَ. قَالَ: فَأَقْبَلْتُ فَأَجِدُ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَدْ خَرَجَ وَأَجِدُ بِلَالًا عِنْدَ الْبَابِ قَائِمًا، فَقُلْتُ: يَا بِلَالُ! صَلَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ؟ قَالَ: نَعَمْ، قُلْتُ فَأَيْنَ؟ قَالَ: بَيْنَ هَاتَيْنِ الْأُسْطُوَانَتَيْنِ، ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ فِي وَجْهِ الْكَعْبَةِ. [راجع: ۳۹۷]

(یہ بات سن کر) جب میں آیا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ سے تشریف لے جا چکے ہیں، البتہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو کعبہ کے دروازے پر پایا۔ میں نے کہا: بلال! رسول اللہ ﷺ نے کعبہ میں نماز پڑھی ہے؟ انھوں نے کہا: جی ہاں۔ میں نے دریافت کیا: کہاں پڑھی ہے؟ انھوں نے جواب دیا: یہاں ان دونوں ستونوں کے درمیان۔ پھر آپ باہر تشریف لائے اور بابِ کعبہ کے سامنے دو رکعت ادا کیں۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَوْصَانِي النَّبِيُّ ﷺ بِرَكْعَتَيِ الضُّحَى. وَقَالَ عِتْبَانُ: غَدَا عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بَعْدَ مَا امْتَدَّ النَّهَارُ وَصَفَفْنَا وَرَاءَهُ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ.

امام ابو عبداللہ بخاری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے نبی ﷺ نے چاشت کی دو رکعت پڑھنے کی وصیت فرمائی۔ حضرت عتبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صبح سویرے سورج کچھ بلند ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میرے گھر تشریف لائے، ہم نے آپ کے پیچھے صف بنائی تو آپ نے دو رکعت نماز پڑھائی۔

فوائد و مسائل: ① ان تمام روایات سے امام بخاری رحمہ اللہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ نفل نماز، خواہ دن کے اوقات ہی میں کیوں نہ پڑھی جائے، اسے دو دو رکعت کر کے ادا کرنا افضل ہے۔ اس موقف کو ائمۂ حدیث کی اکثریت نے اختیار کیا ہے۔ اس کے متعلق حدیث 990 کے تحت ہم نے تفصیل سے اپنی گزارشات پیش کی ہیں۔ اس سلسلے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے پانچ احادیث ذکر کی ہیں: حدیث ابوقتادہ (444)، حدیث انس رضی اللہ عنہ (380)، حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (937)، حدیث جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ (930) اور حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (397) یہ تمام روایات پہلے ذکر ہو چکی ہیں اور ان سے متعلق مسائل بھی ذکر ہو چکے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے دو معلق روایات بھی ذکر کی ہیں: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے خود ہی متصل سند سے بیان کیا ہے۔ اسی طرح حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث (425) بھی پہلے بیان ہو چکی ہے۔ ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد ان حضرات کی تردید کرنا ہے جو کہتے ہیں کہ دن کے اوقات میں نوافل چار چار رکعت سے ادا کیے جائیں۔ جمہور کا موقف ہے کہ دو دو رکعت پر سلام پھیر کر انھیں پڑھا جائے، خواہ دن کے وقت پڑھے جائیں یا رات کو۔ امام ابو حنیفہ اور صاحبین دن کی نماز میں اختیار دیتے ہیں، البتہ چار چار کر کے ادا کرنے کو افضل قرار دیتے تھے۔[1]

---

1 فتح الباري: 65/3.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

أَبْوَابُ التَّطَوُّعِ

نوافل سے متعلق احکام و مسائل

(۲۹) بَابُ التَّطَوُّعِ بَعْدَ الْمَكْتُوبَةِ

باب: 29- فرض نماز کے بعد سنتیں پڑھنا

١١٧٢ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ، وَسَجْدَتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ، وَسَجْدَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ، وَسَجْدَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ، وَسَجْدَتَيْنِ بَعْدَ الْجُمُعَةِ، فَأَمَّا الْمَغْرِبُ وَالْعِشَاءُ فَفِي بَيْتِهِ. [راجع: ٩٣٧]

[1172] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ کے ہمراہ ظہر سے پہلے دو رکعت، ظہر کے بعد دو رکعت، مغرب کے بعد دو رکعت، عشاء کے بعد دو رکعت اور جمعہ کے بعد دو رکعت پڑھیں جبکہ مغرب اور عشاء کی سنتیں آپ اپنے گھر میں پڑھتے تھے۔

١١٧٣ - وَحَدَّثَتْنِي أُخْتِي حَفْصَةُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّي سَجْدَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ بَعْدَ مَا يَطْلُعُ الْفَجْرُ، وَكَانَتْ سَاعَةً لَا أَدْخُلُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فِيهَا. وَقَالَ ابْنُ أَبِي الزِّنَادِ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ: بَعْدَ الْعِشَاءِ فِي أَهْلِهِ. تَابَعَهُ كَثِيرُ بْنُ فَرْقَدٍ وَأَيُّوبُ عَنْ نَافِعٍ. [راجع: ٦١٨]

[1173] (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:) مجھے میری ہمشیرہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ نبی ﷺ طلوع فجر کے بعد ہلکی سی دو رکعت پڑھتے تھے۔ میں اس وقت آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتا تھا۔

ابن ابو زناد نے کہا کہ موسیٰ بن عقبہ نے حضرت نافع کے حوالے سے في بيته کے بجائے في أهله کے الفاظ بیان کیے ہیں۔ کثیر بن فرقد اور ایوب نے حضرت نافع سے بیان کرنے میں عبیداللہ کی متابعت کی ہے۔

فوائد و مسائل: ① حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے مذکورہ سنتیں تنہا پڑھی تھیں۔ معیت سے مراد صرف مقدار میں متابعت ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ آپ نے انھیں رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں ادا کیا تھا، پھر رسول اللہ ﷺ چونکہ دن کے اوقات میں لوگوں کے ساتھ مصروف گفتگو ہوتے، اس لیے دن کے وقت فرض نماز کے بعد سنتیں مسجد میں ادا کرتے تھے جبکہ رات کے اوقات میں اپنے گھر میں ہوتے اور گھر ہی میں سنتیں ادا کرتے۔ جمعہ پڑھانے کے بعد جلدی گھر واپس آ جاتے اور قیلولہ فرماتے۔

اس لیے جمعہ کے بعد کی سنتیں بھی گھر میں ادا کرتے جبکہ ظہر کی نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھتے تھے اور اس کے بعد سنتوں کو مسجد میں ادا کرتے تھے۔[1] صحیح مسلم کی ایک روایت میں ظہر سے پہلے چار سنت پڑھنے کا ذکر ہے۔[2] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ ﷺ کو سنت فجر پڑھتے نہیں دیکھا، انھیں اپنی بہن حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے بیان کیا اور معذرت کی کہ اس وقت میں خود رسول اللہ ﷺ کے ہاں حاضر نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ آپ اس وقت مخلوق سے قطع تعلق ہو کر اللہ کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ واللہ أعلم۔ ② آخر میں امام بخاری رحمہ اللہ نے کثیر بن فرقد کی متابعت بیان کی ہے جو ہمیں متصل سند سے دستیاب نہیں ہو سکی، البتہ ایوب کی متابعت کو خود امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی متصل سند سے بیان کیا ہے۔[3]

(٣٠) بَابُ مَنْ لَمْ يَتَطَوَّعْ بَعْدَ الْمَكْتُوبَةِ

باب: 30- فرض نماز کے بعد سنتیں نہ پڑھنا

١١٧٤ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا الشَّعْثَاءِ جَابِرًا قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ ثَمَانِيًا جَمِيعًا، وَسَبْعًا جَمِيعًا، قُلْتُ: يَا أَبَا الشَّعْثَاءِ! أَظُنُّهُ أَخَّرَ الظُّهْرَ وَعَجَّلَ الْعَصْرَ، وَعَجَّلَ الْعِشَاءَ وَأَخَّرَ الْمَغْرِبَ، قَالَ: وَأَنَا أَظُنُّهُ. [راجع: ٥٤٣]

[1174] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ (ظہر و عصر کی) آٹھ رکعات اکٹھی اور (مغرب و عشاء کی) سات رکعت اکٹھی ادا کیں۔ راوی حدیث کہتے ہیں کہ میں نے کہا: ابوالشعثاء! میرا گمان ہے کہ آپ نے ظہر کو مؤخر اور عصر کو مقدم کیا ہوگا، اسی طرح عشاء کو مقدم اور مغرب کو مؤخر کیا ہوگا۔ ابوالشعثاء نے کہا: میرا بھی یہی خیال ہے۔

فائدہ: حدیث میں بحالت اقامت نمازوں کو جمع کرنے کی صورت بیان کی گئی ہے۔ کسی معقول سبب کی بنا پر بحالت اقامت بھی دو نمازوں کو جمع کیا جا سکتا ہے جیسا کہ خوف، بارش، آندھی، بیماری یا اور کوئی ہنگامی ضرورت۔ بلاوجہ نمازوں کو جمع کرنا درست نہیں۔ پھر سنن اور نوافل کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے لیکن مقیم ہونے کی صورت میں جمع کرتے وقت پہلی نماز کے بعد والی سنتیں چھوڑ دی جائیں، مثلاً: اگر ظہر و عصر کو جمع کیا ہے تو ظہر کی آخری سنتیں اور اگر مغرب و عشاء کو جمع کیا ہے تو مغرب کی سنتیں نہ پڑھی جائیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک دفعہ بصرہ میں ظہر اور عصر کو جمع کیا اور ان کے درمیان کچھ نہ پڑھا، پھر انھوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ منورہ میں ظہر اور عصر کی آٹھ رکعات اکٹھی پڑھی تھیں اور آپ نے درمیان میں کچھ نہیں پڑھا تھا۔[4] اس حدیث کے پیش نظر بحالت اقامت دو نمازوں کو جمع کرتے وقت پہلی نماز کے بعد والی سنتیں چھوڑ دینے میں چنداں حرج نہیں۔ صحیح بخاری کی مذکورہ روایت اسی صورت پر محمول ہے۔ واللہ أعلم۔

[1] فتح الباري: 66/3. [2] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 1699 (730). [3] صحيح البخاري، التهجد، حديث: 1180. [4] سنن النسائي، المواقيت، حديث: 591.

(٣١) بَابُ صَلَاةِ الضُّحَى فِي السَّفَرِ

باب:31- سفر میں نماز چاشت پڑھنا

١١٧٥ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ تَوْبَةَ، عَنْ مُوَرِّقٍ قَالَ: قُلْتُ لِابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَتُصَلِّي الضُّحَى؟ قَالَ: لَا. قُلْتُ: فَعُمَرُ؟ قَالَ: لَا. قُلْتُ: فَأَبُو بَكْرٍ؟ قَالَ: لَا. قُلْتُ: فَالنَّبِيُّ ﷺ؟ قَالَ: لَا إِخَالُهُ. [راجع: ١١٧٠]

[1175] حضرت مورق بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت ابن عمر ؓ سے دریافت کیا: آپ نماز اشراق پڑھتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا: نہیں۔ میں نے دریافت کیا: حضرت عمر ؓ پڑھتے تھے؟ انھوں نے فرمایا: نہیں۔ میں نے عرض کیا: حضرت ابوبکر ؓ اس کا اہتمام کرتے تھے؟ انھوں نے فرمایا: نہیں۔ پھر میں نے پوچھا: نبی ﷺ اسے ادا فرماتے تھے؟ انھوں نے فرمایا: میرا خیال یہی ہے کہ آپ بھی نہیں پڑھتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① ابن بطال بیان کرتے ہیں کہ مذکورہ حدیث اس عنوان سے متعلق نہیں بلکہ اس پر بایں الفاظ عنوان قائم کرنا چاہیے تھا: "جو شخص نماز اشراق نہیں پڑھتا۔" انھوں نے مزید کہا کہ یہ کسی کاتب کی غلطی ہے۔ لیکن ابن منیر نے کہا ہے کہ امام بخاری ؒ نے دو متعارض احادیث میں تطبیق کی صورت پیدا کی ہے کیونکہ حدیث ابن عمر میں نفی اور حدیث ابوہریرہ ؓ میں اثبات ہے، اس لیے نفی کو سفر اور اثبات کو حضر پر محمول کیا جائے۔ اسی طرح حدیث ام ہانی ایسے سفر پر محمول کی جائے جس میں حضر جیسی سہولیات ہوں۔ ② اصل بات یہ ہے کہ حضرت ابن عمر ؓ نے جزم و وثوق کے ساتھ نفی نہیں کی بلکہ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابن عمر ؓ مطلق طور پر سفر میں نماز چاشت کی نفی نہیں کرتے تھے بلکہ ان سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سفر سے واپس آتے تو نماز اشراق پڑھتے تھے۔[1] بلکہ حضرت انس ؓ سے صراحت کے ساتھ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دوران سفر میں اشراق کے آٹھ نوافل پڑھے۔ فراغت کے بعد آپ نے فرمایا: "میں نے اللہ سے ڈرتے ہوئے اور اس سے امید وابستہ کرتے ہوئے انھیں پڑھا ہے۔"[2] اس بنا پر حضرت ابن عمر ؓ کی مبنی بر تردد روایت سے حضرت انس ؓ سے مروی یقینی روایت کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ ویسے حضرت ابن عمر ؓ نے نماز اشراق کو ایک موقع پر بدعت قرار دیا تھا۔[3] بہرحال ان کا انکار اس بنا پر معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز اشراق پڑھتے نہیں دیکھا۔ لیکن ابن عمر ؓ کا نہ دیکھنا اس بات کی دلیل نہیں کہ سرے سے اس نماز کا وجود ہی نہیں یا اس کا ادا کرنا بدعت ہے۔ قاضی عیاض وغیرہ نے لکھا ہے: اشراق کی فرض نماز جیسی پابندی کرنا یا مسجد میں اس کا ادا کرنا یا باجماعت اہتمام کرنے کے متعلق حضرت ابن عمر ؓ نے انکار کیا ہے۔ ان کے انکار کے یہ معنی نہیں کہ نماز اشراق خلاف سنت ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے متعلق مروی ہے کہ آپ نے چند لوگوں کو اس کا اہتمام کرتے دیکھا تو فرمایا کہ اگر تم نے اس کا اہتمام کرنا ہے تو اپنے گھروں میں کرو۔[4] روایات سے یہی ثابت ہوتا

---

(1) صحيح ابن خزيمة: 231/2. (2) صحيح ابن خزيمة: 231/2. (3) صحيح البخاري، العمرة، حديث: 1775. (4) فتح الباري: 69/3.

ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب مکہ آتے یا مسجد قباء جاتے تو نماز اشراق پڑھتے تھے۔ بہر حال حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی انکار کی وجہ سے نماز اشراق کی مشروعیت کا انکار نہیں کیا جا سکتا بلکہ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اپنی معلومات کے مطابق انکار کیا ہے۔[1]

١١٧٦ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِي لَيْلَى يَقُولُ: مَا حَدَّثَنَا أَحَدٌ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّي الضُّحٰى غَيْرُ أُمِّ هَانِئٍ، فَإِنَّهَا قَالَتْ: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ بَيْتَهَا يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ فَاغْتَسَلَ وَصَلَّى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ، فَلَمْ أَرَ صَلَاةً قَطُّ أَخَفَّ مِنْهَا غَيْرَ أَنَّهُ يُتِمُّ الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ. [راجع: ١١٠٣]

[1176] حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے علاوہ ہمیں کسی (صحابی) نے یہ نہیں بتایا کہ اس نے نبی ﷺ کو نماز اشراق پڑھتے دیکھا ہے۔ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ فتح مکہ کے دن نبی ﷺ میرے گھر تشریف لائے، غسل فرمایا، پھر آٹھ رکعت پڑھیں۔ میں نے اس سے زیادہ ہلکی نماز نہیں دیکھی تھی، البتہ آپ رکوع و سجود مکمل کرتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① عبداللہ بن حارث سے بھی اس قسم کی روایت مروی ہے کہ میں متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ملا اور رسول اللہ ﷺ کی نماز چاشت کے متعلق دریافت کرتا رہا۔ مجھے ام ہانی رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی نے بھی اس کے متعلق اطلاع نہیں دی۔ انھوں نے بتایا کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ خوب دن چڑھے میرے گھر تشریف لائے، غسل فرمایا، پھر آپ نے آٹھ رکعات ادا فرمائیں۔ میں نے آپ کو اس سے پہلے اور اس کے بعد یہ نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔[2] ایک روایت میں ہے کہ آپ نے نماز چاشت کی آٹھ رکعات ادا فرمائیں اور ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے تھے۔[3] ② اس میں شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے قول و عمل سے نماز اشراق کی اہمیت و فضیلت ثابت ہے، چنانچہ آپ نے فرمایا: "ہر انسان کو اپنے جسم کے ہر جوڑ کے بدلے صدقہ و خیرات کرنا چاہیے۔ سبحان اللہ کہنا، الحمد للہ کہنا، لا إله إلا الله کہنا اور الله أكبر کہنا بھی صدقہ ہے۔ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا بھی صدقہ ہے۔ اگر اشراق کی دو رکعت پڑھ لی جائیں تو ان سب کاموں سے کفایت کر جاتی ہیں۔"[4] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن منیر کے حوالے سے لکھا ہے کہ دوران سفر میں رسول اللہ ﷺ اس نماز کا اہتمام نہیں کرتے تھے۔ ہاں، اگر دوران سفر میں گھر جیسی سہولت میسر ہو تو نماز اشراق کا اہتمام کیا جا سکتا ہے جیسا کہ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر میں سہولیات میسر تھیں تو آپ نے نماز اشراق ادا کی جبکہ سفر ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔[5]

(٣٢) بَابُ مَنْ لَمْ يُصَلِّ الضُّحٰى وَرَآهُ

باب: 32- جو انسان نماز چاشت میں توسع کے

1 فتح الباري: 69/3. 2 صحيح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 1668 (336). 3 صحيح ابن خزيمة: 234/2. 4 صحيح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 1671 (720). 5 فتح الباري: 68/3.

دائِمًا | پیش نظر اس کی پابندی نہ کرے

١١٧٧ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ سَبَّحَ سُبْحَةَ الضُّحَى وَإِنِّي لَأُسَبِّحُهَا. [راجع: ١١٢٨]

[1177] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز اشراق پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا مگر میں اسے ادا کرتی ہوں۔

فوائد و مسائل: ① صحیح مسلم میں حضرت عائشہ ؓ کی طرف سے مزید وضاحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی عادت تھی کہ آپ کسی عمل کو پسند کرتے تھے مگر اس پر عمل پیرا نہ ہوتے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی کہ آپ کے عمل کو دیکھ کر لوگ بھی اسے اپنائیں گے تو وہ ان پر فرض ہو جائے گا۔ اس اندیشے کی بنا پر پسندیدہ ہونے کے باوجود آپ اس پر عمل نہ کرتے تھے۔[1] واضح رہے کہ نماز ضحیٰ کا دوسرا نام نماز اشراق ہے۔ وقت ادا کے اعتبار سے اس کے الگ الگ نام ہیں، یعنی اگر طلوع ہونے کے کچھ دیر بعد ادا کر لی تو نماز اشراق اور اگر سورج اچھی طرح بلند ہو جائے تو اسے نماز ضحیٰ کہا جاتا ہے۔ اسے محدثین کرام نے ضحوۂ صغریٰ اور ضحوۂ کبریٰ سے بھی تعبیر کیا ہے۔ اور دھوپ میں اس قدر شدت آ جائے کہ پاؤں جلنے لگیں لیکن زوال سے پہلے پڑھیں تو اسے صلاۃ الاوابین کہتے ہیں۔ حافظ ابن قیم ؒ نے نماز اشراق کے متعلق اختلاف بیان کرتے ہوئے مختلف مسالک کی نشاندہی کی ہے جس کی مختصر تفصیل کچھ یوں ہے: ٭ نماز اشراق مستحب ہے، البتہ اس کی تعداد میں اختلاف ہے۔ ٭ کسی سبب کی وجہ سے اس کا اہتمام کیا جائے، مثلاً: کسی شہر کے فتح ہونے پر یا کسی مخالف کی موت پر یا کسی کے ہاں زیارت کے لیے جانے پر یا سفر سے واپسی پر۔ ٭ سرے سے مشروع نہیں جیسا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ اسے نہیں پڑھا کرتے تھے۔ ٭ اس پر مداومت نہ کی جائے بلکہ کبھی پڑھ لی جائے اور کبھی چھوڑ دی جائے۔ ٭ اس کے پڑھنے کا اہتمام گھروں میں کیا جائے، مساجد وغیرہ میں اس کا اظہار درست نہیں۔ ٭ یہ مستحب نہیں بلکہ بدعت ہے۔[2] ② حافظ ابن حجر ؒ نے بھی اس تفصیل کو بیان کیا ہے۔[3] ہمارے نزدیک پہلا موقف راجح ہے اور اس کی کم از کم تعداد دو رکعت اور زیادہ سے زیادہ آٹھ رکعت ہے۔ حضرت عائشہ ؓ سے نماز اشراق کے متعلق مختلف روایات ہیں، چنانچہ معاذہ عدویہ کہتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ ؓ سے رسول اللہ ﷺ کی نماز اشراق کے متعلق پوچھا تو انھوں نے فرمایا: ہاں، آپ چار رکعت پڑھتے تھے اور جس قدر اللہ چاہتا آپ اس سے زیادہ بھی پڑھ لیتے تھے۔[4] حضرت عبداللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ ؓ سے نبی ﷺ کے متعلق پوچھا کہ آیا آپ نماز اشراق پڑھتے تھے؟ تو انھوں نے فرمایا: جب آپ سفر سے واپس آتے تو اشراق پڑھ کر گھر آتے تھے۔[5] حضرت ام ذرہ کہتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ ؓ کو دیکھا کہ وہ نماز اشراق پڑھتی تھیں اور فرمایا کرتی تھیں کہ رسول اللہ

---

[1] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 1662 (718). [2] زاد المعاد: 351/1. [3] فتح الباري: 72/3.

[4] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 1663 (719). [5] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 1660 (717).

ﷺ کو میں نے نماز اشراق کی چار رکعات پڑھتے دیکھا ہے۔"[1] روایات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرت عائشہ ؓ نماز اشراق بڑے اہتمام سے ادا کرتیں اور فرمایا کرتی تھیں: اگر میرے والدین بھی زندہ ہوکر آ جائیں تب بھی میں نماز اشراق نہیں چھوڑوں گی۔[2] ③ نماز اشراق کے متعلق حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اے ابن آدم! تو میرے لیے چار رکعت (اشراق کی) اول دن میں پڑھ، میں اس دن کی شام تک تیرے کام سنوار دوں گا۔"[3] امام نووی ؒ نے اپنی شرح صحیح مسلم میں نماز اشراق کی احادیث کے پیش نظر بایں الفاظ عنوان قائم کیا ہے: "نماز اشراق کے استحباب کا بیان، اس کی کم از کم دو رکعات اور مکمل آٹھ رکعات ہیں، درمیانے درجے کی چار یا چھ رکعات ادا کرنا اور شوق سے اس کی پابندی کا بیان۔" چونکہ حضرت عائشہ ؓ سے نماز اشراق کے متعلق مختلف روایات مروی ہیں، اس لیے جمع کی صورت یہ ہے کہ حضرت عائشہ ؓ کی نفی سے مراد دوام ہے اور وہ خود اس کی پابندی کرتی تھیں۔ اس کی وجہ بھی انھوں نے خود بیان کر دی ہے کہ آپ اس لیے پابندی نہیں کرتے تھے کہ مبادا فرض ہو جائے۔[4] واللہ اعلم۔

(۳۳) بَابُ صَلَاةِ الضُّحَى فِي الْحَضَرِ

باب: 33- حضر میں نماز اشراق پڑھنا

قَالَهُ عِتْبَانُ بْنُ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

حضرت عتبان بن مالک ؓ نے اسے نبی ﷺ سے بیان کیا ہے۔

وضاحت: امام بخاری ؒ نے مسند امام احمد کی ایک روایت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ حضرت عتبان بن مالک ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے گھر میں نماز اشراق کے نفل ادا کیے۔ گھر میں موجود افراد نے بھی آپ کی اقتدا میں ان نوافل کو ادا کیا۔[1]

١١٧٨ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبَّاسٌ الْجُرَيْرِيُّ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أَوْصَانِي خَلِيلِي بِثَلَاثٍ لَا أَدَعُهُنَّ حَتَّى أَمُوتَ: صَوْمِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ، وَصَلَاةِ الضُّحَى، وَنَوْمٍ عَلَى وِتْرٍ. [انظر: ١٩٨١]

[1178] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: مجھے میرے پیارے حبیب (رسول اللہ ﷺ) نے تین چیزوں کی وصیت فرمائی ہے، جب تک میں زندہ رہوں گا انھیں ترک نہیں کروں گا۔ وہ یہ ہیں: ہر مہینے کے تین روزے، نماز اشراق اور سونے سے پہلے نماز وتر کی ادائیگی۔

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کی وصیت حضرت ابودرداء اور حضرت ابوذر غفاری ؓ کو بھی فرمائی تھی، چنانچہ حضرت ابودرداء ؓ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے حبیب ﷺ نے تین باتوں کی وصیت فرمائی، میں زندگی بھر ان پر عمل کروں گا

---

1. مسند أحمد: 106/6. 2. الموطأ للإمام مالك، باب صلاة الضحى: 153/1، 152. 3. سنن أبي داود، التطوع، حديث: 1289. 4. فتح الباري: 73/3. 5. مسند أحمد: 450/5.

رہوں گا: ہر ماہ کے تین روزے، اشراق کی نماز اور سونے سے قبل وتروں کو ادا کرنا۔[1] حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے بھی میرے حبیب رسول اللہ ﷺ نے تین باتوں کی وصیت کی تھی۔ اگر اللہ نے چاہا تو میں انھیں کبھی ترک نہیں کروں گا۔ مجھے نماز اشراق کی وصیت کی سونے سے پہلے وتر پڑھنے کی تاکید فرمائی اور ہر ماہ تین روزے رکھنے کے متعلق فرمایا۔[2] رسول اللہ ﷺ نے ان تینوں حضرات کو تین باتوں کی وصیت فرمائی۔ یہ حضرات مال دار نہیں تھے، اس لیے انھی باتوں کی تلقین فرمائی جن کا تعلق مال سے نہیں۔ آپ نے نماز اور روزے کی تلقین فرمائی جو بدنی عبادات میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان میں حضر کا ذکر کیا ہے۔ حدیث میں سفر و حضر کا کوئی بیان نہیں لیکن زیادہ امکان یہی ہے کہ اس کا تعلق حضر سے ہے، اگرچہ سفر و حضر دونوں سے بھی ہوسکتا ہے لیکن صرف سفر کے ساتھ اسے متعلق کرنا صحیح نہیں۔[3] دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی نماز اشراق کے متعلق روایات کتب حدیث میں مروی ہیں، چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس قدر پابندی کے ساتھ نماز اشراق پڑھتے کہ ہم کہنا شروع کر دیتے کہ اب آپ اسے ترک نہیں کریں گے، پھر آپ ایک عرصے تک اسے ادا نہ کرتے حتی کہ ہم کہتے اب آپ اسے نہیں پڑھیں گے۔[4] اس نماز کی فضیلت کے متعلق حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نماز اشراق پڑھنے (کے لیے مسجد چل کر جانے) والے کو عمرہ کرنے والے کے برابر اجر ملتا ہے۔''[5] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ امام حاکم نے نماز اشراق کے متعلق ایک مستقل جز تصنیف کیا ہے جس میں تقریباً بیس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی مرویات جمع کر کے نماز اشراق کی مشروعیت ثابت کی ہے۔[6]

١١٧٩ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَنَسِ بْنِ سِيرِينَ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ - وَكَانَ ضَخْمًا - لِلنَّبِيِّ ﷺ: إِنِّي لَا أَسْتَطِيعُ الصَّلَاةَ مَعَكَ. فَصَنَعَ لِلنَّبِيِّ ﷺ طَعَامًا فَدَعَاهُ إِلَى بَيْتِهِ وَنَضَحَ لَهُ طَرَفَ حَصِيرٍ بِمَاءٍ، فَصَلَّى عَلَيْهِ رَكْعَتَيْنِ. فَقَالَ فُلَانُ بْنُ فُلَانِ بْنِ الْجَارُودِ لِأَنَسٍ: أَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي الضُّحَى؟ قَالَ أَنَسٌ: مَا رَأَيْتُهُ صَلَّى غَيْرَ ذَلِكَ الْيَوْمِ. [راجع: ٦٧٠]

[1179] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ایک بھاری جسم والے انصاری آدمی نے نبی ﷺ سے عرض کیا: میں آپ کے ساتھ نماز پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اس نے نبی ﷺ کے لیے کھانا تیار کیا اور آپ کو اپنے گھر تشریف لانے کی دعوت دی اور چٹائی کے ایک حصے پر پانی چھڑکا (اور اسے صاف کیا)، آپ نے اس پر دو رکعت پڑھیں۔ فلاں بن فلاں بن جارود نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا نبی ﷺ چاشت کی نماز پڑھتے تھے؟ انھوں نے فرمایا: اس دن کے علاوہ میں نے آپ کو یہ نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں نماز چاشت معروف تھی کیونکہ رسول اللہ

---

[1] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 1675(722). [2] سنن النسائي، الصيام، حديث: 2406. [3] فتح الباري: 75/3. [4] جامع الترمذي، الوتر، حديث: 477. [5] مسند أحمد: 268/5. [6] فتح الباري: 72/3.

ﷺ نے بوقت چاشت ایک انصاری کے گھر نماز پڑھنے کا اہتمام فرمایا، اس سے فوراً نماز چاشت کی طرف ذہن منتقل ہوگیا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق سوال ہوا۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر نماز پڑھی تو حضرت عتبان رضی اللہ عنہ نے اس نماز کو ''صلاۃ الضحی'' سے تعبیر کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے ہاں نماز چاشت معروف تھی۔ ⑤ عوام الناس میں ایک بے بنیاد بات مشہور ہے کہ جو انسان نماز چاشت شروع کرنے کے بعد ترک کر دے وہ اندھا ہو جاتا ہے، اس لیے لوگ ڈر سے ادا نہیں کرتے مبادا سستی کی وجہ سے اس نے ترک پر نابینا نہ ہو جائیں، حالانکہ اس بات کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ لوگوں کو خیر کثیر سے محروم کرنے کے لیے ایک شیطانی حربہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ انسان کے تین سو ساٹھ (360) جوڑ ہیں اور انسان کے ہر جوڑ کے بدلے صدقہ کرنا ضروری ہے۔ صحابہ نے عرض کیا: اتنا صدقہ کرنے کی ہمت کس انسان میں ہو سکتی ہے؟ آپ نے فرمایا: ''مسجد میں پڑے ہوئے تھوک کو دفن کر دینا یا راستے سے کسی تکلیف دہ چیز کو دور کر دینا ان جوڑوں کے صدقے کے برابر ہے۔ اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو نماز چاشت کی دو رکعت ہی کافی ہیں۔''[1] شیطان ایسی باتوں کے ذریعے سے لوگوں کو نماز کی خیر و برکات سے محروم کرنا چاہتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ایسی باتوں کی طرف کان نہ دھریں۔[2]

(٣٤) بَابُ الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ

باب: 34- نماز ظہر سے پہلے دو رکعت پڑھنا

١١٨٠ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: حَفِظْتُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ عَشْرَ رَكَعَاتٍ: رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِي بَيْتِهِ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ فِي بَيْتِهِ، وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الصُّبْحِ، وَكَانَتْ سَاعَةً لَا يُدْخَلُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فِيهَا. [راجع: ٩٣٧]

[1180] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ سے دس رکعات ذہن نشین کی ہیں: دو رکعت ظہر سے پہلے اور دو رکعت اس کے بعد، دو رکعت مغرب کے بعد گھر میں اور دو رکعت عشاء کے بعد گھر میں۔ ان کے علاوہ دو رکعت نماز فجر سے پہلے پڑھتے تھے، اور یہ ایسا وقت تھا کہ اس میں کوئی شخص نبی ﷺ کے پاس نہیں جا سکتا تھا۔

١١٨١ - حَدَّثَتْنِي حَفْصَةُ أَنَّهُ كَانَ إِذَا أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ وَطَلَعَ الْفَجْرُ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ. [راجع: ٦١٨]

[1181] (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ) مجھے (میری ہمشیرہ) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ جب مؤذن اذان دیتا اور فجر طلوع ہو جاتی تو رسول اللہ ﷺ دو رکعت پڑھتے تھے۔

1 صحیح ابن خزیمة: 229/2. 2 فتح الباري: 75/3.

١١٨٢ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْتَشِرِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ لَا يَدَعُ أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ، وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْغَدَاةِ. تَابَعَهُ ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ وَعَمْرٌو، عَنْ شُعْبَةَ.

[1182] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ظہر سے پہلے چار سنت اور نماز فجر سے پہلے دو سنت کبھی نہیں چھوڑتے تھے۔

شعبہ سے روایت کرنے میں ابن ابی عدی اور عمرو نے یحییٰ بن سعید کی متابعت کی ہے۔

فائدہ: حدیث ابن عمر میں نماز ظہر سے پہلے دو سنت اور حدیث عائشہ ؓ میں ظہر سے پہلے چار سنت پڑھنے کا ذکر ہے۔ ہر ایک نے اپنی اپنی معلومات کے مطابق بیان کیا ہے، اس لیے دونوں میں کوئی تضاد نہیں۔ رسول اللہ ﷺ بعض اوقات دو رکعت پڑھتے تھے جسے حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے بیان کیا ہے جبکہ آپ نے چار رکعت بھی ادا کی ہیں جسے حضرت عائشہ ؓ نے ذکر فرمایا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ مسجد میں دو رکعت پڑھتے ہوں اور اگر گھر پڑھتے ہوں تو چار رکعت ادا کرتے ہوں جیسا کہ ایک روایت میں ہے، حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں ظہر سے پہلے چار رکعت پڑھتے، پھر مسجد میں تشریف لے جاتے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ گھر میں دو رکعت پڑھ کر مسجد میں جاتے ہوں، پھر مسجد میں دو رکعت ادا کرتے ہوں۔ اس بنا پر حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے صرف مسجد میں ادا کردہ رکعات کو بیان فرمایا جبکہ حضرت عائشہ ؓ نے مسجد اور گھر کی رکعات کو بیان فرمایا ہے۔ بہرحال آپ اکثر طور پر چار رکعات پڑھتے تھے اور کبھی کبھار دو رکعت پر اکتفا کر لیتے تھے۔[1]

(٣٥) بَابُ الصَّلَاةِ قَبْلَ الْمَغْرِبِ

باب: 35- مغرب سے پہلے نماز پڑھنا

١١٨٣ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنِ الْحُسَيْنِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ الْمُزَنِيُّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «صَلُّوا قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ». قَالَ فِي الثَّالِثَةِ: «لِمَنْ شَاءَ»، كَرَاهِيَةَ أَنْ يَتَّخِذَهَا النَّاسُ سُنَّةً. [انظر: ٧٣٦٨]

[1183] حضرت عبداللہ مزنی ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "مغرب سے پہلے دو رکعت ادا کرو۔" تیسری مرتبہ فرمایا: "جس کا دل چاہے۔" یہ اس لیے فرمایا کہ مبادا لوگ اسے سنت مؤکدہ بنا لیں۔

فوائد و مسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھو، مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھو۔" پھر تیسری مرتبہ یہ الفاظ بھی ساتھ کہے: "جو پڑھنا چاہے۔" آپ نے یہ بات اس اندیشے کے پیش نظر فرمائی کہ کہیں لوگ اسے سنت لازمہ نہ بنا لیں۔[2] اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کا ایک عمومی ارشاد بھی ہے کہ ہر دو اذانوں، یعنی اذان اور اقامت کے درمیان نماز ہے لیکن تیسری مرتبہ اس فرمان کے ساتھ یہ فرمایا کہ صرف اس کے لیے ہے جو پڑھنا

1. فتح الباري: 78/3. 2. صحيح ابن خزيمة: 267/3.

چاہیے۔[1] ⑤ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث کے آخر میں جو فرمایا ہے اس سے ان کے استحباب کی نفی کرنا مقصود نہیں کیونکہ یہ بات ممکن ہی نہیں کہ آپ کسی ایسی بات کا حکم دیں جو مستحب نہ ہو، بلکہ یہ حدیث اس نماز کے مستحب ہونے کی زبردست دلیل ہے۔ صحیح ابن خزیمہ میں ہے کہ اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن بریدہ ؓ خود بھی مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھتے تھے۔[2] اس سے ان لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ اس سنت کو جاری نہیں رکھا گیا بلکہ صحابۂ کرام اور تابعین عظام کے دور میں چھوڑ دیا گیا تھا۔

١١٨٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ: حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ أَبِي حَبِيبٍ قَالَ: سَمِعْتُ مَرْثَدَ بْنَ عَبْدِ اللهِ الْيَزَنِيَّ قَالَ: أَتَيْتُ عُقْبَةَ بْنَ عَامِرٍ الْجُهَنِيَّ، فَقُلْتُ: أَلَا أُعْجِبُكَ مِنْ أَبِي تَمِيمٍ يَرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ؟ فَقَالَ عُقْبَةُ: إِنَّا كُنَّا نَفْعَلُهُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ. قُلْتُ: فَمَا يَمْنَعُكَ الْآنَ؟ قَالَ: الشُّغْلُ.

[1184] حضرت مرثد بن عبداللہ یزنی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں حضرت عقبہ بن عامر ؓ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ یہ عجیب بات ہے کہ ابوتمیم (عبداللہ جیشانی) نماز مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھتے ہیں؟ حضرت عقبہ ؓ نے فرمایا: ہم بھی نبی ﷺ کی حیات طیبہ میں پڑھا کرتے تھے۔ انھوں نے عرض کیا: اب کیوں نہیں پڑھتے ہو؟ فرمایا: مصروفیت کی وجہ سے۔

فوائد و مسائل: ① قاضی ابوبکر بن العربی کہتے ہیں کہ صحابۂ کرام ؓ کے بعد ان دو رکعت کو کسی نے نہیں پڑھا۔ یہ حدیث اس بات کی تردید کرتی ہے کیونکہ ابوتمیم تابعی ہیں اور انھوں نے پڑھی ہیں۔[3] حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ مدینہ منورہ میں مؤذن مغرب کی اذان کہتا تو ہم سب ستونوں کی طرف دوڑتے اور دو رکعت پڑھتے۔ لوگ اس کثرت سے یہ دو رکعت ادا کرتے کہ اجنبی آدمی گمان کرتا کہ مغرب کی نماز ہو چکی ہے۔ (اور اب بعد کی دو رکعت ادا کی جا رہی ہیں۔)[4] حضرت انس ؓ ہی کی روایت ہے کہ ہم غروب آفتاب کے بعد دو رکعت ادا کرتے اور رسول اللہ ﷺ ہمیں دیکھ رہے ہوتے۔ آپ نہ تو ہمیں اس کا حکم دیتے اور نہ اس سے منع ہی فرماتے۔[5] صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز مغرب پڑھانے کے لیے گھر سے تشریف لاتے تو لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھتے تھے۔[6] ② جو حضرات نماز مغرب سے پہلے یہ سنت ادا کرنا چاہتے ہوں انھیں چاہیے کہ وہ پہلے سے تیار ہوں، یعنی باوضو ہوں، اذان ہوتے ہی انھیں پڑھنا شروع کر دیں تاکہ نماز مغرب کی ادائیگی میں دیر نہ ہو۔

(٣٦) بَابُ صَلَاةِ النَّوَافِلِ جَمَاعَةً

باب: 36- نوافل کو باجماعت ادا کرنا

1 صحيح البخاري، الأذان، حديث: 624. 2 صحيح ابن خزيمة: 266/2. 3 فتح الباري: 73/3. 4 صحيح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 1938 (837). 5 صحيح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 1938 (836). 6 صحيح البخاري، الأذان، حديث: 625.

ذَكَرَهُ أَنَسٌ وَعَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

اسے حضرت انس بن مالک اور حضرت عائشہ ﷠ نے نبی ﷺ سے بیان کیا ہے۔

وضاحت: عام نوافل کی جماعت ہو سکتی ہے لیکن اس کے لیے لوگوں کو دعوت نہیں دینی چاہیے اور باضابطہ طور پر اس کا اہتمام کرنا درست نہیں، اتفاقاً ایسا معاملہ ہو جائے تو جماعت درست ہے۔ لیکن رمضان المبارک میں تراویح کی جماعت اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اس کا اہتمام تین روز تک رسول اکرم ﷺ نے خود فرمایا تھا اور فرض ہونے کے خدشے کے پیش نظر ترک کر دیا تھا، تاہم لوگوں کو انفرادی طور پر ادا کرنے کی ترغیب دلائی جب یہ خدشہ ختم ہو گیا تو حضرت عمر ﷜ نے اس کا اہتمام فرمایا۔ حضرت انس ﷜ کی روایت کو خود امام بخاری ﷫ نے بیان فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ام سلیم ﷞ کے گھر میں نوافل کی جماعت کرائی تھی۔[1] اسی طرح حضرت عائشہ ﷞ کی روایت کو بھی خود امام بخاری ﷫ نے بیان کیا ہے جس میں ہے کہ لوگ جمع ہو گئے اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تہجد باجماعت ادا کی۔[2]

١١٨٥ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا أَبِي عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي مَحْمُودُ بْنُ الرَّبِيعِ الْأَنْصَارِيُّ: أَنَّهُ عَقَلَ رَسُولَ اللهِ ﷺ، وَعَقَلَ مَجَّةً مَجَّهَا فِي وَجْهِهِ مِنْ بِئْرٍ كَانَتْ فِي دَارِهِمْ.

[1185] حضرت محمود بن ربیع انصاری ﷜ سے روایت ہے کہ انھیں رسول اللہ ﷺ یاد ہیں اور آپ کی وہ کلی بھی یاد ہے جو آپ ﷺ نے ان کے گھر کے کنویں سے پانی لے کر اس کے منہ پر کی تھی۔

١١٨٦ - فَزَعَمَ مَحْمُودٌ أَنَّهُ سَمِعَ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ الْأَنْصَارِيَّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَكَانَ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ - يَقُولُ: كُنْتُ أُصَلِّي لِقَوْمِي بِبَنِي سَالِمٍ، وَكَانَ يَحُولُ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ وَادٍ إِذَا جَاءَتِ الْأَمْطَارُ فَيَشُقُّ عَلَيَّ اجْتِيَازُهُ قِبَلَ مَسْجِدِهِمْ، فَجِئْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقُلْتُ لَهُ: إِنِّي أَنْكَرْتُ بَصَرِي، وَإِنَّ الْوَادِيَ الَّذِي بَيْنِي وَبَيْنَ قَوْمِي يَسِيلُ إِذَا جَاءَتِ الْأَمْطَارُ فَيَشُقُّ عَلَيَّ اجْتِيَازُهُ، فَوَدِدْتُ أَنَّكَ تَأْتِي فَتُصَلِّي مِنْ بَيْتِي مَكَانًا أَتَّخِذُهُ مُصَلًّى. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «سَأَفْعَلُ» فَغَدَا عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَبُو

[1186] حضرت محمود بن ربیع نے فرمایا کہ میں نے حضرت عتبان بن مالک انصاری ﷜ سے سنا۔ اور وہ ان لوگوں میں سے تھے جو نبی ﷺ کے ہمراہ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے۔ حضرت عتبان ﷜ نے فرمایا: میں قبیلۂ بنو سالم میں اپنی قوم کو نماز پڑھایا کرتا تھا۔ میرے اور اس قبیلے کے درمیان ایک وادی حائل تھی۔ جب بارشیں ہوتیں تو اسے عبور کر کے ان کی مسجد تک پہنچنا میرے لیے دشوار ہو جاتا، اس لیے میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری نظر کمزور ہو چکی ہے اور یہ وادی جو میرے اور میری قوم کے درمیان بہتی ہے جب بارشیں ہوں تو اسے عبور کرنا میرے لیے مشکل ہو جاتا ہے

[1] صحيح البخاري، الصلاة، حديث: 380. [2] صحيح البخاري، التهجد، حديث: 1129.

بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بَعْدَ مَا اشْتَدَّ النَّهَارُ، فَاسْتَأْذَنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَأَذِنْتُ لَهُ، فَلَمْ يَجْلِسْ حَتّٰى قَالَ: «أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ نُصَلِّيَ مِنْ بَيْتِكَ؟» فَأَشَرْتُ لَهُ إِلَى الْمَكَانِ الَّذِي أُحِبُّ أَنْ يُصَلِّيَ فِيهِ، فَقَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَكَبَّرَ وَصَفَفْنَا وَرَاءَهُ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ وَسَلَّمْنَا حِينَ سَلَّمَ، فَحَبَسْتُهُ عَلَى خَزِيرٍ يُصْنَعُ لَهُ فَسَمِعَ أَهْلُ الدَّارِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ فِي بَيْتِي، فَثَابَ رِجَالٌ مِنْهُمْ حَتّٰى كَثُرَ الرِّجَالُ فِي الْبَيْتِ. فَقَالَ رَجُلٌ مِنْهُمْ: مَا فَعَلَ مَالِكٌ؟ لَا أَرَاهُ. فَقَالَ رَجُلٌ مِنْهُمْ: ذَاكَ مُنَافِقٌ لَا يُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا تَقُلْ ذٰلِكَ، أَلَا تَرَاهُ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، يَبْتَغِي بِذٰلِكَ وَجْهَ اللهِ؟» فَقَالَ: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، أَمَّا نَحْنُ فَوَاللهِ لَا نَرٰى وُدَّهُ وَلَا حَدِيثَهُ إِلَّا إِلَى الْمُنَافِقِينَ. قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «فَإِنَّ اللهَ قَدْ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، يَبْتَغِي بِذٰلِكَ وَجْهَ اللهِ». قَالَ مَحْمُودُ بْنُ الرَّبِيعِ. فَحَدَّثْتُهَا قَوْمًا فِيهِمْ أَبُو أَيُّوبَ صَاحِبُ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي غَزْوَتِهِ الَّتِي تُوُفِّيَ فِيهَا، وَيَزِيدُ بْنُ مُعَاوِيَةَ عَلَيْهِمْ بِأَرْضِ الرُّومِ، فَأَنْكَرَهَا عَلَيَّ أَبُو أَيُّوبَ، قَالَ: وَاللهِ مَا أَظُنُّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ مَا قُلْتَ قَطُّ، فَكَبُرَ ذٰلِكَ عَلَيَّ فَجَعَلْتُ لِلّٰهِ عَلَيَّ إِنْ سَلَّمَنِي حَتّٰى أَقْفُلَ مِنْ غَزْوَتِي أَنْ أَسْأَلَ عَنْهَا عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ إِنْ وَجَدْتُهُ حَيًّا فِي مَسْجِدِ قَوْمِهِ. فَقَفَلْتُ فَأَهْلَلْتُ بِحَجَّةٍ أَوْ بِعُمْرَةٍ، ثُمَّ سِرْتُ

میری خواہش ہے کہ آپ تشریف لائیں اور میرے گھر میں کسی جگہ پر نماز پڑھیں تاکہ میں اسے (ہمیشہ کے لیے) جائے نماز بنا لوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں عنقریب آؤں گا۔'' چنانچہ ایک دن جب سورج چڑھ آیا تو رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میرے پاس تشریف لائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اندر آنے کی اجازت طلب فرمائی۔ میں نے آپ کو اجازت دی تو آپ نے بیٹھنے سے پہلے فرمایا: ''آپ اپنے گھر کے کس حصے میں ہمارا نماز پڑھنا پسند کرتے ہیں؟'' میں نے آپ کے لیے ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا جہاں میں پسند کرتا تھا کہ وہاں نماز ادا کی جائے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے وہاں کھڑے ہو کر اللہ اکبر کہا۔ ہم نے بھی آپ کے پیچھے صفیں درست کر لیں۔ آپ نے دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا۔ ہم نے بھی آپ کے سلام پھیرنے پر سلام پھیر دیا۔ پھر میں نے سوئے آٹے اور گوشت سے تیار کردہ کھانا پیش کیا جو آپ ہی کے لیے تیار کیا گیا تھا۔ جب اہل محلہ کو پتہ چلا کہ رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں تشریف فرما ہیں تو وہ پے در پے اکٹھے ہونا شروع ہو گئے حتی کہ بہت سے لوگ میرے گھر میں جمع ہو گئے۔ ان میں سے ایک شخص نے کہا: مالک (ابن دخشن) رضی اللہ عنہ کو کیا ہوا؟ وہ ہمیں یہاں نظر نہیں آ رہا۔ ان میں سے ایک دوسرے شخص نے کہا: وہ منافق ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت نہیں رکھتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایسا مت کہو، کیا تم اسے نہیں دیکھتے ہو کہ وہ لا إله إلا الله کہتا ہے اور اس کا کلمہ پڑھنے کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی ہے۔'' اس شخص نے کہا: (ویسے تو) اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی

حَتّٰى قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ فَأَتَيْتُ بَنِي سَالِمٍ، فَإِذَا عِتْبَانُ شَيْخٌ أَعْمٰى يُصَلِّي لِقَوْمِهِ، فَلَمَّا سَلَّمَ مِنَ الصَّلَاةِ سَلَّمْتُ عَلَيْهِ وَأَخْبَرْتُهُ مَنْ أَنَا ثُمَّ سَأَلْتُهُ عَنْ ذٰلِكَ الْحَدِيثِ، فَحَدَّثَنِيهِ كَمَا حَدَّثَنِيهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ. [راجع: ٤٢٤]

بہتر جانتے ہیں لیکن اللہ کی قسم! ہم تو اس کی دوستی اور کلام و سلام منافقین کے ساتھ ہی دیکھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو جہنم پر حرام کر دیا ہے جو اللہ کی رضا کے لیے کلمۂ طیبہ پڑھتا ہے۔''

حضرت محمود بن ربیع ؓ نے فرمایا: میں نے یہ حدیث چند لوگوں سے بیان کی جن میں رسول اللہ ﷺ کے صحابی حضرت ابو ایوب انصاری ؓ بھی تھے۔ یہ واقعہ اس غزوے میں پیش آیا جس میں حضرت ابو ایوب انصاری ؓ کی شہادت ہوئی اور رومی سرزمین (قسطنطنیہ) میں یزید بن معاویہ امیر لشکر تھے۔ حضرت ابو ایوب انصاری ؓ نے اس واقعے کا صاف انکار کر دیا اور فرمایا: اللہ کی قسم! میرا رسول اللہ ﷺ کے متعلق ہرگز خیال نہیں کہ آپ نے ایسے کلمات فرمائے ہوں گے جو تم نے آپ ﷺ کی طرف منسوب کیے ہیں۔ مجھ پر ان کا انکار بہت گراں گزرا، اس لیے میں نے اپنے اوپر یہ لازم کر لیا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس غزوے سے واپسی تک مجھے صحیح سالم رکھا تو میں اس کے متعلق حضرت عتبان بن مالک ؓ سے ضرور دریافت کروں گا بشرطیکہ میں اسے اس قوم کی مسجد میں بقید حیات پاؤں، چنانچہ میں جب اس غزوے سے واپس لوٹا تو میں نے حج یا عمرے کا احرام باندھا اور وہاں سے روانہ ہوا۔ بالآخر جب میں مدینہ منورہ پہنچا تو قبیلۂ بنو سالم کا رخ کیا۔ میں نے وہاں حضرت عتبان بن مالک ؓ کو دیکھا کہ وہ نابینے ہو چکے ہیں اور اپنی قوم کو نماز پڑھا رہے ہیں۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے انھیں سلام کیا اور اپنا تعارف کرایا۔ پھر میں نے ان سے اس حدیث کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے یہ واقعہ اسی طرح بیان کیا جس طرح پہلی مرتبہ بیان کیا تھا۔

فوائد ومسائل: ① امام بخاری ؒ نے اس طویل حدیث کو اس مقصد کے لیے بیان کیا ہے کہ ایسے حالات میں نوافل کو باجماعت ادا کیا جاسکتا ہے کیونکہ اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور حاضرین خانہ نے آپ کے پیچھے صف بندی کی، اس طرح آپ نے انھیں باجماعت دو رکعت پڑھائیں۔ واضح رہے کہ باجماعت نوافل کا اہتمام کسی پروگرام کے تحت نہیں تھا بلکہ اتفاقاً یہ صورت بن گئی۔ دیگر احادیث سے بھی ایسے مواقع پر نوافل کی جماعت کرانا ثابت ہے، لیکن باقاعدہ اعلان کرکے نوافل کی جماعت کا اہتمام کرنا صحیح نہیں کیونکہ جاہل لوگ جماعت کی بنا پر انھیں فرض خیال کرنے لگیں گے، البتہ نماز تراویح کا باجماعت اہتمام اس سے مستثنیٰ ہے جیسا کہ پہلے اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔[1] ② حضرت ابو ایوب انصاری ؓ نے اس لیے انکار کیا کہ حدیث مذکور کے تقاضے کے مطابق امت کے گناہ گار بالکل جہنم میں داخل نہیں ہوں گے، حالانکہ یہ بات مندرجہ ذیل قرآنی آیت کے خلاف ہے: ﴿وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا﴾ ''جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی (قائم کردہ) حدود سے تجاوز کرے، اللہ اسے ہمیشہ کے لیے آگ میں داخل کرے گا۔'' نیز یہ حدیث شفاعت کے بھی خلاف ہے، پھر ہم تو ظاہر پر حکم لگاتے ہیں، باطن کا ہم فیصلہ کیونکر کرسکتے ہیں، لیکن حدیث محمود بن ربیع اور حضرت ابو ایوب کے موقف میں جمع کی صورت بھی ممکن ہے کہ تحریم کو دخول جہنم کے بجائے خلود جہنم پر محمول کیا جائے کہ ایسے لوگ جہنم میں ہمیشہ نہیں رہیں گے بالآخر انھیں جہنم سے نکال لیا جائے گا۔ واللہ اعلم. ③ اس حدیث سے بہت سے مسائل ثابت ہوتے ہیں جن میں سے کچھ حسب ذیل ہیں: (1) معذور لوگ اگر مسجد میں آنے کی ہمت نہ رکھتے ہوں تو وہ گھر میں نماز پڑھ سکتے ہیں۔ (2) مہمانان خصوصی کو عمدہ سے عمدہ کھانا کھلانا مناسب اور شایان شان ہے۔ (3) سوچے سمجھے بغیر کسی پر کفریا نفاق کا فتویٰ لگانا جائز نہیں۔ (4) محض روایتی یا رٹی کلمہ کام نہیں آئے گا بلکہ وہ کلمہ ثمر آور ہوگا جس کے پڑھنے سے اللہ کی خوشنودی مقصود ہو۔ واللہ اعلم.

(۳۷) بَابُ التَّطَوُّعِ فِي الْبَيْتِ

باب: 37- گھر میں نفل نماز پڑھنا

۱۱۸۷ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ حَمَّادٍ، حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، عَنْ أَيُّوبَ وَعُبَيْدِ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اجْعَلُوا فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ صَلَاتِكُمْ وَلَا تَتَّخِذُوهَا قُبُورًا». تَابَعَهُ عَبْدُ الْوَهَّابِ عَنْ أَيُّوبَ. [راجع: ۴۳۲]

[1187] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے گھروں میں کچھ نماز پڑھ لیا کرو اور انھیں قبرستان نہ بناؤ۔''

عبدالوہاب نے ایوب سختیانی سے روایت کرنے میں وہیب کی متابعت کی ہے۔

فائدہ: اس حدیث کے مطابق جس گھر میں نماز نہ پڑھی جائے اسے قبر سے تشبیہ دی گئی ہے جس میں عبادت نہیں کی جاتی

[1] فتح الباري: 81/3. [2] النساء 4:14.

اور اس گھر کے باشندے کو میت سے تشبیہ دی جس سے نیک کام نہیں ہو سکتے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قبرستان ایک ایسی جگہ ہے جو نماز کا محل نہیں، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر ایک عنوان بایں الفاظ قائم کیا ہے: [كراهية الصلاة في المقابر] "قبرستان میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔"[1] عبدالوہاب کی متابعت کو امام مسلم نے اپنی متصل سند سے بیان کیا ہے۔[2]

[1] صحيح البخاري، الصلاة، باب: 52. [2] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 1821 (777).

مجھے آپ کے وہاں جانے کا پہلے علم ہو جاتا تو آپ کو وہاں نہ جانے دیتا کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے: "تین مساجد کے علاوہ کسی دوسری جگہ جانے کے لیے رخت سفر نہیں باندھنا چاہیے۔ وہ مسجدیں یہ ہیں: مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ۔"[1]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین مساجد کے علاوہ کسی اور جگہ عبادت و تقرب کی نیت سے جانا منع ہے۔ یہ ممانعت مسجد قباء کی طرف سفر کرنے میں رکاوٹ نہیں کیونکہ اس کی طرف سفر اختیار کرنے اور وہاں نماز پڑھنے کی فضیلت دیگر احادیث سے ثابت ہے۔ اس کی تفصیل باب: 34 کے تحت آرہی ہے۔ اس حکم امتناعی کو صرف مساجد سے خاص کرنا صحیح نہیں کیونکہ صحابیٔ رسول نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کوہ طور پر قصداً عبادت کی نیت سے سفر کرنے کو منع فرمایا ہے، حالانکہ جبل طور پر مسجد نہیں بلکہ وہ ایک مقدس مقام ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام رب کائنات سے ہم کلام ہوئے تھے۔ جب ایسے مقام پر بغرض عبادت جانے کی اجازت نہیں تو ملک عزیز میں پھیلے ہوئے مزارات و مشاہد پر بغرض عبادت و زیارت جانا کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟ چونکہ شرعی طور پر ایسا کرنا بے شمار مفاسد کا پیش خیمہ تھا، اس لیے اس کا سد باب ضروری تھا، البتہ قبرستان میں اہل قبور کے لیے دعائے مغفرت کی خاطر جانا متعدد احادیث سے ثابت ہے، نیز وہاں جانے سے آخرت کی یاد دہانی بھی ہوتی ہے۔ مسجد نبوی میں ادائے نماز کی نیت سے مدینہ منورہ کا سفر کرنا، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک پر حاضری دینا، آپ ﷺ پر درود و سلام پڑھنا، پھر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما پر سلام پڑھنا، اس کے بعد بقیع کے قبرستان میں جا کر وہاں مدفون جملہ اموات کے لیے دعائے مغفرت کرنا احادیث سے ثابت ہے جن کی وضاحت ہم آئندہ کریں گے۔

ہماری ان گزارشات کو پیش نظر رکھتے ہوئے آئندہ احادیث کا مطالعہ کریں تاکہ قلب و ذہن کے لیے جلا کا باعث ہوں۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔ آمین۔

(1) مسند أحمد: 7/5.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

20 - كِتَابُ فَضْلِ الصَّلَاةِ فِي مَسْجِدِ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ

مسجد حرام اور مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی فضیلت کا بیان

(١) بَابُ فَضْلِ الصَّلَاةِ فِي مَسْجِدِ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ

باب: 1- مسجد حرام اور مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی فضیلت

١١٨٨ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عُمَيْرٍ عَنْ قَزَعَةَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَعِيدٍ أَرْبَعًا، قَالَ: سَمِعْتُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ، وَكَانَ غَزَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ غَزْوَةً. [راجع: ٥٨٦]

[1188] حضرت قزعہ بن یحییٰ فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے چار احادیث سنی ہیں۔ انھوں نے یہ احادیث نبی ﷺ کے حوالے سے بیان کیں، نیز وہ نبی ﷺ کے ہمراہ بارہ غزوات میں شریک ہوئے۔

١١٨٩ - وَحَدَّثَنَا عَلِيٌّ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِ الرَّسُولِ ﷺ، وَمَسْجِدِ الْأَقْصَى».

[1189] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''تین مساجد: مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کے علاوہ کسی طرف بھی (تقرب و عبادت کی نیت سے) رخت سفر باندھا جائے۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ ان تین مساجد کے سوا کسی اور طرف ان کے ذاتی شرف کی بنا پر بغرض عبادت سفر نہ کیا جائے کیونکہ دنیا کی تمام مساجد میں نماز پڑھنا ثواب کے اعتبار سے برابر ہے۔ البتہ جامع مساجد میں نمازیوں کی کثرت کے باعث زیادہ ثواب ہے اور دور سے چل کر مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے آنا کثرت اقدام کی وجہ سے زیادہ ثواب کا

موجب ہے، نفس مسجد کے اعتبار سے ثواب میں کوئی تعارض نہیں، البتہ ان تین مساجد میں نماز پڑھنا ان کے ذاتی شرف کی بنا پر اللہ کے ہاں اجر و ثواب میں اضافے کا باعث ہے کیونکہ انھیں حضرات انبیائے کرام ﷤ نے تعمیر کیا ہے۔ ② مسجد حرام تمام لوگوں کا قبلہ ہے، مسجد نبوی کی بنیاد روز اول ہی سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے اور مسجد اقصیٰ پہلی امتوں کا قبلہ رہا ہے۔ ان تین مساجد کے علاوہ کسی بھی جگہ کا تقرب و عبادات کی نیت سے رخ کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ حکم امتناعی صرف مساجد سے متعلق نہیں بلکہ اس میں مزارات و مقابر اور دیگر مقدس مقامات بھی شامل ہیں جیسا کہ حضرت شہر بن حوشب کہتے ہیں کہ ہم چند لوگ کوہ طور پر جانے کا ارادہ کیے ہوئے تھے اس دوران میں ہماری سیدنا ابوسعید خدری ؓ سے ملاقات ہوئی اور ہم نے ان سے اپنے ارادے کا اظہار کیا تو انھوں نے ہمارے سامنے رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث بایں الفاظ بیان فرمائی: ”ان تین مساجد کے علاوہ کسی طرف (تقرب کی نیت سے) سواری کو استعمال نہیں کرنا چاہیے، یعنی باقاعدہ سفر کا اہتمام نہیں کرنا چاہیے: ان میں ایک مسجد حرام، دوسری مسجد مدینہ اور تیسری مسجد اقصیٰ ہے۔“[1] حضرت قزعہ بن یحییٰ کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبداللہ بن عمر ؓ سے عرض کیا کہ میں جبل طور پر جانا چاہتا ہوں۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ذکر کیا کہ مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کے علاوہ کہیں بھی (عبادت کی نیت سے) قصداً سفر کرنا منع ہے، لہٰذا تم جبل طور پر جانے کا ارادہ ترک کر دو۔[2] سیدنا ابوبصرہ غفاری ؓ کی حدیث ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ تین مساجد (اور مسجد قباء) کے علاوہ کسی اور جگہ عبادت یا زیارت کی نیت سے جانا منع ہے اور اس نہی کو مساجد سے خاص کرنا بھی صحیح نہیں کیونکہ جبل طور کوئی مسجد نہیں بلکہ ایک مقام ہے جہاں حضرت موسیٰ ؑ کو اپنے رب سے کلام کرنے کا شرف حاصل ہوا تھا، البتہ اپنے کسی عزیز سے ملاقات یا حصول علم کے لیے رخت سفر باندھنا اس نہی کے تحت نہیں آتا، چنانچہ حافظ ابن حجر ؒ اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: کسی بھی مسجد یا مکان یا دیگر کسی جگہ کا سفر اس نیت سے نہ کیا جائے کہ ان مساجد و مکانات کی زیارت رضائے الٰہی کا باعث ہے، البتہ یہ تین مساجد یہ مقام رکھتی ہیں جن کی طرف اہتمام سے سفر کیا جا سکتا ہے، ہاں! کسی کی ملاقات یا تحصیل علم کے لیے سفر کرنا اس ممانعت میں داخل نہیں کیونکہ یہ سفر کسی مکان یا مدرسے کی عمارت کے لیے نہیں کیا جاتا بلکہ مکان کے مکین کی ملاقات اور مدرسے میں تحصیل علم کے لیے کیا جاتا ہے۔[3] ③ واضح رہے کہ امام بخاری ؒ نے حضرت ابوسعید خدری ؓ سے مروی مکمل حدیث کو انتہائی اختصار سے بیان کیا ہے۔ چونکہ اس کے متن کا آخری حصہ حضرت ابوہریرہ ؓ سے مروی حدیث جیسا تھا، اس لیے اسے ذکر نہیں کیا۔ یہ حدیث تفصیل سے آگے ذکر ہوگی۔[4]

۱۱۹۰ – حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ رَبَاحٍ، وَعُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ

[1190] حضرت ابوہریرہ ؓ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میری اس مسجد میں ایک نماز

---

1 مسند أحمد 93/3. 2 مجمع الزوائد 4/4. 3 فتح الباری 3/85. 4 صحيح البخاري، فضل الصلاة في مسجد مكة و المدينة، حديث: 1197.

أَبِي عَبْدِ اللهِ الْأَغَرِّ، عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ الْأَغَرِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِي هٰذَا خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيمَا سِوَاهُ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ».

پڑھنا مسجد حرام کے سوا دیگر مساجد میں ایک ہزار نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔"

فوائد و مسائل: ① میری اس مسجد سے مراد مسجد نبوی ہے۔ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کا اشارہ بھی ہے کہ مسجد نبوی کی زیارت کے لیے سفر اختیار کیا جائے۔ پھر جس شخص کو یہ سعادت نصیب ہوگی وہ رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کرے گا، نیز آپ پر درود و سلام پھر شیخین کی قبروں پر سلام پڑھنے کی سعادتیں اسے حاصل ہوں گی۔ پہلی امتوں کے پتہ لوگ کوہ طور اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی قبر مبارک کی زیارت کے لیے دور دراز کا سفر کر کے آتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے صرف تین زیارت گاہیں مقرر فرمائی ہیں۔ ان کے علاوہ اجمیر، سیون، بغداد یا کربلا کا سفر کرنا شرعاً صحیح نہیں۔ واللہ اعلم. ② ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: شارح بخاری ابن بطال نے لکھا ہے کہ حدیث میں ''مسجد حرام کے علاوہ'' کے الفاظ میں تین امور کا احتمال ہے: وہ یہ کہ مسجد حرام مسجد نبوی کے مساوی ہے یا اس سے افضل یا اس سے کمتر، پہلا وجہ کہ اسے مساوی قرار دیا جائے یہی راجح معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کا افضل یا کمتر ہونا دلیل کا محتاج ہے۔ شاید انھیں وہ حدیث نہیں پہنچی جس میں وضاحت ہے کہ مسجد حرام میں نماز پڑھنا ایک لاکھ، مسجد نبوی میں نماز ادا کرنا ایک ہزار اور مسجد اقصیٰ میں نماز کی ادائیگی پانچ سو نماز کے برابر ہے۔ اس روایت کو امام بزار نے اپنی مسند اور امام طبرانی نے اپنی معجم میں بیان کیا ہے۔[1] اس لیے ابن بطال کا موقف مرجوح ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ نمازی کو کوشش کے ساتھ مسجد نبوی کے اس حصے میں نماز پڑھنی چاہیے جسے خود رسول اللہ ﷺ نے تعمیر کیا تھا کیونکہ حدیث میں مسجدي هذا کے الفاظ سے اسی طرف اشارہ مقصود ہے لیکن علمائے امت کا اتفاق ہے کہ مذکورہ فضیلت موجودہ تمام توسیع شدہ مسجد کو شامل ہے۔ واضح رہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دور مبارک میں مسجد نبوی کچی اینٹوں سے بنائی گئی تھی، اس کی چھت کھجور کی شاخوں سے تیار کی گئی تھی اور اس کے ستون کھجور کے تنے تھے۔[2] جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ خیبر سے واپس آئے تو مسجد نبوی میں پہلی دفعہ توسیع کی گئی کیونکہ مسلمانوں کی تعداد بڑھ چکی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے عرض میں چالیس ہاتھ اور طول میں تیس ہاتھ کا اضافہ فرمایا، البتہ دیوار قبلہ پہلی حد تک ہی رہی۔ کھجور کے تنوں سے بنائے ہوئے دور نبوی کے ستون جب کھوکھلے ہوگئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انھیں تبدیل کر دیا۔ مسجد نبوی میں توسیع کے متعلق مکمل معلومات کے لیے اطلس سیرت نبوی (ص: 160 تا 165 طبع دارالسلام) کا مطالعہ مفید رہے گا۔

---

1 فتح الباري: 87/3. 2 صحيح البخاري، مناقب الأنصار، حديث: 3906.

(٢) بَابُ مَسْجِدِ قُبَاءٍ

باب:2- مسجد قباء کا بیان

١١٩١ - حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ: أَخْبَرَنَا أَيُّوبُ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا كَانَ لَا يُصَلِّي مِنَ الضُّحَى إِلَّا فِي يَوْمَيْنِ يَوْمَ يَقْدَمُ مَكَّةَ فَإِنَّهُ كَانَ يَقْدَمُهَا ضُحًى، فَيَطُوفُ بِالْبَيْتِ ثُمَّ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ خَلْفَ الْمَقَامِ، وَيَوْمَ يَأْتِي مَسْجِدَ قُبَاءٍ فَإِنَّهُ كَانَ يَأْتِيهِ كُلَّ سَبْتٍ، فَإِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ كَرِهَ أَنْ يَخْرُجَ مِنْهُ حَتَّى يُصَلِّيَ فِيهِ قَالَ: وَكَانَ يُحَدِّثُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَزُورُهُ رَاكِبًا وَمَاشِيًا. [انظر: ١١٩٣، ١١٩٤، ٧٣٢٦]

[1191] حضرت نافع سے مروی ہے کہ ابن عمر ؓ نماز چاشت صرف دو دن پڑھتے تھے: ایک جب مکہ مکرمہ آتے (تو اسے ضرور ادا کرتے) کیونکہ وہ مکہ مکرمہ چاشت ہی کے وقت آتے تھے، طواف کرتے، پھر مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت پڑھتے۔ اور دوسرے جس دن وہ قباء جاتے (اس دن بھی نماز چاشت پڑھتے تھے)۔ وہ بروز ہفتہ مسجد قباء جاتے۔ جب مسجد میں داخل ہوتے تو نماز پڑھے بغیر وہاں سے نکلنے کو برا خیال کرتے۔ ان کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد قباء کی زیارت کے لیے کبھی سوار ہو کر اور کبھی پیدل جایا کرتے تھے۔

١١٩٢ - قَالَ: وَكَانَ يَقُولُ لَهُ: إِنَّمَا أَصْنَعُ كَمَا رَأَيْتُ أَصْحَابِي يَصْنَعُونَ. وَلَا أَمْنَعُ أَحَدًا إِنْ صَلَّى فِي أَيِّ سَاعَةٍ شَاءَ مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ غَيْرَ أَنْ لَا تَتَحَرَّوْا طُلُوعَ الشَّمْسِ وَلَا غُرُوبَهَا. [راجع: ٥٨٢]

[1192] حضرت ابن عمر ؓ ہی کا بیان ہے کہ میں اس طرح کرتا ہوں جیسے میں نے اپنے دوستوں کو کرتے دیکھا ہے۔ اور میں کسی کو منع نہیں کرتا کہ وہ رات یا دن میں جب چاہے نماز پڑھے، ہاں! قصداً سورج نکلتے یا غروب ہوتے وقت نماز پڑھنے سے اجتناب کرو۔

فائدہ: ان احادیث میں امام بخاری ؒ نے مسجد قباء میں نماز پڑھنے کی فضیلت کو بیان کیا ہے۔ واضح رہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ مکہ مکرمہ سے ہجرت کرکے یثرب کی بیرونی بستی قباء پہنچے تھے جسے عالیہ بھی کہا جاتا تھا۔ قباء ایک کنویں کا نام ہے جس کی نسبت سے بستی کا نام بھی قباء مشہور ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے قبیلۂ عمرو بن عوف کے سردار کلثوم بن ہدم کے ہاں قیام فرمایا اور حضرت ابوبکر ؓ نے حبیب بن اساف کو شرف میزبانی بخشا۔ رات کو سعد بن خیثمہ کے ہاں مجلس لگتی۔ تین دن بعد حضرت علی ؓ بھی آپ سے ملے۔ قباء میں آپ کا قیام 14 دن رہا۔ یہ بستی مدینہ منورہ سے تقریباً 3 کلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔ مدینے کی طرف رسول اللہ ﷺ سے پہلے ہجرت کرنے والوں نے ایک مسجد بنائی جسے مسجد قباء کہا جاتا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اس بستی میں قیام فرمایا تو اس مسجد میں نمازیں ادا کرتے رہے۔ اس میں توسیع کے متعلق تفصیلی معلومات کے لیے اطلس

سیرت نبوی (ص: 151، طبع دارالسلام) کا مطالعہ مفید رہے گا۔

(۳) بَابُ مَنْ أَتَى مَسْجِدَ قُبَاءٍ كُلَّ سَبْتٍ

باب: 3- ہر ہفتے کے دن مسجد قباء جانا

١١٩٣ - حَدَّثَنِي مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَأْتِي مَسْجِدَ قُبَاءٍ كُلَّ سَبْتٍ مَاشِيًا وَرَاكِبًا. وَكَانَ عَبْدُ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَفْعَلُهُ. [راجع: ١١٩٠]

[1193] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ ہر ہفتے کے دن مسجد قباء پیدل اور سوار ہو کر تشریف لے جاتے تھے اور (راوی حدیث کہتے ہیں:) حضرت عبداللہ بن عمر ؓ بھی اسی طرح کرتے تھے۔

فائدہ: امام بخاری ؒ نے اس عنوان اور پیش کردہ حدیث سے ثابت کیا ہے کہ مسجد قباء ان مساجد سے ہے جن کی طرف پیدل اور سوار ہو کر جانے میں چنداں حرج نہیں اور ایسا کرنا رخت سفر باندھنے سے متعلق حکم امتناعی میں داخل نہیں۔ جب مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی تو اہل قباء اور باشندگان عوالی نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے مسجد نبوی میں آتے تھے، اس بنا پر جمعے کے دن مسجد قباء نمازیوں سے خالی رہتی تھی۔ اس کی تلافی کے لیے رسول اللہ ﷺ ہفتے کے دن مسجد قباء تشریف لے جاتے تھے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ جمعے کے دن مشاغل کا ہجوم ہوتا تھا اور ہفتے کے روز فرصت کے لمحات میسر آتے تو آپ مسجد قباء کا رخ فرماتے تاکہ اہل قباء کی خبر گیری کی جائے اور جمعے کے لیے مدینہ منورہ نہ جا سکنے والوں کا حال دریافت کیا جائے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے طور پر بعض اعمال صالحہ کی ادائیگی کے لیے کسی دن کو متعین کیا جا سکتا ہے اور پھر اس پر مداومت کرنا بھی جائز ہے۔[1]

(٤) بَابُ إِتْيَانِ مَسْجِدِ قُبَاءٍ مَاشِيًا وَرَاكِبًا

باب: 4- مسجد قباء کی طرف پیدل اور سوار ہو کر جانا

١١٩٤ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ قَالَ: حَدَّثَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَأْتِي قُبَاءً رَاكِبًا

[1194] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ مسجد قباء پیدل اور سوار ہو کر تشریف لاتے تھے۔

1 فتح الباري: 3/90.

زمانيا۔

زَادَ ابْنُ نُمَيْرٍ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ نَافِعٍ فَيُصَلِّي فِيهِ رَكْعَتَيْنِ. [انظر: ١١٩١]

(راوی حدیث) عبداللہ بن نمیر نے نافع سے یہ الفاظ مزید بیان کیے ہیں کہ آپ اس میں دو رکعت پڑھتے تھے۔

فائدہ: احادیث میں مسجد قباء آنے اور اس میں نماز پڑھنے کی فضیلت بھی بیان ہوئی ہے، چنانچہ حضرت سہل بن حنیف ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص اپنے گھر سے نکلے اور مسجد قباء جا کر نماز پڑھے تو اسے عمرہ ادا کر لینے کے برابر ثواب ملتا ہے۔“[1] ایک روایت میں ہے کہ جو شخص گھر سے وضو کر کے مسجد قباء آئے اور اس میں نماز ادا کرے تو اسے عمرہ ادا کرنے کا ثواب ملتا ہے۔[2] عمر بن شبہ نے تاریخ مدینہ منورہ میں صحیح سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ نے فرمایا: مسجد قباء میں نماز پڑھنا مجھے بیت المقدس دو دفعہ جانے سے زیادہ محبوب ہے۔ اگر لوگ مسجد قباء کی فضیلت پر مطلع ہو جائیں تو دور دراز سے چل کر وہاں پہنچیں۔[3]

(٥) بَابُ فَضْلِ مَا بَيْنَ الْقَبْرِ وَالْمِنْبَرِ

باب: 5- رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک اور منبر کے درمیانی مقام کی فضیلت

١١٩٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ الْمَازِنِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ».

[1195] حضرت عبداللہ بن زید مازنی ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میرے گھر اور منبر کی درمیانی جگہ جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔“

١١٩٦ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ عَنْ يَحْيَى، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي خُبَيْبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ، وَمِنْبَرِي عَلَى

[1196] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”میرے گھر اور منبر کا درمیانی مقام جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ اور (قیامت کے دن) میرا منبر میرے حوض پر ہوگا۔“

[1] سنن النسائي، المساجد، حديث: 700. [2] سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، حديث: 1412. [3] فتح الباري: 90/3.

حوضي». [۱۸۸۸، ۱۵۸۸، ۲۳۳۴]

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ نے مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی فضیلت بیان کرنے کے بعد یہ عنوان قائم کیا ہے تاکہ اس حقیقت سے آگاہ کریں کہ مسجد نبوی کے بعض حصے ایک دوسرے سے افضل ہیں۔ عنوان میں قبر کا لفظ بیان ہوا ہے جبکہ حدیث میں لفظ بیت ہے؟ یہ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک اسی بیت میں ہے۔ بعض روایات میں قبر کا لفظ بھی ہے لیکن یہ روایت بالمعنی ہے، چنانچہ امام ابن تیمیہ ؒ لکھتے ہیں: حدیث کے مذکورہ الفاظ ہی صحیح ہیں، البتہ بعض راویوں نے روایت بالمعنی کے طور پر بین قبري و منبري کے الفاظ بیان کیے ہیں، حالانکہ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ حدیث بیان کی تھی اس وقت آپ فوت ہوئے تھے نہ آپ کی قبر مبارک کا وجود ہی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب صحابۂ کرام ؓ میں آپ کی تدفین کے متعلق اختلاف ہوا تو کسی نے بھی اس حدیث کو دلیل نہیں بنایا۔ اگر یہ الفاظ ان کے علم میں ہوتے تو اس تاریخی مسئلے میں نص صریح کا حکم رکھتے۔[1] ② رسول اللہ ﷺ نے اس حصے کو جنت کی کیاری قرار دیا ہے کہ نزول رحمت اور حصول سعادت کے اعتبار سے وہ حقیقی روضۂ جنت کی طرح ہے یا اس لیے کہ اس حصے میں عبادت دخول جنت کا سبب ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے حقیقی معنی پر محمول کیا جائے کہ آخرت میں یہ ٹکڑا بعینہٖ جنت میں منتقل ہو جائے گا۔ علامہ عینی نے امام خطابی کے حوالے سے لکھا ہے کہ جو شخص اس حصے میں عبادت کا اہتمام کرے گا وہ جنت کے باغوں میں داخل ہوگا اور جو شخص منبر کے پاس عبادت کرے گا وہ جنت میں حوض کوثر سے سیراب کیا جائے گا۔ شارحین نے منبر کے متعلق لکھا ہے کہ بعینہٖ اسی منبر کو حوض کوثر پر لوٹا دیا جائے گا۔ واللہ أعلم۔

(٦) بَابُ مَسْجِدِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ

باب: 6- بیت المقدس کی مسجد کا بیان

١١٩٧ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ: سَمِعْتُ قَزَعَةَ مَوْلَى زِيَادٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يُحَدِّثُ بِأَرْبَعٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، فَأَعْجَبْنَنِي وَآنَقْنَنِي، قَالَ: «لَا تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ يَوْمَيْنِ إِلَّا وَمَعَهَا زَوْجُهَا أَوْ ذُو مَحْرَمٍ، وَلَا صَوْمَ فِي يَوْمَيْنِ: الْفِطْرِ وَالْأَضْحَى، وَلَا صَلَاةَ بَعْدَ صَلَاتَيْنِ: بَعْدَ الصُّبْحِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ،

[1197] حضرت قزعہ مولیٰ زیاد سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت ابو سعید خدری ؓ سے چار احادیث سنیں جو وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے تھے۔ وہ مجھے بہت پسند آئیں اور انھوں نے مجھے بہت خوش کیا۔ آپ نے فرمایا: ”کوئی عورت اپنے خاوند یا محرم کے بغیر دو دن کا سفر نہ کرے، عید الفطر اور عید الاضحیٰ دو دنوں کا روزہ نہیں رکھنا چاہیے، دو نمازوں کے بعد کوئی نماز نہیں ہوتی: نماز فجر کے بعد حتی کہ سورج طلوع ہو جائے اور نماز عصر کے بعد تا آنکہ

1 التوسل والوسيلة، ص: 74.

وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ، وَلَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: مَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِ الْأَقْصَى، وَمَسْجِدِي». [راجع: ٥٨٦]

سورج غروب ہو جائے۔ نیز تین مساجد کے علاوہ کسی دوسرے مقام کی طرف (تقرب و عبادت کی نیت سے) رخت سفر نہ باندھا جائے: مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری مسجد، یعنی مسجد نبوی۔"

فائدہ: اس حدیث میں چار احکام بیان ہوئے ہیں۔ * عورت کو تنہا سفر کرنے کی ممانعت۔ اس کی تفصیل ہم کتاب الحج، حدیث: 1864 کے تحت بیان کریں گے۔ * عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن روزہ رکھنے کی ممانعت۔ اس کی تشریح کتاب الصوم، حدیث: 1995 میں ذکر ہوگی۔ * نماز فجر اور نماز عصر کے بعد نوافل پڑھنے کی ممانعت۔ اس کے متعلق ہم اپنی گزارشات حدیث: 586 کے تحت بیان کر آئے ہیں۔ * آخری حکم شد رحال سے متعلق ہے جس کی تفصیل حدیث: 1189 میں بیان ہو چکی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے کی فضیلت بیان کرنے کے لیے روایت کیا ہے۔ ہم قبل ازیں مسند بزار کے حوالے سے بیان کر آئے ہیں کہ مسجد اقصیٰ میں نماز کی ادائیگی پانچ صد نماز کے برابر ہے۔ (فوائد حدیث: 1190)

خشوع کی حقیقت اور نماز میں جائز امور

نماز کا اصل موضوع یہ ہے کہ اللہ کے حضور اس کی عظمت و کبریائی کا اقرار اور اپنی بندگی اور محتاجی کا اعتراف کیا جائے تاکہ اللہ کا قرب حاصل ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ہر آسمانی شریعت میں ایمان کے بعد پہلا حکم نماز ہی کا رہا ہے۔ اسی خصوصیت کی بنا پر نماز کو دین کا عظیم ترین شعار اور ایک امتیازی نشان قرار دیا گیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نماز کے اجزائے اصلیہ اور اس کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: نماز کے تین عناصر ہیں:

- مسلمان کا دل اللہ کی عظمت و ہیبت اور رعب و جلال سے لبریز اور سر اس کے حضور جھکا ہو۔
- اللہ کی عظمت اور اپنی بے چارگی کو بہتر الفاظ کے ساتھ اپنی زبان سے ادا کیا جائے۔
- دیگر اعضاء کو بھی اللہ کی بڑائی اور اپنی عاجزی کی شہادت کے لیے استعمال کیا جائے۔

یقیناً اس قسم کی نماز ہی نمازی کے لیے گناہوں کا کفارہ ہوگی جیسا کہ حدیث میں ہے: ''جو مسلمان آدمی فرض نماز کا وقت آنے پر اس کے لیے اچھی طرح وضو کرتا ہے، پھر پورے خشوع خضوع اور اچھے رکوع وسجود کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے تو ایسی نماز اس کے لیے سابقہ گناہوں کا کفارہ بن جائے گی جب تک وہ کسی کبیرہ گناہ کا مرتکب نہ ہو۔ نماز کی یہ برکت اس نمازی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حاصل ہوتی رہے گی۔''[1] نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو مسلمان اچھی طرح وضو کرکے اللہ کے حضور کھڑے ہوکر پوری قلبی توجہ اور دلی یکسوئی کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھے تو اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔''[2]

ان احادیث کا تقاضا ہے کہ انسان دوران نماز میں کوئی ایسی حرکت یا بات نہ کرے جو اللہ کی عظمت و کبریائی اور بندے کے خشوع خضوع کے منافی ہو لیکن بعض اوقات انسان نماز کی مصلحت کے پیش نظر دوران نماز میں کوئی نقل و حرکت کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے جو بظاہر نماز کے منافی ہوتی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ دوران نماز میں اس طرح کی حرکات و سکنات کی حدود و شرائط کو بیان کر دیا جائے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ عنوان اسی قسم کی ضرورت کے پیش نظر قائم کیا ہے۔

---

[1] صحيح مسلم، الطهارة، حديث: 643 (228)، [2] صحيح مسلم، الطهارة، حديث: 553 (234).

علامہ عینی ﷫ نے امام مجاہد کے حوالے سے لکھا ہے کہ دوران نماز میں کسی قسم کے کام میں مصروف ہونے کی تین قسمیں ہیں:

① بہت ہی کم فعل و حرکت ہو جیسا کہ آنکھ سے اشارہ یا بوقت ضرورت جسم کو کھجلانا۔ ایسی حرکت خواہ دانستہ ہو یا غیر دانستہ اس سے نماز میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا۔

② اس سے کچھ زیادہ حرکات کا ارتکاب کرنا جیسا کہ نماز سے پھر جانا۔ ایسی حرکات اگر دانستہ ہوں تو نماز باطل ہو جاتی ہے، بھولا ایسا فعل سرزد ہونے سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آتی۔

③ زیادہ چلنا اور نماز چھوڑ کر مسجد سے نکل جانا وغیرہ۔ ایسا کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے، خواہ ایسی حرکت غیر شعوری طور پر ہی کیوں نہ ہو۔[1]

صفوں کے درمیان شگاف پر کرنے کے لیے چند قدم چلنا، آگے سے گزرنے والے کو روکنا یا سجدے کی جگہ پر پڑی معمولی چیز کو دور کرنا وغیرہ ایسے افعال ہیں جنھیں دوران نماز میں کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہمارے نزدیک ان کی تحدید مشکل ہے، اس لیے ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے افعال کو دیکھا جائے، جتنا عمل آپ سے ثابت ہے اسے جائز اور اس سے زیادہ عمل کو نماز کے منافی خیال کیا جائے، ہاں! اگر رسول اللہ ﷺ کے کسی عمل کے لیے خصوصیت کی دلیل موجود ہو تو اس میں امت کے لیے جواز کا کوئی پہلو نہیں ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ کے دوران نماز افعال کا تتبع کرتے ہوئے امام بخاری ﷫ نے اس عنوان کے تحت تقریباً 32 احادیث بیان کی ہیں۔ ان میں سے چھ (6) معلق اور چھبیس (26) موصول ہیں۔ پھر ان پر آپ نے اٹھارہ (18) چھوٹے چھوٹے عنوان قائم کیے ہیں۔ ان احادیث میں تئیس (23) مکرر اور نو (9) خالص احادیث ہیں۔ چار (4) احادیث کے علاوہ دیگر احادیث کو امام مسلم ﷫ نے بھی بیان کیا ہے۔ مرفوع احادیث کے علاوہ مختلف صحابۂ کرام ﷢ اور تابعین عظام ﷭ کے چھ (6) آثار بھی ذکر کیے ہیں۔ امام بخاری ﷫ نے ظاہری اعضاء کے افعال کے علاوہ دوران نماز میں کسی دوسرے معاملے میں غور و فکر کرنے کی مشروعیت کو بیان کیا ہے جس کی ہم آئندہ وضاحت کریں گے۔

بہر حال ہماری پیش کردہ تمہیدی گزارشات کو پیش نظر رکھتے ہوئے امام بخاری کی پیش کردہ احادیث کا مطالعہ کریں تاکہ امام بخاری ﷫ کی فقہی سوچ کے متعلق پتہ چلے کہ وہ کس قدر مستحکم، مثبت اور مبنی بر حقیقت ہے۔ واللہ یهدي من يشاء إلى صراط مستقيم.

---

[1] عمدة القاري: 3/580.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

21 - أَبْوَابُ الْعَمَلِ فِي الصَّلَاةِ

دوران نماز میں کیے جانے والے اعمال کا بیان

(۱) بَابُ اسْتِعَانَةِ الْيَدِ فِي الصَّلَاةِ إِذَا كَانَ مِنْ أَمْرِ الصَّلَاةِ

باب : 1- دوران نماز میں ہاتھ سے مدد لینا جبکہ وہ کام نماز سے متعلق ہو

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا : يَسْتَعِينُ الرَّجُلُ فِي صَلَاتِهِ مِنْ جَسَدِهِ بِمَا شَاءَ. وَوَضَعَ أَبُو إِسْحَاقَ قَلَنْسُوَتَهُ فِي الصَّلَاةِ وَرَفَعَهَا. وَوَضَعَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَفَّهُ عَلَى رُصْغِهِ الْأَيْسَرِ إِلَّا أَنْ يَحُكَّ جِلْدًا أَوْ يُصْلِحَ ثَوْبًا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نمازی دوران نماز میں اپنے جسم کے جس حصے سے چاہے مدد لے سکتا ہے۔ حضرت ابو اسحاق نے دوران نماز میں اپنی ٹوپی اتار کر رکھی اور پھر اسے اٹھا لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز میں اپنی ہتھیلی کو بائیں کلائی پر رکھے ہوتے الا یہ کہ بدن کو کھجلاتا یا کپڑا درست کرنا ہوتا۔

وضاحت : امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان کو مشروط ذکر کیا ہے کہ دوران نماز میں اپنے ہاتھ سے مدد لی جا سکتی ہے بشرطیکہ وہ کام نماز سے متعلق ہو لیکن اس سلسلے میں جو آثار پیش کیے ہیں ان میں اس شرط کا ذکر نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ان آثار میں اگرچہ "نماز سے متعلق" کی قید نہیں لیکن ان سے مراد یہی ہو گا کہ صرف نماز سے متعلق حرکت جائز ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا "نماز سے متعلق" کی شرط لگانے سے مقصود نماز کے متعلق غیر ضروری اور بے فائدہ کاموں کی نفی کرنا ہے کہ نماز سے متعلق ہر حرکت جائز نہیں بلکہ صرف وہ حرکت جائز ہے جو نماز کی درستی اور اصلاح کی خاطر ہو۔ نیز باب اور آثار میں تطبیق اس طرح بھی ممکن ہے کہ آثار میں مذکور امور بھی اصلاح نماز ہی سے متعلق ہیں کیونکہ نمازی کا خود سے کسی تکلیف دہ چیز کو دور کرنا خشوع کے لیے مددگار ہو سکتا ہے اور یہ خشوع ہی تو نماز کی روح ہے۔[1]

[1] فتح الباری : 94/3۔

١١٩٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ مَخْرَمَةَ بْنِ سُلَيْمَانَ، عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّهُ بَاتَ عِنْدَ مَيْمُونَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا - وَهِيَ خَالَتُهُ - قَالَ: فَاضْطَجَعْتُ عَلَى عَرْضِ الْوِسَادَةِ وَاضْطَجَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَهْلُهُ فِي طُولِهَا، فَنَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حَتَّى انْتَصَفَ اللَّيْلُ أَوْ قَبْلَهُ بِقَلِيلٍ أَوْ بَعْدَهُ بِقَلِيلٍ، ثُمَّ اسْتَيْقَظَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَجَلَسَ فَمَسَحَ النَّوْمَ عَنْ وَجْهِهِ بِيَدِهِ، ثُمَّ قَرَأَ الْعَشْرَ الْآيَاتِ خَوَاتِيمَ سُورَةِ آلِ عِمْرَانَ، ثُمَّ قَامَ إِلَى شَنٍّ مُعَلَّقَةٍ فَتَوَضَّأَ مِنْهَا فَأَحْسَنَ وُضُوءَهُ، ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي. قَالَ عَبْدُ اللهِ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: فَقُمْتُ فَصَنَعْتُ مِثْلَ مَا صَنَعَ، ثُمَّ ذَهَبْتُ فَقُمْتُ إِلَى جَنْبِهِ. فَوَضَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى رَأْسِي، وَأَخَذَ بِأُذُنِي الْيُمْنَى يَفْتِلُهَا بِيَدِهِ، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ أَوْتَرَ، ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتَّى جَاءَهُ الْمُؤَذِّنُ، فَقَامَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ، ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى الصُّبْحَ.

[راجع: ١١٧]

[1198] حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے ایک مرتبہ اپنی خالہ ام المومنین حضرت میمونہ ؓ کے ہاں رات بسر کی۔ انھوں نے فرمایا کہ میں سرہانے کے عرض پر لیٹ گیا جبکہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کی اہلیہ محترمہ اس کے طول میں آرام فرما ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ سو گئے حتی کہ جب آدھی رات ہوئی یا اس سے تھوڑا سا پہلے یا بعد تو پھر آپ بیدار ہوئے اور بیٹھ کر اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرۂ انور سے نیند کے اثرات دور کرنے لگے۔ پھر آپ نے سورۂ آل عمران کی آخری دس آیات کی تلاوت فرمائی۔ اس کے بعد آپ اٹھ کر لٹکتے ہوئے مشکیزے کے پاس گئے اور اس سے اچھی طرح وضو کیا، پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ میں بھی اٹھا اور اسی طرح کیا جس طرح رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا۔ پھر میں گیا اور آپ کے پہلو میں کھڑا ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ میرے سر پر رکھا اور میرا دایاں کان پکڑ کر اسے اپنے ہاتھ سے مروڑنے لگے۔ اس کے بعد آپ نے دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر دو، بعد ازاں دو، پھر دو، پھر دو رکعت ادا کیں، آخر میں پھر دو رکعت پڑھیں، اس کے بعد آپ نے وتر ادا کیے اور لیٹ گئے حتی کہ آپ کے پاس مؤذن آیا تو آپ اٹھے اور ہلکی سی دو رکعت ادا کیں، پھر باہر تشریف لے گئے اور صبح کی نماز پڑھائی۔

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابن عباس ؓ کے کان دو وجوہات کی بنا پر مروڑے: ایک تو انھیں مانوس کرنے کے لیے کیونکہ رات کا اندھیرا تھا، اس لیے محبت و شفقت سے کان کو پکڑا۔ دوسرا چونکہ وہ بائیں جانب کھڑے ہوئے تھے جبکہ مقتدی کا مقام امام کے دائیں طرف ہے، لہٰذا آپ نے اس امر کی اصلاح کے لیے کان مروڑا اور پیچھے سے گھما کر انھیں اپنی دائیں جانب کر لیا۔ جب نمازی کا دوسرے کی اصلاح کے لیے اپنے ہاتھ سے کام لینا درست ہے تو اپنی نماز درست رکھنے کے لیے

بطریق اولی دوران نماز ہاتھ سے کام لینا جائز ہوگا۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نماز کی مصلحت کے پیش نظر دوران نماز میں اپنے ہاتھ سے مدد لی جا سکتی ہے۔[1] ⑤ اگر کوئی نمازی اپنے موبائل فون کی گھنٹی بند کرنا بھول جائے اور دوران نماز میں گھنٹی بجنے لگے تو اسے اپنے ہاتھ سے بند کرنا جائز ہے کیونکہ اس کا جاری رہنا دوسرے نمازیوں کے لیے باعث تشویش ہوگا۔ جب نماز کی مصلحت کے پیش نظر دوران نماز اپنے ہاتھ سے کوئی بھی کام کیا جا سکتا ہے تو موبائل بند کر دینے میں چنداں حرج نہیں۔ واللہ أعلم. رسول اللہ ﷺ نے دوران نماز میں بچھو اور سانپ مارنے کی بھی اجازت دی ہے۔[2] نیز حضرت عائشہ ؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے اور گھر کا دروازہ بند تھا، میں آئی اور دروازہ کھٹکھٹایا تو رسول اللہ ﷺ نے دوران نماز میں چل کر دروازہ کھولا، پھر آپ اپنے مقام نماز پر واپس چلے گئے۔ حدیث میں وضاحت ہے کہ آپ کے گھر کا دروازہ قبلے کی جانب تھا۔[3]

(۲) بَابُ مَا يُنْهَى مِنَ الْكَلَامِ فِي الصَّلَاةِ

باب: 2- نماز میں کلام کرنے کی ممانعت

١١٩٩ - حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: كُنَّا نُسَلِّمُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ فَيَرُدُّ عَلَيْنَا، فَلَمَّا رَجَعْنَا مِنْ عِنْدِ النَّجَاشِيِّ سَلَّمْنَا عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْنَا، وَقَالَ: «إِنَّ فِي الصَّلَاةِ شُغْلًا». [انظر: ١٢١٦، ٣٨٧٥]

[1199] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ہم نبی ﷺ کو سلام کہتے جبکہ آپ نماز میں ہوتے تھے تو آپ ہمیں اس کا جواب دیتے تھے لیکن جب ہم نجاشی ؓ کے پاس سے واپس آئے تو ہم نے آپ کو (دوران نماز میں) سلام کہا تو آپ نے جواب نہ دیا اور فرمایا: ''بلاشبہ نماز میں مشغولیت ہوتی ہے۔''

حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ: حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ: حَدَّثَنَا هُرَيْمُ بْنُ سُفْيَانَ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ نَحْوَهُ.

ہریم بن سفیان نے بھی عبداللہ بن مسعود ؓ کی اس روایت کو اسی طرح بیان کیا ہے۔

فوائد و مسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ہمارے سلام کا جواب نہ دیا تو ہم نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہم پہلے آپ کو سلام کہتے تھے تو آپ اس کا جواب دیا کرتے تھے؟ تو آپ نے فرمایا: ''بلاشبہ نماز میں مشغولیت ہوتی ہے۔''[4] ابوداود کی روایت میں ہے: ''اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے نیا حکم دے دیتا ہے۔ اب اس نے نیا حکم دیا ہے کہ دوران نماز میں کلام مت کرو۔''[5] ② مسند ابی یعلیٰ میں ہے: ''جب تم نماز میں ہو تو فرماں بردار ہو اور کلام نہ کرو۔''[6] واضح رہے کہ حضرت

1 فتح الباري: 3/98. 2 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 921. 3 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 922. 4 صحيح البخاري، مناقب الأنصار، حديث: 3875. 5 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 924. 6 مسند أبي يعلى: 3/384.

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حبشہ سے ہجرت کر کے واپس مدینہ آ گئے تھے۔ ابتدائے اسلام میں دوران نماز گفتگو کرنا جائز تھا اور سلام وغیرہ کا جواب بھی دیا جاتا تھا، بالآخر آخری حکم نازل ہوا کہ دوران نماز سلام و کلام منع کر دیا گیا اور اشارے سے سلام کا جواب دینے کا کہا گیا۔

١٢٠٠ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى: أَخْبَرَنَا عِيسَى عَنْ إِسْمَاعِيلَ، عَنِ الْحَارِثِ بْنِ شُبَيْلٍ، عَنْ أَبِي عَمْرٍو الشَّيْبَانِيِّ قَالَ: قَالَ لِي زَيْدُ بْنُ أَرْقَمَ: إِنْ كُنَّا لَنَتَكَلَّمُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ، يُكَلِّمُ أَحَدُنَا صَاحِبَهُ بِحَاجَتِهِ حَتَّى نَزَلَتْ ﴿حَٰفِظُوا۟ عَلَى ٱلصَّلَوَٰتِ﴾ الْآيَةَ [البقرة ٢٣٨] فَأُمِرْنَا بِالسُّكُوتِ. [انظر: ٤٥٣٤]

[1200] حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی ﷺ کے عہد مبارک میں دوران نماز میں ایک دوسرے سے بات چیت کر لیتے تھے اور اپنی ضرورت و حاجت کو بھی ایک دوسرے سے بیان کر دیتے تھے حتی کہ یہ آیت نازل ہوئی: ﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوٰتِ﴾ "تمام نمازوں (بالخصوص درمیانی نماز) کی حفاظت کرو۔" اس کے بعد ہمیں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا (اور دوران نماز میں گفتگو کرنے سے بھی ہمیں منع کر دیا گیا)۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوران نماز گفتگو کرنے کی ممانعت مدینہ طیبہ میں ہوئی کیونکہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ انصاری ہیں اور وہ مدینہ منورہ میں مسلمان ہوئے تھے۔ اس حدیث میں جس آیت کا حوالہ ہے وہ بھی مدنی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی مدینہ منورہ ہی میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور سلام عرض کیا تھا جبکہ آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ ان سے مروی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "نماز میں اللہ کا ذکر ہونا چاہیے اس لیے اللہ کے حضور ادب سے کھڑے ہوا کرو۔" اس کے بعد ہمیں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا۔[1] اس روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ دوران نماز میں گفتگو کرنے کی حرمت اس آیت کریمہ سے ہوئی جو سورۂ بقرہ میں ہے۔ ② بھول کر یا عدم علم کی بنا پر دوران نماز میں گفتگو کرنا نماز کو باطل نہیں کرتا کیونکہ حدیث میں ہے: "اللہ تعالیٰ نے میری امت سے غلطی یا بھول کر کیے ہوئے گناہوں کو معاف کر دیا ہے۔"[2] نیز حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھ رہا تھا کہ اچانک ایک آدمی کو دوران نماز میں چھینک آئی تو میں نے نماز ہی میں یرحمك الله کہہ دیا۔ اس پر لوگوں نے مجھے گھور گھور کر دیکھنا شروع کر دیا۔ میں نے کہا: ہائے! میری ماں مجھے گم پائے، کیا بات ہے؟ تم مجھے غصے سے کیوں دیکھ رہے ہو؟ اس پر انھوں نے اپنی رانوں پر ہاتھ مارنا شروع کر دیے جس سے میں نے محسوس کیا کہ وہ مجھے خاموش کرانا چاہتے ہیں تو میں خاموش ہو گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! میں نے آپ سے پہلے اور آپ کے بعد کوئی ایسا معلم نہیں دیکھا جو تعلیم دینے میں آپ سے بہتر ہو، اللہ کی قسم! آپ نے مجھے ڈانٹا، نہ مارا اور نہ کرخت لہجہ ہی اختیار کیا بلکہ آپ نے نرمی سے فرمایا: "نماز میں انسانی گفتگو کی گنجائش نہیں بلکہ اس میں تو صرف تسبیح، تکبیر اور تلاوت قرآن ہونی چاہیے۔"[3]

---

1 فتح الباري: 87/3. 2 سنن ابن ماجه، الطلاق، حديث: 2043. 3 صحيح مسلم، المساجد، حديث: 1199 (537).

اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ جہالت کی وجہ سے اگر دوران نماز میں گفتگو ہو جائے تو اس سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ اگر ایسا ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اس شخص کو دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیتے لیکن آپ نے اسے صرف اس حکم سے آگاہ کرنے پر اکتفا کیا۔ واللہ أعلم۔

(۳) بَابُ مَا يَجُوزُ مِنَ التَّسْبِيحِ وَالْحَمْدِ فِي الصَّلَاةِ لِلرِّجَالِ

باب: 3- مردوں کے لیے دوران نماز میں سبحان اللہ اور الحمد للہ کہنا جائز ہے

١٢٠١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ سَهْلٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: «خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ يُصْلِحُ بَيْنَ بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ وَحَانَتِ الصَّلَاةُ، فَجَاءَ بِلَالٌ أَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَقَالَ: حُبِسَ النَّبِيُّ ﷺ فَتَؤُمُّ النَّاسَ؟ قَالَ: نَعَمْ، إِنْ شِئْتُمْ، فَأَقَامَ بِلَالٌ الصَّلَاةَ فَتَقَدَّمَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَصَلَّى، فَجَاءَ النَّبِيُّ ﷺ يَمْشِي فِي الصُّفُوفِ يَشُقُّهَا شَقًّا حَتَّى قَامَ فِي الصَّفِّ الْأَوَّلِ، فَأَخَذَ النَّاسُ بِالتَّصْفِيحِ - قَالَ سَهْلٌ: هَلْ تَدْرُونَ مَا التَّصْفِيحُ؟ هُوَ التَّصْفِيقُ - وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ لَا يَلْتَفِتُ فِي صَلَاتِهِ، فَلَمَّا أَكْثَرُوا الْتَفَتَ، فَإِذَا النَّبِيُّ ﷺ فِي الصَّفِّ، فَأَشَارَ إِلَيْهِ: مَكَانَكَ، فَرَفَعَ أَبُو بَكْرٍ يَدَيْهِ فَحَمِدَ اللهَ ثُمَّ رَجَعَ الْقَهْقَرَى وَرَاءَهُ وَتَقَدَّمَ النَّبِيُّ ﷺ فَصَلَّى». [راجع: ٦٨٤]

[1201] حضرت سہل بن سعد ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ قبیلہ بنو عمرو بن عوف میں صلح کرانے کے لیے تشریف لے گئے۔ اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا تو حضرت بلال ؓ سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کے پاس آئے اور عرض کیا: نبی ﷺ کسی وجہ سے تشریف نہیں لا سکے، لہذا آپ لوگوں کی امامت کریں۔ انھوں نے فرمایا: ہاں! اگر تم چاہو تو میں تیار ہوں، چنانچہ حضرت بلال ؓ نے تکبیر کہی اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ آگے بڑھ کر نماز پڑھانے لگے۔ اچانک نبی ﷺ دوسری صفوں سے گزرتے ہوئے پہلی صف میں آ کر کھڑے ہو گئے۔ لوگوں نے تالیاں بجانا شروع کر دیں۔ حضرت سہل ؓ نے فرمایا: جانتے ہو تصفیح کیا ہے؟ تصفیح تالیاں بجانا ہے۔ حضرت ابوبکر ؓ دوران نماز میں ادھر ادھر بالکل نہیں دیکھا کرتے تھے۔ جب لوگوں نے کثرت سے تالیاں پیٹنا شروع کیں تو متوجہ ہوئے، دیکھتے ہیں کہ نبی ﷺ صف میں کھڑے ہیں۔ آپ نے حضرت ابوبکر ؓ کو اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ پر رہو لیکن حضرت ابوبکر ؓ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر الحمد للہ کہا، پھر الٹے پاؤں پیچھے ہو گئے۔ اس کے بعد نبی ﷺ نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی۔

فوائد و مسائل: ① نماز کا اول وقت نکلنے کے خدشے اور امام کی عدم دستیابی کے پیش نظر مقتدیوں میں سے صاحب علم و فضل آدمی جماعت کروا سکتا ہے جیسا کہ اس حدیث میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا عمل موجود ہے۔ ② "حضرت ابوبکر دوران نماز میں

ادھر ادھر بالکل نہیں دیکھتے تھے" سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ نماز کامل توجہ اور حضور قلب سے پڑھنی چاہیے۔ ③ اس روایت میں دوران نماز صرف الحمد للہ کہنے کا ذکر ہے، سبحان اللہ کہنا اگرچہ اس روایت میں نہیں، لیکن امام بخاری ؒ نے خود ہی اس روایت کو دوسرے مقام پر تفصیل سے بیان کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: "اے لوگو! تمھیں کیا ہو گیا، جب تمھیں نماز میں کوئی ماجرا پیش آتا ہے تو تالیاں بجانا شروع کر دیتے ہو، یہ کام تو صرف عورتوں کے لیے ہے، لہٰذا جس کسی کو دوران نماز میں کوئی ماجرا پیش آئے تو وہ سبحان اللہ کہے۔"[1] اس روایت سے دوران نماز میں سبحان اللہ کہنے کا جواز معلوم ہوا۔ ایسا کرنے سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آتی اگرچہ سبحان اللہ کہنے سے دوسروں کو متوجہ کرنا مقصود ہو۔ ④ اس روایت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ایسے حالات میں عورتوں کو تالی بجانی چاہیے جیسا کہ امام بخاری ؒ خود اس کے متعلق ایک مستقل عنوان قائم کریں گے۔[2]

(٤) بَابُ مَنْ سَمَّى قَوْمًا أَوْ سَلَّمَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى غَيْرِهِ وَهُوَ لَا يَعْلَمُ

باب: 4- جس نے دوران نماز میں کسی کا نام لیا یا کسی کو سلام کیا جبکہ اسے علم نہیں

وضاحت: اس عنوان سے امام بخاری ؒ کا مقصد یہ ہے کہ اس طرح نام لینے یا سلام کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ دوران نماز میں، نمازی اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ کہتا ہے لیکن نمازی آپ کو مخاطب نہیں کرتا اور نہ براہ راست رسول اللہ ﷺ ہی کو اس کی خبر ہوتی ہے جب تک فرشتے آپ کو آگاہ نہیں کرتے۔ تو ایسا کرنے سے نماز میں کوئی خلل نہیں آتا لیکن امام بخاری ؒ نے اس کی صراحت نہیں کی۔

١٢٠٢ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عِيسَى: حَدَّثَنَا أَبُو عَبْدِ الصَّمَدِ عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ الصَّمَدِ: حَدَّثَنَا حُصَيْنُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا نَقُولُ التَّحِيَّةَ فِي الصَّلَاةِ وَنُسَمِّي وَيُسَلِّمُ بَعْضُنَا عَلَى بَعْضٍ، فَسَمِعَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «قُولُوا: اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ، وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَأَشْهَدُ

[1202] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ہم لوگ نماز میں سلام کرتے اور ایک دوسرے کا نام لیتے تھے، علاوہ ازیں ایک شخص دوسرے کو سلام بھی کہہ لیتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: "اس طرح کہا کرو: ہر قسم کی زبانی، بدنی اور مالی عبادات صرف اللہ کے لیے ہیں۔ اے نبی! آپ پر سلام، نیز اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں آپ پر نازل ہوں۔ ہم پر سلامتی ہو اور اللہ کے نیک بندوں پر بھی۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، نیز گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں۔" جب تم

---

1. صحيح البخاري، العمل في الصلاة، حديث: 1218. 2. فتح الباري: 3/99.

أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، فَإِنَّكُمْ إِذَا فَعَلْتُمْ ذٰلِكَ فَقَدْ سَلَّمْتُمْ عَلٰى كُلِّ عَبْدٍ لِلّٰهِ صَالِحٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ». [راجع: ٨٣١]

نے یہ پڑھ لیا تو یقیناً تم نے اللہ کے ان تمام نیک بندوں کو سلام پہنچا دیا جو زمین و آسمان میں ہیں۔"

فوائد و مسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تو یوں کہا کرتے تھے کہ حضرت جبریل اور حضرت میکائیل پر سلامتی ہو، فلاں اور فلاں پر سلامتی ہو، اس پر رسول اللہ ﷺ نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: "اللہ تعالیٰ تو سراپا سلام ہے۔ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو یہ پڑھے: [التحيات لله، و الصلوات ــــ]"[1] ایک روایت میں ہے کہ ہم اس طرح کہتے تھے: اللہ پر اس کے بندوں کی طرف سے سلامتی ہو، اس پر رسول اللہ ﷺ نے تنبیہ فرمائی۔[2] ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس عنوان سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک دوران نماز کسی کا نام لینے یا کسی کو سلام کرنے سے نماز باطل نہیں ہوتی لیکن امام بخاری نے جواز کے جواز یا بطلان کی صراحت نہیں کی۔ انھوں نے معاملہ مشتبہ ہونے کی وجہ سے اس پر صریح حکم نہیں لگایا۔[3] ہمارے نزدیک اگر کوئی شخص ناواقفی کی وجہ سے ایسا کرتا ہے تو اس کی نماز باطل نہیں ہوگی لیکن دیدہ دانستہ ایسا کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تو ایسا اس لیے کرتے تھے کہ پہلے ایسا کرنا مشروع اور ثابت تھا، پھر جب رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرما دیا اور التحیات پڑھنے کا حکم دیا تو اس کا جواز ختم ہو گیا، لہٰذا اب کسی کو اجازت نہیں کہ وہ کسی کا نام لے کر دوران نماز میں سلام کہے۔ واللہ أعلم۔

(٥) بَابٌ: اَلتَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ

باب: 5- (دوران نماز) تالی بجانا صرف عورتوں کے لیے ہے

١٢٠٣ – حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اَلتَّسْبِيحُ لِلرِّجَالِ وَالتَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ».

[1203] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "(نماز میں اگر کوئی حادثہ پیش آ جائے تو) مردوں کے لیے سبحان اللہ کہنا اور عورتوں کے لیے تالی بجانا ہے۔"

١٢٠٤ – حَدَّثَنَا يَحْيَى: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اَلتَّسْبِيحُ لِلرِّجَالِ وَالتَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ». [راجع: ٦٨٤]

[1204] حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: "مردوں کے لیے سبحان اللہ کہنا اور عورتوں کے لیے تالی بجانا ہے۔"

فوائد و مسائل: ① اگر دوران نماز میں کوئی حادثہ پیش آ جائے تو امام کو متنبہ کرنے کے لیے مردوں کو چاہیے کہ وہ سبحان اللہ

1 صحيح البخاري، الأذان، حديث: 831. 2 صحيح البخاري، الأذان، حديث: 835. 3 فتح الباري: 100/3.

نہیں اور عورتیں اپنے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر ماریں۔ وہ زبان سے سبحان اللہ نہ کہیں کیونکہ عورت کی آواز فتنے سے خالی نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ عورت کو کھلے عام اذان اور اقامت کہنے کی ممانعت ہے۔[1] ② اگر کسی مرد کو مسئلے کا علم نہ ہو اور وہ امام کو متنبہ کرنے کے لیے تالی بجادے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان صحابۂ کرام ؓ کو نماز دوبارہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا جنھوں نے نادانستہ طور پر دوران نماز میں تالیاں بجائی تھیں، بلکہ آپ نے صرف انھیں شریعت کے حکم سے آگاہ فرمایا۔ اگر کوئی عورت کھیل کے طور پر دوران نماز میں تالی بجاتی ہے تو اس کی نماز باطل ہے کیونکہ اس نے نماز کو کھیل اور تماشا بنایا ہے۔ واللہ أعلم۔

(٦) بَابُ مَنْ رَجَعَ الْقَهْقَرٰى فِي الصَّلَاةِ أَوْ تَقَدَّمَ بِأَمْرٍ يَنْزِلُ بِهِ

باب: 6- جو کوئی دوران نماز میں، درپیش حادثے کی بنا پر پیچھے ہٹا یا آگے بڑھا

رَوَاهُ سَهْلُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

اس بات کو حضرت سہل بن سعد ؓ نے نبی ﷺ سے بیان کیا ہے

وضاحت: حضرت سہل بن سعد ؓ کی روایت کو امام بخاری ؒ نے متصل سند سے بیان کیا ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ کے منبر پر نماز پڑھنے کا ذکر ہے کہ آپ سجدہ کرنے کے لیے پیچھے ہٹے اور سجدے سے فراغت کے بعد آگے بڑھے اور منبر پر تشریف فرما ہوئے۔[2] ممکن ہے کہ اس سے مراد وہ حدیث ہو جس میں حضرت ابوبکر ؓ کے نماز پڑھانے کا ذکر ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ کسی قبیلے کی صلح کے لیے باہر تشریف لے گئے تھے۔ اس حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لائے تو حضرت ابوبکر ؓ پیچھے ہٹے اور رسول اللہ ﷺ آگے بڑھے۔

١٢٠٥ – حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ، قَالَ يُونُسُ: قَالَ الزُّهْرِيُّ: أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ: أَنَّ الْمُسْلِمِينَ بَيْنَمَا هُمْ فِي الْفَجْرِ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ وَأَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يُصَلِّي بِهِمْ، فَفَجَأَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ وَقَدْ كَشَفَ سِتْرَ حُجْرَةِ عَائِشَةَ فَنَظَرَ إِلَيْهِمْ وَهُمْ صُفُوفٌ فَتَبَسَّمَ يَضْحَكُ، فَنَكَصَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَلَى عَقِبَيْهِ وَظَنَّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ يُرِيدُ أَنْ يَخْرُجَ إِلَى الصَّلَاةِ، وَهَمَّ الْمُسْلِمُونَ أَنْ يَفْتَتِنُوا

[1205] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ لوگ پیر کے دن نماز فجر میں مشغول تھے۔ حضرت ابوبکر ؓ انھیں نماز پڑھا رہے تھے۔ اچانک نبی ﷺ نے حضرت عائشہ ؓ کے حجرے سے پردہ اٹھایا اور لوگوں کی طرف دیکھا جبکہ وہ نماز میں صف بستہ تھے۔ آپ مسکرائے ہوئے ہنسے۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت ابوبکر ؓ اپنی ایڑیوں کے بل پیچھے واپس ہوئے اور یہ خیال کیا کہ شاید رسول اللہ ﷺ نماز کے لیے تشریف لانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ مسلمانوں نے جب نبی ﷺ کو دیکھا تو اس قدر خوش ہوئے کہ نماز ہی کو توڑ ڈالنے

1. صحيح البخاري، الصلاة، حديث: 377. 2. صحيح البخاري، العمل في الصلاة، حديث: 1201.

فِي صَلَاتِهِمْ فَرَحًا بِالنَّبِيِّ ﷺ حِينَ رَأَوْهُ، فَأَشَارَ بِيَدِهِ أَنْ أَتِمُّوا، ثُمَّ دَخَلَ الْحُجْرَةَ وَأَرْخَى السِّتْرَ وَتُوُفِّيَ ذَلِكَ الْيَوْمَ. [راجع: ٦٨٠]

کا ارادہ کر لیا لیکن رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اشارہ فرمایا کہ نماز کو پورا کرو، پھر حجرے میں تشریف لے گئے اور پردہ لٹکا دیا اور اسی روز اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی حادثے کی وجہ سے دوران نماز میں پیچھے ہٹنے یا آگے بڑھنے سے نماز باطل نہیں ہوتی کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر پہلے پیچھے ہٹے، پھر آپ کا اشارہ ملا تو آگے بڑھ کر نماز کو پورا کیا۔ لیکن یہ عمل کثیر تعداد میں نہیں ہونا چاہیے جیسا کہ حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ بعض اوقات نماز پڑھ رہے ہوتے اور دروازہ بند ہوتا، میں اسے کھٹکھٹاتی تو آپ چل کر دروازہ کھولتے، پھر اپنی نماز گاہ کی طرف لوٹ جاتے۔[1]

(٧) بَابٌ: إِذَا دَعَتِ الْأُمُّ وَلَدَهَا فِي الصَّلَاةِ

باب: 7- نماز پڑھتے ہوئے بیٹے کو اگر اس کی والدہ آواز دے

١٢٠٦ - وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي جَعْفَرٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزَ قَالَ: قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «نَادَتِ امْرَأَةٌ ابْنَهَا وَهُوَ فِي صَوْمَعَةٍ قَالَتْ: يَا جُرَيْجُ! فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ أُمِّي وَصَلَاتِي، قَالَتْ: يَا جُرَيْجُ! قَالَ: اَللّٰهُمَّ أُمِّي وَصَلَاتِي، قَالَتْ: يَا جُرَيْجُ! قَالَ: اَللّٰهُمَّ أُمِّي وَصَلَاتِي، قَالَتْ: اَللّٰهُمَّ لَا يَمُوتُ جُرَيْجٌ حَتّٰى يَنْظُرَ فِي وَجْهِ الْمَيَامِيسِ، وَكَانَتْ تَأْوِي إِلٰى صَوْمَعَتِهِ رَاعِيَةٌ تَرْعَى الْغَنَمَ فَوَلَدَتْ، فَقِيلَ لَهَا: مِمَّنْ هٰذَا الْوَلَدُ؟ قَالَتْ: مِنْ جُرَيْجٍ نَزَلَ مِنْ صَوْمَعَتِهِ. قَالَ جُرَيْجٌ: أَيْنَ هٰذِهِ الَّتِي تَزْعُمُ أَنَّ وَلَدَهَا لِي؟ قَالَ: يَا بَابُوسُ! مَنْ أَبُوكَ؟ قَالَ: رَاعِي الْغَنَمِ». [انظر: ٢٤٨٢، ٣٤٣٦، ٣٤٦٦]

[1206] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ایک عورت نے اپنے بیٹے کو آواز دی جبکہ وہ اپنے عبادت خانے میں (مصروف عبادت) تھا۔ اس نے کہا: اے جریج! جریج نے (دل میں) کہا: اے اللہ! ایک طرف میری والدہ ہے، دوسری طرف میری نماز ہے۔ وہ پھر بولی: اے جریج! جریج کو یا ہوا: یا اللہ! میری والدہ اور میری نماز، میں کسے اختیار کروں۔ اس عورت نے تیسری مرتبہ پکارا: اے جریج! اس نے پھر وہی کہا: یااللہ! ادھر میری والدہ ہے ادھر میری نماز ہے۔ (بہرحال اس نے نماز کو نہ چھوڑا تو) ماں نے بددعا کی: اے اللہ! جریج کو موت نہ آئے جب تک وہ بدمعاش عورتوں کا منہ دیکھ لے، چنانچہ اس کے عبادت خانے کے پاس ایک بکریاں چرانے والی عورت ٹھہرا کرتی تھی۔ اس نے ایک بچے کو جنم دیا تو اس سے کہا گیا: یہ بچہ کس شخص کا ہے؟ وہ کہنے لگی: (نومولود) جریج سے ہے۔ وہ یہ الزام سن کر اپنے

[1] سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 922.

عبادت خانے سے نیچے اترا اور کہنے لگا: وہ عورت کہاں ہے جو دعویٰ کرتی ہے کہ یہ بچہ مجھ سے ہے؟ جریج نے بچے کو مخاطب کر کے کہا: اے شیر خوار! تیرا باپ کون ہے؟ اس نے کہا: میرا باپ بکریاں چرانے والا ایک گڈریا ہے۔"

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان اور حدیث سے یہ ثابت کیا ہے کہ جب کئی متعارض امور جمع ہو جائیں تو اہم اور ضروری امر کو اختیار کرنا چاہیے۔ حضرت جریج کو چاہیے تھا کہ وہ نماز کو مختصر یا ختم کر کے اپنی والدہ کی آواز پر لبیک کہتے۔ انھوں نے اس امر میں کوتاہی کی تو ان کی والدہ کی بددعا مؤثر ثابت ہوئی۔ نماز تو بعد میں بھی ادا ہو سکتی تھی لیکن ماں کی مامتا کو اولین ترجیح دینا ضروری تھا۔ چونکہ ان پر جو الزام لگا وہ بھی انتہائی سنگین تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اس کی براءت کا سبب پیدا فرمایا۔ جب نومولود بچے نے ان کے پاک دامن ہونے کی شہادت دی تو معلوم ہوا کہ وہ حق و صداقت کے پیکر تھے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان اور حدیث سے قطعاً یہ استدلال نہیں کیا کہ دوران نماز میں گفتگو کرنا مباح ہے جبکہ خود امام بخاری رحمہ اللہ اس کے ممنوع ہونے پر ایک عنوان قائم کر چکے ہیں۔[1] رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت ہے کہ اگر آپ کسی انسان کو آواز دیں جبکہ وہ نماز پڑھ رہا ہو تو اس پر لازم ہے کہ نماز توڑ کر آپ کی آواز پر لبیک کہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔[2] اس مقام پر دو مسئلے ہیں جن میں اختلاف ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس اختلاف کی وجہ سے دوٹوک فیصلہ نہیں کیا۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ ایسے حالات میں ماں کی پکار پر لبیک کہنا ضروری ہے یا نہیں؟ دوسرا مسئلہ اگر لبیک کہنا ضروری ہے تو اس سے نماز باطل ہوتی یا نہیں؟[3] اس حدیث کے متعلق دیگر مباحث ہم صحیح البخاري، أحاديث الأنبياء، حدیث: 3436 کے تحت ذکر کریں گے۔

(٨) بَابُ مَسْحِ الْحَصَى فِي الصَّلَاةِ

باب: 8- دوران نماز میں کنکریاں ہٹانا

١٢٠٧ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ: حَدَّثَنِي مُعَيْقِيبٌ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ فِي الرَّجُلِ يُسَوِّي التُّرَابَ حَيْثُ يَسْجُدُ، قَالَ: «إِنْ كُنْتَ فَاعِلًا فَوَاحِدَةً».

[1207] حضرت معیقیب ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا جو دوران نماز میں سجدے کی جگہ پر مٹی ہموار کر رہا تھا: "اگر تم یہ کرنا ہی چاہتے ہو تو ایک دفعہ کر لو (اس سے زیادہ نہ کرو)۔"

فوائد و مسائل: ① ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی نماز ادا کر رہا ہو تو سجدہ گاہ سے کنکریوں کو مت ہٹائے کیونکہ اس وقت رحمت الٰہی اس کے سامنے ہوتی ہے۔"[4] لیکن اگر کنکریاں تکلیف کا باعث ہوں تو

① صحيح البخاري، العمل في الصلاة، باب: 2. ② صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4647. ③ فتح الباري: 102/3.
④ سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 945.

ایک مرتبہ انھیں دور کر دیا جائے، بار بار اس عمل کو دہرانا صحیح نہیں۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''اگر کنکریاں ہٹانا ضروری ہو تو ایک مرتبہ ہٹا لو یا انھیں پڑا رہنے دو۔''[1] اگرچہ اس حدیث کو بعض معاصرین نے کمزور کہا ہے تاہم یہ اس بنا پر قابل حجت ہے کہ مذکورہ صحیح بخاری کی حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ حدیث میں بار بار کنکریوں کو ہٹانے سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ نماز کے وقت اللہ کی رحمت نمازی کے روبرو ہوتی ہے، اس لیے توجہ ہٹا کر کنکریوں کو بار بار ہموار کرنا گویا اللہ کی رحمت سے روگردانی کرنا ہے۔ ② عنوان میں کنکریوں کا ذکر ہے جبکہ حدیث میں تراب، یعنی مٹی کے الفاظ ہیں، چونکہ مٹی میں عموماً کنکریاں ہوتی ہیں، اس لیے ظن غالب کی بنیاد پر اس حدیث سے عنوان ثابت ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے کنکریوں اور مٹی دونوں کے لیے ایک حکم ہونے کی تنبیہ فرمائی ہو، نیز صحیح مسلم کی روایت میں کنکریوں کے الفاظ بھی ہیں۔[2]

(۹) بَابُ بَسْطِ الثَّوْبِ فِي الصَّلَاةِ لِلسُّجُودِ

باب: 9- دوران نماز میں سجدے کے لیے کپڑا بچھانا

١٢٠٨ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا بِشْرٌ: حَدَّثَنَا غَالِبٌ عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا نُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي شِدَّةِ الْحَرِّ فَإِذَا لَمْ يَسْتَطِعْ أَحَدُنَا أَنْ يُمَكِّنَ وَجْهَهُ مِنَ الْأَرْضِ بَسَطَ ثَوْبَهُ فَسَجَدَ عَلَيْهِ.

[راجع: ٣٨٥]

[1208] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ہم سخت گرمی میں نبی ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھتے تھے۔ جب ہم میں سے کسی کو زمین پر اپنا چہرہ رکھنے کی ہمت نہ ہوتی تو وہ اپنا کپڑا بچھا کر اس پر سجدہ کر لیتا تھا۔

فوائد و مسائل: ① ابتدائی دور میں مسجد نبوی ایک چھپر کی شکل میں تھی جس میں بارش اور دھوپ کا پورا اثر ہوا کرتا تھا، اس لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سخت گرمی کے دنوں میں دوران نماز سجدہ کرتے وقت اپنا کپڑا زمین پر بچھا لیتے اور اس پر سجدہ کرتے تھے۔ اب بھی کہیں ایسا موقع ہو تو کپڑا بچھا کر اس پر سجدہ کرنا جائز ہے قطع نظر اس سے کہ وہ کپڑا جسم پر پہن رکھا ہو یا الگ سے کوئی کپڑا ہو۔ ② یہ بھی معلوم ہوا کہ اس قسم کا قلیل عمل نماز پر اثر انداز نہیں ہوتا۔[3] امام بخاری رحمہ اللہ نے قبل ازیں اس حدیث پر بایں الفاظ عنوان قائم کیا تھا: (بَابُ السُّجُودِ عَلَى الثَّوْبِ فِي شِدَّةِ الْحَرِّ) ''سخت گرمی میں کپڑے پر سجدہ کرنا۔'' وہاں ہم نے اس کے متعلق تفصیل سے گفتگو کی تھی۔[4]

(۱۰) بَابُ مَا يَجُوزُ مِنَ الْعَمَلِ فِي الصَّلَاةِ

باب: 10- دوران نماز میں کون کون سے کام عمل میں لانا جائز ہیں؟

---

1 مسند أحمد: 163/5۔ 2 صحيح مسلم، المساجد، حديث: 1219(546)۔ 3 فتح الباري: 103/3۔ 4 فتح الباري: 104/3۔ 5 صحيح البخاري، الصلاة، حديث: 385۔

أَنَّهُ غَدًا قَالَ بِتَشْدِيدِ الْعَيْنِ وَالتَّاءِ. [راجع: ١٢١٠]

دعتہ اللہ کے اس قول سے ماخوذ ہے: ﴿يَوْمَ يُدَعُّونَ﴾ "قیامت کے دن وہ دوزخ کی طرف دھکیل دیے جائیں گے۔" لیکن پہلا لفظ ہی درست ہے، البتہ راوی حدیث شعبہ نے اسے عین اور تاء کی تشدید کے ساتھ بیان کیا ہے۔

فوائد و مسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ شیطان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سائے سے بھی دم دبا کر بھاگ جاتا ہے۔ جب شیطان حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ڈرتا ہے تو رسول اللہ ﷺ پر حملہ آور کیوں ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چور، ڈاکو اور بدمعاش پولیس سے زیادہ ڈرتے ہیں لیکن حاکم وقت سے خوفزدہ نہیں ہوتے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ بادشاہ کو ہم پر رحم آ جائے گا۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ پولیس، بادشاہ سے زیادہ مقام رکھتی ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے یہ ثابت کیا ہے کہ دوران نماز میں دشمن کو دھکا دینا، اسے پکڑنا اس سے نماز خراب نہیں ہوتی۔ اسی طرح دوران نماز میں جوتیاں اتارنا، جمائی روکنا، بچے کا کمر پر سوار ہونا، تھوک کو جوتے سے ملنا، سانپ اور بچھو کو مارنا، تھوکنا، بچہ اٹھا کر نماز پڑھنا، بہت زیادہ رونا اور کھنکارنا اس سے نماز خراب نہیں ہوتی۔ یہ تمام امور صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔

(١١) بَابٌ: إِذَا انْفَلَتَتِ الدَّابَّةُ فِي الصَّلَاةِ

باب: 11- اگر دوران نماز کسی کی سواری بھاگ پڑے

وَقَالَ قَتَادَةُ: إِنْ أُخِذَ ثَوْبُهُ يَتْبَعُ السَّارِقَ وَيَدَعُ الصَّلَاةَ.

حضرت قتادہ نے کہا: اگر کسی کا کپڑا چوری ہو جائے تو اسے چاہیے کہ چور کا پیچھا کرے اور نماز چھوڑ دے۔

وضاحت: اس اثر کو مصنف عبدالرزاق میں متصل سند سے بیان کیا گیا ہے۔ اس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اگر دوران نماز بچے کو دیکھے جو کنویں کے کنارے پر کھڑا ہے اور اس کے گرنے کا اندیشہ ہے تو نماز چھوڑ کر اسے بچانے کی فکر کرے۔[1]

١٢١١ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَزْرَقُ بْنُ قَيْسٍ: كُنَّا بِالْأَهْوَازِ نُقَاتِلُ الْحَرُورِيَّةَ فَبَيْنَا أَنَا عَلَى جُرُفِ نَهْرٍ إِذَا رَجُلٌ يُصَلِّي وَإِذَا لِجَامُ دَابَّتِهِ بِيَدِهِ فَجَعَلَتِ الدَّابَّةُ تُنَازِعُهُ، وَجَعَلَ يَتْبَعُهَا. قَالَ شُعْبَةُ: هُوَ أَبُو بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيُّ، فَجَعَلَ رَجُلٌ مِنَ الْخَوَارِجِ يَقُولُ: اَللّٰهُمَّ افْعَلْ بِهٰذَا الشَّيْخِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ الشَّيْخُ قَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ قَوْلَكُمْ، وَإِنِّي غَزَوْتُ

[1211] حضرت ازرق بن قیس سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم علاقہ اہواز میں خارجیوں سے مصروف جنگ تھے۔ میں نہر کے کنارے پر کھڑا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک آدمی اپنی سواری کی لگام ہاتھ میں تھامے نماز پڑھ رہا ہے۔ دریں اثنا اس کی سواری شوخی کرنے لگی تو وہ بھی اس کے پیچھے ہو لیے۔ شعبہ نے کہا: وہ شخص حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ تھے۔ انھیں دیکھ کر خارجیوں میں سے ایک آدمی نے کہا: اے اللہ! تو اس بوڑھے کو ایسا ایسا کر دے۔ جب شیخ محترم

[1] المصنف لعبدالرزاق: 262/2، و فتح الباري: 106/3.

أَنَّهُ تَعْنًا قَالَ بِتَشْدِيدِ الْعَيْنِ وَالتَّاءِ. [راجع: ٤٦١]

دعتہ اللہ کے اس قول سے ماخوذ ہے: ﴿يَوْمَ يُدَعُّونَ﴾ "قیامت کے دن وہ دوزخ کی طرف دھکیل دیے جائیں گے۔" لیکن پہلا لفظ ہی درست ہے، البتہ راوی حدیث شعبہ نے اسے عین اور تا کی تشدید کے ساتھ بیان کیا ہے۔

فوائد و مسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ شیطان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سائے سے بھی دم دبا کر بھاگ جاتا ہے۔ جب شیطان حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ڈرتا ہے تو رسول اللہ ﷺ پر حملہ آور کیوں ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چور، ڈاکو اور بدمعاش پولیس سے زیادہ ڈرتے ہیں لیکن حاکم وقت سے خوفزدہ نہیں ہوتے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ بادشاہ کو ہم پر رحم آ جائے گا۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ پولیس، بادشاہ سے زیادہ مقام رکھتی ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے یہ ثابت کیا ہے کہ دوران نماز میں دشمن کو دھکا دینا، اسے پکڑنا اس سے نماز خراب نہیں ہوتی۔ اسی طرح دوران نماز میں جوتیاں اتارنا، جمائی روکنا، بچے کا کمر پر سوار ہونا، تھوک کو جوتے سے ملنا، سانپ اور بچھو کو مارنا، تھوکنا، بچہ اٹھا کر نماز پڑھنا، بہت زیادہ رونا اور چھنکارنا اس سے نماز خراب نہیں ہوتی۔ یہ تمام امور صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔

(١١) بَابٌ: إِذَا انْفَلَتَتِ الدَّابَّةُ فِي الصَّلَاةِ

باب: 11- اگر دوران نماز کسی کی سواری بھاگ پڑے

وَقَالَ قَتَادَةُ: إِنْ أُخِذَ ثَوْبُهُ يَتْبَعُ السَّارِقَ وَيَدَعُ الصَّلَاةَ.

حضرت قتادہ نے کہا: اگر کسی کا کپڑا اچک لیا جائے تو اسے چاہیے کہ چور کا پیچھا کرے اور نماز چھوڑ دے۔

وضاحت: اس اثر کو مصنف عبدالرزاق میں متصل سند سے بیان کیا گیا ہے۔ اس میں یہ الفاظ بھی ہیں: اگر دوران نماز بچے کو دیکھے جو کنویں کے کنارے پر کھڑا ہے اور اس کے گرنے کا اندیشہ ہے تو نماز چھوڑ کر اسے بچانے کی فکر کرے۔[1]

١٢١١ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَزْرَقُ بْنُ قَيْسٍ: كُنَّا بِالْأَهْوَازِ نُقَاتِلُ الْحَرُورِيَّةَ فَبَيْنَا أَنَا عَلَى جُرُفِ نَهْرٍ إِذَا رَجُلٌ يُصَلِّي وَإِذَا لِجَامُ دَابَّتِهِ بِيَدِهِ فَجَعَلَتِ الدَّابَّةُ تُنَازِعُهُ، وَجَعَلَ يَتْبَعُهَا - قَالَ شُعْبَةُ: هُوَ أَبُو بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيُّ - فَجَعَلَ رَجُلٌ مِنَ الْخَوَارِجِ يَقُولُ: اللَّهُمَّ افْعَلْ بِهٰذَا الشَّيْخِ. فَلَمَّا انْصَرَفَ الشَّيْخُ قَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ قَوْلَكُمْ، وَإِنِّي غَزَوْتُ

[1211] حضرت ازرق بن قیس سے روایت ہے، انہوں نے کہا: ہم علاقہ اہواز میں خارجیوں سے معروف جنگ تھے۔ میں نہر کے کنارے پر کھڑا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک آدمی اپنی سواری کی لگام ہاتھ میں تھامے نماز پڑھ رہا ہے۔ دریں اثنا اس کی سواری شوخی کرنے لگی تو وہ بھی اس کے پیچھے ہو لیا۔ شعبہ نے کہا: وہ شخص حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ تھے۔ انہیں دیکھ کر خارجیوں میں سے ایک آدمی نے کہا: اے اللہ! تو اس بوڑھے کو ایسا ایسا کر دے۔ جب شیخ محترم

[1] المصنف لعبدالرزاق: 262/2، و فتح الباري: 106/3.

مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ سِتَّ غَزَوَاتٍ أَوْ سَبْعَ غَزَوَاتٍ أَوْ ثَمَانِيًا وَشَهِدْتُ تَيْسِيرَهُ، وَإِنِّي إِنْ كُنْتُ أَنْ أَرْجِعَ مَعَ دَابَّتِي أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَدَعَهَا تَرْجِعُ إِلَى مَأْلَفِهَا فَيَشُقَّ عَلَيَّ». [انظر: ٦١٢٧]

نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: میں نے تمھاری بات سن لی ہے۔ دراصل میں نے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ چھ سات یا آٹھ جنگوں میں شرکت کی ہے۔ میں نے لوگوں پر آپ کی طرف سے سہولت اور آسانی کو دیکھا ہے، اس لیے مجھے اپنی سواری کے ہمراہ رہنا اس بات سے زیادہ پسند ہے کہ میں اسے چھوڑ دوں اور وہ اپنے اصطبل میں چلی جائے، پھر مجھے تکلیف ہو۔

فوائد و مسائل: ① یہ واقعہ 65 ہجری میں پیش آیا جبکہ خوارج نے نافع بن ازرق کی سرکردگی میں اہل بصرہ کا محاصرہ کر لیا تھا۔ حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ دریائے دجیل کے کنارے نماز عصر پڑھ رہے تھے اور دوران نماز میں ان کی سواری بدکی اور قبلے کی جانب چلنے لگی۔ حضرت ابوبرزہ بھی اس کے ساتھ ہو لیے۔ آخر کار اسے ساتھ لے کر الٹے پاؤں واپس آ گئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنی نماز جاری رکھی تھی ورنہ وہ الٹے پاؤں واپس آنے کا تکلف نہ کرتے۔ اس واقعے سے ان لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو اس سلسلے میں سختی کرتے اور کہتے ہیں کہ ایسے حالات میں جانور کو چھوڑ دینا چاہیے لیکن اپنی نماز کو قطع نہ کیا جائے۔ اس سے فقہاء نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ اگر کسی کو اپنے مال و اسباب کے تلف ہونے کا اندیشہ ہو تو نماز قطع کرنا جائز ہے۔[1] ② ابن بطال نے کہا ہے کہ دوران نماز میں اگر کسی کی سواری دوڑ جائے تو وہ نماز توڑ کر اس کا پیچھا کر سکتا ہے۔ اسی طرح جس نے دوران نماز اپنے جانور کی ہلاکت کا خطرہ محسوس کیا یا کسی بچے کو دیکھا کہ وہ کنویں کے کنارے کھڑا ہے اور اس میں گرنے کے قریب ہے یا کسی اندھے کے گڑھے میں گرنے کا اندیشہ محسوس کیا اور وہ مذکورہ امور کی مدافعت پر قادر ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ نماز توڑ کر ان کی حفاظت کرے۔ یہ ناممکن ہے کہ حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ ایسا کریں اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق کوئی مشاہدہ نہ کیا ہو۔ ابن تین نے کہا ہے کہ اگر کوئی دوران نماز میں گراں قدر چیز کے ضائع ہونے کا خطرہ محسوس کرے تو اس کے لیے نماز توڑنا جائز ہے اور اگر معمولی چیز کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو نماز میں مصروف رہنا بہتر ہے۔[2]

١٢١٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ: خَسَفَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَرَأَ سُورَةً طَوِيلَةً ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ، ثُمَّ اسْتَفْتَحَ بِسُورَةٍ أُخْرَى ثُمَّ رَكَعَ حَتَّى قَضَاهَا، وَسَجَدَ، ثُمَّ فَعَلَ

[1212] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ایک دفعہ سورج گرہن ہوا تو رسول اللہ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔ آپ نے ایک طویل سورت پڑھی، پھر طویل رکوع کیا۔ اس کے بعد اپنا سر مبارک اٹھایا اور دوسری سورت پڑھنا شروع کر دی۔ پھر رکوع کیا اور اچھی طرح اسے ادا کیا۔ اس کے بعد سجدہ فرمایا۔ پھر آپ نے اسی طرح

[1] فتح الباري: 108/3. [2] عمدة القاري: 816/5.

ذٰلِكَ فِي الثَّانِيَةِ ثُمَّ قَالَ: «إِنَّهُمَا آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذٰلِكَ فَصَلُّوا حَتّٰى يَنْفَرِجَ عَنْكُمْ، لَقَدْ رَأَيْتُ فِي مَقَامِي هٰذَا كُلَّ شَيْءٍ وُعِدْتُهُ حَتّٰى لَقَدْ رَأَيْتُ أُرِيدُ أَنْ آخُذَ قِطْفًا مِنَ الْجَنَّةِ حِينَ رَأَيْتُمُونِي جَعَلْتُ أَتَقَدَّمُ، وَلَقَدْ رَأَيْتُ جَهَنَّمَ يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا حِينَ رَأَيْتُمُونِي تَأَخَّرْتُ، وَرَأَيْتُ فِيهَا عَمْرَو بْنَ لُحَيٍّ وَهُوَ الَّذِي سَيَّبَ السَّوَائِبَ». [راجع: 1044]

دوسری رکعت ادا کی، پھر فرمایا: "یہ دونوں (سورج اور چاند) اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ جب تم ان حالات سے دوچار ہو جاؤ تو نماز پڑھو تا آنکہ گرہن ختم ہو جائے۔ یقیناً میں نے اس مقام پر کھڑے ہر چیز کو دیکھا ہے جس کا مجھ سے وعدہ کیا گیا تھا حتی کہ میں نے یہ بھی دیکھا کہ جنت کے انگوروں سے ایک خوشہ توڑنے کا ارادہ کر رہا ہوں، جب تم نے مجھے آگے بڑھتے ہوئے دیکھا۔ اسی طرح میں نے جہنم کو بھی دیکھا کہ اس کے شعلے ایک دوسرے کو توڑ رہے ہیں، جب تم نے مجھے پیچھے ہٹتے ہوئے دیکھا۔ میں نے جہنم میں عمرو بن لحی کو بھی دیکھا جس نے بتوں کے نام پر جانور وقف کرنے کا طریقہ رائج کیا تھا۔"

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوران نماز میں چلنا، آگے بڑھنا اور پیچھے ہٹنا جائز ہے۔ اس سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آتی۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں اس سے بھی زیادہ صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دوران نماز میں آگے بڑھے اور پیچھے آئے، چنانچہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "میرے سامنے آگ کو لایا گیا تو میں پیچھے ہٹا مبادا اس کی تپش مجھے نقصان پہنچائے۔ پھر میرے سامنے جنت کو پیش کیا گیا جبکہ تم نے مجھے دیکھا کہ میں آگے بڑھ رہا ہوں۔"[1] علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی عنوان سے مطابقت قائم کرنے کے لیے بہت دور کی کوڑی لانا پڑی، فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں مطلق طور پر جانوروں کو فضول چھوڑ دینے کی مذمت ہے، خواہ نماز میں ہو یا نماز سے باہر، اس طرح عنوان سے اس کی مطابقت ثابت ہوئی، حالانکہ یہ محض تکلف ہے۔[2]

(١٢) بَابُ مَا يَجُوزُ مِنَ الْبُصَاقِ وَالنَّفْخِ فِي الصَّلَاةِ

باب: 12- دوران نماز تھوکنا اور پھونک مارنا جائز ہے

وَيُذْكَرُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو: نَفَخَ النَّبِيُّ ﷺ فِي سُجُودِهِ فِي كُسُوفٍ.

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے بیان کیا جاتا ہے کہ نبی ﷺ نے نماز گرہن پڑھتے وقت بحالت سجدہ پھونک ماری۔

وضاحت: اس معلق روایت کو امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں متصل سند سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز گرہن پڑھتے وقت سجدے کی حالت میں زمین پر پھونک مارتے اور گریہ زاری کرتے تھے۔[3] سنن ابی داود میں پھونک مارنے کی کیفیت "اُف اُف" سے بیان کی گئی ہے۔[4]

---

[1] صحيح مسلم، الكسوف، حديث: 2102 (904). [2] فتح الباري: 109/3. [3] مسند أحمد: 159/2. [4] سنن أبي داود، صلاة الاستسقاء، حديث: 1194.

١٢١٣ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَأَى نُخَامَةً فِي قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ، فَتَغَيَّظَ عَلَى أَهْلِ الْمَسْجِدِ وَقَالَ: «إِنَّ اللهَ قِبَلَ أَحَدِكُمْ إِذَا كَانَ فِي صَلَاةٍ فَلَا يَبْزُقَنَّ - أَوْ قَالَ: لَا يَتَنَخَّمَنَّ» - ثُمَّ نَزَلَ فَحَتَّهَا بِيَدِهِ. وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا إِذَا بَزَقَ أَحَدُكُمْ فَلْيَبْزُقْ عَلَى يَسَارِهِ. [راجع: ٤٠٦]

[1213] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے قبلۂ مسجد میں بلغم (لگا ہوا) دیکھا تو اہل مسجد پر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تمھارے سامنے ہوتا ہے جب تم میں سے کوئی نماز میں ہو، لہٰذا تم اپنے سامنے ہرگز نہ تھوکو یا فرمایا: بلغم نہ پھینکو۔'' پھر آپ منبر سے نیچے تشریف لائے اور اپنے دست مبارک سے اسے کھرچ دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے کہا: تم میں سے جب کوئی تھوکے تو اپنی بائیں جانب تھوک لے۔

١٢١٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: سَمِعْتُ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَإِنَّهُ يُنَاجِي رَبَّهُ فَلَا يَبْزُقَنَّ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَا عَنْ يَمِينِهِ، وَلٰكِنْ عَنْ شِمَالِهِ تَحْتَ قَدَمِهِ الْيُسْرَى». [راجع: ٢٤١]

[1214] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی نماز میں ہوتا ہے تو اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے، اس لیے وہ اپنے آگے یا دائیں جانب نہ تھوکے بلکہ اپنی بائیں جانب بائیں قدم کے نیچے تھوکے۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے بائیں جانب قدم کے نیچے تھوکنے کا جواز معلوم ہوتا ہے، لہٰذا دوران نماز میں بوقت ضرورت ایسا کرنے سے نماز خراب نہیں ہوگی، البتہ سامنے اور دائیں جانب تھوکنے کی ممانعت ہے۔ مسجد میں پختہ فرش ہونے کی وجہ سے تھوک دفن نہ ہو سکے تو تھوکنے کے لیے رومال وغیرہ استعمال کرنا چاہیے۔ ② پھونک مارنا بھی کسی شدید ضرورت کے پیش نظر پیش نظر جائز ہے، بلاوجہ دوران نماز میں پھونک مارنا خشوع کے خلاف ہے۔

(١٣) بَابٌ: مَنْ صَفَّقَ جَاهِلًا مِنَ الرِّجَالِ فِي صَلَاتِهِ لَمْ تَفْسُدْ صَلَاتُهُ

باب: 13 - اگر کوئی مرد جہالت کی وجہ سے دوران نماز تالی بجا دے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی

فِيهِ سَهْلُ بْنُ سَعْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

اس کے متعلق حضرت سہل بن سعد ؓ سے مروی حدیث ہے جسے وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔

وضاحت: حضرت سہل بن سعد ؓ سے مروی حدیث پہلے بیان ہو چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ قبیلۂ بنو عمرو بن عوف کی صلح کے لیے تشریف لے گئے تو حضرت ابوبکر ؓ نے مسجد نبوی میں امامت کے فرائض سرانجام دیے۔ رسول اللہ ﷺ جب دوران نماز میں تشریف لے آئے تو لوگوں نے حضرت ابوبکر ؓ کو متوجہ کرنے کے لیے تالیاں بجانا شروع کر دیں تو آپ نے فرمایا:

"دوران نماز عورت کے لیے تالی بجانا جائز ہے، مرد حضرات ایسے موقع پر "سبحان اللہ" کہیں۔"[1] آپ نے تالی بجانے والوں کو نماز دوبارہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا کیونکہ ان سے یہ کام جہالت کی وجہ سے ہوا تھا۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی جان بوجھ کر دوران نماز میں تالی بجاتا ہے تو اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے کیونکہ اس نے نماز کو کھیل تماشا بنایا ہے اور ایک بے فائدہ حرکت کا ارتکاب کیا ہے۔

(١٤) بَابٌ: إِذَا قِيلَ لِلْمُصَلِّي تَقَدَّمْ أَوِ انْتَظِرْ فَانْتَظَرَ فَلَا بَأْسَ

باب: 14- جب نمازی کو دوران نماز آگے بڑھنے یا انتظار کرنے کے متعلق کہا جائے اور وہ انتظار کرلے تو کوئی مضائقہ نہیں

وضاحت: اس کا مطلب یہ ہے کہ نمازی کو دوران نماز خطاب کر کے کہا گیا: آگے بڑھو یا انتظار کرو تو وہ اس کی تعمیل کرتے ہوئے آگے بڑھتا ہے یا انتظار کرتا ہے تو اس سے نماز میں کوئی خلل نہیں آتا۔

١٢١٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّاسُ يُصَلُّونَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَهُمْ عَاقِدُو أُزْرِهِمْ مِنَ الصِّغَرِ عَلَى رِقَابِهِمْ، فَقِيلَ لِلنِّسَاءِ: «لَا تَرْفَعْنَ رُؤُوسَكُنَّ حَتَّى يَسْتَوِيَ الرِّجَالُ جُلُوسًا». [راجع: ٣٦٢]

[1215] حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: لوگ نبی ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھتے تھے جبکہ وہ اپنی چادروں کو ان کے چھوٹا ہونے کی وجہ سے اپنی گردن پر باندھے ہوتے۔ ان حالات میں عورتوں سے کہا جاتا: "تم اپنے سر (سجدے سے) مت اٹھاؤ حتی کہ مرد سیدھے ہو کر بیٹھ جائیں۔"

فوائد و مسائل: ① بعض حضرات کا موقف ہے کہ اگر نمازی باہر سے کسی کی اصلاح قبول کرتا ہے تو اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے کیونکہ تعلیم و تعلم کا سلسلہ دوران نماز میں صحیح نہیں بلکہ صحت نماز کے منافی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اس کی تردید فرماتے ہیں کہ اگر نمازی مصلحت نماز کے لیے باہر سے اصلاح قبول کرتا ہے تو جائز ہے، چنانچہ حدیث مذکور میں عورتوں سے خطاب ہے کہ مردوں کے سیدھا ہو کر بیٹھنے سے پہلے پہلے تم نے سجدے سے اپنے سروں کو نہیں اٹھانا۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح بخاری میں احادیث کے اطلاق و عموم سے مسائل کا استنباط فرماتے ہیں۔ اس مقام پر بھی انھوں نے حدیث کے عموم و اطلاق سے مسئلہ ثابت کیا ہے کیونکہ حدیث میں یہ وضاحت نہیں کہ مذکورہ خطاب دوران نماز میں تھا یا نماز شروع کرنے سے پہلے بلکہ علامہ عینی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: اگرچہ حدیث میں اس کی صراحت نہیں تاہم کلام کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو دوران نماز میں یہ حکم دیا گیا تھا جبکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نماز ادا کر رہی تھیں کیونکہ اس میں حرف "فا" استعمال ہوا ہے جو تعقیب کے لیے

1 صحيح البخاري، الأذان، حديث: 684. 2 عمدة القاري: 820/5.

ہے۔ اس کا تقاضا بھی ہے کہ عورتوں کو دوران نماز یہ حکم دیا گیا تھا۔[1] اگر یہ خطاب نماز سے پہلے بھی ہو تو کم از کم اس حکم کی تعمیل میں عورتوں کے لیے دوران نماز انتظار کرنا تو ثابت ہو گا۔ اگر دوران نماز میں ہے تو وہ انتظار کریں گی۔ اور مردوں کے بعد سر اٹھائیں گی۔ اس سے مردوں کے لیے تقدم اور عورتوں کے لیے انتظار، یعنی تاخر کا ثابت ہوا۔ واللہ أعلم۔

(١٥) بابٌ: لَا يَرُدُّ السَّلَامَ فِي الصَّلَاةِ

باب: 15- دوران نماز سلام کا جواب (زبان سے) نہیں دینا چاہیے

١٢١٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: كُنْتُ أُسَلِّمُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ فَيَرُدُّ عَلَيَّ، فَلَمَّا رَجَعْنَا سَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ وَقَالَ: «إِنَّ فِي الصَّلَاةِ شُغْلًا». [راجع: ١١٩٩]

[1216] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں نبی ﷺ کو سلام کرتا جبکہ آپ نماز میں ہوتے تھے اور آپ سلام کا جواب دیتے تھے۔ جب ہم (حبشہ سے) واپس لوٹے تو میں نے آپ کو (دوران نماز) سلام کیا تو آپ نے مجھے اس کا جواب نہ دیا اور (فراغت کے بعد) فرمایا: ”نماز میں مشغولیت ہوتی ہے۔“

١٢١٧ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ: حَدَّثَنَا كَثِيرُ بْنُ شِنْظِيرٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: بَعَثَنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي حَاجَةٍ لَهُ فَانْطَلَقْتُ ثُمَّ رَجَعْتُ وَقَدْ قَضَيْتُهَا، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ، فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ فَوَقَعَ فِي قَلْبِي مَا اللهُ أَعْلَمُ بِهِ، فَقُلْتُ فِي نَفْسِي: لَعَلَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَجَدَ عَلَيَّ أَنِّي أَبْطَأْتُ عَلَيْهِ، ثُمَّ سَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ، فَوَقَعَ فِي قَلْبِي أَشَدُّ مِنَ الْمَرَّةِ الْأُولَى، ثُمَّ سَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ عَلَيَّ فَقَالَ: «إِنَّمَا مَنَعَنِي أَنْ أَرُدَّ عَلَيْكَ أَنِّي كُنْتُ أُصَلِّي». وَكَانَ عَلَى رَاحِلَتِهِ مُتَوَجِّهًا إِلَى غَيْرِ الْقِبْلَةِ.

[1217] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنے کسی کام کے لیے بھیجا، چنانچہ میں گیا اور وہ کام کر کے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے آپ کو (دوران نماز میں) سلام کیا مگر آپ نے مجھے اس کا جواب نہ دیا جس سے میرا دل اتنا رنجیدہ ہوا کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ شاید رسول اللہ ﷺ مجھ سے اس لیے ناراض ہیں کہ میں دیر سے لوٹا ہوں، چنانچہ میں نے پھر سلام کیا تو آپ نے اس دفعہ بھی جواب نہ دیا۔ اب تو میرے دل میں پہلے سے بھی زیادہ رنج ہوا۔ میں نے پھر سلام کیا تو آپ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: ”چونکہ میں نماز پڑھ رہا تھا اس لیے تجھے سلام کا جواب نہ دے سکا۔“ حضرت جابر ؓ کہتے ہیں: اس وقت آپ سواری پر تھے جس کا رخ قبلے کی

[1] عمدة القاري: 621/5.

طرف نہیں تھا۔

فائدہ: صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے سلام کا جواب ہاتھ کے اشارے سے دیا تھا جسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نہ سمجھ سکے اس لیے وہ پریشان اور متفکر ہوئے۔[1] امام بخاری رحمہ اللہ کا اس عنوان اور حدیث سے مقصود یہ ہے کہ دورانِ نماز میں جب نمازی کو سلام کیا جائے تو وہ اس کا جواب زبان سے نہ دے۔ آپ کا قطعاً یہ مقصود نہیں کہ نمازی کو دورانِ نماز میں سلام کہنا مکروہ اور جواب دینا غیر مشروع ہے کیونکہ دیگر احادیث سے دورانِ نماز ہاتھ کے اشارے سے سلام کا جواب دینا ثابت ہے، چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، آپ نے فرمایا: میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ لوگ جب رسول اللہ ﷺ کو دورانِ نماز میں سلام کرتے تو آپ انھیں کیسے جواب دیتے تھے؟ انھوں نے کہا: اس طرح کرتے اور انھوں نے اپنا ہاتھ پھیلا دیا، یعنی ہاتھ کے اشارے سے جواب دیتے تھے۔[2]

(١٦) بَابُ رَفْعِ الْأَيْدِي فِي الصَّلَاةِ لِأَمْرٍ يَنْزِلُ بِهِ

باب: 16- کوئی ماجرا پیش آنے پر دورانِ نماز ہاتھ اٹھانا

١٢١٨ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: بَلَغَ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَنَّ بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ بِقُبَاءٍ كَانَ بَيْنَهُمْ شَيْءٌ، فَخَرَجَ يُصْلِحُ بَيْنَهُمْ فِي أُنَاسٍ مِنْ أَصْحَابِهِ، فَحُبِسَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَحَانَتِ الصَّلَاةُ، فَجَاءَ بِلَالٌ إِلَى أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا فَقَالَ: يَا أَبَا بَكْرٍ! إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَدْ حُبِسَ وَقَدْ حَانَتِ الصَّلَاةُ، فَهَلْ لَكَ أَنْ تَؤُمَّ النَّاسَ؟ قَالَ: نَعَمْ، إِنْ شِئْتَ. فَأَقَامَ بِلَالٌ الصَّلَاةَ وَتَقَدَّمَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَكَبَّرَ النَّاسُ، وَجَاءَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَمْشِي فِي الصُّفُوفِ يَشُقُّهَا شَقًّا حَتَّى قَامَ مِنَ الصَّفِّ، فَأَخَذَ النَّاسُ فِي التَّصْفِيحِ - قَالَ سَهْلٌ: التَّصْفِيحُ هُوَ التَّصْفِيقُ - قَالَ: وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ

[1218] حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کو خبر ملی کہ قباء میں قبیلۂ بنو عمرو بن عوف کے درمیان کچھ جھگڑا ہو گیا ہے۔ آپ ﷺ چند صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ ان میں صلح کرانے کے لیے تشریف لے گئے۔ وہاں آپ کو کچھ رکنا پڑا۔ اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور عرض کیا: اے ابوبکر! رسول اللہ ﷺ کو کچھ دیر ہو گئی ہے اور نماز کا وقت ہو چکا ہے، کیا آپ لوگوں کی امامت کا فریضہ سرانجام دیں گے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر آپ چاہتے ہیں تو میں تیار ہوں، چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اقامت کہی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور لوگوں نے اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کر دی۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے اور صفوں سے گزرتے ہوئے پہلی صف میں آ کر کھڑے ہو گئے۔ لوگوں نے تالی

---

1 صحیح مسلم، المساجد، حدیث: 1205(540)، وفتح الباري: 113/3. 2 سنن أبي داود، الصلاة، حدیث: 927.

رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لَا يَلْتَفِتُ فِي صَلَاتِهِ، فَلَمَّا أَكْثَرَ النَّاسُ الْتَفَتَ، فَإِذَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَأَشَارَ إِلَيْهِ يَأْمُرُهُ أَنْ يُصَلِّيَ، فَرَفَعَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَدَهُ فَحَمِدَ اللهَ، ثُمَّ رَجَعَ الْقَهْقَرَى وَرَاءَهُ حَتَّى قَامَ فِي الصَّفِّ وَتَقَدَّمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَصَلَّى لِلنَّاسِ، فَلَمَّا فَرَغَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ: «يَا أَيُّهَا النَّاسُ! مَا لَكُمْ حِينَ نَابَكُمْ شَيْءٌ فِي الصَّلَاةِ أَخَذْتُمْ بِالتَّصْفِيحِ؟ إِنَّمَا التَّصْفِيحُ لِلنِّسَاءِ، مَنْ نَابَهُ شَيْءٌ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَقُلْ: سُبْحَانَ اللهِ» ثُمَّ الْتَفَتَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَقَالَ: «يَا أَبَا بَكْرٍ! مَا مَنَعَكَ أَنْ تُصَلِّيَ حِينَ أَشَرْتُ إِلَيْكَ؟» قَالَ أَبُو بَكْرٍ: مَا كَانَ يَنْبَغِي لِابْنِ أَبِي قُحَافَةَ أَنْ يُصَلِّيَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللهِ ﷺ. [راجع: ٦٨٤]

بجانا شروع کر دی..... راوی حدیث حضرت سہل ؓ کہتے ہیں: تصفیح کے معنی تالی بجانا ہیں۔ حضرت ابوبکر ؓ نماز میں ادھر ادھر بالکل نہیں دیکھا کرتے تھے۔ جب لوگوں نے بکثرت تالیاں بجائیں تو وہ متوجہ ہوئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہیں۔ آپ ﷺ نے انھیں اشارے سے فرمایا کہ نماز پڑھاتے رہو لیکن حضرت ابوبکر ؓ نے ہاتھ اٹھائے اور اللہ کی تعریف کی اور الٹے پاؤں پیچھے ہٹے یہاں تک کہ آپ صف میں آ کر کھڑے ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ آگے بڑھے اور لوگوں کو نماز پڑھائی۔ جب فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''لوگو! تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تمھیں نماز میں کوئی حادثہ پیش آتا ہے تو تالی بجانا شروع کر دیتے ہو؟ تالی بجانا تو عورتوں کا کام ہے۔ جسے نماز میں کوئی حادثہ پیش آئے تو اسے سبحان اللہ کہنا چاہیے۔'' پھر آپ حضرت ابوبکر ؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''ابوبکر! آپ کو نماز پڑھانے سے کس چیز نے روکا جبکہ میں نے آپ کو اشارہ بھی کیا تھا؟'' حضرت ابوبکر ؓ نے عرض کیا: ابوقحافہ کے بیٹے کو زیب نہیں دیتا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے آگے کھڑا ہو کر نماز پڑھائے۔

فوائد و مسائل: ① دوران نماز میں ہاتھ اٹھانے کے متعدد واقعات ہیں۔ نماز شروع کرتے، رکوع جاتے، رکوع سے سر اٹھاتے اور دوسری رکعت سے فراغت کے بعد کھڑے ہوتے وقت ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں، نیز قنوت نازلہ میں بھی رکوع کے بعد ہاتھ اٹھانا ثابت ہے لیکن حضرت ابوبکر ؓ نے ان مواقع کے علاوہ اپنے ہاتھ اٹھائے تھے۔ واضح رہے کہ آپ نے معذرت خواہی کے طور پر ایسا نہیں کیا تھا جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ نے اس اعزاز سے نوازا کہ آپ نے اپنی موجودگی میں انھیں نماز پڑھانے کا اشارہ فرمایا، انھوں نے اللہ کی حمد و ثنا کی اور ہاتھ اٹھا کر اس ذات عالی کا شکر ادا کیا۔ ② امام بخاری نے اس سے ایک مسئلہ استنباط کیا کہ دوران نماز کسی پیش آمدہ حادثے کی بنا پر ہاتھ اٹھانے جائز ہیں جیسا کہ حضرت ابوبکر ؓ نے دوران نماز میں ہاتھ اٹھائے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے اس عمل کو برقرار رکھا، لہٰذا ایسا کرنے سے نماز میں کوئی خلل نہیں آتا۔ واللہ أعلم۔

(١٧) بَابُ الْخَصْرِ فِي الصَّلَاةِ

باب: 17- دوران نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنا

١٢١٩ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: نُهِيَ عَنِ الْخَصْرِ فِي الصَّلَاةِ. وَقَالَ هِشَامٌ وَأَبُو هِلَالٍ، عَنِ ابْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [انظر: ١٢٢٠]

[1219] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ دوران نماز کوکھ پر ہاتھ رکھنے سے منع کیا گیا ہے۔

حضرت ہشام اور ابو ہلال حضرت ابن سیرین سے، وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے دوران نماز کوکھ پر ہاتھ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔

١٢٢٠ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ: حَدَّثَنَا يَحْيَى: حَدَّثَنَا هِشَامٌ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: نُهِيَ أَنْ يُصَلِّيَ الرَّجُلُ مُتَخَصِّرًا. [راجع: ١٢١٩]

[1220] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: آدمی کو کوکھ پر ہاتھ رکھ کر نماز پڑھنے سے روکا گیا ہے۔

فائدہ: احادیث میں اس حکم امتناعی کی چند وجوہات بیان ہوئی ہیں: ٭ ایسا کرنا تکبر کی علامت ہے۔ ٭ یہود اکثر ایسا کرتے ہیں، ان سے مشابہت کی بنا پر روکا گیا ہے۔ ٭ ابلیس کو اس حالت میں آسمان سے اتارا گیا تھا۔ ٭ اہل جہنم آرام کے وقت ایسا کریں گے، اس لیے دوران نماز ایسا کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ زیاد بن صبیح کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پہلو میں کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔ میں نے دوران نماز اپنا ہاتھ کوکھ پر رکھ لیا۔ جب نماز سے فارغ ہوا تو آپ نے فرمایا: یہ تو نماز میں صلیب کی وضع اختیار کرنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اس سے منع فرماتے تھے۔[1]

(١٨) بَابٌ: تَفَكُّرُ الرَّجُلِ الشَّيْءَ فِي الصَّلَاةِ

باب: 18- مرد کا دوران نماز میں سوچ بچار کرنا

وَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: إِنِّي لَأُجَهِّزُ جَيْشِي وَأَنَا فِي الصَّلَاةِ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں (بعض اوقات) دوران نماز میں جہاد کے لیے لشکر کو تیار کرتا رہتا ہوں۔

وضاحت: اس اثر کو مصنف ابن ابی شیبہ میں صحیح سند سے بیان کیا گیا ہے۔[2] واضح رہے کہ دوران نماز انسانی تعقل و حرکات کی دو اقسام ہیں: ایک جسمانی، دوسری ذہنی۔ اگر یہ تعقل و حرکت نماز سے متعلق ہے تو وہ عین مطلوب ہے جیسا کہ رکوع و سجود کرنا اور نماز پڑھتے وقت خشوع خضوع کو برقرار رکھنا۔ نماز کے منافی حرکات کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے، خواہ وہ جسمانی

1 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 903، وفتح الباري: 116/3. 2 المصنف لابن أبي شيبة: 188/2، طبع دار الكتب العلمية.

ہوں یا ذہنی۔ البتہ کسی ضرورت کے پیش نظر کوئی کام بامل یا غور وفکر کیا جائے جو نماز سے غیر متعلق ہے لیکن نماز کے منافی نہیں تو اسے شریعت نے کسی حد تک گوارا کیا ہے جیسا کہ قبل ازیں اس کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔ اب امام بخاری رحمہ اللہ نے ذہنی عمل و حرکت کو بیان کیا ہے لیکن اس کے لیے ضابطہ یہ ہے کہ دوران نماز غیر متعلق اشیاء پر اس قدر غور وخوض نہ ہو کہ سوچ بچار کرتے کرتے نماز کا کوئی رکن ہی چھوٹ جائے۔ اگر ایسی صورت حال ہو تو نماز دوبارہ پڑھنی ہوگی جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق روایت میں ہے کہ ایک دفعہ انھوں نے نماز مغرب پڑھائی تو اس میں قراءت نہ کی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو آپ کو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے صورت حال سے آگاہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا تو انھوں نے اس کی تصدیق کی تو آپ نے نماز دوبارہ پڑھائی اور اس میں قراءت فرمائی اور کہا: جس نماز میں قراءت نہ ہو وہ مرے سے منعقد نہیں ہوتی، دراصل میں دوران نماز لشکر کی تیاری میں مصروف ہو گیا جسے میں نے شام روانہ کرنا تھا۔[1]

١٢٢١ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ: حَدَّثَنَا رَوْحٌ: حَدَّثَنَا عُمَرُ - هُوَ ابْنُ سَعِيدٍ - قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ الْعَصْرَ، فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ سَرِيعًا دَخَلَ عَلَى بَعْضِ نِسَائِهِ، ثُمَّ خَرَجَ وَرَأَى مَا فِي وُجُوهِ الْقَوْمِ مِنْ تَعَجُّبِهِمْ لِسُرْعَتِهِ، فَقَالَ: «ذَكَرْتُ، وَأَنَا فِي الصَّلَاةِ، تِبْرًا عِنْدَنَا فَكَرِهْتُ أَنْ يُمْسِيَ أَوْ يَبِيتَ عِنْدَنَا، فَأَمَرْتُ بِقِسْمَتِهِ» [راجع: ٨٥١]

[1221] حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ کے ہمراہ نماز عصر ادا کی۔ جب آپ نے سلام پھیرا تو جلدی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی کسی بیوی کے گھر تشریف لے گئے۔ اس کے بعد باہر تشریف لائے۔ آپ نے جلدی کرنے کی وجہ سے لوگوں کے چہروں پر تعجب وحیرت کے اثرات دیکھے تو فرمایا: "مجھے دوران نماز میں یاد آیا کہ ہمارے پاس سونے کا ٹکڑا ہے، میں نے شام یا رات تک اس کا گھر میں رکھنا پسند نہ کیا، اس لیے میں نے اسے (لوگوں میں) تقسیم کرنے کا حکم دیا ہے۔"

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوران نماز میں کسی چیز کا خیال آ جانا نماز کے منافی نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو دوران نماز میں سونے کے ٹکڑے کا خیال آیا جو تقسیم نہیں کیا گیا تھا، پھر آپ نے نماز کے بعد اس کے متعلق عمل درآمد کرنے میں جلدی کی لیکن نماز کا اعادہ نہیں فرمایا کیونکہ ایسا کرنا نماز کے منافی نہیں تھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نیکی کے کاموں میں جلدی کرنی چاہیے۔[2]

١٢٢٢ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ جَعْفَرٍ، عَنِ الْأَعْرَجِ قَالَ: قَالَ أَبُو

[1222] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب نماز کے لیے اذان

1 فتح الباري: 117/3. 2 فتح الباري: 118/3.

هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا أُذِّنَ بِالصَّلَاةِ أَدْبَرَ الشَّيْطَانُ، لَهُ ضُرَاطٌ حَتَّى لَا يَسْمَعَ التَّأْذِينَ، فَإِذَا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُ أَقْبَلَ، فَإِذَا ثُوِّبَ أَدْبَرَ، فَإِذَا سَكَتَ أَقْبَلَ، فَلَا يَزَالُ بِالْمَرْءِ يَقُولُ لَهُ: اذْكُرْ، مَا لَمْ يَكُنْ يَذْكُرُ، حَتَّى لَا يَدْرِيَ كَمْ صَلَّى». قَالَ أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: إِذَا فَعَلَ أَحَدُكُمْ ذٰلِكَ فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ قَاعِدٌ. وَسَمِعَهُ أَبُو سَلَمَةَ مِنْ أَبِي هُرَيْرَةَ. [راجع: ٦٠٨]

دی جاتی ہے تو شیطان گوز مارتا ہوا بھاگتا ہے تاکہ اسے اذان کی آواز نہ سنائی دے۔ اور جب مؤذن خاموش ہو جاتا ہے تو وہ واپس آ جاتا ہے۔ پھر جب اقامت کہی جاتی ہے تو بھاگ اٹھتا ہے۔ جب مؤذن تکبیر سے خاموش ہو جاتا ہے تو واپس آ جاتا ہے اور نمازی سے کہتا رہتا ہے کہ فلاں چیز یاد کرو، فلاں چیز یاد کرو جو اسے یاد نہیں ہوتی یہاں تک کہ وہ نہیں جانتا کہ اس نے کتنی رکعات پڑھی ہیں۔"

ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں: جب نمازی ایسی حالت سے دوچار ہو تو وہ بیٹھ کر دو سجدے (بطور سہو) کرے۔ اسے ابوسلمہ نے حضرت ابوہریرہ ؓ سے بیان کیا ہے۔

فائدہ: اگر کوئی نمازی شیطانی وساوس کی بنا پر اس قسم کی سوچ بچار میں پڑ جائے تو اس سے نماز باطل نہیں ہوتی بشرطیکہ نماز کا کوئی رکن ترک نہ ہو۔ اگر نماز کا کوئی رکن رہ جائے تو اس کا اعادہ ضروری ہے۔ اس کے ساتھ اسے سجدۂ سہو بھی کرنا ہوگا۔[1]

١٢٢٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ قَالَ: قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: يَقُولُ النَّاسُ: أَكْثَرَ أَبُو هُرَيْرَةَ. فَلَقِيتُ رَجُلًا فَقُلْتُ: بِمَ قَرَأَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْبَارِحَةَ فِي الْعَتَمَةِ؟ فَقَالَ: لَا أَدْرِي. فَقُلْتُ: لَمْ تَشْهَدْهَا؟ قَالَ: بَلَى. قُلْتُ: لٰكِنْ أَنَا أَدْرِي، قَرَأَ سُورَةَ كَذَا وَكَذَا.

[1223] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: لوگ اکثر چرچا کرتے ہیں کہ ابوہریرہ بکثرت احادیث بیان کرتے ہیں۔ میں ایک شخص سے ملا اور اس سے دریافت کیا: گزشتہ رات رسول اللہ ﷺ نے نماز عشاء میں کیا پڑھا تھا؟ اس نے کہا: مجھے تو معلوم نہیں ہے۔ میں نے کہا: کیا تم نماز میں موجود نہیں تھے؟ اس نے کہا: کیوں نہیں! میں نے کہا: لیکن میں تو جانتا ہوں کہ آپ نے فلاں فلاں سورت پڑھی تھی۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث کی عنوان سے مطابقت اس طرح ہے کہ وہ شخص دوران نماز دنیاوی سوچ بچار میں مصروف رہا، اس بنا پر وہ رسول اللہ ﷺ کی قراءت کو ضبط نہ کر سکا۔ ایسا کرنے سے خشوع خضوع میں کمی تو آ جاتی ہے لیکن نماز کا بطلان نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس حضرت ابوہریرہ ؓ دوران نماز میں رسول اللہ ﷺ کی قراءت کے متعلق غور و فکر کرتے رہے، اس لیے

---

1 فتح الباري: 3/118.

انھوں نے ان سورتوں کو یاد رکھا جو رسول اللہ ﷺ نے گزشتہ شب نماز میں پڑھی تھیں۔ [1] بہرحال دوران نماز تفکرات آنے سے نماز میں کوئی خلل نہیں آتا۔[2] اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت ابوہریرہ ؓ کو دوسروں سے زیادہ ضبط و اتقان تھا۔[3] حضرت ابوہریرہ ؓ پر اعتراض رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے بعد ہوا۔ اس اعتراض کا جواب انھوں نے اپنے ایک قصے سے استدلال کرتے ہوئے دیا جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں پیش آیا تھا۔ یعنی مجھے رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال کی فکر رہتی تھی، میں ان میں غور و خوض کرتا جبکہ باقی لوگ اپنی کھیتی باڑی اور کاروبار میں مصروف رہتے۔[4] بہرحال امام بخاری ؒ بتانا چاہتے ہیں کہ نماز پڑھتے ہوئے کسی چیز کا خیال آنے یا کچھ سوچ بچار کرنے سے نماز باطل نہیں ہوتی کیونکہ خیالات و تفکرات ایسی چیز ہیں جن پر کنٹرول نہیں کیا جا سکتا لیکن خیالات کی نوعیت کا فرق ضرور ملحوظ خاطر رکھنا ہوگا۔ دوران نماز اگر امور آخرت کے متعلق خیالات آئیں تو وہ دنیاوی امور کی نسبت نماز کی خوبیوں پر کم اثر انداز ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

[4] فتح الباري: 116/3

سہو کی حکمت اور سجودِ سہو کی اہمیت

سہو کے لغوی معنی بھول جانا، غافل ہو جانا یا دل کا کسی دوسری جانب متوجہ ہو جانا ہیں۔ لفظ نسیان اس کے مترادف ہے لیکن بعض حضرات نے ان دونوں میں معمولی سا فرق کیا ہے کہ سہو میں انسانی شعور بالکل ختم ہو جاتا ہے جبکہ نسیان میں یکسر ختم نہیں ہوتا بلکہ کچھ نہ کچھ باقی رہتا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس فرق کی کوئی حیثیت نہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں سہو سے مراد وہ دو سجدے ہیں جو دوران نماز میں بھول کر کمی بیشی ہو جانے کی صورت میں کیے جاتے ہیں۔

شرعی طور پر اس کے تین اسباب ہیں:

- بھول کر نماز میں کمی کر دینا، جیسے ظہر کی چار رکعات کے بجائے دو پر سلام پھیر دینا۔
- بھول کر نماز میں اضافہ کر دینا، جیسے ظہر کی چار رکعات کے بجائے پانچ رکعات پڑھ دینا۔
- دوران نماز شک و شبہ میں مبتلا ہو جانا کہ تین رکعت پڑھی ہیں یا چار۔

چونکہ رسول اللہ ﷺ ایک انسان تھے اور بحیثیت انسان آپ بھی دوران نماز میں بھول جاتے تھے جیسا کہ آپ نے خود فرمایا: ''میں تو بس ایک انسان ہی ہوں، تمھاری طرح بھول کا شکار ہو جاتا ہوں، اس لیے اگر میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دہانی کرا دیا کرو۔''[1]

اس سہو و نسیان کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: ﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ إِن نَّسِينَآ أَوْ أَخْطَأْنَا﴾[2] ''اے ہمارے رب! اگر ہم بھول جائیں یا خطا کا شکار ہو جائیں تو ہمارا مؤاخذہ نہ کرنا۔'' نیز صحیح حدیث ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ وَضَعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ وَالنِّسْيَانَ ...][3] ''بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت سے غلطی اور بھول چوک کو معاف فرما دیا ہے......''

تاہم سہو و نسیان کی وجہ سے نماز میں واقع ہونے والے نقص کی تلافی کے لیے اللہ تعالیٰ نے دو سجدوں کو مشروع قرار دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ عمر بھر دوران نماز میں پانچ چھ مرتبہ بھول کا شکار ہوئے ہیں۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کے ذریعے سے عملی طور پر ہماری رہنمائی فرمائے۔ کتب احادیث میں آپ کے دوران نماز میں بھول

---

1 صحيح البخاري، الصلاة، حديث: 401. 2 البقرة 2:286. 3 سنن ابن ماجه، الطلاق، حديث: 2045.

جانے کی تفصیل اس طرح ہے:

① نماز عصر میں چار کے بجائے دو رکعت پر سلام پھیر دیا۔[1]

② نماز ظہر میں چار کی بجائے پانچ رکعت پڑھا دیں۔[2]

③ نماز ظہر میں درمیانہ تشہد پڑھے بغیر تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہو گئے۔[3]

④ نماز عصر میں تین رکعت پر سلام پھیر دیا۔[4]

⑤ نماز مغرب میں دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا۔[5]

الغرض سجدۂ سہو کے احکام انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔ بعض حضرات ایسے مقام پر سجدۂ سہو چھوڑ دیتے ہیں جہاں اس کا ادا کرنا ضروری ہوتا ہے اور بعض دفعہ ایسی جگہ سجدۂ سہو کر دیا جاتا ہے جہاں قطعاً اس کی ضرورت نہیں ہوتی، پھر بعض اوقات انھیں سلام سے پہلے کرنا ہوتا ہے جبکہ کچھ مقامات ایسے ہیں کہ وہاں سلام پھیرنے کے بعد انھیں کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے ہماری رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیا ہے۔ انھوں نے اس بڑے عنوان کے تحت تقریباً انیس (19) احادیث بیان کی ہیں: ان میں دو (2) معلق ہیں اور باقی سترہ (17) احادیث متصل سند سے بیان کی ہیں۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے صحیح بخاری کی ان تمام احادیث کو بیان کیا ہے۔ واضح رہے کہ اس عنوان کے تحت بیان کردہ تمام احادیث مکرر ہیں۔ مرفوع احادیث کے علاوہ پانچ (5) آثار بھی ذکر کیے ہیں۔ ان احادیث و آثار پر امام بخاری رحمہ اللہ نے نو (9) چھوٹے چھوٹے عنوان قائم کیے ہیں جن میں سجدۂ سہو سے متعلق مسائل و احکام کا ذکر ہے جن کی تفصیل ہم آئندہ بیان کریں گے۔ بإذن اللہ تعالیٰ

قارئین سے گزارش ہے کہ وہ ہماری پیش کردہ گزارشات کو سامنے رکھتے ہوئے آئندہ احادیث کا مطالعہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے فکر و عمل کی اصلاح فرمائے۔ آمین۔

[1] صحيح البخاري، السهو، حديث: 1229. [2] صحيح البخاري، السهو، حديث: 1226. [3] صحيح البخاري، السهو، حديث: 1225. [4] صحيح مسلم، المساجد، حديث: 1293 (574). [5] صحيح البخاري، السهو، حديث: 1227.

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

22 - كِتَابُ السَّهْوِ

سہو سے متعلق احکام و مسائل

(١) بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّهْوِ إِذَا قَامَ مِنْ رَكْعَتَيِ الْفَرِيضَةِ

باب: 1- فرض نماز کی دو رکعت میں (تشہد بیٹھنے کے بجائے) اگر بھول کر کھڑا ہو جائے

١٢٢٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ بُحَيْنَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: صَلَّى لَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ رَكْعَتَيْنِ مِنْ بَعْضِ الصَّلَوَاتِ ثُمَّ قَامَ فَلَمْ يَجْلِسْ، فَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ وَنَظَرْنَا تَسْلِيمَهُ كَبَّرَ قَبْلَ التَّسْلِيمِ فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ، ثُمَّ سَلَّمَ. [راجع: ٨٢٩]

[1224] حضرت عبداللہ ابن بحینہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ ہمیں کسی نماز کی دو رکعت پڑھا کر (درمیانے تشہد کے لیے) بیٹھے بغیر ہی کھڑے ہو گئے۔ لوگ بھی آپ کے ساتھ ہی کھڑے ہو گئے۔ جب آپ اپنی نماز پوری کرنے کے قریب تھے تو ہم آپ کے سلام کا انتظار کرنے لگے، لیکن آپ نے سلام پھیرنے سے پہلے اللہ اکبر کہا اور بیٹھے بیٹھے دو سجدے کیے۔ اس کے بعد آپ نے سلام پھیرا۔

١٢٢٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ بُحَيْنَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَامَ مِنِ اثْنَتَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ لَمْ يَجْلِسْ بَيْنَهُمَا، فَلَمَّا

[1225] حضرت عبداللہ ابن بحینہ ؓ ہی سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نماز ظہر کی دو رکعت میں بیٹھے بغیر ہی کھڑے ہو گئے۔ جب آپ اپنی نماز پوری کرنے کے قریب تھے تو دو سجدے کیے۔ اس کے بعد آپ نے سلام پھیرا۔

فَقَضَى صَلَاتَهُ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ بَعْدَ ذٰلِكَ. [راجع: ١١٧٩]

فوائد و مسائل: ① ان احادیث میں رسول اللہ ﷺ کے دوران نماز میں بھولنے کا بیان ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ لوگوں نے سبحان اللہ کہا لیکن آپ اپنی نماز میں جاری رہے۔[1] ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے دونوں سجدوں میں جاتے وقت اور اٹھتے وقت اللہ اکبر کہا۔[2] اس سے معلوم ہوا کہ سجدۂ سہو میں تکبیر باآواز بلند اور درمیانی فاصلہ ہے، نیز پتہ چلا کہ امام کے ساتھ مقتدی بھی سجدہ کریں گے اگرچہ وہ بھولنے میں امام کے شریک نہ بھی ہوں۔[3] ② امام بخاری ؒ کے نزدیک تشہد اول واجب نہیں، چنانچہ انھوں نے مذکورہ حدیث پر ایک عنوان بایں الفاظ قائم کیا ہے: ''تشہد اول غیر واجب ہے۔'' آپ کے استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ تشہد اول بھول گئے اور کھڑے ہو گئے۔ لوگوں نے سبحان اللہ کہا لیکن آپ نہ بیٹھے۔ اگر واجب ہوتا تو آپ دوبارہ بیٹھ کر اس کی تلافی کرتے۔ آپ نے صرف سجدۂ سہو پر اکتفا کیا۔ بہرحال اس روایت سے سجدۂ سہو کے ایک سبب کا پتہ چلتا ہے کہ نمازی جب اپنی نماز میں کسی کمی کا مرتکب ہو تو اس کی تلافی سجدۂ سہو سے ہوگی، چنانچہ دیار عرب کے مشہور عالم دین شیخ محمد بن صالح العثیمین ؒ نے اس موضوع پر ایک رسالہ لکھا ہے۔ اس میں فرماتے ہیں کہ سجدۂ سہو کے تین اسباب ہیں: * نماز میں کسی قسم کا اضافہ۔ * دوران نماز کسی قسم کی کمی۔ * نماز میں شک و شبہ پڑ جانا۔ مذکورہ حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے تشہد چھوڑ دینے کی وجہ سے سجدۂ سہو کیا تھا، گویا نماز میں کمی کر دی تھی۔ ہم مذکورہ رسالے سے دوران نماز میں کمی کی بنا پر سجدۂ سہو کے مسائل بیان کرتے ہیں۔ اگر نماز میں کوئی رکن رہ جائے تو کیا کیا جائے؟ اگر تکبیر تحریمہ ہی رہ گئی، خواہ دانستہ یا بھول کر تو سرے سے نماز نہیں ہوگی کیونکہ تکبیر تحریمہ نماز کا ایک ایسا بنیادی رکن ہے جس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ اگر تکبیر تحریمہ کے علاوہ کوئی رکن دانستہ چھوڑ دیا جائے تو بھی نماز باطل ہے کیونکہ جان بوجھ کر کسی رکن کو چھوڑ دینا نماز کو خود ہی باطل کر دینا ہے۔ اگر نادانستہ طور پر تکبیر تحریمہ کے علاوہ کسی رکن کو چھوڑ دیا جائے تو اس کی دو صورتیں ہیں: * اگر نمازی اگلی رکعت میں متروکہ رکن تک پہنچ چکا ہے اور اسے یاد نہیں آیا تو اس صورت میں پہلی رکعت باطل ہو جائے گی اور دوسری رکعت خود بخود اس کے قائم مقام ہوگی، مثلاً: ایک نمازی پہلی رکعت کا دوسرا سجدہ بھول گیا اور اسے دوسری رکعت میں دو سجدوں کے درمیان بیٹھے ہوئے یاد آیا کہ میں نے پہلی رکعت کا دوسرا سجدہ نہیں کیا تھا، چونکہ وہ رکن متروک تک پہنچ چکا ہے اور اس کی پہلی رکعت اس کی ادائیگی کے بغیر پڑھی گئی ہے، لہٰذا پہلی رکعت باطل ہوگی اور دوسری رکعت اس کے قائم مقام ہوگی۔ اس طرح وہ اپنی نماز کو پورا کرے اور سلام پھیر دے، پھر سجدۂ سہو کر کے دوبارہ سلام پھیرے۔ * اگر دوسری رکعت میں متروکہ رکن تک پہنچنے سے پہلے پہلے

---

[1] سنن النسائي، التطبيق، حديث: 1178. [2] صحيح البخاري، السهو، حديث: 1230، و فتح الباري: 121/3.

[3] فتح الباري: 3/121، 122.

اسے یاد آ گیا کہ میری پہلی رکعت میں دوسرا سجدہ رہ گیا ہے تو فوراً لوٹ کر متروکہ رکن ادا کرے۔ اس کے بعد بقیہ نماز پوری کرے، مثلاً: ایک نمازی پہلی رکعت کا دوسرا سجدہ اور اس سے قبل بیٹھنا بھول گیا اور اسے دوسری رکعت کے رکوع سے کھڑے ہونے کے بعد یاد آیا کہ میری پہلی رکعت کا دوسرا سجدہ رہ گیا ہے تو وہ فوراً بیٹھ جائے اور متروک سجدہ کرے۔ اس کے بعد اپنی بقیہ نماز ادا کرے اور سلام پھیر دے۔ پھر سجدۂ سہو کر کے دوبارہ سلام پھیرے۔ اگر نماز میں رکن کے بجائے کوئی دوسرا واجب رہ گیا ہے تو اگر نمازی نے اس واجب کو دانستہ ترک کیا ہے تو اس صورت میں اس کی نماز سرے سے نہیں ہوگی اور اگر بھول کر چھوڑا ہے تو اس کی تین صورتیں ہیں: * جہاں وہ واجب ادا ہوتا ہے اس مقام پر فوراً یاد آ گیا تو اسے مکمل کرے، مثلاً: ایک نمازی نے دوسری رکعت کے آخری سجدے سے سر اٹھایا اور وہ اپنی دانست کے مطابق تیسری رکعت کے لیے اٹھنا چاہتا ہے، حالانکہ اس نے تشہد نہیں پڑھا لیکن اٹھنے سے پہلے پہلے یاد آ گیا تو اس صورت میں وہ بیٹھا رہے اور تشہد پڑھ کر اپنی نماز مکمل کرے۔ اس قسم کے سہو و نسیان پر کوئی سجدہ نہیں۔ * اگر اسے تیسری رکعت کے لیے اٹھنے کے بعد یاد آیا لیکن ابھی اس کے بعد والا رکن شروع نہیں کیا، یعنی پوری طرح سیدھا کھڑا نہیں ہو پایا تو فوراً لوٹ کر متروکہ واجب ادا کرے، پھر اپنی نماز کو مکمل کرے، مثلاً: نمازی کو تیسری رکعت کے لیے اٹھتے وقت یاد آیا لیکن ابھی تک پوری طرح سیدھا کھڑا نہیں ہو پایا تھا کہ اسے متروکہ واجب یاد آ گیا تو فوراً لوٹ کر تشہد پڑھے اور اپنی نماز مکمل کر کے سلام پھیرے۔ اس کے بعد سجدۂ سہو کرے اور آخر میں دوبارہ سلام پھیرے۔ * اگر اسے دوسرا رکن شروع کرنے کے بعد یاد آیا تو اس صورت میں متروکہ واجب ساقط ہو جائے گا اور وہ اس کے بغیر ہی نماز ادا کرے گا، مثلاً: نمازی تیسری رکعت ادا کرنے کے لیے تشہد پڑھے بغیر پوری طرح سیدھا کھڑا ہو گیا تو اس صورت میں تشہد ساقط ہو جائے گا۔ نمازی تشہد کے بغیر ہی اپنی نماز مکمل کرے اور سلام سے قبل سجدۂ سہو کر کے آخر میں سلام پھیر دے جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث میں ہے۔[1] ﴿۵﴾ امام بخاری رحمہ اللہ کی پہلی پیش کردہ حدیث میں نماز کی صراحت نہیں تھی جس میں رسول اللہ ﷺ کو سہو ہوا تھا، اس لیے دوسری روایت پیش کی جس میں وضاحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو نماز ظہر میں سہو کا واقعہ پیش آیا تھا۔ آپ کی یہ بھول بھی ہمارے لیے ایک نمونہ ہے۔ اگر یہ واقعہ پیش نہ آتا تو سہو کے متعدد مسائل ہمیں معلوم نہ ہوتے۔ واللہ اعلم۔

(۲) بَابٌ: إِذَا صَلَّى خَمْسًا

باب: 2- نمازی جب (بھول کر) پانچ رکعات پڑھ لے

١٢٢٦ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ

[1226] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے

1 مجموع المهمة للشيخ محمد بن صالح العثيمين.

الْحَكَمِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ صَلَّى الظُّهْرَ خَمْسًا، فَقِيلَ لَهُ: أَزِيدَ فِي الصَّلَاةِ؟ فَقَالَ: «وَمَا ذَاكَ؟» قَالَ: صَلَّيْتَ خَمْسًا، فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ بَعْدَ مَا سَلَّمَ. [راجع: 401]

کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ ظہر کی پانچ رکعات پڑھیں۔ آپ سے عرض کیا گیا: آیا نماز میں کچھ اضافہ کر دیا گیا ہے؟ آپ نے فرمایا: "وہ کیا؟" عرض کیا گیا: آپ نے پانچ رکعات پڑھی ہیں۔ تو آپ نے سلام پھیرنے کے بعد دو سجدے کیے۔

فائدہ: مذکورہ حدیث میں دوران نماز اضافے کی صورت بیان ہوئی ہے کہ اگر نماز میں کمی واقع ہو تو سلام سے پہلے سجدۂ سہو کیا جائے اور اگر کچھ اضافہ ہو جائے تو سلام کے بعد سجدۂ سہو ادا ہونا چاہیے۔ امام احمد رحمہ اللہ کا موقف ہے کہ ہر حدیث کو اس کے محل میں استعمال کیا جائے اور جس بھول کی صورت میں کوئی حدیث نہ مل سکے تو وہاں سلام سے پہلے سجدۂ سہو کیا جائے، تاہم اس کے متعلق تفصیل ہم آئندہ حدیث: 1227 کے تحت بیان کریں گے۔ البتہ نماز میں اضافے کی صورت میں مسائل واحکام کو ہم بیان کرتے ہیں، چنانچہ اس سلسلے میں شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ⊙ اگر نمازی نے اپنی نماز میں دانستہ طور پر قیام، جلوس، رکوع یا سجدے کا اضافہ کیا ہے تو اس صورت میں اس کی نماز باطل ہے کیونکہ اس نے صراحت کے ساتھ شریعت کی خلاف ورزی کی ہے۔ اگر بھول کر نماز میں اضافہ کیا ہے تو اس کی مندرجہ ذیل دو صورتیں ہیں: ⊙ نماز سے فراغت تک اسے اضافہ یاد نہیں آیا۔ اس صورت میں اس کے ذمے صرف سجدۂ سہو کرنا ہے، مثلاً: ایک شخص نے ظہر کی پانچ رکعت پڑھ لیں لیکن اضافے کا علم اس وقت ہوا جب وہ تشہد میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایسے حالات میں وہ تشہد پورا کرے اور سلام پھیرنے کے بعد سجدۂ سہو کرے۔ اس کے بعد دوبارہ سلام پھیرے۔ اگر اضافے کا علم سلام پھیرنے کے بعد ہوا ہے تب بھی اس کے ذمے سجدۂ سہو کرنا اور اس کے بعد سلام پھیرنا ہے۔ ⊙ اگر اضافے کا علم پانچویں رکعت کے دوران میں ہوا تو اسی وقت بیٹھ جائے اور تشہد پڑھ کر سلام پھیر دے، پھر سجدۂ سہو کر کے دوبارہ سلام پھیرے، مثلاً: ایک شخص نے ظہر کی پانچ رکعت ادا کیں اور پانچویں رکعت ادا کرتے ہوئے دوران قیام میں اسے اضافے کا علم ہو گیا تو وہ فوراً بیٹھ کر تشہد پورا کر کے سلام پھیرے، پھر سجدۂ سہو کرنے کے بعد دوبارہ سلام پھیرے۔ دوران نماز میں سلام پھیرنا بھی اضافے ہی کی ایک صورت ہے کیونکہ نمازی نے اپنی نماز میں ایک سلام کا اضافہ کر دیا ہے۔ اگر نمازی نے دانستہ ایسا کیا ہے تو اس کی نماز باطل ہے، اگر بھول کر ایسا ہوا ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں: ⊙ نمازی نے بھول کر سلام پھیر دیا لیکن اسے کافی دیر بعد اس غلطی کا احساس ہوا تو اسے از سر نو نماز پڑھنا ہوگی، مثلاً: ایک شخص نے نماز عصر ادا کرتے ہوئے دو رکعت پر سلام پھیر دیا، کافی دیر بعد اسے اپنی غلطی کا علم ہوا تو اس صورت میں اسے نماز عصر دوبارہ پڑھنی ہوگی۔ ⊙ اگر بھول کر سلام پھیرنے کے ایک دو منٹ بعد اسے پتہ چل گیا تو بقیہ نماز کو ادا کرے، پھر وہ سلام پھیرے۔ آخر میں دو سجدے کر کے دوبارہ سلام پھیرے، مثلاً: ایک شخص نے نماز عصر ادا کرتے ہوئے دو رکعت پر سلام پھیر

دیا لیکن اسے فوراً بعد اپنی غلطی کا پتہ چل گیا تو اسے چاہیے کہ وہ بقیہ دو رکعت ادا کرے اور سلام پھیر دے، پھر سجدۂ سہو کر کے دوبارہ سلام پھیرے۔ اس کی دلیل حدیث: 1227 ہے جو آگے آ رہی ہے۔ وہاں اس کے متعلق مزید تفصیل بیان کی جائے گی۔ ⓷ اگر امام نے نماز مکمل ہونے سے پہلے بھول کر سلام پھیر دیا، اس کے پیچھے کچھ ایسے لوگ بھی تھے جن کی نماز کا کچھ حصہ رہ گیا تھا اور وہ اپنی بقیہ نماز ادا کرنے کے لیے کھڑے ہو گئے، اس وقت امام کو یاد آیا کہ اس نے نامکمل نماز پر سلام پھیر دیا تھا، وہ اسے مکمل کرنے کے لیے کھڑا ہو گیا تو اب بقیہ نماز ادا کرنے والوں کو اختیار ہے کہ وہ دو باتوں میں سے ایک کو اپنائیں: ﴿1﴾ وہ اپنی نماز کو جاری رکھیں اور فراغت کے بعد سجدۂ سہو کر لیں۔ ﴿2﴾ امام کے ساتھ نماز پڑھنا شروع کر کے اس کی متابعت کریں۔ جب وہ سلام پھیر دے تو اپنی بقیہ نماز کو پورا کر لیں، سلام پھیر کر سجدۂ سہو کریں، پھر دوبارہ سلام پھیریں۔ یہ آخری صورت زیادہ بہتر اور احتیاط والی ہے۔[1]

(٣) بَابٌ: إِذَا سَلَّمَ فِي رَكْعَتَيْنِ أَوْ فِي ثَلَاثٍ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ مِثْلَ سُجُودِ الصَّلَاةِ أَوْ أَطْوَلَ

باب: 3- جب دوسری یا تیسری رکعت میں سلام پھیر دے تو نماز کے سجدے کی طرح یا اس سے بھی طویل دو سجدے کرے

١٢٢٧ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعْدِ ابْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: صَلَّى بِنَا النَّبِيُّ ﷺ الظُّهْرَ أَوِ الْعَصْرَ فَسَلَّمَ، فَقَالَ لَهُ ذُو الْيَدَيْنِ: الصَّلَاةُ يَا رَسُولَ اللهِ! أَنَقَصَتْ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِأَصْحَابِهِ: «أَحَقٌّ مَا يَقُولُ؟» قَالُوا: نَعَمْ، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ أُخْرَيَيْنِ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ. قَالَ سَعْدٌ: وَرَأَيْتُ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ صَلَّى مِنَ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ فَسَلَّمَ وَتَكَلَّمَ، ثُمَّ صَلَّى مَا بَقِيَ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ وَقَالَ: هٰكَذَا فَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ. [راجع: ٤٨٢]

[1227] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ہمیں ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی۔ جب آپ نے سلام پھیرا تو ذوالیدین نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا نماز میں کمی کر دی گئی ہے؟ نبی ﷺ نے اپنے اصحاب سے دریافت کیا: ''کیا ذوالیدین صحیح کہتا ہے؟'' انھوں نے عرض کیا: ہاں (یہ صحیح کہتا ہے)۔ اس کے بعد آپ نے دو رکعت مزید پڑھیں، پھر دو سجدے کیے۔ (راوی حدیث) سعد بن ابراہیم کہتے ہیں: میں نے عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو دیکھا، انھوں نے نماز مغرب کی دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا پھر گفتگو بھی کی، اس کے بعد بقیہ نماز ادا کی اور دو سجدے کیے اور فرمایا کہ نبی ﷺ نے بھی ایسے کیا تھا۔

[1] سجود السهو للشيخ محمد بن صالح العثيمين.

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہ ہے کہ اگر کسی نے نماز ظہر یا عصر شروع کی لیکن نادانستہ طور پر دوسری یا تیسری رکعت پر سلام پھیر دیا تو اس کی تلافی بایں طور پر ہو سکتی ہے کہ فوراً یاد آنے پر بقیہ نماز ادا کرے اور نماز کے سجدے کی طرح یا اس سے بھی طویل دو سجدے بطور سہو کرے۔ لیکن اس سلسلے میں جو روایت پیش کی ہے اس میں دوسری یا تیسری رکعت پر سلام پھیرنے کا ذکر نہیں، تاہم دیگر روایات میں اس کی تفصیل ہے چنانچہ صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دوسری رکعت کے بعد سلام پھیر دیا تھا۔ (حدیث: 1228) اسی طرح صحیح مسلم میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ نماز عصر میں تیسری رکعت پر سلام پھیر دیا تھا۔[1] نماز جیسے یا اس سے بھی طویل دو سجدے کرنے کا ذکر بھی صحیح بخاری میں ہے۔[2] ② سجدۂ سہو سلام سے پہلے ہو یا بعد میں، اس میں اختلاف ہے۔ ہم یہاں شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ کی تحقیق نقل کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: سلام سے پہلے سجدۂ سہو کرنے کے دو مقام ہیں: ✽ جب نماز میں کسی قسم کی کمی ہو جائے جیسا کہ عبداللہ ابن بحینہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ سہواً درمیانی تشہد چھوڑ دیا تھا تو آپ نے سلام سے پہلے دو سجدے کیے۔ یہ حدیث (1224) پہلے گزر چکی ہے۔ ✽ جب دوران نماز میں تعداد رکعات کے متعلق شک پڑ جائے اور کسی ایک جانب رجحان نہ ہو سکے تو یقین پر بنیاد رکھتے ہوئے نماز کو مکمل کیا جائے، پھر سلام سے پہلے سہو کے دو سجدے کیے جائیں جیسا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں اس کی صراحت ہے۔[3] اسی طرح سلام کے بعد سجدۂ سہو کرنے کے بھی دو مقام ہیں۔ ✽ اگر نماز میں کسی قسم کا اضافہ ہو جائے تو سلام کے بعد دو سجدے کیے جائیں، پھر دوبارہ سلام پھیرا جائے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے۔[4] اس حدیث کے مطابق حکم عام ہے قطع نظر اس کے کہ نماز میں اضافے کا علم دوران نماز میں ہو یا سلام کے بعد۔ چونکہ نماز ظہر کی پانچ رکعت پڑھنے پر سجدۂ سہو کیا گیا ہے اور حدیث میں اس کی وضاحت نہیں کہ آپ کو سلام کے بعد اضافے کا علم ہوا تھا، اس لیے آپ نے سلام کے بعد دو سجدے کیے ہیں۔ اس بنا پر مطلق طور پر اضافے کی صورت میں سلام کے بعد سجدۂ سہو کرنا مناسب ہے۔ ✽ اگر دوران نماز تعداد رکعات کے متعلق شک پڑ جائے اور کوشش و تحری سے ایک جانب رجحان ہو جائے تو اس صورت میں بھی سلام کے بعد ہی سجدۂ سہو کرنا ہوگا جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز میں شک پڑ جائے تو وہ درستی کی کوشش کرتے ہوئے اپنی نماز مکمل کرے، پھر سلام پھیر کر آخر میں دو سجدے کرے۔"[5] ③ اگر نماز میں دو سہو ہو جائیں ایک کا تقاضا سلام سے پہلے کا ہو اور دوسرے کا تقاضا سلام کے بعد کا تو سلام سے پہلے ہی دو سجدے کیے جائیں، مثلاً: ایک شخص نماز ظہر پڑھتے ہوئے اپنے خیال کے مطابق دوسری رکعت کے بعد، جو در حقیقت

---

1 صحيح مسلم، المساجد، حديث: 1293 (574). 2 صحيح البخاري، السهو، حديث: 1228. 3 صحيح مسلم، المساجد، حديث: 1272 (571). 4 صحيح البخاري، السهو، حديث: 1226. 5 صحيح البخاري، الصلاة، حديث: 401.

تیسری تھی تشہد بیٹھ گیا۔ تشہد سے کھڑا ہوا تو اسے یاد آیا کہ وہ دو رکعتوں کے بعد تشہد بھول گیا تھا اور دوسری کی بجائے تیسری کے بعد اس نے تشہد کیا ہے جو کہ زائد ہے اور اب اس کی چوتھی رکعت ہے تو وہ اپنی یہ رکعت مکمل کر کے سجدۂ سہو کر کے سلام پھیر دے۔ اس صورت میں تشہد اول ترک کرنے کی وجہ سے سلام سے پہلے سجدۂ سہو ہے اور تیسری رکعت میں جلوس کا اضافہ کرنے کی وجہ سے سلام کے بعد سہو ہے، لیکن سلام سے پہلے سجدۂ سہو کو ترجیح دی جائے گی۔[1] الغرض سجدۂ سہو سلام سے پہلے یا بعد دونوں طرح جائز ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے دونوں طرح ثابت ہے، البتہ افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ ان سجدوں کے جو اسباب سلام سے پہلے کسی فعل کے ساتھ مقید ہوں وہاں سلام سے پہلے سجدے کیے جائیں اور جہاں سلام کے بعد مقید ہوں وہاں سلام کے بعد کیے جائیں اور جن اسباب کی ان دونوں میں سے کسی کے ساتھ بھی قید نہ ہو ان میں زیادتی اور نقصان کو دیکھے بغیر نمازی کو سلام سے پہلے اور بعد میں سجدے کرنے کا اختیار ہے۔ واللہ اعلم۔

(٤) بَابُ مَنْ لَمْ يَتَشَهَّدْ فِي سَجْدَتَيِ السَّهْوِ

باب: 4- جو شخص سجدۂ سہو کے بعد تشہد نہیں پڑھتا

وَسَلَّمَ أَنَسٌ وَالْحَسَنُ وَلَمْ يَتَشَهَّدَا. وَقَالَ قَتَادَةُ: لَا يَتَشَهَّدُ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے (سجدۂ سہو کے بعد) سلام پھیرا اور تشہد نہیں پڑھا۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ نے کہا: ان کے بعد تشہد نہ پڑھے۔

وضاحت: اگر سلام سے پہلے سجدۂ سہو کیا جائے تو جمہور کا موقف ہے کہ تشہد کا اعادہ نہ کیا جائے۔ اور اگر سلام کے بعد ادا کیے جائیں تو اس میں اختلاف ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا موقف ہے کہ تشہد کے بغیر ہی سلام پھیر دیا جائے کیونکہ کسی صحیح حدیث میں تشہد پڑھنے کا ذکر نہیں۔ اور جن روایات میں تشہد کا ذکر ہے وہ قابل حجت نہیں ہیں، اس لیے ہمارے نزدیک بھی یہی صحیح ہے کہ دوران نماز میں سہو و نسیان کا شکار ہونے والا صرف سجدۂ سہو کرے گا اور پھر سلام پھیر دے گا۔ تشہد نہیں پڑھے گا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے آثار کو ابن ابی شیبہ نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔[2] حضرت قتادہ رحمہ اللہ کے اثر کو امام عبدالرزاق نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔[3] لیکن وہاں عبارت "لا" کے بغیر ہے، وہاں ہے کہ سجدۂ سہو میں تشہد پڑھے گا اور سلام پھیرے گا۔ ممکن ہے کہ صحیح بخاری کے نسخوں میں "لا" زائد ہو کیونکہ قتادہ رحمہ اللہ کے متعلق مختلف روایات ہیں۔[4]

١٢٢٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ أَيُّوبَ بْنِ أَبِي تَمِيمَةَ

[1228] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیا تو

1 سجود السهو، للشيخ محمد بن صالح العثيمين. 2 المصنف لابن أبي شيبة: 426/2. 3 المصنف لابن أبي شيبة: 314/2. 4 فتح الباري: 128/3.

السَّخْتِيَانِيُّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ انْصَرَفَ مِنَ اثْنَتَيْنِ فَقَالَ لَهُ ذُو الْيَدَيْنِ: أَقَصُرَتِ الصَّلَاةُ أَمْ نَسِيتَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَصَدَقَ ذُو الْيَدَيْنِ؟» فَقَالَ النَّاسُ: نَعَمْ، فَقَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَصَلَّى اثْنَتَيْنِ أُخْرَيَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ كَبَّرَ فَسَجَدَ مِثْلَ سُجُودِهِ أَوْ أَطْوَلَ، ثُمَّ رَفَعَ. [راجع: ١٢٨٢]

آپ سے حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! کیا نماز کم ہوگئی ہے یا آپ بھول گئے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے (حاضرین سے) پوچھا: "ذوالیدین نے سچ کہا ہے؟" لوگوں نے عرض کیا: جی ہاں۔ تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور مزید دو رکعت ادا کیں پھر سلام پھیرا۔ اس کے بعد اللہ اکبر کہا اور پہلے دو سجدوں کی طرح یا اس سے طویل سجدے کیے پھر اپنا سر مبارک اٹھایا۔

حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ عَلْقَمَةَ قَالَ: قُلْتُ لِمُحَمَّدٍ: فِي سَجْدَتَيِ السَّهْوِ تَشَهُّدٌ؟ قَالَ: لَيْسَ فِي حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ.

سلمہ بن علقمہ کہتے ہیں: میں نے محمد بن سیرین سے پوچھا: کیا سجدۂ سہو کے بعد تشہد ہے؟ انھوں نے فرمایا: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث میں اس کا ذکر نہیں۔

فائدہ: ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ آگے بڑھے اور بقیہ نماز ادا کی، پھر سلام پھیرا، اس کے بعد اللہ اکبر کہا اور سابقہ سجدوں کی طرح یا اس سے طویل سجدہ کیا، پھر اپنا سر مبارک اٹھایا اور اللہ اکبر کہا، پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدہ کیا اس کے بعد اپنا سر مبارک اٹھایا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بعض اوقات سوال کیا جاتا کہ پھر آپ نے سلام پھیرا؟ تو فرماتے کہ مجھے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی طرف سے خبر دی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بعد سلام پھیرا۔[1] چنانچہ صحیح مسلم کی حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں صرف سلام پھیرنے کا ذکر ہے تشہد پڑھنے کا ذکر نہیں۔[2] لیکن اشعث بن عبدالملک کی روایت میں تشہد پڑھنے کا ذکر ہے۔[3] لیکن محدثین نے اس روایت میں تشہد پڑھنے کے ذکر کو شاذ قرار دیا ہے اور اس روایت کو محفوظ قرار دیا ہے جس میں صرف سلام پھیرنے کا ذکر ہے۔[4] اسی طرح حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں تشہد پڑھنے کا ذکر ہے۔[5] اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں بھی تشہد پڑھنے کا ذکر ہے۔[6] لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان دونوں روایات کو ضعیف قرار دیا ہے۔[7] صحیح روایات میں سجدۂ سہو کے بعد تشہد پڑھے بغیر سلام پھیرنے کا ذکر ہے لہٰذا اسی کو

1. صحيح البخاري، الصلاة، حديث: 482. 2. صحيح مسلم، المساجد، حديث: 1293 (574). 3. سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 1039. 4. فتح الباري: 128/3. 5. السنن الكبرى للبيهقي: 355/2. 6. مسند أحمد: 428/1. 7. فتح الباري: 128/3.

اختیار کرنا چاہیے۔

(٥) بَابٌ: يُكَبِّرُ فِي سَجْدَتَيِ السَّهْوِ

باب: 5- سجدۂ سہو میں اللہ اکبر کہنا

وضاحت: بعض حضرات کا موقف ہے کہ جب سلام کے بعد سہو کے دو سجدے کیے جائیں تو ان کے لیے پہلے تکبیر تحریمہ کہی جائے، پھر اللہ اکبر کہہ کر سجدہ کیا جائے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے جمہور کے موقف کو اختیار کیا ہے کہ اس کے لیے سجدے کی تکبیر ہی کافی ہے، الگ سے تکبیر تحریمہ کہنے کی ضرورت نہیں۔

١٢٢٩ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ إِحْدَى صَلَاتَيِ الْعَشِيِّ - قَالَ مُحَمَّدٌ: وَأَكْثَرُ ظَنِّي أَنَّهَا الْعَصْرُ - رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ، ثُمَّ قَامَ إِلَى خَشَبَةٍ فِي مُقَدَّمِ الْمَسْجِدِ فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَيْهَا وَفِيهِمْ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، فَهَابَا أَنْ يُكَلِّمَاهُ، وَخَرَجَ سَرَعَانُ النَّاسِ فَقَالُوا: أَقُصِرَتِ الصَّلَاةُ؟ وَرَجُلٌ يَدْعُوهُ النَّبِيُّ ﷺ ذَا الْيَدَيْنِ فَقَالَ: أَنَسِيتَ أَمْ قُصِرَتْ؟ فَقَالَ: «لَمْ أَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ»، قَالَ: بَلَى قَدْ نَسِيتَ، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ كَبَّرَ فَسَجَدَ مِثْلَ سُجُودِهِ أَوْ أَطْوَلَ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَكَبَّرَ، ثُمَّ وَضَعَ رَأْسَهُ فَكَبَّرَ فَسَجَدَ مِثْلَ سُجُودِهِ أَوْ أَطْوَلَ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ وَكَبَّرَ. [راجع: ٤٨٢]

[1229] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ نے سہ پہر کی دو نمازوں (ظہر یا عصر) میں سے کوئی نماز دو رکعت پڑھائی۔۔۔۔ راوئ حدیث محمد بن سیرین نے کہا: میرا غالب گمان ہے کہ وہ عصر کی نماز تھی۔۔ سلام پھیر دیا۔ اس کے بعد مسجد کے اگلے حصے میں گاڑی ہوئی ایک لکڑی پر اپنا دست مبارک رکھ کر کھڑے ہو گئے۔ حاضرین میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے لیکن انھیں بھی آپ سے ہم کلام ہونے کی جرأت نہ ہوئی۔ جلد باز لوگ مسجد سے باہر جا کر کہنے لگے: کیا نماز مختصر ہو گئی ہے؟ ایک شخص جسے نبی ﷺ ذوالیدین کہتے تھے، نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا آپ بھول گئے ہیں یا نماز کم کر دی گئی ہے؟ آپ نے فرمایا: "نہ تو میں نسیان کا شکار ہوا ہوں اور نہ نماز ہی میں کمی ہوئی ہے۔" حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ضرور آپ کو بھول لگی ہے۔ اس کے بعد آپ نے دو رکعت مزید پڑھیں اور سلام پھیرا۔ اس کے بعد اللہ اکبر کہا اور معمول کے مطابق یا اس سے بھی طویل سجدہ کیا، پھر اپنا سر مبارک اٹھایا۔ اس کے بعد پھر اللہ اکبر کہا اور سجدے میں چلے گئے۔ یہ سجدہ بھی معمول کے مطابق یا اس سے طویل تھا۔ اس کے بعد آپ نے اللہ اکبر کہہ کر سر مبارک اٹھایا۔

١٢٣٠ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ. حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ بُحَيْنَةَ الْأَسْدِيِّ حَلِيفِ بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَامَ فِي صَلَاةِ الظُّهْرِ وَعَلَيْهِ جُلُوسٌ، فَلَمَّا أَتَمَّ صَلَاتَهُ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ يُكَبِّرُ فِي كُلِّ سَجْدَةٍ وَهُوَ جَالِسٌ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ، وَسَجَدَهُمَا النَّاسُ مَعَهُ مَكَانَ مَا نَسِيَ مِنَ الْجُلُوسِ. تَابَعَهُ ابْنُ جُرَيْجٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ فِي التَّكْبِيرِ

[1230] حضرت عبداللہ ابن بحینہ اسدی ؓ جو عبدالمطلب کے حلیف تھے، سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز میں دو رکعت کے بعد کھڑے ہو گئے جبکہ آپ کو بیٹھ کر تشہد پڑھنا تھا۔ جب آپ نماز مکمل کرنے کے قریب تھے تو آپ نے بیٹھے بیٹھے ہی سلام سے قبل دو سجدے کیے اور ان کے لیے اللہ اکبر بھی کہا۔ مقتدیوں نے بھی آپ کے ساتھ یہ دو سجدے کیے۔ یہ اس تشہد کی جگہ تھے جسے آپ بھول گئے تھے۔

امام ابن شہاب سے تکبیر کا لفظ بیان کرنے میں ابن جریج نے لیث کی متابعت کی ہے۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ نے ان روایات سے ثابت کیا ہے کہ سجدۂ سہو کے لیے الگ سے تکبیر تحریمہ کہنے کی ضرورت نہیں بلکہ سجدے کو جاتے ہوئے ایک دفعہ اللہ اکبر کہنا ہی کافی ہے۔ تکبیر تحریمہ کہنے کے متعلق سنن ابی داود کی ایک روایت بیان کی جاتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: رسول اللہ ﷺ نے اللہ اکبر کہا، پھر اللہ اکبر کہا اور سجدۂ سہو کیا۔[1] لیکن امام ابوداود ؒ نے خود ہی اس روایت کے شاذ ہونے کی طرف واضح اشارہ فرمایا ہے کہ ان الفاظ کو حماد بن زید کے علاوہ دوسرے راویوں نے بیان نہیں کیا۔ ہشام بن حسان سے ان کے دوسرے شاگرد جب اس روایت کو بیان کرتے ہیں تو وہ مذکورہ الفاظ ذکر نہیں کرتے۔[2] ② ابن جریج کی متابعت کو امام عبدالرزاق نے اپنی متصل سند سے بیان کیا ہے جس کے الفاظ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہر سجدۂ سہو میں اللہ اکبر کہتے تھے۔ مسند امام احمد کی روایت بایں الفاظ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ اکبر کہا، پھر سجدہ کیا۔ اس کے بعد اللہ اکبر کہا اور دوسرا سجدہ کیا۔ اس کے بعد آپ نے سلام پھیر دیا۔ ان تمام روایات میں صرف سجدہ کرتے وقت تکبیر کہنے کا ذکر ہے، تکبیر تحریمہ کا کوئی ذکر نہیں۔ اور جن روایات میں پہلے سجدے سے قبل دو دفعہ اللہ اکبر کہنے کا ذکر ہے وہ محدثین کے معیار صحت پر پوری نہیں اترتیں۔[3]

(٦) بَابٌ: إِذَا لَمْ يَدْرِ كَمْ صَلَّى ثَلَاثًا أَوْ أَرْبَعًا سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ

باب: 6- جب نمازی کو معلوم نہ ہو کہ کتنی رکعات پڑھی ہیں، تین یا چار؟ تو بیٹھے بیٹھے سہو کے دو سجدے کرے

1 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 1011. 2 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 1011. 3 فتح الباري: 134/3.

١٢٣١ - حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ ابْنُ أَبِي عَبْدِ اللهِ الدَّسْتَوَائِيُّ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا نُودِيَ بِالصَّلَاةِ أَدْبَرَ الشَّيْطَانُ وَلَهُ ضُرَاطٌ حَتَّى لَا يَسْمَعَ الْأَذَانَ، فَإِذَا قُضِيَ الْأَذَانُ أَقْبَلَ، فَإِذَا ثُوِّبَ بِهَا أَدْبَرَ، فَإِذَا قُضِيَ التَّثْوِيبُ أَقْبَلَ حَتَّى يَخْطِرَ بَيْنَ الْمَرْءِ وَنَفْسِهِ، يَقُولُ: اذْكُرْ كَذَا وَكَذَا، مَا لَمْ يَكُنْ يَذْكُرُ، حَتَّى يَظَلَّ الرَّجُلُ إِنْ يَدْرِي كَمْ صَلَّى، فَإِذَا لَمْ يَدْرِ أَحَدُكُمْ كَمْ صَلَّى ثَلَاثًا أَوْ أَرْبَعًا، فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ». [راجع: ٦٠٨]

[1231] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب نماز کے لیے اذان دی جاتی ہے تو شیطان گوز مارتا ہوا بھاگتا ہے اور (اتنی دور چلا جاتا ہے کہ) اذان کی آواز نہیں سن پاتا۔ جب اذان ختم ہو جاتی ہے تو واپس آ جاتا ہے اور جب تکبیر کہی جاتی ہے تو پھر بھاگتا ہے۔ جب تکبیر پوری ہو جاتی ہے تو پھر واپس آ کر نمازی اور اس کے دل میں وسوسہ اندازی کرتا ہے اور کہتا ہے فلاں فلاں چیز یاد کر، جو اسے پہلے یاد نہیں ہوتی، حتی کہ نمازی ایسا ہو جاتا ہے کہ نہیں جانتا اس نے کتنی رکعات پڑھی ہیں، اس لیے اگر تم میں سے کسی کو معلوم نہ رہے کہ اس نے کتنی رکعات پڑھی ہیں، تین یا چار؟ تو بیٹھے بیٹھے دو سہو کے سجدے کرے۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں محل سجود کی تعیین نہیں کہ وہ سلام سے پہلے ہیں یا بعد میں، اس کی وضاحت ایک اور روایت میں ہے جسے امام دارقطنی ؒ نے بیان کیا ہے کہ اگر تم میں سے کسی کو دوران نماز میں سہو ہو جائے اور اسے پتہ نہ چل سکے کہ زیادہ رکعات پڑھی ہیں یا کم تو اسے چاہیے کہ سلام سے پہلے بیٹھے بیٹھے دو سجدے کرے۔[1] اس روایت سے معلوم ہوا کہ شک کی صورت میں اسے سلام سے پہلے دو سجدے کرنے چاہئیں۔[2] ② دوران نماز شک کرنے کی صورت میں کچھ تفصیل ہے: اگر نمازی کو اپنی نماز میں شک پڑ جائے تو وہ درستی کی کوشش کرے اور اپنی مستحکم رائے پر نماز کی بنیاد رکھتے ہوئے اسے پورا کرے اور سلام پھیر دے۔ سلام کے بعد آخر میں سہو کے دو سجدے کر لے۔[3] درست رائے واضح نہ ہو سکے تو شک والی رکعت کو نظرانداز کر دے اور جتنی رکعات یقینی ہیں، انھیں شمار کرے اور یقین پر بنیاد رکھتے ہوئے بقیہ نماز پوری کرے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے جب کسی کو دوران نماز میں شک پڑ جائے کہ اس نے کتنی رکعات پڑھی ہیں، تین یا چار؟ تو شک کو نظرانداز کر دے اور یقین پر نماز کی بنیاد رکھے۔ پھر سلام پھیرنے سے پہلے سہو کے دو سجدے کرے۔ اگر اس نے پانچ رکعات پڑھی ہوں گی تو یہ سجدے چھٹی رکعت کے قائم مقام ہو جائیں گے۔ اور اگر اس نے پوری نماز (چار رکعت) ہی پڑھی ہے تو یہ دو سجدے شیطان کی ذلت اور رسوائی کا باعث ہوں گے۔''[4] اس کی مزید وضاحت ایک دوسری حدیث میں

---

1 فتح الباري: 135/3. 2 صحيح البخاري، الصلاة، حديث: 401. 3 سنن دارقطني: 40/2، طبع دارالمعرفة.

4 صحيح مسلم، المساجد، حديث: 1272 (571).

ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز میں شک ہو جائے اور اسے علم نہ ہو کہ اس نے ایک رکعت پڑھی ہے یا دو، تو وہ اپنی نماز کو ایک رکعت ہی بنا لے۔ اور اگر اسے یہ علم نہ ہو کہ اس نے دو رکعت پڑھی ہیں یا تین تو وہ اپنی نماز کو دو رکعت ہی بنا لے۔ اور اگر اسے یہ علم نہ ہو کہ اس نے تین پڑھی ہیں یا چار تو وہ اسے تین رکعت ہی بنا لے۔ پھر جب وہ نماز سے فراغت کے قریب ہو تو سلام پھیرنے سے قبل بیٹھے بیٹھے ہی سہو کے دو سجدے کرے۔"[1] ② دوران نماز میں شک پڑنے کی صورت میں شیخ محمد بن صالح عثیمین کی تحقیق حسب ذیل ہے۔ دو معاملات کے درمیان تردد کو شک کہتے ہیں کہ کون سا معاملہ واقع ہے۔ درج ذیل تین حالات میں شک کو کوئی اہمیت نہ دی جائے۔ * دوران نماز میں محض وہم پیدا ہوا جس کی کوئی حقیقت نہ ہو جیسا کہ وساوس وغیرہ ہوتا ہے۔ * جب نمازی کو بکثرت وہم کی بیماری لاحق ہوتی ہے کہ جب بھی نماز کے لیے کھڑا ہو تو وہم کا شکار ہو جاتا ہے۔ * عبادت سے فراغت کے بعد شک پڑ جائے تو اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی جائے جب تک اسے یقین نہ ہو جائے۔ ان تین صورتوں کے علاوہ اگر دوران نماز شک پڑ جائے تو وہ قابل اعتبار ہوگا اور اس کی دو حالتیں ممکن ہیں: * نمازی کا رجحان ایک طرف ہو، اس صورت میں اپنے رجحان کے مطابق عمل کرتے ہوئے اپنی نماز کو پورا کرے اور سلام پھیرے، پھر دو سہو کے سجدے کرے اور سلام پھیرے، مثلاً: ایک نمازی کو نماز ظہر پڑھتے ہوئے شک پڑا کہ اس کی دوسری رکعت ہے یا تیسری لیکن رجحان تیسری رکعت کی طرف ہے تو اسے تیسری قرار دے کر اپنی نماز پوری کرے، یعنی چوتھی رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے۔ اس کے بعد، سہو کے سجدے کرے اور سلام پھیرے جیسا کہ صحیح بخاری (حدیث: 401) میں ہے۔ * اگر نمازی کا رجحان کسی جانب نہیں ہے تو وہ شک کو نظر انداز کر کے یقین پر بنیاد رکھے جو کہ کم رکعات پر بنیاد ہوگی۔ پھر نماز مکمل کر کے سلام سے قبل دو سہو کے سجدے ادا کرے اور سلام پھیر دے، مثلاً: ایک نمازی کو نماز عصر پڑھتے ہوئے شک گزرا کہ اس کی دوسری رکعت ہے یا تیسری لیکن اس کا رجحان کسی جانب نہیں تو کم رکعات پر بنیاد رکھے، یعنی اسے دوسری قرار دے کر پہلا تشہد پڑھے، اس کے بعد دو رکعات پڑھے، پھر سلام سے قبل سہو کے دو سجدے کرے اور سلام پھیر دے جیسا کہ صحیح مسلم (حدیث: 1272 (571)) میں ہے۔[2]

(٧) بَابُ السَّهْوِ فِي الْفَرْضِ وَالتَّطَوُّعِ

باب: 7- فرائض اور نوافل میں سجدۂ سہو کرنا

وَسَجَدَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا سَجْدَتَيْنِ بَعْدَ وِتْرِهِ.

حضرت ابن عباس ؓ نے وتر کے بعد سہو کے دو سجدے کیے۔

وضاحت: بعض حضرات کا موقف ہے کہ نوافل میں سہو و نسیان پر کوئی سجدہ نہیں جبکہ جمہور کے نزدیک نوافل میں بھی سجدۂ سہو ہے۔ امام بخاری ؒ نے بھی اسی موقف کو اختیار کیا ہے۔ حضرت ابن عباس ؓ کے اثر کو امام ابن ابی شیبہ نے اپنی

---

[1] مسند أحمد: 190/1. [2] سجود السهو للشيخ محمد بن صالح العثيمين.

متصل سند سے بیان کیا ہے۔"

١٢٣٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا قَامَ يُصَلِّي جَاءَ الشَّيْطَانُ فَلَبَسَ عَلَيْهِ حَتَّى لَا يَدْرِيَ كَمْ صَلَّى، فَإِذَا وَجَدَ ذٰلِكَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ». [راجع: ٦٠٨]

[1232] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو شیطان آ کر اس کی نماز کو خلط ملط کر دیتا ہے حتی کہ وہ (نمازی) نہیں جانتا اس نے کتنی رکعات پڑھی ہیں۔ جب تم میں سے کوئی ایسی حالت سے دوچار ہو تو بیٹھے بیٹھے دو سہو کے سجدے کرے۔"

فائدہ: امام بخاری ؒ کے استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ حدیث میں لفظ صلاۃ مطلق ہے جو ہر قسم کی نماز پر مشتمل ہے، خواہ فرض ہو یا نفل۔ اس بنا پر ہر قسم کی نماز میں بھول چوک ہونے پر سجدۂ سہو کرنا ہوگا۔ لیکن دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ یہ محض اشتراک لفظی ہے کیونکہ فرض اور نوافل کی شرائط میں واضح فرق ہے، نیز حدیث کے سابقہ طریق میں اذان اور تکبیر کا ذکر ہے اور فرض نماز کے لیے ہی اس قسم کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ لیکن راجح موقف یہی ہے کہ ہر قسم کی نماز میں سجدۂ سہو کرنا چاہیے کیونکہ اس کے اسباب و مقاصد تو ہر قسم کی نماز میں ہوتے ہیں۔¹

(٨) بَابٌ: إِذَا كُلِّمَ وَهُوَ يُصَلِّي فَأَشَارَ بِيَدِهِ وَاسْتَمَعَ

باب: 8- جب نمازی سے کوئی بات کرے اور وہ سن کر ہاتھ سے اشارہ کر دے

١٢٣٣ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَمْرٌو، عَنْ بُكَيْرٍ، عَنْ كُرَيْبٍ: أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَالْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَزْهَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ أَرْسَلُوهُ إِلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، فَقَالُوا: اقْرَأْ عَلَيْهَا السَّلَامَ مِنَّا جَمِيعًا وَسَلْهَا عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ صَلَاةِ الْعَصْرِ، وَقُلْ لَهَا: إِنَّا

[1233] حضرت کریب سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس، حضرت مسور بن مخرمہ اور حضرت عبدالرحمن بن ازہر ؓ نے انھیں ام المومنین حضرت عائشہ ؓ کے پاس بھیجا اور کہا کہ ہم سب کی طرف سے انھیں سلام کہنا اور ان سے نماز عصر کے بعد دو رکعت کے متعلق دریافت کرنا، نیز ان سے عرض کرنا کہ ہماری اطلاع کے مطابق آپ عصر کی نماز کے بعد دو رکعت پڑھتی ہیں، حالانکہ ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ

¹ المصنف لابن أبي شيبة: 214/3. ² فتح الباري: 138/3.

أَخْبِرْنَا أَنَّكَ تُصَلِّيهِمَا، وَقَدْ بَلَغَنَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْهَا - وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: وَكُنْتُ أَضْرِبُ النَّاسَ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ عَنْهَا - قَالَ كُرَيْبٌ: فَدَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا فَبَلَّغْتُهَا مَا أَرْسَلُونِي، فَقَالَتْ: سَلْ أُمَّ سَلَمَةَ، فَخَرَجْتُ إِلَيْهِمْ فَأَخْبَرْتُهُمْ بِقَوْلِهَا، فَرَدُّونِي إِلَى أُمِّ سَلَمَةَ بِمِثْلِ مَا أَرْسَلُونِي بِهِ إِلَى عَائِشَةَ، فَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَنْهَى عَنْهَا، ثُمَّ رَأَيْتُهُ يُصَلِّيهِمَا حِينَ صَلَّى الْعَصْرَ ثُمَّ دَخَلَ عَلَيَّ وَعِنْدِي نِسْوَةٌ مِنْ بَنِي حَرَامٍ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَأَرْسَلْتُ إِلَيْهِ الْجَارِيَةَ فَقُلْتُ: قُومِي بِجَنْبِهِ قُولِي لَهُ: تَقُولُ لَكَ أُمُّ سَلَمَةَ: يَا رَسُولَ اللهِ! سَمِعْتُكَ تَنْهَى عَنْ هَاتَيْنِ وَأَرَاكَ تُصَلِّيهِمَا، فَإِنْ أَشَارَ بِيَدِهِ فَاسْتَأْخِرِي عَنْهُ، فَفَعَلَتِ الْجَارِيَةُ، فَأَشَارَ بِيَدِهِ فَاسْتَأْخَرَتْ عَنْهُ. فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: «يَا ابْنَةَ أَبِي أُمَيَّةَ! سَأَلْتِ عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ، وَإِنَّهُ أَتَانِي نَاسٌ مِنْ عَبْدِ الْقَيْسِ فَشَغَلُونِي عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ، فَهُمَا هَاتَانِ» [انظر: ٤٣٧٠]

نبی ﷺ نے ان سے منع فرمایا ہے۔ حضرت ابن عباس ؓ نے یہ بھی کہا کہ میں حضرت عمر فاروق ؓ کے ہمراہ یہ دو رکعت پڑھنے والوں کو مارتا تھا۔ حضرت کریب کہتے ہیں: میں ام المومنین حضرت عائشہ ؓ کے پاس گیا اور انھیں وہ خبر پہنچا دی جس کے لیے انھوں نے مجھے بھیجا تھا۔ حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: حضرت ام سلمہ ؓ سے اس کے متعلق دریافت کرو، چنانچہ میں ان حضرات کے پاس گیا اور انھیں حضرت عائشہ ؓ کی بات سے آگاہ کر دیا۔ پھر انھوں نے مجھے حضرت ام سلمہ ؓ کی طرف وہی پیغام دے کر بھیجا جو میں حضرت عائشہ ؓ کی طرف لے کر گیا تھا۔ حضرت ام سلمہ ؓ نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ سے سنا کہ آپ ان سے منع فرماتے تھے، پھر میں نے آپ کو عصر کے بعد یہ دو رکعت پڑھتے ہوئے دیکھا، پھر آپ میرے پاس تشریف لائے جبکہ اس وقت میرے پاس انصار کے قبیلہ بنو حرام کی کچھ عورتیں بیٹھی تھیں۔ میں نے ایک لڑکی کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا اور اس سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں کھڑی ہو کر عرض کرنا: ام سلمہ دریافت کرتی ہیں: اللہ کے رسول! میں نے آپ کو ان دو رکعت سے منع کرتے ہوئے سنا ہے جبکہ میں آپ کو دیکھتی ہوں کہ خود آپ یہ دو رکعت پڑھ رہے ہیں۔ اگر رسول اللہ ﷺ اپنے ہاتھ سے اشارہ کر دیں تو پیچھے ہٹ جانا، چنانچہ اس لڑکی نے ایسے ہی کیا۔ آپ نے جب اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا تو وہ پیچھے ہٹ گئی۔ پھر آپ نے نماز سے فراغت کے بعد فرمایا: ''ابو امیہ کی بیٹی! تو نے عصر کے بعد دو رکعت پڑھنے کے متعلق دریافت کیا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ قبیلہ عبدالقیس کے کچھ لوگ میرے پاس آ گئے تھے۔ انھوں نے

ظہر کے بعد دو رکعت پڑھنے میں مجھے دیر کرا دی، یہ وہی دو رکعت ہیں۔"

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز کے دوران میں کسی غیر کی بات سننے اور اس کا کلام سمجھنے سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آتی، نیز ہاتھ کا اشارہ ایک خفیف عمل ہے، اس سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ اس سلسلے میں ادب یہ ہے کہ نمازی سے دوران نماز میں بات کرنے والا اس کے ساتھ یا پیچھے نہ کھڑا ہو کیونکہ ایسا کرنے سے اس کے خشوع میں خلل آنے کا امکان ہے۔[1] ② اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ کسی کو حسب موقع خلاف شریعت کام پر مارنا اور سختی سے منع کرنا جائز ہے اور ایسا کرنا ظلم یا زیادتی نہیں۔ ③ عصر کے بعد دو رکعت پڑھنا رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت تھی کیونکہ آپ نے دو رکعت پڑھنے کا آغاز بطور قضا کیا تھا لیکن رسول اللہ ﷺ انھیں ہمیشہ پڑھتے تھے، حالانکہ قضا صرف ایک بار پڑھی جاتی ہے۔ آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب کسی کام کو شروع کرتے تو پھر اس پر ہمیشگی کرتے۔ ④ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ پر نسیان طاری ہو سکتا ہے کیونکہ حضرت ام سلمہ ؓ کے استفسار سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسے نسیان پر محمول کر رہی تھیں یا نسخ پر یا خصوصیت پر۔ لیکن تیسری بات ثابت ہوئی کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت تھی۔

(٩) بَابُ الْإِشَارَةِ فِي الصَّلَاةِ

باب: 9- دوران نماز میں اشارہ کرنا

قَالَهُ كُرَيْبٌ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

اس بات کو حضرت کریب نے ام المومنین حضرت ام سلمہ ؓ سے، انھوں نے نبی ﷺ سے بیان کیا ہے۔

وضاحت: قبل ازیں باب میں آپس کی بات بغور سن کر دوران نماز میں اشارہ کرنا بیان ہوا تھا گویا وہ مرتب اشارہ تھا۔ اس باب میں عام اشارے کا بیان ہے، خواہ وہ مرتبہ ہو یا غیر مرتب۔ اس سلسلے میں حضرت کریب کی حدیث کو بیان کیا گیا ہے جو ابھی متصل سند سے بیان کی گئی ہے۔[2]

١٢٣٤ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ بَلَغَهُ أَنَّ بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ كَانَ بَيْنَهُمْ شَيْءٌ فَخَرَجَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُصْلِحُ بَيْنَهُمْ فِي

[1234] حضرت سہل بن سعد ساعدی ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ قبیلہ بنو عمرو بن عوف میں کوئی جھگڑا ہو گیا ہے۔ آپ چند صحابۂ کرام ؓ کو ساتھ لے کر ان میں صلح کرانے کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ کو وہاں دیر ہو گئی اور ادھر نماز کا وقت ہو گیا۔

1 فتح الباري: 138/3. 2 فتح الباري: 140/3.

أُنَاسٍ مَعَهُ، فَحُبِسَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَحَانَتِ الصَّلَاةُ، فَجَاءَ بِلَالٌ إِلَى أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَقَالَ: يَا أَبَا بَكْرٍ! إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَدْ حُبِسَ وَقَدْ حَانَتِ الصَّلَاةُ، فَهَلْ لَكَ أَنْ تَؤُمَّ النَّاسَ؟ قَالَ: نَعَمْ، إِنْ شِئْتَ. فَأَقَامَ بِلَالٌ وَتَقَدَّمَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَكَبَّرَ لِلنَّاسِ، وَجَاءَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَمْشِي فِي الصُّفُوفِ حَتَّى قَامَ فِي الصَّفِّ فَأَخَذَ النَّاسُ فِي التَّصْفِيقِ، وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لَا يَلْتَفِتُ فِي صَلَاتِهِ فَلَمَّا أَكْثَرَ النَّاسُ الْتَفَتَ، فَإِذَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَأَشَارَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَأْمُرُهُ أَنْ يُصَلِّيَ، فَرَفَعَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَدَيْهِ، فَحَمِدَ اللهَ وَرَجَعَ الْقَهْقَرَى وَرَاءَهُ حَتَّى قَامَ فِي الصَّفِّ، فَتَقَدَّمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَصَلَّى بِالنَّاسِ، فَلَمَّا فَرَغَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ وَقَالَ: «أَيُّهَا النَّاسُ! مَا لَكُمْ حِينَ نَابَكُمْ شَيْءٌ فِي الصَّلَاةِ أَخَذْتُمْ فِي التَّصْفِيقِ؟ إِنَّمَا التَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ، مَنْ نَابَهُ شَيْءٌ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَقُلْ: سُبْحَانَ اللهِ، فَإِنَّهُ لَا يَسْمَعُهُ أَحَدٌ حِينَ يَقُولُ: سُبْحَانَ اللهِ، إِلَّا الْتَفَتَ. يَا أَبَا بَكْرٍ! مَا مَنَعَكَ أَنْ تُصَلِّيَ لِلنَّاسِ حِينَ أَشَرْتُ إِلَيْكَ؟» فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: مَا كَانَ يَنْبَغِي لِابْنِ أَبِي قُحَافَةَ أَنْ يُصَلِّيَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللهِ ﷺ [راجع: ٦٨٤]

حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور عرض کیا: ابوبکر! رسول اللہ ﷺ کو وہاں دیر ہوگئی ہے۔ جبکہ نماز کا وقت قریب آگیا ہے۔ کیا آپ لوگوں کو نماز پڑھائیں گے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم چاہتے ہو تو میں تیار ہوں۔ چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے تکبیر کہی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور لوگوں کو نماز پڑھانے کے لیے تکبیر تحریمہ کہی۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے اور صفوں سے گزرتے ہوئے پہلی صف میں آکر کھڑے ہوگئے۔ لوگوں نے تالیاں بجانا شروع کر دیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز میں بالکل کسی طرف بھی متوجہ نہیں ہوا کرتے تھے۔ جب لوگوں نے بکثرت تالیاں پیٹنا شروع کر دیں تو متوجہ ہوئے کیا دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لا چکے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اشارہ فرمایا جس کے ذریعے سے آپ انھیں نماز پڑھانے کا حکم دے رہے تھے مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور الٹے پاؤں واپس ہوئے تاآنکہ صف میں کھڑے ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ آگے بڑھے اور لوگوں کو نماز پڑھائی۔ جب فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: "اے لوگو! تمھیں کیا ہوگیا، جب نماز میں کوئی بات پیش آئی تو تم نے تالیاں پیٹنا شروع کر دیں؟ تالی بجانا تو عورتوں کا کام ہے۔ جسے نماز میں کوئی بات پیش آئے تو وہ سبحان اللہ کہے، اس لیے کہ جو شخص بھی سبحان اللہ سنے گا تو ضرور متوجہ ہوگا۔ اے ابوبکر! جب میں نے تمھیں (نماز پڑھاتے رہنے کا) اشارہ کر دیا تھا تو پھر کس چیز نے تمھیں لوگوں کو نماز پڑھانے سے باز رکھا؟" حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گویا ہوئے کہ ابوقحافہ کے بیٹے کو زیب نہیں دیتا کہ وہ

رسول اللہ ﷺ کے آگے کھڑا ہو کر نماز پڑھائے۔

فوائد و مسائل: ① احناف کے نزدیک نماز میں اشارہ کرنا مکروہ ہے لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے ثابت کیا ہے کہ دوران نماز میں اشارہ کرنے سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آتی۔ رسول اللہ ﷺ نے دوران نماز اشارہ فرمایا۔ لوگوں نے تالیاں بجائیں۔ یہ سب دوران نماز اشارے ہی ہیں۔ ان سے نماز میں کوئی خرابی واقع نہیں ہوتی۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ اذکار وغیرہ کو اگر دنیوی مقاصد کے لیے استعمال کیا جائے تو وہ ذکر کے زمرے سے خارج ہو جاتے ہیں لیکن ہمارے نزدیک ان کی شان نہیں بدلتی۔ اسی میں سہولت ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ ہم اس پر عمل کر کے بھی جنت سے محروم نہیں رہیں گے۔ ② ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ تبوک کے موقع پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں نماز ادا فرمائی۔ لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تواضع اور انکسار کی وجہ سے پیچھے ہٹ گئے، حالانکہ رسول اللہ ﷺ آپ کی امامت پر راضی تھے اور آپ نے اس کے متعلق اشارہ بھی فرمایا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خیال فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ صفوں کو چیرتے ہوئے پہلی صف میں تشریف لائے ہیں، اس لیے آپ امامت کرانا چاہتے ہیں، بصورت دیگر آپ آگے تشریف نہ لاتے بلکہ پیچھے ہی ان کی امامت میں نماز ادا کر لیتے جیسا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں پیچھے ہی نماز ادا کر لی تھی۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کا امر وجوب کے لیے نہیں تھا ورنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کی مخالفت نہ کرتے۔

١٢٣٥ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ: حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الثَّوْرِيُّ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ فَاطِمَةَ، عَنْ أَسْمَاءَ قَالَتْ: دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا وَهِيَ تُصَلِّي قَائِمَةً وَالنَّاسُ قِيَامٌ، فَقُلْتُ: مَا شَأْنُ النَّاسِ؟ فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا إِلَى السَّمَاءِ، فَقُلْتُ: آيَةٌ؟ فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا أَيْ: نَعَمْ. [راجع: ٨٦]

[1235] حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی جبکہ وہ کھڑی نماز پڑھ رہی تھیں اور لوگ بھی کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ میں نے پوچھا: لوگوں کا کیا ماجرا ہے؟ تو انھوں نے اپنے سر سے آسمان کی طرف اشارہ فرمایا۔ میں نے کہا: (قدرت کی) کوئی نشانی ہے؟ انھوں نے پھر اپنے سر سے اشارہ کر کے فرمایا: ہاں۔

١٢٣٦ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهَا قَالَتْ: صَلَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي بَيْتِهِ - وَهُوَ شَاكٍ - جَالِسًا، وَصَلَّى وَرَاءَهُ قَوْمٌ قِيَامًا، فَأَشَارَ إِلَيْهِمْ أَنِ اجْلِسُوا، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: «إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ

[1236] نبی ﷺ کی زوجہ محترمہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھر میں بیٹھ کر نماز ادا فرمائی جبکہ آپ بیمار تھے۔ آپ کی اقتدا میں لوگوں نے کھڑے ہو کر نماز شروع کی تو آپ نے اشارہ کیا کہ بیٹھ جاؤ۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: "امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے،

بِهِ، فَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوا». [راجع: ٦٨٨] لہٰذا جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو اور جب وہ سر اٹھائے تو تم بھی سر اٹھاؤ۔“

فائدہ: ان احادیث سے بھی امام بخاری رحمہ اللہ نے ثابت کیا ہے کہ دوران نماز میں ہاتھ یا سر سے اشارہ کرنے سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آتی، چنانچہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دوران نماز میں دو مرتبہ اپنے سر سے اشارہ فرمایا۔ اسی طرح آخری حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے دوران نماز لوگوں کو اشارہ کیا کہ بیٹھ کر نماز پڑھو۔ واضح رہے کہ مرض وفات کے وقت نماز پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کو ایسے حالات میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم منسوخ ہو چکا ہے کیونکہ اس وقت آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی جبکہ مقتدی حضرات نے کھڑے ہو کر نماز ادا کی تھی۔ اس کی وضاحت ہم پہلے کر آئے ہیں۔ اس حدیث میں ان لوگوں کی تردید ہے جو دوران نماز میں اشارے کے ساتھ سلام کا جواب دینے کو منع کہتے ہیں کیونکہ اگر لوگوں کو اشارے سے بیٹھنے کا حکم دیا جا سکتا ہے تو اشارے سے سلام کا جواب بھی دیا جا سکتا ہے۔ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

(1) فتح الباري: 140/3.